

اَمَّا اَخْلَاطُ الْعَيْنِ

فِيهِ

اَمَّا اَخْلَاطُ الْعَيْنِ

مؤلف

مولانا محمد عايشق الہی بلند شہری رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ و تشریح

مولانا مفتی محمد شعیب احمد



مکتبہ رحمانیہ

اَمَّا كَلَامُ طَائِفَةِ الْبَيْنِ

فِيهِ

تَاَمَّا كَلَامُ طَائِفَةِ الْبَيْنِ

مؤلف: مولانا محمد عايشق اهل بلند شہری رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ و تشریح: مولانا مفتی محمد شعیب احمد



مکتبہ رحمانیہ

اقرا سنش عرف سٹریٹ، آڈو کازان لاہور
فون: 042-37224228-37355743

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

جملہ حقوق ملکیت بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب: اَفْلَاکُ الظَّالِمِیْنَ عَلٰی ذَیْلِ الظَّالِمِیْنَ

شارح: مولانا مفتی محمد شعیب احمد

ناشر: مکتبہ رحمانیہ

مطبع: لعل سٹار پرنٹرز لاہور

ضروری وضاحت

ایک مسلمان جان بوجھ کر قرآن مجید، احادیث رسول ﷺ اور دیگر دینی کتابوں میں غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا بھول کر ہونے والی غلطیوں کی تصحیح و اصلاح کے لیے بھی ہمارے ادارہ میں مستقل شعبہ قائم ہے اور کسی بھی کتاب کی طباعت کے دوران اغلاط کی تصحیح پر سب سے زیادہ توجہ اور عرق ریزی کی جاتی ہے۔ تاہم چونکہ یہ سب کام انسانوں کے ہاتھوں ہوتا ہے اس لیے پھر بھی غلطی کے رہ جانے کا امکان ہے۔ لہذا قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر ایسی کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرمادیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہو سکے۔ نیکی کے اس کام میں آپ کا تعاون صدقہ جاریہ ہوگا۔ (ادارہ)

فہرست مضامین

- ۱۹ عرض مولف ○
- حالات مصنف: حضرت مولانا مفتی عاشق الہی صاحب بلندی شہری برنی (۱۳۳۳ھ-۱۳۴۲ھ) ○
- ۲۱ تمہید ○
- باب اول: حالات و واقعات ○
- ۲۳ بلند شہر کا محل وقوع ○
- ۲۳ آبائی وطن اور خاندان ○
- ۲۴ ولادت ○
- ۲۴ نام ○
- ۲۵ نسبت ○
- ۲۵ تعلیم کا آغاز ○
- ۲۶ فارسی و عربی تعلیم ○
- ۲۹ تدریس ○
- ۳۱ کلکتہ کو روانگی ○
- ۳۲ حج بیت اللہ کی سعادت ○
- ۳۲ مراد آباد کا قیام ○
- ۳۳ ہجرت پاکستان ○
- ۳۳ جامعہ دارالعلوم کراچی سے تعلق ○
- ۳۵ مدرسے سے مخلصانہ تعلق ○
- ۳۷ ہجرت مدینہ منورہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ○
- ۳۷ وفات حسرت آیات ○

باب دوم: تالیفات اور تحریری خدمات

- ۳۹ علم اور قلم کا رشتہ ○
- ۴۰ مولانا کا تصنیفی ذوق ○

- تالیفی تربیت ۴۱
- سلیقہ تالیف ۴۲
- مصنف گری ۴۲
- تصانیف کی تعداد ۴۲
- کیٹ یا کیفیت ۴۳
- کتب کی فہرست ۴۳
- تفسیر ۴۳
- تجوید ۴۵
- حدیث ۴۵
- سیرت ۴۵
- سوانح ۴۵
- فقہ ۴۶
- ایمانیات ۴۷
- اصلاحیات ۴۸
- جن کتب کے انگریزی تراجم ہو چکے ہیں ۴۸
- مختلف مضامین ۴۸

● باب سوم : خصوصیات و امتیازات

- ۱۔ فقہ و فتویٰ ۴۹
- مسئلہ بتانے میں احتیاط ۵۱
- تعبیر میں احتیاط ۵۱
- مفتی کی ذمہ داریاں ۵۲
- انوار الفتاویٰ ۵۲
- (۲) دعوت و تبلیغ ۵۳
- دیگر دعوتی سرگرمیاں ۵۳
- کلیم صدیقی صاحب کی تحریک سے لگاؤ ۵۵

- وقت کی قدر و قیمت ۵۶
- بے تکلفی و سادگی ۵۷
- ظرافت و خوش طبعی ۵۸
- صرفی چکلے ۵۸
- زہد و ورع اور تقویٰ ۵۹
- سعودیہ میں درآمد شدہ گوشت سے احتراز ۶۰
- حقوق تالیف اور علمی احکام ۶۰
- مغربی تہذیب کا محاسبہ ۶۲
- جدید وسائل اور خدمت دین ۶۲
- جمہوریت کی حقیقت ۶۳
- تصلب اور مسلکی چٹنگی ۶۳
- علوی مالکی گروہ ۶۷
- ممانیت کی روک تھام ۶۷
- خطبہ مکتاب ۶۹
- الباب الاول: فی جوامع الکلم و منابع الحکم و المواعظ الحسنہ ۷۶
- ① اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے ۷۸
- جملہ اسمیہ ۸۵
- ② دین سراسر خیر خواہی ہے ۸۵
- ③ مجلس کی گفتگوار ہے ۸۸
- ④ دعا عبادت کا مغز ہے ۹۰
- ⑤ حیا ایمان کا حصہ ہے ۹۳
- ⑥ محبت اور معیت ۹۵
- ⑦ شراب گناہوں کی جڑ ۹۷
- ⑧ بردباری اور جلد بازی ۹۹
- ⑨ مومن اور منافق کے اخلاق ۱۰۱

- ۱۰ ظلم کا آخرت میں وبال ۱۰۳
- ۱۱ سلام میں پہل کا حکم ۱۰۵
- ۱۲ دنیا ایک امتحان گاہ ہے ۱۰۷
- ۱۳ مسواک کی اہمیت و فضیلت ۱۰۹
- ۱۴ دینے والا لینے والے سے بہتر ہے ۱۱۲
- ۱۵ غیبت ایک سنگین گناہ ۱۱۳
- ۱۶ طہارت اور ایمان ۱۱۶
- ۱۷ قرآن پاک کا مقام و اہمیت ۱۱۸
- ۱۸ گھنٹی شیطان کی بانسری ہے ۱۲۰
- ۱۹ شیطان کا جال ۱۲۲
- ۲۰ صبر اور شکر ۱۲۳
- ۲۱ معتدل معیشت کا راز ۱۲۶
- ۲۲ لوگوں سے محبت کا برتاؤ کرنا ۱۲۸
- ۲۳ اچھا سوال آدھا علم ہے ۱۳۰
- ۲۴ توبہ کے اثرات ۱۳۲
- ۲۵ غفلت آدمی کون ہے؟ ۱۳۳
- ۲۶ موسیٰ سرِ اِپالفت ہے ۱۳۷
- ۲۷ گناہ اور نفاق ۱۳۹
- ۲۸ تاجر، فضیلت و وعید کے درمیان ۱۴۱
- ۲۹ امانت دار تاجر کا مقام ۱۴۳
- ۳۰ منافق کی علامات ۱۴۵
- ۳۱ کبیرہ گناہ ۱۴۷
- ۳۲ گناہ کی پہچان ۱۴۹
- ۳۳ قلوب اللہ کا کنبہ ہے ۱۵۱
- ۳۴ مسلمان کون ہے؟ ۱۵۳

- ۱۵۵ ۳۲) مومن مال و جان کا محافظ
- ۱۵۷ ۳۳) نفس کا جہاد
- ۱۵۹ ۳۴) ہجرت کا اصل تقاضا
- ۱۶۱ ۳۵) مدعی اور مدعی علیہ کی ذمہ داری
- ۱۶۳ ۳۶) مومن مومن کا آئینہ ہے
- ۱۶۳ ۳۷) ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے
- ۱۶۶ ۳۸) تمام مسلمان ایک جسم کی مانند ہیں
- ۱۶۸ ۳۹) سفر ایک عذاب

• دوسری نوع کے جملے

- ۱۷۱ ۴۰) جہاد سے واپسی کا حکم
- ۱۷۳ ۴۱) قرض میں ٹال مٹول کا حکم
- ۱۷۵ ۴۲) لوگوں کا سردار کون ہے؟
- ۱۷۷ ۴۳) محبت اندھی ہوتی ہے
- ۱۷۹ ۴۴) علم کا حصول ایک فریضہ
- ۱۸۱ ۴۵) مختصر مگر پراثر
- ۱۸۳ ۴۶) سب سے سچا خواب
- ۱۸۵ ۴۷) حلال کمائی کی اہمیت
- ۱۸۷ ۴۸) تعلیم قرآن کی فضیلت
- ۱۸۹ ۴۹) دنیا کی محبت کے نتائج
- ۱۹۱ ۵۰) استقامت کی اہمیت
- ۱۹۳ ۵۱) زیادہ اجر والا صدقہ
- ۱۹۵ ۵۲) دو بھوکے کبھی سیر نہیں ہوتے
- ۱۹۷ ۵۳) بہترین جہاد کیا ہے؟
- ۱۹۹ ۵۴) راہ خدا کی ایک صبح و شام کا اجر
- ۲۰۱ ۵۵) فقیہ کا رتبہ

- ۶۱) کثرتِ استغفار پر خوشخبری ۲۰۳
- ۶۲) والدِ خدا کی خوشنودی کا ذریعہ ۲۰۵
- ۶۳) بڑے بھائی کا مقام و مرتبہ ۲۰۷
- ۶۴) ہر آدمی خطا کار ہے لیکن !! ۲۰۹
- ۶۵) اخلاص کے بغیر اعمال کچھ نہیں ۲۱۱
- ۶۶) ہر شخص نگہبان ہے ۲۱۳
- ۶۷) لایعنی امور سے بچنے کی ترغیب ۲۱۶
- ۶۸) سب سے پسندیدہ اور ناپسندیدہ جگہیں ۲۱۸
- ۶۹) کچھ برا کرنے سے کچھ نہ کرنا بہتر ہے ۲۲۰
- ۷۰) موت مومن کے لیے تحفہ ہے ۲۲۳
- ۷۱) جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے ۲۲۵
- ۷۲) زبان کا بولا، تولا جائے گا ۲۲۷
- ۷۳) ذکر الہی زندگی ہے ۲۲۹
- ۷۴) بے نفع علم بے کار ہے ۲۳۱
- ۷۵) بہترین ذکر کونسا ہے ۲۳۳
- ۷۶) ہر حال میں شکر خداوندی کی فضیلت ۲۳۵

• اس کی ایک دوسری قسم

- ۷۷) امانت داری اور ایمان ۲۳۷
- ۷۸) عہد و پیمان کی اہمیت ۲۳۹
- ۷۹) بردبار اور دانشمند کون ہے؟ ۲۴۱
- ۸۰) عقل، تقویٰ اور شرافت ۲۴۳
- ۸۱) مخلوق کی اطاعت میں خدا کی نافرمانی کی گنجائش نہیں ۲۴۵
- ۸۲) اسلام میں ضرورت نہیں ۲۴۷
- ۸۳) مالدار کی شریعت کی نظر میں ۲۴۹
- ۸۴) بعض بیانِ جادو تاثر ہوتے ہیں ۲۵۳

- ۸۵) بعض علم جہالت ہے ۲۵۵
- ۸۶) معمولی سی ریا کاری بھی شرک ہے ۲۵۷
- ۸۷) فتنوں سے بچاؤ خوش بختی ہے ۲۵۹
- ۸۸) مشورہ امانت ہے ۲۶۱
- ۸۹) اولاد بخل کا سبب ہے ۲۶۳
- ۹۰) سچائی باعث اطمینان ہوتی ہے ۲۶۵
- ۹۱) خوبصورتی اللہ کی نظر میں ۲۶۷
- ۹۲) ہر عروج کو زوال ہے ۲۶۹
- ۹۳) جو مقدر میں ہول کر رہتا ہے ۲۷۱
- ۹۴) شیطان کا انسانی جسم میں دوڑنا ۲۷۳
- ۹۵) اس امت کا فتنہ مال ہے ۲۷۵
- ۹۶) جلدی قبول ہونے والی دعا ۲۷۷
- ۹۷) گناہ رزق سے محرومی کا باعث ہے ۲۷۹
- ۹۸) رزق پورا کیے بغیر موت نہیں آئے گی ۲۸۱
- ۹۹) صدقہ بری موت کو مالتا ہے ۲۸۳
- ۱۰۰) اصل معیار فضیلت کیا ہے؟ ۲۸۵
- ۱۰۱) اللہ کو بندوں سے کیا مطلوب ہے؟ ۲۸۷
- ۱۰۲) مسلمان سے خندہ پیشانی سے ملنا ۲۸۹
- ۱۰۳) سلام میں پہل کرنے کی فضیلت ۲۹۱
- ۱۰۴) سود کا انجام ۲۹۳
- ۱۰۵) غصہ ایمان کا دشمن ہے ۲۹۵
- ۱۰۶) سچ اور جھوٹ کا تقابل ۲۹۷
- ۱۰۷) چند ممنوعہ چیزیں ۲۹۹
- ۱۰۸) اللہ کے ہاں سب سے محبوب عمل ۳۰۲
- ۱۰۹) علماء و طلباء کا مقام ۳۰۴

- ۱۱۰ مرنے کے بعد جاری رہنے والے اعمال ۳۰۶
- ۱۱۱ اللہ دین کا کام کسی سے بھی لے سکتے ہیں ۳۱۰
- ۱۱۲ قیامت کی ایک علامت ۳۱۲
- ۱۱۳ جہالت کا علاج ۳۱۴
- ۱۱۴ اعمال کا دار و مدار خاتے پر ہے ۳۱۶
- ۱۱۵ قبر صرف مٹی کا گڑھا نہیں ۳۱۸
- ۱۱۶ فقر ایک آزمائش ہے ۳۲۰
- ۱۱۷ جس حال پر موت آئے گی اس پہ حشر ہوگا ۳۲۲
- ۱۱۸ ہر سنی بات آگے بیان کرنے کی نہیں ہوتی ۳۲۳
- ۱۱۹ شہید کے گناہوں کی معافی ۳۲۶
- ۱۲۰ پیسے کا بیماری ملعون ہے ۳۲۸
- ۱۲۱ جہنم پہ خواہشات کا پردہ ۳۳۰
- ۱۲۲ انسان کی دو خواہشیں ۳۳۲
- ۱۲۳ عالم دین کی شان ۳۳۳
- ۱۲۴ آخرت میں کام آنے والی چیز ۳۳۶
- ۱۲۵ ایک بہت بڑی خیانت ۳۳۸
- ۱۲۶ ذخیرہ اندوز کی مذمت ۳۴۰
- ۱۲۷ چغل خور کے لئے وعید ۳۴۲
- ۱۲۸ قطع رحمی کا دہال ۳۴۴
- ۱۲۹ مومن ایک سوراخ سے دوبارہ نہیں ڈسا جاتا ۳۴۶
- ۱۳۰ پڑوسیوں سے بدسلوکی پر وعید ۳۴۸
- ۱۳۱ حرام غذا کا اثر ۳۵۰
- ۱۳۲ کامل ایمان کا اجماع سے مشروط ہے ۳۵۲
- ۱۳۳ مسلمان کو دہشت زدہ کرنا ۳۵۴
- ۱۳۴ تصویر کا حکم ۳۵۶

- ۳۵۸ رسول اللہ ﷺ کی محبت شرط ایمان ہے
- ۳۶۰ مسلمان بھائی سے ناراضگی کا حکم
- ۳۶۲ کسی کی دلی خوشی کے بغیر اس کی چیز لینے کا حکم
- ۳۶۳ رحمہ اللہ سے محرومی بد بختی ہے
- ۳۶۵ گھنٹیوں اور موسیقی کا حکم
- ۳۶۷ دین کی بات آگے پہنچانے کا حکم
- ۳۶۹ فرق مراتب کا خیال
- ۳۷۱ سفارش کا حکم
- ۳۷۳ استقامت کا حکم
- ۳۷۵ ایک اور جامع نصیحت
- ۳۷۷ تین اہم نبوی نصیحتیں
- ۳۷۹ اچھی محبت اختیار کرنے کا حکم
- ۳۸۱ ہر ایک سے حسن معاملہ کا حکم
- ۳۸۳ اذان اور امامت ایک عظیم منصب
- ۳۸۵ سلام میں کھل کی ترغیب
- ۳۸۷ بڑھاپا مسلمان کا نور ہے
- ۳۸۹ محبوب بننے کا طریقہ
- ۳۹۱ دنیا ایک مسافر خانہ ہے
- ۳۹۳ جائیداد بنانے کا اثر
- ۳۹۵ مزدور کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے مزدوری دے دو
- ۳۹۷ دائرہ می رکھنے کا وجوب
- ۳۹۹ خوشخبریاں سناؤ، نفرت نہ پیدا کرو
- ۴۰۱ قیدیوں کی رہائی کا حکم
- ۴۰۳ سرخ کو برا بھلا مت کہو
- ۴۰۱ غصے کی حالت میں فیصلہ نہ کیا جائے

- ۱۶۰) تعیش کی زندگی سے بچو ۲۰۷
- ۱۶۱) سجدہ اطمینان سے ادا کرو ۲۰۹
- ۱۶۲) مردوں کو برا بھلا مت کہو ۲۱۱
- ۱۶۳) نابالغ اولاد کی تربیت ۲۱۳
- ۱۶۴) قرآن پاک کی تلاوت کا اہتمام ۲۱۶
- ۱۶۵) قبروں کا احترام ۲۱۸
- ۱۶۶) مظلوم کی بددعا سے بچو ۲۲۰
- ۱۶۷) جانوروں کے حقوق کی رعایت ۲۲۲
- ۱۶۸) محرم کے بغیر سفر کا حکم ۲۲۴
- ۱۶۹) جانوروں کی پشتوں کو منبر نہ بناؤ ۲۲۶
- ۱۷۰) ذی روح چیز کو نشانہ نہ بناؤ ۲۲۸
- ۱۷۱) مجلس کا ادب ۲۳۰
- ۱۷۲) صدقہ بلا کو نالتا ہے ۲۳۱
- ۱۷۳) مسلمان کی مصیبت پر خوشی سے ممانعت ۲۳۳
- ۱۷۴) جہنم سے بچاؤ کی تدبیر ۲۳۵
- ۱۷۵) مشرکوں سے ہر طرح کے جہاد کا حکم ۲۳۷
- ۱۷۶) پانچ چیزوں کو غنیمت جانو ۲۳۹
- ۱۷۷) طاقتور آدمی کون ہے؟ ۲۴۱
- ۱۷۸) لگائی بجھائی کرنے والا آدمی ۲۴۳
- ۱۷۹) چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کی تعظیم ۲۴۵
- ۱۸۰) بھوکے پڑوسی والا انسان مومن نہیں ۲۴۷
- ۱۸۱) مسلمان فحش کو نہیں ہو سکتا ۲۴۹
- ۱۸۲) اصل صلہ رحمی کیا ہے؟ ۲۵۱
- ۱۸۳) اصل غنا تو دل کا غنا ہے ۲۵۳
- ۱۸۴) صلح کے لیے کچھ غلط بیانی سے کام لینا ۲۵۵

- ۱۸۶ دعا کا خدا کے ہاں مقام ۲۵۷
- ۱۸۷ ماتم اور مرغی شریعت کی نظر میں ۲۵۹
- ۱۸۸ شنیدہ کے بودمانند دیدہ ۲۶۱
- ۱۸۹ تکبر اور تواضع کے نتائج ۲۶۲
- ۱۹۰ لوگوں کا شکریہ ادا کرنے کی اہمیت ۲۶۳
- ۱۹۱ اللہ نے نہ مانگنا ناراضگی کا باعث ۲۶۵
- ۱۹۲ لوٹنے والا ہم میں سے نہیں ۲۶۷
- ۱۹۳ اچھی بات کی راہنمائی کرنے والے کا اجر ۲۶۹
- ۱۹۴ کسی مسلمان پر ہتھیاراٹھانا ۲۷۱
- ۱۹۵ خاموشی میں نجات ہے ۲۷۳
- ۱۹۶ نرم خوئی، خیر ہے ۲۷۴
- ۱۹۷ غیروں سے مشابہت کا حکم ۲۷۶
- ۱۹۸ حج میں جلدی کرنی چاہئے ۲۷۸
- ۱۹۹ مختلف چیزوں کے اثرات ۲۷۹
- ۲۰۰ مجاہد کو سامان فراہم کرنے کا اجر ۲۸۱
- ۲۰۱ ریا کاری شرک خفی ہے ۲۸۳
- ۲۰۲ سنت سے اعراض کا نتیجہ ۲۸۵
- ۲۰۳ دھوکہ دہی پر وعید ۲۸۷
- ۲۰۴ غمزدہ کو دلاسا دینا ۲۸۹
- ۲۰۵ درود شریف کا اجر و ثواب ۲۹۱
- ۲۰۶ ذمی کو قتل کرنے کا وبال ۲۹۳
- ۲۰۷ دین کی سمجھ بہت بڑی نعمت ہے ۲۹۵
- ۲۰۸ مسجد بنانے کی فضیلت ۲۹۷
- ۲۰۹ کسی کو بھلائی کا شکریہ ادا کرنا ۲۹۹
- ۲۱۰ دو غلے آدمی کا انجام ۵۰۱

- ۵۰۳ ۱۶۰ پردہ پوشی کا اجر
- ۵۰۵ ۱۶۱ زبان کی حفاظت کا انعام
- ۵۰۸ ۱۶۲ کسمان علم پر سخت وعید
- ۵۱۰ ۱۶۳ بدعتی کی تعظیم
- ۵۱۲ ۱۶۴ بغیر علم کے فتویٰ دینے کا گناہ
- ۵۱۳ ۱۶۵ غلط مشورہ خیانت ہے
- ۵۱۶ ۱۶۶ کھوکھلی نمائش کرنے والا آدمی جھوٹا ہے
- ۵۱۸ ۱۶۷ بدعت ناقابل قبول ہے
- ۵۲۰ ۱۶۸ جنت کی نبوی ضمانت
- ۵۲۲ ۱۶۹ سنت پر عمل کا بے پناہ ثواب
- ۵۲۳ ۱۷۰ توحید و رسالت کا اقرار اور جہنم سے نجات
- ۵۲۶ ۱۷۱ اپنے تمام جذبات میں اخلاص کی اہمیت
- ۵۲۸ ۱۷۲ مقروض کو مہلت دینے کا اجر
- ۵۳۰ ۱۷۳ حدیث میں جھوٹ بولنے کا انجام
- ۵۳۲ ۱۷۴ طالب علم راہ خدا میں ہوتا ہے
- ۵۳۳ ۱۷۵ اخلاص کے ساتھ اذان دینے کا اجر
- ۵۳۶ ۱۷۶ جمعہ چھوڑنے کا گناہ
- ۵۳۸ ۱۷۷ جہاد ایمان کا تقاضا
- ۵۴۰ ۱۷۸ مقبول روزہ کون سا ہے؟
- ۵۴۲ ۱۷۹ شہرت کا لباس پہننے کا انجام
- ۵۴۳ ۱۸۰ غیر اللہ کے لیے علم حاصل کرنے کا وبال
- ۵۴۶ ۱۸۱ دنیا کے لیے حصول علم کا انجام
- ۵۴۹ ۱۸۲ نجومی کے پاس جانے کا گناہ
- ۵۵۱ ۱۸۳ مسلمان کی درخواست پورا کرنے کا اہتمام
- ۵۵۳ ۱۸۴ برائی کو ختم کرنا مذہبی فریضہ

- ۵۵۵ بلا عذر روزہ چھوڑنے کا نقصان (۳۲)
- ۵۵۷ مجلس قرضدار کی اللہ مدد کرتے ہیں (۳۳)
- ۵۵۹ نیکی کے کام میں اعانت پر پورا اجر (۳۴)
- ۵۶۱ ناجائز قبضہ پر زمین میں دھسنے کا عذاب (۳۵)
- ۵۶۳ امیر کی اطاعت کی اہمیت (۳۶)
- ۵۶۵ خواب میں آپ ﷺ کی زیارت (۳۷)
- ۵۶۷ ناحق دعویٰ کرنے والے کے لیے سخت وعید (۳۸)
- ۵۶۹ رمضان اور لیلۃ القدر کی فضیلت (۳۹)
- ۵۷۱ بدبودار چیز اور مسجد کا احترام (۴۰)
- ۵۷۳ عہدہ قضاء کی ذمہ داری (۴۱)
- ۵۷۵ غیر اللہ کی قسم کھانے پر وعید (۴۲)
- ۵۷۷ چند اہم اور زریں ہدایات (۴۳)
- ۵۷۹ عشا اور صبح کی نماز باجماعت کی فضیلت (۴۴)
- ۵۸۱ حسب و نسب عمل کی کمی پوری نہیں کر سکتا (۴۵)
- ۵۸۲ مقبول حج کا ثواب (۴۶)
- ۵۸۴ شہادت کی تمنا کرنے کا انعام (۴۷)
- ۵۸۶ جہاد کے لیے گھوڑا پالنے کا اجر (۴۸)
- ۵۸۸ بالوں کا اکرام کرو (۴۹)

• نوع آخر منہ

- ۵۹۰ ایمان کی ایک نمایاں علامت (۵۰)
- ۵۹۲ تاہل لوگوں کی قیادت کے اثرات (۵۱)
- ۵۹۴ ایک اہم معاشرتی اصول (۵۲)
- ۵۹۶ موت مقررہ جگہ پر ہی آتی ہے (۵۳)
- ۵۹۸ کھانے میں بھی پڑوسیوں کا خیال (۵۴)
- ۶۰۰ دائیں جانب سے ابتدا کا حکم (۵۵)

- ۶۰۲..... وضو میں انگلیوں کا خلال
- ۶۰۳..... کھانے کے وقت جوتے اتارنا
- ۶۰۶..... چوں بے حیاباشی ہرچہ خواہی بکن
- ۶۰۸..... دائیں ہاتھ سے کھانے پینے کا حکم
- ۶۱۰..... تحیۃ المسجد کا حکم
- ۶۱۳..... جوتا پہننے اور اتارنے کا طریقہ
- ۶۱۴..... سفر سے واپس آتے وقت کا ایک اصول
- ۶۱۶..... عیادت کا ایک ادب

● بعض پیش گوئیوں کا ذکر

- ۶۱۸..... تاقیامت حق پر قائم رہنے والی جماعت
- ۶۲۰..... آخری زمانے کے جھوٹے رجالوں کا تذکرہ
- ۶۲۱..... بہترین زمانہ کون سا ہے؟
- ۶۲۲..... سود کی کثرت کی پیش گوئی
- ۶۲۳..... دین کے اوپر اہونے کی پیش گوئی
- ۶۲۴..... دین کی حفاظت کا مضبوط نظام
- ۶۲۵..... اندھے قتل اور خانہ جنگی کا ذکر
- ۶۲۶..... علم اٹھ جانے اور فتنوں کے ظہور کا ذکر
- ۶۲۷..... سخت آزمائش کا دور
- ۶۲۸..... علامات قیامت کا بیان
- ۶۲۹..... آخری زمانے میں منافقت کا دور دورہ ہوگا
- ۶۳۰..... نیک لوگ ایک ایک کر کے اٹھتے جائیں گے
- ۶۳۱..... کہیں لوگ عزت کے مناصب پر فائز ہوں گے
- ۶۳۲..... دین پر چلنا، انگارہ پکڑنا ہوگا
- ۶۳۳..... کافروں کا غلبہ اور مسلمانوں کی ہستی کے اسباب
- ۶۳۴..... زبان کی کمائی کھانے والے لوگ

- ۶۳۵ ۳۳۰ حلال و حرام کی تمیز کا ختم ہونا
- ۶۳۶ ۳۳۱ قیامت کی ایک علامت
- ۶۳۷ ۳۳۲ نبی ﷺ سے محبت کرنے والے لوگ
- ۶۳۸ ۳۳۳ ایک خاص طبقے کی پیش گوئی
- ۶۳۹ ۳۳۴ مال سب سے بڑی طاقت ہوگی
- ۶۴۰ ۳۳۵ بے پردہ عورتوں کے بارے میں سخت وعید
- ۶۴۱ ۳۳۶ علم اٹھایا جائے گا
- ۶۴۲ ۳۳۷ علم بچانے کی ترغیب اور ایک اندیشہ
- ۶۴۳ ۳۳۸ قرآن پاک کو سنوار کر پڑھنے کا حکم

• الباب الثانی

- ۶۴۵ ۳۳۹ حدیث جبریل علیہ السلام
- ۶۴۷ ۳۴۰ وضو خوب اچھی طرح کیا کرو
- ۶۴۸ ۳۴۱ نماز سے گناہ جھڑتے ہیں
- ۶۴۹ ۳۴۲ جنت میں رفاقت نبوی ﷺ کا نسخہ
- ۶۵۰ ۳۴۳ صفوں کی درستی کی اہمیت
- ۶۵۱ ۳۴۴ جنت میں جانے کا نسخہ
- ۶۵۲ ۳۴۵ اپنا مال وہی ہے جو راہ خدا میں دے دیا
- ۶۵۳ ۳۴۶ مومن اور بدکار کی موت کا فرق
- ۶۵۴ ۳۴۷ روزے دار کا اجر
- ۶۵۵ ۳۴۸ گھر میں داخل ہونے کا ایک ادب
- ۶۵۶ ۳۴۹ نہ جانے رزق کن کن اسباب سے ملتا ہے
- ۶۵۷ ۳۵۰ آنے والے کے لیے مجلس میں جگہ بنانی چاہیے
- ۶۵۸ ۳۵۱ کھانا کھانے کا ایک ادب
- ۶۵۹ ۳۵۲ کھانے پر بسم اللہ کی برکت
- ۶۶۰ ۳۵۳ شان نبوت کا ایک عجیب مظہر

- ۶۶۱ ۳۷ نجات کی صورت کیا ہے؟
- ۶۶۲ ۳۸ بچھو کے کانٹے کا دم
- ۶۶۳ ۳۹ دل کا حال اللہ ہی جانتا ہے
- ۶۶۴ ۴۰ حق دار کو بات کرنے کا حق ہے
- ۶۶۵ ۴۱ اجنبی مرد کو (بلا وجہ) دیکھنے کی ممانعت
- ۶۶۶ ۴۲ ماں کی مامتا اور اس کا اظہار
- ۶۶۷ ۴۳ پہلی نشست پر بیٹھنا سواری والے کا حق ہے
- ۶۶۸ ۴۴ مزاح نبوی کی ایک لطیف مثال
- ۶۶۹ ۴۵ ایک جامع نصیحت نبوی ﷺ
- ۶۷۰ ۴۶ مشفقانہ انداز ترتیب
- ۶۷۱ ۴۷ تبرک پانی میں دوسرا پانی ملائے کا حکم
- ۶۷۲ ۴۸ امہات المؤمنین علیہم السلام کا ذوق عبادت
- ۶۷۳ ۴۹ شہید کا ہر گناہ معاف ہو جاتا ہے؟
- ۶۷۴ ۵۰ چند زریں نصائح نبوی ﷺ
- ۶۷۵ ۵۱ نصیحت اور بہتان میں فرق
- ۶۷۶ ۵۲ محض عبادت سے نجات ممکن نہیں
- ۶۷۷ ۵۳ مجھے دنیا سے کیا لینا
- ۶۷۸ ۵۴ غلاموں کے حقوق
- ۶۷۹ ۵۵ نفع و نقصان کا مالک صرف اللہ ہے
- ۶۸۰ ۵۶ جانوروں کے حقوق کی رعایت
- ۶۸۱ ۵۷ علم کی اہمیت اور فضیلت
- ۶۸۲ ۵۸ غلاموں سے عدل و انصاف یا غنودہ و رگزر؟
- ۶۸۳ ۵۹ دین ہر معاملے میں اعتدال کا نام ہے
- ۶۸۴ ۶۰ بدعات سے بچنے کی تاکید
- ۶۸۵ ۶۱ ہر حقیقت کا اظہار ضروری اور مفید نہیں
- ۶۸۶ ۶۲

عرض مولف

الحمد لله وحده والصلوة والسلام على من لا نبی بعده وعلى آله واصحابه
الذین اوفوا عہدہ

اما بعد:

مولانا عاشق الہی بلند شہری رحمہ اللہ کی تالیف کردہ کتاب زاد الطالبین کو اللہ نے بہت مقبولیت سے نوازا ہے۔ یہ کتاب ایک عرصے سے وفاق المدارس العربیہ کے بنین و بنات، دونوں کے نصاب میں شامل ہے۔ اس درجے میں اس کتاب کے رکھنے کے دو بنیادی مقاصد ہیں۔

(۱) نقش اول کے طور پر احادیث کا ذخیرہ طالب علم کے ذہن میں محفوظ ہو جائے۔

(۲) نحوی ترکیب اور لغوی و صرفی تحقیق کی صورت میں عربیت کی استعداد کو جلا بخشی جاسکے۔

انہی مقاصد کے پیش نظر پہلے کچھ حضرات نے ”زاد الطالبین“ پر اس کی شرح کی صورت میں قابل قدر کام کیا ہے۔ زیر نظر تالیف (امداد الطالبین) بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی اور خدمت حدیث کا شرف حاصل کرنے کی ایک سعی نامتام ہے۔ یہ شرح اگرچہ ایک طالب علمانہ کاوش ہونے کی وجہ سے وقیع علمی کاموں کی فہرست میں شمار کیے جانے کے قابل نہیں اور نہ ہی ایسا کرنا وقت کی ضرورت تھی۔ لیکن جس درجے کے قارئین اور طلباء کے لیے لکھی گئی ہے، ان کی نفسیات اور ضروریات کا خیال رکھنے کی اپنے تئیں کوشش کی گئی ہے۔

☆ تشریح اور ترجمے میں اس بات کا خیال رکھا گیا ہے کہ وہ محض علمی اسلوب ہو کر نہ رہ جائے بلکہ علمی دلچسپی رکھنے والے عوام کے لیے بھی مانوس ہو، تاکہ وہ بھی یکساں طور پر حدیث کے اس مختصر سے ذخیرے سے اپنی طلب و استعداد کے مطابق فائدہ اٹھا سکیں۔

☆ ترکیب میں بھی حتی الوسع تسہیل اور آسانی کا خیال رکھا گیا ہے۔ چنانچہ بعض مشہور نحوی (مگر مشکل) ترکیبوں سے عدول برتا گیا ہے اور جواز کے دائرے میں رہتے ہوئے آسان ترکیبوں کو اختیار کیا گیا۔

☆ ترکیب کو نقشے کی شکل میں لانے کے لیے یہ اسلوب اپنا اختراعی ہے۔ ہو سکتا ہے اس سے بہتر اسلوب بھی کسی اور کے پاس ہو۔

- ☆ تخریج احادیث کے سلسلے میں کمپیوٹر پروگرام (مکتبہ شاملہ) پر انحصار کیا گیا ہے۔
- ☆ شروع میں ذکر کردہ مصنف کے حالات لکھنے میں اگرچہ روضۃ الطالبین کے ابتدائے سے بھی استفادہ کیا گیا ہے، لیکن زیادہ تر استفادہ حضرت مولانا عاشق الہی صاحب کے خوش بخت صاحبزادے مولانا مفتی عبدالرحمن کوثر صاحب کی مرتب کردہ کتاب ”یادگار صالحین“ سے کیا گیا ہے۔ حالات مولف کا تقریباً سارا مواد اسی کتاب سے ماخوذ ہے۔ ان حضرات کے شکرے کے ساتھ ساتھ ان تمام اسباب کا ذکر بالخير اخلاقی فرض ہے جن کی بنا پر یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچا ہے۔ آخر میں تمام قارئین، طلباء اور فاضل اساتذہ سے درخواست ہے کہ اگر انہیں کسی بھی حوالے سے کوئی اشکال یا اعتراض یا تجویز ہو تو راقم کو اس سے ضرور مطلع فرمائیں تاکہ نظر ثانی کے دوران اس کا خیال رکھا جاسکے۔

(مفتی) شعیب احمد

جامعہ دارالتقویٰ - لاہور

۸ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ

حالات مصنف

حضرت مولانا مفتی عاشق الہی صاحب بلند شہری برنی

(۱۳۴۳ھ - ۱۴۲۲ھ)

تہمید:

یہ ایک حقیقت ہے کہ معاشروں اور قوموں کی زندگیوں پر سب سے مضبوط، دیرپا، گہرے اور وسیع اثرات مذہب کے ہوتے ہیں۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ زبان ہی کسی قوم اور ثقافت کی بھرپور نمائندگی کرتی ہے۔ اگر یہ دونوں باتیں درست ہیں اور یقیناً درست ہیں تو پھر اردو زبان بلاشبہ مولانا عاشق الہی صاحب کا احسان گراں بار اپنے کندھوں پر لیے ہوئے ہے۔ کیونکہ اردو زبان کو نہ مثنیٰ والی مذہبی تحریرات سے مالا مال کرنے والے مصنفین کی جب بھی کوئی فہرست مرتب کی جائے گی، اس میں اولیں درجے کے لوگوں میں مولانا کا نام ضرور لیا جائے گا۔ مولانا کے قلم سے مختلف موضوعات پر دوسو کے قریب چھوٹی بڑی تالیفات وجود میں آئیں۔ جن میں سے ”تحفہ خواتین“، ”شرعی پردہ“، ”امہات المؤمنین“، ”خواتین کے بیس سبق“، ”مرنے کے بعد کیا ہوگا؟“، وغیرہ بیشتر تالیفات ایسی مقبول اور رائج ہیں جو اردو کے تقریباً ہر قاری کی نظر سے گزرتی ہیں۔ مولانا کی تالیفی خصوصیت کے حوالے سے تبصرہ کرتے ہوئے حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ لکھتے ہیں:

”ہمارے مخدوم بزرگ مولانا عاشق الہی ان بزرگوں میں سے ہیں جن کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے مخلوق کی نفع رسانی کے لیے جن لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جملوں میں برکت عطا فرمائی ہے۔ ان کی تصانیف اور مضامین عوام و خواص سب کے لیے مفید ثابت ہوئے ہیں اور انہیں بہت قبول عام حاصل ہوا ہے۔ ان کی بعض کتابیں یقیناً لاکھوں کی تعداد میں چھپی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اخلاص کے ساتھ دین کا درد عطا فرمایا ہے۔ اس لیے ان کی باتیں دل پر اثر انداز ہوتی ہیں اور یہ ایسا وصف ہے جو بہت کم مصنفین کو نصیب ہوتا ہے۔“ (یادگار صالحین ص ۶۳۰)

مولانا کی شخصیت گونا گوں اوصاف اور خصوصیات کی جامع اور حسین مرقع تھی۔ ایک طرف قرآن سے مفسرانہ تعلق ہے تو دوسری طرف حدیث میں محدثانہ شان، فقہ و فتویٰ تو ہر وقت کا مشغلہ اور گویا اوڑھنا بچھوتا تھا اور پھر اس کے ساتھ ساتھ سیال قلم، بہل انداز تحریر، دلنشین انداز بیان، مؤثر پیرایہ اظہار، تڑپنے والا دل، دین کے ساتھ لگاؤ، کتاب و سنت پر تہلب کی حد تک اعتماد اور وعظ و

تذکیر جیسے اوصاف بھی قسام ازل سے ارزاں ہوئے تھے۔ آپ کی صرف ایک کتاب ”مرنے کے بعد کیا ہوگا؟“ کو پڑھ کر کتنے بے عملوں کی زندگیاں بدلیں، اور کتنے غافلوں کو فکر لگی۔ یہ تو حساب سے باہر ہے لیکن اتنا ضرور ریکارڈ پر موجود ہے کہ صرف اس ایک کتاب کو پڑھ کر اب تک ایک ہزار سے زیادہ ہندو دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے ہیں۔

مولانا کے ان اوصاف کی وجہ سے اگر کوئی عقیدت مند یا حقیقت پسند انہیں اردو زبان کے ابن الجوزی کے نام سے یاد کرنا چاہے تو مشابہت کے بہت سے اسباب اور پہلوؤں کی موجودگی میں کوئی وجہ نہیں کہ اس کو رد کیا جاسکے..... پیش آمدہ سطور میں مولانا کی شخصیت اور ان کے اوصاف و خصوصیات کے حوالے سے کچھ معلومات جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مضمون تین ابواب پر مشتمل ہے۔

باب اول: ذاتی حالات۔

باب دوم: تالیفات اور تحریری خدمات۔

باب سوم: خصوصیات و امتیازات۔



باب اول

حالات و واقعات

بلند شہر کا محل وقوع:

غیر منقسم ہندوستان یا موجودہ انڈیا کا سب سے گنجان آباد علاقہ صوبہ اتر پردیش ہے جس کی حالیہ مردم شماری کے مطابق آبادی 19 کروڑ نفوس پر مشتمل ہے۔ اتر پردیش کو مختصراً (U.P) بھی کہہ دیتے ہیں۔ یہ صوبہ 72 ضلعوں پر مشتمل ہے۔ لکھنؤ اس کا صدر مقام اور دار الحکومت، جبکہ کان پور اس کا سب سے بڑا شہر ہے۔ ہندوستان کے تمام صوبوں میں سے سب سے زیادہ مردم خیز صوبہ بھی یہی ہے۔ سہارنپور، میرٹھ، مظفرنگر، بلند شہر، بجنور، مراد آباد، رام پور، قنوج، جون پور، بدایوں، بریلی، شاہ جہان پور، بہرائچ، رائے بریلی، الہ آباد، آگرہ، علی گڑھ اور ہاندہ جیسے مشہور اضلاع اسی میں واقع ہیں۔ ازہر الہند یعنی جامعہ دارالعلوم دیوبند کے قیام کا شرف پانے والی ہستی دیوبند، اسی طرح نانوتیہ، گنگوہ، تھانہ بھون، شاملی اور کیرانہ جیسی مردم خیز اور اپنے باشندوں کی وجہ سے تاریخی مقام کی حامل بستیاں بھی اسی صوبے کا حصہ ہیں۔

یہ صوبہ جغرافیائی اعتبار سے دامن ہمالیہ میں واقع ہے جس کے مشرقی جانب صوبہ بہار، جنوب میں مدھیہ پردیش، مغرب کی طرف دہلی، راجستھان اور پنجاب اور شمال کی طرف کوہ ہمالیہ اور پھر اس سے آگے نیپال واقع ہے۔ اگر تشبیہاً کہیں تو جو ثقافتی حیثیت اور مرکزیت پاکستان میں صوبہ پنجاب کو حاصل ہے کچھ اسی طرح کا مقام ہندوستان میں صوبہ اتر پردیش کو حاصل ہے۔

آبائی وطن اور خاندان:

مولانا عاشق الہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق بھی اسی صوبے سے ہے۔ مولانا کا اصلی آبائی وطن دلی سے شمال مشرقی جانب ضلع میرٹھ میں واقع موضع جکھیوا تھا۔ جہاں آپ کے دادا اسد اللہ خان مقیم تھے۔ پھر بعض وجوہات کی بنا پر انہوں نے موضع جکھیوا چھوڑ کر میرٹھ ہی میں ایک دوسری جگہ موضع پلوڑا میں سکونت اختیار کر لی۔ دادا کی وفات کے بعد داوی اپنی اولاد کو اپنے میکے موضع بسی ڈاکھانہ بکرا اسی ضلع بلند شہر میں لے آئیں۔ بلند شہر میرٹھ سے قریب ہی دلی سے جنوب مشرقی جانب واقع ہے۔ اس کے بعد خاندان کا یہی علاقہ مسکن اور وطن بن گیا۔ مولانا کی والدہ موضع بسی کے شیخ رحمت اللہ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی تھیں۔ مولانا کی عمر پانچ سال کی تھی کہ والدہ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ چونکہ مولانا کی ننہانی پیدائش جیسا کہ آگے آئے گا ۱۳۳۳ھ تھی اس لیے والدہ کی وفات

۱۳۲۸ھ بنتی ہے۔ اس کے بعد آپ اپنی داری کی پرورش میں رہے۔ البتہ مولانا کے والد بڑی دیر تک زندہ رہے انہوں نے مولانا کی کتابیں بھی پڑھیں اور دارالعلوم کراچی میں فن ہوئے۔ آپ کے والد (صوفی صدیق صاحب رحمہ اللہ) باقاعدہ عالم نہ تھے، درس نظامی کی تعلیم شروع کی تھی تاہم تکمیل نہ کر سکے۔ مذہبی فریضے کے طور پر امامت اور معاشی شغل کے طور پر زراعت اور چھوٹی سی دکان داری کا پیشہ رکھا۔ مولانا کی پردادی کے بھائی محمد اسماعیل صاحب حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے مسٹر شد، ڈاکر و شغل اور صاحب نسبت بزرگ تھے۔ ان کا اپنے بھانجے، یعنی مولانا کے والد کی تربیت میں خاص دخل تھا اور ان کی بدولت خاندان میں دینداری قائم تھی۔ مولانا کی دو بہنیں تھیں جن میں سے ایک بالکل بچپن میں اور دوسری سترہ سال کی عمر میں فوت ہو گئیں۔ اس لحاظ سے آپ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھے۔

ولادت:

اس دور میں دیہی علاقوں میں عام طور سے بچوں کی پیدائش کے سنین اور تاریخ محفوظ کرنے کا اہتمام نہیں تھا۔ مولانا بھی انہیں بچوں میں شامل ہیں جنہیں تعیین کے ساتھ اپنا سن ولادت یاد نہیں۔ اگرچہ بعد میں تخمیناً آپ نے اندازہ لگا کر اپنا سن ولادت ۱۳۳۳ھ متعین کر لیا تھا تاہم ایسا ہونے کے باوجود بھی سن ولادت ہی تخمینہ طور سے متعین ہو سکا، باقی مہیتہ دن وغیرہ کی تعیین نہ ممکن تھی اور نہ ہوئی۔ اس لیے ہم بے تکلف صرف یہی کہہ سکتے ہیں کہ

”مولانا ۱۳۳۳ھ کو موضع بسی ڈاکخانہ بگراسی • ضلع بلندشہر (صوبہ اتر پردیش) میں پیدا ہوئے۔“

نام:

”والد صاحب نے آپ کا نام محمد عاشق رکھا۔“

یہ واضح نہیں کہ یہ نام رکھنے میں والد صاحب کے پیش نظر اس دور کے مشہور عالم اور صاحب قلم بزرگ مولانا عاشق الہی میرٹھی رحمہ اللہ • کا نام تھا یا نہیں؟ بہر حال والد صاحب نے صرف محمد عاشق ہی نام رکھا۔ پھر الہی کہاں سے آیا؟ مولانا کے بیٹے لکھتے ہیں:

”والد صاحب جب کچھ بڑے ہوئے تو مولانا عاشق الہی میرٹھی کا نام سنا تو بہت پسند آیا تو (اپنے نام کے ساتھ بھی) الہی بڑھا دیا۔“ • (یادگار صالحین ص ۳۶)

۱ گمراسی بلندشہر سے جنوب مشرقی جانب دریائے گنگا کے بالکل کنارے پر ایک متوسط بستی ہے۔ موضع بسی اس کے کہیں نواح میں واقع ہے۔ تعیین نہیں ہو سکا۔

۲ مولانا عاشق الہی میرٹھی (رحمہ اللہ) قطب الاقطاب حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے مرید اور مولانا ظلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ کے خلیفہ ہونے کے علاوہ مظاہر العلوم سہارنپور کے سرپرستوں میں بھی شامل تھے۔ مولانا صاحب قلم آدمی تھے۔ آپ کی تالیفات میں ترجمہ قرآن، تاریخ اسلام، تذکرۃ الرشید، تذکرۃ الخلیل وغیرہ جیسی تالیفات شامل ہیں۔ (دیکھیے یادگار صالحین ص ۳۷)

۳ وجہ تسمیہ یا اضافہ فی التسمیہ کے متعلق مذکورہ بالا بیان مولانا کے صاحبزادے مولانا عبدالرحمن کوڑکا ہے جو ان کی کتاب یادگار صالحین میں مرقول ہے۔ دوسری طرف خود مولانا کے املائی حالات میں یہ ذکر ہے کہ عاشق کے ساتھ الہی کا اضافہ مولانا کے قیام سہارنپور کے زمانہ میں ایک استاد صاحب کی طرف سے ہوا۔ (بحوالہ خود املائی افادات مشمولہ روحۃ الطالبین ص ۳۱)

بہر حال کچھ بھی ہو مولانا کے والد نے اسی نیت اور مقصد تبرک سے نام رکھا ہو یا نہ رکھا ہو۔ لیکن اسے اتفاق کہیے تو بہت حسن اتفاق ہے یا کاتب تقدیر کا انتخاب، اور یہی بات دل کو لگتی ہے کہ شاید ابو پر ہی سے یہ فیصلہ تھا کہ عاشق اول جس روش پر تصنیفی و قلمی نقوش چھوڑ رہا ہے، دوسرا عاشق بھی عاشق ثانی بن کر اُس سلسلے کو اسی جذبے، اسی انداز اور اسی لگن سے پورا کرے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ بہت سے قارئین بلکہ علماء و طباء بھی دونوں حضرات کو ایک ہی شخصیت سمجھتے ہیں۔ چونکہ مولانا کا بھی آبائی وطن تو میرٹھ ہی تھا، اس لیے اس تشابہ یا مغالطے کی وجہ خاصی معقول ہے۔

نسبت:

مولانا کے نام کے ساتھ دو نسبتیں اکثر علیحدہ علیحدہ اور کہیں کہیں اکٹھی بھی آ جاتی ہیں۔ جس کی وجہ سے بسا اوقات لوگ اس نام کی دو شخصیات سمجھ لیتے ہیں۔ اس مغالطے میں دوسرا اثر مولانا عاشق الہی میرٹھی کے التباس کا بھی ہے۔ بہر حال میرٹھی کی نسبت تو آپ کے ساتھ بالکل بھی نہیں۔ ہاں بلند شہری، اور برنی کی دو نسبتیں آپ کے نام کا حصہ ضرور ہیں۔ بلند شہر تو ہندوستان کا ایک شہر ہے جہاں مولانا کا گاؤں ہے اور برن اسی بلند شہر کا پرانا نام تھا۔ چنانچہ دونوں نسبتیں بجا ہیں۔ مولانا ان کے استعمال میں فرق بھی رکھتے ہیں۔ چنانچہ اردو کتابوں میں تو بلند شہری لکھا ہوتا ہے اور عربی تالیفات میں برنی نسبت استعمال ہوتی ہے۔ تعدد نسبت کی وجہ خود یہ بیان فرماتے ہیں:

”پہلی بار البرنی لکھنے کی ضرورت یوں پیش آئی کہ زاد الطالین کا مسودہ لے کر حضرت مولانا مفتی عبداللہ صاحب کی خدمت میں بھیج دیا پھر میں بھی ان کی خدمت میں حاضر ہو گیا تو اس کا ٹائٹل تیار کرنے لگے نام کے آگے جب شہر کی نسبت بلند شہری آئی تو حضرت مفتی صاحب نے اس کو مناسب نہ جانا اور یہ نسبت ذرا عجیب سی محسوس ہونے لگی اس پر میں نے عرض کیا کہ اس کی جگہ البرنی لکھ دیں۔“ (املائی افادات ص ۳۰)

آگے مدینہ منورہ منورہ سے والہانہ تعلق کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”چونکہ مدینہ منورہ میں تبر برنی (برنی کھجور) ہوتی ہے اس لیے میں نے البرنی بمعنی الدنی محول کر لیا ہے۔“

بہر حال مولانا کی دو نسبتیں ہیں۔ ایک بلند شہری اور دوسری برنی۔

تعلیم کا آغاز:

مولانا کی تعلیم خالص اسلامی انداز اور اصول تعلیم پر ہوئی۔ یعنی آپ نے سب سے پہلے قرآن پاک حفظ کرنا شروع کیا۔ اپنے گاؤں میں ہی دس پارے مختلف اساتذہ سے (جن کے نام معلوم نہیں) حفظ کیے۔ اس کے بعد باقی کے بیس پارے مولانا حافظ تھے۔ دونوں ردائوں یا باتوں میں خاصا تفاوت بلکہ تعارض ہے لیکن املائی افادات تو خود مولف کے ہیں اس لیے رائج ہیں۔ جبکہ سوانح حیات متاخر ہونے کی وجہ سے یک گونہ راجح رکھتی ہے۔ تطبیق کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ پہلے خود سن کر اپنے ذہن کے مطابق تجویز کر لیا ہو مگر ابھی اسے باقاعدہ نام کا حصہ بنانے کی نوبت نہ آئی ہو۔ بعد میں استاذ صاحب کے کہنے پر اس کو باقاعدہ نام کا حصہ بنالیا ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ دونوں باتیں قریب قریب پیش آئی ہوں اور ایک دوسرے کی مؤید بن گئی ہوں۔ واللہ اعلم۔

محمد صادق سنہلی پنجابی جانشین سے تقریباً چھ ماہ کے قلیل عرصے میں روزانہ ربع (پاؤ) پارہ سبق سنا کر حفظ کیے۔ حفظ میں کل کتنا عرصہ صرف ہوا یہ واضح نہیں۔ تاہم اتنا ہے کہ اس وقت آپ کی عمر ۱۲ سال تھی۔ اور یہ بات شعبان ۱۳۵۵ھ کی ہے۔

مولانا کے مذکورہ استاذ گرامی (محمد صادق سنہلی صاحب) کے تفصیلی حالات تو معلوم نہیں ہو سکے مگر اتنا ضرور اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا سنہلی مردم شناسی، اور تدریس میں کمال کا سلیقہ رکھتے تھے۔ کیونکہ اول تو اس بچے کو جو مختلف اساتذہ کے پاس صرف دس پارے حفظ کر سکا تھا اور غالباً اس میں خاصا عرصہ لگ گیا تھا کیونکہ مولانا کی عمر بوقت حفظ بارہ سال تھی اور اس سے پہلے کچھ پڑھا نہیں تھا۔ ظاہر ہے یہ دورانیہ حفظ میں ہی خرچ ہوا ہوگا۔ جس کی صورت یہ ہوگی کہ معمولی استعداد کے حاصل اور کبھی پرکھی مار اساتذہ نے ان کو بھی عام طلباء کے ساتھ جوتا ہوگا جس کی وجہ سے یہ عرصہ ضائع ہوا لیکن مولانا سنہلی نے اسی بچے کو چھ ماہ میں قرآن پاک مکمل کر دیا اور صرف مکمل ہی نہیں کروایا بلکہ ایسا پختہ کروایا کہ بقول ابن مولانا:

”اسی سال رمضان المبارک میں تراویح میں قرآن پاک سنا دیا۔“ (یادگار صالحین ص ۴۱)

شعبان میں قرآن مکمل ہوا چونکہ کوئی تاریخ متعین نہیں جس سے اندازہ یہ ہوتا ہے کہ شعبان کے خاصے دن گزرنے کے بعد ہوا ہوگا۔ کیونکہ عموماً جب تاریخ متعین نہ ہو تو بعد میں تقریباً اور آس پاس کے واقعات سے اندازہ لگایا جاتا ہے۔ اور کسی مہینے کا ظن غالب تب ہی ہو سکتا ہے جب اس کے خاصے دن گزر چکے ہوں۔ بہر حال مقصد یہ ہے قرآن پاک مکمل ہونے اور رمضان کے چاند طلوع ہونے میں ایک ماہ سے بھی کم عرصہ باقی تھا۔ پھر حافظ بہتر سمجھتے ہیں کہ تراویح میں بھری مسجد میں قرآن سنانے کے لیے کس قدر چٹنگی چاہیے اور وہ بھی بارہ سال کے بچے کو۔ جس میں جھجک اور ڈر کے سائے بھی ساتھ ساتھ منڈلاتے رہتے ہیں۔ بہر حال چھ یا سات ماہ کے قلیل عرصے میں بیس پارے ختم کروانا اور انہیں پختہ کروانا یہ شاگرد کی قابلیت سے زیادہ استاذ کی قابلیت کا مظہر ہے اور پھر اسی پر بس نہیں کہ صرف قرآن ہی پڑھایا بلکہ بقول ابن مولانا:

”حفظ قرآن پاک کے ساتھ ساتھ استاذ محترم نے اردو لکھنا پڑھنا بھی سکھا دیا۔“ (یادگار صالحین ص ۴۱)

اس کے ساتھ اس بات کو بھی ملا کر دیکھیے کہ مولانا کے پاس اپنے پڑھنے کے لیے وقت صرف فجر کے بعد سے لے کر ظہر تک کا تھا۔ جو بمشکل سات یا آٹھ گھنٹے بنتا ہے۔۔۔ اسی وقت میں یومیہ پاؤ پارہ چٹنگی کے ساتھ پڑھنا، پچھلا سنانا، منزل دہرانا، بھی ہوتا تھا اور اردو کی بھی اتنی تعلیم تھی کہ حفظ مکمل ہونے پر اردو لکھنی بھی آگئی اور پڑھنی بھی۔۔۔۔۔ اس سب کچھ کو باطنی معنوں میں اگر استاذ شاگرد کی کرامت کہا جائے تو کہا جائے ورنہ ظاہری اسباب کی حد تک یہ استاذ کی قابلیت، تعلیم سے لگن، بے لوث جذبات اور شاگرد سے مخلصانہ لگن اور خیر خواہی جیسے عوامل پر ہی منتج ہوتا ہے۔ اور ان سب سے کہ یہ بات آج کل تیزی سے ناپید ہو رہی ہے۔

فارسی و عربی تعلیم:

مولانا کے استاذ صاحب نے رمضان میں تراویح میں قرآن کی مصروفیت کے پیش نظر تو کچھ نہ پڑھایا البتہ شوال سے پڑھانا شروع کیا اور بقول ابن مولانا:

”شوال سے مولانا محمد صادق صاحب نے فارسی کا حمد نامہ شروع کر دیا، مطالبات لطیف، نحو میر، اور صرف میر، دستور المبتدی، فصول اکبری، اور ہدایۃ النخو، منیۃ المصلی وغیرہ پڑھادیں۔ اس کے علاوہ صفری، کبری، بھی ان سے پڑھیں اور سارا نصاب تقریباً ایک ہی سال میں پورا ہو گیا۔“ (یادگار ص ۴۳)

یہاں بھی مولانا نے کمال کر دکھایا صرف ایک سا کے عرصے میں ایک طالب علم کو اتنی فارسی پڑھادی کہ وہ نحو میر، صرف میر فصول اکبری اور ہدایۃ النخو کا حاشیہ پڑھ سکے، اور صرف یہی نہیں بلکہ ہدایۃ النخو اور منیۃ المصلی وغیرہ بھی پڑھادیں۔ یہ کتا ہیں عربی کی ہیں جن میں طالب علم کو عربی عبارت پڑھنے کے لیے اچھی خاصی نحوی و صرفی استعداد درکار ہوتی ہے۔ مگر کمال یہ ہے کہ یہ سب کچھ ایک سال میں پورا ہو گیا۔ تخمینہ سن ولادت کے لحاظ سے اب مولانا کی عمر تیرہ سال تھی۔

اس کے بعد غالباً خود استاذ صاحب نے کہا ہو گا یا مولانا کے والد کا منشا ہو گا بہر حال مولانا کے والد آپ کو لے کر مراد آباد چلے گئے تاکہ کسی بڑے مدرسے میں داخل کروائیں اور وہاں کے علمی ماحول اور بڑی شخصیات سے استفادہ کریں۔ چونکہ سال کا زیادہ حصہ گزر چکا تھا اس لیے (بظاہر ایک چھوٹے مدرسے) مدرسہ قادریہ، حسن پور، ضلع مراد آباد میں داخلہ مل گیا لیکن یہ سال مزید آگے تعلیمی سرگرمی میں نہ گزر سکا۔ بس یہاں کے قیام میں (جو کہ دو تین ماہ پر مشتمل تھا) مولانا ولی احمد صاحب (خلیفہ حضرت تھانوی قدس سرہ) سے نحو میر دہرائی اور مولانا عبدالعزیز ناٹھوی (مرید حضرت تھانوی قدس سرہ) سے بہشتی زیور پڑھی۔

اگلے سال مدرسہ امدادیہ مراد آباد میں داخلہ لیا یہاں مولانا صادق سنبھلی (استاذ اول) کے داماد مولانا محمد حیات سنبھلی مدرس تھے۔ یہاں آپ نے دو سال قیام فرمایا اور دو سالوں میں درج ذیل گیارہ کتابیں مختلف اساتذہ سے پڑھیں۔ مفید الظالمین، نخبہ العرب، نخبہ الیسمن، کافیہ، شرح جامی، مختصر القدوری، کنز الدقائق، اصول الشاشی، نور الانوار، میزان المنطق، قطبی۔

ان کتابوں میں ہمارے مروجہ نصاب کے اعتبار سے منطق میں مرقات اور شرح تہذیب اور ادب میں مقامات شامل نہیں ورنہ باقی تقریباً تین سالوں کا پورا نصاب ہے بلکہ کچھ کتابیں شاید اضافی ہیں۔ یہاں غالباً جماعت بندی کی وجہ سے مولانا کا قدم سست رہا ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ اچھی استعداد ہو اور دو سال میں اتنی ہی کتابیں ہوں۔

اس کے بعد علی گڑھ کی جامع مسجد میں واقع مدرسہ خلافت میں داخلہ لیا۔ یہاں کل دو سال کا قیام رہا جس میں مولانا فیض الدین بلخی کے پاس مختصر المعانی اور سراجی پڑھیں اور دیگر حضرات مدرسین کے پاس شرح حسامی للبنانی، ہدایۃ اول و ثانی، سلم العلوم، شرح عقائد اور میبذی پڑھیں۔

شوال ۱۳۶۰ھ میں مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں داخلہ لیا۔ یہاں کل تین سال قیام رہا اور ۱۳۶۳ھ شعبان میں یعنی ۲۰ سال کی عمر میں دورہ حدیث سے فراغت حاصل کی۔ یہاں کتب کی ترتیب یوں رہی:

سال اول: کتب: ہدایۃ ثالث، ملا حسن (منطق)، توضیح تلوّج، دیوان تنہی، دیوان حساسہ، عروض المفتاح۔

اساتذہ: مولانا زکریا قدوسی، مولانا صدیق احمد کشمیری، مولانا اسعد اللہ رامپوری۔

سال دوم کتب: جلالین شریف، مشکوٰۃ المصابیح، شرح نخبۃ الفکر، حمد اللہ شرح سلم۔

اساتذہ: مولانا عبدالشکور کامپوری، قاری سعید احمد اجڑی (مولف: معلم الحجاج)

سال سوم: دور حدیث شریف:

سنن نسائی، ابن ماجہ، مسند، بخاری شریف (جلد ثانی)، بخاری (جلد اول)، سنن ابوداؤد، صحیح مسلم، ترمذی و شمائل، طحاوی۔
اساتذہ: مولانا منظور احمد سہارنپوری، مولانا عبداللطیف، مولانا شیخ الحدیث زکریا صاحب، مولانا اسعد اللہ، مولانا عبدالرحمن

کامپوری خلیفہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ۔

یہ تو مولانا کے باقاعدہ علمی سفر کی داستان تھی جو کل تقریباً آٹھ سال پر محیط ہے۔ اس دوران مصنف نے اپنا شوق اور لگاؤ ایک اور فن میں بھی پورا کیا۔ اور وہ ایسے کہ بقول ابن مولانا:

”مظاہر العلوم کے سہ سالہ قیام میں فوائد مکیہ، مقدمہ جزریہ اور شاطبیہ پڑھی اور اپنے استاذ کا شرح شاطبیہ میں ہاتھ بٹایا۔ اسی زمانے میں دو کتابیں بھی لکھیں۔ خلاصۃ البیان کی عربی شرح اور مقدمۃ الجزری کی اردو شرح۔ یہاں کے زمانہ قیام میں ہی حضرت تھانوی اور مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت بھی نصیب ہوئی۔ شعبان ۱۳۶۶ھ میں فیروز پور چھوڑ کر پھر دہلی میں قیام کیا اور ادارہ تبلیغ اسلام سے منسلک ہو گئے۔ تصنیف و تالیف اور تحشیہ کا کام بھی کیا۔ ابھی دو ماہ ہی گزر رہے تھے کہ ۲۷ شعبان ۱۳۶۶ھ بمطابق ۱۲ اگست ۱۹۴۷ء ہندوستان آزاد ہو گیا۔“ (یادگار صالحین ص ۶۱)

مولانا کی فراغت ۱۳۶۳ھ شعبان میں ہوئی۔ اس وقت سے لے کر ہندوستان کی آزادی تک تین سال ایک ماہ کا عرصہ بنا ہے۔ اس تین سال کے عرصے میں مولانا نے متعدد مدارس میں تدریس بھی فرمائی، شادی کی سنت بھی ادا ہوئی اور تالیف و تصنیف کا بھی باقاعدہ سلسلہ شروع ہوا۔ اس زمانے میں آپ نے کیا کیا تالیفات کیں خود آپ ہی سے سنیے:

”جب دورہ پڑھ کر فارغ ہوا تو تیسرے ہی سال ”فضائل صلاۃ و سلام“ لکھی اور حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ کی ”الدر الثمین“ کا ترجمہ لکھا۔ اور ”اعلاط العوام“ مولفہ حضرت حکیم الامت قدس سرہ کی اضافات کے ساتھ جدید ترتیب دی۔“ (املائی افادات ص ۳۱)

اس زمانے میں مولانا کی عمر ۲۳ سال تھی۔ اور اب تک آپ کی چار سے پانچ کتابیں باقاعدہ چھپ کر بازار میں آ کر مشاغل ہو چکی تھیں۔ اس دوران آپ کی شادی خانہ آبادی کا تذکرہ بھی آیا ہے یہ معلوم نہیں کہ یہ شادی کہاں ہوئی تھی۔ انہی دنوں تقسیم ہند اور پیش آمدہ فسادات کی وجہ سے چند ماہ کے لیے مولانا دہلی چھوڑ کر اپنے خیمیاں موضع بگراسی میں چلے گئے اور پھر جب حالات میں کچھ سدھار آیا تو بقول ابن المصنف:

① شعبان: یہاں شعبان کا لفظ خانہ کتابت کا سو ہے ورنہ اس کی بجائے رمضان ہونا چاہیے۔ کیونکہ ہندوستان کی آزادی اور پاکستان کا قیام ۲۷ رمضان کا واقعہ ہے۔ ویسے بھی اسی اقتباس میں ہے کہ شعبان میں فیروز پور سے دہلی آئے اور اس کے دو ماہ بعد تقسیم ہوئی۔ اگر تقسیم شعبان میں ہی ہو تو فیروز پور چھوڑنے اور تقسیم کے درمیان دو ماہ کے عرصے والی بات ہے۔ محل نمبرتی ہے۔ واللہ اعلم

”دہلی آگئے اور سلسلہ تالیف و تصنیف جاری رکھا اور نواب گنج، قصاب پورہ اور کشن گنج تیلی واڑہ میں قیام رہا اور ایک ماہانہ رسالہ یقین بھی جاری کیا جو چھ ماہ بعد بند ہو گیا۔“ (یادگار صالحین ص ۶۱)

رسالہ بند ہونے کی وجہ غالباً تقسیم کی وجہ سے معاشی حالات اور مالی مشکلات ہوں گی کیونکہ رسالے مالی تعاون اور قلمی مواد سے چلتے ہیں قلمی مواد تو دینے میں مولانا سے کمی کی توقع بھی نہیں کی جاسکتی کیونکہ ایسا سلیقہ مند اور سیال قلم شخص جو زمانہ طالب علمی میں ہی متداول کتابوں کا مؤلف ہو وہ کیا ایک رسالے کا مہینے بھر میں پیٹ نہیں بھر سکتا۔ اس لیے بظاہر وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ مالی مشکلات اور ملکی حالات کی وجہ سے رسالہ بند ہوا ہوگا۔

تدریس:

یہ بات واضح ہے کہ برصغیر میں اپنے دور کا سب سے زہریلا، خطرناک اور شاطر استعمار (برطانیہ) صدیوں قابض رہا، اور اس نے برصغیر کے ہر شخص کو منانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ لیکن اس کے باوجود آج تک تمام اسلامی ممالک میں سے نمایاں دینی حالت اور رونق برصغیر میں ہی ہے۔ اس کے پیچھے ظاہری اسباب میں سے سب سے اہم اور بنیادی سبب ایسے خالص مدارس دینیہ کا قیام ہے جو صرف شرعی علوم کی حفاظت اور ترویج کے لیے بنائے گئے۔ مدارس ظاہر ہے ملازمتوں کی جگہوں اور کارخانوں کو نہیں کہتے بلکہ وہ جگہیں ہیں درس ہوتا ہو، یہی وجہ ہے کہ مدرسے کے لیے کسی عمارت کی بھی قید نہیں۔ انار کے درخت کے سائے تلے بھی اہل جنوں بیٹھ گئے تو دینی دارالعلوم بن گیا۔

یہی وجہ ہے کہ ارباب فکر و نظر نے اس بنیادی نکتے کو نہایت اہمیت دی۔ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ شروع میں تدریس سے ہٹ چکے تھے مگر حضرت نانوتوی رحمہ اللہ نے حکماً تدریس پہ لگایا۔ خود حضرت شیخ الہند نے حضرت مدنی رحمہ اللہ کو ایک موقع پر الوداعی نصائح کرتے ہوئے یہ فرمایا تدریس نہ چھوڑنا چاہیے ایک طالب علم ہی پڑھنے والا ہو۔ بلکہ اس طائفہ منصورہ (علماء دیوبند) کے کسی بھی ممتاز صاحب علم کو دیکھیے وہ اس راز کو علی وجہ البصیرت پائے ہوئے ہے کہ رجال کا رپیدا کرنے کا سب سے کارگر مضبوط اور مؤثر ذریعہ تدریس ہے۔

مظاہر العلوم سے سند فراغت پانے کے بعد بہت سے اہل زمانہ کی طرح آپ نے سرکاری ملازمت، امامت خطابت یا کہیں سکول و کالج میں ملازمت کی صورت میں اچھی گزربسر کی تنخواہ و مراعات تلاش کرنے کی بجائے اپنے اسلاف کے منتخب کردہ راستے کو اختیار کیا اور مدرسے ہی کی معمولی سی تنخواہ اور کسمپرسی کی زندگی کو اختیار کیا۔ اور ایسا تھک ہار کر نہیں کیا کہ پہلے ملازمت وغیرہ تلاش کی ہو اور بعد میں اس طرف گئے ہوں بلکہ اگر دیکھا جائے تو مولانا کی فراغت اور تدریس کے درمیان اتنا وقت ہی نہیں کہ اس میں ایسا احتمال ہو۔ خود فرماتے ہیں:

آج بخاری شریف کا پرچہ لکھا اور کل ہی جا کر مدرسہ مذکورہ میں درس دینا شروع کر دیا۔ (املائی حالات ص ۳۰)

اور بقول ابن المصنف:

”حضرت والد صاحب کی تدریس کا آغاز مدرسہ آثار الہیہ ۱۰؎، ضلع گورداس پور سے ہوا۔“ (یادگار صالحین ص ۶۱)

گویا فارغ ہونے سے پہلے ہی یہ سوچ رکھا تھا کہ کیا کرنا ہے اور کیوں کرنا ہے۔ مولانا نے اس مدرسے میں کیا پڑھایا یہ واضح نہیں البتہ اتنا معلوم ہے کہ مولانا کا یہاں قیام صرف چھ ماہ تک رہا تھا اس کے بعد بقول ابن المصنف:

پھر مدرسہ اسلامیہ کھنور ضلع میرٹھ میں تدریس کے فرائض سرانجام دیئے اور یہاں بھی چھ ماہ کے قریب قیام رہا۔ اس کے بعد چند ماہ دہلی میں اقامت کی اور اسی دوران شادی خانہ آبادی ہو گئی۔ پھر ایک سال مدرسہ حافظ الاسلام فیروز پور جہلم ضلع گڑگاؤں میں پڑھایا۔ (یادگار صالحین)

دہلی میں کل کتنا عرصہ قیام فرمایا اس بارے میں خود فرماتے ہیں: مدرسہ دعائیہ، مدرسہ رحیمیہ، مدرسہ امینیہ، اور مدرسہ کاشف العلوم میں درس دیا، یہ سب مدارس دہلی میں ہیں، آخر الذکر مرکز تبلیغ بستی حضرت نظام الدین میں واقع ہے۔ دہلی میں آٹھ سال قیام رہا۔ (الملائی سوانح ص ۳۰)

دہلی میں کل قیام آٹھ سال ہے اس کے بعد کلکتہ روانگی ہوئی۔ جو ۱۳۷۳ھ کا واقعہ ہے فراغت سے لے کر اب تک دس سال کا دورانیہ ہے جس میں سے آٹھ سال دہلی کا قیام ہے اور دو سال فیروز پور، میرٹھ، گورداس پور وغیرہ کا قیام ہے۔ ان میں سے اول الذکر میں ایک سال اور آخری دو میں چھ ماہ کا عرصہ گزارا۔

یہاں ایک طبعی سوال پیدا ہوتا ہے جسے چھیڑنا نہ جانے مناسب ہے یا نہیں مگر بطور سوانح نگار جب ایک بات ذہن میں آئی ہے تو اس سے صرف نظر کرنا بھی کم از کم حق سوانح سے پہلو تہی ہے۔ سوال یہ ہے کہ مولانا نے کل دس سال کی مدت میں قریب قریب سات مدرسوں میں تدریس فرمائی..... جس کا لازمی تقاضا ہے کہ آپ جگہیں بدلتے رہے کہ بیک وقت تو ایسا ہونا ممکن نہیں۔ آخر ایسا کیوں ہوا؟ ظاہر مولانا میں صلاحیت بھی تھی، بات سمجھانے کا سلیقہ بھی تھا۔ تقویٰ و خشیت، بلکہ حضرت شیخ کی بیعت تھی... اس کے باوجود ایسا کیوں ہوا؟ کیا مولانا بہتر سے بہتر معاوضے کی تلاش میں رہے۔ یہ تو تصور بھی نہیں ہو سکتا کہ جس نے فارغ ہوتے ہی باوجود یکہ گھریلو حالات بھی اتنے اچھے نہیں تھے، مدرسوں کی استحصالی اوکھلی میں خوشی خوشی سردیا ہو وہ ایسا کرنے کا سوچ بھی کیسے سکتا ہے۔ اور آپ کی بعد کی زندگی بھی اس پر شاہد ہے۔ اس لیے یہ وجہ تو بن نہیں سکتی..... پھر ذہن اس طرف جاتا ہے کہ غالباً مولانا کی طبیعت اور مزاج بالکل سیدھا تھا، لگی لپٹی اور رکھ رکھاؤ اور بے جا رواداری کے قائل نہ تھے اور یہ بات آپ کے مزاج کا حصہ تھی۔ ایسے حالات میں جبکہ ایک طرف یہ حالت ہو اگرچہ کچھ نہ کچھ تالیفات کا وزن و شہرت بھی تھی دوسری طرف (باستثناء چند) ارباب انتظام و انصرام کی فطری خواہش یا کمزوری کہ مدرسین سے ان کے کیے گئے ہر سیاہ کو سفید کہنے اور ہر خواہی نخواستہ اور ناجائز و جائز ہاں میں ہاں ملانے کا تقاضا ہو... ظاہر ہے مولانا جیسے حالات میں ایسے آدمی کا چلنا مشکل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ایسے

① یہ مدرسہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مولانا مولیٰ محمد بن مولیٰ مظاہری نے قائم فرمایا۔ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے انہی کے نام کی مناسبت سے مدرسے کا نام مدرسہ آثار الہیہ تجویز فرمایا۔ اب یہ مدرسہ کن حالات میں ہے معلوم نہیں۔ بلکہ صرف یہ مدرسہ ہی کیا ہندوستان کے چپے چپے پر پھیلے ہمارے آثار اور امانتیں کس حال میں ہیں؟ کسے خبر ہے!!

حالات میں کسی کے اخلاص و تقویٰ کو انانیت اور نصیحت و خیر خواہی کو ادارے کے انتظامی معاملات میں دخل اندازی پر محمول کرنا مشکل نہیں ہوتا۔ اگر یہ بات ایسے ہی ہے تو یہ مولانا کا کمال در کمال ہے کہ اول تو ایسی پریشانیوں میں بھی اپنا مزاج نہیں چھوڑا اور لگی لپٹی کہنے کی عادت اپنانے کی کوشش نہیں کی۔ دوسرے ان سب ناقد ردائیوں کے باوجود شیطان کے نورانی وساوس میں آ کر اپنے نظریہ مدرسہ و تدریس کی انادیت کے پیش نظر مدارس کی دہلیز نہیں چھوڑی اور تاحیات اسی سے وابستہ رہے اور نہ ہی یہ خیال دل میں پنپنے دیا کہ میں خود مدرسہ بناتا ہوں۔ آگے معلوم ہوگا کہ جب مولانا قدر دانوں کے پاس گئے تو پھر یہ صورت حال پیش نہیں آئی کیونکہ اس کے بعد تقریباً بیس سال کا عرصہ دو تین مدارس میں ہی گزارا جن میں سے ایک دارالعلوم کراچی بھی ہے جہاں آپ نے ۱۲ سال گزارے اور وہاں کی انتظامیہ کے لوگ باوجود یکہ مولانا کے جلال اور عتاب کا شکار ہوتے مگر مولانا کی قدر پہچانتے اور اسے اخلاص و خیر خواہی پر ہی محمول فرماتے رہے اسی وجہ سے مولانا دارالعلوم کے بے ضابطہ طور پر آخر دم تک مدرس رہے اور مدینہ منورہ کا قیام طویل رخصت سمجھا گیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شروع کے مدارس میں جو ایسی صورت حال پیش آئی تو شاید وجہ دوسری جانب ہی سے تھی۔ واللہ اعلم

دہلی میں دس سالہ قیام تک مولانا کی عمر ۳۰ سال بنتی ہے اس دوران آپ تقریباً سات سال سے متزوج اور پانچ سے کچھ اوپر کتابوں کے مصنف بن چکے تھے اور یہ ۱۳۷۳ھ بمطابق ۱۹۵۳ء کا زمانہ ہے۔

کلکتہ کو روانگی:

دہلی میں قیام کے بعد یہاں سے کلکتہ روانہ ہوئے۔ کلکتہ جانے کی وجہ کیا بنی؟ دہلی میں قیام پسند نہ آیا یا کلکتہ سے کوئی طلب آئی تھی؟ اس حوالے سے کوئی واضح بات موجود نہیں بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاید وہاں سے کوئی پیش کش یا طلب آئی تھی؟ اس سے کہ بقول ابن مصنف:

۱۳۷۳ھ میں اپنے مرشد حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب بریلوی سے مشورہ کر کے کلکتہ چلے گئے۔ (یادگار ص ۶۲)
بات کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کوئی طلب تھی اور جانے میں تردد تھا لیکن اپنے شیخ سے مشورہ کر کے اس تردد کو ختم کیا اور کلکتہ روانہ ہو گئے۔ واللہ اعلم

کلکتہ میں آپ نے کل آٹھ سال قیام فرمایا اور یہاں دو مدرسوں مدرسہ ندائے اسلام اور مدرسہ جامع العلوم کلکتہ میں تدریس کے فرائض سرانجام دیئے ان مدارس میں آپ نے درمیانی کتابوں کی تدریس کی یعنی درجہ رابعہ کے آس پاس کی کتابیں زیر درس رہیں۔ ان دونوں مدارس میں سے بالعمین معلوم نہیں البتہ ایک مدرسے کے بارے میں ابن المصنف لکھتے ہیں:

آپ اس مدرسہ کے بانی بھی تھے اور ناظم بھی، اور مدرس بھی۔ چند سال بعد مدرسہ مذکورہ سے استعفیٰ دے دیا۔ (یادگار)
اس دوران آپ نے اپنا تصنیفی و تالیفی مشغہ بھی برابر جاری رکھا۔ آپ کی مقبول عام تالیف زاد الطالبین اسی زمانے کی تالیف ہے بلکہ اس کی طباعت بھی اسی زمانے میں کلکتہ سے ہوئی تھی۔ بلکہ مصنف کے اکابر سے تعلق اور سرپرستی کی مثال ہے کہ اس نسخے پر حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہ کی تقریظ بھی موجود تھی۔ تقریظ والا وہ نسخہ آج ہمارے سامنے نہیں، ورنہ حضرت

کے کلمات تبریک کی زیارت کا شرف حاصل ہوتا اور یہ بھی معلوم ہوتا کہ حضرت مدنی رحمہ اللہ نے اس دور میں مصنف کے بارے میں اپنے کن جذبات اور توقعات کا اظہار کیا تھا۔

زاد المعاد لیس کے اس نسخے کی اشاعت بھی اندازہ یہ ہے کہ خود مصنف نے کی تھی کیونکہ مدرسے کے قیام اور وہاں کی تدریس وغیرہ سے استغنیٰ دینے کے بعد آگے ابن المصنف لکھتے ہیں:

”چند سال بعد مدرسے سے استغنیٰ دے دیا اور دینی کتب کی طباعت شروع کر دی اور مکتبہ تعلیم و تبلیغ کے نام سے کتب خانہ قائم کیا۔ تین سال تک کتابوں کی تجارت کی۔“ (یادگار ص ۶۲)

حج بیت اللہ کی سعادت:

کلکتہ میں آٹھ سالہ قیام کے بعد ۱۳۷۳ھ مطابق ۱۹۵۳ء حج کا انتظام ہو گیا اور آپ حج کے لیے روانہ ہو گئے۔ حج کے بارے میں مزید تفصیلات دستیاب نہیں۔ کاش کہ حج جیسے جذباتی موقع پر اسم بامسمیٰ یعنی عاشق صادق کے حالات و واقعات کا کچھ اندازہ ہو جاتا۔ دیے تو مولانا پر عمر بھر فرانی کے حالات اس قدر نہیں آئے خصوصاً یہ ابتدائی زمانہ تو تھا ہی ایسا اس لیے اندازہ یہ ہے کہ مولانا نے اپنے مکتبے سے پیسہ اکٹھا کر کے حج کا نظم کیا ہوگا اور خود مکتبہ ہوگا ہی کتنا؟ اتنا بڑا سرمایہ تو پاس تھا نہیں اور پھر گھریلو ذمہ داریاں مزید برآں۔ ایسے حالات میں حج کا بندوبست کرنا یقیناً عشق صادق کی ہی کار فرمائی ہو سکتی ہے۔ اندازے اور تخمینے سے تو صرف کلیات ہی کا پتہ لگ سکتا ہے جزئیات اور واقعات تو ہم اپنی سوچ سے اختراع نہیں کر سکتے اس لیے اچھا ہوتا کہ اس موقع کے حالات دستیاب ہو جاتے۔ مگر

اے بسا آرزو کہ خاک شد

مراد آباد کا قیام:

حج بیت اللہ سے جب آپ واپس ہوئے تو اولاً تو ارادہ یہی تھا کہ کلکتہ ہی واپس جائیں گے لیکن اس دوران اپنے استاذ محترم مولانا محمد حیات صاحب سے ملاقات کرنے اور ان کی زیارت کو جانا ہوا تو انہوں نے کلکتہ جانے سے روک دیا جس کی وجہ غالباً یہ ہو سکتی ہے کہ استاذ محترم نے کلکتہ جانے میں مصلحت نہ بھی ہوگی یہ بھی ممکن ہے کہ مصنف جب کلکتہ سے حج پر روانہ ہوئے ہوں تو کلکتہ سے اپنا کتب خانہ وغیرہ کسی ٹھکانے لگا کر گئے ہوں۔ اس لیے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ مراد آباد سے آپ عارضی قیام کے لیے کلکتہ تشریف لے گئے یا نہیں۔ ان حالات میں استاذ محترم نے یہ سوچا ہوگا کہ اب نئے سرے سے ایک زندگی شروع کرنے کی دشواریاں اٹھانے سے بہتر ہے کہ مولانا سے یہاں ہی استفادہ کیا جائے چنانچہ بقول ابن المصنف:

”استاذ محترم نے کلکتہ جانے سے روک دیا اور اپنے پاس رہنے کا حکم دیا اور جامعہ مذکورہ میں نائب ناظم کا عہدہ

سپرد کیا۔ یہاں اڑھائی سال قیام کیا، انتظامی امور کی انجام دہی کے ساتھ بیضاوی شریف، مسلم شریف، ابو داؤد

شریف اور طحاوی شریف کا درس دیا۔“ (یادگار ص ۶۳)

ہجرت پاکستان:

مراد آباد میں مولانا نے ۱۳۸۳ھ بمطابق ۱۹۶۳ء تک قیام کیا۔ اس وقت پاکستان کو بنے قریب قریب سو سال اور آپ کی عمر کے چالیس سال پورے ہو چکے تھے اس کے بعد آپ نے ہندوستان کو خیر باد کہا اور پاکستان کی طرف ہجرت کے لیے رخت سفر باندھا۔
جامعہ دارالعلوم کراچی سے تعلق:

اس ہجرت کے محرکات اور اسباب کیا تھے یہ معلوم نہیں البتہ اتنا معلوم ہے کہ پاکستان آنے اور ہندوستان چھوڑنے کی خود آپ کی اپنی خواہش تھی اور دوسری طرف پاکستان میں جامعہ دارالعلوم کراچی کی طرف سے آپ کو دعوت باقاعدہ بھی دی گئی تھی۔ جس کی صورت بقول ابن مصنف یہ ہوئی:

”کہ مولانا قاری عزیز الرحمن لوہاری زید مجدہم نے مولانا سلیم اللہ خان ؒ سے ذکر کیا کہ ہمارے ایک دوست ہیں، جید عالم ہیں جو پاکستان ہجرت کرنا چاہتے ہیں۔ مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہم نے فقیہ العصر مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی شفیع رحمہ اللہ سے عرض کیا، حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ نے فرمایا بلا لو۔ والد صاحب رحمہ اللہ کے پاس خط پہنچ گیا جو غالباً مولانا حشمت علی صاحب نے لکھا تھا کہ حضرت مفتی صاحب آپ کو بلا رہے ہیں۔“ (ص ۶۳)

اس کے کتنے عرصے بعد مولانا روانہ ہوئے اور کب کراچی پہنچے؟ یہ معلوم نہیں یہ البتہ اتنا ہے دن کے ایک بجے کراچی کے سٹیشن پر اترے اور دارالعلوم کو رنگی تک کا سفر جو کہ چند کلومیٹر سے زیادہ نہیں ناواقفیت کی وجہ سے تقریباً سات گھنٹے میں طے کیا جس کی داستان یادگار صالحین میں موجود ہے۔ یہاں آنے کے بعد مکان وغیرہ کا بندوبست ہو گیا اور پھر بارہ سال کی طویل مدت مولانا نے مفتی شفیع صاحب کے زیر سایہ دارالعلوم کی چار دیواری میں گزار دی۔ بلکہ حقیقت میں موت تک مولانا دارالعلوم ہی سے وابستہ رہے۔ جس کی صورت یہ تھی کہ جب مولانا مدینہ منورہ کے لیے ہجرت کر کے جانے لگے تو دارالعلوم کی انتظامیہ نے آپ کو یہ اعزاز دیا کہ آپ کا مدینہ منورہ کا قیام چاہے جتنا طویل ہو اسے طویل دورانیے کی رخصت شمار کیا جائے گا اور آپ جب بھی واپس آنا چاہیں اور دارالعلوم کو اپنے قدم میمون سے مشرف فرمانا چاہیں دارالعلوم حاضر ہے۔

دارالعلوم پہنچ کر معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کو اپنی زندگی کی ایک منزل مل گئی اگر مدینہ منورہ کی ہجرت نہ ہوتی تو اصل منزل اور منجبا گویا مولانا کی زندگی کا یہی ہے۔ اسی وجہ سے مولانا نے یہاں بارہ سال کا طویل دورانیہ گزارا اور افادے و استفادے کا حق ادا کرنے کے ساتھ گزارا۔ جس کی کچھ تفصیل ذیل میں ہے۔ دارالعلوم میں آتے ہی آپ نے اپنے آپ کو علمی کاموں میں لگا دیا۔ تدریس میں بھی مختلف کتابیں پڑھائیں۔ اس کے علاوہ مفتی اعظم صاحب سے استفادے کی صورت بھی بنائی۔ جس کی ترتیب یہ

● جو کہ اس وقت جامعہ دارالعلوم کراچی کے مدرس تھے بعد میں جامعہ فاروقیہ کے نام سے اپنا مدرسہ قائم فرمایا اور تاحال اس کے مہتمم اور وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے صدر ہیں۔

ہوئی کہ مفتی صاحب کی جو ہر شناس طبیعت نے آپ کو اپنے ساتھ دارالافتاء میں بھی لگایا جس سے فقہ کا اجراء، مسائل کا استحضار و استخراج یا دوسرے لفظوں میں فقہ اور فتوے کا ذوق اور فن حاصل ہوا۔ خود مولانا فرماتے تھے:

”اللہ جل شہ کا احسان عظیم ہے کہ مجھے مفتی اعظم برلنہ تک پہنچا دیا اور ان کے زیر سایہ افتاء کی خدمت انجام دینے کا موقع نصیب فرمایا اور مفتی کے لیے جس ذمہ داری، احتیاط، وسعت نظری، اور عوام کی مزاج شناسی کی ضرورت ہے اس کے بارے میں خوب تربیت ملی۔“ (یادگار صالحین ص ۶۷)

مولانا نے اس عبارت کے آخری خط کشیدہ جملے میں نہایت جامعیت اور اختصار کے ساتھ ایک مفتی کی ذمہ داریوں کو بیان فرما دیا ہے۔ واقعاً یہی وہ چیزیں ہیں جو ایک مفتی کے لیے ناگزیر ہیں ان میں سے اگر ایک بات بھی ناقص ہو تو افتاء کا کام نہیں ہو سکتا۔ اور درحقیقت یہی وہ اوصاف اور امتیازی خصوصیات ہیں جو ایک عام عالم کو مفتی سے جدا کرتی ہیں۔ سب سے پہلی بات ذمہ داری کا احساس ہے کہ کسی مسئلے میں رائے دینا یا مسئلہ بتانا کتنا ذمہ داری اور بوجھ کا کام ہے۔ اسی لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین و مطہرین اور سلف صالحین ہمیشہ مسئلہ بتانے سے پہلو تہی کرتے تھے اور ان کی کوشش ہوتی تھی کہ کوئی اور یہ بوجھ اپنے سر لے لے۔ بسا اوقات یوں بھی ہوتا تھا کہ مسائل ایک آدمی سے چل کر گھومتے پھرتے پھر پہلے آدمی کے پاس پہنچ جاتا تھا۔ جب ذمہ داری اتنی زیادہ ہے تو ظاہر ہے اس وادی میں قدم پھونک پھونک کر رکھنا پڑے گا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ شیطان کے بہکادے یا نفس کے ورغلانے یا کسی خارجی پراپیگنڈے اور تاثر میں آ کر فتوے میں فرق پڑ جائے پھر ان دونوں مفتوں کے ساتھ ساتھ نظر کی وسعت بھی چاہیے۔

نظر کی وسعت کے دو پہلو ہیں (۱) ایک بالغ نظری سلامت فکر، دور اندیشی اور (۲) دوسرے مطالعہ کی وسعت، مسائل کا استحضار اور کثرت جزئیات کا حفظ وغیرہ تاکہ قیاس کرنے میں ٹھوکر نہ کھائے۔ مولانا نے وسعت نظری کے لفظ میں دونوں باتوں کو ہی سمیٹ دیا ہے۔ پھر مفتی کا تعلق چونکہ عوام سے ہوتا ہے اور عوام تو پھر ہر طرح کے ہوتے ہیں کوئی مخلص، کوئی چکر باز، کوئی نادان اور کوئی سمجھ دار۔ اب یہ ذمہ داری مفتی کی ہے کہ ان کے ہاتھ میں کھلو تا بن کر نہ رہ جائے اور ان کے تابع ہو کر فتویٰ نہ دے۔ مولانا نے حضرت مفتی صاحب کی صحبت سے یہ تمام باتیں باقاعدہ نہ صرف سیکھیں بلکہ ان کو عملاً اپنایا بھی۔ چنانچہ مولانا شمس الحق صاحب برلنہ لکھتے ہیں۔

”اگر کوئی مستفتی طلاق کے مسئلے میں قابل اطمینان بات نہ کرنا اور مشکوک و مشتبہ تحریر پر اپنے حق میں فتویٰ کا خواہش مند ہوتا تو اس وقت مولانا کا غیظ و غضب دیدنی ہوا کرتا تھا اور اس وقت دارالافتاء میں بس مولانا ہی کی آواز گونجتی تھی۔“ (یادگار صالحین ص ۷۲)

یہاں موقع کی مناسبت سے اگرچہ قدرے تطویل کا موجب تو ہے مگر ایک بات ذکر کرنا فائدے سے خالی نہیں۔ مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے اپنی کتاب ”میرے والد میرے شیخ“ میں حضرت مفتی صاحب کے حوالے سے لکھا ہے کہ والد صاحب اکثر فرمایا کرتے تھے: فتویٰ اور فقہات صرف جزئیات یاد کر لینے یا کتابیں پڑھ لینے کا نام نہیں بلکہ یہ ایک مزاج اور ذوق کا نام ہے جو کسی کامل کی تربیت اور صحبت میں رہ کر طویل دور رہے تک کام کیے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔ مفتی صاحب آگے لکھتے ہیں ایک آدھ دفعہ عرض

کیا کہ حضرت وہ کیا چیزیں ہیں جو ویسے حاصل نہیں ہوتیں؟ حضرت نے فرمایا اگر وہ چیزیں الفاظ میں آ سکتی ہوتیں تو ان کے لیے کسی ماہر کے پاس رہنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔

یہی وجہ ہے کہ علماء کے ہاں پہلے بھی اور آج بھی مفتی وہ ہے جس کے بارے میں اس کے بڑے اہل علم یہ کہہ دیں کہ یہ فتوے کا اہل ہے۔ صرف شخص حاصل کر لینے یا ایک آدھ سال ترین فتویٰ نویسی کی مشق سے یہ چیز حاصل ہو ہی نہیں سکتی۔ عالم کی سند جیسے علم کی ضمانت نہیں بلکہ آٹھ سال کتب پڑھنے کی تصدیق ہے ایسے ہی شخص کی سند بھی دو تین سالہ نصاب پورا کرنے کا وثیقہ ہے فتوے کی اہلیت کی مہر اور ضمانت نہیں۔ ظاہر ہے مولانا عاشق الہی صاحب جیسے ذہین مدرس اور چالیس سال کی ذمہ دارانہ عمر کے حامل آدمی کو بھی جو چیز سیکھنے اور حاصل کرنے میں دس بارہ سال کا عرصہ درکار ہو تو ماشا اللہ کیا ہیں؟

پھر مولانا کی تربیت کا یہ دورانیہ ایسے نہیں کہ رکی سے کام اور تعلق پر مشتمل ہو بلکہ یہ مکمل کام اور ہمہ وقتی محنت کا دورانیہ تھا۔ اس دوران مولانا نے کن موزوں پر کیسے تربیت حاصل کی اور مفتی صاحب نے کیا کیا اصلاحیں اور اصول و صوابا ارشاد فرمائے، اس کی تفصیل معلوم ہو جائے تو کیا کہنے لیکن اتنی بات معلوم ہے کہ مولانا نے اپنے آپ کو اس کام میں کھپا دیا تھا، تبھی تو دانہ خاک میں مل کر گل و گلزار ہوا تھا۔ چنانچہ ابن المصنف لکھتے ہیں:

”ایک مرتبہ گرمیوں کے موسم میں دارالافتاء میں کرتہ اتار کر حضرت والد صاحب رحمہ اللہ رات کو بیٹھے ہوئے بڑی لگن سے لکھ رہے تھے، اتنے میں حضرت مفتی شفیع صاحب تشریف لے آئے فتاویٰ نویسی میں انہماک دیکھ کر بہت مسرور ہوئے اور فرمایا کہ ہاں مولوی صاحب کام تو ایسے ہی ہوتا ہے۔“ (یادگار صالحین ۶۸)

اس تربیت اور حق استفادہ کی انتہا کی بدولت ہی مولانا کو مفتی شفیع صاحب اور مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب جیسے ماہر مفتی حضرات نے اجازت حدیث کے ساتھ ساتھ باقاعدہ فتویٰ نویسی اور افتاء کی بھی اجازت مرحمت فرمائی تھی۔ (دیکھئے یادگار صالحین ۶۷)

مدرسے سے مخلصانہ تعلق:

عام طور سے خصوصاً موجودہ دور میں مدرسین کا مزاج یہ ہوتا ہے کہ ہمیں اپنے کام سے کام رکھنا چاہیے بس جو سبق ذمے لگا ہو پڑھا دیا جائے۔ باقی یہ کہ مدرسے میں کیا ہے کہیں کوئی فائدہ کی بات ہے یا نقصان ہو رہا ہے اس کی مطلق پروا نہیں ہوتی۔ یہ رویہ اگرچہ ہر لحاظ سے قابل تنقید بھی نہیں بلکہ بہت دفعہ مفید اور قابل تقلید بھی ہے لیکن اگر آدمی اپنی شخصیت اور اخلاص سے کسی جگہ مقام بنا سکے یا دوسرے لفظوں میں اس کی بات موثر ہو سکے تو اس کے لیے اس رویے سے اجتناب کرنا ہی عزیمت ہوگا۔ مولانا نے دارالعلوم کے قیام کے دوران اپنے آپ کو اس طرز عمل کا ہی پابند بنائے رکھا اور دارالعلوم کے مفاد کو اپنا مفاد اور دارالعلوم کے نقصان کو اپنا نقصان سمجھتے رہے۔ بارہ سالہ قیام میں اس کی مثالیں تو بہت ہوں گی مگر ہم سر دست سوانح سے ایک آدھ مثال پر اکتفا کرتے ہیں۔

ابن المصنف لکھتے ہیں:

”دارالعلوم کراچی کے قیام کے دوران کا ذکر ہے کہ ایک دفعہ بارش بہت تیز ہو رہی تھی۔ ساتھ ساتھ تند و تیز ہوا بھی

چل رہی تھی۔ استقبالیہ کے قریب ایک جاسن کا درخت لگا ہوا تھا جو حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لگوایا تھا جو ابھی زیادہ مضبوط نہیں ہوا تھا ہوا کی شدت کی وجہ سے اس کے گر جانے کا خطرہ تھا۔ حضرت مفتی صاحب نے (اس خطرے سے) کھڑکی کھولی کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت والد صاحب اس درخت کو پکڑے کھڑے ہیں کہ کہیں یہ درخت گر نہ جائے بارش میں بھیگ رہے ہیں، ہوا کی شدت برداشت کر رہے ہیں، حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ماجرا دیکھ کر بہت حیران ہوئے اور اس کا ذکر دارالعلوم کے بعض اساتذہ سے فرمایا۔“ (یادگار ص ۶۹)

آج کل کے ہمارے جیسے مدرسین کے لیے شاید یہ واقعہ کتنا عجیب ہو اندازہ نہیں کیا جاسکتا اور نہ جانے اس پر کیا کیا تبصرے ہوں اور اگر خود سے ذہن میں اس جیسا کام کرنے کا داعیہ یا ہلکا سا سوال پیدا ہو تو اس کے جواب میں نہ جانے کتنے کتنے کڑے سوالات اور فلسفے سامنے آئیں۔ مثلاً ہم نے تنخواہ اس بات کی تھوڑی لی ہے کہ اندھیری رات میں مینہ تلے کھڑے رہ کر درخت تھا رہے ہیں، ہم مدرس ہیں نوکر تھوڑی ہیں جو چاہی پلوسی کرتے پھریں۔ اور ایسے کام تو بے چارے وہ مدرس کرتے جن کی نوکری داؤ پر ہو، آتا جاتا کچھ نہ ہو، ہم تو تیس مارخان مدرس ہیں، ہم مدرسے کی مجبوری ہیں مدرسہ ہماری مجبوری نہیں۔ زمین خدا تنگ نیست پائے گدا تنگ نیست وغیرہ وغیرہ اور نہ جانے کتنے طاغوتی ہتھکنڈے پلک جھپکتے آ کر گزر جاتے ہیں۔ مگر یہاں تو معاملہ دوسرا تھا۔ متعدد مقبول کتابوں کا مصنف، چالیس سال سے زیادہ عمر، طویل تدریسی تجربہ اور فتویٰ نویسی کا دم چھلہ بھی ساتھ میں۔ اس کے باوجود یہ کام اور استاذ کی منشا پچاننا یہ یقیناً تب ہی ہو سکتا ہے جب دماغ سے علم کے ساتھ ساتھ پنپنے والا انانیت کا متعفن کیز امر چکا ہو۔ چنانچہ یہ واقعہ جہاں مولانا کی مدرسے کے ساتھ جذباتی وابستگی اور تعلق کی مثال ہے وہیں بے نفسی، قناعت، اور تواضع و انکساری کا بھی واضح نمونہ ہے۔ مولانا کی اسی للہیت فنایت اور اخلاص ہی کا ثمرہ تھا کہ ارباب دارالعلوم بھی آپ کی قدر کرتے تھے۔ اور آپ کی کڑوی کسلی کو نفس کر برداشت کرتے تھے۔ مولانا شمس الحق صاحب لکھتے ہیں:

”مکاتب قرآنیہ کے اساتذہ جب ہر ماہ مشاہرہ وصول کرنے آتے اور مکتب کی ماہانہ رپورٹ بھی اپنے ساتھ لاتے تو اس وقت ان کو کوٹاہیوں پر مواخذہ کرتے ہوئے مولانا کا جلال نمایاں نظر آتا تھا، مگر یہ سب کچھ چونکہ اخلاص کے ساتھ ہوتا تھا۔ اس لیے مولانا کے مزاج شناس اس کی وجہ سے بدل نہیں ہوتے تھے۔“ (یادگار ص ۷۱)

بلکہ اس سے بھی بڑھ کر مولانا جب دارالعلوم کو اپنا سمجھتے تھے تو ارباب دارالعلوم نے بھی اس کی خوب قدر دانی کی اور ان کو بھرپور اپنائیت دی۔ مولانا جب مدینہ منورہ کی ہجرت پر روانہ ہوئے تو مفتی شفیع صاحب نے فرمایا:

”ایسے لگتا ہے جیسے ہمارے گھر کا کوئی آدمی چلا گیا۔“

اور پیچھے ذکر ہو چکا ہے کہ ارباب اہتمام نے تاحیات کا آپ کی اعزازی ملازمت اور دارالعلوم سے تدریس کا تعلق باقی رکھا اور اس دور اپنے کو طویل رخصت شمار کیا۔ اور دارالعلوم کراچی کا جب دستار فضیلت کا بڑا جلسہ ہوا تو اس میں مولانا نے بڑے اہتمام سے شرکت فرمائی۔

ہجرت مدینہ منورہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام:

مولانا نے دارالعلوم میں بارہ سال کام کیا اور اس کے بعد اپنی دلی خواہش پوری کرنے کا وقت آ گیا۔ یعنی مدینہ کی خاک میں ابدی نیند سو جانے کا خواب۔ اس لحاظ سے دارالعلوم بھی آپ کا ایک نشان راہ لگتا ہے منزل نہیں۔ ۱۳۸۴ھ میں آپ پاکستان آئے اور بارہ سال بعد مدینہ منورہ کی مستقل سکونت کی نیت سے چلے گئے یعنی ۱۳۹۲ھ کو یہ سفر پیش آیا۔

مدینہ منورہ کی ہجرت کا سن کر عام تاثر یہ ہوتا ہے کہ شاید مولانا کے چاہنے والے وہاں ہوں گے انہوں نے آن کی آن میں اقامے وغیرہ کا کام کر دیا ہو گا اور مولانا یہاں سے نکل کر مدینہ منورہ میں مقیم ہو گئے ہوں گے۔ ہونا تو یوں ہی چاہئے تھا، لیکن واقع میں ایسا نہیں ہوا۔ بلکہ عاشق صادق نے محبوب تک پہنچنے میں کئی مراحل طے کئے۔ چنانچہ یہاں سے اصلاً مولانا حج کے لیے روانہ ہوئے نیت وعزم پورا تھا کہ حرمین میں ہی ٹھہریں گے مگر ابھی تک صرف حج کا بندوبست تھا۔ وہاں جا کر ظاہری اسباب کے علاوہ عرفات میں عاشق زار کی زاری کام آئی، خوب گزر گڑا کر دعا مانگی۔ اللہ رب العزت نے اقامہ کا انتظام فرما دیا جس کی بھی ایک داستان ہے جو یادگار صالحین میں دیکھی جاسکتی ہے۔ اس کے بعد اگلا مرحلہ یہ تھا کہ قیام کہاں کریں۔ مدینہ منورہ میں یا مکہ مکرمہ میں؟ اس سلسلے میں اپنے شیخ و مرشد مولانا شیخ الحدیث زکریا صاحب رحمہ اللہ کو لکھا جو کہ پہلے سے مدینہ منورہ کے مہاجر ہو چکے تھے انہوں نے فرمایا کہ مدینہ منورہ میں قیام رکھو۔ چنانچہ مدینہ منورہ میں قیام کیا۔

مولانا کا مدینہ منورہ کا قیام نہایت اہم اور مفید رہا کیونکہ اپنے شیخ کی اتنے طویل عرصے کے بعد محبت و معیت نصیب ہوئی۔ حضرت شیخ الحدیث فرماتے تھے اللہ نے میرا مددگار و معاون بھیج دیا ہے۔ چنانچہ آپ نے حضرت شیخ کے علمی کاموں میں خوب تعاون کیا۔ اس دوران آپ کو یہ خیال ہوا کہ اپنی کتاب مجانی الاثمار شرح معانی الآثار کا کام پایہ تکمیل کو پہنچائیں۔ حضرت شیخ سے مشورہ کیا تو انہوں نے فرمایا اس وقت ضرورت اس بات کی ہے کہ عوام کی دینی تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا جائے اور آپ میں یہ وصف خوب ہے اس لیے آپ ایسی تالیفات کی طرف سر دست توجہ دیں۔ معانی الآثار پڑھنے والے تو اور شروع و حواشی سے بھی فائدہ اٹھا لیں گے۔ چنانچہ مولانا نے یہ زمانہ ایسی اصلاحی تالیفات اور مضامین لکھنے میں صرف کیا، جو عوام میں مقبول ہوئیں اور آپ کے لیے یقیناً ذخیرہ آخرت ہیں۔

وفات حسرت آیات:

عمر بھر کی بے قراری کو قرار آئی گیا۔

مولانا کی زندگی کی منزل یہی تھی کہ محبوب کے دربار میں جا پڑیں اور ان کے قدموں پہ جان دے دیں۔ اور نہ جانے کب سے یہ تڑپ دل میں موجود تھی۔ مولانا کے بیٹے لکھتے ہیں:

”بندہ کو بخوبی یاد ہے کہ ایک دفعہ بندہ نے عرض کیا کہ فلاں فیملی سعودیہ جا رہی ہے، وہ لوگ فریج بچ رہے ہیں لہذا

خرید لیا جائے فرمایا کہ ہمیں تو خود مدینہ منورہ جانا ہے جہاں بھینی بھینی رحمت برسی ہے۔“ (یادگار ص ۷۰)

ایک طویل عرصے سے اس بھینی بھینی رحمت کے حصول کے لیے وہ وہاں پہنچ گئے تھے۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ امام مالک مدینہ منورہ سے والہانہ تعلق رکھتے تھے اور ان کی خواہش تھی کہ یہیں انتقال ہو اس ندرت سے مدینہ منورہ سے باہر نہیں نکلتے تھے کہیں ایسا نہ ہو کہ دوسری جگہ انتقال ہو جائے اور خاک مدینہ کا کفن نصیب نہ ہو۔ بعینہ یہی حال مولانا کا بھی تھا کہ حرمین سے باہر جانے سے بہت احتیاط کرتے تھے اسی وجہ سے دارالعلوم کے پچیس سالہ جلسے میں آنے میں تردد تھا لیکن اللہ نے آپ کی اس خواہش کو عملی شکل دی آخری سال جب رمضان المبارک کا مہینہ آیا تو حسب معمول رمضان کے شروع میں عمرہ کیا وہیں پر طبیعت خراب ہونا شروع ہوئی، دل کا عارضہ پہلے سے لاحق تھا انتہائی نگہداشت کے وارڈ میں داخل ہوئے اور کچھ عرصے بعد چراغ سحر ایک دفعہ خوب ٹمٹمایا اور طبیعت بحال ہو گئی۔ اس وجہ سے رخصت ملی اور مدینہ منورہ روانہ ہو گئے۔ وہاں جا کر ۱۲ رمضان المبارک ۱۴۲۲ھ بمطابق ۲۰۰۱ء کو طبیعت میں دوبارہ تغیر ہوا لیکن آخر تک منہ والوں سے ملاقات فرماتے رہے اور اپنی تالیفات و مضامین کے بارے میں باتیں اور بعض چیزیں املاء فرماتے رہے۔

بالآخر ظہر کی نماز کے قریب یہ عاشق صادق، اپنے عشق کی طویل داستان رقم کرتے ہوئے جس تمنا اور آرزو کو لے کر ربع صدی سے محبوب کے در پر پڑا تھا، وہ تمنا بار آور ہوئی اور محبوب سے اپنے دیار میں ابدی فیند سونے کی اجازت مل گئی اور اس عاشق زار نے ہونٹوں پر پھیلی مسکراہٹ اور تبسم کے ساتھ جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ یوں نصف صدی سے زائد دین کی خدمت کرنے والے قلم اور زبان ۹۷ سال کی عمر میں ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گئے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔ پاکستان سے عمرہ پر گئے ہوئے متعدد حضرات نے نماز جنازہ میں شرکت فرمائی اس کے بعد جنت البقیع میں ہزاروں صحابہ، اولیاء اللہ اور ائمہ کرام کے پہلو میں لیٹنا نصیب ہوا۔

اس موقع پر مولانا خلیل احمد تھانوی نے متعدد بار منتخبائے وفات نکالی ہیں جن میں سے دو یہ ہیں:

- ۱۔ قال جل شانہ قد افلح من تزکی ۱۴۲۲ھ
- ۲۔ عالم دانا / محمد عاشق الہی مہاجر مدنی / انتقال کر گئے۔

۱۹۷ ۹۶۲ ۸۴۲

۲۰۰۱ء

باب دوم

تالیفات اور تحریری خدمات

علم اور قلم کا رشتہ:

انسانیت کے لیے دنیا و آخرت کی فلاح و بہبود کے جامع نظام اور دستور العمل یعنی اسلام کی سب سے پہلی وحی میں یہ الفاظ شامل تھے:

الذی علم بالقلم وہ کریم رب جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا۔

اس آیت میں اس سرمدی حقیقت کی طرف اشارہ ہی نہیں بلکہ قریب قریب صراحت کے ساتھ بیان کیا جا رہا ہے کہ علم اور قلم کا رشتہ بہت گہرا ہے۔ جس میں قلم محتاج الیہ اور علم محتاج ہے۔ دوسرے لفظوں میں قلم خادم اور علم مخدوم ہے۔ جیسے خادم کے بغیر مخدوم کا گزر ان مشکل ہے ایسے ہی قلم کے بغیر علم کا قرار و ثبات اور دوام و پھیلاؤ مشکل میں پڑ جاتا ہے۔ اہل بصیرت کہتے ہیں "العلم صید و الكتابة قید" علم ایک آزاد پنجھی ہے جو آپ کے پاس آ گیا ہے اب اگر چاہو کہ یہ تمہارے پاس رہ جائے تو اس کے لیے پنجرہ بناؤ مگر یہ پنجرہ لکڑی یا کیل سے نہیں بلکہ صفحہ و ورق طاس سے تیار ہوگا۔ اس پنجرے میں علم محفوظ ہو جائے گا۔ ورنہ وہ علم اڑ جائے گا۔ اسی بات کو دوسرے لفظوں میں یوں تعبیر کیا گیا ہے: ما کتب قر و ما حفظ قر یعنی جس بات کو تحریر کی زنجیر سے جکڑ دیا جائے وہ پابند سلاسل ہو کر ٹک جاتی ہے اور جس کو صرف حافظے کے حوالے کر دیا جائے وہ بات، یہ جاوہ جا ہو کر اڑن چھو ہو جاتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ علم کے جویان و متلاشیان نے ہمیشہ سے قلم اپنے کان پہ لگا کر رکھی ہے اور علم کو محفوظ کرتے رہے ہیں۔ انہی مساعی اور قلم کی بدولت آج علم کے کتنے خزانے ہیں جو دنیوں میں تبدیل ہونے سے بچ گئے اور ان کی نسلوں کے لیے وہ محفوظ ہو گئے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ اگر کوفہ میں امام ابو حنیفہ کے افادات، مدینہ میں امام مالک کے افادات ان کے تلامذہ قلم بند نہ کرتے تو ہم کیا کتاب الاثار اور مؤطا امام مالک وغیرہ سے واقف ہو سکتے۔ اگر امام شافعی اپنے علم و ادب کے حسین امتزاج کو قلم سے ہم کنار نہ کرتے تو کتاب الام کی شکل میں عظیم فقہی ذخیرہ امت کے علمی سرمائے کا حصہ ہوتا، لیکن ایک طرف جہاں یہ امتان و احسان کی کیفیت اور فرحت و فخر کے جذبات ہیں وہیں دوسری طرف افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ تمام کے تمام اہل علم نے اپنے علوم و

معارف کو منظر عام پر لانے، انہیں محفوظ کرنے اور دوسروں تک پہنچانے کے لیے کا حقہ قلم کی اس نعمت عظیم سے استفادہ نہیں کیا حالانکہ یہ اہل علم خواہ ماضی قریب کے ہوں یا قرون وسطیٰ واولیٰ کے، یقیناً ایسے تھے کہ جن کے اپنے افکار و نظریات اور علوم و معارف یقیناً امت کے لیے ضروری اور مفید تھے۔ اگر یہ محفوظ ہو جاتے تو کتنے عقدے حل ہوتے، کتنی محنتیں بچتیں، اور کتنی تشکیاں مٹتیں۔ مگر علم و قلم کے باہمی رشتے کی کمزوری اور بعد کی وجہ سے جو ہونا چاہیے تھا نہ ہوسکا اور علم کے کتنے خزینے تھے کہ وہ سر بہرہ دینوں میں بدل گئے۔

اے بسا آرزو کہ خاک شد

کم حسرات فی بطون المقابر

یہ تو امت یا علمی طبقے کا اجتماعی نقصان ہے اس کے علاوہ قلمی ربط مفقود ہونے میں خود اہل علم کا بھی ایک گونہ سوچا جائے تو نقصان ہوا ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے

”بلوح الخط فی القراطس دھرا و کاتبہ رمیم فی التراب“

”لکھنے والا چاہے منوں مٹی میں جا کر بے نشان ہو جائے لیکن اس کی تحریر اپنی قوت اور صلاحیت کے بقدر زمین پر

زندہ رہتی اور اپنے تحریر کنندہ کے لیے نیک نامی، دعائے مغفرت اور حصول ثواب وغیرہ کا ذریعہ بنی رہتی ہے۔“

خود ہی دیکھ لیا جائے دنیا میں آنے کو کتنے مضبوط اور وسیع المعلومات عالم آئے ہوں گے مگر ہماری واقعیت انہی سے ہے اور ہم خواہی نہ خواہی دعائے مغفرت اور ایصال ثواب بھی انہی لوگوں کے لیے کرتے ہیں جن کے ساتھ ہمارے ربط و تعلق میں قلم کا واسطہ موجود ہے۔ مگر نہ زمانے کی بے رحم تیز رفتاری اور زود نسیانی میں کون کسے یاد رکھتا ہے۔

کچھ نہ کچھ لکھتے رہو تم وقت کے صفحات پر

نسل نو سے اک یہی تو رابطہ رہ جائیں گے

علم و قلم کے اس رشتے کے بیان میں ذرا زیادہ ہی طول ہو گیا ہے مگر یہ موضوع ایسا ہے کہ اگر اس سے کچھ زیادہ لکھ کر بھی اہل علم کو یہ احساس دلایا جاسکے تو کاغذ و شنائی کا ضیاع نہیں ہوگا۔ بہر کیف اب ہم زیر بحث موضوع کی طرف آتے ہیں۔

مولانا کا تصنیفی ذوق:

عام روش کے برخلاف علم و قلم کے اس ربط اور دعوت و ابلاغ میں قلم کی اثر اندازی کا ہمارے مددو مولانا عاشق صاحب کو پورا پورا احساس تھا۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے عمر بھر علم و قلم کے اس رشتے کو قائم رکھا اور کثیر تالیفات و تحریرات کی شکل میں اپنی معلومات، اپنے احساسات و جذبات پڑھنے والوں کے لیے محفوظ کر دیئے۔ مولانا کو تحریر کا ذوق شروع ہی سے ملا تھا۔ خود فرماتے ہیں:

”تصنیف و تالیف میرا فطری ذوق ہے، جب میں مدرسہ امدادیہ مراد آباد میں پڑھتا تھا اس وقت نو عمری میں ہی جب محمد الیمن اور مفید الظالمین وغیرہ پڑھی جاتی تھیں عربی ادب میں ایک رسالہ یونہی حکایات وغیرہ کو کاٹ پیٹ

نکڑ لکھا تھا۔“ (املائی افادات ص ۳۱)

مولانا جس زمانے کی بات فرما رہے ہیں یہ ۱۳۵۶ یا ۱۳۵۷ کا واقعہ ہے۔ اس وقت آپ کی عمر ۱۳۴۳ میں پیدائش کے لحاظ سے بمشکل تیرہ یا چودہ سال قرار پاتی ہے۔ اس زمانے میں تصنیف اور وہ بھی عربی ادب کی۔ اب وہ تصنیف ہمارے سامنے تو نہیں اور یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ تصنیف زبور طبع سے آراستہ بھی ہوئی تھی یا نہیں، لیکن بہر حال اس عمر میں ایسی کتاب لکھنے کی ہمت کرنا اور تالیف کر دینا یہ یقیناً پختہ فطری ذوق اور سلیقے پر دلالت کرتا ہے۔ اس کتاب کو ہم آپ کی پہلی کتاب قرار دے سکتے ہیں۔ اس کے بعد تصنیف و تالیف کا سلسلہ کیا ہوا اس بارے میں مولانا خود فرماتے ہیں:

”تصنیف و تالیف کا سلسلہ مظاہر العلوم سہارنپور کے زمانہ طالب علمی (یعنی ۱۳۶۰) میں شروع ہو گیا تھا۔ مدرسہ کے شیخ اتجوید و القراءت کی خدمت میں برابر تین سال تک حاضر ہوتا رہا اور اسی حاضری کے دوران بعض کتب تجوید کا حاشیہ لکھا تھا۔“ حضرت الاستاذ قاری محمد سلمان صاحب رحمہ اللہ بہت محبت کرتے تھے۔ اس زمانے میں شاطبیہ کی شرح لکھ رہے تھے، مجھے اس میں شریک رکھتے تھے۔“ (املائی افادات ص ۳۱)

تالیفی تربیت:

یہ بات زمانہ طالب علمی کی ہے مصنف نے یہاں یہ واضح نہیں فرمایا کہ کن کتب کے حواشی لکھے تھے۔ البتہ ابن المصنف کے بقول:

”مظاہر العلوم کے زمانہ قیام میں خلاصۃ البیان اور مقدمہ جزری لکھی۔“ (ص ۱۵۳)

لیکن ان کا پھر کیا بنایا نہیں بتایا اور نہ یہ بتایا ہے کہ اپنے استاذ صاحب کے ساتھ تصنیف میں شرکت کی نوعیت کیا تھی۔ تاہم اتنی بات تو سمجھ میں آتی ہے کہ اس کتاب میں شرکت فن تجوید سکھانے کی غرض سے تو نہیں۔ اس لیے لامحالہ اس دوران شرکت کرانے کا مقصد، استاذ صاحب کا یہ ہوگا کہ مولانا کے اندر تالیف کا فطری جوہر کھڑکھڑا کر سلجھ کر سامنے آئے اس سلسلے میں عین ممکن ہے اصلاح و ترمیم وغیرہ کا عمل بھی ہوتا ہو۔ کوئی واضح صراحت تو نہیں لیکن ان عقلی احتمالات کی بنیاد پر شاید ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مصنف کے ذوق تالیف کو سنوارنے اور نکھارنے میں ان کے استاذ اتجوید کا کسی قدر ہاتھ ضرور ہوگا۔ کیونکہ اس کے علاوہ کسی کی نگرانی میں تالیف کا ذکر نہیں ملتا، ہاں آخر عمر میں حضرت شیخ الحدیث کی نگرانی میں کام کا تذکرہ ہے لیکن وہ زمانہ پختگی کے بعد کا ہے۔ وہاں علمی استفادہ تو ممکن ہے مگر تالیفی تربیت کا استفادہ سمجھ میں نہیں آتا۔ واللہ اعلم

یہ تو زمانہ طالب علمی کی بات تھی اس کے بعد فرماتے ہیں:

”جب دورہ پڑھ کر فارغ ہوا تو تیسرے ہی سال (گویا ۱۳۶۳ھ) فضائل صلوٰۃ و سلام لکھی اور حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ کی الدر الثمین کا ترجمہ لکھا اور اغلاط العوام مولفہ حکیم الامت قدس سرہ کی اضافات کے ساتھ جدید ترتیب دی۔“ (املائی افادات)

سلیقہ تالیف:

اس اقتباس سے آپ کی تین طرح کی تالیفی مہارتوں کا پتہ چلتا ہے (۱) تالیف (۲) ترجمہ، (۳) ترتیب و تعلق یعنی ایڈیٹنگ۔ فضائل صلوٰۃ و سلام کی تالیف کی ورثین کا ترجمہ کیا اور اغلاط العوام کی ایڈیٹنگ کی۔ اسی دور میں معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کا رخ عوام کے لیے مفید کتابوں کی تالیف و اشاعت کی طرف مڑنے لگ گیا تھا..... ورثین اگرچہ بہت حد تک علماء کے کام کی چیز ہے۔ مگر اغلاط العوام میں خالص عوام مخاطب ہیں اور فضائل صلوٰۃ و سلام کا رخ بھی عام قارئین کی طرف ہی ہے۔ حضرت مصنف کی تالیفی زندگی کی بے ضابطہ ابتداء سولہ سال کی عمر سے ہوئی اور باضابطہ ۲۰، ۲۱ سال کی عمر سے اور اس کے بعد انہوں نے عمر بھر اس مبارک مشغلے کو جاری رکھا خود فرماتے ہیں:

”اس وقت (یعنی ۱۳۶۳ھ) سے برابر تالیف کا سلسلہ جاری ہے، جب کہیں مدرس ہو گیا تو اس کام میں کی آگئی اور جب کبھی مدرس چھوڑی تو کتابیں لکھنے کا خوب موقع ملا۔“ (المائى افادات ص ۳۱)

مصنف گری:

مولانا کا یہ تصنیفی ذوق صرف اپنی ذات تک محدود اور لازمی نہیں تھا بلکہ اپنے ذاعیانہ جذبے کے باعث وہ اسے دوسروں میں منتقل کرنے کا بھی اہتمام اور فکر رکھتے تھے اس لحاظ سے ہم آپ کو مصنف گر کہہ سکتے ہیں۔ مولانا کے ایک متوسل لکھتے ہیں:

”حضرت نے میرے سے پوچھا کوئی تصنیف بھی کرتے ہو یا نہیں؟ میں نے کہا نہیں۔ فرمایا ابھی جاؤ۔ اپنی مشکوٰۃ شریف دی اور روضہ میں جا کر دس حدیثوں کا ترجمہ لکھ کر لاؤ۔ میں ترجمہ لکھ کر لے آیا اس کے بعد اب تک میری بیس کے قریب چھوٹی بڑی تالیفات ہو چکی ہیں۔“ (یادگار صالحین ص ۵۲)

تصانیف کی تعداد:

۱۳۶۷ھ سے تصنیف کی ابتدا ہوئی اور ۱۳۷۲ھ میں مولانا کا انتقال ہوا۔ اور انتقال کے وقت تک آپ کچھ نہ کچھ لکھتے یا لکھواتے ہی رہے۔ اسی طرح آپ کی ۵۸ سالہ زندگی تالیفی زندگی کہی جاسکتی ہے۔ اس دوران آپ نے کتنی تصنیفات و تالیفات چھوڑیں؟ خود مصنف فرماتے ہیں:

”گزشتہ ہفتے اپنی تالیفات کو شمار کیا تو اسی (۸۰) تک تعداد پہنچی۔“

جبکہ مولانا عبد الرحمن کوثر صاحب ابن المصنف نے یادگار صالحین میں جو تعداد دی ہے وہ ۱۷۱ تالیفات کی ہے اور المائى افادات آخر میں لگی فہرست میں ۷۲ کتابوں کا عدد ہے اور حافظ بشیر احمد صاحب نے مذکورہ کتاب میں اپنی تحریر میں باقاعدہ ۹۲ تالیفات مع نام کے گنائی ہیں اور انہوں نے اس کے علاوہ مضمون کے شروع میں یہ لکھا ہے:

ایک اندازے کے مطابق چھوٹے بڑے رسائل کو ملا کر دوسو کے قریب تصنیفات و تالیفات کا عدد بتایا جاتا

ہے۔ لیکن بہت کوشش و جستجو کے باوجود ایک سو سے کچھ اوپر کتابوں کا سراغ مل سکا، جس کی وجہ یہ رہی کہ آپ کی جو تصانیف ہندوستان یا سعودی عرب میں طبع ہوئی ہیں ان تک رسائی حاصل کرنا ہمارے بس سے فی الحال باہر ہے۔“ (یادگار صالحین ۹۰۶)

اس طرح ہمارے سامنے آپ کی کتابوں کی یہ تعدادیں آتی ہیں۔ ۲۰۰، ۱۰۲، ۹۲، ۷۱، ۷۲، ۸۰۔ ان سب میں مرکزی حیثیت ۸۰ کو حاصل ہے کیونکہ خود مصنف کا بیان ۸۰ کا ہے مگر یہ تعداد حتمی اور ۹۲ اور ۱۰۲ کے ساتھ معارض نہیں کیونکہ یہ بیان ۱۳۱۲ھ کا ہے جس کے بعد حضرت المصنف تقریباً دس سال زندہ رہے۔ اس دوران ممکن ہے بارہ یا بیس کتابیں اور تالیف فرمائی ہوں۔ لہذا ان تین اعداد میں تو بالاسانی تطبیق ممکن ہے۔ البتہ ۷۱، ۷۲ اور ۷۳ کی تعداد مصنف کی خود ذکر کردہ ۸۰ کی تعداد سے میل نہیں کھاتی۔ مصنف خود ۸۰ کی تعداد بتائیں اور پھر دس سال مزید لکھتے لکھاتے رہے ہوں۔ اس کے باوجود جب تعداد گنی جائے تو وہ ۷۱ یا ۷۲ ہو یہ بظاہر سمجھ میں آنے والی بات نہیں۔ ایک توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ مصنف رحمہ اللہ نے وہ تالیفات بھی شمار کی ہوں گی جو بالکل ابتدائی زمانے اور زمانہ طالب علمی میں لکھی تھیں۔ لیکن بعد کو شمار کرنے والوں کی رسائی ان تک نہیں ہو سکی اس لیے تعداد میں یہ تفاوت آیا ہے۔ یہ توجیہ اس لیے بھی قرین قیاس لگتی ہے کہ مصنف کی ان کتابوں کے صریح ذکر سے بعد کی فہارس خالی ہیں۔ واللہ اعلم

باقی رہا آخری عدد یعنی دو سو اگرچہ ۸۰ کے ساتھ عدد اقل عدد اکثر کی نفی نہیں کرتا کے ضابطے سے عقلاً متصادم نہیں تاہم عادتاً یہ بات مشکل معلوم ہوتی ہے کہ دس سال میں ۱۲۰ کتابیں تالیف کی گئی ہوں..... ہاں اگر ۲۰۰ کے عدد میں چھوٹے بڑے رسالے شامل کیے جائیں تو پھر ممکن ہے۔

اس ساری روداد کا حاصل یہ ہوا کہ آپ کی واقعی و قیغ تصانیف کی تعداد سو کے لگ بھگ ہے اور اگر رسائل ملائے جائیں تو یہ تعداد دو سو تک ہو جائے گی۔ آپ کی کتابوں میں تقریباً گیارہ کتابوں کے انگریزی زبان میں تراجم ہو چکے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ مضامین جو مختلف ماہناموں میں لکھے تھے ان کی تعداد حافظ بشر صاحب کے حساب کے مطابق ۱۵۲ ہے۔ لیکن ان مضامین میں سے سب سے پرانا مضمون ۱۳۸۷ھ کا ہے جبکہ مصنف کی عمر ۳۳ سال تھی، اس سے پہلے اس سیال قلم نے کیا کچھ نہ لکھا ہو گا اندازہ کرنا مشکل نہیں اس لیے اس تعداد کو مصنف کے مضامین کی حقیقی تعداد کی ترجمانی سمجھنا مشکل ہے۔

کیست یا کیفیت:

یہ تو مولانا کی کتابوں کی کیست کے حوالے سے بات تھی جو سوانح نگار کی حیثیت سے جتنی ضروری تھی کر دی گئی ورنہ اصل بات یہ ہے کہ اعمال کی کیست کو نہیں دیکھا جاتا بلکہ کیفیت کو دیکھا جاتا ہے۔ اگر اس پہلو سے دیکھیں تو ہمارے پاس کوئی ایسا پتہ ہی نہیں کہ جس سے ہم آپ کی کتابوں کو گن یا تولی سکیں۔ کیونکہ اول تو یہ کہ کسی تحریر کا خدا کے ہاں کیا مقام ہے یہ کسی فرد بشر کے معلوم کرنے کی چیز نہیں۔ اس کے علاوہ دنیا میں اسباب کے درجے میں حضرت کی تالیفات نے کیا کیا اثرات مرتب کیے کتنی وسعت حاصل کی اس کا اندازہ بھی ہماری بساط سے باہر ہے۔ ہاں کچھ جملے ہیں جن سے ہم کچھ اندازہ قائم کر سکتے ہیں کہ ایک بے سرو سامان زمیندار

راجپوت کے بیٹے کے قلم سے خدا نے کیا کیا کام لیے ہیں۔ وہ جملے یہ ہیں:

عالم اسلام کی معروف و معتبر شخصیت حضرت الاستاذ مفتی محمد تقی عثمانی صاحب آپ کے ہمارے میں لکھتے ہیں:

”اللہ نے ان کے جملوں میں بہت برکت عطا فرمائی ہے ان کی بعض کتابیں لاکھوں کی تعداد میں چھپی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اخلاص کے ساتھ دین کا درد عطا فرمایا ہے، اس لیے ان کی باتیں دل پر اثر انداز ہوتی ہیں اور یہ ایسا وصف ہے جو بہت کم مصنفین کو حاصل ہوتا ہے۔ (یادگار ص ۶۳۱)

حضرت مفتی صاحب کا یہ تاثر اور تعداد کا اندازہ آج سے تقریباً دس سال پہلے کا ہے۔ اب تک یہ مقبولیت اور یہ تعداد کہاں تک جا پہنچی ہوگی اور آنے والے وقتوں میں کہاں تک پہنچے گی؟ کون اندازہ کر سکتا ہے۔ آپ کی صرف ایک کتاب ”مرنے کے بعد کیا ہوگا؟“ جناب کلیم صدیقی صاحب جو ہندوستان میں ہندوؤں میں تبلیغ اسلام میں بڑے معجزانہ طریقے سے کام کر رہے ہیں اور بلاشبہ ان کے ہاتھ پر ہزاروں ہندو مشرف باسلام ہوئے ہیں۔ انہوں نے لکھا ہے:

”یہ بات بلا مبالغہ کہی جاسکتی ہے کہ ہمارے رفقاء کے ذریعے مشرف باسلام ہونے والے ایسے لوگوں کی تعداد ایک ہزار سے متجاوز ہو گئی جو صرف ”مرنے کے بعد کیا ہوگا؟“ کتاب کو پڑھ کر مشرف باسلام ہوئے اور اپنا آبائی مذہب چھوڑنے پر آمادہ ہوئے۔ (یادگار ص ۷۶۰)

مولانا کی یہ بات آج سے کافی سال پہلے کی رپورٹ پر مشتمل ہے اس کے بعد سے نہ جانے کتنے لوگ اس کتاب سے مستفید ہوئے ہوں گے۔ اور آج بھی ہو رہے ہیں اور آئندہ نہ جانے کب تک ہوتے رہیں۔۔۔۔۔ یہ تو اللہ ہی جانتا ہے۔

یہ کچھ جھلکیاں اس تاثیر، اثر اور پھیلاؤ کی ہیں جس کو ہم نے حضرت مصنف کی تالیفات کی کیفیت کے نام سے یاد کیا ہے حقیقت یہ ہے اس ساری بات اور کیفیت کا تعلق، للہیت، اخلاص اور مقبولیت خداوندی سے ہے جس کے ماننے اور شمار کرنے کا بیان ہمارے پاس نہیں۔

کتاب کی فہرست:

ذیل میں مولانا کی کتابوں کی ایک قدرے طویل فہرست دی جا رہی ہے کتابوں کے نام صفحات اور طبعات کا ذکر بھی موجود ہے۔ فہرست موضوعات کے اعتبار سے ہونے کے ساتھ ساتھ حروف تہجی کی ترتیب پر بھی مشتمل ہے۔

تفسیر:

۱۔ ارشاد الطالبین من کلام رب العالمین صفحات ۱۵۴

۲۔ انوار البیان فی اسرار القرآن

۳۔ تفسیر سورۃ الفاتحہ: (حوالہ کا برطلاء پوہندہ صفحات ۵۱۸)

تجوید:

- ۴۔ التحفة المرضیة شرح مقدمة الجزریة (المعروف شرح جزری)
۵۔ خلاصة البیان فی تجوید القرآن: مؤلف مولانا ضیاء الدین احمد آبادی، شرح مولانا محمد عاشق الہی بلند شہری رحمہ اللہ

حدیث:

- ۶۔ اخلاقی چہل حدیث (حوالہ اکابر علماء دیوبند ص ۸۱۹)
۷۔ اصلاحی چہل حدیث (حوالہ اکابر علماء دیوبند ص ۸۱۹)
۸۔ انعام الباری شرح اشعار البخاری، اشاعت اول شعبان ۱۳۹۸ھ صفحات ۱۳۲
۹۔ تبہیج الراوی بتخریج احادیث الطحاوی (عربی) حوالہ: اکابر علماء دیوبند ص ۵۱۸
۱۰۔ جواهر الحدیث (پندرہ چہل حدیثوں کا مجموعہ)
۱۱۔ روضة الأحباب مما جاء عن النبی ﷺ من الأدعية و الآداب. (عربی)
۱۲۔ ازاد الطالبین من کلام رسول رب العالمین (عربی)
۱۳۔ شرح اربعین نووی (عربی متن مع شرح اردو) تالیف امام نووی رحمہ اللہ، اردو شرح مولانا محمد عاشق الہی صاحب بلند شہری رحمہ اللہ، تقریظ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ
۱۴۔ گلشن حدیث (حوالہ اکابر علماء دیوبند ص ۵۱۹)
۱۵۔ مجانی الانعام شرح معانی الآثار (جلد اول کتاب الطہارۃ)
۱۶۔ العناقید الغالیة من الأسانید العالیة

سیرت:

- ۱۷۔ سیرت سرور کوئٹہ

سوانح:

- ۱۸۔ آخرت کے فکر مندوں کے پچاس قصے ۱۹۔ آنحضرت ﷺ کی صاحبزادیاں ۲۰۔ اصحاب صفہ
۲۱۔ الخیرات الحسان فی مناقب الإمام الأعظم ابی حنیفة النعمان (عربی) تالیف: مفتی شہاب الدین (الحجاز) تعلق: الشیخ مولانا محمد عاشق الہی بلند شہری۔
۲۲۔ المواہب الشریفہ فی مناقب الإمام ابی حنیفة رحمہ اللہ (عربی)
۲۳۔ امت مسلمہ کی مائیں: ادارۃ المعارف کراچی، صفحات ۷۶ (تقریظ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی و حضرت مفتی اعظم رحمہ اللہ)

۲۴۔ تمیض الصغیرہ بمناقب الامام ابی حنیفہ للسبوی رحمہ اللہ، تقدیم، مولانا عبدالرشید نعمانی، تحقیق مولانا عاشق الہی صاحب بلند شہری (ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی نمبر)

۲۵۔ تکملۃ الاعتدال فی مراتب الرجال، مکتبہ دارالعلوم کراچی، شوال ۱۳۹۷ھ طبع اول، صفحات ۷۹ (تقریظ: حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ)

۲۶۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ (حوالہ: اکابر علماء دیوبند ص ۵۱۸)

۲۷۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ (حوالہ: اکابر علماء دیوبند ص ۵۱۸)

۲۸۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ (حوالہ: اکابر علماء دیوبند ص ۵۱۹)

۲۹۔ سوانح عمری جامع شریعت و طریقت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ صفحات: ۵۰۶۔

۳۰۔ سیرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ، کتب خانہ مظہری کراچی، صفحات ۲۸۔

۳۱۔ سیرت حضرت معاذ، ادارہ اسلامیات لاہور۔

۳۲۔ فضائل صحابہ کرام اور ان کے باہمی اختلاف کی حیثیت، دارالاشاعت کراچی، صفحات ۱۲۸۔

فقہ:

۳۳۔ آسان نماز، مکتبہ صدیقیہ، انک، صفحات ۶۳ (تقریظ حضرت مفتی اعظم تحریر کردہ ۷ رجب ۱۳۹۲ھ)

۳۴۔ آئینہ نماز، مکتبہ خلیل اردو بازار لاہور، صفحات ۱۲۸

۳۵۔ احکام نماز، دارالتصنیف والاشاعت، لاہور، صفحات ۲۰۸

۳۶۔ التسهیل الضروری لمسائل القدوری (فی فقہ الامام الاظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ) (عربی)

(الف) اس کتاب کو ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی نے "بنیادی فقہی احکام" کے نام سے دو جلدوں میں شائع کیا ہے۔

(ب) مولانا حافظ مسعود احمد ملتان صاحب نے "الفلاح الضروری" کے نام سے اس کا اردو ترجمہ بھی کیا ہے جس کو مکتبہ حقانیہ

ملتان نے اگست ۲۰۰۱ء میں طبع کیا ہے، صفحات: ۵۱۳۔

۳۸۔ ارکان اسلام، دارالاشاعت کراچی۔

۳۹۔ تجارت کے ضروری احکام (مع امانت و خیانت و حقوق العباد کی فکر کیجیے) (معاشرت و معاملات سے متعلق ۳ اہم

مسائل) مکتبہ اصلاح و تبلیغ حیدرآباد، صفحات ۹۸۔

۴۰۔ شرعی پردہ، مکتبہ دینیات بیرون تبلیغی مرکز رائے وٹ، صفحات ۱۵۲۔

۴۱۔ شرعی حدود و قصاص

۴۲۔ طریقہ حج و عمرہ

۴۳۔ طریقہ نماز

۴۴۔ نماز حنفی (مکمل و مترجم)

۴۵۔ کتاب الحج

۴۶۔ فتاویٰ ماضیہ (زیر طبع)

۴۷۔ نماز کی کتاب ۴۸۔ نماز کے فضائل و مسائل (مع طریقہ نماز چالیس دعائیں)

۴۹۔ وصیت اور میراث کے احکام

ایمانیات:

- ۵۰۔ احوال بروزخ ۵۱۔ القادیانیہ ماہی؟ (عربی) عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان
۵۲۔ حالات جہنم ۵۳۔ خدا کی جنت
۵۴۔ شیاطین سے حفاظت ۵۵۔ فضائل علم

اصلاحیات:

- ۵۶۔ آداب محبت ۵۷۔ اخلاص نیت
۵۸۔ اسلامی آداب (مدارس کے طلبہ اور عوام الناس کے لیے)
۵۹۔ اسلامی اخلاق و آداب ۶۰۔ اسلامی نام
۶۱۔ اصلاحی مقالات (۱۴ مقالات کا مجموعہ) ۶۲۔ اقوام عالم کو دعوت فکر
۶۳۔ اوصاف مؤمن ۶۴۔ اکرام المسلمین
۶۵۔ ایک مسلمان کس طرح زندگی گزارے ۶۶۔ بریلوی علماء کے لیے لمحہ فکر
۶۷۔ تبلیغ و اصلاحی مضامین (کل سات جلد)، (پیش لفظ مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم)
۶۸۔ تحفۃ المسلمین (کامل ۲ جلد)
۶۹۔ تحفہ خواتین (پیش لفظ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی) ۷۰۔ ترقی
۷۱۔ تعلیم المسلمین ۷۲۔ جامع الاخلاق
۷۳۔ حصن حصین، تالیف علامہ جزری رحمہ اللہ، اردو ترجمہ و تشریح، مولانا محمد عاشق الہی صاحب بلند شہری
۷۴۔ حق کی پکار ۷۵۔ حقوق الوالدین ۷۶۔ حیلے اور بہانے
۷۷۔ چھ باتیں ۷۸۔ خواتین اسلام سے آنحضرت ﷺ کی باتیں
۷۹۔ داڑھی ۸۰۔ دعوت حق ۸۱۔ ذکر الہی
۸۲۔ رسول اللہ ﷺ کی نصیحتیں (مع رسالہ نصح رسول کریم ﷺ)
۸۳۔ زبان کی حفاظت ۸۴۔ شیعہ مذہب ۸۵۔ قادیانیوں کا چہرہ۔ ان کے اصل آئینہ میں
۸۶۔ کامیابی ۸۷۔ کسب حلال دادائے حقوق ۸۸۔ گناہوں کی فہرست
۸۹۔ مسلم خواتین کے لیے بیس سبق ۹۰۔ مسنون دعائیں

۹۱۔ مصیبتوں کا علاج ۹۲۔ ملت اسلامیہ کے مطالبات ۹۳۔ وصایا امام اعظم رحمہ اللہ

جن کتب کے انگریزی تراجم ہو چکے ہیں:

- | | | |
|---------------------------|--------------------------------|------------------|
| ۱۔ آنحضرت ﷺ کی صاحبزادیاں | ۲۔ اقوام عالم کو دعوت فکر | ۳۔ امت کی مائیں |
| ۴۔ تحفہ خواتین | ۵۔ چھ باتیں | ۶۔ حقوق الوالدین |
| ۷۔ شرح اربعین نووی | ۸۔ کتاب الایمان | ۹۔ کتاب العمرہ |
| ۱۰۔ مرنے کے بعد کیا ہوگا | ۱۱۔ تفسیر انوار البیان (۹ جلد) | |

مختلف مضامین:

ان کے علاوہ جو مضامین رسالوں میں چھپے ہیں ان میں سے چیدہ چیدہ یہ ہیں:

- (۱) منکرات رمضان (۲) حصن حصین (کتاب کا تعارف) (۳) بوہری جماعت کے بارے میں معلومات (۴) مباہلہ کیا ہے (۵) تفسیر عثمانی میں طباعت کی غلطی (۶) امانت و خیانت کے اقسام و احکام (۷) جنسی ہوس پرستی کی عالمی تحریک (قاہرہ کانفرنس) (۸) اجتہاد اور تجدید دین (۹) مذہب کی ضرورت اور فائدہ (۱۰) تصادیر کا شرعی حکم (۱۱) ارباب اقتدار کے نام (۱۲) تمام اصحاب مذہب غور کریں (۱۳) حدہ سہیلی ادعوی اللہ (۱۴) مظلوم و اذھی اور ظالم و پتلون (۱۵) ڈاکٹریٹ کا فتنہ اور علماء کرام سے بیزار (۱۶) ہمارے عربی مدارس (۱۷) نام نہاد مجتہدین کے نام (۱۸) اسلامی نظام کیوں؟ (۱۹) جہاد اسلامی کا مفہوم (۲۰) غیر مقلدین کا حال اور ان سے ضروری سوال (۲۱) مدارس کے نصاب و نظام کے بارے میں (۲۲) طالبان کو شاباش (۲۳) تکفیر و انفس پر چند شبہات کا ازالہ (۲۴) جہاد کے ساتھ علم کی ضرورت (۲۵) تعلیم و ثقافت کی ضرورت۔ (۲۶) امام شاطبی وغیرہ (ماخوذ یادگار صالحین ص ۹۱۵ تا ص ۹۲۳)

ان عنوانات سے حضرت مصنف کی مسلکی پختگی، تصلب، وسعت نظر، اسلام کا درد اور حالات کے تجزیہ، جیسے اوصاف نمایاں ہوتے ہیں۔ یہ مضامین بذات خود ہمارے سامنے نہیں۔ ورنہ اور بہتر طریقے سے کوئی رائے قائم کی جاسکتی تھی۔ تاہم عنوانات سے ہی جو کچھ معلوم ہو رہا ہے وہ بھی کافی ہے۔

باب سوم

خصوصیات و امتیازات

ویسے تو عقلی ضابطہ یہ ہے کہ کسی نئے ذاتی حالات کی دوسرے کے لیے من حیث الذات مفید نہیں ہوتے۔ اس لیے ہر کس و ناکس کے حالات ہوتے تو ضرور ہیں مگر لکھے اور پڑھے نہیں جاتے بلکہ حالات بڑے لوگوں کے لکھے اور پڑھے جاتے ہیں کیونکہ حالات من حیث الحالات مقصود نہیں ہوتے بلکہ بڑے لوگوں کی زندگیوں کے اصل اوصاف مطلوب ہوتے ہیں تاکہ پڑھنے اور سننے والے کی زندگی میں بھی ان کا اثر آئے۔ صراط الذین انعمت علیہم سے دعا سکھانے کا مقصد یہی ہے۔ پھر یوں تو بڑے لوگوں کی زندگی کا ہر پہلو ہی بڑا ہوتا ہے اور ان کا ہر قدم اور عمل ہی امتیاز اور خصوصیت کے اوصاف سے متصف اور چھوٹوں کے لیے مشعل راہ کا کام دیتا ہے مگر پھر بھی کچھ صفات ایسی ہوتی ہیں جن کے اثرات اور نتائج قدرتی طور سے بعض لوگوں میں زیادہ ظاہر ہوتے ہیں ان صفات کو ان حضرات کی خصوصیات و امتیازات کہا جاسکتا ہے اور کسی شخصیت کی نسبت اسے متعین طور سے بیان بھی کیا جاسکتا ہے۔ ذیل میں کیف ما اتفق بغیر کسی عقلی ترحیب اور وجہ ترجیح و تقدیم کے مولانا کی چند ایسی ہی خصوصیات اور صفات بیان کی جائیں گی۔

۱۔ فقہ و فتویٰ:

دنیا میں کسی منزل تک پہنچنے کے لیے کہتے ہیں دو ہی چیزیں ضروری ہیں (۱) صلاحیت و طلب (۲) مناسب راہنمائی اور تربیت آج حضرت مولانا کے نام کا جز مفتی بنا ہوا ہے۔ لیکن یہ شروع میں نہیں تھا بلکہ آپ نے ایک طویل زمانہ تدریس میں گزارا اس کے بعد صلاحیت و طلب کی تو کمی نہیں تھی مگر مرد کامل کی صحبت میسر نہیں آئی تھی اور جب وہ آئی تو فتوے جیسی نازک علمی ذمہ داری کا مرحلہ بھی سر ہو گیا۔ مولانا فرماتے ہیں:

”میں تو برسہا برس مدرس ہی تھا، پھر مفتی شفیع صاحب نے اپنے مدرسے دارالعلوم طلب فرمایا۔ تین چار سال تک تو صرف تدریس ہی کا کام کرتا رہا پھر جب ایک سال حضرت موصوف بیمار ہو گئے تو احقر کو حکم دیا کہ فتاویٰ لکھا کرو میں نے اس سے پہلے فتاویٰ لکھے تھے نہ کام سیکھا تھا۔ ان کا فرمانا ہی بہت بڑی دعا کا کام دے گیا۔“

فتویٰ نویسی کی یہ ذمہ داری عارضی یا تھوڑے عرصے کے لیے نہیں تھی بلکہ خود بقول مولانا:

”پورے شرح صدر کے ساتھ آٹھ نو سال تک فتاویٰ لکھتا رہا۔ (املاء ص ۳۲)

فتوے کا کام بذات خود بہت بڑی ذمہ داری ہے جس کے لیے حزم و احتیاط کے علاوہ بکثرت کتب فقہ کی مراجعت اور صبح و شام کی مغز ماری کرنی پڑتی ہے اور اس میں ایک طرف خوف خدا اور خشیت الہی کا کوڑا سر پہ لٹک رہا ہوتا ہے کہ اگر مسئلہ بتانے میں کوتاہی ہوگئی تو وعید کا استحقاق نہ ہو جائے اور دوسری طرف فتویٰ تحریری شکل میں ہر پڑھان پڑھ کے پاس جاتا ہے۔ اور کوئی بھی اس پر حرف گیری کر سکتا ہے۔ فتوے میں کوتاہی کرنے سے خوف خدا مانع نہ بھی ہو تو زبان خلق کی شمشیر بے نیام کا کھٹکا بھی کم نہیں..... اس لحاظ سے فتویٰ نویسی بذات خود ایک نازک مشکل اور ذمہ داری کا کام ہے لیکن پھر یہ کام ایسے شخص کے پاس کرنا جو کہ خود نصف صدی سے زائد فقہ و فتویٰ کے کام کو اوڑھنا و بچھونا بنائے رہا ہو۔ یعنی مفتی محمد شفیع صاحب جیسے آدمی کے سامنے فتویٰ لکھنا یقیناً دوسری ذمہ داری کا کام ہے۔ جو حضرات تربیت فتویٰ نویسی سے واقف ہیں وہی اس موقع پر اندازہ کر سکتے ہیں کہ مولانا کے ان الفاظ:

”کہ پورے شرح صدر کے ساتھ آٹھ نو سال تک فتاویٰ لکھتا رہا۔“

کا پس منظر کیا ہو سکتا ہے یعنی فتوے کے کام کو اس نہج پر کرنے کے لیے کتنی ذاتی صلاحیت کتنی محنت اور کتنی تربیت چاہیے اس کا اندازہ واقفان حل ہی لگا سکتے ہیں۔ پھر اسی پر بس نہیں بلکہ مولانا نے تربیت اور صلاحیت کو اس حد تک بڑھایا کہ اکثر اور عام حالات کے فتاویٰ میں آپ ہی کے آخری دستخطوں سے فتویٰ جاری ہوتا تھا۔ اور بقول ان کے صرف:

”جو فتاویٰ غیر ملکوں میں جانے والے ہوتے تھے حضرت موصوف (مفتی شفیع صاحب) کی خدمت میں پیش کر

کے ان پر دستخط لیتا تھا۔“

نو سال تک فتویٰ نویسی اور تربیت کا یہ حال ہوتا پھر جو آگے مصنف نے فرمایا ہے وہ بجا ہے۔ فرماتے ہیں:

”(اس طرح) کئی سال تک دارالافتاء میرے ہی حوالے رہا۔“ (املائی افادات ص ۳۲)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے اگرچہ فتوے کی باقاعدہ تربیت تو اپنے والد صاحب ہی سے لی تھی تاہم ان کے ابتدائی بے شمار فتاویٰ پر تائیدی دستخط مولانا کے موجود ہیں۔ (دیکھیے فتاویٰ عثمانی) اور یہ غالباً اسی دور کی بات ہوگی جس میں دارالافتاء کے کرتادھرتا آپ ہی تھے۔

مولانا نے اس دور میں کس طرح تفصیلی تربیت کے مراحل طے کیے؟ یہ معلوم نہیں۔ اگر معلوم ہو جائے تو یہ فتویٰ نویسی کی تربیت لینے والے لوگوں کے لیے بڑے کام کی چیز ہوگی۔ بہر حال ایک جگہ انتہائی جامعیت اور اختصار کے ساتھ فرمایا ہے:

”اللہ جل شانہ کا احسان ہے کہ مجھے مفتی اعظم برائے ہند تک پہنچا دیا اور ان کے زیر سایہ افتاء کی خدمت انجام دینے کا موقع نصیب فرمایا اور ملتے کے لیے جس ذمہ اور احتیاط کی اور وسعت نظری کی اور عوام کی مزاج شناسی کی ضرورت

ہے اس کے بارے میں خوب تربیت ملی۔“ (یادگار صالحین ۶۷)

اس حوالے سے کچھ چیزوں کا تذکرہ پیچھے آچکا ہے ملاحظہ فرمائیے ”حالات“ کا باب۔

مسئلہ بتانے میں احتیاط:

عام طور سے علماء اور بعض فتویٰ سے تعلق رکھنے والے حضرات بھی سوال کا جواب دینے میں عجلت سے کام لیتے ہیں حالانکہ یہ بڑی بے احتیاطی اور دین میں مجازفت (انگل پچو لگانا) ہے۔ مگر محتاط اہل علم ہمیشہ خود بھی اور اپنے شاگردوں کو بھی اس عادت بد سے گریز اور مکمل اجتناب کی باقاعدہ تربیت دیتے ہیں۔ گویا دوسرے لفظوں میں یوں کہیں کہ ان کو جواب نہ دینا سکھاتے ہیں۔ یعنی اصول یہ ہوتا ہے کہ جو مسئلہ کسی بڑے عالم سے سنا ہو یا خود معتبر کتاب میں پڑھا ہو اور نصف النہار کے سورج کی طرح حافظے میں محفوظ ہو اس کو تو بتایا جائے ورنہ اپنی علمیت اور بھرم کی پرواہ کیے بغیر کہہ دیا جائے ”لا ادری“ مجھے معلوم نہیں۔ مولانا کی فقہی تربیت کا یہی نتیجہ تھا کہ آپ ہمیشہ اس اصول پر کاربند رہتے تھے ابن المصنف لکھتے ہیں:

”حضرت والد صاحب رحمہ اللہ فتویٰ دینے میں بڑی احتیاط فرماتے تھے جو مسئلہ متحضر (ذہن میں حاضر) نہ ہوتا تھا تو

بلا تحقیق سائل کو جواب نہ دیتے تھے بلکہ مسئلہ کا مراجعہ کتاب میں کر کے پھر جواب عنایت فرماتے تھے۔“ (۹۳)

حالانکہ خود تربیت فقہی تو دیکھ ہی چکے ہیں اس کے علاوہ آپ کے ذوق کے حوالے سے ابن مصنف لکھتے ہیں:

”والد صاحب کا حافظہ بہت عمدہ تھا اور تعلق فی الدین کی نعمت سے اللہ تعالیٰ نے نوازا تھا۔ مسائل کے کلیات و

جزئیات کا استحضار رہتا تھا۔“ (یادگار صالحین ۲۱۶)

حافظہ عمدہ ہونے کا واقعتاً اقرار کرنا پڑے گا مشکوٰۃ جیسی کتاب جن کو نوک زبان ہو اور ایک مجلس میں مضامین پر مضامین اطاء کرواتے جاتے ہوں حافظے میں کیا کسر ہوگی اس کے باوجود اپنے آپ پر اعتماد نہ کرتے ہوئے سائل کو فوراً جواب نہیں دیا جا رہا۔ پھر صرف حافظے کی بات نہیں خود نقاہت اور استنباط و استخراج کی صلاحیت اور دین کی مزاج شناسی کا وصف بھی حاصل تھا یعنی اگر قیاس کرنے کی بابت دوسرا آئے تو اسباب پورے ہیں اس کے باوجود جو مسئلہ اچھی طرح واضح نہیں اس کے لیے سائل کو صاف کہہ دیا کرتے تھے کہ ابھی جواب نہیں دے سکتے حالانکہ آپ کے فقہی عبور اور مہارت کا یہ حال تھا کہ آپ کی توجہ دلانے اور تحقیق سے حضرت مفتی اعظم مفتی شفیع صاحب اور مولانا یوسف بنوری صاحب اور مفتی رشید احمد صاحب رحمہم جیسے حضرات نے متعدد مسائل میں اپنی رائے سے رجوع فرمایا تھا۔ غور کا مقام ہے کہ جب ایسے ایسے حضرات کا یہ حال ہو تو آج کل کے ہم فضلاء و مفتی تو یقیناً خطرے کی سرحد پر کھڑے ہیں جو صرف اپنا بھرم رکھنے کے لیے صریح غلط یا کم از کم گول مول کر کے سائل کو فی الوقت ٹالنے کی کوشش کرتے ہیں اگر یوں ہے تو یوں ہے۔ ”اصل میں“ ”صورتیں مختلف ہیں“ وغیرہ جیسے شیطانی وساوس جملے بول کر صاف ”لا ادری“ کہنے سے گریز پا ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔

تعبیر میں احتیاط:

حضرت مصنف صرف مسئلہ بتانے نہ بتانے کے حوالے سے ہی احتیاط نہ کرتے تھے بلکہ مسائل کی تعبیر اور کسی بات پر کوئی حکم یا لفظ

کا اطلاق کرنے کے حوالے سے بھی محتاط تھے یعنی جو چیز جس پائے کی ہے اسے اسی تک محدود رکھا جائے۔ ابن المصنف لکھتے ہیں:

”فرمایا کسی چیز کو سنت قرار دینے کے لیے حدیث سے اس کا ثبوت لازمی ہے بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کا ثبوت حدیث سے نہیں ہوتا، لیکن بہت سے اہل علم بھی بلا تحقیق ان کو سنت لکھ دیتے ہیں۔“ (یادگار ص ۳۸۰)

مفتی کی ذمہ داریاں:

مفتی کی ذمہ داریوں میں صرف مسئلہ بتانا نہیں بلکہ حالات پر نظر رکھنا، سوالات کے مضمرات کو سمجھنا بھی اس کی ذمہ داری میں داخل ہے اور اگر جواب میں کوتاہی ہو تو فتوے کے غلط استعمال کی ذمہ داری سے بھی مفتی عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔ مولانا انہیں ذمہ داریوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک صاحب علم کو لکھتے ہیں:

”احقر کے نزدیک ہر سوال کا جواب دینا ضروری نہیں۔ یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ سائل کیوں پوچھ رہا ہے اور جواب سے کیا نتیجہ نکالے گا اور اگر یہ (سائل) صحیح معنی میں ہی لے گا اور صحیح طریقے پر ہی استعمال کرے گا تو جن لوگوں کے سامنے جواب پہنچے گا وہ اس کا کیا مطلب سمجھیں گے اور کیا اثر لیں گے اور زمانہ کا ماحول بھی دیکھنا چاہیے لوگ مفتی کو اپنے مقصد کے لیے استعمال تو نہیں کر رہے اور اس چیز کے شائع ہونے کا کیا نتیجہ نکلے گا۔“ (یادگار)

آگے ایک ضابطے کی شکل میں فرماتے ہیں:

”اول تو ہر بات کا جواب دینا ضروری نہیں، دوسرے لکھ کر دینا ضروری نہیں اور لکھ کر بھی دیا تو اسے شائع کر دینا مناسب ہے یا نہیں یہ بھی دیکھنے کی بات ہے۔ یہ خیال کرنا کہ ہم (مفتی حضرات) تو صرف جواب دینے کے ذمہ دار ہیں آگے لوگ جانیں کیا کریں گے۔ یہ الدین النصیحة کے خلاف ہے۔“ (یادگار ص ۹۳۴/ص ۹۳۵)

انوار الفتاویٰ:

مولانا نے جامعہ دارالعلوم کراچی میں جیسا کہ پیچھے بیان ہوا فتویٰ نویسی کی ابتدا کی اور آٹھ نو سال تک مسلسل فتاویٰ لکھے اس کے بعد مدینہ منورہ کی ہجرت فرمائی اور وہاں چھ بیس سالہ قیام میں دیگر علمی و عملی مصروفیات کے ساتھ ساتھ فقہ و فتویٰ کا یہ کام مزاج و طبیعت کا حصہ بن کر جاری رہا۔ بقول ابن المصنف:

”حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں رہ کر ایسا ذوق اور مناسبت پیدا ہوئی کہ راتوں کو بارہ بارہ بجے تک دار الافتاء میں سائلین کی طرف سے وارد ہونے والے استفتاءات کے جوابات لکھواتے رہتے تھے، بعض علائکہ کو ساتھ بٹھا لیتے تھے اور املاء فرماتے رہتے تھے اور شاگرد لکھتے رہتے تھے۔“ (یادگار ص ۶۷)

کام سے ذوق مناسبت اور دل لگی کا حال یہ تھا پھر یہ حال آخر دم تک جاری رہا۔ چنانچہ اپنی تصنیفات میں ضمناً بہت سے شرعی مسائل لکھنے کے علاوہ مستقل سوالات کے اور حضرت کے ہالشانہ ٹیلی فون پر اور لکھ کر جواب دیتے تھے۔ اگر یہ سارے جوابات

تحریری شکل میں اکٹھے ہو جائیں تو بہت بڑا کام ہو مگر بسا آرزو کہ آرزو ماند بقول ابن المصنف:
آپ کی پینتیس سالہ فتویٰ نویسی کے دور میں صرف قیام دارالعلوم کے آٹھ سالہ فتاویٰ کاری کا رد محفوظ رہ سکا، جو کہ
ادارۃ القرآن سے انوار الفتاویٰ کے نام سے شائع ہونا باقی ہے۔“ (یادگار ص ۶۷۹ بتغیر)

(۲) دعوت و تبلیغ:

علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ یعنی جو ذمہ داریاں انبیاء کی ہیں وہی علماء کی بھی اپنی اپنی استعداد و صلاحیت کے موافق ہوں گی۔
انبیاء کی ذمہ داریوں میں سب سے اہم اور بنیادی ذمہ داری دعوت حق کی ہوتی ہے یعنی جو لوگ خدا سے ناواقف ہیں کہ یہ تو سرے
سے جانتے ہی نہیں یا جانتے اور مانتے ہیں تو غلط سلسلہ ان کے سامنے اصل حقیقت اور تصور خدا پیش کرنا۔ مولانا کے اندر دعوت و تبلیغ
کا یہ جذبہ فطری طور سے موجود تھا یہی جذبہ سہارنپور کے زمانہ طالب علمی میں آپ کو اپنے دور کے داعی اعظم مولانا محمد الیاس صاحب
موسس و بانی جماعت تبلیغ کی خدمت میں لے گیا اور یہ مناسبت اور تعلق خاصا زیادہ ہو گیا اور آپ چھٹیوں کے زمانے میں ان کے
پاس چلے جایا کرتے تھے۔ فرماتے ہیں:

”مظاہر العلوم کے زمانہ قیام میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمہ اللہ سے ملاقات ہو گئی زمانہ تعطیل میں ان کے
پاس جایا کرتا تھا۔ انہیں تو ہر شخص کو جماعت میں لگانے کا خاص ذوق تھا۔ مجھ سے بھی فرمایا کہ تمہیں جماعت میں
سات چلے دیئے ہوں گے۔ میں نے عرض کیا حضرت میں تو کتابیں لکھوں گا یہ سن کر فرمایا پہلے سات چلے دینا پھر
کتابیں لکھنا۔“

سات چلے تو حضرت مصنف نہ دے پائے نہ جانے وجہ کیا تھی؟ البتہ جماعت سے مناسبت اور کام سے لگاؤ اور حمایت
اور جماعت کے کام پر ہونے والے اعتراضات کا جواب اور دفاع عمر بھر جاری رہا۔ ہستی نظام الدین کے مدرسے میں
تدریس بھی کی اور مکمل ایک سال دعوتی کاموں میں گزارا اور اس میں بقول ابن المصنف:

”روز و شب دعوتی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا دعوتی مضامین بھی لکھے کئی دعوتی کتابیں بھی تالیف
فرمائیں۔ جن میں سے چھ باتیں بہت مشہور و معروف کتاب ہے۔“ (یادگار ص ۶۲۲)

چھ باتیں سے مراد ہی چھ نمبر کلمہ، نماز، علم و ذکر، اکرام مسلم، اخلاص نیت، اور دعوت و تبلیغ ہے۔ جو جماعت تبلیغ میں آج بھی
نصاب بیان و دعوت ہے۔

اس کے علاوہ اگر حضرت المصنف کی تالیفات اور ان کے اسلوب کو دیکھیں تو اس میں نظام الدین کے قیام کے زمانے کا اثر
نمایاں ہے کیونکہ آپ کی اکثر تصانیف اصلاحی دعوتی اور ناصحانہ انداز میں عوام سے مخاطب ہو کر لکھی گئی ہیں۔ چونکہ مولانا الیاس
صاحب نے آپ کو کتابوں کے لکھنے کا کہا بھی تھا اور تربیت میں بھی رہے تھے اور آج تک تبلیغی احباب میں آپ کی تالیفات کی
مقبولیت بھی ہے جیسے مسنون دعائیں وغیرہ۔ اس لحاظ سے اگر مصنف کی دعوتی اور اصلاحی کتابوں اور تالیفات کو مولانا الیاس

صاحب کی زبان اور تبلیغ کی ہی قلبی ترجمانی کے نام سے یاد کیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ خصوصاً جب کہ آپ مرید باوقاف بھی ایسے شیخ کے ہیں جو تبلیغ کے لیے علمی مرجع کی حیثیت رکھتے ہیں یعنی مولانا شیخ الحدیث زکریا صاحب قدس سرہ اور پیچھے شاید گزر چکا ہے کہ حضرت شیخ الحدیث بریلوی نے متعدد تالیفات آپ سے کہہ کر لکھوائیں اور خاص طور سے عوام کے لیے۔

آپ کے اسی قلبی لگاؤ اور تعلق کا اثر تھا کہ آپ نے عمر بھر من حیث المجموع جماعت تبلیغ اور اس کے حضرات کی حمایت اور دفاع جاری رکھا۔ جزوی اصلاح اور ترمیم یا کوتاہی پر تنبیہ تو ہر ادارے ہر جماعت کے لیے ضروری ہے البتہ غالب خیر ہونے کی وجہ سے تبلیغ کی حمایت و نصرت کو آپ اپنے شیخ کی طرح اپنا فریضہ سمجھتے تھے۔ برطانیہ کے ایک صاحب جو پہلے جماعت سے منسلک تھے پھر کسی وجہ سے علیحدہ ہو گئے اور انہوں نے جماعت کے خلاف لکھا تو حضرت نے ان کو اپنے ایک تفصیلی مکتوب میں اپنے جلالی انداز میں تنبیہ کی۔ لکھتے ہیں:

”آپ نے یہ تو فرما دیا کہ تبلیغی جماعت والے حضرات سلف سے دور ہیں..... آپ کے اندر سلف کی کون سی روایات اور ہدایات موجود ہیں؟ آپ کو لفظ سلف کا مطلب بھی معلوم ہے یا نہیں؟

آپ نے لکھا ہے کہ جماعت والوں کا یہ طریقہ ہے کہ ”سنو سب کی اور کرو اپنی“ یہ طریقہ ان کا ٹھیک ہے۔ ان کے اندر علماء موجود ہیں، وہ ان کے مشوروں سے کام کرتے ہیں آپ کا مشورہ کیوں قبول کریں۔ اگر وہ جاہل نفس پرست معترضین کی باتوں پر توجہ دیتے تو ان کا کام کیسے آگے بڑھتا؟“ (یادگار صالحین)

آگے نفس مسئلہ پر معقول اور دیانت دارانہ رائے دینے کے ساتھ اصلاح کا طریقہ سمجھاتے ہوئے لکھتے ہیں:

”تبلیغی جماعت والوں میں بلاشبہ خامیاں بھی ہیں ان خامیوں کی اصلاح اس طرح کرنی چاہیے کہ افراد کو الگ الگ سمجھایا جائے۔ خامیوں کو اچھالنے اور چھاپنے کا طریقہ حکمت و معظمت کے خلاف ہے آپ کا ڈھنگ اصلاح کا نہیں، دشمنی کے پھپھو لے پھوڑنے کا ہے۔“ (ص ۹۲۸)

دیگر دعوتی سرگرمیاں:

جماعت تبلیغ کی مروجہ دعوتی شکل کے علاوہ آپ نے دیگر کئی طرح کی دعوتی سرگرمیوں میں بھی اپنے آپ کو منسلک رکھا اور اس طریقے سے آپ اپنے اندر اٹھنے والے اس دھبے کی تسکین کا سامان فراہم کرتے رہے۔ اسی سلسلے کا حضرت المصطفیٰ کی زندگی کا یہ واقعہ بھی ہے کہ آپ نے ایک دفعہ دنیا بھر کے مقتدر لوگوں میں سے بہت سے لوگوں کو دعوت اسلام کے لیے خط لکھے۔ ان میں سے بعض کے جوابات بھی آئے۔

حضرت المصطفیٰ کا یہ کارنامہ بہت سے محتاط اور معقولیت کے دعوے دار لوگوں کو ممکن ہے دیوانگی یا کم از کم دائرہ معقول سے بڑھا ہوا اقدام محسوس ہو کہ اس کا کیا فائدہ ہوتا تھا یہ فضول کام ہے ایسے کون مانتا ہے، وغیرہ وغیرہ مگر یہ سب احساسات ایسے فرزانوں کے ہیں جن کے حساب سود و زیاں کی ساری جگہ دناز عقل کی خشک رگوں تک محدود ہے۔ لیکن جو لوگ کسی کام کی لگن اور تڑپ میں حد سے

بڑھ جاتے ہیں اور وہ قلب سے سوچنے اور فیصلہ کرنے کے عادی ہوتے ہیں ان کے معیار اور ہیں..... اعتراض کرنے والوں کے خیال میں مکی زندگی کی دعوتی کاوشیں اور طائف کے سفر میں تین سرداروں سے یکے بعد دیگر ایسی توقعات باندھنا بھی ممکن ہے ہنر خیالی ہو..... اعاذنا اللہ منہ۔

کلیم صدیقی صاحب کی تحریک سے لگاؤ:

بعض لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اگر تقسیم کے وقت مسلمان اتنی بڑی تعداد میں پاکستان نہ آتے اور ہندوؤں کے ساتھ مل کر رہتے اور وہاں علماء اور قابل عوام دعوتی سرگرمیاں جاری رکھتے تو برصغیر کی مذہبی آبادی کا نقشہ اب تک کچھ اور ہوتا اور نتیجتاً آدھے کے قریب ہندو مسلمان ہو چکے ہوتے۔.... اور برصغیر کی دو تہائی اکثریت مسلمان آبادی پر مشتمل ہوتی۔ یہ بات عام حالات میں تو ایک ہوائی خیال ہی معلوم ہوتا ہے مگر کچھ واقعات دیکھ کر اس خیال کو حقیقت باور کرنے کو بے ساختہ جی چاہنے لگتا ہے۔

انہی واقعات میں سے ایک واقعہ صرف واقعہ ہی نہیں بلکہ حقیقت وہ دعوتی تحریک بھی ہے جو جناب کلیم اللہ صدیقی صاحب (مجلس) نے ہندوستان میں برپا کر رکھی ہے۔ اور جس کی بدولت اب تک ہزاروں کی تعداد میں ہندو اسلام کی نعمت سے سرفراز ہو چکے ہیں۔ جناب کلیم صدیقی صاحب، مولانا علی میاں، (ابوالحسن علی ندوی راضیہ) کے خلیفہ ہیں اور اللہ کی طرف سے ہی آپ کو یہ ملکہ اور جوہر ودیعت کیا گیا ہے کہ تھوڑی دیر کی گفتگو میں ان کی جان کے دشمن اور قاتل مسلمان ہو کر آنسو بہانے لگتے ہیں۔ بابر مسجد کی شہادت میں شریک اول دستے کے تین ہندو لڑکے جنہوں نے سب سے پہلی کدال مسجد پر چلائی تھی ان میں سے دو لڑکے انہی کے ہاتھوں اسلام قبول کر چکے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی بے شمار کارگزاریاں اور واقعات ہیں جو ہندوستان ہی کے مختلف رسالوں میں وثاقو قاشائع ہوتی رہتی ہیں۔

مولانا کو جب اس تحریک کا علم ہوا تو بہت مسرت ہوئی اور گویا ایسے لگا جیسے یہ تو میرے دل کی آواز تھی اور میرا خواب تھا جو حقیقت کا روپ دھار رہا ہے۔ پاکستان کے رسالوں میں مولانا نے اس تحریک کا بڑے بھرپور انداز میں تعارف کرایا ان کی مدح و ستائش کا کام کیا اور کلیم صاحب سے خط و کتابت فرمائی۔ مولانا تھوڑے تھوڑے وقفے سے ان کو خط لکھتے رہتے تھے اور ان کے حالات کی یوں خبری گیری رکھتے تھے جیسے اپنی آل اولاد کی تفصیلات و حالات معلوم کیے جاتے ہیں۔ اس کا اندازہ مولانا کے ان خطوط سے ہوتا ہے جو صدیقی صاحب کو لکھتے ہیں یہ تعلق رسمی تعلق سے بڑھ کر قلبی لگاؤ میں بدل چکا تھا۔ چنانچہ اگر مولانا صدیقی کی طرف سے خط کا جواب آنے میں تاخیر ہوتی تو بڑے قلق و بے چینی کا اظہار فرماتے ان کو اپنی کتابیں ارسال فرماتے مضامین دیتے اور مشورے عنایت فرماتے۔

کند ہم جنس با جنس پرداز کبوتر با کبوتر، باز با باز

عربی میں کہتے ہیں الجبس یسبل الی الجبس..... یہ میلان بھی اسی نوعیت کا تھا اور اس میلان میں جنس اور قدر مشترک وہ دعوتی جذبہ ترقی اور نکلن تھی جو ایک عالم ہونے کی حیثیت سے آپ میں تھی۔

وقت کی قدر و قیمت:

عربی زبان کا ایک مقولہ ہے ”الوقت سيف فاقطعه و إلا قطعك“ جس کا مفہوم کچھ یوں ہے کہ وقت ایک ایسی تلوار ہے جو تمہارے سر پر سوتی کھڑی ہے اب یا تو تم آگے بڑھو اور اس تلوار کو قابو کرو اسے ختم کرو ورنہ یہ تلوار لگ کر تمہارا کام تمام کر دے گی۔ مطلب یہ ہے کہ وقت کا دھارا تیز رفتار ہے رحم اور بے مروت ہے وہ کسی کا انتظار نہیں کرتا کہ میں ذرا ٹھہر جاؤں اور کسی کو دوبارہ موقع دے دوں۔ ایک لمحہ جو زندگی کا گزر گیا وہ اب کبھی بھی واپس نہیں آ سکتا..... اور جو کام اس میں کیا جاسکتا تھا وہ کام اب کبھی نہیں ہو سکتا، اور اس طریقے سے درحقیقت آپ اپنی محدود زندگی میں جتنے کام کر سکتے تھے ان میں سے ایک کام اب نہیں ہو سکتا۔ اس طرح ہر لمحہ یا تو خسارے میں جا رہا ہے جب اسے لایعنی اور فارغ گزار دیا جائے، یا پھر نفع میں ہے کہ جب اس میں کوئی دنیا دار آخرت کے اعتبار سے مفید کام کر لیا جائے۔

بڑے لوگوں کی اگر زندگیاں دیکھیں جو بے تحاشا کام کرتے ہیں تو اس میں راز یہی ہے کہ وہ لوگ اپنی زندگی کا ایک لمحہ تک بھی ضائع نہیں کرتے۔ حضرت مولانا بھی ایسے ہی لوگوں میں سے تھے کہ جنہوں نے وقت کی قدر و قیمت کو پہچانا اور اسے کام میں لائے۔ آپ کا یہ طرز عمل بڑا بن جانے یا بزرگی کا اثر نہیں تھا بلکہ یہ آپ کا اول روز سے احساس تھا۔ آپ کے ایک ہم درس ساتھی کہتے ہیں:

”ہمارے مولانا عاشق الہی خاموش طبع تھے، ان کی اسی خاموشی کی وجہ سے مجھ جیسا بکواسی طالب علم انہیں صوفی ہی کہتا تھا۔ جو کسی طرح بھی خلاف واقعہ نہیں تھا، وہ نہایت پڑھا کو قسم کے طالب علم تھے انہیں کسی وقت فضولیات و لغویات میں شاید کسی نے نہ دیکھا ہوگا۔“ (یادگار صالحین ۷۴)

مولانا وقت کی ناپ تول بھی رکھتے تھے ایک دفعہ فرمایا:

”رات دن کے ۲۴ گھنٹے ہوتے ہیں ان میں عام طور سے تجارت یا سروس اور محنت مزدوری میں ۸ گھنٹے خرچ ہوتے ہیں۔ باقی ۱۶ گھنٹے کہاں جاتے ہیں؟ ان میں مجموعی حیثیت سے ۲-۳ گھنٹے نماز کے اور کھانے کے۔ باقی وقت ضائع ہو جاتا ہے۔“ (یادگار صالحین ۱۳۶)

مولانا کے اندر اسی احساس وقت کا اثر تھا کہ آپ اپنی زندگی کا ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرتے تھے اور کوشش کرتے تھے کہ کسی کسی طرح وہ کام میں آجائے۔ عام طور سے شادیوں کی دعوت میں وقت بے انتہا ضائع ہوتا ہے مولانا کے لیے وہ وقت بھی فارغ گزارنا ہوتا تھا، اس دوران قلم کا غد لے کر کچھ لکھنے لکھانے کا سلسلہ بنا لیتے اسی طرح ہوائی جہاز کی پرواز میں مضمون املاء کروا دیا۔ حج کے موقع پر مٹی و حرقات میں بھی علمی مشغلہ جاری رکھا..... اگر کسی وقت میں لکھنا پڑھنا ممکن ہوتا تو وہ کرتے ورنہ تلاوت قرآن کرتے اور قرآن سناتے۔ ورنہ ذکر الہی میں مشغول ہو جاتے، سچی بات یہ ہے کہ مسلمان کے لیے اگر ذکر اللہ کی عادت بنائے تو وقت کے ضیاع کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا اور نہ ہی وساوس شیطان کا اندیشہ رہے کہ خانہ خالی را دیوی گیر، مولانا کی زندگی کے عام حالات اور

دنوں میں وقت کی قدر و اہمیت کا جو انداز تھا وہ تو ہے ہی۔ حیرت کی انتہاء تو اس وقت ہوتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ اپنے مرض الموت میں دل کی تکلیف میں مبتلا ہیں، انتہائی نگہداشت کے شعبہ میں ہیں اور اس وقت بھی یہی مشغلے ہیں کہ یا تو مضمون کی املاء و افتادہ، یا پھر تلاوت قرآن، ورنہ یاد خداوندی۔ سچ ہے تموتون کما تحیون، ”جیسے زندگی گزارو گے ایسے ہی موت آئے گی اور جیسے موت آئے گی ویسے ہی حشر ہوگا۔“

بے تکلفی و سادگی:

حضرت مولانا اتنے سارے علمی و عملی کمالات کے باوجود اپنے رہن سہن لباس، بود و باش اور وضع قطع کے لحاظ سے بے حد سادہ زندگی گزارتے تھے۔ نہ زرق برق لباس، نہ لمبا چوڑا جہنہ بھاری بھر کم عمامہ، نہ چمک دار عینک، نہ کڑھائی والی اچکن نہ منقش عصا وغیرہ، بلکہ بقول ابن المصنف:

”ہمیشہ سفید لباس پہنتے تھے۔ شلوار کرتہ اور سادہ ٹوپی سب سفید ہوتی تھی، رنگ دار لباس کبھی نہیں پہنتے تھے البتہ گھر میں رنگ دار لنگی پہن لیتے تھے۔ اکثر نماز پڑھنے کے لیے اسی لنگی کو مصلیٰ بنا لیتے تھے۔“

اور جوتے کے بارے میں معمول بلکہ ایک زریں اصول یہ تھا:

”ہمیشہ ہوائی چپل استعمال فرماتے تھے، کوئی اور جوتا پہننے کا معمول نہ تھا۔ فرماتے: وہ کیا جوتا ہے جس کے سامنے جھکنا پڑے۔“ (ص ۲۱۰)

آگے ابن المصنف ہی رقم طراز ہیں:

”حضرت والد صاحب کی سادگی کا یہ عالم تھا کہ کتب خانہ میں بیٹھنے کے لیے کوئی مخصوص جگہ نہیں بنائی تھی۔ جب تشریف لاتے تو جہاں جی چاہا بیٹھ گئے اور ایک دو ٹکیوں پر کتابیں رکھ لیں..... تصنیف و تالیف میں اکثر بنیان پہن کر نیچے سر معروفیت رہتی مگر جب کوئی حدیث کی کتاب پڑھانی ہوتی تو پھر ادب کی وجہ سے فوراً کرتہ پہن لیتے اور ٹوپی اوڑھ لیتے۔“ (ص ۲۱۱)

بے تکلفی کی یہ حالت صرف اپنے گھر کے کتب خانے تک محدود نہ تھی بلکہ دارالعلوم کے دارالافتاء میں رات کو بیٹھ کر قیص اتار کر فتویٰ نویسی میں مشغول تھے کہ مفتی شفیع صاحب تشریف لائے اور انہماک دیکھ کر فرمایا ”ہاں بھائی! کام تو ایسے ہی ہوتا ہے۔“ حضرت نے ایک موقع پر قیص الٹی پہن لی کسی نے توجہ دلائی تو خوب ناخوب کے احساس سے بالاتر ہو کر فرمانے لگے:

”بہاں عاشقی میں سب چلتا ہے۔“

آپ کی یہ سادگی اور پر تکلف چیزوں سے احتراز صرف اپنی ذات تک ہی محدود نہ تھا بلکہ احباب اور متعلقین کو بھی اس کی طرف غلط برداروں میں متوجہ فرماتے رہتے تھے۔ ایک معتقد کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میرے گھر میں کھانے سے پہلے ہاتھ دھوئے، میں تولیہ لے کر آگے بڑھا تو دیکھ کر فرمایا ”یہ سب ایسے ہی ہے۔“ یعنی یہ تکلفات ہیں جن کا حقیقی اور پرسکون زندگی سے کوئی تعلق نہیں۔

وہ صاحب لکھتے ہیں:

”حضرت کا یہ جملہ دل پر ایسا لگا کہ گویا اپنی ضروریات اور اشیاء زندگی کا ایک سرے ہو گیا۔ گھر میں گیا تو تقریباً ہر چیز ایسے ہی لگنے لگی۔“ (یادگار صاحبین)

ظرافت و خوش طبعی:

آپ کی تحریرات یا مختلف واقعات و حالات خاص طور سے اصلاحی و ارشادی پہلوؤں کو دیکھتے ہوئے عام تاثر یہ ہوتا کہ شاید آپ کی شخصیت خشک مزاج، ترش رو اور ہر وقت غصے سے بھری رہتی ہوگی۔ حالانکہ ایسا نہیں تھا بلکہ یہ ترش مزاجی یا زجرو توخ آپ کی ذات یا شخصیت کا حصہ نہیں تھا بلکہ موافق سنت نبویہ یہ غصہ یا جلال صرف خدا کی نافرمانی اور شریعت سے انحراف کو دیکھتے ہوئے ہوتا تھا۔ اور اس وقت واقعی آپ کا غصہ دیدنی ہوتا تھا۔ مگر آپ کی طبیعت یا مزاج میں یہ چیز شامل نہ تھی بلکہ بقول ابن المصنف:

حضرت والد صاحب کے مزاج میں خوش طبعی بہت تھی کبھی کبھی مہمانوں کے ساتھ بہت ہی خوش طبعی اور دل لگی کی باتیں فرماتے جس سے پوری مجلس (کشت) زعفران بن جاتی تھی۔“ (یادگار ص ۲۱۱)

صرفی چٹکے:

آپ کی یہی ظرافت ایک دوسرے میدان یعنی علمی دائرہ کار میں بھی ظاہری ہوتی تھی۔ جس کی تفصیل یہ ہے:

اہل کمال کا یہ کمال ہوتا ہے کہ وہ غیر مفید اور بظاہر معمول کی چیزوں سے بھی مفید اور غیر معمولی نکات اور نتائج پیدا کر لیتے ہیں۔ آپ ﷺ کا مردہ بکری سے عبرت کا پہلو دینا وغیرہ اس کی مثالیں ہیں۔ مولانا نے اسی طرح گفتگو کے روزمرہ کے الفاظ سے صرف کے صیغے تشکیل دیے بلکہ یہ راستہ اور ذوق دیا۔ ابن المصنف لکھتے ہیں:

”والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک خوبی یہ تھی کہ وہ اردو کے عام بول چال کے الفاظ عربی علم و صرف کے صیغوں میں بے تکلف بدل کر محفل خوشگوار بنا دیتے تھے۔ مثلاً ایک شخص ملنے آیا اس نے کالی ٹوپی پہن رکھی تھی والد صاحب نے فرمایا میں سمجھا اس نے ٹوپی نہیں پہنی مگر یہ تو ٹوپ (اسم مفعول یعنی ٹوپی پہنا ہوا) ہی نکلا۔“

(۱) مرغی اسم فاعل اور مرغی اسم مفعول کا صیغہ ہے۔ ان کے حروف اصلی جاننے کے لیے قاموس باب الواو والیاء و فصل الراء کا مطالعہ کیجیے۔

(۲) شای کا ایک معنی تو وہی ہے جو شاہ کی طرف منسوب ہے اہل عرب آج کل چائے کے لیے یہ کلمہ استعمال کرتے ہیں یہ بھی یٹھی کا اسم فاعل بھی ہو سکتا ہے۔ اور قاض اور رام کی طرح یا حذف ہو کر توہین بھی آ سکتی ہے۔

(۳) اب شاہین کو لے لو۔ شاہین کا ایک معنی تو مشہور ہے یعنی فارسی میں باد کو کہتے ہیں اور دوسرا معنی یہ ہو سکتا ہے کہ شاہ کی طرف لبست ہو جیسے بہترین کم ترین۔ اور تیسرا معنی یہ ہو سکتا ہے کہ شاہ کی مع ہو جیسے قاض سے قاضین اور دلہ سے دامین۔

(۴) لفظ مشین شان-یشین سے جمع کے وزن پر اسم مفعول کا صیغہ ہو سکتا ہے۔

(۵) کبھی فرماتے ٹماڑر بائی مجر دہے۔

(۶) آلو جمع مذکر کا صیغہ ہے آل بؤل سے

(۷) لائن (قطار) لان-یلین سے اسم فاعل کا صیغہ ہے۔

کسی علم و فن یا کام کا مرتبہ کمال تب ہی حاصل ہو سکتا ہے جب اسے اپنی ساری فکری تھک و تاز کا محور اور اپنی دھن بنا لیا جائے۔ دوران تعلیم خاص طور سے صرف پڑھتے ہوئے پاک و ہند میں اساتذہ اپنے طلبہ کو ایسے ہی ماحول میں لاتے ہیں کہ تم ہر طرف صرف ہی صرف دیکھو۔ ہر چیز کا صیغہ بناؤ، ہفت اقسام دیکھو، قانون لگاؤ۔ تعلیل دیکھو، گردان بناؤ..... کتا، ملی گائے تک کے الفاظ بھی ایسے طلبہ کے لیے صرف کے صیغوں کی تحت مشق بنتے ہیں۔ مقصد اس سے قواعد کا راسخ استحضار اور اجراء ہوتا ہے۔ حضرت المصنف کی یہ طرافت اور صر فی چٹکے اسی پس منظر میں ہیں۔ اور یقیناً طلباء کے لیے بڑے کام کی چیز ہیں۔ اس لیے ذکر کر دیئے گئے۔

زہد و ورع اور تقویٰ:

حدیث شریف میں ہے ”حب الدنيا راس كل خطيئة“ دنیا کی محبت ہر گناہ کی جڑ اور ”راس الحکمة مخالفة الله“ اور خوف خداوندی حکمت کا سرچشمہ ہے۔ بڑے لوگ بڑے بنتے ہیں تو انہی اوصاف کی بدولت کہ اول تو ان کے دل سے دنیا کی محبت، مال کی اہمیت اور قدر و منزلت نکل جاتی ہے۔ ان کو سب مال دولت مٹی ہی نظر آتا ہے کوئی پڑی مٹی اور کوئی کھڑی مٹی۔ ایک طرف یہ حال ہوتا ہے اور دوسری طرف اللہ کا خوف اور استحضار ہر وقت ہوتا ہے اس لیے ایسے حضرات کی زندگی کا ایک ایک قدم بڑا پھونک پھونک کر رکھا ہوتا ہے۔ حضرت مولانا بھی زہد و تقویٰ کے اسی رتبے پر فائز تھے۔ زندگی کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ادنیٰ سے ادنیٰ شبہات سے احتراز کرتے تھے۔ ابن المصنف لکھتے ہیں:

”ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ قاری عبدالمالک صاحب کے ساتھ والد صاحب بعض مکاتب قرآنیہ کا امتحان لینے جا رہے تھے۔ جاتے ہوئے وقت مقررہ پہنچنے کی وجہ سے ٹیکسی لیتی پڑی۔ واپسی بس کے ذریعے ہوئی جس میں بہت دقت اٹھائی۔ کراچی کی بسوں میں تو رش بہت ہوتا ہے۔ کھڑا بھی ہونا پڑتا ہے۔ قاری عبدالمالک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت ٹیکسی لے لیتے۔ فرمایا میں مدرسے کا پیسہ اپنا پیسہ سمجھ کر خرچ کرتا ہوں۔ جاتے وقت چونکہ وقت پر پہنچنا تھا، بس سے جانے میں دیر ہو جاتی۔ طلبہ انتظار میں رہتے، بدرجہ مجبوری ٹیکسی لے لی تھی۔ اب واپسی پر گھری تو جانا ہے کچھ دیر سے پہنچ جائیں گے تو کوئی حرج نہیں۔“ (یادگار ص ۶۸)

دیکھئے اور پڑھئے کو تو یہ ایک شاید معمولی سا واقعہ معلوم ہو لیکن اگر ایک لمحے کے لیے آپ خود کو اس جگہ تصور کریں کہ اگر میرے ساتھ یہ معاملہ ہوتا تو میرا طرز عمل کیا ہوتا۔ ایک طرف بسوں کے دھکے، رش میں پھنسا وغیرہ ہے اور دوسری طرف ٹیکسی کی گنجائش ہے تو کیا کرتے؟ آخر اتنی مشقت برداشت کرنا اور مشقت کو راحت پر ترجیح دینا یقیناً ایک ایسا واقعہ ہے جس کے پیچھے زہد و ورع کا

بھاری احساس کار فرما ہے۔ بلکہ ایک اور واقعہ آپ کی سوانح کا اس سے بھی بڑھ کر حیران کن ہے جس میں آپ نے اپنے پاس ہدیہ آنے والے ہزاروں ریال صرف مسئلہ کی تنقیح نہ ہونے کی بنیاد پر واپس فرمادیے۔

سعودیہ میں درآمد شدہ گوشت سے احتراز:

آپ کی یہی احتیاط اور ورع و تقویٰ ہی تھا کہ آپ کھانے کے معاملے میں بھی احتیاط سے کام لیتے تھے اور خاص طور سے گوشت کے بارے میں جب تک اطمینان نہ ہو کہ صحیح طور سے شرعی طریقے سے ذبح ہوا ہے تب تک نہ کھاتے تھے۔ سعودیہ وغیرہ میں جو گوشت باہر کے ممالک سے درآمد ہوتا ہے اس کے بارے میں عام طور سے یہ بات ثابت شدہ ہے کہ وہ شرعی طریقے سے ذبح نہیں ہوتا۔ مگر چونکہ مسلمان حکمرانوں کی غفلت اور بعض اباحت پسند فتاویٰ کے سہارے وہ چل رہا ہوتا ہے اور عوام بھی اسے کچھ پرداہ کیے بغیر کھا رہے ہوتے ہیں۔ بلکہ عوام تو عوام بعض اہل دل کا یہ مقولہ بھی سننے میں آیا کہ جب ان سے حرم میں ملنے والی مرغی کے بارے میں سوال کیا گیا کہ کچھ مفتی حضرات نہ کھانے کا کہہ رہے ہیں کیا کیا جائے؟ تو انہوں نے فرمایا:

”اللہ اپنے گھر میں اتنے لوگوں کو بلا کر حرام تو نہیں کھلائے گا۔“

گویا حرم میں پہنچ جانا ہی کسی چیز کے حلال ہونے کی سند ہو گئی..... لا حول و لا قوۃ الا باللہ... ایسے حالات میں مولانا ایسی مرغیوں اور درآمد شدہ گوشت سے مکمل اور بہت سخت اجتناب کرتے تھے بلکہ بقول ابن المصنف:

”جن ہوٹلوں میں اس طرح کی برازیلی اور فرانسیسی مرغیاں فروخت ہوتی ہیں ان ہوٹلوں سے روٹی تک نہ خریدتے

تھے، ایسے ہوٹلوں میں مرغی کے علاوہ جو سالن بنتے ہیں وہ بھی نہیں کھاتے تھے اور فرماتے تھے کہ ہوٹل والے کی

آمدنی مشتبہ ہے اور مرغی کے گوشت والے چچے ہی سے یہ لوگ دوسرا سالن بھی نکالتے ہیں۔“ (یادگار ص ۲۱۹)

حقوق تالیف اور علمی احتکار:

آپ کی علمی دیانت، تقویٰ اور زہد و ورع ہی کا مظہر تھا کہ آپ نے باوجود ہندوستان بھر کے مقبول ترین مصنفوں میں سے ہونے کے اور باوجود بیسیوں ایسی کتابوں کے مؤلف ہونے کے جو آپ کی زندگی میں ہی لاکھوں کی تعداد میں چھپی ہیں۔ اگر آپ ان کتابوں کے ذریعہ پیسہ کمانا چاہتے تو کیا کچھ نہ کر سکتے تھے آپ کی ایک ایک کتاب پر ناشروں کی زندگیاں بن گئیں مگر آپ نے اپنی کسی تحریر کا ایک پیسہ پائی تک نہ لیا اور مارکیٹ میں اپنی تالیف کے حقوق محفوظ کرنے انہیں بیچنے کو آپ نے کبھی اختیار نہ فرمایا بلکہ آپ کی اس کے بارے میں یہ رائے تھی:

”کتابوں کا حق طباعت محفوظ رکھنا، انگریزوں کی ترکات سیدہ • میں سے ہے۔ کوئی شخص دینی کتاب لکھے پھر اس پر

① کوئی بھی تہذیب ہودہ غلبہ حاصل کرنے کے بعد مطلوب معاشرے پر اپنے اثرات چھوڑتی ہے۔ یہ اثرات انسانوں کے لیے برے ہوتے ہیں یا اچھے، اس کا انحصار اس پر ہے کہ اس تہذیب کی بنیادوں میں کون سے تصورات موجود ہیں اور اس تہذیب کی نیک چیزوں پر اٹھائی گئی ہے۔

جھانسی قریب میں مغربی تہذیب پر وان چڑھی، غالب آئی اور معاشروں پر اپنے اثرات چھوڑنے لگی۔ مغربی تہذیب کے آثار و اثرات خصوصیات دیے تو متنوع اور بے شمار ہیں مگر مختصر اُکلی طور سے انہیں دو بنیادی باتوں میں محدود کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ اہمیت پسندی جسے ”ہوس“ کا لقب بھی دے سکتے ہیں۔

۲۔ لالچ و طمع جسے حرص کے نام سے بھی موسوم کر سکتے ہیں۔

انہی دونوں اوصاف کو ذرا سرخی پوڑ لگا کر اور پوشاک پہنا کر آزادی کا نام بھی دیا جاسکتا ہے کہ ہر آدمی سوچنے میں، چاہنے میں، کچھ کرنے میں، کمانے میں، خرچ کرنے میں کسی بھی قسم کی مذہبی یا اخلاقی پابندیوں سے آزاد ہے۔ مذکورہ بالا دو بنیادوں میں سے اول الذکر یعنی اہمیت پسندی یا ہوس نے انسانی دنیا کو بے پردگی، عریانی، بے حیائی، فحاشی، زنا اور شراب نوشی جیسے تھے عنایت کیے اور ثانی الذکر یعنی لالچ و طمع یا حرص نے منظم ہو کر سرمایہ داری کی شکل اختیار کی اور دنیا کے بنیادی تجارتی تصورات میں انقلابی تبدیلیوں کا بیڑا اٹھایا۔ ان میں سے ایک اہم اور بنیادی تبدیلی یہ تھی کہ ہر بات کو مال سے تنقیس کیا جائے، ہر چیز کو پیسے سے تولایا جائے ہر قدر کو ناجائز نہ نظر سے دیکھا جائے۔ ع

مغرب ہے تاجرانہ ضمیر مشرق ہے راہبانہ

چنانچہ ایسے ہی ہوا اور نتیجتاً خرید و فروخت کا یہ دائرہ اتنا وسیع ہوا کہ ایک ایک بات، حرکت، نام، نشان، شہرت، ساکھ، اداحتی کہ انداز اور مسکراہٹ تک ملنے اور بکنے لگی۔ وہ چیزیں جن کے متعلق کبھی کسی نے سوچا نہ تھا کہ یہ بھی قابل فروخت ہیں یا ان پر بھی پیسہ کمایا جاسکتا ہے ان پر پورے پورے ادارے اور تجارتیں قائم ہو گئیں۔

جو چیزیں اور اقدار اس تجارتی سیلاب نما انقلاب میں مغرب کی حریصانہ نفسیات کی بھیٹ چڑھیں ان میں سے ایک انتہائی مظلوم چیز ”علم“ بھی ہے۔ علم جیسی مقدس چیز اور مذہبی یاکم از کم اخلاقی قدر و فریضے کو تقدس کی چار دیواری اور شرافت و وقار کے حصار سے نکال کر تجارتی منڈی میں بولی کے لیے رکھ دیا گیا اور اس میراث نبوی اور وصف مومن میں کے چاہنے والوں میں بھی اسی اعزاز سے سودا بازی ہونے لگی جیسے حسن و جمال کے شیدائیوں اور دراہم و دانیر کے غلاموں میں ہوتی ہے۔ اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ بقول مولانا گیلانی لب استاذ استاذ اور معلم محترم نہیں بلکہ ایک مزدور ہے جس سے اس کا شاگرد و گری کا بیوپار کرتا ہے۔

حالانکہ باستثناء ایک آدمہ مثال کے پوری اسلامی بلکہ انسانی تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ علم سکھانے کا کام ہمیشہ ایک مقدس مذہبی یاکم از کم اخلاقی فرض سمجھا گیا ہے اور کہیں یہ بات نہیں ملے گی کہ علم سکھانے والے نے سیکھنے والے سے علم کے پیسے مانگے ہوں اور یہی نہیں بلکہ باقاعدہ سودے بازی کی ہو۔ لیکن یہ اس تہذیب کے کرشمے ہیں کہ استاذ اور شاگرد میں بھاؤ تاؤ، اور علم کے ریٹ کا اتار چڑھاؤ ہوتا ہے۔ اسی صورت حال کو اقبال نے محسوس کر کے درد دل کی شکل میں یوں بیان کیا ہے ع

خندہ بھی دن کہ خدمت استاذ کے عوض دل چاہتا تھا ہدیہ دل پیش کیجیے

بدلا زمانہ ایسا کہ لڑکا پس از سبق کہتا ہے ماسٹر سے کہ مل پیش کیجیے

تعلیم اور تجارت کا باہمی رشتہ اس قدر راستوار ہوا ہے کہ اس وقت ایجوکیشن کا برنس دیگر ذرائع تجارت اور کمائی کے ساتھ مارکیٹ میں کندھے سے کندھا کر چل رہا ہے اور دھڑلے سے ہر محلے میں ہر گلی کی کڑ پر علم بکھا ہے، بک رہا ہے اور نہ جانے کب تک بکنا رہے گا۔

بھری دنیا میں اس وقت شاید صرف مولوی کا طبقہ وہ طبقہ ہے جو فری ایجوکیشن کے صحیح اخلاقی تصور پر کار بند ہے جس کی صورت یہ ہے کہ ایک مذہبی اعلیٰ اور مدرسے میں الف با سے بھی نا بلند ایک بچہ داخل ہوتا ہے اور وہ دینی تعلیم کی اعلیٰ سے اعلیٰ ڈگری لے کر یعنی مفتی و محدث بن کر نکلتا ہے مگر اس دوران اس کا ایک روپیہ بھی علم کے نام پر خرچ نہیں ہوتا۔

کسی ناشر سے حق تصنیف یا حق طباعت کے عنوان سے پیسے طلب کرے یا اس کا امیدوار ہے، یہ تو علمائے اسلام کے ذہنوں میں بالکل ہی نہ تھا۔ اللہ کی رضا کے لیے کتابیں لکھتے تھے۔ کتاب لکھنا اور پھر اس کا حق محفوظ کرنا یہ تو علمی احتکار ہے۔ اگر حکیم الامت حضرت تھانوی اور شیخ الحدیث کا ندھلوی قدس سرہما اپنی تالیفات کے حقوق محفوظ کرتے تو سارے عالم میں ان کی کتابیں کیسے پھیل تیں۔“ (یادگار صالین ۳۲)

مغربی تہذیب کا محاسبہ:

اس نکتے پر کچھ بات تو پہلے حاشیے پر حقوق تالیف کے ضمن میں آئی چکی ہے البتہ وہ ایک جزوی بات تھی لیکن اگر مولانا کی تحریرات اور آپ کی زندگی کے مختلف واقعات اور طرز پر نظر ڈالی جائے تو اس سے یہ بات کلیے کی شکل میں بخوبی سمجھ میں آتی ہے کہ آپ اسلام کے کامل مذہب اور اس کی اپنی اقتدار، اس کے اپنے اصولوں اور اس کے پورے معاشی، معاشرتی، سیاسی و روحانی دستور پر مکمل یقین رکھتے تھے اور دنیا کے لوگوں اور معاشروں کی نجات کو اسی میں منحصر سمجھتے تھے اور یہ بات محض تقلید یا راسخائیں بلکہ علی وجہ البصیرت سمجھتے تھے۔ آپ نے مختلف پیراؤں میں اس مضمون کو بیان کیا ہے۔ ایک مستقل مضمون ”مذہب کی ضرورت“ اور دوسرا ”اسلام میں پورے داخل ہو جاؤ“ کے نام سے آپ نے لکھا۔

اسلامی تہذیب اور نظام پر کامل یقین کا یہ تقاضا بلکہ لازمی تقاضا تھا کہ آپ اسلام کے اس پہلو سے محارض نظام اور تہذیب سے نفرت بھی اسی قدر کرتے تھے اور آپ سمجھتے تھے کہ یہ تہذیب انسان کی دشمن، اخلاق کا جنازہ اور اقدار کی موت، کے سوا کچھ نہیں اور یہ ظاہری چکا چوند ترقی کی حقیقت سراب کی سی ہے۔ چنانچہ ایک جگہ لکھتے ہیں:

”کسی نے الیکٹرک (بجلی) کا پتہ چلایا کسی نے سیارہ ایجاد کیا، کسی نے طیارہ اڑایا، کسی نے طرح طرح کی مشینیں ایجاد کیں۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ بنی نوع انسان کے سب سے بڑے محسن موجدین ہیں۔ حالانکہ صحیح بات یہ ہے کہ سب سے بڑے محسن اللہ تعالیٰ کے پیغمبر اور خاص کر سید المرسلین محمد رسول اللہ ﷺ ہیں کیونکہ انہوں نے وہ بات بتائی جس سے لوگ بے خبر تھے۔ (یادگار صالین ۵۷۶)

جدید وسائل اور خدمت دین:

یعنی یہ لوگ زیادہ سے زیادہ انسانیت کے خادم ہو سکتے ہیں کہ جنہوں نے ایجادات کے ذریعے لوگوں کو فائدہ پہنچایا ہے محسن اور اللہ اس سیلابی (انقلابی) تبدیلی کے معاشرے پر کیا اثرات پڑے ہیں اور پڑ رہے ہیں اور جب تک مذاہب نہیں ہوتا پڑتے رہیں گے؟ یہ ایک طویل بحث ہے۔ مختصر یہ کہ یہ انسانی تہذیب کا ایسا المیہ ہے جس پر جتنا توجہ کیا جائے کم ہے یہ المیہ بے چارہ ایسا المیہ ہے جس کو المیہ کہنے کے لیے کوئی آمادہ بھی نہیں۔ نہ اس کے لیے کوئی مستشرق سوچے گا، نہ مابین اور متوجہ ہوگی، اور نہ کسی مستغرب کو ہی حق انسانی پہ یہ ڈاکا کھٹکے گا۔

اس ساری بات اور پس منظر کو سامنے رکھتے ہوئے اب حضرت مولانا کے الفاظ پر دوبارہ نظر ڈالے:

”پیارے بڑوں کی ترکات سجدہ میں ہے“

حضرت نے حقیقت حال کی سونہر ترجمانی کتنے جامع انداز میں کر دی ہے۔ واللہ در وہ و فراسة المؤمن.

احسان کنندہ نہیں ہو سکتے۔ در خدمت کا وصف بھی تب تک ہے جب تک ان کی ایجادات اور مصنوعات انسانیت کے لیے اور معاشرے کے لیے مفید ہوں ورنہ عام حالات میں مادر پدر آزاد نفسیات کی ایجادات نے بھی وہی رنگ دکھائے ہیں بلکہ صحیح لفظوں میں ان چیزوں نے معاشرے میں جو بچان، پھیل، اضطراب، افراتفری، بے سکونی اور بے اطمینانی دی ہے وہ ان کے فوائد کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے۔ جدید ذرائع انسان کے لیے کتنے مفید ثابت ہوئے یا کتنے نقصان دہ یہ ایک علیحدہ موضوع ہے جو اچھی خاصی تفصیل کا متقاضی ہے۔ جدید ذرائع کے باقی پہلو ایک طرف مذہب کی نشر و اشاعت کے حوالے سے یہ بات البتہ ملے ہے کہ اہل علم اور اہل دین نے ان کو ہمیشہ حقارت کی نظر سے ہی دیکھا۔ پھٹی ہوئی نگاہوں سے یا لالچائی ہوئی نظروں سے کبھی نہیں دیکھا۔ حضرت مولانا رحمہ اللہ سے ایک مولوی صاحب نے استفسار کیا کہ حضرت ہمارے ہاں طالبات کے مدرسے میں طالبات کی فارغ وقت میں تربیت کے لیے کوئی تجویز عنایت فرمائیں کیونکہ ایک صاحب کا کہنا یہ ہے کہ ان کو کیشیں سنائی جائیں۔ حضرت نے ان کو جواب میں لکھا کہ اصل طریقہ تو یہ ہے کہ اپنے قریب کے اہل اصلاح کو بلوا کر ان سے بیان کروائے جائیں، یا حضرت تھانوی، حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ کی کتابیں پڑھوائی جائیں..... اس کے بعد آخر میں بڑے پتے کی اور کام کی بات لکھی جو واقعہ بڑی بصیرت افروز اور چشم کشا ہے۔ لکھا ہے:

”خالی گھنٹوں میں معلومات کو کیشیں سنوائی جائیں“ میرے خیال میں یہ اتنا مفید نہیں۔

”کیشوں • سے بھی کبھی علم (دین) پھیلا ہے؟“

پھر آگے فرماتے ہیں:

”کیسٹ تو کانوں کی عیاشی اور مزے کا ایک آلہ بن گیا ہے۔“

آپ کی یہ بات بالکل بجا ہے کیونکہ بقول کسے آج کے گئے گزرے دور میں ایک معمولی استاذ کے سامنے بخاری پڑھنے میں جو فائدہ اثر اور منفعت ہے وہ امام بخاری کی حقیقی ویڈیو دیکھنے میں بھی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ نقل نقل ہوتی ہے اور اصل اصل۔ شیر کی اچھی خاصی موٹی تازی تصویر کو ایک ڈبلی تلی بکری آسانی سے چبا کر نگل سکتی ہے۔

جمہوریت کی حقیقت:

انگریزی تہذیب کا ایک اہم مظہر جمہوریت کا نظام بھی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جمہوریت مغرب کا ایسا معصومانہ ہتھیار ہے جسے

① حضرت مولانا کے کیسٹ جیسے سادہ آلے کے بارے میں یہ احساسات ہیں جبکہ آج کل عصر حاضر کے تقاضوں کے ہونے کے نام پر کمپیوز کے نام سے مہذب ٹی وی کو مدرسوں میں کھسایا جا رہا ہے تاکہ طلبائے دین اس پر اپنا قیمتی وقت ضائع کریں اور ستم ہلائے ستم یہ کہ کہیں کہیں انٹرنیٹ کی سہولت بھی ہم پہنچادی گئی ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ”حمیت نام تھا جس کا گئی تیمور کے گھر سے“ حالانکہ انٹرنیٹ بقول کسے، اجنبی عورت کی مانند ہے جس کے ساتھ خلوت میسر ہو، آگے گناہ سے بچنا، یا اس کا کوئی بھی درجہ اختیار کرنا، یہ آدی پر منحصر ہے اور شیطان ہر وقت ساتھ ہے۔ اسی طرح آج کل اچھے خاصے معقول لوگ اس بارے میں سوچ رہے ہیں کہ مستند علماء کو بھی صحیح اسلامی نظریات کی ترجمانی کے لیے ٹی وی چینل کھولنا چاہیے۔ دوسرے لفظوں میں ان کو بھی برسانی مینڈکوں کی طرح پھیلے بھانت بھانت کے چینلوں کے جو میں میڈیا کے اندھے کنویں میں کود جانا چاہیے۔ لیکن یہ بات نہیں سوہی جاتی کہ اسلامی چینل دیکھنے کے لیے جن دین دار گھروں میں ٹی وی کیبل آئے گی وہاں کیا صرف یہی چینل چلے گا؟؟؟ انا للہ العسی

اللہ ہماری تمام داخلی و خارجی، ظاہری و باطنی، خوش نما و بد نما، مہذب و غیر مہذب قوتوں سے حفاظت فرمائے۔ آمین

پوری دنیا خصوصاً اسلامی ممالک کے خلاف بڑے پیمانے پر برتا گیا اور بیشتر مسلمانوں نے بھی اس زہر کو اپنے لیے تریاق اور نجات دہندہ سمجھ کر گلے لگایا بلکہ بعض نام نہاد مفکرین بھی اسے عین اسلام اور اسلام کی روح قرار دینے پر مصر ہیں اور وہ اس کے سائے میں تمام مشکلات کا حل تلاش کرنا چاہتے ہیں جبکہ بعض ارباب بصیرت یہ کہتے ہیں جمہوریت کوئی نظام نہیں ایک ماحول ہے جس کا فائدہ ہر آدمی اٹھاتا ہے۔ حضرت مولانا نے اس بات پر بھی تبصرہ کیا ہے اور خوب کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

” (یورپ وغیرہ کے بے لگام) بادشاہوں کے مظالم سے بچنے کے لیے جمہوریت کا سلسلہ جاری کیا گیا تھا اور اس کا نام عوامی حکومت رکھ دیا گیا۔ بہت سے لوگوں نے اس کو اسلامی طریقہ بتا دیا اور سمجھ لیا حالانکہ یہ اسلام کا طریقہ نہیں۔ دیکھو حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان علی رضی اللہ عنہم کی خلافت راشدہ تھی ان حضرات کو امیر بنانے میں کوئی بھی الیکشن نہیں ہوا پورے ملک تو کیا شہر مدینے کے (سارے) افراد سے بھی رائے نہیں لی گئی۔“ (یادگار ص ۶۷)

تصلب اور مسلکی پختگی:

یوں تو مولانا کی پوری زندگی اپنے اکابر و اسلاف یعنی علمائے دیوبند کی خصوصیات خصوصاً علم، تقویٰ، دعوت اور تصلب سے لبریز ہے اور اس کے کچھ تھوڑے تھوڑے نمونے پیچھے آ بھی چکے ہیں مگر وہ خاص وصف جسے آپ کی پہچان کہیے یہ دھن اور مشن کا نام دیجیے یا اسے آپ کی زندگی کی سب سے نمایاں خصوصیت قرار دیجیے وہ آپ کا تصلب اور مسلکی پختگی ہے۔

تصلب کا لفظی مطلب ٹھوس ہونا، پختہ ہونا، مضبوط ہونا جم جانا وغیرہ ہے۔ اور عام عرف کے لحاظ سے تصلب کا مطلب یہ ہے کہ آپ جس بات خصوصاً مذہبی نظریے اور مسئلے کو حق سمجھتے ہوں اس پر پوری بصیرت کے ساتھ ایسا پختہ یقین اور عتماد ہو کہ اس سے ایک انج بھی پیچھے ہٹنے یا اس پر سمجھوتہ کرنے کے لیے تیار نہ ہونا۔ مولانا کا یہ حال تھا کہ وہ اپنے اکابر و اسلاف علمائے دیوبند کی تحقیقات اور ہدایات کی روشنی میں جس بات کو حق سمجھتے تھے اس پر پوری شدت و سختی کے ساتھ کار بند رہتے۔ ایسا نہیں کہ کبھی جدید تحقیق کے نام پر تقلید و اتباع کے پائے استقلال میں لغزش ہے تو کبھی لاشعوری مرعوبیت سے مسلوں میں حیلوں، بہانوں کی تلاش، کبھی باطل فرقوں کے ساتھ گٹھ جوڑ کی بات ہے تو کبھی بدعات و ظلمات کے ساتھ نرم روش، کبھی بیرونی فتنوں کے ساتھ مصالحت کی

① جو لوگ اسلامی ممالک میں بسنے والے علماء اور وہاں موجود اسلامی تحریکوں کے بارے میں تجزیاتی مطالعہ رکھتے ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں کہ ماضی قریب اور حال میں بھی دنیا بھر میں ماجاہد الرسول پر کما جہاد بالرسول یعنی پورے دین پر اس کے حقیقی تقاضوں اور مظاہر پر پختگی، والہانہ وابستگی اور عمل جیسے اوصاف سے متصف طبقات میں سے جس طبقے کو نمایاں مقام حاصل ہے، وہ طبقہ علماء دیوبند کا ہے یہ حضرات، افراط و تفریط سے دور ہیں، نہ دین کو مصلحت کے تابع کرتے ہیں اور نہ زمانے کی لاشعوری مرعوبیت کے مرض میں مبتلا ہو کر تصورات دین بدلنے چل نکلتے ہیں۔ ان کی یہی ادا اور تصلب انہیں کو کھلتی ہے اسی لیے روز اول سے اس قلعے پر فکری و عملی حملے جاری ہیں۔ اور آج بھی غیروں کی طرف سے شعوری اور اپنے نادان دوستوں کی طرف سے لاشعوری طور سے اس گرفت کو ڈھیلا کرنے کی کوشش جاری ہے چنانچہ ”مکالمہ“ ”رواداری“ ”امن عالم و دہ ب“ ”وسعت نظری“ اور گلوبلائزیشن کے تقاضوں جیسے متعدد جاذب موانع سے ان علماء کو مرعوب و متاثر کر کے مایوس کیا جا رہا ہے تاکہ بھری دنیا میں تصلب کی یہ آخری چٹان بھی سرک جائے۔ اللھم النصر الاسلام و المسلمین، اللھم النصر من نصر دین محمد ﷺ و اجعلنا منهم۔

طلب ہے تو کبھی داخلی فتوؤں کے بارے میں نرم گوشہ... آپ اس طرز عمل سے کوسوں دور تھے وہ دین کو تمام تفصیلات و مظاہر کے ساتھ دیکھنے، اس پر قائم رہنے اور دوسروں کو بھی اس پر لانے کے لیے بہت اہل اور دونوں موقف رکھتے تھے اور اگر کہیں اپنے ہاں زمانے کے حالات یا مروجہیت وغیرہ کی وجہ سے ان باتوں میں تساہل یا ڈھیل محسوس کرتے تو اس کی خوب گرفت فرماتے۔ فتوؤں کی سرکوبی کے لیے بھی سر توڑ کوشش کرتے، قلمی گھوڑے دوڑاتے، زبانی گفتگو کرتے، رابطے کرتے اور اپنے حلقوں میں بھی نرم مسائل، ڈھیلے فتوؤں اور خاص طور سے تقلید وغیرہ کے حوالے سے سخت سرزنش کرتے۔ ایک دفعہ ہندوستان میں ایک سیمینار میں کچھ لوگوں نے انٹرنس کے جواز کا مفید و مشروط سافٹوی دے دیا۔ حضرت کے سامنے اس کے مندرجات آئے تو اس پر ایک صاحب کو ایک طویل خط لکھا۔ لکھتے ہیں:

”لوگ جیسا رہ رہے تھے ہندوستان میں خفی مذہب پر عمل ہو رہا تھا جو کوئی مشکل پیش آتی تھی ماہر علماء سے پوچھ کر عمل کر لیتے تھے۔ کسی مسئلے میں ضرورت ہوتی تو مشورہ کر لیا یہ کافی تھا... اب یہ ذہن لے کر جمع ہونا کہ آسانیاں ہی نکالنا ہے اور جلدی جلدی اجتماع رکھنا اور اجتماعات کے موضوعات کے لیے فکر مند ہونا، نئے نئے سوال خود سے کھڑے کر کے مجتہدین کو مسائل کے جواب شائع کرنا اس کی کیا تک ہے؟“

اسی سیمینار میں بھی آیا اور اس کے علاوہ بھی عام طور سے تقلید و تلفیق کا مسئلہ زیر بحث آتا رہتا ہے جس سے تقلید کا اٹھنا اور تلفیق خواہش پرستی اور ہر آدمی کی اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد اور دین کا کھلونا بن کر رہ جانے جیسے نتائج یقینی تھے اور ہیں۔ اس مسئلے کی حساسیت اور اہمیت کے پیش نظر آپ نے ان حضرات کو بڑے پرسوز مگر جلالی انداز میں لکھا:

”جن شرائط و قیود کو تلفیق کے مجوزین بیان کرتے ہیں ان کو عوام سمجھنے والے ہیں؟؟ اور کیا عوام ان کا لحاظ کریں گے؟ عوام کا تو یہ حال ہے کہ انہیں خفی مسلک کا جو مسئلہ دشوار معلوم ہوا اس کے خلاف عمل کر لیا اور شافعی مذہب بتا دیا۔ دیکھیے مجلس واحد کی تین طلاقیں چاروں مذہبوں میں تین ہی ہیں لیکن جنہیں رجوع کرنا ہوتا ہے امام شافعی کا مذہب بنا کر غیر مقلدوں کے قول پر عمل کر لیتے ہیں۔“

آگے آپ نے عوام کی طرف سے مسائل اور تلفیق کے غلط استعمال کو بیان کرتے ہوئے ایک اندیشہ بجا طور پر ظاہر فرمایا ہے۔ لکھتے ہیں:

”اگر جواز تلفیق کا اسی طرح پراپیگنڈہ ہوتا رہا تو وہ دن دور نہیں کہ خفی عوام تلفیق کا سہارا لے کر چڑی پہن کر بے وضو ناپاک کپڑوں میں نماز پڑھا کریں گے۔ کیونکہ مالکیہ کے ہاں خون نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹتا اور ان کے ہاں ناپاک کپڑوں میں کبراہت کے ساتھ نماز جائز ہے اور ان کا ان کے ہاں چھپانا ضروری نہیں۔“

(یادگار صالحین ص ۹۳۰)

کچھ سطروں بعد لکھتے ہیں:

”میرے نزدیک تلفیق کے مباحث کو اردو میں لانا اور اجتہاد کے عنوان سے مجالس منعقد کر کے محرمات کی تحلیل

کے راستے نکالنا امت کو اباحت پر ہی ڈالنا ہے خواہ اس کی کچھ بھی تاویل کر لی جائے۔ اور ان کے بڑے نتائج آنے والے سالوں میں ظاہر ہو سکتے ہیں، جب دنیا سے وہ لوگ اٹھ جائیں گے جن میں کچھ نہ کچھ علم بھی ہے اور بزرگوں سے انتساب بھی۔“ (یادگار ص ۹۳۰)

اسی طرح آپ کے ایک متوسل لکھتے ہیں۔ منی میں حج کے موقع پر بہت رش تھا میں حضرت کو ڈھیل چیئر (پہیہ کرسی) پر بٹھا کر رمی جمرات کے لیے لے گیا اتنا ازدحام ہوا کہ حضرت کی جوتی اتر گئی اور ہمیں مجبوراً پیچھے ہٹنا پڑا۔ میں نے عرض کیا حضرت دیکھا ہے کیا حالت ہے۔ آپ حضرات کوئی اس کے بارے میں فتویٰ کیوں نہیں دیتے؟ حضرت باوجودیکہ خود مشکل کا شکار تھے کہ جس وقت عام طور سے انسان کے احساسات اور ہوتے ہیں اس کے باوجود آپ نے انتہائی جلال سے فرمایا:

”فتوے ہمارے گھر ہیں۔ جب چاہیں فتویٰ دے دیں؟“

ان واقعات میں جو اصل چیز دکھانے کی ہے وہ ہے حضرت والا کی غیرت دینی، حمیت مذہبی اور تہلب واستقلال۔ سچی بات یہ ہے کہ ہمارے ہاں کے علماء میں تہلب کی تھوڑی بہت رت ایسی ہی ہستیوں کی اس قدر سخت گرفت کی بدولت ہے ورنہ ہمارا حال بھی دیگر علاقوں کے علماء وار باب فتویٰ والا ہوتا۔

یہ بات عام طور سے دیکھنے میں آتی ہے کہ بیرون ملک جانے والے لوگ خصوصاً عالم عرب میں رہائش اختیار کرنے والے حضرات اپنی ہندوستانی روش اور تہلب کھوتے جاتے ہیں اور ان میں بھی مرعوبیت اور لاشعوری تاثر کی بدولت سہولت پسندی کا رجحان پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ مگر یہاں معاملہ عجیب تھا۔ حضرت مولانا ربیع صدی عالم عرب خصوصاً سلفیت کے گڑھ حجاز مقدس اور مدینہ منورہ میں رہے مگر اپنی حقیقت، اپنی دیوبندیت اور اپنے تہلب پر کار بند رہے۔ اس میں ذرہ بھی فرق نہ آیا اور نہ ہی آپ وہاں کے لوگوں سے مرعوب ہوئے۔ مرعوبیت نہ ہونے کی ایک واضح مثال ابن المصنف نے یہ لکھی ہے کہ حضرت والد صاحب کا تجوید کا ذوق بہت عمدہ تھا اور تلاوت میں خصوصاً نماز میں کسی اچھے تلفظ والے امام کے پیچھے نماز ادا کرنے کا اہتمام کرتے اور اگر کہیں غلط ادائیگی والے امام کے پیچھے نماز پڑھتے تو اس کو دہراتے، کئی دفعہ حرم کے بعض ائمہ کے پیچھے پڑھی ہوئی نمازوں کو آپ نے محض اس وجہ سے دہرایا کہ قاری صاحب کا تلفظ غلطی کی حد تک پہنچ گیا تھا۔

حرم میں رہتے ہوئے ایسا کرنا جہاں آپ کی غایت احتیاط اور عمدہ ذوق تجوید کی علامت ہے، وہیں ساتھ ساتھ اپنے آپ پر اعتماد اور دوسروں کے بڑے بڑے القاب سے متاثر ہونے اور مرعوب نہ ہونے کی واضح مثال ہے۔

ویسے تو آپ کی حمیت دینی اور مسلکی تہلب ہر دم نمایاں تھا لیکن مدینہ النبی ﷺ میں جا کر معلوم ہوتا ہے کہ شاید ان اوصاف میں آپ کی حساسیت اور زیادہ بڑھ گئی تھی۔ چنانچہ وہاں رہتے ہوئے حضرت المصنف نے اپنے مسلک کا بھرپور دفاع جاری رکھا اور اس سلسلے میں بعض ایسے طبقات کی بھی گرفت کی جن کے بارے میں بہت سے اپنے پرانے بھی نرم رویے کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اس کے لیے دو مثالیں سر دست اختصار کے پیش نظر کافی ہیں:

علوی مالکی گروہ:

کچھ عرصہ پہلے مدینہ منورہ میں حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ کے کچھ خلفاء نے وہاں کے ایک پیر صاحب سے اپنا تعلق قائم کیا، ان پیر صاحب کے نظریات جمہور اہل حق کے نظریات و معتقدات خصوصاً علماء دیوبند کثر اللہ سواد ہم کے نظریات و افکار سے متصادم تھے۔ حضرت شیخ کے مذکورہ متعلقین نے ان پیر صاحب کی ایک کتاب پر پاکستان کے متعدد حضرات کے دستخط اور تصدیقات بھی لے لیں۔ صورت حال واضح ہونے کے بعد ان حضرات نے اعلانیہ رجوع فرمالیا اور ان متوسلین سے بھی درخواست کی کہ آپ بھی ایسے بدعتی پیر صاحب کے حلقے کو ترک کریں اور اپنے علماء دیوبند کے مسلک پر کما حقہ واپس آئیں۔ اس کے بعد انہی حضرات میں سے ایک صاحب نے ”اکابر کا مسلک و مشرب“ کے نام سے ایک رسالہ تالیف کیا جس میں اکابر علمائے دیوبند کی بعض مبہم یا مرجوع عبارات کی بنا پر ان کا بدعت اور اہل بدعت کی طرف رجحان کا دعویٰ کیا گیا تھا، حالانکہ اکابر کا جو دونوں موقف براہین قاطعہ اور فتاویٰ رشیدیہ اور دیگر فتاویٰ میں ہے وہ اس کے بالکل متضاد ہے۔ مولانا کے پاس ایک صاحب نے وہ رسالہ بھیجا، تو آپ نے ان کو بغیر کسی لکھی لپٹی کے لومہ لائٹ کی پرواہ کیے بغیر لکھا:

”افسوس کی بات ہے کہ آپ لوگوں نے میرے اتنے بڑے شیخ (شیخ الحدیث زکریا صاحب رحمۃ اللہ) کو گلابی مذہب والا بنادیا اور پاکستان میں جو فتنوں کے لیے زرخیز ہے ایک اور فتنہ کھڑا کر دیا ہے۔ محض اپنی پیری مریدی چکانے کے لیے حضرت شیخ قدس سرہ کو متنازع بنادیا ہے۔ اس فتنہ کے رد میں اتنا کچھ لکھا جا چکا ہے کہ اگر آپ لوگوں میں عقل سلیم ہوتی تو رسالہ مذکورہ (اکابر کا مسلک و مشرب) سے براءت کا اعلان کر دیتے۔ جس گروہ کے اپنانے کی موهوم امید پر یہ جھگڑا کھڑا کیا ہے یہ خراب تو آپ لوگوں کا کبھی شرمندہ تعبیر نہ ہوگا اور آپ لوگوں کا مزاج بھی وہی بن چکا ہے، ہیر پھیر اور تاویل کر رہے ہیں لیکن حق کو کبھی تسلیم نہیں کریں گے۔“

پھر آخر میں انتہائی دل سوزی اور دردمندی کے ساتھ نصیحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

”مولانا! خدا کے لیے تہائی میں بیٹھ کر دو رکعت صلاۃ التوبہ پڑھ کر حق تعالیٰ سے معافی مانگو اور سوچو کہ کہاں جا رہے ہو؟ اور اس کا انجام کیا ہوگا؟“ (یادگار صالحین ص ۶۹۳)

مماستیت کی روک تھام:

پاکستان میں ماضی قریب میں ایک ایسا طبقہ وجود میں آیا جو اپنے آپ کو دیوبندی کہلانے کے باوجود اکابرین دیوبند کے کچھ نظریات خصوصاً عقیدہ حیات النبی ﷺ کے بارے میں ان کی تشریح و تحقیق پر اعتماد نہیں کرتا اور اس سلسلے میں وہ اپنا الگ طرز فکر رکھتا ہے۔ اصولی لحاظ سے ایسے گروہ کو علماء دیوبند میں شامل ہونے کا حق نہیں کیونکہ اکابر کی تصریحات میں ان کے افکار کی گنجائش نہیں مگر یہ لوگ نہ جانے کیوں اپنے دیوبندی ہونے پر مصر ہیں۔ بہر حال ان کا دعویٰ جو بھی ہو حضرت مولانا اور دیگر دیوبندی حضرات نے کبھی ان کو اپنا تسلیم نہیں کیا۔ آپ نے اس سلسلے میں بھی تنگ و تاز کی اور عقیدہ حیات النبی ﷺ کے نام سے ایک

مستقل کتاب اور ”دیوبندی مدارس میں بڑھتا ہوا مسماتی فتنہ“ کے نام سے مستقل مضمون لکھا اور ایک جگہ مکتوب میں لکھا:
 ”میں علماء اہل سنت کے مسلک پر ہوں اور قبور میں حضرات انبیاء کی جسمانی حیات کے منکر کو گمراہ اور اہل سنت و
 الجماعت سے خارج سمجھتا ہوں۔ (یادگار ص ۹۶۱)

یہ تو داخلی فتنوں کی بات تھی اس کے علاوہ خارجی فتنوں میں سے مرزائیت، شیعیت، بوہریت، بریلویت، غیر مقلدیت وغیرہ پر
 بھی آپ نے مستقل تحریریں قلمبند اور شائع کیں۔ ان تمام واقعات اور تحریرات سے ایک چیز قدر مشترک کے طور پر بخوبی ظاہر ہو
 رہی ہے اور وہ ہے آپ کا تعلق اور دین کے ساتھ والہانہ وابستگی۔ اللہ رب العزت ہمیں بھی نیک لوگوں کی افتاء و اتباع کی توفیق
 عطا فرمائے۔ آمین

اسی کے ساتھ ہی آپ کے تفصیلی حالات اختتام پذیر ہوتے ہیں۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ اس ٹوٹی پھوٹی کاوش کو اپنی بارگاہ عالیجاہ میں شرف قبولیت عطا فرمائے۔ اور ریا، عجب، تکبر،
 جیسے امراض سے پناہ عطا فرمائے اور سب سے بڑی بات خاتمہ ایمان پر نصیب فرمائے۔ آمین
 صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد و آلہ و صحبہ اجمعین

شعیب احمد
 ۲ شعبان المعظم ۱۴۳۲ھ
 جامعہ دارالتقویٰ، لاہور

خطبہ کتاب

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي شَرَّفَنَا عَلَى سَائِرِ الْأُمَمِ بِرِسَالَةٍ مَنِ اخْتَصَّ مِنْ بَيْنِ
الْأَنَامِ بِجَوَامِعِ الْكَلِمِ وَجَوَاهِرِ الْحِكَمِ

ترجمہ:

”تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں باقی امتوں پر فضیلت و شرف بخشا، (اور اس شرف کی وجہ یہ ہے کہ) ہمیں اس نبی کی امت میں پیدا کیا جس کو تمام مخلوق سے الگ امتیازی طور پر جوامع الکلم اور داناتی کے ہیرے عطا فرمائے۔“

تشریح:

یعنی تمام کی تمام تعریفیں اور شکر کے جذبات خواہ وہ زبان سے متعلق ہوں یا دل سے یا اعضاء و جوارح سے، یعنی قوی، فعلی اور قلبی ہر طرح کی تعریفات اور ستائش کا حق دار خدا تعالیٰ ہے۔ یوں تو اللہ رب العزت کی ہر نعمت ہی اس قابل ہے کہ اس پر آدمی عمر بھر شکر ادا کرتا رہے، فی الحال یہاں مصنف کے پیش نظر ایک ایسی نعمت ہے جسے وہ امت کی اجتماعی شکل کا ایک جزو اور فرد ہونے کی حیثیت سے نہایت بیش قیمت نعمت سمجھتے ہیں۔ اور وہ نعمت یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے ہم سب کو اپنے سب سے اعلیٰ و اکمل رسول کی امت میں سے ہونے کا شرف بخشا ہے۔ اور اس رسول کی ویسے تو بے شمار خوبیاں اور امتیازی اوصاف ہیں، لیکن فی الحال کتاب کی مناسبت سے اس خوبی کا ذکر کرنا چاہتے ہیں کہ اللہ نے اپنے اس رسول ﷺ کو جوامع الکلم کا وصف امتیازی عطا فرمایا۔ مسلم شریف کی حدیث میں ہے:

”أُعْطِيتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ“ (مسلم شریف رقم: ۵۳۳)

”مجھے اللہ کی طرف سے جوامع الکلم عطا ہوئے اور مجھے کافروں پر رعب کا وصف بخشا گیا ہے۔“

جوامع الکلم ان باتوں کو کہتے ہیں جو دیکھنے میں تو چند الفاظ پر مشتمل ہوں لیکن ان کی گہرائی میں معانی و مطالب کا ایک اتھاہ

سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہو۔

لغوی و صرفی تحقیق:

حمد: مصدر ہے باب حمد محمد بروزن مع - معنی تعریف کرنا۔

شرفنا: شرف فعل ماضی معروف باب تفعیل کا صیغہ ہے، اور تا ضمیر جمع متکلم کی ہے، بمعنی اعزاز بخشنا، عزت دینا۔
سائر: باب فتح یفتح سے اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ جب یہ کسی شے کی طرف مضاف ہو تو اس کا معنی ”باقی“ یا ”دیگر“ ہوتا ہے۔ عموماً اس کا ترجمہ ”تمام“ سے کیا جاتا ہے جو درست نہیں۔ البتہ جب یہ صفت بنے تو پھر اس کا معنی رائج، رواں اور مشہور بھی ہو سکتا ہے۔

الاسم: بروزن فَعَلَ یہ جمع ہے امت کی بمعنی گروہ، طریقہ، رستہ۔ یہاں مراد ہے کسی نبی کی اتباع کرنے والی قوم اور انسانوں کی جماعت جیسے تمام انبیاء کی قومیں اور امتیں۔

رسالة: یہ مفرد ہے اور اس کی جمع رسائل آتی ہے، یہاں یہ حاصل مصدر کے معنوں میں مستعمل ہے، بمعنی نبوت، اور مصدری معنوں میں بھی استعمال کی گنجائش رکھتا ہے، اس صورت میں رسالہ کا معنی ارسال النبی یعنی نبی ﷺ کو بھیجنا ہوگا۔

اختص: فعل ماضی کا صیغہ ہے باب افعال سے، ہفت اقسام کے اعتبار سے مضاعف ثلاثی ہے۔ اصل میں تھا، اختصص، دو حرف ایک جیسے جمع ہو گئے، پہلے کو ساکن کر کے دوسرے میں (مَدَّ والے قانون کے تحت) ادغام کر دیا۔ اس کا معنی ہے، خاص کرنا، ممتاز کرنا، امتیازی حیثیت بخشنا۔

الانام: بروزن فَعَلَ، یہ مفرد ہے جس کی جمع آنام آتی ہے، بمعنی مخلوق۔

جوامع: جمع ہے، جامعہ کی، ایسی چیز جو بہت سی متنوع اشیاء کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہو۔

الكلم: یہ بھی جمع ہے کلمۃ کی، بمعنی بات، بمعنی حرفوں کا مجموعہ۔

جواہر: جمع ہے بروزن فواعل، اس کا مفرد جوہر ہے، جس کے معنی نگینہ اور ہیرا آتے ہیں۔

الحکم: جمع ہے بروزن فَعَلَ، اس کا مفرد حکمہ آتا ہے، دانش اور سمجھداری کی بات کو کہتے ہیں۔

الف لام کی چار قسمیں:

کسی بھی اسم پر جو الف لام داخل ہوتا ہے اس کی اس لفظ کے معنی پر اثر انداز ہونے یا معنی سے متعلق ہونے کے اعتبار سے چار قسمیں ہیں، (۱) جنسی (۲) استغراقی (۳) عہدہ جی (۴) عہدہ خارجی۔

جنسی:

وہ ہے جہاں الف لام کے مدخول یعنی متعلقہ اسم کی ماہیت و حقیقت اور جنس سے بحث ہو، جیسے ”الرجل خیر من المرأة“ ترجمہ: مرد عورت سے بہتر ہے یا ”الاسد حیوان“، یہاں ان دونوں مثالوں میں رجل یا اسد کا کوئی خاص فرد مراد نہیں بلکہ جنس رجل، اور جنس اسد مراد ہے، البتہ جنس ایک مفہوم بسیط ہے جس میں واحد و جمع کی کوئی قید یا تخصیص نہیں ہوتی یعنی ایک شیر پر بھی ان معنوں میں الاسد کا اطلاق کر سکتے ہیں اور زیادہ پر بھی۔

استغراقی:

وہ الف لام ہے جہاں اس متعلقہ اسم کے تمام افراد پر حکم لگتا ہے جیسے ان الانسان لفی خسرو (سورہ عصر ۲) کہ تمام کے تمام انسان خسارے میں ہیں، یہاں نہ کوئی خاص انسان مراد ہے اور نہ ہی انسان کی جنس و ماہیت سے بحث ہے، البتہ افراد انسان سارے مراد ہیں۔

عہد خارجی:

وہ الف لام ہے جہاں الف لام کے مدخل سے کوئی ایک متعین فرد مراد ہوتا ہے، نہ جنس مراد ہوتی ہے اور نہ تمام کے تمام افراد، البتہ اس فرد کا ذکر پہلے کلام میں واضح لفظوں میں آ چکا ہوتا ہے۔ جیسے، ﴿وَارْسَلْنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا، فَعَصَىٰ فِرْعَوْنَ الرَّسُولَ﴾ (سورہ حزل: آیت ۱۶، ۱۵) یہاں الرسول سے مراد وہی رسول ہے جس کا ذکر پہلے نکرہ کی صورت میں ہو چکا ہے یعنی موسیٰ علیہ السلام۔

عہد وحشی:

اور عہد وحشی میں بھی مراد تو ایک متعین فرد ہی ہوتا ہے تاہم اس فرد کا ذکر پہلے لفظوں میں نہیں آیا ہوتا جیسے یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف کو بھائیوں کے ساتھ بھیجنے سے پہلے کہا تھا، ﴿اِخْلُفْ اَنْ يَّاكُلَهُ الذُّنْبُ﴾ (سورہ یوسف: ۱۳) ترجمہ: ”مجھے اندیشہ ہے کہ اسے بھڑیانہ کھا جائے۔“ یہاں ذنب سے مراد نہ تو جنس ذنب ہے اور نہ استغراقی، اور نہ ہی اس ذنب کا پہلے کہیں ذکر ہے اس لیے اس کو عہد وحشی کہتے ہیں۔

الحمد میں الف لام کی کون سی قسم ہے؟ اس بارے میں تین آراء ہیں، (۱) جنسی (۲) استغراقی (۳) عہد وحشی۔ اور ہر ایک کی اپنی اپنی ترجیحات اور توجہات ہیں، جس کے لیے تفسیر کی کسی بڑی کتاب کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلَىٰ اٰلِهِ وَصَحْبِهِ وَيَبَارَكَ وَسَلَّم مَا نَطَقَ اللّٰسَانُ بِمَدْحِهِ
وَنَسَخَ الْقَلَمُ

ترجمہ:

”اللہ رب العزت کی رحمتیں نازل ہوں اس مہستی پر اور اس کے آل پر اور اس کے اصحاب پر، اور برکتیں اور سلام نازل ہوں، جب تک کہ زبان اس کی مدح سرائی میں مشغول رہے اور قلم لکھتا رہے۔“

تشریح:

پہلے اللہ کی تعریف اور حمد و ثناء بیان کی ہے اب اس کے بعد رسول خدا حبیب کبریا محمد مصطفیٰ، احمد بھی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے لیے اللہ رب العزت کے دربار میں مصنف محمد مجز و نیاز دعائے رحمت کرتے ہیں۔

واضح رہے کہ صلوٰۃ علی النبی کی نسبت جب حق تعالیٰ کی طرف ہو تو اس سے مراد ہوتا ہے رحمت و برکت کا نزول، اور جب فرشتوں یا بندوں کی طرف نسبت ہو تو اس سے مراد دعائے رحمت ہوتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے لیے درود اور دعائے رحمت کرتے ہوئے اہل سنت اس بات کا اہتمام کرتے ہیں کہ آپ کے ساتھ ہمیشہ آپ کی آل و اولاد اور صحابہ کا ذکر کیا جائے (کیونکہ اہل سنت کے ہاں صحابہ کرام اور اہل بیت ایک ہی مجلس کے لوگ ہیں) جبکہ شیعہ چونکہ صحابہ سے بغض رکھتے ہیں اس لیے وہ صحابہ کا ذکر نہیں کرتے صرف "اللہم صل علی محمد و آل محمد" کہتے ہیں، اسی لیے مصنف نے اہل سنت کے طریقے و اتباع کرتے ہوئے درود میں آل و اصحاب دونوں کا ذکر کیا ہے۔

مصنف نے درود و سلام کی دعا کو بڑے خوبصورت پیرائے میں طول اور دوام دیا ہے کیونکہ انہوں نے یہ فرمایا ہے کہ جب تک زبان رسول عربی کی تعریف میں مشغول رہے اور جب تک قلم ان کے اوصاف عالیہ بیان کرتا رہے تب تک رحمت کا نزول ہوتا رہے، اور یہ دونوں کام ظاہر ہے جب تک دنیا موجود ہے مسلمان موجود ہیں اسلام موجود ہے ہوتے رہیں گے، اس لیے درود کا نزول بھی ہوتا رہے گا۔

لغوی و صرفی تحقیق:

صلی: فعل ماضی کا صیغہ ہے، باب تفعیل سے، ہفت اقسام کے اعتبار سے ناقص واوی ہے، بمعنی نماز پڑھنا، درود پڑھنا، رحمت بھیجنا۔ دعائے رحمت کرنا۔

آل: اہل و عیال، اس کا استعمال صرف معزز لوگوں میں ہی ہوتا ہے خواہ عزت دینی حیثیت ہو یا دنیوی سے جیسے آل النبی، آل فرعون۔ (مباح)

صحاب: جمع ہے صاحب کی، بمعنی ساتھی، یہاں مراد صحابہ کرام ہیں، اور صحابی اس شخص کو کہتے ہیں کہ جس نے ایمان کی حالت میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی ہو اور ایمان کی حالت پر اس کا انتقال ہوا ہو۔

بارک: فعل ماضی ہے، باب مفاعلہ سے، ہفت اقسام کے اعتبار سے صحیح ہے، اس کا مجرد برکت ہے، برکت کا ایک مطلب توبہ ہوتا ہے کہ چیز کے اجزاء میں اضافہ ہو جائے اور دوسرا مطلب یہ ہوتا ہے کہ چیز جتنی بھی ہے وہ کفایت کر جائے اور اس سے متعلقہ ضروریات پوری ہو جائیں۔

سلم: باب تفعیل سے ماضی کا صیغہ ہے، اس کا مجرد سلام ہے، معنی ہے سلام بھیجنا، سلام کرنا۔

نطق: فعل ماضی ہے بمعنی گفتگو کرنا، بولنا۔

اللسان: بمعنی زبان مفرد ہے، جس کی جمع لسان، اور اللہ آتی ہے۔ اس کا اطلاق منہ میں گوشت کے لوتھڑے پر بھی ہوتا

ہے، جو یہاں مراد ہے، اور لغت و بولی پر بھی۔

نسخ: فعل ماضی ہے بمعنی ختم کرنا، لکھنا، نقل کرنا، اسی سے ہے نسخ، نسخہ، نسخ۔

القلم: مفرد ہے جس کی جمع اقلام آتی ہے اصل میں اس لکڑی کو کہتے ہیں جس سے لکھنے کا کام لیا جائے لیکن بعد میں ہر وہ چیز قلم کا مصداق بنی جو لکھنے کے کام آتی ہو۔

أَمَّا بَعْدُ! فَهَذَا كِتَابٌ وَجِيزٌ مُنْتَخَبٌ مِنْ كَلَامِ الشَّافِعِ الْعَزِيزِ اِقْتَبَسَتْهُ
مِنَ الْكِتَابِ اللَّامِعِ الصَّبِيحِ الْمَعْرُوفِ بِمَشْكُوتِ الْمَصَابِيحِ وَاسْمِيَّتُهُ
”زَادَ الطَّالِبِينَ مِنْ كَلَامِ رَسُولِ رَبِّ الْعَالَمِينَ“

توجہ:

”حمد و صلوة کے بعد ایہ ایک مختصر کتاب ہے، جو رسول اکرم شافع اعظم رضی اللہ عنہ کے کلام سے منتخب کی گئی ہے، اس کو میں نے ایک بڑی روشن اور چمک دار کتاب سے اخذ کیا ہے، جو مشکوٰۃ المصابیح کے نام سے معروف ہے۔ اور اس کتاب کا نام میں نے زاد الطالبيين من کلام رسول رب العالمين رکھا ہے، یعنی رسول خدا کے کلام بابرکت سے طلبہ علوم نبوت کا توشہ اور زاد راہ۔“

تشریح و تحقیق:

اما: حرف شرط ہے، جو یا تو پہلے سے موجود بات میں کسی اجمال کی تفصیل کے لیے آتا ہے جیسے قرآن پاک میں ہے ﴿فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَسَعِيدٌ فَأَمَّا الَّذِينَ شَقُوا فَهُمْ الْغَارُ﴾ (سورة هود: ۱۰۵، ۱۰۶) ترجمہ: ان میں سے بعض لوگ بد بخت ہیں اور بعض نیک بخت، رہے وہ لوگ جو بد بخت ہوئے تو وہ آگ میں ہوں گے۔

یا امّا پچھلے اجمال کی تفصیل کے لیے نہیں بلکہ کسی بھی نئی بات کی ابتداء یعنی استئناف کے لیے آتا ہے۔ یہاں چونکہ پہلے کوئی اجمال اور تقسیم نہیں اس لیے یہ ”امّا“ لامحالہ استئناف کے لیے ہوگا۔

بعد: مبنی بر ضمہ ہے، اس لیے کہ یہاں یہ مضاف ہے اور اس کا مضاف الیہ محذوف ہے، اصل میں تھا بعد الحمد والصلوة۔

فہذا کتاب:

سوال:

کتاب تو عرف میں بڑی تحریر کو کہتے ہیں جو کم از کم ایک سو سے زائد صفحات پر مشتمل ہو مصنف کی یہ تحریر تو بمشکل ۸۰ صفحات پر مشتمل ہے اسے کتاب کیوں کہا گیا ہے؟ اسے تو رسالہ کہنا زیادہ مناسب ہے؟

جواب:

اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ یہاں کتاب کا لفظ معروف معنوں میں استعمال نہیں ہوا بلکہ لغوی معنوں میں استعمال ہوا ہے،

اور لغوی معنی اس کا ہے مکتوب اور کوئی بھی لکھی ہوئی تحریر اور نوشتہ، اس معنی میں چند درقوں پر مشتمل تحریر کو بھی کتاب کہہ سکتے ہیں۔ اور دوسرا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے مصنف نے اس تحریر اور رسالے کو کتاب اس لیے کہا ہو کہ اگر اس کے مفہیم و معانی، اور مطالب و مقاصد کو پھیلایا جائے تو وہ یقیناً کئی ضخیم مجلدات کا تقاضا کرتے ہیں۔

مشکوٰۃ المصابیح

مشکوٰۃ المصابیح، حدیث کی منتخبات میں سے ایک بہترین انتخاب ہے یعنی اس کا شمار حدیث کی ان کتابوں میں ہوتا ہے جن میں صاحب کتاب اور مصنف نے احادیث اور مرویات اپنے سلسلہ سند سے نقل نہیں کی ہوئیں بلکہ پہلے سے موجود کتابوں سے احادیث نقل کر کے ان کا حوالہ دیا ہوتا ہے، جیسے ریاض الصالحین، اور اسی طرح ہماری زاد الطالبین وغیرہ۔ ایسی کتب حدیث کو باواسطہ کتب حدیث کا نام دیتے ہیں اور وہ کتابیں جن میں مصنف اپنے سے لے کر رسول اللہ ﷺ تک اپنی سند سے روایات نقل کرتے ہیں ان کو بلا واسطہ کتب حدیث کہتے ہیں جیسے بخاری، مسلم، طحاوی، ابوداؤد، ترمذی، بیہقی وغیرہ۔

مشکوٰۃ المصابیح ہندوپاک کے دینی نصاب تعلیم میں قدیم زمانے سے چلی آ رہی ہے۔ آج کل وفاق کے نصاب میں موقوف ملیہ (آخری سے پہلے والے) سال میں داخل درس ہے۔ مصنف زاد الطالبین نے اسی کتاب سے مختلف قسم کی احادیث لے کر انہیں اپنی ترتیب سے اکٹھا کر دیا ہے۔

”الْفَاظُ قَصِيرٌ وَمَعَانِيهِ كَثِيرَةٌ يَتَنَصَّرُ بِهِ مَنْ قَرَأَهُ وَحَفِظَهُ وَيَبْتَهِجُ بِهِ مَنْ دَرَسَهُ وَسَمِعَهُ وَرَتَبْتُهُ عَلَى الْبَائِسِينَ يَنْفَعُهُمَا فِي الدَّارَيْنِ“

ترجمہ:

”اس کے الفاظ تھوڑے ہیں اور اس کے مطالب اور معانی بہت زیادہ ہیں جو اس کو پڑھے گا اور یاد کرے گا وہ سرسبز و شاداب ہوگا، اور جو اسے چھائے گا اور سنے گا، وہ شادال و فراہاں ہوگا۔ اس کتاب کو میں نے دو ابواب میں ترتیب دیا ہے، جن کا نفع دنیا و آخرت دونوں میں ہوگا۔“

تشریح:

اس کتاب میں مصنف کے پیش نظر مختصر اور پر مغز احادیث ہیں، اور مصنف کا مقصد یہ ہے کہ طلبہ ان احادیث کو اپنے خالی اذہان میں نقش اول کے طور پر لیں اور اسے یاد کریں، اور نتیجہ میں اس بشارت نبوی کے مصداق بنیں جس میں آپ نے یہ فرمایا ہے۔

نَصَرَ اللَّهُ عَبْدًا سَمِعَ مَقَالَتِي فَحَفِظَهَا وَعَاَهَا وَأَدَّاهَا۔ (مسند احمد: ۱۶۷۳۸)

اللہ اس بندے کو خوش و خرم اور سرسبز و شاداب رکھے جس نے میری بات (حدیث) کو سنا، اسے محفوظ کیا اور اس کو آگے پہنچا دیا۔ اس کتاب کے دو باب ہیں، پہلے باب میں جوامع الکلم ہیں، اور دوسرے باب میں حکایات و قصص ہیں۔

وَاللّٰهُ اَسْتَلُّ اَنْ يَجْعَلَهُ خَالِصًا لِّوَجْهِهِ الْكَرِيْمِ وَسَبِيًّا لِّدُخُوْلِ دَارِ النَّعِيْمِ فَاِنَّهُ وَاَسْعُ الْمَغْفِرَةِ وَاِنَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔

ترجمہ:

”میں اللہ ہی سے یہ دعا اور سوال کرتا ہوں کہ وہ اس کاوش اور عمل کو خالص اپنی رضا کا ذریعہ بنائے اور اسے میرے لیے دخولِ جنت کا سبب بنائے، بیشک وہ اللہ وسیع مغفرت والا اور بڑے فضل کا مالک ہے۔

☆ مصنف نے لفظ اللہ کو مقدم کیا ہے حالانکہ لفظ اللہ مفعول بہ ہے اور مفعول بہ کا عام اصول یہ ہے کہ فعل اور فاعل کے بعد آتا ہے جیسے ضَرْبَ زَيْدٍ عَمْرًا۔ اس میں مصنف کے پیش نظر یہ ہے کہ وہ کلام میں تاکید زور اور حصر پیدا کریں، یعنی میرا مسئلہ اللہ ہی ہے اور میرا سوال اللہ ہی سے ہے کسی اور سے نہیں۔ اس لیے کہ ضابطہ یہ ہے کہ کلام میں لفظ کو اگر اس کے اصلی مقام سے ہٹا دیا جائے تو اس سے کلام میں تاکید اور زور پیدا ہوتا ہے۔

☆ دارا النعیم: کا مطلب ہے نعمتوں کا گھر، جنت کو دار النعیم کہتے ہیں اس لیے کہ وہاں صرف نعمت ہی نعمت ہے وہاں تکلیف اور پریشانی کسی حالت میں بھی نہیں، قرآن پاک میں ہے، ﴿لَا يَتَسَوَّوْنَ فِيهَا نَصَبٌ﴾ (سورۃ الحج: ۴۸) ترجمہ جنتوں کو جنت میں تکلیف نام کی کوئی چیز بھی نہیں ہوگی۔

البَابُ الْأَوَّلُ

فِي جَوَامِعِ الْكَلِمِ وَمَنَابِعِ الْحِكْمِ وَالْمَوَاعِظِ الْحَسَنَةِ

پہلا باب

”پہلا باب پر مغز مگر مختصر کلمات، حکمت کے سرچشموں اور چھی اچھی نصیحت کی باتوں کے بارے میں ہے۔“

لغوی و صرفی تحقیق:

باب مفرد ہے جس کی جمع ابواب آتی ہے۔ باب لغت کی رو سے دروازے کو کہتے ہیں اور اس میں ہر وہ چیز شامل ہوتی ہے جس کے ذریعے دوسری چیز تک رسائی حاصل ہو۔ یعنی کسی چیز تک پہنچنے کا بنیادی ذریعہ باب کہلاتا ہے، اسی وجہ سے حدیث شریف میں آتا ہے: اَنَا مَدِينَةُ الْعِلْمِ وَعَلَيْهَا بَابُهَا (کنز العمال: ۳۲۸۹۰) کہ میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں۔ اور علمی اصطلاح و عرف میں باب ان چند مسائل اور باتوں کا مجموعہ ہوتا ہے، جن میں باہم اشتراک ہو اور ان میں بنیادی بات یکساں ہو۔ جیسے باب الغسل، باب الوضوء وغیرہ کہ ان ابواب میں جتنے بھی مسائل ذکر کیے جائیں گے وہ سب اگرچہ متنوع ہو سکتے ہیں تاہم ان سب میں قدر مشترک یعنی وضو اور غسل سے تعلق یکساں ہے۔ اسی حقیقت یا بات کو آپ خالص علمی اصطلاح میں یوں تعبیر کر سکتے ہیں۔

”البَابُ اِسْمٌ لِّجُمْلَةٍ مُّخْتَصَّةٍ مِنَ الْعِلْمِ“

یعنی باب ایسی چند علمی چیزوں کا نام ہے جو یک گونہ اختصاص کی حامل ہوں۔

الاول: مفرد ہے جس کی جمع اوائل اور مؤنث اول ہے جس کی جمع اولیات ہے۔ (دیکھئے معجم مقاییس اللغة: ۱۵۸)

الاول کی لغوی حیثیت اور صرفی تحقیق کے حوالے سے اختلاف ہے۔ ظیل نحوی کا کہنا یہ ہے کہ اول کا اصل اور مادہ ہمزہ واؤ اور لام ہے، یعنی اس کے حروف اصی ا۔ و۔ ل۔ ہیں۔ چنانچہ اس اعتبار اول کا صرفی وزن فَعْلٌ ہوگا جبکہ کچھ دیگر نحوویوں کا خیال یہ ہے کہ اول کی اصل اور بنیادی حروف و۔ و۔ ل۔ ہیں، چنانچہ اس اعتبار سے اول کا وزن اَفْعَلٌ ہوگا۔ اس بارے میں ظیل کی تحقیق کو ترجیح حاصل ہے۔ (دیکھئے لغات القرآن: ۱/۲۹۷ اور المحیط فی اللغة: ۱۹۶)

الاول نحو کے لحاظ سے منصرف بھی استعمال ہوتا ہے یعنی اس پر تنوین اور کسرہ آسکتے ہیں، اور غیر منصرف بھی استعمال ہوتا ہے، یعنی اس صورت میں اس پر تنوین اور کسرہ کا آنا ممکن نہیں۔ اس کا ضابطہ یہ ہے جب اول کا کلمہ کسی کی صفت بن رہا ہو تو یہ غیر منصرف ہوگا جیسے لَقَبْتُهُ عَامًّا اَوَّلًا۔ یہاں عاماً موصوف ہے اور اول صفت ہے، اس لیے اس پر تنوین نہیں آئے گی

حالانکہ عاماً پرتوئیں موجود ہے اور نحوی قاعدے کی رو سے موصوف صفت کے اعراب ایک ہونے چاہئیں اور اگر اول صفت نہ بن رہا ہو تو اس پرتوئیں آ سکتی ہے، جیسے مَا رَأَيْتُ لَهُ أَوْلًا وَلَا آخِرًا (دیکھئے، کتاب العین للفرہیدی: ۱۷۵)

جوامع جمع ہے فواعل کے وزن پر اور اس کا مفرد جامعة ہے، اس سے مراد وہ چیز ہے جو متنوع اور مختلف قسم کی اشیاء و اپنے اندر سموئے ہوئے ہو۔ اسی وجہ سے جدید عرف میں یونیورسٹی کو بھی جامعہ کہتے ہیں کہ وہاں بہت سے کلیات اور علوم و فنون کے شعبے یکجا ہوتے ہیں۔ یہاں اس سے مراد وہ کلمہ یا بات ہے جو بہت سارے معانی و مفہام اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہو، اور کمال اس میں یہ ہو کہ اس کے الفاظ زیادہ نہ ہوں، یعنی دوسرے لفظوں میں جوامع الکلم کو آپ دریا بکوزہ سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں کہ معانی و مفہام اور مطالب و مقاصد کا ایک اتھاہ سمندر چند مختصر سے کلمات اور جملوں میں یوں بند کر دینا کہ صدیاں بیت جائیں اور علماء اپنے علم اور فہم کی بنیاد پر ان کی تشریح کرتے رہیں اور پھر بھی یہ کہیں نہ "حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا"

نبی کریم ﷺ نے جہاں اللہ کی طرف سے ملنے والی دیگر خصوصیات اور امتیازات کا ذکر کیا ہے وہیں اپنے لیے یہ بھی فرمایا: "وَأُعْطِيتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ" یعنی مجھے جوامع الکلم عطا کیے گئے ہیں۔ یہاں باب کی پیشانی میں لکھے ہوئے لفظ سے یہی پہلو مقصود ہے۔

الکلم: جمع ہے کلمۃ کی بمعنی بات، گفتگو، قرآن پاک میں ہے ﴿إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ﴾ (سورہ فاطر: ۱۰) منابع: منابع جمع ہے منبع کی۔ منبع کا لفظ اردو میں بھی مستعمل ہے۔ اردو عربی دونوں میں اس کا مطلب یکساں ہے، یعنی سرچشمہ، فوارہ، جہاں سے پانی پھوٹتا ہے۔

الحکم: حکمت کی جمع ہے، مطلب ہے سمجھداری کی باتیں، اور دانائی کے اقوال جسے اقوال زریں کہہ سکتے ہیں۔ المواعظ: موعظۃ کی جمع ہے موعظ و عظ سے بنا ہوا لفظ ہے جس کا مطلب ہے نصیحت اور تلقین۔ الحسنة: حسن صفت مشبہ کی مؤنث ہے، بمعنی خوبصورت، دلکش، عمدہ۔

قرآن پاک میں ہے: ﴿أَذْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ﴾ (سورہ نحل: ۱۲۵)

خلاصہ:

خلاصہ یہ ہے کہ کتاب کے اس پہلے باب میں نبوت کے پرانوار سینے سے نکلنے والے پر مغز اور جامع کلمات کا ذکر ہوگا، جو کہ حکمت سے لبریز ہیں اور دانائی و دانش ان سے ٹپک رہی ہے اور ان باتوں کا انداز بیان اتنا دلکش ہے کہ آفریں آفریں کہنے کو دل چاہتا ہے۔

توکب:

الباب موصوف الاول صفت۔ موصوف صفت سے مل کر مبتدا۔ فی حرف جار جوامع مضاف الکلم مضاف الیہ۔ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر معطوف علیہ و حرف عطف منابع مضاف الحکم مضاف الیہ۔ مضاف اپنے مضاف

الیہ سے مل کر معطوف ہوا جوامع الکلم کا۔ اور معطوف علیہ ہوا آنے والے جملے کا و حرف عطف الموعظ موصوف الحسنہ صفت، موصوف صفت سے مل کر معطوف۔ پھر معطوف علیہ اپنے تینوں معطوفات سے مل کر مجرور ہوا فی حرف جر کا۔ فی حرف جر اپنے مجرور سے مل کر متعلق ہوا شبہ فعل کائن یا ثابت محذوف کا۔ ثابت شبہ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر خبر ہوئی الباب الاو کی شکل میں بننے والے مبتدا کی۔ پھر مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو گیا۔

① اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے

((قَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا لِامْرِئٍ مَّا نَوَىٰ فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ فَهِجْرَتُهُ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَىٰ دُنْيَا يُصِيبُهَا أَوْ امْرَأَةٍ يَتَزَوَّجُهَا فَهِجْرَتُهُ إِلَىٰ مَا هَاجَرَ إِلَيْهَا))

ترجمہ:

”نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے، اور آدمی کے لیے وہی کچھ ہے جس کی وہ نیت کرے، چنانچہ جس کی ہجرت اللہ اور رسول کی طرف ہو تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہے۔ اور جس کی ہجرت دنیا کے حصول کے لیے ہو یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے لیے ہو، تو اس کی ہجرت انہی چیزوں کی طرف ہے جس کی طرف اس نے ہجرت کی۔“

مذکورہ حدیث کی اہمیت:

یہ حدیث اسلامی علمی ذخیرے میں انتہائی بنیادی اہمیت کی حامل ہے کیونکہ اس میں انسانی زندگی کے تمام قسم کے اعمال اور سرگرمیوں کا احاطہ کر لیا گیا ہے، اور ظاہر ہے کہ انسان کے جذبات اور ارادوں کا اس کی عملی زندگی اور حرکات و سکنات کے ساتھ گہرا ربط و ضبط اور تعلق ہوتا ہے، اسی وجہ سے امام شافعی اور امام احمد بیضاوی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ایک تہائی علوم و معارف پر مشتمل ہے کیونکہ اس میں دل سے زبان سے اور دیگر اعضاء سے تعلق رکھنے والے تمام قسم کے اعمال کا احاطہ کیا گیا ہے۔ بقول ابن دینق العید اس حدیث کو علماء نے ثلث الاسلام یعنی پورے اسلامی ذخیرے کی ایک تہائی (۱/۳) کا لقب دیا ہے۔ امام ابوداؤد فرماتے ہیں یہ حدیث سمجھداری اور دانش و فقہ کا آدھا حصہ ہے، یعنی اس حدیث کے دائرہ اطلاق اور اس کے نتائج اور اثرات میں اتنی وسعت اور جامعیت ہے کہ اس کے نیچے آدھے علوم سما جاتے ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ اخلاص کے ساتھ کیے ہوئے کام کی شان اور انداز ہی جدا ہوتا ہے اور اس سے زندگی کا رخ ہی بدل جاتا ہے۔

اس حدیث کی اسی اہمیت کے پیش نظر عام طور سے اکثر محدثین اپنی کتب حدیث کی ابتداء میں یہ حدیث لاتے ہیں، جس سے ان کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا بھی ہوتا ہے کہ کوئی بھی آدمی جو علوم شریعت کی منزل کے لیے رخت سفر باندھ رہا ہو

اسے ابتدا میں ہی رک کر اپنا توشہ اور زاد راہ دیکھنا چاہیے کہ اس میں اخلاص اور صمیمیت ہے یا نہیں؟ اور کہیں ایسا تو نہیں کہ علوم شریعت جیسے مقدس کام کے لیے سفر کرتے ہوئے اس کے دل میں رذائل اور دنیا کی محبت اور جاہ و منصب کی طلب ہو۔ اور اگر ایسا ہو تو اس رذیل اور بری خصلت کو اول و پہلے میں کمرچ کر دل سے باہر کرے اور پھر علم کی منزل کا راہی بنے۔

حدیث کا مقصود:

حدیث کی تشریح اور مدعا مقصود تو ترجمے سے واضح ہے کہ آدمی کو ہر حال میں اپنی نیت درست اور اخلاص پر مشتمل رکھنی چاہیے لیکن خاص طور سے دینی کام اور عبادات کے باب میں نیت کا اہتمام اور اخلاص اور بھی زیادہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ ظاہر میں ہم کچھ بھی کریں یا لوگوں کو دکھائیں اصل معاملہ تو اندر کا اور دل کا ہے، اور اللہ کے ہاں سے فیصلے کی بنیاد ہی ہے، اس لیے ایک دوسری حدیث میں آتا ہے: **إِنَّ اللَّهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى صُورَتِكُمْ وَأَمْوَالِكُمْ وَلَكِنْ يَنْظُرُ إِلَى قُلُوبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ**۔ (مسند احمد: ۷۸۲۷)

کہ اللہ رب العزت تمہاری ظاہری شکل و صورت اور مال و دولت کو نہیں دیکھتے وہ تو تمہارے دلوں اور تمہارے اعمال کو دیکھتے ہیں اور نیت کا تعلق دل کی گہرائیوں سے ہے اور اللہ عظیم بذات الصدور ہے۔
يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ (سورہ غافر: ۱۹)

یہ تو حدیث مبارکہ کا بنیادی اور مرکزی نکتہ اور مدعا ہے، باقی رہی الفاظ کے تاثر میں تشریح تو اس کے لیے حدیث کے شان و رد کو دیکھنا ضروری ہے، جو یہ ہے۔

شان و رد / پس منظر:

بہت سی احادیث مبارکہ ایسی ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے سامنے کوئی واقعہ ہوا یا کسی شخص نے کوئی کام کیا جس کی نسبت سے آپ نے کچھ کلمات ارشاد فرمائے چنانچہ اس واقعے کو اس ارشاد اور حدیث کا شان و رد کہتے ہیں۔ اور قرآنی آیت سے متعلق احوال اور پس منظر کو شان نزول کہتے ہیں، شان و رد سے حدیث کو سمجھنے میں بہت مدد ملتی ہے۔

مذکورہ حدیث بھی ان احادیث میں سے ہے جو کسی خاص پس منظر سے تعلق رکھتی ہیں۔ پس منظر یہ ہے کہ جب آپ ﷺ بہت سے صحابہ سمیت ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو بعد میں مکہ میں بچ جانے والے لوگ آہستہ آہستہ ہجرت کر کے مدینہ پہنچنے لگے۔ ایک صاحب مکہ مکرمہ میں تھے، ان سے مدینہ منورہ میں رہائش پذیر ایک عورت نے کہا کہ اگر تم ہجرت کر کے مدینہ آ جاؤ تو میں تمہارے ساتھ نکاح کر لوں گی، چنانچہ وہ آ گئے تو اس واقعہ کو سامنے رکھتے ہوئے آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا: اس عورت کا نام چونکہ ام قیس تھا اس لیے وہ صاحب مہاجر ام قیس کے لقب سے مشہور ہو گئے۔ ان کا نام کسی نے ذکر بھی نہیں کیا۔ غالباً تو اخفاء پیش نظر ہو گا۔ یا پھر لقب کی شہرت کی وجہ سے اصل نام پس پردہ چلا گیا ہو گا۔
(دیکھئے تقریر بخاری شیخ الحدیث مولانا ذکریا صاحب رحمہ)

لغوی و صرفی تحقیق:

انما:

انما کا کلمہ مفرد ہے یا مرکب ہے یعنی یہ لفظ ایک جزء پر مشتمل ہے یا دو کلموں سے مل کر بنا ہے اس بارے میں نحو یوں کی دونوں طرح کی آراء موجود ہیں۔ مفرد ہونے کی صورت میں تو بات واضح ہے، البتہ مرکب ہونے کی صورت میں اگلا سوال یہ ہے کہ یہ کن کن اجزاء پر مشتمل ہے۔ ایک رائے یہ ہے کہ "ان" حرف مشبہ بالفعل میں سے ہے اور ما کافہ (روکنے والا) ہے یعنی اس نے ان کو عمل کرنے سے روک دیا کیونکہ کف روکنے کو کہتے ہیں۔

اور دوسری رائے میں ما کافہ کی بجائے زائدہ ہے، یعنی جو کسی طرح کا عمل اور معنی نہیں رکھتا اور تیسری رائے یہ ہے کہ مانافہ ہے یعنی یہاں پر مانہیں کے معنوں میں استعمال ہو رہا ہے اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا بے شک نہیں۔ مگر جب دونوں حروف یعنی ان اور مانافہ کو ملا یا جائے گا تو اس میں حصر کا معنی پیدا ہوگا۔ حصر کا مطلب ہوتا ہے خاص کر دینا، محدود کر دینا۔ یعنی صرف یہی کام یا یہی بات ہے۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں اسی وجہ سے انما کا ترجمہ فارسی میں "جزائیں نیست" سے کیا جاتا ہے۔

عمل اور فعل کا فرق:

الاعمال: اعمال جمع ہے جس کا مفرد اور واحد عمل ہے۔ یہاں دو ملتے جلتے لفظ ہیں۔ ایک فعل اور دوسرا عمل۔ عام طور سے ان کو ایک ہی سمجھا جاتا ہے، تاہم اگر غور کیا جائے تو ان میں فرق موجود ہے، چنانچہ فعل تو ہر طرح کے کام کو کہہ سکتے ہیں چاہے وہ اختیار اور ارادے کے ساتھ کیا جائے یا بلا اختیار و قصد کیا جائے۔ چنانچہ جانوروں کے فعل کو بھی فعل کہہ سکتے ہیں، جبکہ عمل میں شعور، ارادہ اور قصد ملحوظ ہوتا ہے، اور بقول علامہ کشمیری **رأى** عمل وہ ہے جس میں کسی نہ کسی درجے میں آدمی کو مشقت اور تنگ دو سے کام لینا پڑتا ہے جبکہ فعل میں ایسا نہیں ہوتا۔

النیات: جمع ہے جس کا مفرد نیت ہے اور نیت اس مقصد و ارادے کو کہتے ہیں جس کی وجہ ہم اپنے سامنے موجود کئی ساری چیزوں میں سے کسی ایک چیز کو اپنے مقصد کے طور پر متعین کر لیتے ہیں۔ وہ اشیاء چاہے عبادت کی شکل میں ہوں یا عادت کی شکل میں ہوں یا ایک طرف حق تعالیٰ کی ذات ہو اور دوسری طرف غیر اللہ ہو ایسی متضاد اور مختلف چیزوں میں سے کسی ایک چیز کو ہم اپنی نیت سے متعین کر لیتے ہیں کہ میرا مقصد کیا ہے۔ اس لحاظ سے (یعنی اپنی نیت کو ایک طرف متعین طور سے لگانے کے لحاظ سے) یہ اخلاص کے مرادف وہم معنی ہوگا۔

امری: بمعنی مرد، آدمی، شخص۔ اس کے بارے میں تین قسم کی لغات ہیں زیادہ فصیح اور صحیح یہ ہے کہ جو اعراب بھی آخر میں موجود ہمزہ پر آئے گا وہی راہ پر بھی آئے گا۔ چنانچہ یوں کہیں گے۔ **هَذَا امْرُؤٌ، رَأَيْتُ امْرَأً وَ مَرَدْتُ بِامْرِئٍ**، بلکہ اعراب کے بدلنے سے آخری حرف کی شکل بھی بدلتی رہے گی۔ چنانچہ مرفوع ہونے کی حالت میں ہمزہ واؤ کے ساتھ ہوگا اور

منسوب ہونے کی صورت میں الف کی شکل میں جبکہ مجرد ہونے کی صورت میں ی کی صورت میں ہوگا۔

(دیکھئے المحیط فی اللغة ۱۴۵)

نوی: فعل ہے، لایف مقرون سے۔ نیت سے مشتق ہے بمعنی قصد کرنا، ارادہ کرنا، مقصود بنانا۔

ہجرت: ہجرت کا لغوی معنی ہے ترک کرنا، چھوڑنا، دور ہونا، ہجر و فراق اسی سے ہے اور شریعت کی اصطلاح میں ہجرت سے مراد ہے کافروں کے ملک سے جہاں اسلامی احکام پر عمل پیرا ہونا اور مکمل طور سے اسلام کے مطابق زندگی گزارنا مشکل ہو، دارالاسلام کی طرف چلے جانا۔

دنیا: فاعلی کے وزن پر اسم تفضیل مؤنث کا صیغہ ہے اور اس کی اصل اور مادہ اشتقاق کے بارے میں دورائے ہیں۔

۱۔ اس کی اصل دَنَو ہے جس کا مطلب ہوتا ہے قریب ہونا۔ دنیا کی اس زندگی کو دنیا اس لیے کہتے ہیں کہ یہ ہمارے لیے آخرت کے اعتبار سے قریب ہے یعنی زمانے کے اعتبار سے پہلے دنیا ہے اور پھر آخرت ہوگی۔

۲۔ اس کی اصل دَنَّا سے ہے، جس کا مطلب ہوتا ہے گھنیا پن، کم تر، ذلیل اور چونکہ دنیا آخرت کی نسبت گھنیا ہے اس لیے اس کو دنیا کہتے ہیں۔ اور دنیا کا مصداق اور مفہوم یہ سارا مادی عالم ہے جو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے اور صوفیا کے ہاں بردہ چیز دنیا ہے جو انسان کو اللہ سے غافل کر دے۔

اِمْرَاة: مؤنث ہے امرء کی بمعنی عورت، اس میں امرء والی لغات نہیں۔ یہ ہر صورت میں ایک ہی شکل پر رہتی ہے البتہ اعراب تبدیل ہو جاتا ہے اور چونکہ یہ مفرد منصرف صحیح ہے اس لیے رفع، نصب اور جر میں اعراب بالحرکت ہوتے ہیں۔

یتزوج: باب تفعیل سے ہے جس کا اصل مادہ اور ماخذ اشتقاق، زَوَج ہے۔ جب ایک مرد اور عورت کسی قانون اور شرعی ضابطے سے اپنی معاشرتی اور اجتماعی زندگی کا آغاز کرتے ہیں تو اسے تزوج یا علاقہ زوجیت کہتے ہیں، مطلب ہے شادی کرنا۔

ترکیب:

قال النبی ﷺ

قال فعل ہے اور النبی اس کا فاعل۔ فعل فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر قول۔ اس کے بعد صلی فعل ہے اور لفظ اللہ اس کا فاعل۔ علی جار اور ہو ضمیر مجرور متصل۔ جار مجرور سے مل کر متعلق صلی فعل کے۔ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ۔ و حرف عطف سلم فعل ہو ضمیر اس کے اندر فاعل جو کہ راجع ہے لفظ اللہ کی طرف۔ فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف اور پھر معطوف علیہ سے مل کر جملہ دعائیہ مقررہ ہوا۔

انما: کلمہ حصر۔ الاعمال مبتداء با حرف جار النیات مجرور جار مجرور سے مل کر متعلق ہوا، مقبولة شبه فعل کے۔ شبه فعل اپنے نائب فاعل اور متعلق سے مل کر خبر ہوئی مبتدا کی۔ مبتدا خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو گیا۔

وانما: واؤ حرف عطف انما کلمہ صر لا مری میں لام حرف جار امری مجرور جار مجرور متعلق ہوا یکنون فعل محذوف کے یکنون فعل محذوف اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر خبر مقدم ہوئی آگے آنے والے مبتداء کی۔ ما موصولہ نوی فعل ہو ضمیر مستتر اس کا فاعل۔ فعل فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ ہوا موصول کا۔ موصول صلہ کر مبتداء ہوا خبر مقدم کا۔ خبر مبتداء ل کر جملہ اسمیہ خبریہ بن گیا۔

فمن: فاء تفریغیہ، یا استثنائیہ، من شرطیہ کانت فعل از افعال ناقصہ ہجرتہ ہجرتہ مضاف ہ ضمیر مجرور متصل مضاف الیہ۔ مضاف مضاف الیہ سے مل کر اسم ہوا کانت فعل ناقص کا۔ الی حرف جار لفظ اللہ مجرور۔ جار مجرور مل کر معطوف علیہ و حرف عطف رسول مضاف ہ ضمیر مضاف الیہ۔ مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف۔ معطوف معطوف علیہ مل کر مجرور ہوئے الی حرف جار کے۔ جار مجرور مل کر متعلق ہوا کائنۃ شہ فعل محذوف کے۔ کائنۃ اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر خبر ہوئی کانت فعل ناقص کی۔ کانت فعل ناقص اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ انشائیہ ہو کر شرط بن گئی آنے والی جزاء کی۔

فہجرتہ فا جزائیہ ہجرتہ مضاف، ہ ضمیر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مبتداء الی حرف جار لفظ اللہ اور رسولہ سابقہ طریقے سے مجرور جار مجرور متعلق کائنۃ کے۔ شہ فعل اپنے فاعل سے مل کر خبر ہوئی ہجرتہ مبتداء کی۔ مبتداء خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر جزاء ہوئی شرط کی۔ شرط اور جزاء مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ ہو گیا۔ اور پھر آگے آنے والے اسی جیسے جملے کے لیے معطوف علیہ بن گیا۔

ومن واؤ حرف عطف، من شرطیہ کانت فعل ناقص ہجرتہ اس کا اسم اور الی حرف جار دنیا موصوف یصیب فعل ہا ضمیر منصوب مفعول بہ ضمیر مستتر ہے یصیب کے اندر فاعل ہے۔ یصیب فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر مفت دنیا موصوف کی / موصوف مفت مل کر معطوف علیہ ہوا آنے والے جملے کے لیے۔

او امرأۃ او حرف عطف برائے تنويع، امرأۃ موصوف یتزوج فعل با فاعل ہا منصوب متصل مفعول بہ۔ فعل مع فاعل ومفعول بہ جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر مفت۔ موصوف مفت سے مل کر معطوف پچھلے جملے کے لیے۔ معطوف معطوف علیہ مل کر مجرور ہوئے الی حرف جار کے، جار مجرور متعلق ہوئے کائنۃ شہ فعل محذوف کے۔ کائنۃ فعل ناقص اپنے اسم اور خبر سے مل کر شرط بن گئی آنے والے جزاء کی۔

فہجرتہ: فا جزائیہ ہجرتہ مضاف مضاف الیہ مل کر مبتداء۔ الی حرف جار ما اسم موصول۔ ہاجر فعل ہو ضمیر مستتر اس کا فاعل الیہ الی حرف جار ہ ضمیر مجرور متصل۔ جار مجرور متعلق ہاجر فعل کے۔ فعل فاعل سے مل کر صلہ ہوا اسم موصول کا۔ موصول صلہ کر مجرور ہوئے۔ اور جار مجرور متعلق ہوئے کائنۃ شہ فعل محذوف کے۔ شہ فعل اپنے فاعل اور مجرور متعلق سے مل کر خبر مبتداء کی۔ مبتداء خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر جزاء ہوئی پچھلی شرط کی۔ شرط جزاء سے مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ ہو گیا۔

یہاں تک رکھنا چاہیں تو بھی آسان ہے اور اگر آپ فمن کانت ہجرتہ الخ اور دوسرے ومن کانت ہجرتہ الخ

الْجُمْلَةُ الْإِسْمِيَّةُ

جملہ اسمیہ

اس باب میں وہ احادیث مبارکہ ذکر کی جائیں گی جن کے الفاظ و کلمات نحو کے اعتبار سے جملہ اسمیہ ہیں یعنی ان کا ایک جز، مبتدا اور دوسرا خبر پر مشتمل ہے۔

ترکیب:

الجملة الاسمية موصوف مفت ہے جو یا تو مبتدا بن سکتا ہے یا خبر یعنی مَرَب ناقص ہے، پورا جملہ (مرکب مفید) بنانے کے لیے عبارت محذوف نکالتی پڑے گی۔ قریب ترین عبارت یہ ہے، هَذَا بَابُ الْجُمْلَةِ الْإِسْمِيَّةِ اس میں هذا مبتدا ہوگا، باب مضاف اور الجملة الاسمية مضاف الیہ ہے، مضاف مضاف الیہ سے مل کر خبر ہوگی۔ پھر مبتدا خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوگا۔ مضاف + مضاف الیہ = خبر، مبتدا + خبر = جملہ اسمیہ خبریہ۔

④ دین سراسر خیر خواہی ہے

الَّذِينَ النَّصِيحَةُ

ترجمہ:

”دین خیر خواہی کا نام ہے/ دین سراسر نصیحت ہے۔“

تشریح:

حدیث مبارکہ کی تشریح اور مفہوم و مقصود بیان کرنے سے پہلے یہ جانتا ضروری ہے کہ مذکورہ بالا جملہ حدیث کا ایک جزو ہے، پوری حدیث اس طرح ہے۔

”عَنْ تَيْمِ بْنِ الدَّارِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: الَّذِينَ النَّصِيحَةُ ثَلَاثًا قُلْنَا لِمَنْ؟ قَالَ

لِلَّهِ وَلِكِتَابِهِ وَلِرَسُولِهِ وَلِأَيِّمَةِ الْمُسْلِمِينَ وَعَامَّتِهِمْ۔“ (بخاری شریف حدیث: ۵۶۰)

حضرت تميم داری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے تین دفعہ یہ فرمایا: دین خیر خواہی ہے، دین خیر خواہی ہے، دین خیر خواہی ہے۔ ہم (صحابہ رضی اللہ عنہم) نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کس کی خیر خواہی؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

اللہ کی، اس کی کتاب کی، اس کے رسول کی، اور مسلمانوں کے ائمہ اور راہنماؤں کی اور عام لوگوں کی۔

مذکورہ بالا حدیث جوامع الکلم میں سے ہے اور انتہائی اہمیت کی حامل ہے کیونکہ اس میں رسول اللہ ﷺ نے امت کے تمام افراد سے اس بات کا مطالبہ کیا ہے کہ وہ کسی کے ساتھ بدخواہی اور برا معاملہ نہ کریں، اور زندگی کے تمام قسم کے معاملات میں خواہ وہ حقوق اللہ سے متعلق ہوں یا حقوق العباد سے، ان کا تعلق دینیات سے ہو یا سیاسیات اور معاشرت سے، ان کا معاملہ انفرادی زندگی سے جڑا ہوا ہو یا اجتماعی زندگی سے، ان سب شعبوں میں ایک مسلمان کے لیے دین داری اور دین پر عمل پیرا ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ وہ ان تمام امور میں خیر خواہی اور اخلاص اور حسن معاملہ سے کام لے۔ اس حدیث کی اسی جامعیت اور اہمیت کے پیش نظر علامہ نووی شارح مسلم اور صاحب ریاض الصالحین نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث تمام دین کا خلاصہ ہے کیونکہ اس میں دین کے تمام احکام سمیٹ دیئے گئے ہیں۔

خیر خواہی کا مطلب:

اللہ کے معاملے میں خیر خواہی کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام احکامات پر عمل پیرا ہو اور اس کے منع کردہ تمام امور سے بچے، اور کتاب اللہ یعنی قرآن پاک کے معاملے میں خیر خواہی یہ ہے کہ قرآن پاک کا حق پورے اخلاص سے ادا کرے اس کا ظاہری و باطنی ادب کرے، اس کی تلاوت کرے، اس کے احکام کو جانے، ماننے اور ان پر عمل پیرا ہو۔ اور رسول اللہ ﷺ کی خیر خواہی یہ ہے کہ آپ سے انتہاء درجے کی محبت ہو، اور آپ کی اطاعت کو وظیفہ حیات بنائے۔

اور مسلمانوں کے بڑے لوگوں سے مراد اگر تو حکام ہوں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ان کی خیر و نصیحت کی باتیں سوچے ان کے جائز اور مباح احکامات اور فرامین پر عمل کرے کیونکہ مباح کاموں میں مسلمان حاکم کی اطاعت لازم ہے، اور اگر یہ لوگ راہ حق سے ہٹے ہوں تو ان کو مناسب اور موزوں نصیحت سے کام لے اور ان کو راہ راست پر لانے کی ہر ممکن تدبیر سوچے۔ اور اگر ائمہ سے مراد ائمہ دین اور علماء اسلام ہوں تو پھر ان سے خیر خواہی کا مطلب ان سے محبت اور ان کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونا ہوگا کیونکہ علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ اور عام لوگوں سے خیر خواہی یہ ہے کہ ان کی ضروریات کی کفالت کرے، بیمار کی عیادت کرے، جنازے میں شرکت کرے، ان کے بارے میں برائے سوچے، غیبت نہ کرے، کسی کو کسی بھی عمل سے تکلیف نہ پہنچائے، گویا ایک دین دار آدمی اس بات کی عملی تصویر ہوتا ہے:

تمام عمر اسی احتیاط میں گزری کہ آئیناں کسی شاخ چمن پہ بار نہ ہو

لغوی و صربی تحقیق:

الذین لفظ دین، یہ مصدر ہے باب دان یدین دیناً یعنی ضرب یضرب سے۔ لغت کی رو سے دین متعدد معنوں میں استعمال ہوتا ہے، (۱) حساب اور محاسبہ قرآن پاک میں ہے ﴿مالک یوم الدین﴾ (سورہ فاتحہ: ۳) اسی سے ہے (۲) ملکیت (۳) بدلہ، جزاء وغیرہ۔ اور اصطلاح میں دین کا اطلاق ان تمام احکامات پر ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے پر زندگی

گزارنے کے طریقے کے طور پر آتے ہیں، ان معنوں میں یہ شریعت کا اہم معنی ہے۔ دین سماوی دین نصاریٰ، یہود وغیرہ انہی معنوں میں ہے۔

النصبیۃ: یہ بھی مصدر ہے نصیح سے، یہ مفرد ہے اور اس کی جمع نصائح آتی ہے اردو میں بھی مفرد جمع دونوں مستعمل ہیں، اس کا مطلب خیر خواہی، اور کسی کو اچھی بات کہنا یا کوئی اہم اور نیک بات بتانا ہوتا ہے، جیسے والد نے اپنے بیٹے کو یہ نصیحت کی کہ بیٹا جھوٹ کبھی نہ بولنا۔ اچھی بات کی تلقین آدمی تب ہی کرتا ہے جب کسی کی خیر خواہی اور اس کا احساس دل میں ہوتا ہے۔

ترکیب:

الدين مبتداء ہے، اور النصیحة خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ مبتدا + خبر = جملہ اسمیہ خبریہ۔

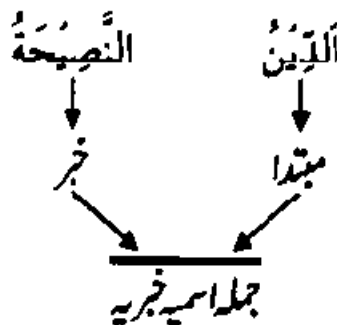
سوال: الدين مذکر ہے اور النصیحة مؤنث ہے، اس لیے مبتدا اور خبر میں مطابقت نہیں حالانکہ مبتدا اور خبر میں مطابقت ہونا ضروری ہے؟

جواب: النصیحة اسم مشتق نہیں بلکہ اسم مصدر ہے اور مصدر میں آنے والی تاء عموماً مؤنث کی نہیں بلکہ وحدت کی ہوتی ہے اور یہاں بھی ایسا ہی ہے۔

سوال: مبتدا اور خبر میں عام طور سے یہ ہوتا ہے کہ مبتدا معرفہ ہوتا ہے اور خبر نکرہ ہوتی ہے جیسے زَيْدٌ عَالِمٌ يَا زَيْدُ عَالِمٌ جبکہ یہاں دونوں ہی معرفہ ہیں؟ ایسا کیوں ہے؟

جواب: یہ ضابطہ عام حالات کے اعتبار سے بجا ہے، کہ جہاں خبر زیادہ اہمیت کی حامل نہ ہو وہاں اسے نکرہ ہی لایا جاتا ہے، جبکہ یہاں ایسا نہیں بلکہ یہاں خبر کی اہمیت بتلانا اور اس پر زور دینا مقصود تھا اس لیے اسے نکرہ کی بجائے معرفہ استعمال کیا گیا ہے۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

مذکورہ بالا روایت حدیث کی مندرجہ ذیل کتابوں میں آئی ہے۔

- (۱) بخاری شریف: حدیث نمبر ۵۶ باب قول النبی ﷺ الدين النصیحة۔
- (۲) مسلم شریف: حدیث نمبر ۵۵ کتاب الايمان باب بیان الدين النصیحة۔
- (۳) سنن نسائی: باب النصیحة للامام حدیث نمبر ۴۱۹۷۔

۳ مجلس کی گفتگوراز ہے

الْمَجَالِسُ بِالْأَمَانَةِ

ترجمہ:

”مجلس امانت کی چیز ہیں۔“

تشریح:

مجلس کی باتوں کی اہمیت و نزاکت:

مذکورہ بالا حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ایک نہایت اہم اخلاقی اصول اور معاشرتی ہدایت عطا فرمائی ہے۔ جس پر عمل پیرا ہونے سے معاشرے کے اندر موجود بے شمار جھگڑے، غلط فہمیاں اور نفرتیں ختم ہو سکتی ہیں۔ دوسرے لفظوں میں معاشرے کے اندر سے متعدد جھگڑے اور تنازعات اس حدیث کے مقتضاء اور مدعا پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے وجود میں آتے ہیں۔ اس حدیث کا مطلوب و مقصود یہ ہے کہ ایک شریف انسان کے ساتھ جب کوئی دوسرا شخص کوئی گفتگو کرے اور کسی بھی قسم کی بات اس کو بتائے یا اس سے مشورہ کرے، مجلس ختم ہونے کے بعد اس دوسرے شخص کو چاہئے کہ پہلے شخص کا راز اپنے سینے میں محفوظ رکھے، اسے دوسرے لوگوں کے سامنے بیان نہ کرے، اسی وجہ سے حکماء کا قول ہے۔

صُدُورُ الْأَحْرَارِ قُبُورُ الْأَسْرَارِ۔ شرفاء کے سینے رازوں کے قبرستان ہوتے ہیں، یعنی جیسے قبرستان میں جانے کے بعد اور قبر میں پڑنے کے بعد کوئی واپس نہیں آتا ایسے ہی ایک وضعدار اور شریف انسان دوسرے کے راز کو اپنے سینے میں دفینے کی طرح محفوظ رکھتا ہے اسے کسی کے سامنے ذکر نہیں کرتا۔

علماء نے یہ فرمایا ہے مذکورہ بالا حدیث میں عمومی ہدایت تو یہی ہے کہ کسی بھی قسم کی بات دوسروں کے سامنے نہ کی جائے، البتہ اس سے چند مواقع اور صورتیں مستثنیٰ ہیں، مثلاً مجلس میں کسی کے مال و جان یا آبرو کے بارے میں کوئی غلط منصوبہ بن رہا ہو تو آدمی کو چاہیے کہ متعلقہ شخص کو فوراً مطلع کر دے مبادا کہ اسے نقصان پہنچ جائے۔ اسی طرح اگر کسی مجلس میں دین کے خلاف کوئی سازش ہو رہی ہو تو آدمی کو چاہئے کہ اس کو بھی ظاہر کر دے تاکہ لوگ بروقت اس کا تدارک کر سکیں۔ اسی طرح اگر صاحب مجلس نے آپ کو اجازت دے دی ہو کہ یہ بات بیان کر سکتے ہو، تب بھی اجازت ہے، اجازت چاہے صراحتاً ہو یا عرفاً، مثلاً بات اس قدر اہمیت کی حامل نہیں کہ جس کے ظاہر کرنے سے اس کو کسی بھی قسم کا کوئی حرج اور نقصان واقع ہونے کا اندیشہ ہو۔

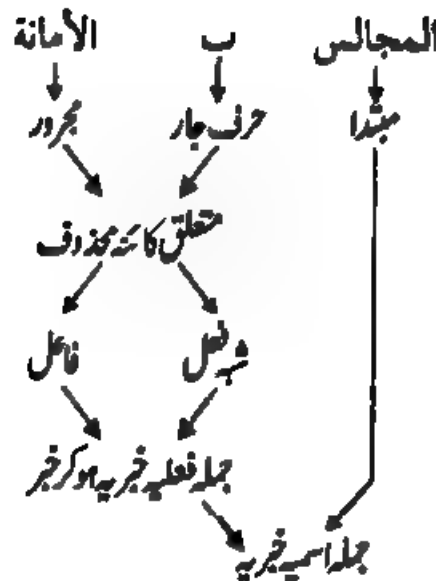
لغوی و صرفی تحقیق:

مجالس جمع ہے جس کا مفرد مجلس ہے، اور مجلس اسم ظرف کا صیغہ ہے جس کا معنی ہے بیٹھنے کی جگہ، اور بیٹھنے والے لوگ، پکھری، یہاں اسم ظرف کے صیغے میں ظرف بھی مراد ہو سکتا ہے اور مطروف بھی، یعنی جگہ بھی اور جگہ میں بیٹھنے والے لوگ بھی۔
الامانة: مصدر ہے اور مفرد ہے، باب سمع یسمع ہے، اور مفت اقسام میں سے ہمز الفاء ہے حروف اصلی، ا، م، ن، ہیں یعنی مطمئن ہونا، بھروسہ کرنا، اس کی جمع امانات آتی ہے، اردو میں بھی امانت کا لفظ انہی معنوں میں استعمال ہوتا ہے یعنی ودیعت وغیرہ کے لیے۔

ترکیب:

المجالس: مبتدا ہے، اور با، حرف جار، الامانة مجرور، جار اپنے مجرور سے مل کر متعلق ہوا کائنۃ شہ فعل محذوف کے، کائنۃ شہ فعل محذوف اپنے اندر موجود ضمیر جو کہ اس کا فاعل ہے اس سے مل کر خبر ہوئی المجالس مبتدا کی، المجالس مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو گیا۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

مذکورہ بالا روایت حدیث کی مندرجہ ذیل کتابوں میں آئی ہے۔

(۱) شعب الایمان۔ باب فصل فی حفظ المسلم سرائعہ، حدیث نمبر ۱۱۱۹۱

(۲) مسند احمد۔ حدیث نمبر ۱۴۱۳۴

(۳) مصنف عبدالرزاق۔ ۱۹۷۹۱ بمعناہ

۴) دعا عبادت کا مغز ہے

الدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ

ترجمہ:

”دعا عبادت کا مغز ہے“

تشریح:

دعا کی اہمیت:

انسان اپنے دسیوں کمالات کے باوجود انتہائی ناتواں اور عاجز ہے اسی لیے زندگی کے بے شمار معاملات اور پریشانیوں میں وہ بالکل بے بس ہو جاتا ہے، ایسے میں اس کے دل میں فطری طور سے ایک داعیہ اٹھتا ہے جس کی وجہ سے اس کی نگاہیں آسمان کی طرف اٹھتی ہیں اور اس کے ہاتھ بلند ہوتے ہیں، اس کی اسی کیفیت بے چارگی اور طلب کو دعا کہتے ہیں۔ انسان کی قلبی تسکین کے علاوہ دعا کو شریعت نے عبادت کا درجہ دیا ہے بلکہ اسے اہم ترین عبادت اور عبادت کا مغز قرار دیا ہے۔ اس قدر اہمیت کی وجہ یہ ہے کہ تمام عبادات کا حاصل اور اصل انتہائی درجے کی عاجزی، تذلل اور خدا کے حضور گڑ گڑانا اور سجدہ ریز ہونا ہے۔ اور یہ عاجزی دعا کے اندر علی وجہ الاتم پائی جاتی ہے بلکہ دعا تو سراپا عجز و نیاز اور اپنی پستیوں کا اعتراف اور خدا کی رفعتوں کا کھلا اقرار ہے۔ اور یہی احساس اور کیفیت عبادت کی معراج ہے۔ اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے دعا کی اس قدر اہمیت بتلائی ہے اور خود حق تعالیٰ نے دعا مانگنے کا حکم دیا اور نہ مانگنے والوں کو تکبر کا مرتکب ٹھہرایا ہے۔ قرآن پاک میں ہے:

﴿وَكَايَ رَبِّكُمْ لَوْ دَعَوْتُمْ لَسْتُمْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ فَاِخْرَبِينَ﴾

(سورہ نافر: ۶۰)

”اور تمہارے رب کا ارشاد ہے مجھ سے دعا مانگو میں قبول کرتا ہوں، جو لوگ میری عبادت (دعا) سے تکبر کرتے

اور اعراض کرتے ہیں وہ عنقریب ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔“

دعا کی قبولیت کی ایک اہم شرط رزق حلال ہے، اور دعا کا ادب یہ ہے کہ پہلے اور آخر میں حضور ﷺ کی خدمت میں درود مبارک کا نذرانہ پیش کیا جائے۔ دعا اگر ظاہر میں قبول نہ بھی ہو تو آخرت میں اس کا اجر ضرور ملتا ہے یا دنیا میں اس کے بدلے میں کوئی آفت نال دی جاتی ہے۔

لغوی و صرفی تحقیق:

الدعاء: یہ مصدر ہے ہاب نصر بنصر سے، منت اقسام میں سے ناقص وادی ہے ہاب دعا یدعو، بروزن فُعال، اس کا معنی پکارنا، طلب کرنا، دعا کرنا ہے، یہاں اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے حضور دست سوال دراز کرنا ہے۔
منح: اسم ہے جو ہڈی کے گودے، دماغ کے بیچے، آنکھ کی چربی اور خالص چیز کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

عبادت کیا ہے؟

العبادة: یہ بھی مصدر ہے عبد بعبد بروزن نصر بنصر سے اس کے لغوی معنی پوجا پاٹ، اور پرستش کے ہیں، اور اصطلاح میں عبادت کا معنی یہ ہے:

”الْعِبَادَةُ أَقْصَى غَايَةِ الْخُضُوعِ وَالتَّذَلُّلِ وَلِذَلِكَ لَا تُسْتَعْمَلُ إِلَّا فِي الْخُضُوعِ لِلَّهِ تَعَالَى“

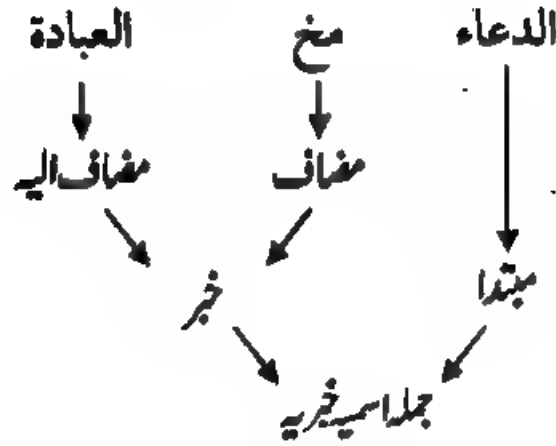
(تفسیر بیضاوی)

”عبادت انتہائی درجے کے تذلل اور عاجزی کو کہتے ہیں، اسی وجہ سے عبادت کا استعمال صرف اللہ کے لیے جھکنے میں ہوتا ہے“

یہاں ایک اہم نکتے کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے۔ عام طور سے یہ مشہور ہے کہ دین کے مطابق کوئی بھی کام کریں خواہ حقوق اللہ سے متعلق ہو یا حقوق العباد سے۔ وہ عبادت ہے۔ یہ کہنا مجازی طور سے تو درست ہو سکتا ہے، لیکن حقیقت کے اعتبار سے نہیں کیونکہ عبادت کا حقیقی مصداق و مفہوم صرف وہ اعمال و افعال ہیں جو ایک بندہ صرف اپنے خالق و مالک کی رضا کی غرض سے انتہائی عاجزی اور تذلل سے سرانجام دیتا ہے اور اس میں اس کا اپنا دنیاوی فائدہ نہیں ہوتا۔ جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، جہاد وغیرہ، باقی رہے دیگر معاملات تو ان میں اگرچہ اچھی نیت کا ثواب تو ملتا ہے تاہم وہ حقیقی عبادت نہیں۔ عبادت ایک شرعی اصطلاح ہے اس کو انہی معنوں اور مفہیم کے لیے استعمال کرنا چاہئے جن میں وہ پہلے استعمال ہوتا آیا ہے، کسی اور چیز پر عبادت کا حقیقی معنوں میں اطلاق کرنا یہ وضع الشيء فی غیر محله (یعنی کسی چیز کو اپنی جگہ کے علاوہ دوسری جگہ برتنا) ہے۔

توکب:

الدعاء مبتداء، منح مضاف، العبادة مضاف الیہ۔ مضاف، مضاف الیہ سے مل کر خبر ہوئی مبتدا کی۔ مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو گیا۔

نقشہ ترکیب:تخریج حدیث:

یہ روایت حدیث کی مندرجہ ذیل کتابوں میں آئی ہے۔

(۱) ترمذی شریف: کتاب الدعوات حدیث نمبر ۳۳۷۱

(۲) معجم الوسط طبرانی حدیث نمبر ۳۱۹۶



⑤ حیا ایمان کا حصہ ہے

الْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْإِيمَانِ

ترجمہ:

”حیا ایمان کا حصہ ہے“

تشریح:

حیا اور شرم، حجاب اور جھجک یہ دونوں قریب قریب ایک ہی مفہوم کے الفاظ اور ایک ہی حقیقت کی تعبیرات ہیں۔ جن کا حاصل وہ کیفیت اور وصف ہے جو کسی بھی انسان کو خلاف ادب، خلاف مروت اور خلاف شریعت کام کرنے سے روکتا اور باز رکھتا ہے۔ مذکورہ چیزوں سے رکنا اور ان کا مرتکب نہ ہونا خود ایمان کا بھی تقاضا ہے۔ اور حیا ایک فطری وصف ہے جو انسان کی فطرت میں ودیعت ہے، تو یہ فطری وصف ایمان کے تقاضوں میں مدد و معاون بن جاتا ہے اس لیے اسے ایمان ہی کا ایک حصہ اور شاخ قرار دیا گیا ہے اور حقیقت میں حیا ایک بہت بڑا عامل ہے جو انسان کو ایمان کے مطابق عمل کرنے پر ابھارتا ہے۔

حیا کا یہ ایک سلبی پہلو ہے جس میں ان چیزوں سے باز رہنا ہوتا ہے، دوسری طرف حیا ہی کے وصف کا ایک ایجابی پہلو بھی ہے جس کی وجہ سے انسان اللہ کا شکر کرتا ہے اور ناشکری کرنے سے شرمندگی اور بے غیرتی و احسان فراموشی کا خیال اس کے دل میں آتا ہے۔ بہر حال حیا کے یہ دونوں پہلو ایمان کے ساتھ گہرا تعلق رکھتے ہیں، اسی وجہ سے حیا کو ایمان کا ایک شعبہ قرار دیا گیا ہے۔ بلکہ یہ بہت بڑا شعبہ ہے کیونکہ شعبۂ میں تین تعظیم کے لیے ہے۔

لغوی و صرفی تحقیق:

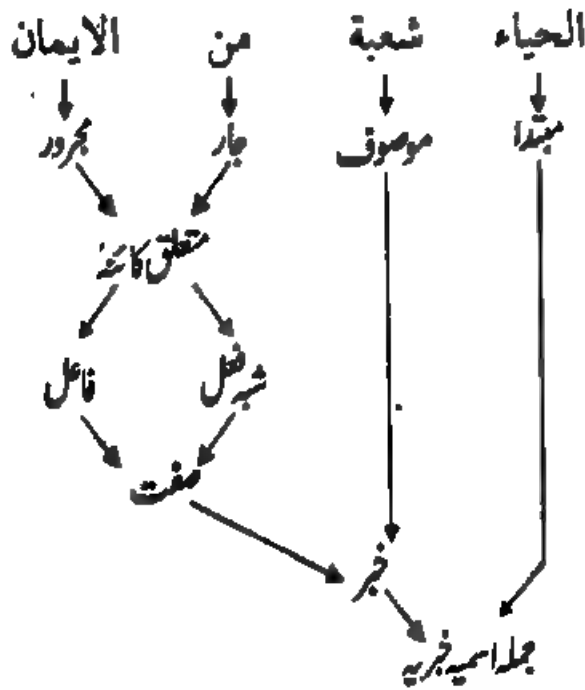
حیا: مصدر ہے باب سمع یسمع سے ہفت اقسام کے اعتبار سے لفیف مقرون ہے۔ حروف اصلی ح۔ ی۔ ی۔ اور اس کے لغوی معنی یہ ہیں۔ شرم و حیا کسی چیز سے منقبض ہونا۔ اور ملامت کے خوف سے چھوڑنا۔ بارش و تر و تازگی۔ توبہ۔ (مصباح) شعبۂ صرفی اعتبار سے فتح یفتح اور سمع یسمع دونوں بابوں سے آتا ہے، اور لغت کی رو سے یہ متعدد معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ جیسے فرقہ، گروہ، شاخ، حصہ، گھاٹی۔ اس کی جمع شُعَبٌ اور شُعَابٌ ہے۔

الایمان مصدر ہے باب افعال سے جو ہفت اقسام کے اعتبار سے مہموز الفاء ہے، اس کا مطلب ماننا، تصدیق کرنا، اور تسلیم کرنا ہے، اور اصطلاح کے اعتبار سے ایمان تصدیق ما جاء به النبی ﷺ ہے یعنی نبی ﷺ کی تمام تعلیمات کو دل و جان سے تسلیم کرنے کا نام ایمان ہے۔

ترکیب:

الحیاء مبتدا ہے، شعبۂ موصوف، من جار الایمان مجرور، جار مجرور متعلق ہوا کائنۃ مضاف کے، کائنۃ شہ فعل اپنے فاعل سے مل کر صفت ہوا شعبۂ موصوف کی، موصوف صفت سے مل کر خبر ہوئی، مبتداء کی مبتداء خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ جار + مجرور۔ متعلق۔ صفت + موصوف = خبر + مبتداء = جملہ اسمیہ خبریہ۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

مذکورہ بالا روایت حدیث کی مندرجہ ذیل کتابوں میں آئی ہے۔

- (۱) ابن ماجہ۔ باب فی الایمان۔ حدیث نمبر ۵۸
- (۲) سنن نسائی۔ ذکر شعب الایمان۔ حدیث نمبر ۵۰۰۶

⑥ محبت اور معیت

الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ

ترجمہ:

”آدمی اس کے ساتھ ہے جس کے ساتھ وہ محبت کرتا ہے“

شان ورود/پس منظر:

”بخاری شریف میں بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ حدیث منقول ہے کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ سے یہ سوال کیا گیا کہ آپ اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو کسی بڑے آدمی یا بزرگ وغیرہ سے محبت تو کرتا ہے مگر عمل کے اعتبار سے اس سے کم ہے (یعنی آخرت میں درجات تو عمل کے اعتبار سے ہوں گے تو کیا وہاں کا ساتھ اور معیت نصیب ہوگی یا نہیں؟) آپ نے فرمایا: آدمی جس کے ساتھ خلوص دل سے سچی محبت کرتا ہے وہ اس کے ساتھ ہی رہے گا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کی زبان مبارکہ سے یہ ارشاد سن کر صحابہ کو اتنی خوشی ہوئی کہ جتنی شاید دنیا کی کسی بھی چیز کے ملنے کی نہ ہو۔“

محبت کے اثرات:

انسان کے اندر یہ فطری جذبہ اور صلاحیت ہے کہ جب کوئی چیز یا شخص اس کے دل کو اچھا لگتا ہے تو وہ اس کے قریب ہونے اور قریب رہنے کا خواہش مند ہوتا ہے، اور اس سے جدا ہونا اس کے لیے گراں اور مشکل ہوتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دنیا میں ایسے بے مثال لوگ ہیں کہ ان سے بڑھ کر محبت رسول میں مثالیں قائم کرنے والے کون لوگ ہوں گے؟ جب انہوں نے یہ سنا کہ قیامت والے دن اپنے اعمال کے بقدر درجات ہوں گے تو یہ تشویش لاحق ہوئی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمارے عمل کم ہیں تو ہم رسول اللہ ﷺ سے جدا اور دور نہ ہو جائیں۔ اسی فطری جذبے کے تحت انہوں نے یہ سوال کیا اور آپ نے ایک سنہری اصول اور ضابطے کی شکل میں جواب عنایت فرمایا اور بعد کے لوگوں کے لیے بھی یہ اصول اور راستہ بن گیا کہ اگر وہ چاہیں کہ بلند درجات پر فائز ہوں تو اس کے لیے دینی اعتبار سے بڑے لوگوں سے محبت کریں، جس قدر محبت ہوگی اسی قدر ان لوگوں سے قرب ہوگا، اور درجات عالیہ ملیں گے، مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ”اس سے معلوم ہوا کہ نیک لوگوں سے محبت اور ان کی صحبت حصول ولایت کا ذریعہ ہے۔“

اور یہ صرف غیر فطری یا بے ضابطہ بات نہیں بلکہ اس کے پیچھے وجہ یہ ہے کہ محبت آدمی سے بہت کچھ کروا دیتی ہے، چنانچہ جب نیک لوگوں سے محبت ہوگی اور بہت ہوگی تو ان کے رنگ میں رنگنے کی بھی کوشش کرے گا، فَإِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ يُحِبُّ مُطِيعٌ، (ترجمہ: چاہنے والا اپنے محبوب کا فرمانبردار ہوتا ہے) وہ قسام ازل تو طلب پر فیصلے کرتا ہے جب کوئی سچی طلب اور محبت

لے کر چل پڑتا ہے تو راستہ سمٹ کر منزل دو گام پہ آ جاتی ہے۔

لغوی و صرفی تحقیق:

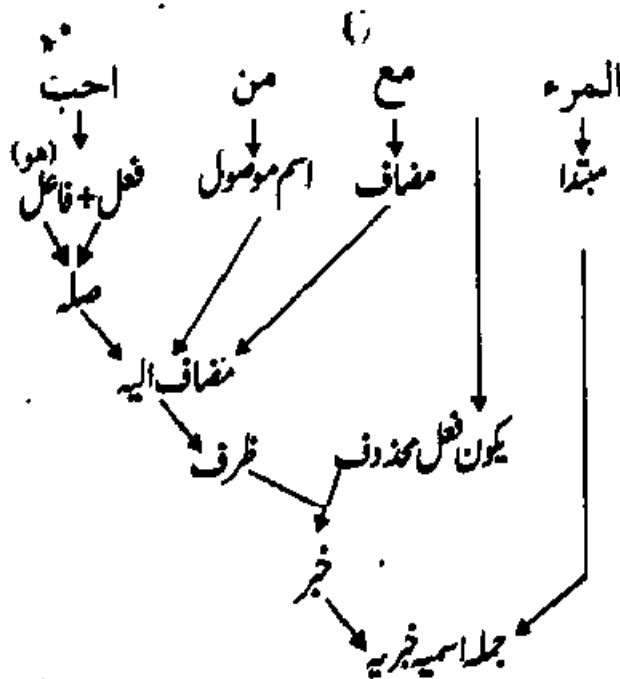
المرء بمعنی مرد، آدمی، اس کی مزید تفصیل حدیث نمبر ۱ میں ”انما لامرئ“ کے الفاظ کے تحت گزر چکی ہے وہاں ملاحظہ فرمائی جائے، مع اسم ہے اور یہاں مضاف واقع ہو رہا ہے۔

احب باب افعال ہے اور ماضی کا صیغہ ہے ہفت اقسام میں سے مضاف ثلاثی ہے بمعنی محبت کرنا۔

ترکیب:

المرء مبتدا، مع مضاف من اسم موصول احب فعل ہو ضمیر اس کے اندر اس کا فاعل، (جو کہ لوٹ رہی ہے من موصولہ کی طرف، کیونکہ صلے کے اندر ایک ضمیر کا موصول کی طرف لوٹنا ضروری ہے) فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ ہوا۔ موصول صلہ سے مل کر مضاف الیہ ہوا مع مضاف کا، مضاف مضاف الیہ سے مل کر ظرف ہوا فعل محذوف یکون کا یکون فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر خبر ہوئی مبتدا کی، مبتدا خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

مذکورہ بالا روایت حدیث کی مندرجہ ذیل کتابوں میں آئی ہے۔

(۱) ترمذی۔ باب ان المرأ مع من احب۔ رقم: ۲۳۸۵۔

(۲) دارقطنی۔ باب فی طهارة الارض من البول۔ رقم: ۲۔

④ شراب گناہوں کی جڑ

الْخَمْرُ جُمَاعُ الْإِثْمِ

ترجمہ:

”شراب گناہوں کا مجموعہ ہے“

تشریح:

ویسے تو یہ بات طے ہے کہ اگر انسان ایک نافرمانی اور گناہ کرتا ہے تو یہ گناہ دوسرے گناہوں کا سبب بنتا ہی ہے، کیونکہ دل گناہوں کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور گناہ پر جرأت ہونے لگتی ہے، لیکن شراب کا گناہ، ایسا سنگین گناہ ہے، کہ یہ گناہ براہ راست دیگر بہت سے برے کاموں اور انتہائی قبیح باتوں کا باعث بنتا ہے کیونکہ آدمی جب شراب پیتا ہے تو اس کی عقل قائم نہیں رہتی جس کی وجہ سے وہ ایسے تمام کام کر گزرتا ہے جو بے عقل اور پاگل لوگ کرتے ہیں شیطانیت کا غلبہ ہوتا ہے تو گالیاں بکتا ہے۔ بیوی کو طلاق دے دیتا ہے حتیٰ کہ اپنی محرم رشتہ دار عورتوں کے ساتھ منہ کالا کرنے سے بھی باز نہیں آتا اَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ، (اللہ ہماری حفاظت فرمائے۔ آمین) اسی وجہ سے حدیث شریف میں آتا ہے، ”ترجمہ: شراب بے حیائی اور بری باتوں کی جڑ ہے اور بہت بڑا گناہ ہے، جو شراب پیتا ہے وہ اپنی ماں، خالہ اور پھوپھی سے زنا کر بیٹھتا ہے۔“

ایک دوسری جگہ آپ ﷺ نے فرمایا: جو شراب پیتا ہے، وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھ سکے گا، اور شراب کے عادی کی شب قدر کو بھی بخشش نہیں ہوتی۔

شریعت نے شراب کے بارے میں بہت سختی کی ہے اور اسے بہت بری نظر سے دیکھا ہے بلکہ صرف شریعت ہی کیا کوئی بھی عقلمند آدمی اور ہوش و خرد والا شخص شراب کو اچھا نہیں کہہ سکتا۔ مغربی دنیا میں جہاں معاشرتی فساد نے ڈیرے ڈالے ہیں وہاں دیگر اسباب میں سے ایک بڑا سبب یہی ام الخبائث (برائیوں کی ماں یعنی شراب) بھی ہے، اور وہ لوگ چاہتے ہیں اور کوشش بھی کر چکے ہیں کہ ہمارے معاشرے کی شراب سے جان چھوٹ جائے، اور قانوناً پابندی بھی لگا چکے ہیں، مگر سب کوششیں بے کار ہوئیں۔ ایک طرف یہ سب کچھ ہے اور دوسری طرف ذرا چشم تصور سے چودہ سو سال پیچھے جائیں۔ مدینہ منورہ میں ایک اعلان ہوتا ہے کہ آج کے بعد شراب حرام ہے تو شراب نالیوں اور گلیوں میں بہنے لگتی ہے۔ یہ ہے انسانیت اور حیوانیت کا فرق۔ کیونکہ مدینہ کی ”جدید علم و سائنس“ سے کوسوں دور بستی میں جو انسان تیار ہوئے وہ حقیقی معنوں میں انسان تھے اور آج تہذیب سے بھرے ملکوں میں جو انسان پیدا ہو رہے ہیں وہ دیکھنے میں تو انسان ہیں لیکن درحقیقت ”اولئک کالانعام“ ہیں اپنے مفادات کے علاوہ نہ کسی آسمانی ہدایت کے پابند ہیں اور نہ کسی اخلاقی قدر کے روادار۔

لغوی و صرفی تحقیق:

الخمر اسم ہے اور مؤنث ہے، لیکن یہ ان اسماء میں سے ہے جن میں کوئی علامت تانیث نہ تو ظاہری ہے اور نہ حکماً بلکہ یہ ایسے الفاظ ہیں جو مؤنث سائی ہیں، یعنی چونکہ عربوں سے مؤنث سنا ہے بس اس لیے مؤنث ہے کوئی قاعدہ کلیہ نہیں، چنانچہ ابن حاسب نے اپنے اس قصیدے میں جس میں انہوں نے مؤنث سائی کو جمع کیا اس کو بھی شمار کیا ہے۔

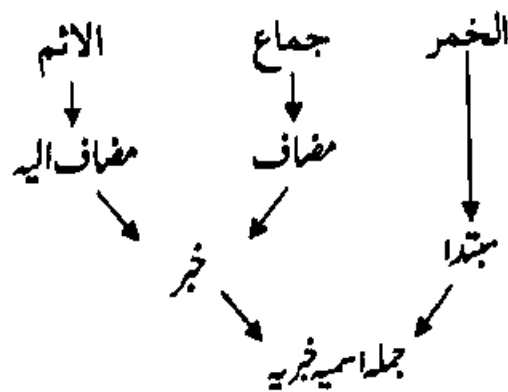
جماع یہ جمع سے مبالغہ کا صیغہ ہے، اور جہاں کوئی چیز زیادہ مقدار میں ہو وہاں یہ لفظ بولتے ہیں، محدثین اپنی کتب حدیث میں اس لفظ کو باب یا کتاب اور فصل کے طور پر بھی استعمال کرتے ہیں جیسے جُمَاع ابواب العلم وغیرہ، مطلب واضح ہے یعنی مجموعہ۔

الائم ناجائز فعل اور گناہ کے معنوں میں آتا ہے اور یہ مفرد ہے۔ غت اقسام کے اعتبار سے ہمز الفاء، اس کی جمع آثم آتی ہے، گناہوں کی بڑی دو تقسیمات ہیں، ایک کبیرہ اور دوسری صغیرہ، اثم کا اطلاق عام طور سے کبیرہ پر ہوتا ہے جبکہ صغیرہ کے لیے خطا، ذنب اور سیئہ کا لفظ بولا جاتا ہے۔

ترکیب:

الخمر مبتدا جماع مضاف، الائم، مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ سے مل کر خبر، مبتدا خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ مبتدا + (مضاف + مضاف الیہ = خبر) + خبر = جملہ اسمیہ خبریہ۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

مذکورہ بالا روایت حدیث کی درج ذیل کتابوں میں آئی ہے۔

(۱) دارقطنی۔ کتاب الاشرہ وغیرہا۔ رقم ۲

(۲) مصنف ابن ابی شیبہ۔ ۳۴۵۵۲

۸) بردباری اور جلد بازی

الْاَنَاةُ مِنَ اللَّهِ وَالْعُجْلَةُ مِنَ الشَّيْطَانِ

ترجمہ:

”بردباری اللہ کی جانب سے ہے اور جلد بازی شیطان کی طرف سے“

تشریح:

اس حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے ایک بڑے اہم اصول کی طرف راہنمائی فرمائی، اصول یہ ہے کہ دلی کو اپنے ہر قسم کے معاملات میں بردباری خوب فہم و دانش اور وقار و طمانینت و رسکون سے کام لینا چاہئے۔ جذباتی ہو جانا اور جلد بازی کا مظاہرہ کرنا یہ ایک عقلمند اور سلجھے ہوئے انسان کا شیوہ نہیں۔ الاناۃ کا مختصر لفظوں میں ترجمہ بردباری سے کیا گیا ہے مگر یہ لفظ پوری طرح اپنے مفہوم پر دلالت نہیں کرتا، کیونکہ الاناۃ کا مفہوم، اس کے مقابلے میں زیادہ وسیع ہے جس میں ٹھہراؤ، ثبات، تدبر و حلم سب ہی کچھ آ جاتا ہے۔

یہ صفت چونکہ عقل مندی کا تقاضا ہے اور انسان کے لیے ہر قسم کے معاملات میں مفید ہے، اس لیے اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے یعنی یہ گویا عطاء خداوندی اور تقاضائے خداوندی ہے، اور اللہ بندوں سے چاہتے ہیں کہ وہ اپنی زندگی میں اعتدال، ثبات، اور ٹھہراؤ پیدا کریں، اور جلد بازی، چھپھورا پن یہ چونکہ بری صفات ہیں اور یہ انسان کے لیے مضر اور نقصان دہ ہوتی ہیں اس لیے ان کی نسبت شیطان کی طرف کی گئی ہے، کیونکہ شیطان انسان کا بدخواہ ہے اور وہ اس کو ہمیشہ نقصان کی چیزوں کی تلقین کرتا رہتا ہے۔

واضح رہے کہ الاناۃ کا مطلب سستی نہیں کیونکہ سستی اور کاہلی کو تو خود شریعت ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتی ہے اور ایک مومن سے یہ تقاضا ہے کہ وہ پست اور ہوشیار ہو ست اور پاؤں ٹھینے والا نہ ہو۔ اور العجلۃ سے مراد چھپھورا پن اور جلد بازی ہے جبکہ مسارعۃ الی الخیر یعنی نیکی کے کاموں میں آگے بڑھ کر حصہ لینا اور چیز ہے اور وہ مطلوب ہے۔ چنانچہ نیکی کے تمام کاموں میں مسارعۃ اور جلد از جلد یعنی پہلی فرصت میں اور لگے ہاتھوں کر نامندوب و مقصود ہے۔

لغوی و صرفی تحقیق:

الانۃ اُنْبٰی بآنی باب سمع سے مصدر ہے ہفت اقسام کے لحاظ سے مہوز القاء اور ناقص یائی ہے۔

حروف اصلی، اُنْ ی ہیں بمعنی وقار، ٹھہراؤ، ثبات۔

العجلۃ یہ بھی مصدر ہے اور باب سمع سے ہے بمعنی جلد بازی۔

الشیطان اسم ہے لیکن اس کا وزن کیا ہے؟ اس کا اس بات پر مدار ہے کہ اس کے حروف اصلی کیا ہیں؟ بصریوں کے ہاں

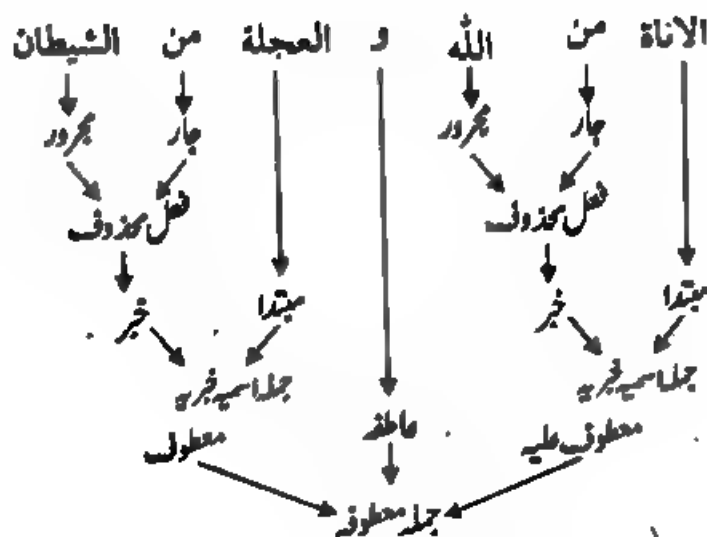
اس کے حروف اصلی شطن ہیں اس اعتبار سے اس کا وزن فیعال ہوگا اور یازند ہوگی، اس لحاظ سے اس کا معنی دور ہونا ہوگا، اور شیطان کو شیطان اس لیے کہتے ہیں کہ وہ رحمت خداوندی اور خیر و بھلائی سے دور ہے۔

اور کوئیوں کے نزدیک اس کے حروف اصلی ش، ی، ط ہیں اس صورت میں یا اصل ہوگی اور نون زائد ہوگی، اور وزن فعلان ہو گا، ہیٹ کے معنی ہلاک ہونے کے ہیں۔ ابلیس کو شیطان کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس نے اپنے آپ کو عتاب خداوندی کا سزاوار ٹھہرا کر اپنے آپ کو نہ ٹلنے والی ہلاکت میں ڈال دیا ہے۔ سیہویہ نے اپنی کتاب ”الکتاب“ میں کسی ایک رائے کو ترجیح نہیں دی بلکہ کہیں نون کو زائد لکھا ہے اور کہیں اصل۔ شیطان جب نکرہ ہو تو اس سے مراد کوئی بھی سرکش متمرّد اور باغی و شریر ہو سکتا ہے جب الف لام کے ساتھ استعمال ہو تو اس سے مراد ابلیس ہوتا ہے۔ (دیکھیے لغات القرآن ج ۳/ ص ۳۰۲)

ترکیب:

الاناة مبتدا، من جار لفظ الله مجرور جار مجرور متعلق ہوئے، تکون فعل کے، تکون فعل اپنی ضمیر جو کہ اس کا فاعل ہے اس کے ساتھ اور جار مجرور کی شکل میں اپنے متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر خبر ہوئی الاناة مبتدا کی۔ مبتدا خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ، واو حرف عطف، العجلة مبتدا، من جار الشیطان مجرور، جار مجرور متعلق تکون محذوف کے، تکون پہلے کی طرح جملہ خبریہ بن کر خبر، پھر مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر جملہ عاطفہ ہو گیا۔
(مبتدا) + (جار مجرور + فعل = جملہ خبریہ) + (خبر) + (خبر = جملہ اسمیہ خبریہ) + عطف = جملہ عاطفہ۔

نقشه ترکیب:



تَخْرِیجِ حَدِیْث:

مذکورہ بالا روایت حدیث کی درج ذیل کتابوں میں آئی ہے۔

(۱) ترمذی شریف باب : حدیث نمبر ۲۰۱۲

(۲) طبرانی کبر - ۵۷۰۲

⑨ مومن اور منافق کے اخلاق

الْمُؤْمِنُ غَرُّ كَرِيمٍ وَالْفَاجِرُ خَبٌّ لَثِيمٌ

ترجمہ:

”مومن آدمی سیدھا سادھا شریف ہوتا ہے اور فاجر (منافق) دھوکے باز، اور اوجھا ہوتا ہے“

تشریح:

اس حدیث مبارکہ میں ایک حقیقی مومن اور منافق و کافر کے درمیان ظاہری اور واضح سا فرق بیان کیا گیا ہے مومن آدمی کی دو صفات بیان کی گئی ہیں، (۱) غر (۲) کریم۔ غر سے مراد سیدھا سادھا ہے یعنی وہ آدمی جو کسی کو دھوکہ دینے، مکر کرنے، اس کا نقصان کرنے یا کسی کے خلاف ساز باز کرنے سے اجتناب کرتا ہے، اور وہ اپنے زندگی کے تمام معاملات کھلی کتاب کی طرح سرانجام دیتا ہے، صاف بات کرتا ہے، چکر نہیں دیتا البتہ اس کی اس صاف گوئی کو لوگ معصومیت اور بھولے پن پر محمول کرتے ہیں۔ اس حدیث کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مومن احمق ہوتا ہے، کہ جسے نہ مغرب کا پتہ ہو نہ مشرق کا، نہ دھوپ میں فرق کرے اور نہ سائے کو پہچانے، اور کوئی جدھر کہے اُدھر ہی چل پڑے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک مومن کی شان سے یہ بعید ہے کہ اسے جہاں سے ایک دفعہ نقصان ہوا ہے دوبارہ اس پر اعتبار کرے۔ مطلب یہ ہے کہ مومن کو چاہئے کہ خود سے کسی کو دھوکہ نہ دے، اور اگر کوئی دھوکہ دے تو اس سے ہشیار رہے مگر اس کے ساتھ معاملہ کرنے میں عمدہ اخلاق، نرم خوئی اور کرامت و شرافت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹنا چاہئے۔ اس لیے یہ دونوں صفات مومن کی لازمی صفات ہیں کہ خود سے بد معاملگی نہیں کرتا اور اگر کوئی دوسرا کرے تو عمدہ اخلاق کا مظاہرہ کرتا ہے کوئی ظلم کرے تو معاف کر دیتا ہے، صلہ رحمی کرتا، لوگوں پر خرچ کرتا رہتا ہے۔

اس کے برعکس کافر اور منافق کے بارے میں فرمایا کہ اس کو خوف خدا اور آخرت کی جوابدہی کا احساس نہیں ہوتا اس لیے وہ اپنے مقاصد کی تحصیل کے لیے ہر چارہ و ناجائز، چمکنڈے سے کام لیتا ہے، مکر و فریب، دغا بازی، جھوٹ، دھوکہ دہی اور کمینہ پن اس کے لیے کوئی معنی نہیں رکھتا، وہ اپنے مفاد کے حصول کے لیے ہر قسم کے ضابطہ اخلاق کو بالائے طاق رکھ دیتا ہے۔

لغوی و صرفی تحقیق:

المومن، اسم فاعل کا صیغہ ہے آمن یومن باب افعال سے۔ ہفت اقسام کے اعتبار سے مہموز الفاء ہے، ہمزہ واؤ میں تبدیل ہو گئی ہے اس سے مراد واضح ہے یعنی وہ آدمی جو صدق دل سے حضور ﷺ کی تمام تعلیمات کو تسلیم کرتا ہے اور ان کے قانوں پر عمل پیرا ہوتا ہے۔

غر: النہایہ میں ہے، غر ای لیس بڈی مکر فہو ینخدع لانقیادہ ولینہ..... و لیس ذلک منہ جہلاً

ولكنه كرم وحسن خلق۔ یعنی مومن زیادہ چالاک نہیں بنتا۔ بلکہ وہ اپنی سلامت طبع اور نرم خوئی کی وجہ سے دھوکہ بھی کھالیتا ہے، لیکن یہ اس وجہ سے نہیں کہ وہ جاہل ہوتا ہے، یا اسے حالات کی خبر نہیں ہوتی بلکہ صرف اس وجہ سے کہ وہ شرافت اور خوش خلقی کا مظاہرہ کرتا ہے۔ غرہفت اقسام کے اعتبار سے مضاعف ثلاثی ہے حروف اصلی، غ، ر، ہ ہیں، یہ مفرد ہے اور اس کی جمع غراء آتی ہے، (النہایہ لابن اثیر ص ۳۵۵ ج ۳)

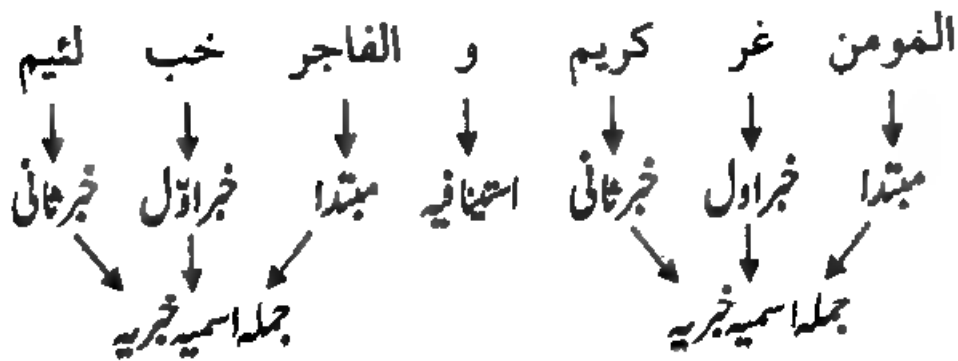
کریم: صفت مشبہ کا صیغہ ہے باب کرم یکریم سے بمعنی شریف اور عمدہ اخلاق والا۔

الفاجر اسم فاعل ہے فجور سے بمعنی گناہ گار، بدکار، زنا کار۔ یہاں اس سے مراد حقیقی منافق ہے کیونکہ جس معاشرے میں یہ لفظ بولے گئے تھے وہاں فسق و فجور کی ایک ایمان والے سے توقع بھی نہیں تھی، البتہ نفاق حقیقی اور نفاق عملی دونوں کو شامل ہونے کی وجہ سے نفاق و فاجر مسلمان بھی اس میں شامل ہو سکتا ہے۔

خب: خاء کے فتح کے ساتھ اسم فاعل کا صیغہ ہے، جبکہ اس میں خاء کو کسرہ بھی دے سکتے ہیں، مگر جب یہ لفظ مصدر کے طور پر استعمال ہوتا ہو تو حرف خاء کے کسرے کے ساتھ ہی آتا ہے، صاحب نہایہ لکھتے ہیں الخب الخذاع، الجربز الذی یسعی بین الناس بالفساد۔ (ج ۲ ص ۵)۔ خب سے مراد وہ دھوکے باز آدمی ہے، اور جربز ہے جو لوگوں کے درمیان لگائی بھجائی کرتا ہے۔

لثیم: یہ صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ ہفت اقسام میں سے مہوز العین ہے، بمعنی کینہ، چھوڑا، ادھما۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

مذکورہ بالا روایت حدیث کی درج ذیل کتابوں میں آئی ہے۔

(۱) ترمذی شریف: باب ما جاء فی البخل حدیث نمبر ۱۹۶۶۔

(۲) مسند احمد: باب فی حسن المشیرۃ حدیث نمبر ۱۹۰۷۔

۱۰ ظلم کا آخرت میں وبال

الظُّلْمُ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

ترجمہ:

”ظلم قیامت کے دن اندھیروں کی شکل میں سامنے آئے گا“

تشریح:

یہ دنیا دار الامتحان اور دار العمل ہے یہاں جو کام بھی کیا جائے گا وہ اپنا خاص نتیجہ اور اثر ظاہر کرے گا جو اس کی جزا ہوگا، اگر کوئی نیک عمل کرے گا تو اس کا بدلہ اچھا ہوگا، اور برے اعمال کا بدلہ برا ہوگا۔ قرآن پاک میں ہے کہ جو لوگ نیک ہوں گے قیامت کے دن ان کے سامنے نور ہوگا، جس کی روشنی میں وہ چلیں گے اور کافروں کے پاس نور نہیں ہوگا۔ اس حدیث میں ایک اہم نکتہ کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے کہ جو آدمی دنیا میں کسی پر ظلم کرتا ہے یہ ظلم قیامت کے دن بہت سے اندھیروں کی شکل میں سامنے آئے گا، اور وہ ایسے اندھیروں میں ہوگا جہاں روشنی کی کوئی کرن اور امید کا کوئی کنارہ نہیں ہوگا۔

ظلم کے قیامت والے دن اتنی بھیانک شکل میں سامنے آنے کی وجہ یہ ہے کہ ظلم ایک سنگین گناہ ہے، کیونکہ اس کی وجہ سے انسان معاشرے میں اپنا توازن کھو بیٹھتے ہیں، بڑے چھوٹوں کو ہڑپ کر جانے کی کوشش کرتے ہیں جس کے نتیجے میں کش مکش اور معاشرے کی تباہی وجود میں آتی ہے، اسی وجہ سے کہتے ہیں: معاشرے کفر پر تو زندہ رہ سکتے ہیں مگر کوئی معاشرہ جس کی بنیادوں میں ظلم ہو وہ زیادہ دیر قائم نہیں رہ سکتا۔

لغوی و صرفی تحقیق:

الظلم: مصدر ہے باب ضرب یضرب سے، حروف اصلی، ظ، ل، م ہیں اور ظلم کی تعریف یہ کی جاتی ہے، وضع الشيء فی غیر محله ظلم، کسی چیز کو اس کے اپنے مقام و مرتبہ میں نہ رکھنا اور اس کو دوسری جگہ رکھنا یہ ظلم ہے، مثلاً ایک آدمی ایک بات کا مستحق ہے، اور چیز اس کی ہے آپ وہ چیز خود لے لیتے ہیں یا کسی دوسرے کو دیتے ہیں تو یہ عمل ظلم ہوگا، کیونکہ وہ چیز اپنے اصل محل اور مقام میں نہ رہی، اسی وجہ سے شرک کو بھی ظلم کہا گیا ہے، کیونکہ اس میں اللہ کا حق غیر اللہ کو دیا جاتا ہے۔

ظلمات: جمع مؤنث کا صیغہ ہے جس کا مفرد ظلمۃ ہے اور ظلمت اندھیرے اور تاریکی کو کہتے ہیں حدیث میں ظلم تو مفرد ہے مگر ظلمات جمع ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ظلم کے نتیجے میں آنے والا عذاب کسی ایک قسم کا نہیں ہوگا، وہ کئی طرح کے اندھیرے ہوں گے۔ واللہ اعلم۔

یوم: دن کو کہتے ہیں، اور اس سے مراد صرف دن کا حصہ نہیں بلکہ چوبیس گھنٹے یعنی دن و رات مراد ہیں، صرف دن کے لیے

۱۱۔ سلام میں پہل کا حکم

الْبَادِئُ بِالسَّلَامِ بَرِيٌّ مِنَ الْكِبَرِ

ترجمہ:

”سلام میں پہل کرنے والا تکبر سے پاک ہوتا ہے“

تشریح:

اسلام نے اپنے ماننے والوں کو اس بات کی ہدایت کی ہے کہ جب وہ باہم ملاقات کریں تو ایک دوسرے کو سلام کریں یعنی السلام علیکم درجۃ اللہ کہیں۔ ایسا کہنے سے باہم محبت بڑھتی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اس بات کا اتنا اہتمام تھا کہ ان میں سے اگر دو آدمی اکٹھے جا رہے ہوتے تھے اور دونوں کے درمیان ایک درخت آ جاتا تھا جس کی وجہ سے کچھ دیر کے لیے انہیں الگ ہونا پڑتا تھا، جب وہ باہم دوبارہ ملتے تھے تب بھی سلام کرتے تھے۔

مذکورہ حدیث میں سلام کی تاکید کے ساتھ ساتھ یہ ترغیب بھی دی گئی ہے کہ ہر آدمی کوشش کرے کہ میں پہلے سلام کروں جب ہر آدمی سلام میں پہل کرے گا تو اس سے سلام کا پھیلاؤ اور شیوع ہوگا اس کے علاوہ اس میں ایک خطرناک اخلاقی و نفسیاتی مرض یعنی تکبر کا علاج بھی ہے۔ چنانچہ جو آدمی سلام میں پہل کرے گا وہ تکبر کے خطرناک مرض سے نجات پا جائے گا۔ تکبر ایک ایسی خطرناک چیز ہے کہ بقول صوفیاء و حکماء قریب قریب تمام اخلاقی و نفسیاتی امراض و کمزوریاں اسی ایک سبب کا نتیجہ ہوتی ہیں، غیبت، حسد، بہتان طرازی، دشنام طرازی، اہانت آمیز رویہ، استخفاف ان سب چیزوں کے پیچھے کسی نہ کسی درجے میں تکبر کی کار فرمائی ہوتی ہے اس وجہ سے اسے ام الامراض، یعنی تمام اخلاقی بیماریوں کی جڑ کہا گیا ہے۔ مذکورہ حدیث میں اس مرض سے نجات پانے کا ایک بہترین اور آسان نسخہ بتایا گیا ہے کہ انسان یہ معمول بنائے کہ دوسرا آدمی چاہے بڑا ہو یا چھوٹا، امیر ہو یا غریب، دوست ہو یا اجنبی ہر ایک کو پہلے سلام کرے۔

لغوی و صرفی تحقیق:

البادی: اسم فاعل کا صیغہ ہے، بدأ یبدأ، فتح بفتح باب سے۔ ہفت اقسام میں سے مہوز اللام ہے۔ بمعنی ابتدا کرنے والا، شروع کرنے والا، پہل کرنے والا۔

السلام: مصدر ہے باب سَمِعَ یَسْمَعُ سے اس سے مراد واضح ہے یعنی السلام علیکم کا کلمہ۔

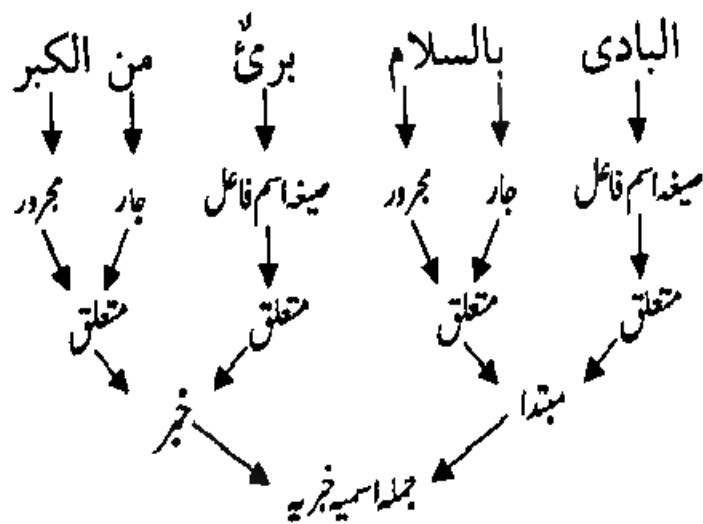
بري: صفت مشبہ کا صیغہ ہے بر وزن فعیل ہفت اقسام میں سے مہوز اللام ہے۔

الکبر: بڑا ہونا، بڑا بننا، تکبر کرنا، تکبر کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آدمی اپنے آپ کو بڑا سمجھے اور دوسرے کو حقیر سمجھے۔

ترکیب:

البادی صیغہ اسم فاعل، اسم مشتق، با حرف جار، السلام مجرور، جار مجرور متعلق ہوا البادی صیغہ اسم فاعل کے۔ صیغہ اسم فاعل اپنے اندر موجود ضمیر فاعل اور متعلق سے مل کر مبتدا۔ بری صیغہ اسم فاعل اسم مشتق، من حرف جار، الکبر مجرور، جار مجرور متعلق ہوا بری کے۔ صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر خبر ہوئی مبتدا کی۔ مبتدا خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو گیا۔
(صیغہ اسم فاعل + متعلق = مبتدا) + (صیغہ اسم فاعل + متعلق = خبر) = جملہ اسمیہ خبریہ۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

مذکورہ بالا روایت حدیث کی درج ذیل کتابوں میں مذکور ہے۔

(۱) شعب الایمان۔ ۸۷۸۶۔

(۲) اسر ای شیبہ۔ باب فی الذی یدأ بالسلام رقم: ۲۵۷۵۷



۱۷) دنیا ایک امتحان گاہ ہے

الدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ

ترجمہ:

”دنیا مومن آدمی کے لیے قید خانہ ہے اور کافر کے لیے جنت (یعنی باغ و بہار) ہے“

تشریح:

ایک مسلمان کا یہ عقیدہ ہونا چاہئے اور ہوتا ہے کہ یہ دنیا امتحان گاہ ہے اور یہاں کی زندگی کچھ احکامات اور پابندیوں میں جکڑی ہوئی ہے۔ اور اللہ رب العزت کی اطاعت کی ذمہ داری اس کے کندھوں پر ہے۔ چنانچہ ایک مسلمان آدمی اپنی خواہش اور مرضی اور چاہت کے مطابق کچھ بھی کرنے کی حالت میں نہیں ہوتا، بلکہ وہ جو کچھ بھی کرتا ہے وہ حکم خداوندی کے تابع فرمان ہو کر کرتا ہے اس لیے ایک مسلمان کے لیے دنیا کی زندگی جیل کی طرح ہی ہے کہ جیسے قیدی آدمی قید میں کوئی راحت محسوس نہیں کرتا، اسی طرح مسلمان آدمی دنیا سے کوئی راحت نہیں محسوس کرتا اور اسے گھٹن ہی گھٹن رہتی ہے۔ قید خانہ چاہے جتن بھی عمدہ ہو، سامان قہیش کی فراوانی ہو، عیش و عشرت کے اسباب مہیا ہوں، مگر قید کا تالہ دروازے پر پڑا ہو تو ایک باضمیر انسان کے لیے وہ خوشیاں کوئی معنی نہیں رکھتیں، اسی طرح ایک مومن چاہے دنیا میں ظاہری حالات میں اسے فراخی بھی حاصل ہو، تب بھی اسے کوئی لذت اور راحت حاصل نہیں ہوتی۔ چنانچہ قید خانہ ہونے کے دو مطلب ہو سکتے ہیں، ایک پابندی اور دوسرا دلی سکون اور اضطراب کا نہ ہونا۔ اور کافر چونکہ خدا کے احکامات کا پابند نہیں ہوتا وہ حیوانوں کی طرح جہاں چاہے منہ مارتا ہے جو چاہے کھاتا ہے، جو جی میں آئے کرتا ہے، اس لیے اس کے حق میں آزادی ہی آزادی ہے۔ نیز کافر اس بے ضمیر کی طرح ہے جسے دنیا کی بے ثباتی اور فنایت اور اپنے مرنے کا احساس اور استحضار نہیں بلکہ وہ دنیا کی نعمتوں میں ان سب احساسات سے بے پرواہ ہو کر منہمک ہوتا ہے اس لیے اس کے حق میں اسے جنت کہا گیا ہے۔

لغوی و صرفی تحقیق:

الدُّنْيَا: اس کی تحقیق حدیث نمبر (۱) میں گزر چکی ہے وہاں ملاحظہ فرمائی جائے۔

سِجْن: باب نصر بنصر سے ہے، اس کا معنی قید خانہ ہے اور یہ مفرد ہے جس کی جمع سججون آتی ہے۔

المومن: اس کی تحقیق پیچھے گزر چکی ہے۔

جنت: بمعنی باغ، ہفت اقسام میں سے مضاعف ثلاثی ہے، حروف اصلی ج، ن، ن ہیں اس کی جمع جنات اور جنان آتی ہے۔ علامہ زبیری نے ایک لغوی نکتہ یہ لکھا ہے کہ وہ تمام کے تمام الفاظ جن میں ج، ن، ن کا مادہ ہوتا ہے، ان الفاظ میں چھپنے، خفیہ ہونے کے معنی پائے جاتے ہیں۔ جیسے جنت جن، جنین، جنون۔

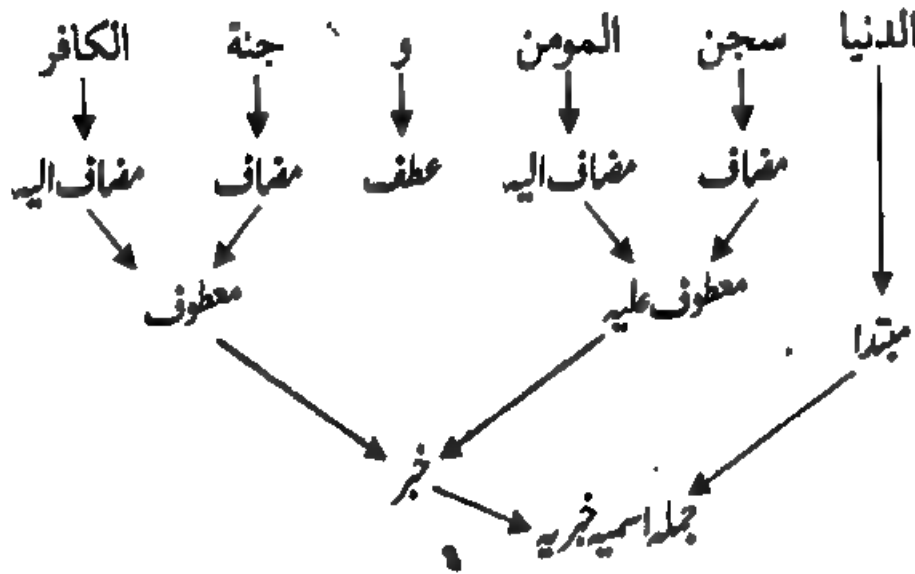
الکافر: یہ مومن کی ضد اور اس کے مقابلے میں ہے۔

توکیب:

الدنیا مبتدا، سجن مضاف، المومن مضاف الیه، مضاف مضاف الیه سے مل کر معطوف علیہ، و حرف عطف جنة مضاف الکافر مضاف الیه، مضاف مضاف الیه سے مل کر معطوف، معطوف علیہ سے مل کر خبر ہوئی الدنیا مبتدا کی، مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو گیا۔

مبتدا + (مضاف + مضاف الیه = معطوف علیہ) + عطف (مضاف + مضاف الیه = معطوف) + خبر = جملہ اسمیہ خبریہ۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

مذکورہ بالا روایت حدیث کی درج ذیل کتابوں میں آئی ہے۔

(۱) صحیح مسلم شریف: باب کتاب الزهد، حدیث نمبر ۲۹۵۶۔

(۲) ترمذی شریف: ابواب الزهد، حدیث نمبر ۲۳۲۴۔

۱۳) مسواک کی اہمیت و فضیلت

السَّوَّاکُ مَطْهَرَةٌ لِلْفَمِ وَ مَرْضَاةٌ لِلرَّبِّ

ترجمہ:

”مسواک منہ کو پاک کرنے والی اور اللہ رب العزت کی رضا کا سبب ہے“

تشریح:

اسلام میں اپنے ماننے والوں کی جہاں باطنی و اخلاقی صفائی اور درستی کا اہتمام ہے وہاں ظاہری صفائی اور پاکی کو بھی بہت اہمیت حاصل ہے، ایک ایمان والے سے یہ مطلوب ہے کہ وہ اپنے جسم سے ہر قسم کی گندی چیزیں دور رکھے، اور کھانے میں بھی ایسی چیزوں کا اہتمام کرے جو جسم میں بدبو پیدا کرنے کا باعث نہ ہوں۔ اسی وجہ سے نبی اکرم ﷺ کو بدبو سے نفرت تھی اور آپ اس سے سخت گھٹن محسوس کرتے تھے۔ مذکورہ حدیث میں جسم کے ایک اہم حصے یعنی منہ کی صفائی و ستھرائی کا حکم ہے، منہ میں چونکہ رطوبتیں اکثر جمع رہتی ہیں اور اکثر اوقات کھانا پینا چلتا رہتا ہے جس کی وجہ سے کھانے کے اجزاء دانتوں میں رہ جاتے ہیں اور وہ کچھ دیر بعد کسی درجے میں فساد اور تعفن کا شکار ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے منہ سے بدبو آنا شروع ہو جاتی ہے، شریعت نے منہ کی صفائی کے لیے مسواک کا حکم دیا ہے، اور آپ ﷺ نے مسواک کا بڑی ہی تاکید سے حکم دیا ہے بلکہ آپ ﷺ نے فرمایا: لَوْ لَا اَنَّ اَشَقَّ عَلٰی اُمَّتٍ لَا مَرْتَبَهُمُ بِالسَّوَّاکِ۔ یعنی اگر مجھے اپنی امت کے مشقت میں پڑنے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں انہیں مسواک کا حکم فرض کے درجے میں دے دیتا۔ اب اگرچہ عملی طور سے مسواک فرض نہیں تاہم سنت موکدہ ضرور ہے، اور مسواک ہر وضو کے وقت سنت ہے، نبی اکرم ﷺ کی زندگی میں مسواک کا اس قدر اہتمام تھا کہ جب آپ ﷺ کا انتقال ہونے لگا تو آپ نے مسواک طلب کی اور مسواک فرمائی۔

مسواک کے فوائد:

مسواک کے علماء نے بے شمار فائدے گنوائے ہیں مثلاً

(۱) مسواک سے بلغم ختم ہوتی ہے۔

(۲) بینائی اور نظر تیز ہوتی ہے۔

(۳) معدے کو درست کرتی ہے۔

(۴) مرتے وقت کلمہ نصیب ہوتا ہے، ایک حدیث میں یہ ہے کہ وہ نماز جو مسواک کے ساتھ پڑھی جائے اس نماز سے ستر گنا

افضل ہے جو بغیر مسواک کے پڑھی جائے، گویا مسواک سے نماز کے اجر میں ستر گنا اضافہ ہو جاتا ہے۔

ٹوتھ برش کا حکم:

آج کل کے زمانے میں ٹوتھ برش کا استعمال کرنا صرف صفائی کے لیے تو درست ہے مگر مسواک کی سنت اس سے ادا نہیں ہوگی اس لیے سنت کا ثواب حاصل کرنے کے لیے مسواک علیحدہ کرنی پڑے گی۔

لغوی و صرفی تحقیق:

السواك: مصدر ہے باب نصر بنصر سے۔ ہفت اقسام کے اعتبار سے اجوف واوی ہے اس سے باب استعمال استاك بھی استعمال ہوتا ہے، مسواک کی جمع سواك (بروزن فعلن، مثل كُتِبَ آتی ہے) اس سے مراد وہ لکڑی اور درخت کی ٹہنی ہے جو دانتوں کی صفائی کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔

مطهرة: میں میم پرز بر بھی پڑھی جاسکتی ہے اس صورت میں یہ مصدر میمی ہوگا جس کا معنی ہوگا طہارت اور صفائی۔ اسی طرح میم پرز بر بھی پڑھی جاسکتی ہے اس صورت میں یہ اسم آلہ کا صیغہ ہوگا، اور معنی ہوگا، صفائی سحرائی اور پاکی کا آلہ اور ذریعہ۔ یہاں دونوں صورتیں ممکن ہیں۔

الفم: یہ مشكۃ الفاء ہے یعنی اس کی فاء پر زیر، زبر، پیش، تینوں حرکتیں پڑھی جاسکتی ہیں۔

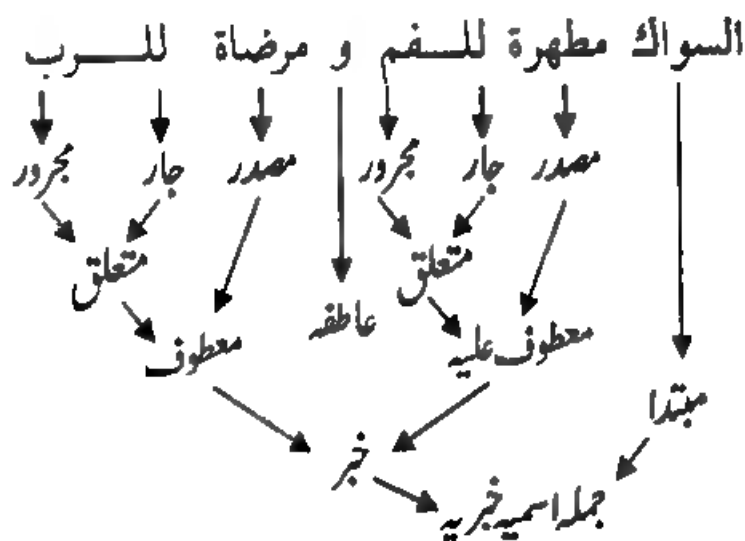
اس کا معنی منہ ہے، یہ اصل کے اعتبار سے فوہ ہے جس کی جمع افواه آتی ہے، فم کا تثنیہ فمان، فموان ہے۔

مرضاة: رضى یرضی باب سے مصدر میمی بھی ہو سکتا ہے اور اسم آلہ بھی۔ پہلی صورت میں معنی رضاء اور دوسری میں رضاء کا سبب و ذریعہ ہوگا۔

ترکیب:

السواك مبتدا، مطهرة مصدر بمعنی اسم فاعل، لام جار، الفم مجرور، جار مجرور متعلق ہوا مصدر کے۔ مصدر اپنے متعلق اور فاعل سے مل کر معطوف علیہ، واو حرف عطف، مرضاة مصدر بمعنی اسم فاعل، لام جار، الرب مجرور، جار مجرور متعلق ہوئے مصدر کے۔ مصدر اپنے متعلق اور فاعل سے مل کر معطوف، معطوف معطوف علیہ سے مل کر خبر، مبتدا خبر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

مذکورہ بالا روایت حدیث کی درج ذیل کتابوں میں آئی ہے۔

(۱) نسائی شریف: باب الترغیب فی السواك، حدیث نمبر ۴۔

(۲) دارمی شریف: باب السواك مطهرة، رقم ۶۸۴۔

۱۳) دینے والا لینے والے سے بہتر ہے

الْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلَى

ترجمہ:

”اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے“

تشریح:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے منبر پر ایک دفعہ صدقہ دینے کے بارے میں ارشاد فرماتے ہوئے مذکورہ جملہ ارشاد فرمایا تھا۔

اوپر والے ہاتھ سے مراد وہ ہاتھ ہے جو صدقہ دینے والا ہو، اور نیچے والے ہاتھ سے مراد وہ ہے جو سوال کرنے والا اور صدقہ وغیرہ لینے والا ہو۔ دینے والا ہاتھ معزز ہوتا ہے اور لینے والا ہاتھ ذلیل و بے عزت، اس لیے شریعت نے اس بات کی تاکید فرمائی ہے کہ کوئی آدمی بھی بلا ضرورت شدیدہ کسی سے سوال نہ کرے اور کچھ نہ مانگے۔ علامہ نووی نے شرح مسلم میں لکھا ہے کہ یہ بات بالاتفاق طے ہے کہ بغیر ضرورت سوال کرنا حرام ہے، اور جو شخص کما کر اپنی ضروریات پوری کر سکتا ہے تو وہ کما کر اپنی ضروریات پوری کرے، کسی سے سوال نہ کرے، اگر مجبوری ہو، تو ایسی صورت میں سوال کر سکتا ہے لیکن تین شرائط کے ساتھ:

(۱) سوال کرنے میں اپنی عزت کا خیال رکھے اور سوال ایسے الحاح اور اصرار کے ساتھ نہ کرے کہ جس سے ذلیل ہو۔

(۲) سوال میں مبالغہ نہ کرے۔

(۳) جس سے سوال کر رہا ہے اس کو ایذا و تکلیف نہ پہنچائے۔

علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ جس شخص کے پاس ایک دن کے بقدر بھی غذا ہو اس کو ہاتھ دراز کرنا حرام ہے۔ سوال صرف اس صورت میں کر سکتا ہے جب اپنی جان پر بن آئی ہو، اور بغیر سوال کیے کوئی چارہ کار نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلام گداگری کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا، اور گداگری گناہ ہے، البتہ عوام کی بنیادی ضروریات اور حاجتوں کی کفالت اور سہولیات فراہم کرنا حکومت وقت کی ذمہ داری ہے یعنی معاشرے کا کوئی فرد بھی ایسا نہ رہے جو زندگی کی بنیادی ضروریات سے محروم ہو۔

لغوی و صرفی تحقیق:

الید: اصل کے اعتبار سے ہڈی ہے۔ یا کو حذف کر دیا گیا اور تخوین دال پر آ گئی، جس کی وجہ سے ہڈ ہو گیا، اس کا مشبہ

یدان اور جمع ابدی، اور جمع الجمع ایادی آتی ہے۔

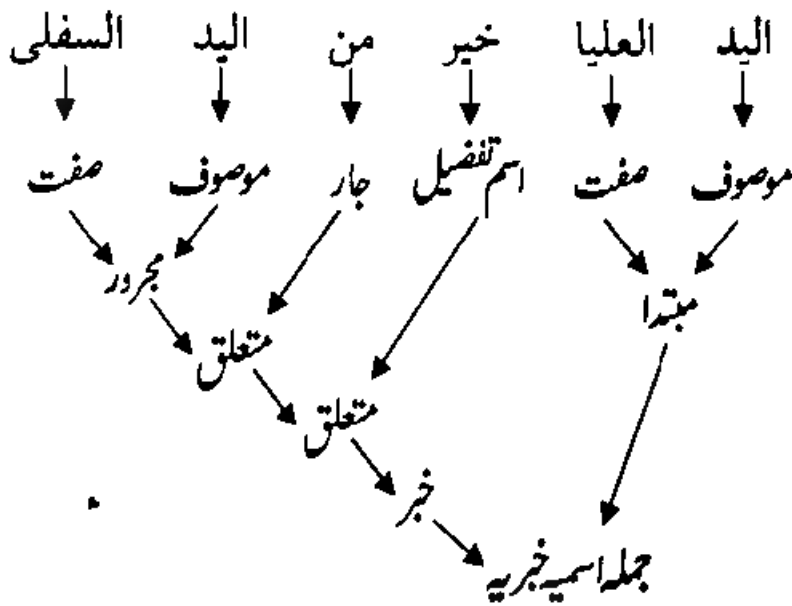
العلیّا: بروزن فعل، اسم تفضیل مؤنث کا صیغہ ہے۔ اس کا ذہ کرا علی ہے۔ ہفت اقسام کے اعتبار سے ناقص واوی ہے۔

خیر: مصدر بھی استعمال ہوتا ہے اور اسم تفضیل کے معنوں میں بھی، جب اسم تفضیل ہو تو اس کی اصل اخیر ہوگی، ہمزہ کو کثرت استعمال کی وجہ سے حذف کر دیا۔ اس کی جمع خیوز آتی ہے۔
سفلی: بروزن فعلی، اسفل سے اسم تفضیل مؤنث کا صیغہ ہے بمعنی پست اور نیچا۔

ترکیب:

الید موصوف العلیا صفت، موصوف صفت سے مل کر مبتدا، خیر اسم تفضیل اسم مشتق، من حرف جار، الید موصوف السفلی صفت، موصوف صفت سے مل کر مجرور، جار مجرور متعلق ہوئے خیر اسم کے۔ خیر اسم مشتق اپنے اندر موجود ضمیر فی عل اور متعلق سے مل کر خبر مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو گیا۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

مذکورہ بالا روایت حدیث کی درج ذیل کتابوں میں آئی ہے۔

(۱) بخاری شریف: کتاب الزکاة، باب الاستعفاء عن المسئلة کتاب الزکاة، حدیث نمبر ۱۳۲۷۔

(۲) مسلم شریف: کتاب الزکوة، حدیث نمبر ۱۰۳۵۔

⑮ غیبت ایک سنگین گناہ

الْغَيْبَةُ أَشَدُّ مِنَ الزِّنَا

ترجمہ:

”غیبت زنا سے زیادہ سخت ہے“

تشریح:

ایک مسلمان کے لیے مسلمان ہونے کے ناطے، یہ بات ضروری ہے کہ وہ دوسرے مسلمان بھائیوں کے لیے خیر خواہی کا مجسم نمونہ ہو۔ کسی کے بارے میں غلط بات نہ سوچے اور نہ زبان سے کہے۔ کسی مسلمان بھائی کی کوئی بھی برائی یا عیب دوسرے لوگوں کے سامنے اس آدمی کی عدم موجودگی میں بیان کرنا یہ غیبت کی شکل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کے سامنے غیبت کا تذکرہ فرمایا انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر وہ عیب واقعہ اس شخص میں موجود ہو تب بھی اس کا تذکرہ کرنا غیبت ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں غیبت تو تب ہی ہے جب وہ عیب اس میں موجود بھی ہو، کیونکہ اگر وہ عیب اس میں موجود نہ ہو تو اس صورت میں وہ بہتان اور الزام ہوگا۔ کسی شخص کی نقل اتارنا، اسے ٹھکنا کہنا، وغیرہ سب غیبت میں شامل ہے۔

علماء نے فرمایا ہے اگر کسی کی غیبت کرنی ہو تو اپنے والدین کی غیبت کرو تا کہ تمہاری نیکیاں والدین کے کھاتے میں ہی جائیں۔ مطلب یہ ہے کہ غیبت کرنے سے غیبت کرنے والے کی نیکیاں اس شخص کے کھاتے میں پڑ جاتی ہیں جس کی وہ غیبت کرتا ہے۔ مذکورہ بالا حدیث مبارکہ میں غیبت کو زنا سے زیادہ سخت جرم قرار دیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ زنا کو سب لوگ غلط کام سمجھتے ہیں، اور اس کا مرتکب اس سے توبہ کرتا ہے جبکہ غیبت کو ہلکا سمجھا جاتا ہے، حالانکہ غیبت کبیرہ گناہ ہے، اور جب ایک گناہ بار بار اصرار سے کیا جائے تو اس میں حرید سنگینی پیدا ہو جاتی ہے۔ قرآن پاک میں غیبت کرنے کو اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے کے برابر قبیح قرار دیا گیا ہے۔

واضح رہے کہ غیبت کے اس ظاہری عمدی حکم سے چند مواقع مستثنیٰ ہیں، مثلاً دادری کے لیے کسی ظالم کے ظلم کی غیبت کرنا یا کوئی آدمی دوسرے کو نقصان پہنچانے کے درپے ہو تو اس کو مطلع کر دینا، یہ غیبت میں نہیں آئے گا۔ اسی طرح کوئی آدمی کہیں رشتہ کرنا چاہے یا کاروبار کرنا چاہے اور دوسرے فریق کے بارے میں کسی بے مشورہ طلب کرے تو اس کو ممکنہ حد تک پردہ داری کے ساتھ حقیقت حال سے آگاہ کرنا بھی غیبت میں شامل نہیں ہے۔

علماء فرماتے ہیں، اگر لاعلمی یا غفلت سے کسی کی غیبت ہو گئی ہو اور یہ بات متعلقہ آدمی تک پہنچ گئی ہو تو اس سے معافی مانگ لے کیونکہ یہ حقوق العہاد سے تعلق رکھتا ہے، یا پھر اس کے لیے کثرت سے دعائے استغفار کرتا رہے۔ امید ہے ایسا کرنے سے اللہ اس کا گناہ معاف فرمادیں گے۔

لغوی و صرفی تحقیق:

الغیبة: یہ غاب یا غیب سے مصدر ہے ہفت اقسام کے اعتبار سے اجوف یا ئی ہے، لفظی مطلب غیب ہوتا ہے اور اصطلاحی اعتبار سے غیبت کسی کی عدم موجودگی میں اس کے بارے میں کوئی نازیبا بات کہنا ہے۔

اشد: اسم تفضیل کا صیغہ ہے بروزن افعال ہفت اقسام کے اعتبار سے مضاعف ثلاثی ہے، اصل میں اشدّ تھا و دال جمع ہو گئیں ایک کو دوسری میں ادغام کر کے دونوں کو ایک کر دیا، بمعنی زیادہ سخت۔

الزنا: یہ مصدر ہے زنی یزنی، یاب ضرب یضرب سے ہفت اقسام کے اعتبار سے ناقص یا ئی ہے۔

ترکیب:

الغیبة، مبتدا، اشد اسم تفضیل اسم مشتق، من حرف جار، الزنا مجرور، جار مجرور سے مل کر متعلق ہوا اسم تفضیل کے۔ اسم تفضیل اپنے اندر موجود فاعل اور متعلق سے مل کر خبر ہوئی مبتدا کی۔ مبتدا خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو گیا۔
مبتدا + (اسم تفضیل + متعلق = خبر) + خبر = جملہ اسمیہ خبریہ۔

نقشہ ترکیب:تخریج حدیث:

مذکورہ بالا روایت حدیث کی درج ذیل کتابوں میں آئی ہے۔

(۱) شعب الایمان: حدیث نمبر ۶۷۴۱

(۲) معجم اوسط: رقم ۶۵۹۰

۱۶ طہارت اور ایمان

الطَّهْوَرُ شَطْرُ الْإِيمَانِ

ترجمہ:

”پاکی ایمان کا ایک (اہم) حصہ ہے“

تشریح:

طہارتِ ظہرت کو بھی کہتے ہیں اور طہارت کے اصطلاحی معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، یعنی جسم سے ظاہری گندگی کو دور کرنا بھی طہارت ہے اور باطنی صفائی کرنا بھی طہارت ہے۔ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ مومن آدمی کے جسم پر نہ ظاہری کوئی گندگی اور نجاست وغیرہ ہو اور نہ باطن میں وہ ناپاک ہو۔ ظاہری نجاستیں اور گندگیاں تو یہ ہو سکتی ہیں، پیشاب، پاخانہ، منی، گوبر، لید، شراب، خون، وغیرہ اور باطنی گندگی یا نجاست سے مراد ایک تو بے وضوء ہونے کی حالت یعنی حدث اور جنابت ہو سکتی ہے اور دوسرے اس سے مراد دل کی بیماریاں اور گندگیاں ہو سکتی ہیں، چنانچہ امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

”الطہور شطر الایمان میں صرف یہ نہیں کہ ظاہری اعضاء پر پانی بہا دے اور انہیں دھو لے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ باطنی طہارت یعنی اپنے دل کو تکبر، حسد، ریا، بغض اور تمام بری خصلتوں (اور نفسانی بیماریوں) سے پاک کرنا بھی ضروری ہے، (احیاء العلوم)۔ بعض علماء نے مذکورہ بالا حدیث میں ایمان سے مراد نمازی ہے اور یہ مراد لینا بعید بھی نہیں کیونکہ خود حق تعالیٰ شانہ نے قرآن پاک میں نماز پر ایمان کے لفظ کا اطلاق کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

﴿وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضَيِّعَ إِيمَانَكُمْ﴾ (سورہ بقرہ آیت نمبر: ۱۷۳)

”اور اللہ (بیت المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھی گئی) تمہاری نمازوں کو ضائع نہیں فرمائیں گے۔“

لغوی و صرفی تحقیق:

الطہور: الطہور اگر طہا کے ضمہ کے ساتھ ہو تو اس کا مطلب ہے پاک حاصل کرنا اور اگر فتح کے ساتھ ہو تو اس سے مراد ہر وہ چیز ہوگی جس کے ذریعے پاک حاصل کی جائے یعنی آلہ کے معنی میں استعمال ہوگا جیسا کہ وضو اور وضو میں فرق ہے۔ امام سیبویہ نے یہ فرمایا ہے فتح والی صورت میں یہ دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

اس اعتبار سے حدیث مبارکہ میں طہور اور طہور دونوں طرح سے مراد ہو سکتا ہے، (دیکھیے النہایہ فی غریب الحدیث، ج ۳/ص ۱۳۸)

شطر: مصدر ہے ہفت اقسام میں سے صحیح ہے، اس کا لغوی معنی نصف اور آدھا ہے، نہایہ (ج ۲/ص ۴۷۳) اس کے علاوہ یہ

ایک حصے کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ حدیث مبارکہ میں دونوں مراد ہو سکتے ہیں۔

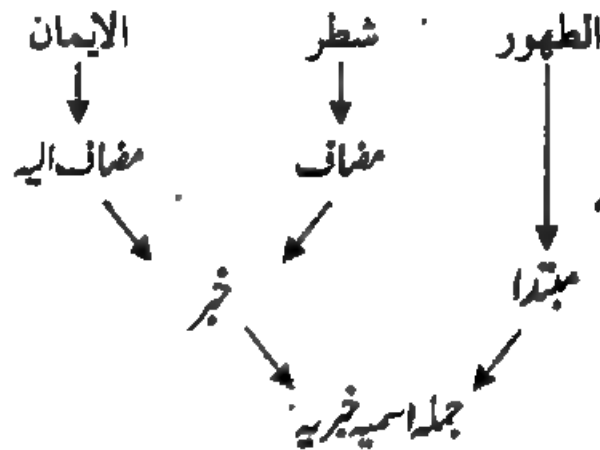
الایمان: اس کے بارے میں تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

ترکیب:

الطهور مبتداء، شطر مضاف، الایمان مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ سے مل کر خبر، مبتداء خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ

ہو گیا۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

مذکورہ بالا روایت حدیث کی درج ذیل کتابوں میں آئی ہے۔

(۱) مسلم شریف: باب فضل الوضوء، حدیث نمبر ۲۲۳۔

(۲) مسند احمد: رقم ۲۲۹۵۳۔



①۴ قرآن پاک کا مقام و اہمیت

الْقُرْآنُ حُجَّةٌ لَّكَ أَوْ عَلَيْكَ

ترجمہ:

”قرآن تمہارے حق میں، یا تمہارے خلاف حجت ہے“

تشریح:

قرآن پاک اللہ رب العزت کا کلام ہے، اور اس کا یہی شرف اور فضیلت کافی ہے کہ رب العالمین اور احکم الحاکمین کا کلام ذی مقام ہے، اس کے علاوہ یہ رسول اللہ ﷺ کا وہ زندہ معجزہ ہے جو قیامت تک آنے والی نسلوں کے لیے آپ کی رسالت کی گواہی اور نشانی کے طور پر موجود رہے گا، حدیثوں میں قرآن پاک کے جہاں بے شمار فضائل آئے ہیں وہاں اس کے حقوق اور اس سے متعلق ذمہ داریوں کا بھی جا بجا ذکر ملتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

”قیامت والے دن سب سفارش کرنے والوں سے بڑھ کر اور بہترین سفارشی قرآن پاک ہوگا“

اور یہ سفارش اس شخص کے لیے ہوگی جو اس کے حق کو ادا کرے، قرآن پاک کا حق ادا کرنے کا مطلب ہے کہ اول تو اس کی تلاوت کرے دوسرے اس کے مطالب و مضامین اور تقاضوں پر عمل پیرا ہو۔

قرآن پاک کی تلاوت باعث ثواب اور دنیا و آخرت میں کامیابی کا باعث ہے، ضروری نہیں کہ آدمی قرآن کو سمجھے تو تب ہی تلاوت کرے بغیر سمجھے بھی تلاوت کرنا باعث ثواب ہے، امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”میں نے خواب میں ننانوے مرتبہ اللہ رب العزت کی زیارت کی۔ ایک مرتبہ میں نے پوچھا کہ آپ کا قرب زیادہ سے زیادہ کس چیز سے حاصل ہو سکتا ہے؟ اللہ رب العزت نے فرمایا قرآن کریم سے۔ میں نے عرض کیا: سمجھ کر پڑھے یا بغیر سمجھے؟ اللہ رب العزت نے فرمایا ”چاہے سمجھ کر پڑھے یا بغیر سمجھے پڑھے۔“

قرآن پاک کے آدمی کے خلاف حجت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جو آدمی اس کے حقوق کی ادائیگی نہ کرے قیامت کے دن قرآن پاک اس کے خلاف مدعی بن کر سامنے آئے گا اور ایسے شخص کو عذاب ہوگا، مطلب یہ ہے کہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ کوئی قرآن پاک کی مخالفت یا حمایت سے بچ پائے۔ ہر آدمی لا محالہ ان دو باتوں میں سے کسی ایک بات میں مبتلا ہوگا، اگر قرآن پاک سے تعلق ہوگا تو حمایت حاصل ہوگی اور اگر بیگانگی اور لا تعلقی ہوگی تو مخالفت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اور کون ہے جو قرآن جیسے مدعی کا سامنا کر پائے! اللہ ہماری حفاظت فرمائے۔ (آمین)

لغوی و صرفی تحقیق:

القرآن: بروزن فعلاًن، یہ باب قرء یقرء، فتح یفتح سے مصدر ہے، اور ہفت اقسام میں سے مہوز الہام ہے، علماء نے قرآن کی تعریف یہ ذکر کی ہے:

هُوَ كَلَامُ اللَّهِ الْمُتَنَزَّلُ عَلَى الرَّسُولِ الْمَكْتُوبُ فِي الْمَصَاحِفِ الْمَنْقُولُ عَنْهُ نَقْلًا مُتَوَاتِرًا بِلَا شُبْهَةٍ، (توضیح، کتوح)۔

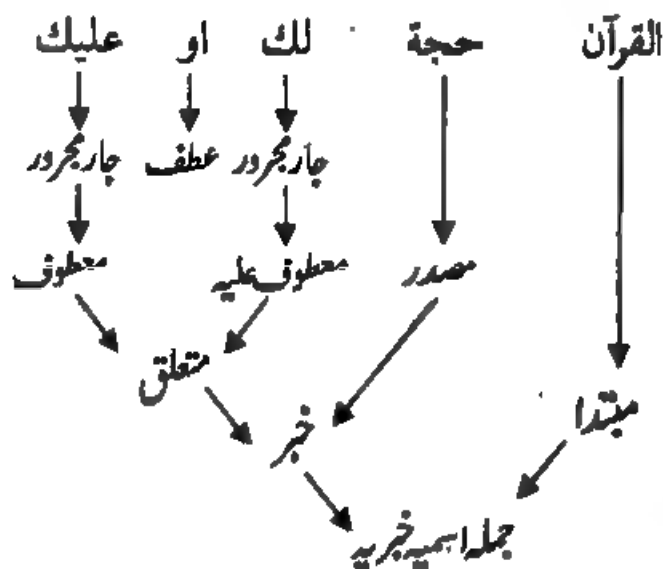
یعنی قرآن وہ کلام الہی ہے جو رسول خدا محمد ﷺ پر نازل ہوا، اور مصاحف میں لکھا گیا، اور آپ ﷺ سے تواتر کے ساتھ بلا کسی شبہ کے ہمارے تک پہنچا ہے۔

حجۃ: یہ بھی مصدر ہے، بروزن فعلاً باب نصر ینصر سے۔ ہفت اقسام میں سے مضاعف ثلاثی ہے، حروف اصلی، ح، ج، ح۔ ہیں اس کی جمع حج اور حجاج آتی ہے، بمعنی دلیل و برہان۔

توکیب:

القرآن مبتداء، حجۃ اسم مصدر، لام حرف جار، ک ضمیر مجرور، جار مجرور مل کر معطوف علیہ، او حرف عطف، علی حرف جار، ک ضمیر مجرور، جار مجرور مل کر معطوف، معطوف معطوف علیہ سے مل کر متعلق ہوا مصدر کے۔ مصدر اپنے متعلق سے مل کر خبر ہوئی مبتداء کی، مبتداء خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

مذکورہ بالا روایت حدیث کی درج ذیل کتاب میں آئی ہے۔

۱۸ گھنٹی شیطان کی بانسری ہے

الْجَرَسُ مَزَامِيرُ الشَّيْطَانِ

ترجمہ:

”گھنٹی شیطان کی بانسری ہے“

تشریح:

جرس سے مراد وہ گھنٹی ہے جو اونٹوں، بیلوں وغیرہ کے گلے میں لٹکی ہوتی ہے جب وہ چلتے ہیں تو ان کی گردن کی حرکت کی وجہ سے اس کی ایک خاص تناسب اور کیفیت کے ساتھ آواز آتی ہے جس سے ساز کا سلسل اور کیفیت پیدا ہوتی ہے، اور اپنے میں یہ گھنٹی آدمی پر وہی اثر ڈالتی ہے جو باقاعدہ ساز ڈالتا ہے، اس لیے اس کو شیطان ہی کے آلات ساز یعنی بانسری کہا گیا ہے کیونکہ جب یہ گھنٹی بجتی ہے تو انسان لامحالہ اس کی آواز میں مشغول ہوتا ہے اور موسیقائی کشش اور تاثیر کی وجہ سے وہ اس سے توجہ ہٹا بھی نہیں سکتا، چنانچہ وہ دیگر اہم اور مفید کاموں مثلاً تلاوت اور ذکر اذکار یا فکر کو چھوڑ کر اس میں مشغول ہو کر گویا غافل ہو جاتا ہے، اس لیے اس گھنٹی کو شیطان کا آلہ ساز کہنا بجا ہے۔

یہ اور اس جیسی دیگر احادیث ظاہر میں ہمیں نامانوس لگتی ہیں مگر ان کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے پہلے یہ بات ذہن میں ہونا ضروری ہے کہ اسلام کا نظریہ زندگی اور اس کی بنیادیں مادیانہ اور خالص عقلیانہ یا حیوانی زندگی کے نظریات سے بہت مختلف ہیں، اسلام نے اپنے قابعین کو ایسے تمام فضول اور لالچوں کا مومن سے بچنے کا حکم دیا ہے جو دنیا یا آخرت میں مفید نہیں ہیں خواہ وہ تصویر سازی سے متعلق ہوں یا گانے، بجانے سے متعلق۔ واضح رہے کہ اسلام نے ان چیزوں کا یا ان کے پیچھے موجود انسانی جذبات کا بالکل خاتمہ نہیں کیا بلکہ ان کو ایک مثبت رخ دے دیا ہے، جس سے نفسیاتی جذبے کی تسکین بھی ہوتی ہے اور دنیا و آخرت میں فائدہ بھی چنانچہ اگر دیکھا جائے تو انسان کے ذوق جمالیات میں بصری خوشگوار چیزوں میں سے ایک مصوری تھی، اسلام نے اس کو گلکاری اور خطاطی جیسے پاکیزہ فن کی شکل میں موڑ دیا، گانے بجانے کے ذوق کو قرآن کی تلاوت میں تبدیل کر دیا چنانچہ آپ نے فرمایا، لیس منا من لم یتغن بالقرآن، یعنی گانے سے جو سکون اور نفسیاتی لذت حاصل ہوتی ہے اس معصیت کی بجائے قرآن سے وہ تسکین حاصل کرو، اور دل کا سکون تو ویسے بھی حقیقت میں یاد الہی میں ہے، ان باتوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے ان فضول چیزوں سے خواہ مخواہ منع نہیں کیا بلکہ وہ اپنا ایک متوازی اور مفید نظام دیتا ہے، اس پس منظر میں اگر دیکھا جائے تو گھنٹی جیسی چیز کا شیطان سے تعلق آسانی سے سمجھا جاسکتا ہے۔

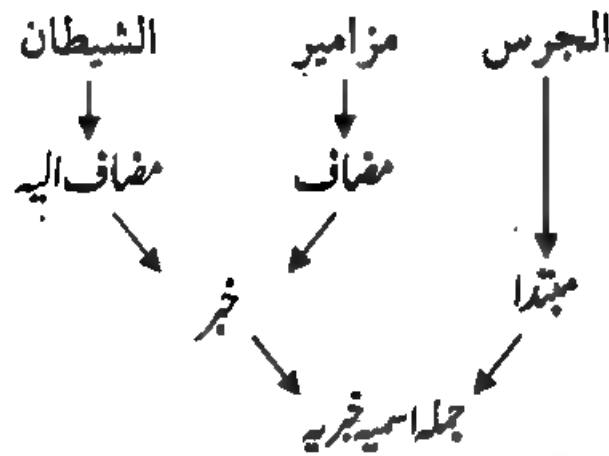
لغوی و صرفی تحقیق:

الجرس: اسم ہے جو گھنٹہ اور گھڑیال کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، اس کی جمع اجر اس آتی ہے۔
مزامیر: جمع ہے مزار کی، اور مزار مفعول کے وزن پر اسم آلہ کا صیغہ ہے، اس سے مراد بجانے کا آلہ اور ساز ہے، عام گفتگو میں خوبصورت آواز کو بھی مزار کہہ دیتے ہیں۔
الشیطان: اس لفظ کی تحقیق پیچھے گزر چکی ہے۔

ترکیب:

الجرس مبتدا، مزامیر مضاف، الشیطان مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ سے مل کر خبر، مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو گیا۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

مذکورہ بالا روایت حدیث کی درج ذیل کتابوں میں آئی ہے۔

(۱) مسلم شریف: باب کرامۃ الکلب والحرس، حدیث نمبر ۲۱۱۴۔

(۲) نسائی: بمعناہ رقم ۸۸۱۲۔

① شیطان کا جال

النِّسَاءُ حَبَائِلُ الشَّيْطَانِ

ترجمہ:

”عورتیں شیطان کا جال ہیں“

تشریح:

خیر و شر کی روز اول سے کشاکش جاری ہے، ایک طرف رحمانی لشکر اور اس کے مخلص بندے ہیں اور دوسری طرف شیطان اپنے لاؤ لشکر سمیت موجود ہے۔ دنیا میں ہر کسی کو کھلی چھٹی ہے جو چاہے کرے، ہدایت و راہنمائی کا سامان بھی موجود ہے زبردستی نہیں، دوسری طرف شیطان کے بے شمار ہتھکنڈے بھی ہیں جن کے ذریعے وہ اللہ کے بندوں کو بہلانے اور پھسلانے کی کوشش کرتا ہے۔ ان شیطانی ہتھکنڈوں کو حدیث میں جال اور پھندے سے تعبیر کیا ہے، یعنی جیسے جال کے اندر شکاری دانہ اور خوراک رکھ دیتا ہے اور بظاہر ایسا لگتا ہے کہ کوئی خطرے والی بات نہیں۔ جو جانور یا پرندہ اس دانے کے قریب آتا ہے اس کو پھندا لگ جاتا ہے اور جال میں پھنس جاتا ہے۔ اس طرح شیطان کے جال اور پھندے بھی بڑے خوش نما ہیں۔ ان جالوں اور پھندوں میں سے ایک اہم موثر اور کارگر جال اور حیلہ عورتیں ہیں، عورتوں کی زیب و زینت بناؤ سنگھار اور بے پردگی کو وہ مردوں کو دور غلانے کے لیے استعمال کرتا ہے، اور مرد الا ماشاء اللہ نادان پرندے کی طرح اس جال میں آرام سے پھنس جاتے ہیں۔ آج دنیا میں بے حیائی، فحاشی، عریانی اور اخلاق باختگی کا جو سیلاب اٹھ اڑا ہے اس میں شیطان اور اس کے حواریوں نے اپنے شیطانی ہتھیار یعنی عورت کو اتنے بڑے پیمانے پر استعمال کیا ہے کہ آج ہر جگہ عورت ہی عورت نظر آتی ہے۔ اور تعجب ہے کہ عورتیں اپنی اس بے توقیری کو آزادی، حقوق اور مساوات سمجھتی ہیں۔ فالی اللہ المصطفیٰ

حضرت حسین بن صالح فرماتے ہیں ”شیطان عورتوں سے کہتا ہے، اے عورتو! تم میرا آدھا لشکر ہو اور تم میرے ایسے تیر ہو جن کو میں جہاں بھی لگاؤں نشانہ خطا نہیں جاتا، اور تم میرے راز ہو، اور تم میرے مقصد و مطلب کے لیے قاصد کا کام دیتی ہو“ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ جن عورتوں کے دل میں خوف خدا اور آخرت کی جواب دہی کی فکر نہیں وہ واقعہ مردوں سے ایسے ایسے کام کروالیتی ہیں کہ جن کا آدمی عام حالات میں تصور بھی نہیں کر سکتا۔ ماں باپ سے قطع تعلقی، بہن بھائیوں سے بدسلوکی، رشتہ داروں سے بے رخی اسی ایک عورت کے کہنے پہ ہو جاتی ہے۔ اس موقع پر عورتوں کو بھی یہ خیال رکھنا چاہئے کہ ہم کہیں بے خیالی میں شیطان کی آلہ کار تو نہیں بن رہیں۔ نیک عورتیں اس بات سے عقلاً مستثنیٰ ہیں کیونکہ وہ خیر کے لیے سعی کرتی ہیں اور خیر پھیلانے کا ذریعہ بنتی ہیں۔

لغوی و صرفی تحقیق:

نساء: امراء کی جمع ہے، لیکن یہ جمع خلاف لفظ ہے یعنی امراء کے اپنے الفاظ اور مادہ کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی جمع یہ نہ ہو لیکن یہ جمع استعمال ہوتی ہے بلکہ یہی استعمال ہوتی ہے البتہ اسی کے مادے سے دوسری جمعیں مثلاً نسوة، نسوة، نِسوان اور نَسین بھی آتی ہیں۔

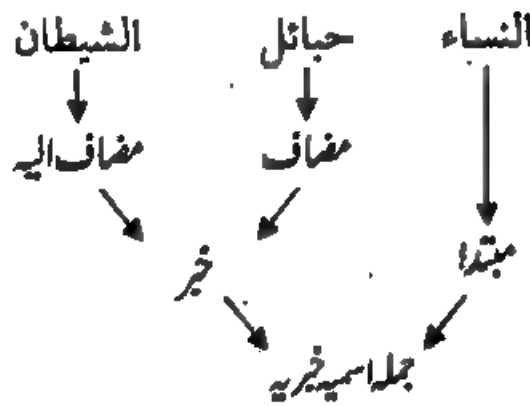
جباثل: بروزن فعال، یہ جمع ہے جبالۃ بروزن فعالة کی، اور اس کا مطلب پھندا، جال اور جھکنڈا ہوتا ہے۔ اس کے قریب قریب ایک دوسرا لفظ جبال آتا ہے جو رسی کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور اس کی جمع جبال، اَجْبَل، اور اَحْبال آتی ہے۔

الشیطان: اس لفظ کی تحقیق تفصیل سے گزر چکی ہے۔

ترکیب:

النساء مبتدا، جباثل مضاف، الشیطان مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ سے مل کر خبر، مبتدا خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو گیا۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

مذکورہ بالا روایت حدیث کی درج ذیل کتاب میں آئی ہے۔

(۱) ابن ابی شیبہ: رقم ۳۴۵۵۲

۲۰ صبر اور شکر

الطَّاعِمُ الشَّاكِرُ كَالصَّائِمِ الصَّابِرِ

ترجمہ:

”کھانے والا شکر گزار صبر کرنے والے روزہ دار کی طرح ہے“

تشریح:

انسان عبادت خداوندی اور اللہ رب العزت کی رضا اور خوشنودی کے حصول کے لیے پیدا ہوا ہے۔ اس کی زندگی کا مقصد یہ ہے کہ اللہ اس سے راضی ہو جائے۔ اور اللہ رب العزت نے اپنی رضامندی اور خوشنودی کو اپنے احکامات کے پورا کرنے کے ساتھ جوڑ دیا ہے، جو بھی اخلاص کے ساتھ حکم پورا کرے گا وہ خدائی خوشنودی کا مستحق قرار پائے گا، اور اخلاص کے ساتھ کوئی بھی عمل کیا جائے اس پر اللہ اجر عطا فرماتے ہیں چاہے وہ اپنے فائدے کا عمل ہی ہو، ضروری نہیں کہ اجر اسی عمل پر ملے جو نفس کی مشقت اور تکلیف کا باعث ہو۔

مذکورہ حدیث میں دو آدمیوں کا باہم موازنہ کیا گیا ہے (۱) کھانا کھا کر شکر ادا کرنے والا۔ (۲) روزہ رکھ کر کھانے سے صبر کرنے والا۔ اس حدیث کا مقصد (بظاہر) یہ ہے کہ اگر آدمی کوئی کام خدا کی رضامندی کے حصول کے لیے اس کے بتائے ہوئے طریقے اور نبی ﷺ کی سنت کے مطابق کرے تو اللہ اس کا اجر بھی ضرور دیتے ہیں چاہے وہ عمل اپنے فائدے کا ہی ہو۔ حالانکہ کھانا کھانا تو بظاہر کوئی ایسا عمل نہیں جو اجر ملنے کا ذریعہ ہو، لیکن اس کے ساتھ جب شکر کی کیفیت ملی تو اس پر بھی اجر ملنا شروع ہو گیا، اور اجر ملنے کے اعتبار سے وہ بھی ایسا ہی ہو گیا جیسے روزہ رکھنا، حالانکہ دونوں بظاہر متضاد عمل ہیں ایک میں کھانا کھایا جا رہا ہے اور دوسرے میں کھانے سے رکا جا رہا ہے لیکن اجر دونوں پر ہے۔ اس میں پیغام اور اہم بات یہ ہے کہ اصل چیز تو حکم خداوندی اور طریقہ شریعت ہے وہ اگر پورا ہوگا تو ہر عمل پر اجر ملے گا۔

یہاں کھانے کو روزے کے ہم پلہ قرار دینے کا مطلب ہر پہلو سے نہیں اور نہ ہی مجموعی طور سے روزہ دار سے کھانے والے کا اجر بڑھتا ہے، بلکہ تشبیہ صرف اجر کے حصول میں ہے۔

کھانے کا شکر یہ ہے کہ اول تو اسے کھاتے وقت بسم اللہ و علی برکتہ اللہ دعا پڑھے، پھر آخر میں شکر کے کلمات الحمد لله الذی اطعمنا وسقانا پڑھے، اور سنت طریقہ کے مطابق کھائے اور اس کھانے کا عملی شکر یہ ہے کہ اس سے حاصل ہونے والی قوت اور طاقت کو خدا کی اطاعت اور نیک کاموں میں خرچ کرے، معصیت میں خرچ نہ کرے۔

لغوی و صرفی تحقیق:

الطاعم: اسم فاعل کا صیغہ ہے، باب سماع یسمع سے اور اس کا مطلب ہے کھانا کھانے والا۔

الشاکر: یہ بھی اسم فاعل کا صیغہ ہے باب نصر ینصر سے بمعنی شکر ادا کرنے والا۔

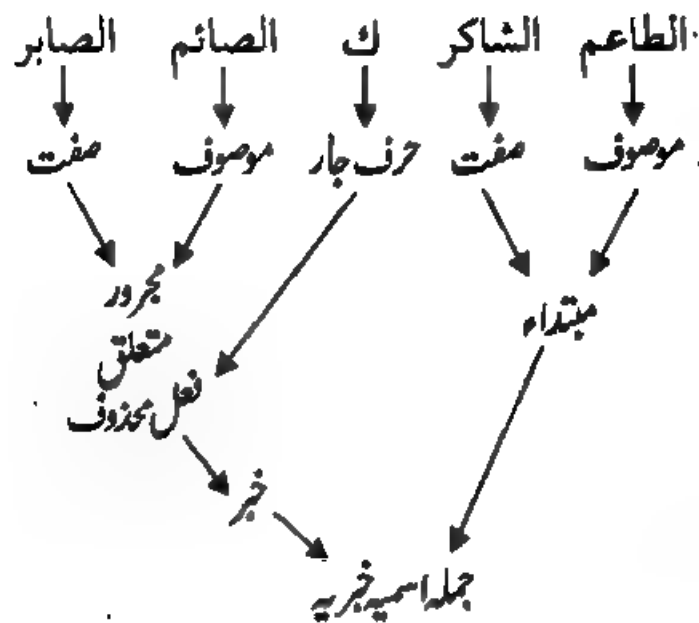
الصائم: یہ بھی اسم فاعل کا صیغہ ہے باب نصر ینصر سے ہفت اقسام کے اعتبار سے اجوف واوی ہے صام بصوم، حروف اصلی ص، و، م ہیں بمعنی روزہ دار۔

الصابر: اسم فاعل کا صیغہ ہے باب ضرب یضرب سے بمعنی صبر کرنے والا۔

ترکیب:

الطاعم موصوف، الشاکر صفت، موصوف صفت سے مل کر مبتداء، ک حرف جار، الصائم موصوف، الصابر صفت، موصوف صفت سے مل کر مجرور، جار مجرور متعلق ہوا فعل محذوف کے۔ فعل محذوف اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر خبر ہوئی مبتدا کی مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو گیا۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

مذکورہ بالا روایت حدیث کی درج ذیل کتابوں میں آئی ہے۔

(۱) ترمذی شریف: رقم ۲۴۸۶

(۲) ابن ماجہ: رقم ۱۷۶۵

(۳) دارمی: رقم ۲۰۲۴

۳۱) معتدل معیشت کا راز

الْاِقْتِصَادُ فِي النَّفَقَةِ نِصْفُ الْمَعِيشَةِ

ترجمہ:

”خرچ کرنے میں میانہ روی اختیار کرنا آدمی معیشت / آمدنی ہے“

تشریح:

اس باب میں اللہ کے نبی ﷺ نے بڑی اہم اور زریں نصیحت فرمائی ہے اس نصیحت کا تعلق ہر آدمی کی انفرادی اور شخصی زندگی سے بھی ہے اور خاندانی، عائلی اور ملکی اور اجتماعی زندگی سے بھی ہے۔

یہ بات تو طے ہے کہ وسائل دنیا محدود ہیں اور انسانی خواہشات لامحدود ہیں، یعنی اگر آدمی اپنی ہر خواہش پوری کرنا چاہے تو وسائل کے اعتبار سے دنیا میں ایسا ہونا ممکن نہیں، اس کے لیے لامحالہ آدمی کو ترجیح اور انتخاب کا طریقہ اپنانا پڑتا ہے، کہ کیا کروں اور کیا نہ کروں؟ مذکورہ بالا حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے زندگی کے اس پہلو سے متعلق راہنمائی فرمائی ہے، اور آپ نے زندگی کو آسان بنانے کا یہ اصول بتایا ہے کہ قناعت اپنائی جائے اور جتنا کچھ تمہارے پاس موجود ہے اپنی خواہشات اور اخراجات اسی کے حساب سے مرتب کیے جائیں، ایسا نہ ہو کہ پاس روپیہ ہو اور خواہشات و اخراجات کی فہرست دو روپے کی ہو کیونکہ ایسا کرنے سے آدمی اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں پیدا کردہ مصنوعی فقر اور تنگدستی میں مبتلا کر لیتا ہے، جب پہلے سے وہ یہ طے کر لیتا ہے کہ میری یہ خواہشات میری ضروریات ہیں پھر آمدنی پوری نہیں ہوتی تو اپنے فقر کی شکایت دل میں لاتا ہے، شکر کا جذبہ رخصت ہوتا ہے، اور پھر آدمی ہر طریقے سے مزید کمانے کے چکر میں پڑ جاتا ہے اور اس میں وہ اتنا منہمک ہو جاتا ہے، کہ اپنے مقصد زندگی یعنی خدا کی خوشنودی کو پس پشت ڈال دیتا ہے، صبح شام گدھے کی طرح کمانا ہی کمانا اس کے سر پر سوار ہو جاتا ہے، اس کے لیے نہ وہ حلال کی پرواہ کرتا ہے اور نہ حرام کی، نہ نمازوں اور فرائض کے چھوٹنے کی کوئی فکر ہوتی ہے اور نہ دین کے کاموں کی کوئی پرواہ۔

یہ ساری صورت حال نتیجہ ہے اپنی زندگی میں اس توازن کے کھونے کا جو فطری ہے یعنی اپنی حقیقی آمدن اور اخراجات کے درمیان توازن نہ رکھنا۔ آج کے انسان کے سامنے معاش کا مسئلہ بنیادی مسئلہ بن چکا ہے اور کمائی ہی کمائی زندگی کا مقصد اولیں بن کر رہ گئی ہے۔ حالانکہ محض اپنا معیار زندگی بلند کرنے کے لیے یوں ہر وقت کمائی کمائی یہ شریعت میں مطلوب اور پسندیدہ نہیں۔ اس لیے چاہئے یہ کہ انسان اپنی سوچ کو قناعت پر لائے زندگی میں اشیاء صرف و ضرورت میں سادگی کو اپنائے دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ جتنی چادر ہوا تنے پاؤں پھیلائے۔

لغوی و صرفی تحقیق:

الاقتصاد: بروزن الاعتال، یہ مصدر ہے باب الاعتال سے۔ ہفت اقسام کے اعتبار سے صحیح ہے اور اس کے حروف اصلی ق، م، د ہیں اس کا لغوی مطلب میانہ روی اختیار کرنا ہے۔ آج کل اقتصادیات کے نام سے پورائے وجود میں آچکا ہے، اس میں بھی وجہ مناسبت یہی ہے کہ اس فن میں یہ سکھایا اور پڑھایا جاتا ہے کہ اپنے ذرائع اور ضروریات کے درمیان تناسب و توازن کیسے قائم رکھا جاسکتا ہے۔

النفقة: یہ مصدر ہے بمعنی خرچ کرنا، اس کی جمع نفقات آتی ہے۔

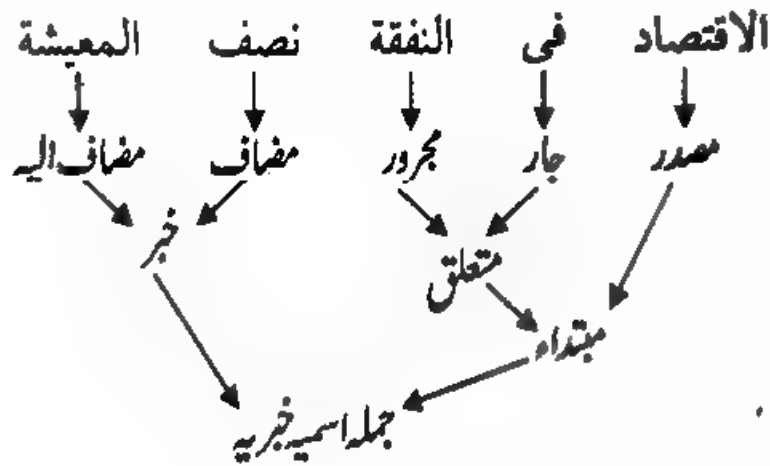
نصف: آدھے آدھے حصے کو کہتے ہیں اردو میں بھی بعینہ مستعمل ہے۔

المعیشہ: یہ مصدر بھی ہے باب ضرب یضرب سے ہفت اقسام کے اعتبار سے اجوف یائی ہے، اس کا لغوی مطلب ہے زندہ رہنا، زندگی گزارنا، اب علم المعیشت کے نام سے پورائے وجود میں آیا ہوا ہے جس میں تجارت اقتصادیات، وغیرہ کے موضوعات سے بحث ہوتی ہے، اگر معیشت کے لفظ کو زیادہ عمومی تناظر میں دیکھا جائے تو وہ فن بھی اس لفظ کے تحت ایک فرد بن کر داخل ہو سکتا ہے۔

ترکیب:

الاقتصاد اسم مصدر، فی حرف جار، النفقة مجرور، جار مجرور متعلق ہوئے مصدر کے مصدر اپنے متعلق اور اپنے فاعل سے مل کر مبتدا ہوا، نصف مضاف، المعیشت مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ سے مل کر خبر، مبتدا خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

مذکورہ بالا روایت حدیث کی درج ذیل کتابوں میں آئی ہے۔

(۱) شعب الایمان: رقم ۶۵۶۸۔

(۲) معجم لوسط: رقم ۶۷۴۴۔

۳۲) لوگوں سے محبت کا برتاؤ کرنا

وَالْتَوَدُّ إِلَى النَّاسِ يَصِفُ الْعَقْلُ

ترجمہ:

”اور لوگوں سے محبت کا برتاؤ آدمی دانش مندی ہے“

تشریح:

انسان میں فطری طور سے ہر طرح کے جذبات رکھے گئے ہیں، اگر اس میں برداشت کا مادہ ہے تو ساتھ میں غصہ اور غضب بھی ہے۔ پھر ہر طرح کے جذبات کا استعمال موقع محل کے اعتبار سے ناگزیر بھی ہوتا ہے، اور مفید بھی، لیکن اگر ان جذبات کا استعمال موقع محل سے ہٹ کر ہو تو یہ مضر ہی مضر ہوتا ہے اور انسان خواہ مخواہ اپنا نقصان کر بیٹھتا ہے، خاص طور سے غضب کا جذبہ ایسا ہے کہ جس سے زیادہ تر نقصان ہی سامنے آتا ہے۔ اس کے برعکس محبت ہے کہ جس سے دنیا و آخرت کے فوائد سامنے آتے ہیں، اس لیے مذکورہ حدیث میں معاملات کی درستی، سمجھداری اور دانشمندی کا گر بتایا گیا ہے کہ لوگوں سے محبت کرو، محبتیں بانٹو، اس سے نفرتیں ختم ہوں گی، تلخیاں ختم ہوں گی۔ جب دو انسان باہم الفت کا برتاؤ کریں تو بہت ساری برائیاں مثلاً حسد، کینہ، بغض، گالم گلوچ، لڑائی جھگڑا، فساد، بے ایمانی، بددیانتی کے دروازے بند ہوتے ہیں، اور محبت کرنے والا انسان خود بھی امن و سکون اور چین کی زندگی گزارتا ہے۔ ایک طرف محبت کے اتنے سارے فوائد ہوں اور دوسری طرف غصے اور نفرت کے نقصان ہوں تو عقل مندی کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی لامحالہ محبت کے طرز اور برتاؤ کو ہی ترجیح دے۔ اسی بات کی اس حدیث میں ترغیب دی گئی ہے۔

لغوی و صرفی تحقیق:

التودد: بروزن التفعّل، یہ باب تفعّل کا مصدر ہے ہفت اقسام کے اعتبار سے ایک تو مثال و آوی ہے اور دوسرا مضاعف مملائی بھی ہے، حروف اصل، و، د، د، د ہیں مطلب ہے محبت کا برتاؤ اور الفت کا رویہ۔

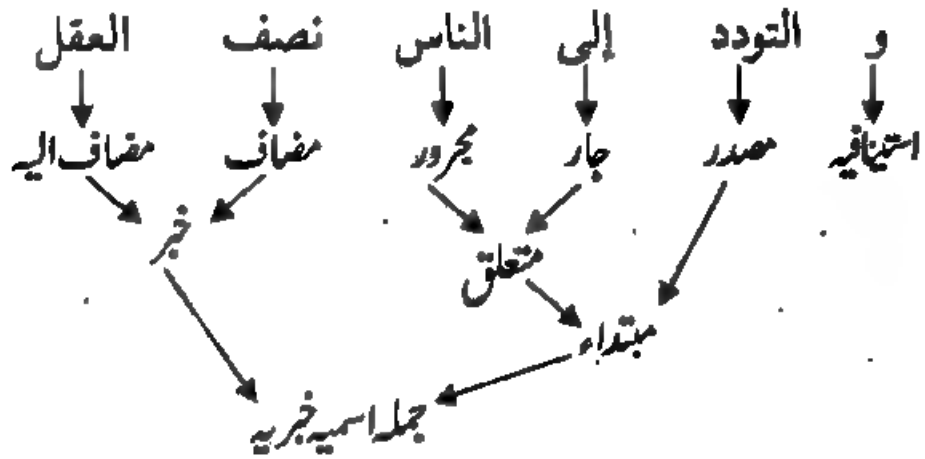
الناس: جمع ہے یا اسم جمع، اہل لغت کے دونوں قول ہیں، بعض لوگوں کے خیال میں الناس کی اصل اُناس تھی، ہمزہ کو حذف کر دیا گیا اور اس کی جگہ الف لام آ گیا۔ (بیضاوی) اور بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ اس کی اصل اُنس کی بجائے، نسی ہے جس کا مطلب بھولنا ہے پھر یا کو سین سے پہلے لے آئے جس سے نیس ہو گیا اور نیس سے ناس ہو گیا، اس صورت میں انسان کی اصل نسیان ہوگی۔ اور بعض اہل لغت نے الناس کا مأخذ براہ راست ناس ینوس نو سا کو قرار دیا ہے۔

الناس اسم جمع ہے جس میں مرد و عورت بچے بوڑھے، مرد و عورت بھی شامل ہیں (دیکھیے لغات القرآن ص ۱۱)

العقل: مصدر ہے عقل یعقل سے، لغوی مطلب روکنا اور باندھنا ہے، عقل کو عقل اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ انسان کو

برے کاموں اور خلاف مروت کاموں سے روکتی ہے۔ اصطلاح میں علماء عقل کی یہ تعریف کرتے ہیں کہ عقل وہ نور ہے جس سے حس اور مشاہدہ میں نہ آنے والی چیزوں کو معلوم کیا جاسکتا ہے۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

مذکورہ بالا روایت حدیث کی درج ذیل کتابوں میں آئی ہے۔

(۱) شعب الایمان: رقم ۶۰۶۷

(۲) معجم اوسط: رقم ۶۷۴۴

۳۳) اچھا سوال آدھا علم ہے

وَحُسْنُ السُّوَالِ نِصْفُ الْعِلْمِ

ترجمہ:

”اور اچھے طریقے سے سوال کرنا، آدھا علم ہے۔“

تشریح:

انسان میں اللہ رب العزت نے معلومات سے آگے بڑھ کر مجبولات اور نامعلوم چیزوں کو معلوم کرنے کی فطری صلاحیت اور تجسس رکھا ہے اور یہ تجسس اس کے علم کے اضافے میں اہم سبب ہے۔ جب انسان کو کچھ معلوم ہوتا ہے تو وہ اپنے ذہن میں موجود نظام علم کی بدولت آگے بڑھتا ہے۔ آگے پھر کچھ ایسی چیزیں سامنے آتی ہیں جو انسان کے احاطہ علم میں تو ہوتی ہیں لیکن ان کے سامنے کچھ رکاوٹ اور ان پر کچھ غبار سا ہوتا ہے۔ ایسے مرحلے میں اگر کوئی راہنمائی کرنے والا میسر ہو تو ایک طالب صادق کے لیے بہت بڑی نعمت ہوتی ہے اور اس کے سامنے ذکر کر کے وہ اشکال اور سوال حل کروا لیتا ہے۔ چنانچہ اس اعتبار سے سوال کو علم کی تحصیل اور معلومات میں بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ حدیث میں یہ فرمایا گیا ہے کہ اچھے طریقے سے سوال کرنا یہ علم کا آدھا حصہ ہے۔ اس مفہوم میں ایک عام جملہ بھی بولا جاتا ہے، السُّوَالُ نِصْفُ الْجَوَابِ، یعنی اگر سوال پوری طرح واضح ہو کر سامنے آجائے تو سمجھ لو کہ آدھا جواب آ گیا کیونکہ جواب کی تمہید اور مقدمات تو مکمل ہو گئے اب صرف نتیجہ باقی ہے۔

اس حدیث میں طالب علم کو سوال کرنے کے حوالے سے آداب کی بھی تعلیم دی گئی ہے کہ اول تو سوال میں فنی اعتبار سے ابھراؤ خرابی، اور تردد نہیں ہونا چاہیے دوسرے اس کو پیش کرنے کا انداز اچھا ہونا چاہیے۔ تیسرے سوال کرتے وقت استاذ اور صاحب علم کے مقام و مرتبے کا خیال رکھنا چاہیے اور سوال کا مطمح نظر کسی کا مبلغ علمی دیکھنا اور صلاحیت جانچنا نہیں ہونا چاہیے۔

لغوی و صرفی تحقیق:

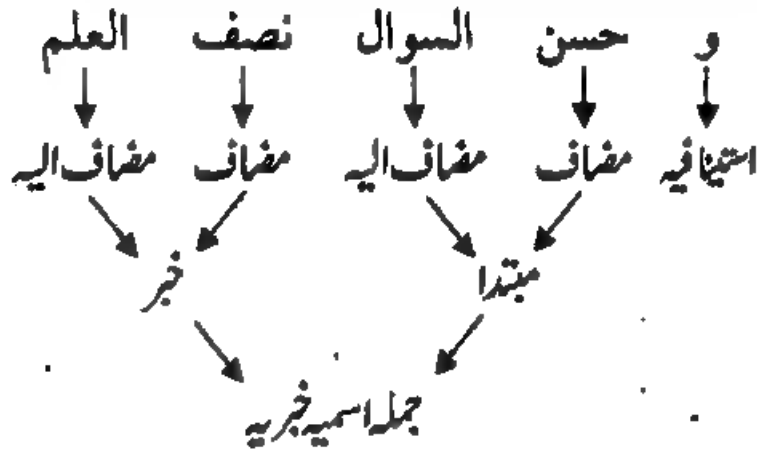
حسن یہ مصدر ہے حسن محسن، کرم یکرم کے باب سے بمعنی خوبی، خوبصورتی۔

السُّوَالُ بروزن فعال یہ بھی مصدر ہے سأل سأل سے ہفت اقسام کے اعتبار سے مہوز العین ہے۔

العلم یہ بھی مصدر ہے بمعنی جاننا۔

ترکیب:

واؤ استعین فیہ حسن مضاف السوال مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ سے مل کر مبتدا، نصف مضاف العلم مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ سے مل کر خبر مبتدا خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو گیا۔

نقشه ترکیب:تخریج حدیث:

(۱) شعب الایمان: رقم ۶۰۶۷

(۲) معجم اوسط: رقم ۶۷۴۴

۳۳) توبہ کے اثرات

التَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهُ

ترجمہ:

”گناہ سے توبہ کرنے والا ایسے ہوتا ہے جیسے اس کے ذمے کوئی گناہ نہ ہو۔“

تشریح:

عام انسانوں کا اصول یہ ہے کہ اگر کسی سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو وہ ہمیشہ کے لیے اس کے کھاتے میں لکھ دیتے ہیں چاہے بعد میں وہ نیکی کے جتنے بھی مدارج طے کر لے وہ بدنامی اس کے ساتھ لگی رہتی ہے۔ جب اسلام نے توبہ کا تصور پیش کیا کہ گناہ گار آدمی چاہے جتنا بڑا گناہ گار ہو جب وہ سچے دل سے توبہ کر لیتا ہے تو وہ گناہ معاف ہو جاتا ہے، لوگوں کا عام تصور اور طرز عمل دیکھتے ہوئے یہ بات اور سوال سامنے آتا یقینی تھا کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ خدا کے ہاں بھی اس گناہ کے اثرات باقی رہیں؟ مذکورہ حدیث میں اس تصور کی نفی کی گئی ہے کہ خدا کے دربار میں یہ ضابطہ نہیں وہاں تو یہ اصول ہے کہ زندگی بھر کی خطاؤں کا ڈھیر سامنے رکھ کر ندامت کا ایک آنسو بہا دو تمہارے گناہ ایسے دھلیس گئے کہ تمہارے دامن پر ان کا ہلکا سا نشان بھی باقی نہیں رہے گا اور یہ ضابطہ صرف ایک دفعہ کے لیے نہیں سو دفعہ بھی توبہ کرے تب بھی ہر دفعہ یہی معاملہ ہوتا ہے۔ اور وہاں سے غافل انسان کے لیے ہر دم یہ صدا لگتی ہے:

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ
گرچہ کافر و کبر و بت پرستی باز آ
در گم مار و گم تا امید نیست
صد بار اگر توبہ نکستی باز آ

لغوی و صرفی تحقیق:

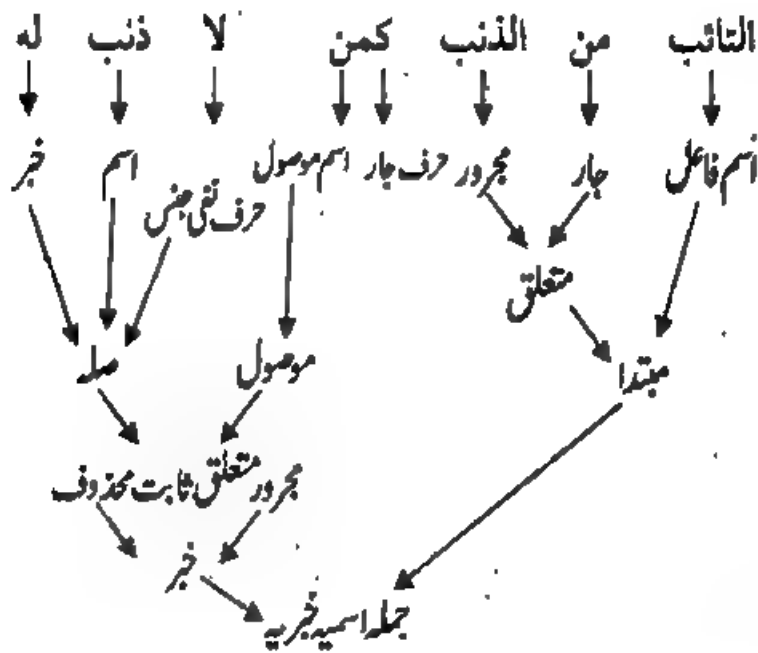
التائب یہ اسم فاعل کا صیغہ ہے تاب توبہ باب نصر بنصر سے ہفت اقسام کے اعتبار سے اجوف واوی ہے اصل میں تابوت تھا، واؤ کو ہمزہ سے بدل دیا، معنی ہے لوٹنے والا رجوع کرنے والا۔ توبہ کرنے والا۔ ایک بات کو چھوڑ کر دوسری کو اختیار کرنے والا۔ الذنب مصدر ہے باب ضرب بنصر سے بمعنی گناہ، خطا، جرم۔ اس کی جمع ذنوب آتی ہے۔

ترکیب:

التائب صیغہ اسم فاعل مشتق من حرف جار الذنب مجرور، جار مجرور سے مل کر متعلق ہوا التائب صیغہ اسم فاعل کے، صیغہ

اسم فاعل اپنے اندر موجود فاعل اور متعلق سے ملکر مبتدا ہوا۔ کہ حرف جار من اسم موصول لا حرف نفی جنس ذنب اسم لائے نفی جنس لام جارہ ضمیر مجرور، جار مجرور متعلق ہوا کائن یا ثابت محذوف کے، کائن محذوف اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر خبر ہوئی ذنب اسم کی، لا نفی جنس اپنے اسم اور خبر سے مل کر صلہ ہوا من اسم موصول کا، من اسم موصول اپنے صلہ سے مل کر مجرور ہوا کاف حرف جار کا۔ کاف حرف جار اپنے مجرور سے مل کر متعلق ہوا کائن محذوف کے کائن اسم محذوف اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر خبر ہوئی مبتدا کی مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) ابن ماجہ، باب ذکر التوبۃ، کتاب الزہد، حدیث نمبر ۴۲۵۰

(۲) بیہقی شعب الایمان، حدیث نمبر ۲۱۰۷۰



② عقلمند آدمی کون ہے؟

الْكَيْسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَ عَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَ الْعَاجِزُ مَنْ أَتَبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهَا وَ تَمَنَّى عَلَى اللَّهِ

ترجمہ:

”عقل مند وہ شخص ہے جو اپنے نفس کو تابع (مغلوب) کر لے اور موت کے بعد والی زندگی کے لیے عمل کرے اور نادان اور کم عقل شخص وہ ہے جو اپنے نفس کو خواہشات کی پیروی میں لگا دے اور (پھر) اللہ پر امیدیں (بھی) باندھے۔“

تشریح:

دنیا کا یہ ضابطہ ہے کہ جیسا سبب ہوگا ویسا نتیجہ ہوگا، جیسا عمل ہوگا ویسا انجام ہوگا، جیسی کرنی ہوگی ویسی بھرنی ہوگی، جو بویا جائے وہی کاٹا جاتا ہے جو ختم ہو وہی شرہ ہوتا ہے۔ آخرت کے معاملات بھی اس ضابطے سے مختلف نہیں۔ جو نیک اعمال کرے گا اپنے نفس کا غلام بننے کی بجائے اس کو پابند کر کے احکام خداوندی پر عمل کرائے گا اور دنیا کی زندگی کے مقابلے میں آخرت کی زندگی کو ترجیح دے گا اور اس کے لیے عمل کرے گا تو یہ آدمی عقلمند ہے کیونکہ اس نے یہ بات جان لی کہ جیسی کرنی ہوگی ویسی بھرنی ہوگی، تبھی تو یہ نیک عمل کرتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں ایک دوسرا آدمی ہے جو اعمال تو سارے خراب کرتا ہے، صبح و شام نفس اور خواہشات کی غلامی میں زندگی گزارتا ہے، جوجی میں آئے کرتا ہے، یعنی سبب تو یہ اختیار کرتا ہے اور توقع اور آرزو یہ رکھتا ہے کہ مجھے نتیجہ اچھا ملے۔ بیجا کانٹے ہے اور توقع پھولوں کی رکھتا ہے اس سے بڑھ کر بھی کوئی بے وقوف ہو سکتا ہے کہ جو اتنی سامنے کی بات بھی نہیں سمجھ پاتا کہ میں کام کیا کر رہا ہوں اور نتیجہ کیا چاہتا ہوں۔ کام کچھ کرے اور جزا کچھ اور سوچے یہ بے وقوفی نہیں تو اور کیا ہے۔

لغوی و صرفی تحقیق:

الکيس: بروزن فَعِلَ اسم صفت ہے بمعنی عقل مند ہفت اقسام کے اعتبار سے اجوف یا ئی ہے، باب ضرب۔ ضرب سے کاس یکیس کیسا ہے۔ (النهاية فی غریب الحدیث ص ۲۱۷ ج ۴)

دان: یہ ماضی کا صیغہ ہے باب ضرب۔ ضرب سے بمعنی مغلوب کرنا محتاج بنانا ہفت اقسام کے اعتبار سے اجوف یا ئی ہے۔

نفس فاء کے سکون اور جزم کے ساتھ بمعنی روح، خون، اور دل۔ یہاں اس سے مراد خواہشات طبعی ہیں۔

العاجز اسم فاعل کا صیغہ ہے باب مع۔ مع سے بمعنی عاجز ہونا، بے عقل ہونا، بے کار ہونا۔

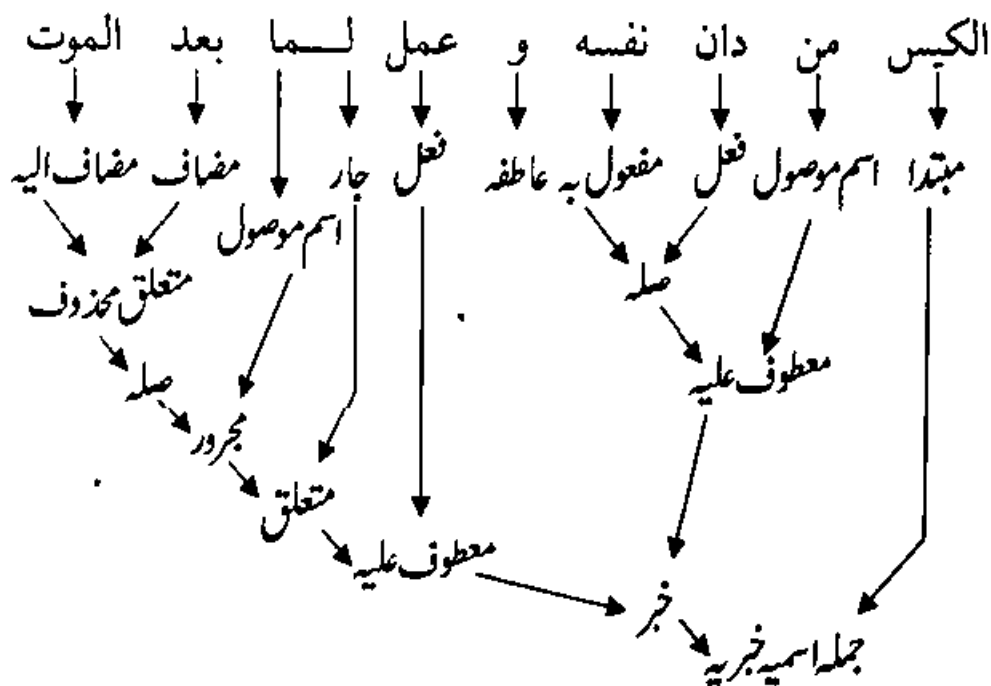
ہوی یہ مصدر ہے ہفت اقسام کے اعتبار سے لفیف مقرون ہے یعنی اجوف واوی اور ناقص یائی اور یہ خواہش کے معنی میں آتا ہے۔

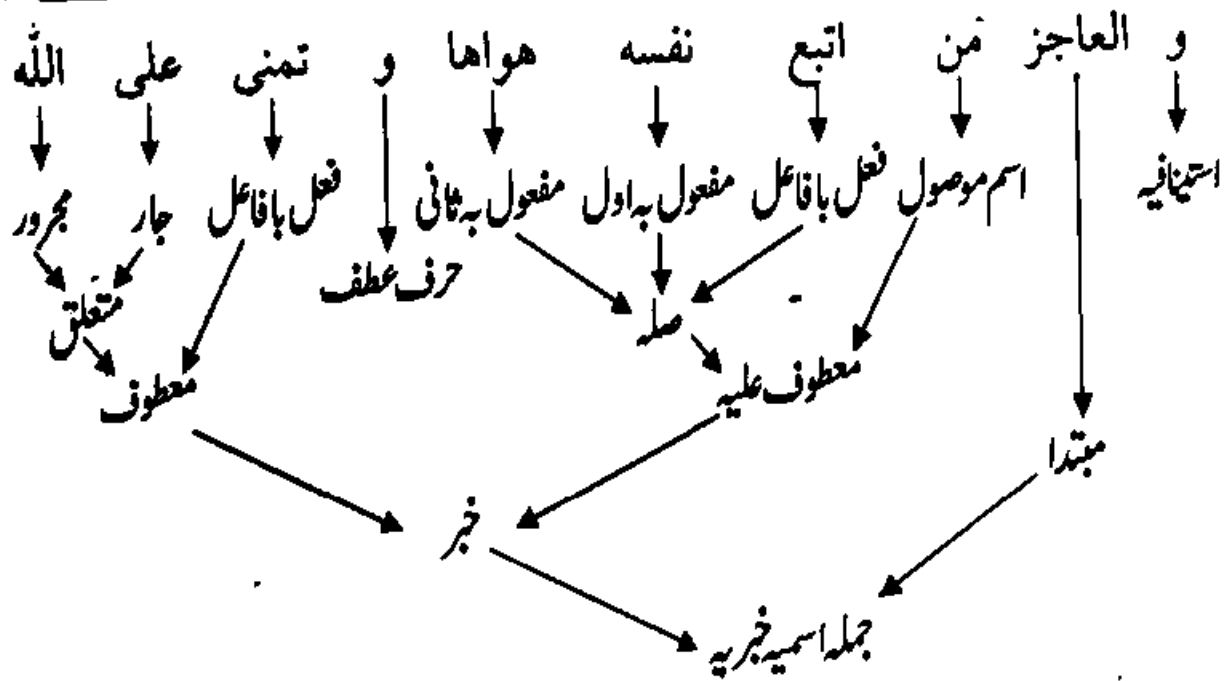
تمنی باب تفعّل سے ماضی کا صیغہ ہے ہفت اقسام سے ناقص یائی ہے بمعنی خواہش کرنا، آرزو کرنا۔

ترکیب:

الکس مبتدا من اسم موصول دان فعل ہو ضمیر اس کے اندر اس کا فاعل نفس مضاف ہ ضمیر مضاف الیہ مضاف مضاف الیہ مفعول بہ۔ دان فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر معطوف علیہ ہوا و حرف عطف عمل فعل با فاعل ل حرف جار ما اسم موصول بعد مضاف الموت مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر صلہ برائے، اسم موصول، موصول صلہ مل کر مجرور، جار مجرور متعلق ہوا عمل فعل کے عمل فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر معطوف، معطوف معطوف علیہ سے مل کر صلہ ہوا من اسم موصول کا، موصول صلہ مل کر خبر ہوئے مبتدا کی، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

نقشہ ترکیب:





تخریج حدیث:

- ۱۔ ترمذی شریف، باب صفة القيامة، حدیث نمبر ۲۴۵۹
- ۲۔ ابن ماجہ، باب ذکر الموت، کتاب الزہد، حدیث نمبر ۴۲۶۰



۴۶) مومن سراپا الفت ہے

الْمُؤْمِنُ مَالِفٌ وَلَا خَيْرَ فِيمَنْ لَا يَأْلِفُ وَلَا يُؤْلَفُ

ترجمہ:

”مومن سراپا الفت ہوتا ہے اور اس شخص میں کوئی بھلائی نہیں جو نہ الفت کرے اور نہ اس سے الفت کی جائے۔“

تشریح:

ایک حدیث شریف میں آتا ہے اَلْخَلْقُ عِيَالُ اللّٰهِ یعنی تمام مخلوق اللہ کا کنبہ اور خاندان ہے اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ تَخَلَّفُوا بِأَخْلَاقِ اللّٰهِ یعنی اللہ کے اخلاق اپناؤ اور خدا کی صفات و اخلاق میں سے ایک نمایاں صفت رحمت ہے۔ خدا کے اخلاق اپنانے اور مخلوق کے کنبہ ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ ایک مومن آدمی تمام مخلوق کو اور خاص طور سے مسلمانوں اور اپنے قریب والوں کے حق میں ایسا ہی رحم دل، نرم خو، اور شفیق اور سراپا انس اور محبت ہو جیسا کہ کنبہ کا سربراہ اور باپ اپنی اولاد کے لیے ہوتا ہے اس میں شک مزاحی، ترش روئی اور غصے سے مغلوبیت نہیں ہونی چاہیے۔

بلکہ آپ نے فرمایا کہ مومن تو وہ ہوتا ہے جو سراپا الفت ہوتا ہے اور جس آدمی میں الفت اور محبت کا مادہ نہیں اس میں کوئی خیر نہیں یعنی نہ وہ کسی سے الفت رکھے اور نہ کوئی دوسرا اس کے رویے کی وجہ سے اس کے قریب پھٹکے ایسا آدمی خیر سے محروم ہے۔

لغوی و صرفی تحقیق:

مَالِفٌ بروزن ملعل، یہ اسم ظرف کا صیغہ ہے یا مصدر میسی ہے۔ ہفت اقسام کے اعتبار سے مہوز الفاء ہے۔ حروف اصلی، ل، ف ہیں اور معنی الفت کی جگہ بھی ہو سکتا ہے اور الفت کرنا بھی ہو سکتا ہے اگر مصدر بنائیں تو ایسی صورت میں یہ زید عدل کے قبیل سے ہوگا۔

يَأْلِفُ بروزن يفعل یہ فعل مضارع معروف کا صیغہ ہے باقی تحقیق وہی ہے جو مَالِفٌ میں ہے۔

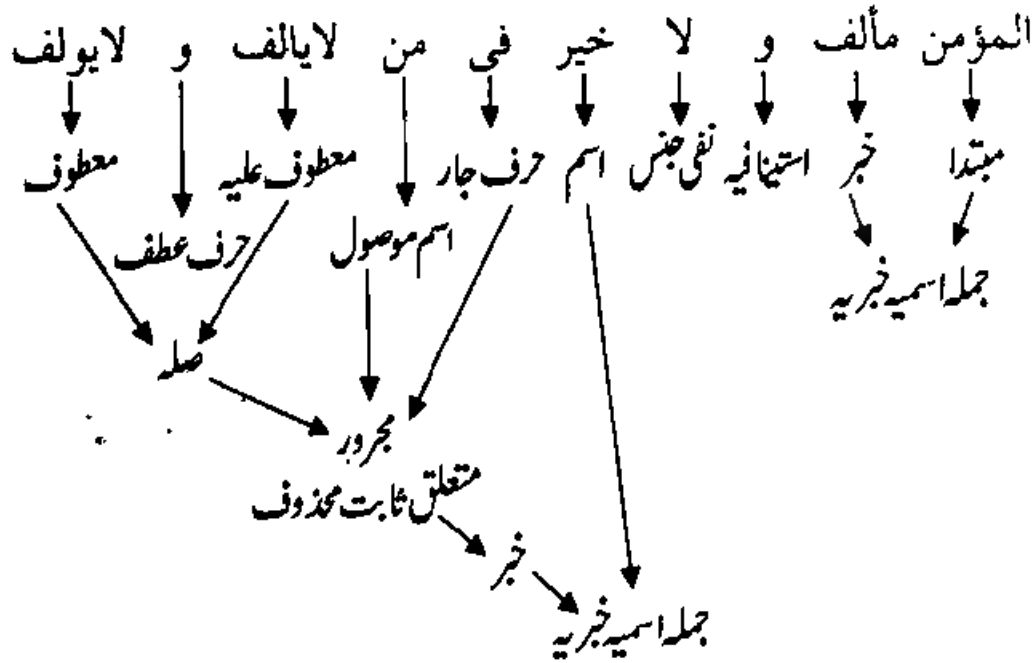
يُؤْلَفُ بروزن يفعل یہ فعل مضارع مجهول کا صیغہ ہے۔

ترکیب:

الْمُؤْمِنُ مبتدا مَالِفٌ خبر مبتدا خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ وَاعْتِنَا فِيهِ لَا لَنِي جنس خیر اس کا اسم منصوب بالفتح فی حرف جار من اسم موصول لَا يَأْلِفُ فعل با فاعل معطوف علیہ و حرف عطف لَا يُؤْلَفُ فعل با فاعل معطوف، معطوف معطوف علیہ سے مل کر صلہ ہوا من اسم موصول کا۔ من اسم موصول اپنے صلہ سے مل کر مجرور ہوائی حرف جار کا جار مجرور متعلق ہوا ثابت محذوف کے۔ ثابت محذوف اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر خبر ہوا لا حرف نفی جنس کی۔ لائے لنی جنس اپنے اسم اور خبر سے مل

کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو گیا۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) شعب الایمان، حدیث نمبر ۲۱۶۲۷

(۲) مصنف ابن شیبہ ۳۴۵۴۱

۲۶) گانا اور نفاق

الْغِنَاءُ يُنْبِتُ النِّفَاقَ فِي الْقَلْبِ كَمَا يُنْبِتُ الْمَاءُ الزَّرْعَ

ترجمہ:

”گانا دل میں نفاق پیدا کرتا ہے جیسا کہ پانی کھیتی اگاتا ہے۔“

تشریح:

مذکورہ حدیث گانے کے بارے میں شدید وعید پر مشتمل ہے کیونکہ اسے دل میں نفاق پیدا کرنے کا سبب بتایا گیا ہے، گانے کے بارے میں اور بہت سی نصوص بھی آئی ہیں جن میں اس کی شدید مذمت کی گئی ہے اور ایسا اس وجہ سے ہے کہ گانا واقعاً لغو، لہو، ولعب اور وقت کے ضیاع کا سبب ہے۔ جب انسان ایک بامقصد زندگی سے ہٹ کر لہو ولعب میں مشغول ہوتا ہے تو پھر مروت، سنجیدگی، متانت و تقار سب کچھ ہی جاتا ہے اور گانا بجانا، اگرچہ لوگوں کے بقول تفریح کی چیز ہے لیکن درحقیقت یہ تفریح سے زیادہ سکر اور نشے کی چیز ہے جیسے نشہ وقتی طور سے آدمی میں سرور اور کیف لاتا ہے، غم بھول جاتا ہے، دل تازگی محسوس کرتا ہے لیکن یہ سب کچھ وقتی ہوتا ہے درحقیقت نشے سے دل و دماغ ماؤف ہو جاتے ہیں اسی طرح جوکان، ساز سننے کے عادی ہو جائیں ان میں دل بدن بز دل، بے دلی، اور بخشش کی طرف میلان ہوتا جاتا ہے ان کانوں کو پائل کی چھنکار تو اچھی لگتی مگر وہ کان نکوار کی جھنکار سے بیگانہ ہو جاتے ہیں۔ صلابت، شجاعت، سنجیدگی جیسے اوصاف ایک ایک کر کے ان سے رخصت ہوتے جاتے ہیں۔ اسی وجہ سے ابن خلدون نے لکھا ہے:

”جتنی اسلامی سلطنتوں کو زوال آیا ان میں سے اکثر کا باعث یہی تھا کہ ان کے حکمران اور صاحب اقتدار

لوگ شب و روز ناچ گانے کی محفلوں میں مصروف رہتے تھے۔“

اسی بات کو اقبال مرحوم نے یوں تعبیر کیا ہے

آ تھ کو ہتاؤں تقدیر ام کیا ہے

شمشیر و سناں اول طاؤس و رباب آخر

واضح رہے کہ گانے کا ایک معروف مفہوم ہے اور ایک اس کے تحت داخل ہونے والی قریب قریب کی اشیاء ہیں مثلاً ایسی

گھنٹیاں جو موسیقی کے مطابق بجتی ہوں، خواہ موہاٹل کی ہوں یا دوسرے آلات کی، یہ سب غنا کے حکم میں داخل ہیں اس لیے ایسی گھنٹیوں سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔

④ تاجر، فضیلت و وعید کے درمیان

التَّجَارُ يُحْشَرُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فُجَّارًا إِلَّا مَنْ اتَّقَى وَبَرَّ وَصَدَقَ

ترجمہ:

”قیامت کے دن تاجروں کا حشر فاسق و فاجر لوگوں کے ساتھ ہوگا سوائے اس تاجر کے جو خدا سے ڈرا، نیکی کی

اور سچ بولا۔“

تشریح:

یہ ایک عام مشاہدے کی بات ہے کہ تجارت میں جھوٹ اور دھوکہ دہی بہت زیادہ ہوتی ہے اگرچہ تجارت ایک جائز کام ہے تاہم جب اس کے ساتھ بددیانتی، جھوٹ اور دھوکہ دہی مل جاتی ہے تو یہ کام باوجود جائز ہونے کے آدمی کو فاسقوں اور فاجروں کی صف میں لاکھڑا کرتا ہے جو کہ ہر وقت گناہوں کی زندگی گزارتے ہیں۔

یہ حدیث تجارت کے غلط ہونے کی صورت میں بڑی سخت وعید پر مشتمل ہے البتہ اس وعید سے وہ آدمی بچے گا جو تین باتوں پر عمل کرے گا (۱) تقویٰ اختیار کرے (۲) نیکی کرے (۳) سچ کو کام میں لائے۔

ایک دوسری حدیث میں آپ نے تاجروں کو اپنے عمل میں بکثرت کمی کو تباہی واقع ہو جانے کی وجہ سے کثرت سے صدقہ کرنے کی ترغیب بھی دی ہے تاکہ ان کے گناہ اور لغزشیں صدقے سے دھلتی رہیں۔

یہاں ضمناً ایک بات یہ بھی سمجھنا ضروری ہے کہ تجارت کے غلط ہونے کا ایک تو عام مفہوم ہے جسے سب لوگ جانتے ہیں مثلاً جھوٹ، ملاوٹ، دھوکہ دہی وغیرہ۔ دوسرے کچھ ایسی چیزیں بھی ہیں جو عام حالات میں غلط نہیں سمجھی جاتیں لیکن شریعت کی نظر میں وہ قابل اعتراض ہوتی ہیں مثلاً مالی معاملات کو ایسے طریقے سے سرانجام دینا یا بیع و شراء ایسے کرنا کہ جس میں معاملات کے اسلامی اصول اور خرید و فروخت کے شرعی ضابطے پامال ہوتے ہوں یہ بھی ناجائز ہے جبکہ فقہاء کے بقول جو حکم سود لینے کا ہے وہی حکم خلاف شرع معاملہ کرنے کا ہے چنانچہ ایک مسلمان تاجر کی ذمہ داری میں دونوں باتیں شامل ہیں ایک تو صریح اور بدیہی غلط کام نہ ہو، دوسرے فنی لحاظ سے وہ کام شریعت سے متصادم نہ ہو۔

لغوی و صرفی تحقیق:

التجار: بروزن فعال، یہ جمع ہے تاجر کی بمعنی سوداگر۔

یُحْشَرُونَ: فعل مضارع مجہول بمعنی اکٹھا کرنا، قیامت میں آنا۔

فُجَّارًا: بروزن فعال جمع ہے فاجر کی بمعنی فاسق، بدکار، گناہ گار۔

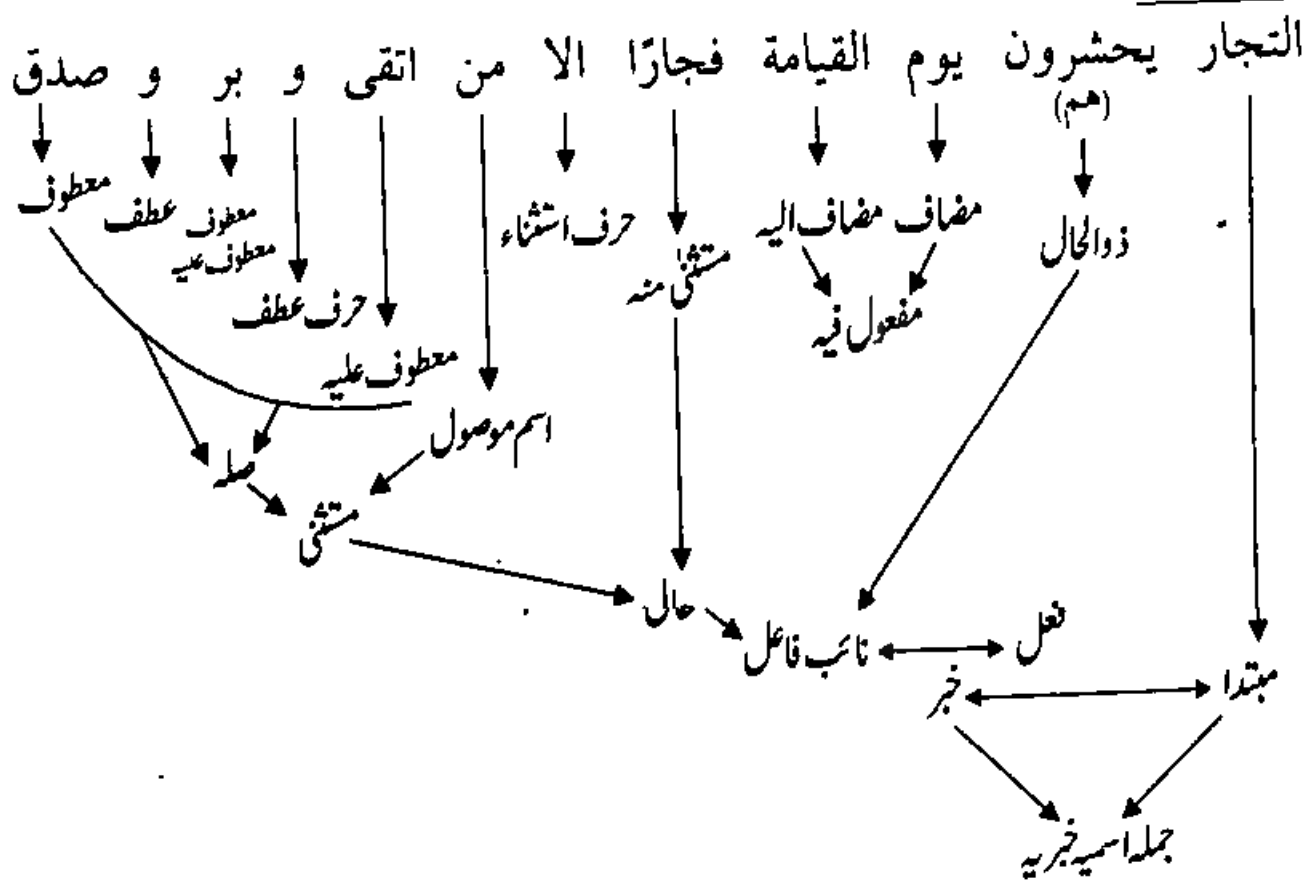
اتقی: بروزن افعّل، باب التعلّ، صیغہ ماضی، معروف ہفت اقسام سے لفیف مفروق، حروف اصلی و، ق، ی، اصل میں اَوْتَقَى تھا و او یا سے بدلی پھرتا ہو کرتا میں مدغم ہو گئی۔ آخری یا الف سے بدل گئی۔

بر: بروزن فعل صیغہ ماضی، ہفت اقسام سے مضاعف ثلاثی، حروف اصلی ب، ر، ر، بمعنی نیکی کرنا۔

ترکیب:

التجار مبتدا يحشرون فعل هم ضمير نائب فاعل ذو الحال يوم القيامة مضاف مضاف اليه مل كرمفعول فيه فجارا حال، حال ذو الحال مل كرمشتى منه الا حرف استثناء من موصوله انتقى فعل با فاعل معطوف عليه و حرف عطف بر معطوف و معطوف عليه و حرف عطف صدق معطوف، تمام معطوفات مل كرمصله ہوئے من اسم موصول كا، موصول صلہ سے مل كرمشتى، مشتى منه اور مشتى مل كرحال، حال ذو الحال مل كرنائب فاعل۔ يحشرون فعل اپنے نائب فاعل سے مل كرحملہ فعلیہ خبریہ ہو كر خبر ہوئی مبتدا کی اور مبتدا خبر سے مل كرحملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

- (۱) ترمذی شریف، حدیث نمبر ۱۲۱۰
(۲) ابن ماجہ، حدیث نمبر ۲۱۴۶
(۳) دارمی، حدیث نمبر ۲۵۳۸

۴۰ امانت دار تاجر کا مقام

التَّاجِرُ الصَّدُوقُ الْأَمِينُ مَعَ النَّبِيِّينَ وَالصَّدِيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ

ترجمہ:

”سچا امانت دار تاجریوں، صدیقیوں، اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔“

تشریح:

پچھلی حدیث میں بددیانت تاجروں کی مذمت اور ان کے لیے وعید کا ذکر تھا، اور اس روایت میں اس بات کا دوسرا رخ دکھایا گیا ہے اور وہ یہ کہ تجارت میں اگر کوئی تاجر سچ اور امانت داری سے کام لے گا تو یہ عمل اتنا بڑا اور تنہا عظیم ہے کہ اس تاجر کو باوجود معمولی آدمی ہونے کے قیامت والے دن نبیوں، صدیقیوں اور شہداء جیسے مقرب لوگوں کے ساتھ جگہ ملے گی۔ یعنی تجارت میں جس قدر نیکی اور امانت برتے گا اسی قدر رتبہ ہے اگر کم درجے کی ہوئی تو شہداء کے ساتھ، اس سے زیادہ ہوئی تو صدیقیوں کے ساتھ، اس سے زیادہ ہوگی تو نبیوں کے ساتھ۔ تاجر کا یہ رتبہ اس لیے ہے کہ تجارت جیسے معاملے میں جبکہ نفع و قدم کے فاصلے پر ہوتا ہے اور صرف ایک غلط بات کر کے اسے لینا ہوتا ہے ایسے حال میں امانت اور سچ سے کام لینا واقعی دل گردے کا کام اور بہت بڑی قربانی ہے۔ جس کا اتنا بڑا صلہ ہونا چاہیے۔

لغوی و صرفی تحقیق:

الصدوق: بروزن فعل، یہ اسم مبالغہ کا صیغہ ہے بمعنی بہت زیادہ سچا۔

الامین: بروزن فعل، یہ صفت مشبہ کا صیغہ ہے بمعنی امانت دار، دیانت دار۔

النبيين: یہ نبی کی جمع ہے اللہ کے وہ بندے جن کا اللہ کے ہاں مخلوق میں سب سے بلند مقام ہوتا ہے۔ اللہ انہیں محو کی طرف اپنا پیغام دے کر بھیجتا ہے۔

صدیقین: صدیق کی جمع ہے۔ صدیق بروزن فعل اسم مبالغہ کا صیغہ ہے بمعنی بہت سچا اور یہ نبوت کے بعد کا مقام ہے۔

الشهداء: بروزن فعلاء یہ شہید کی جمع ہے جو راہ خدا میں دین کے لیے اپنی جان جیسی قیمتی چیز کا نذرانہ پیش کرتا

ہے نبی اور صدیق کے بعد اس کا رتبہ سب سے زیادہ ہے۔

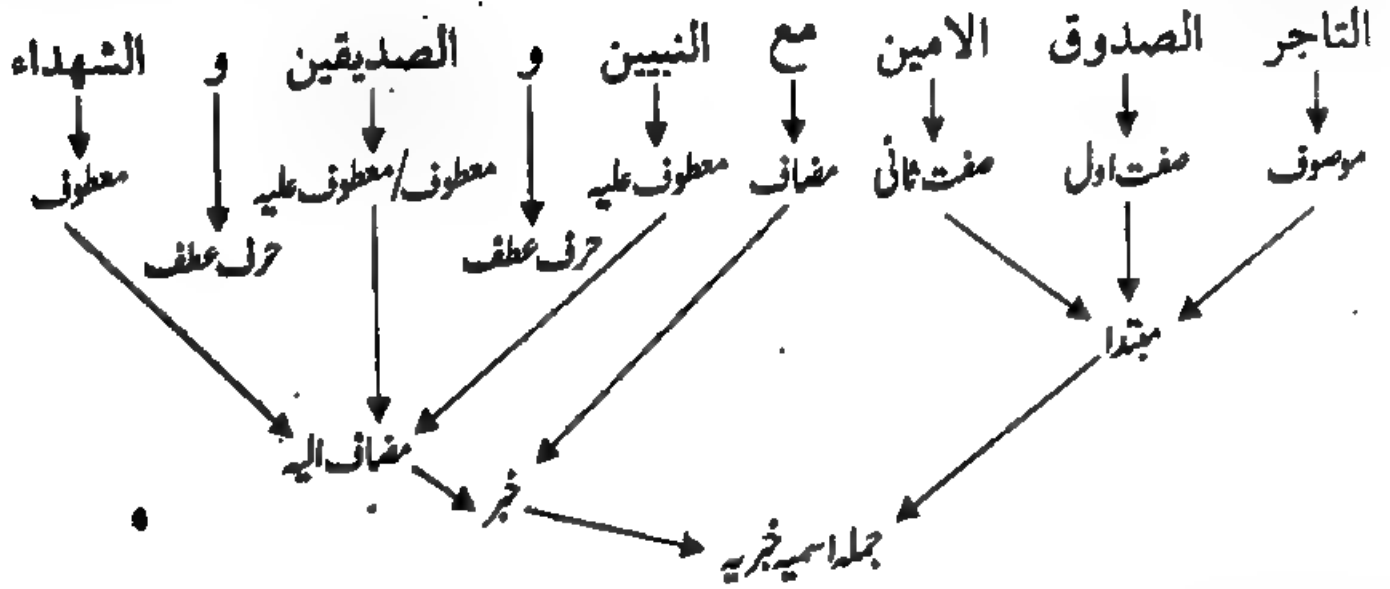
ترکیب:

التاجر موصوف الصدوق صفت اول الامین صفت ثانی مع مضاف النبیین معطوف علیہ و حرف عطف

الصدیقین معطوف علیہ و معطوف و حرف عطف الشهداء معطوف۔ تمام معطوفات مل کر مضاف الیہ مع مضاف کا۔ مضاف

مضاف الیہ سے مل کر خبر، مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو گیا۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) ترمذی شریف، حدیث نمبر ۱۲۰۹

(۲) ابن ماجہ، حدیث نمبر ۲۱۳۹

(۳) دارمی، حدیث نمبر ۲۵۳۹

۳۱ منافق کی علامات

آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ وَاِذَا اُتِمِّنَ خَانَ

ترجمہ:

”منافق کی تین نشانیاں ہیں، جب بات کرے تو جھوٹ بولے اور جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے اور جب اسے امانت دار بنایا جائے تو خیانت کرے۔“

تشریح:

مذکورہ بالا حدیث میں منافق کی تین بڑی بڑی علامتیں اور نشانیاں بتائی گئی ہیں۔ یہ علامات ضروری نہیں کہ تینوں کی تینوں ہر منافق میں پائی جائیں دوسرے لفظوں میں یہ ہر منافق کی بات نہیں ہوگی بلکہ جنس منافق کی بات ہوگی۔ یہاں ایک سوال یہ اٹھتا ہے کہ یہ تینوں علامتیں تو نفاق اور دوسرے لفظوں میں کفر کی ہیں جبکہ آج ہم اپنے آس پاس آئے روز لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ ان باتوں کے مرتکب ہوتے ہیں تو کیا ایسی صورت میں وہ سب منافق قرار پائیں گے اور دائرہ اسلام سے خارج ہوں گے؟

پہلی بات یہ ذہن میں رکھنے کی ہے کہ جن حالات اور ماحول میں یہ بات آپ ﷺ نے فرمائی اس دور میں امر واقعہ یہی تھا کہ کسی سچے مسلمان سے ان باتوں کا ہونا، ممکن نہیں تھا اور اس دور میں اگر کوئی ایسا کرتا تھا تو اس کا مطلب ہوتا تھا کہ اس کے دل میں ایمان کی وہ کیفیت نہیں جو رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں رہنے والے ایک مسلمان کی ہونی چاہیے اور یہ چیزیں بھی علامت کے طور پر ہیں۔ ضروری نہیں کہ جہاں علامت پائی جائے وہاں وہ چیز ہو بھی۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ علامت نفاق کو دو قسموں میں تقسیم کیا ہے ایک نفاق اعتقادی کہ جس کا مطلب ہوتا ہے کہ آدمی اندر سے پکا کافر ہے بس ظاہر سے اسلام ظاہر کر رہا ہے اور دوسرا نفاق عملی کہ جس میں اندر تو ایمان کسی نہ کسی درجے میں ہو لیکن عملی کمزوری کی وجہ سے آدمی کام ایسے کرے جیسے منافق کرتے ہیں۔ مذکورہ بالا حدیث کو مسلمانوں کے حق میں اسی تاظر میں سمجھنا چاہیے اور اصل مقصود یہ ہے کہ ہر مسلمان ان خصلتوں اور عادتوں سے بچے تاکہ وہ نفاق کی تہمت میں نہ آئے۔

لغوی و صرفی تحقیق:

آیۃ: یہ مفرد ہے اور اس کی جمع آیات اور آی آتی ہے اس کا معنی علامت ہے۔

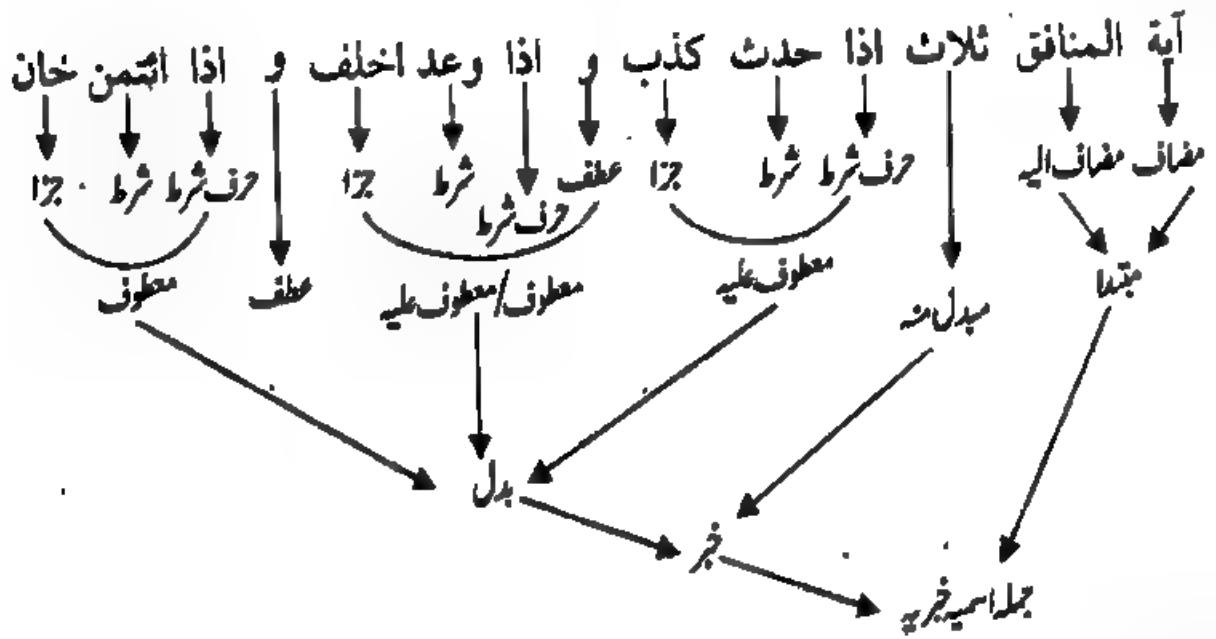
او تمین: بروزن الفعل یہ باب افعال سے ماضی مجہول کا سیغہ ہے۔ ہفت اقسام کے اعتبار سے مہموز الفاء ہے اور اس کے حروف اصلی ا، ہ، ی، ن ہیں۔

خان: بروزن فعل باب نصر نصر سے ماضی معروف کا صیغہ ہے۔ مفت اقسام سے اجوف واوی ہے
حروف اصلی خ، و، ن ہیں بمعنی خیانت کرنا، دغا بازی کرنا۔

ترکیب:

آیۃ، مضاف المنافق، مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ سے مل کر مبتدا، ثلاث مبدل منہ إذا حرف شرط حدث فعل
هو ضمیر اس کا فاعل، فعل فاعل مل کر شرط، کذب فعل با فاعل اس کی جزاء، شرط جزا مل کر معطوف علیہ، و حرف عطف، اذا
حرف شرط وعد فعل با فاعل شرط اخلف فعل با فاعل جزاء۔ شرط جزا مل کر معطوف علیہ، اور معطوف، و حرف عطف اذا حرف
شرط اؤتمن فعل با فاعل شرط، خان فعل با فاعل جزاء۔ شرط جزا سے مل کر معطوف۔ تمام معطوفات مل کر بدل، مبدل منہ
(ثلاث کا)، مبدل منہ اپنے بدل سے مل کر خبر ہوئی مبتدا کی، مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو گیا۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

- (۱) جامع ترمذی: ۲۶۳۱
- (۲) سنن نسائی: ۱۱۱۲۷
- (۳) صحیح بخاری: ۳۳

③ کبیرہ گناہ

الْكِبَايِرُ، الْإِشْرَاكُ بِاللَّهِ وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ وَقَتْلُ النَّفْسِ وَالْيَمِينُ الْغَمُوسُ

ترجمہ:

”بڑے گناہ (یہ ہیں) اللہ کے ساتھ شرک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا، کسی جان کو قتل کرنا اور جھوٹی قسم کھانا۔“

تشریح:

ہم دنیا کی بہت ساری چیزوں میں مشاہدہ کرتے ہیں کہ ہر چیز کے اوصاف کے اعتبار سے کئی درجات اور مراتب ہیں۔ کوئی سب سے اوپر کا مرتبہ ہے تو کوئی سب سے نیچے کا، کوئی زیادہ سخت ہے تو کوئی نرم۔ گناہ بھی ایک حقیقت ہے جو اسی طرح درجات میں تقسیم ہے۔ کوئی بہت سنگین خطرناک اور ناقابل معافی جرم ہے تو کوئی ہلکے سے درجے کا جو محض کسی نیکی سے ہی معاف ہوتا ہے۔ عام طور سے علماء نے گناہوں کی دو قسمیں بیان کی ہیں: (۱) صغیرہ (۲) کبیرہ

ان قسموں کی متعدد تعریفات بھی ہیں ہر تعریف میں اس کے کسی اہم پہلو کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے ورنہ مقصود سب کا ایک ہی ہے۔ بہر حال آسان لفظوں میں کہیں تو یوں ہے کہ کبیرہ گناہ وہ ہے جو شریعت کی نظر میں انتہائی ناپسندیدہ اور عقاب کا موجب ہو اور صغیرہ وہ ہے جو اس کے علاوہ ہو اور اگر تعریف بالحکم کریں تو صغیرہ گناہ وہ ہے جس کی معافی کے لیے مستقل طور سے توبہ کرنے کی ضرورت نہیں اور کبیرہ وہ ہے جس کی علیحدہ معافی مانگنی پڑے اور توبہ کرنی پڑے۔ ہر کبیرہ گناہ میں بھی پھر بے شمار درجات ہیں اس موضوع پر علماء نے مستقل کتابیں تالیف کی ہیں جن میں کبیرہ گناہوں کا ذکر ہے۔ علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے کبیرہ گناہوں پر کتاب لکھی ہے اس میں انہوں نے ستر کے قریب گناہ گنوائے ہیں۔ ایک دوسری کتاب، ”کتاب الزواجر“ میں کبیرہ گناہوں کی تعداد ۴۶ بتائی گئی ہے۔ مذکورہ حدیث میں تین چیزوں کو موقع کی مناسبت سے ذکر کیا گیا ہے جن میں ایک شرک ہے۔ شرک یہ ہوتا ہے کہ اللہ کی ذات و صفات میں کسی مخلوق کو شریک کیا جائے یعنی جو صفات اللہ کی جس طرح سے ہیں وہ مخلوق میں مانی جائیں۔ مخلوق سے مراد عام ہے چاہے کوئی فرشتہ ہو یا جن ہو یا انسان ہو۔

دوسری چیز والدین کی نافرمانی ہے اس سے مراد جائز امور ہیں جب ان میں والدین کوئی حکم دیں تو اس کا ماننا لازم ہوتا ہے اگر خلاف شریعت حکم دیں تو پھر اچھے طریقے سے معذرت کرنی چاہیے سختی اور ترش کلامی کی اجازت کسی طور بھی نہیں۔ تیسری چیز جھوٹی قسم ہے اس کی مثال یہ ہے کہ ایک کام کسی نے کیا ہے لیکن وہ قسم کھا کر کہے کہ یہ کام میں نے نہیں کیا یہ جھوٹی قسم

لغوی و صرفی تحقیق:

الکباثر: جمع ہے کبیرۃ کی۔ مراد ہے گناہ۔

عقوق: بروزن نغول مصدر عقق سے بمعنی نافرمانی۔

الغموس: بروزن فعول بمعنى ڈھانپنے والا جھوٹی قسم کو غموس اس لیے کہتے ہیں یہ قسم کھا لینے کے بعد بندہ گویا گناہ میں ایسا

غرق ہو جاتا ہے جیسے پانی میں کوئی ڈوب جائے۔

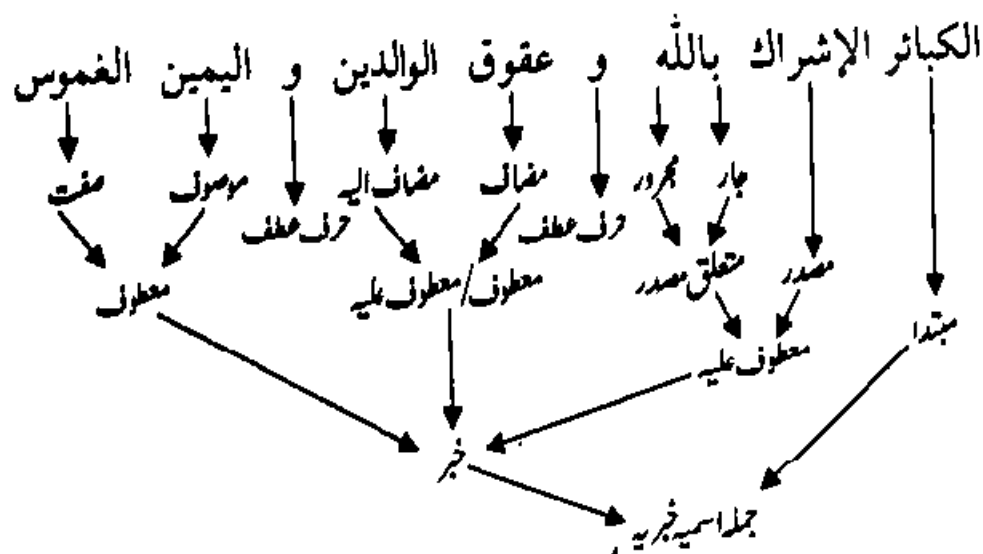
ترکیب:

الکبائر مبتداء، الاشرار مصدر با حرف جار لفظ اللہ مجرور جار مجرور متعلق مصدر کے مصدر اپنے فاعل اور متعلق سے

مل کر معطوف علیہ و حرف عطف، عقوق مضاف، الوالدین مضاف الیہ مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف علیہ معطوف و

حرف عطف، الیمین موصوف الغموس صفت، موصوف صفت سے مل کر معطوف، تمام معطوفات مل کر خبر ہوئے مبتدا کی، مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو گیا۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) بحاری شریف، حدیث نمبر ۶۲۹۸

(۲) ابن حبان، حدیث نمبر ۵۵۶۳

۳ گناہ کی پہچان

الْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ وَ الْإِثْمُ مَا حَاكَ فِي صَدْرِكَ وَ كَرِهْتَ أَنْ يَطَّلِعَ عَلَيْهِ النَّاسُ

ترجمہ:

”نیکی خوش خلقی کا نام ہے اور گناہ وہ ہے جو تمہارے دل میں کھٹک پیدا کرے اور تم اس بات کو ناپسند کرو کہ لوگوں کو اس بات کا پتہ چلے۔“

تشریح:

اس حدیث میں آپ ﷺ نے بڑی ہی جامعیت اور سادگی سے گناہ اور نیکی کے حدود متعین کر دیئے ہیں۔ نیکی کے بارے میں یہ فرمایا کہ نیکی عمدہ اخلاق کا نام ہے۔ عمدہ اخلاق کا مطلب یہ ہے کہ آدمی ہر طرح کے رذائل اور بری عادات سے اپنے آپ کو پاک کرے خواہ وہ رذائل باطنی ہوں یا ظاہری۔ ظاہری رذائل میں تمام وہ گناہ آجائیں گے جو آدمی اپنے ہاتھوں اور زبان سے سرانجام دیتا ہے اور باطنی سے مراد وہ اعمال ہیں جو دل و ماغ سے تعلق رکھتے ہوں جیسے حسد، بغض، کینہ، حرص، طمع، بدگمانی، بخل وغیرہ۔۔۔۔۔ ان کے مقابلے میں نیکی یہ ہوگی کہ آدمی خیر خواہی، محبت، اخلاص، قناعت، حسن ظن، سخاوت وغیرہ جیسے اوصاف سے مزین ہو۔۔۔۔۔ یہ تمام نیکیاں ہیں جو اس جملے میں سمٹ جاتی ہیں۔

دوسری چیز گناہ کے بارے میں یہ فرمایا کہ گناہ کی عام علامت یہ ہے کہ اپنے ضمیر سے پوچھو کوئی کام کرتے وقت اگر تمہیں ضمیر روکے اور ٹھوکر لگائے تو سمجھ لو کہ گڑبڑ ہے اور گناہ میں ایک بات یہ بھی ہوتی ہے کہ آدمی کوشش کرتا ہے کہ اسے چھپائے اور لوگوں کو اس کا پتہ نہ چلے گناہ کی یہ علامات ان چیزوں کے بارے میں مفید و مؤثر ہوں گی جن کے بارے میں شریعت کی طرف سے صریح حکم موجود نہ ہو۔ ورنہ تو اگر کوئی آدمی شراب پی لے اور دل میں کوئی کھٹکانہ نذرے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوگا کہ یہ گناہ نہیں ہے۔

لغوی و صرفی تحقیق:

البر یہ مصدر ہے مضاعف ثلاثی ہے بمعنی نیکی، اطاعت، فرمانبرداری

الخلق اس کا لغوی معنی طبیعت عادت اور طبعی خصلت ہے اس کی جمع اخلاق آتی ہے۔

حاک یہ ماضی کا صیغہ ہے، باب نصر ینصر سے ہفت اقسام میں سے اجوف واوی ہے، حروف اصلی ج، و، ک ہیں۔ بمعنی

کھٹکانا، ”حاکم“ جولا ہے کو کہا جاتا ہے اور محاکہ، کھڈی کو جس پر جولا ہا کپڑا بنتا ہے۔

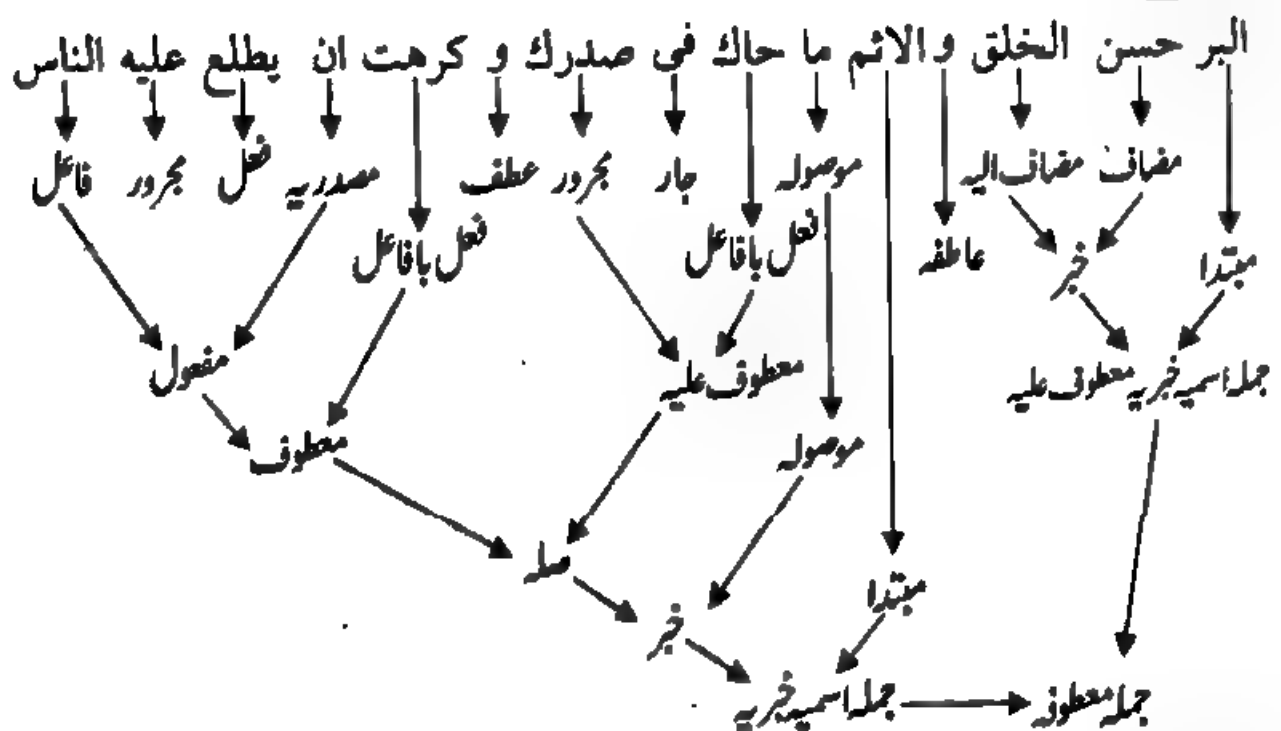
کرہت باب مع یسمع سے ماضی معروف کا صیغہ ہے بمعنی ناپسند کرتا۔
یطلع یہ باب اتعال سے ہے اصل میں اطلع تھا تاہم کو طاء سے بدل دیا پھر دونوں کا آپس میں ادغام ہو گیا۔

ترکیب:

البر مبتدا، حسن مضاف الخلق مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ سے مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ۔

و حرف عطف الاثم مبتدا، ما موصولہ حاک فعل بافاعل فی جار صدر مضاف ک ضمیر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مجرور، جار مجرور متعلق، حاک فعل کے فعل بافاعل و متعلقات جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ، و حرف عطف کرہت فعل بافاعل ان مصدر یہ یطلع فعل علیہ جار مجرور الناس فاعل، فعل فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر بتاویل مصدر مفعول بہ ہوا کرہت فعل کا۔ کرہت فعل، فاعل اپنے مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر صلہ ہوئے ما اسم موصول کا موصول صلہ سے مل کر خبر ہوئی الاثم مبتدا کی، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر معطوف، معطوف معطوف علیہ سے مل کر جملہ معطوف ہوا۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

- (۱) مسلم شریف، باب البر و الاثم، کتاب البر و الصلۃ، حدیث نمبر ۲۵۵۳
- (۲) ترمذی شریف، باب ما جاء فی البر و الاثم، ابواب الزہد، حدیث نمبر ۲۳۸۹
- (۳) دارمی، باب فی البر و الاثم، حدیث نمبر ۲۵۳۳

۳۵ مخلوق اللہ کا کنبہ ہے

الْخَلْقُ عِيَالُ اللَّهِ فَاحْبُ الْخَلْقَ إِلَى اللَّهِ مَنْ أَحْسَنَ إِلَى عِيَالِهِ

ترجمہ:

”تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے، مخلوق میں سے اللہ کے ہاں سب سے پسندیدہ آدمی وہ ہے جو اللہ کے کنبے (یعنی مخلوق) کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔“

تشریح:

مذکورہ حدیث میں نبی ﷺ نے ایک بڑی پیاری اور عمدہ تشبیہ کے ساتھ مخلوق پر رحم کرنے اور اچھا سلوک کرنے کی ترغیب دی ہے فرمایا کہ تمام کی تمام مخلوق یوں سمجھو کہ اللہ کا کنبہ اور اس کے متعلقین ہیں۔ اب جو آدمی یہ چاہے کہ وہ اللہ کا قرب حاصل کرے اسے چاہیے کہ اللہ کے متعلقین کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔ عام ضابطہ ہے کہ آدمی کے خاندان اور گھر والوں سے اگر کوئی بھلائی کرتا ہے تو اس آدمی کے دل میں اس کی قدر آ جاتی ہے یہی حال یہاں بھی ہے، مخلوق سے مراد بظاہر تمام چیزیں ہیں خواہ انسان ہوں یا حیوانات، کسی کے ساتھ بھی بلا حق تعدی اور زیادتی اللہ کو پسند نہیں چاہے جانور ہی ہو۔ ویسے انسان کا مقام تو بہت بلند ہے۔

لغوی و صرفی تحقیق:

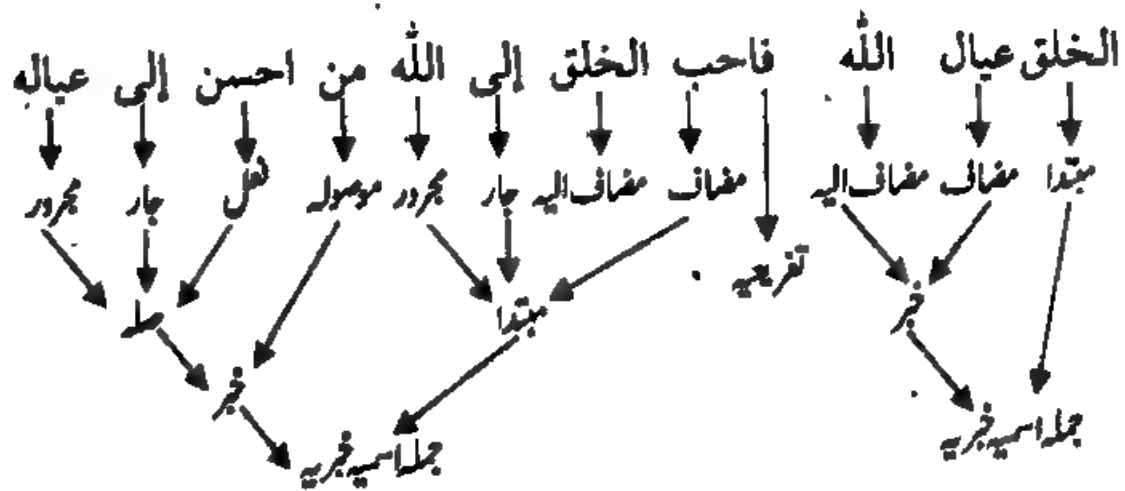
عیال: بروزن فعال، یہ عیال بروزن سید کی جمع ہے۔ یہ باب ضرب یضرب یعنی عال یحیل سے مشتق ہے ہفت اقسام کے اعتبار سے اجوف یاکی ہے حروف اصلی، ع، ی، ل ہیں۔

احسن: فعل ماضی کا صیغہ ہے باب افعال سے بمعنی احسان کرنا، عمدہ سلوک کرنا، نیک برتاؤ کرنا۔

توکب:

الخلق مبتدا۔ عیال مضاف، لفظ اللہ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ سے مل کر خبر۔ مبتدا خبر جملہ اسمیہ خبریہ، ف تفریعہ احب مضاف الخلق مضاف الیہ الی حرف جار لفظ اللہ مجرور جار مجرور متعلق ہوئے احب صیغہ اسم تفضیل کے۔ احب صیغہ اسم تفضیل اپنے مضاف الیہ اور متعلق سے مل کر مبتدا، من موصولہ، احسن فعل با قاعل الی حرف جار عیال مضاف الیہ مضاف مضاف الیہ سے مل کر مجرور جار مجرور متعلق احسن فعل کے، احسن فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر صلہ ہوا اسم موصول کا اسم موصول اپنے صلہ سے مل کر خبر مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ۔

نقشه ترکیب:



تخریج حدیث:

(١) ييهقى فى شعب الايمان، حديث نمبر ٧٤٤٨

(٢) المعجم الاوسط، ٥٥٤١

۳) مسلمان کون ہے؟

الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَ يَدِهِ

ترجمہ:

”مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں۔“

تشریح:

ایک مسلمان کو سراپا خیر، الفت، محبت، اور خیر خواہی ہونا چاہیے۔ اس کو چاہیے کہ وہ ہر کسی کے لیے راحت کا سامان کرے کسی کو تکلیف نہ پہنچائے۔ تکلیف پہنچانے کے عام طور سے یہی دو ذریعے ہیں ایک ہاتھ یعنی اعضاء و جوارح اور دوسرا زبان۔ اعضاء و جوارح سے تکلیف پہنچانے کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان کو مارنا، ہاتھوں پاؤں سے تنگ کرنا اور زبان سے تکلیف پہنچانے کا مطلب ہے زبان سے کوئی سخت بات کسی دوسرے مسلمان کو کہنا یا ایسا کلمہ بولنا جو اس کو ناگوار گزرے اور وہ اس سے تکلیف محسوس کرے۔ ایک کامل مسلمان کی شان یہ ہے کہ اس کے ہاتھوں اور زبان سے کوئی بھی ناجائز کام صادر نہ ہو۔ حدیث شریف میں زبان کو ہاتھ سے پہلے ذکر کیا گیا ہے جس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ زبان زیادہ استعمال ہوتی ہے یا اس وجہ سے کہ زبان کی تکلیف زیادہ اذیت ناک ہوتی ہے کیونکہ زبان کے لگائے ہوئے زخم برسوں بعد بھی نہیں مٹتے۔

لغوی و صرفی تحقیق:

المسلم: اسم فاعل کا صیغہ ہے باب افعال سے، مراد مسلمان ہے۔

سلم: فعل ماضی کا صیغہ ہے بمعنی محفوظ ہونا، سالم رہنا، بچا رہنا۔

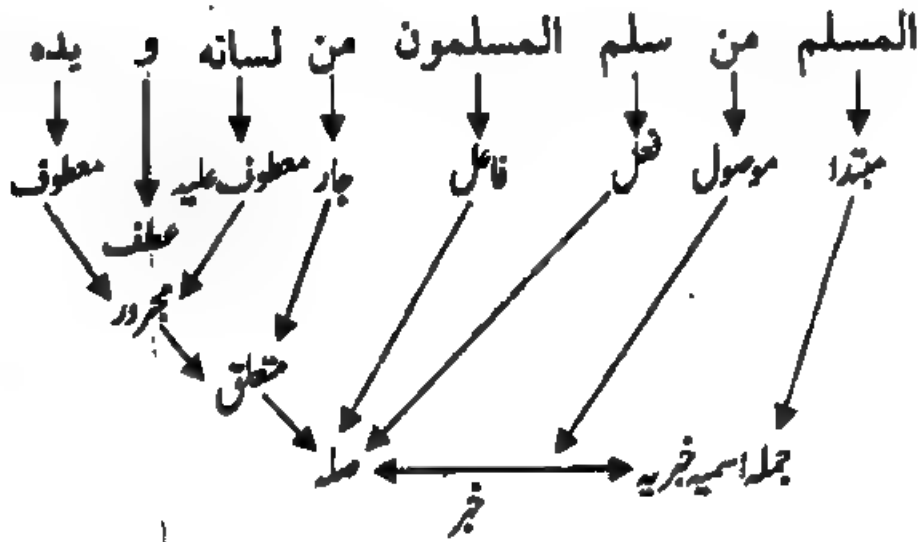
لسان: مفرد ہے جس کی جمع اللُّسُنُ آتی ہے۔ ید: اصل میں یدٌی تھا یا کو حذف کر دیا گیا اسی وجہ سے جمع میں یا واپس آ

جاتی ہے۔

ترکیب:

المسلم مبتدا من اسم موصول سلم فعل المسلمون فاعل من حرف جار لسان مضاف ضمیر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مجرور جار مجرور معطوف علیہ و حرف عطف، یدہ مضاف مضاف الیہ معطوف، معطوف معطوف علیہ سے مل کر مجرور، جار مجرور متعلق ہوئے سلم فعل کے۔ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر صلہ من موصولہ کا۔ موصول صلہ مل کر خبر ہوا مبتدا کی۔ مبتدا خبر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

- (۱) بخاری، کتاب الایمان، حدیث نمبر ۹
- (۲) مسلم، کتاب الایمان، حدیث نمبر ۴۱



۱۴ مومن مال و جان کا محافظ

وَالْمُؤْمِنُ مَنْ أَمِنَهُ النَّاسُ عَلَى أَمْوَالِهِمْ وَدِمَائِهِمْ

ترجمہ:

”اور مومن آدمی وہ ہے جس کو لوگ اپنے مالوں اور جانوں کے معاملے میں امین سمجھیں۔“

تشریح:

یہ حدیث مفہوم اور الفاظ کے اسلوب کے اعتبار سے پچھلی حدیث کا تتمہ اور تکمیلی حصہ ہے۔ اس میں ایک کامل مومن آدمی کی یہ شان بتائی گئی ہے کہ مومن آدمی وہ ہے جس سے لوگ امن میں رہیں لوگ اس کی طرف سے اپنے مالوں اور اپنی جانوں کو محفوظ اور سالم سمجھیں۔ یعنی لوگوں کو اس کی ذات سے کسی قسم کا بھی خوف نہ ہو، نہ وہ لوگوں کی جان سے تعرض کرے اور نہ ان کے مال کو چھیڑے۔

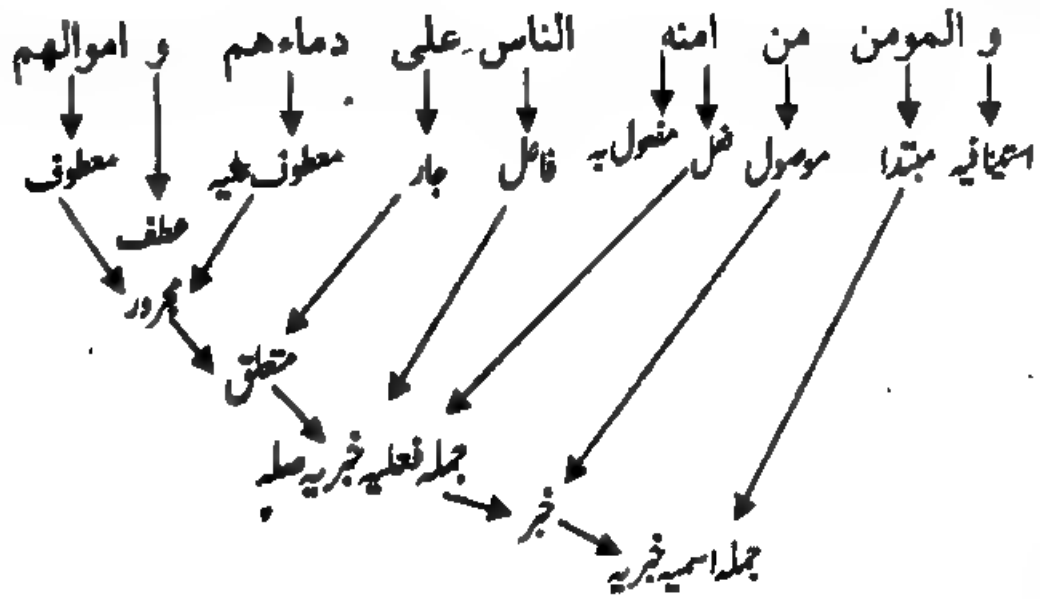
لغوی و صرفی تحقیق:

امن: فعل ماضی کا صیغہ ہے باب مع یسمع سے بمعنی امین جانا، محفوظ رہنا، امن محسوس کرنا۔
اموال: بروزن افعال یہ جمع ہے مال کی اس میں مال و دولت کی تمام شکلیں آجائیں گی۔
دماء: دم کی جمع ہے دم اصل میں دَمَوْتُ ہے واؤ حذف کر دی گئی، البتہ جمع اور نسبت میں ظاہر ہوتی ہے۔

ترکیب:

المؤمن من اسم موصول امن فعل ضمیر مفعول بہ مقدم الناس فاعل مؤخر علی حرف جار دماء مضاف ہم ضمیر مضاف الیہ۔ مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف علیہ و حرف عطف اموال مضاف ہم ضمیر مضاف الیہ مضاف مضاف الیہ سے مل کر معطوف، معطوف معطوف علیہ سے مل کر مجرور جار مجرور متعلق ہوا فعل کے۔ فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر مصلیہ موصول مصلیہ سے مل کر خبر مبتدأ خبر جملہ اسمیہ خبریہ ہو گیا۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) ترمذی شریف، حدیث نمبر ۲۶۲۷

(۲) نسائی، حدیث نمبر ۱۱۷۲۶



۳۸) نفس کا جہاد

وَالْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهُ فِي طَاعَةِ اللَّهِ

ترجمہ:

”اور مجاہد وہ ہے جو اللہ کی طاعت اور فرمانبرداری میں اپنے نفس سے مجاہدہ کرے۔“

تشریح:

جہاد کا ایک تو عام اور معروف اصطلاحی مفہوم ہے، جس کا مطلب ہوتا ہے اللہ کی رضا کی خاطر دین کی سر بلندی کے لیے اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر لڑنا، اور قتال کرنا۔ بلاشبہ یہ عظیم ترین عبادت اور درجہ ہے، مذکورہ حدیث میں دراصل مجاہد کو ہی اس بات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ دشمن کو زیر کرنا بھی بڑا کام ہے لیکن اس کے ساتھ بلکہ شاید اس سے مشکل کام یہ ہے کہ اپنے پہلو میں بیٹھے دشمن اور آستین کے سانپ یعنی نفس کو قابو کرو اور اسے ایک لمحہ کے لیے بھی خدا کی اطاعت سے غافل نہ ہونے دو اور اس کے قابو کرنے اور مسخر کرنے میں بھی اسی محنت اور کوشش سے کام لو جو دشمن کے خلاف میدان قتال میں لیتے ہو۔ اس حدیث کا مقصد معروف جہاد کی اہمیت کو کم کرنا ہرگز نہیں اور نہ ہی اس سے ایسا تاثر کشید کرنا درست ہے۔

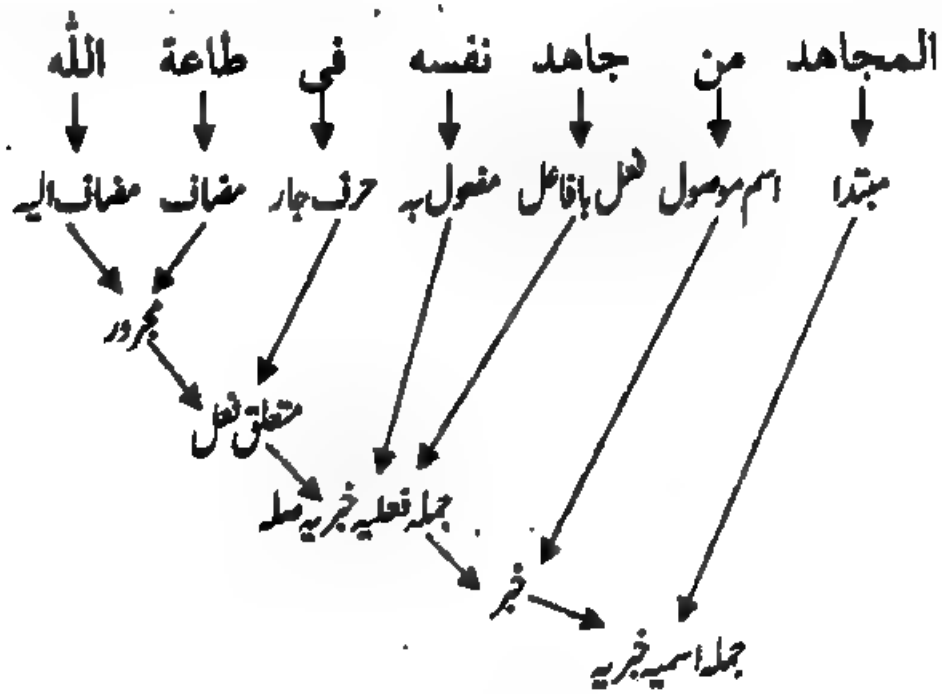
لغوی و صرفی تحقیق:

المجاہد باب مفاعله سے اسم فاعل ہے بمعنی، جدوجہد اور کوشش کرنے والا۔ مراد ہے راہ خدا میں لڑنے والا۔ طاعة یہ مصدر ہے اجوف واوی سے بمعنی فرمانبرداری۔

ترکیب:

المجاہد مبتدا من اسم موصول جہاد فعل با فاعل نفسه مفعول بہ فی جار طاعة مضاف لفظ اللہ مضاف الیہ مضاف مضاف الیہ مجرور متعلق فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور متعلق سے مل کر صلہ موصول کا، موصول صلہ سے مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

نقشه ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) شعب الایمان، حدیث نمبر ۱۱۱۲۳

(۲) المعجم الکبیر، حدیث نمبر ۷۹۶

۴۹. ہجرت کا اصل تقاضا

وَالْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ الْخَطَايَا وَالذُّنُوبَ.

ترجمہ:

”اور مہاجر وہ شخص ہے جو گناہوں اور غلطیوں کو ترک کر دے۔“

تشریح:

شریعت اور دین کی اصطلاح میں مہاجر کا ایک مطلب یہ ہے کہ وہ آدمی جو دارالحرب اور دارالکفر کو چھوڑ کر اپنا دین بچانے کی خاطر دارالاسلام کو ہجرت کر جائے اور یہ کام انتہائی فضیلت کا ہے، کیونکہ ہجرت کی بدولت پچھلے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اس حدیث میں ہجرت کا شرف پانے والے آدمی کو اس بات کی طرف متوجہ کرنا مقصود ہے کہ جیسے ہجرت جیسے مقدس عمل سے اتنی فضیلت حاصل کر لی ہے اب ایک قدم آگے بڑھا کر ایک اور ہجرت بھی کرو اور تمام گناہوں کو چھوڑ کر طاعت کی سرزمین میں آ جاؤ یہ باطنی ہجرت ہے اور پہلی ظاہری ہجرت ہے۔

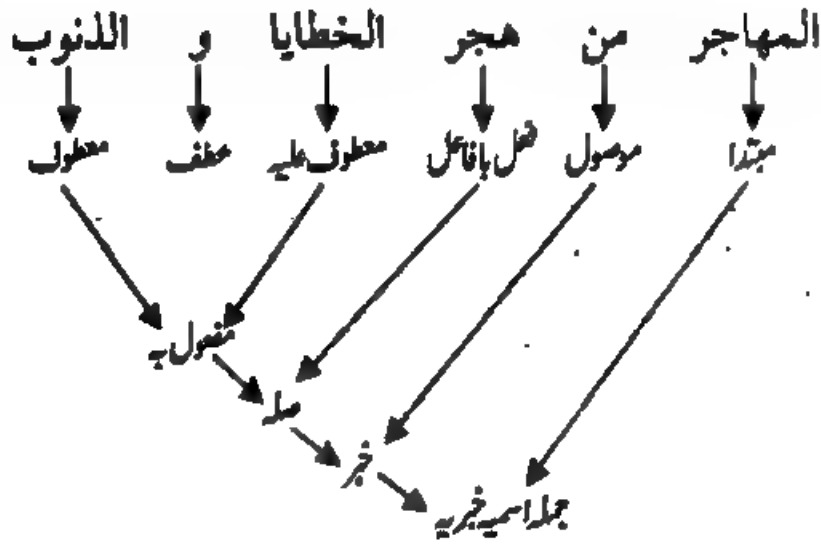
لغوی و صرفی تحقیق:

المہاجر اسم فاعل کا صیغہ ہے باب مفاعلہ سے ہجر فعل ماضی کا صیغہ ہے بمعنی چھوڑ دینا، ترک کرنا، الخطایا جمع ہے خطیئۃ کی، خطیئۃ کی دوسری جمع خطیئات بھی آتی ہے۔

ترکیب:

المہاجر مبتدا من اسم موصول، ہجر فعل ضمیر اس کا فاعل الخطایا معطوف علیہ و حرف عطف الذنوب معطوف، معطوف معطوف علیہ سے مل کر مفعول بہ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ موصولہ سے مل کر خبر مبتدا خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو گیا۔

نقشه ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) المعجم الكبير ۷۹۶

(۲) شعب الایمان، ۲۱۱۲۳



۴۵ مدعی اور مدعی علیہ کی ذمہ داری

الْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعِي وَالْيَمِينُ عَلَى مَنْ أَنْكَرَ

ترجمہ:

”ثبوت اور دلیل مدعی کے ذمے ہے اور قسم انکار کرنے والے کے ذمے۔“

تشریح:

مذکورہ بالا روایت، قضاء اور عدالت کے مسائل سے تعلق رکھتی ہے اور اس میں یہ اصول بیان کیا گیا ہے کہ جب دو فریق مقدمے میں عدالت وغیرہ میں آئیں تو ان میں سے جو آدمی مدعی ہو اور کسی چیز کا مطالبہ کرے اس کے ذمے لازم ہے کہ وہ اپنے دعوے کے بارے میں دلیل اور ثبوت فراہم کرے اگر وہ ثبوت فراہم کر دے تو فیصلہ اس کے حق میں ہو جائے گا اور اگر وہ ثبوت فراہم نہ کرے تو پھر دوسرے فریق مدعی علیہ کو کہا جائے گا کہ تو قسم اٹھا اگر وہ قسم اٹھا لے تو فیصلہ اس کے حق میں دے دیا جائے گا ورنہ مدعی کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا۔

واضح رہے کہ مینہ سے مراد ثبوت ہے خواہ کسی بھی طریقے سے ہو۔ ثبوت کی اعلیٰ ترین قسم گواہی ہے۔

لغوی و صرفی تحقیق:

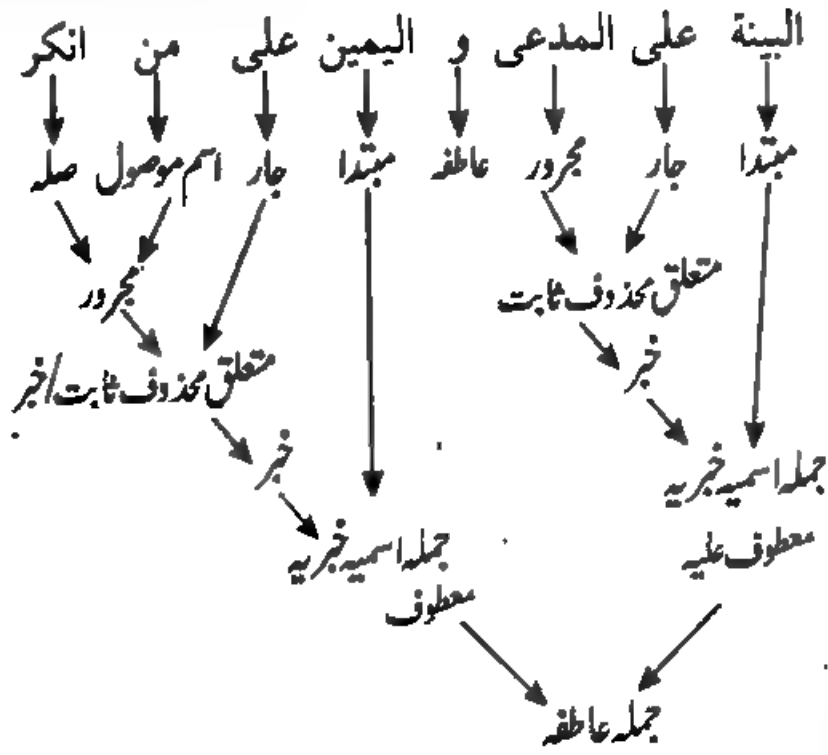
البینۃ یہ مصدر ہے باب ضرب۔ ضرب سے تاء تانیث کی ہے، یا وحدت کی؟ دونوں احتمال ہیں۔ اس کا معنی ہے ظاہر ہونا۔ اصطلاح میں حجت، دلیل، برہان سب کو کہتے ہیں۔

المدعی یہ اسم فاعل کا صیغہ ہے باب افتعال سے اصل میں مدتعی تھا تاء کو دال میں تبدیل کر دیا اور دال کو دال میں ادغام کر دیا۔

ترکیب:

البینۃ مبتدا علی جار المدعی مجرور جار مجرور متعلق ہوئے ثابتۃ شہ فعل محذوف کے، شہ فعل اپنے اندر موجود فاعل اور متعلق سے مل کر خبر ہوئی مبتدا کی، مبتدا خبر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ و حرف عطف الیمین مبتدا علی جار من اسم موصول انکر فعل ہا فاعل صلہ ہوا صلہ موصول سے مل کر مجرور جار مجرور متعلق ہوئے ثابتۃ شہ فعل محذوف کے، شہ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر خبر ہوئی الیمین مبتدا کی۔ مبتدا خبر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر جملہ عاطفہ ہوا۔

نقشه ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) ترمذی، حدیث نمبر ۱۳۴۱

(۲) دارقطنی، حدیث نمبر ۸



③ مومن مومن کا آئینہ ہے

الْمُؤْمِنُ مِرْآةُ الْمُؤْمِنِ

ترجمہ:

”مسلمان مسلمان کا آئینہ ہے۔“

تشریح:

اس حدیث کے کئی مطلب ہو سکتے ہیں مثلاً ایک مومن کو دوسرے مومن کے لیے ایسے ہی صاف ہونا چاہیے جیسے آئینہ صاف ہوتا ہے اس میں ہر چیز شفاف نظر آتی ہے اسی طرح ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے لیے اندر باہر سے صاف ہونا چاہیے، یا یہ کہ جیسے انسان آئینہ میں اپنا عکس دیکھنے کے بعد اپنے منہ وغیرہ پر لگی ہوئی میل یا گندگی وغیرہ دور کرتا ہے اسی طرح دوسرے مسلمان کو دیکھنے کے بعد اپنے ساتھ اس کا موازنہ کر کے اپنی کمیاں، کوتاہیاں دور کرنی چاہئیں۔

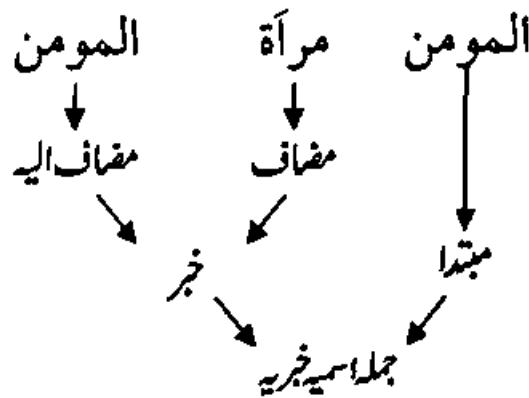
لغوی و صرفی تحقیق:

مرآة بردزن مفعلة یہ اسم آلہ کا صیغہ ہے راۓ یری باب سے بمعنی دیکھنے کا آلہ یا چیز ہفت اقسام کے اعتبار سے یہ مہوز العین اور ناقص یائی ہے لغوی مطلب آئینہ ہے۔

ترکیب:

المؤمن مبتدا مرآة مضاف المؤمن مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ سے مل کر خبر مبتدا خبر سے ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہو گیا۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

۳۱ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے
 الْمُؤْمِنُ أَخُو الْمُؤْمِنِ يَكْفُ عَنْهُ ضَيْعَتَهُ وَيَحُوطُ مِنْ وِرَائِهِ

ترجمہ:

”مومن مومن کا بھائی ہے وہ اس سے اس کے نقصان کو روکتا ہے اور اس کی عدم موجودگی میں اس کی حفاظت کرتا ہے۔“

تشریح:

اس حدیث میں ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کا بھائی قرار دیا گیا ہے۔ قرآن نے بھی ﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ﴾ (الحجرات: ۱۰) کہہ کر تمام مومنوں کو باہم اخوت کے رشتے میں پرویا ہے، مذکورہ حدیث اس اخوت کی ذمہ داری کو بیان کر رہی ہے۔ ایک ذمہ داری یہ ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان بھائی کا نقصان ہوتا ہوا نہ دیکھے بلکہ اس کی مدد کرنے اور اسے روکنے کی کوشش کرے اور جب وہ دوسرا مسلمان موجود نہ ہو تو اس کی عدم موجودگی میں اس کی جان مال اور آبرو کی ایسے ہی حفاظت کرے جیسے اپنے گے بھائی کی کی جاتی ہے۔

لغوی و صرفی تحقیق:

اخ یہ اصل میں اخو ہے واو کثرت استعمال کی وجہ سے حذف ہو گئی البتہ جمع میں واپس آ جاتی ہے کیونکہ اس کی جمع اخوة اور اخوان آتی ہے۔

یکف یہ فعل مضارع کا میخہ ہے ہفت اقسام میں سے مضاعف ثلاثی ہے۔
 ضیعتہ یہ ضاع مضجع سے مصدر ہے اس کے معنی جائیداد اور پیشے کے آتے ہیں۔
 یحوط یہ فعل مضارع ہے اجوف واوی سے بمعنی احاطہ کرنا، حفاظت کرنا۔
 وراء پیچھے۔

توکیب:

المؤمن مبتدا اخو مضاف المؤمن مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر خبر اول یکف فعل ضمیر اس کا فاعل ہے عنہ جار مجرور متعلق ہوئے فعل کے ضیعتہ مضاف الیہ مفعول بہ فعل فاعل اور متعلق سے مل کر معطوف علیہ و عاطفہ یحوط فعل با فاعل من جار ورائہ مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور جار مجرور متعلق ہوئے فعل کے فعل فاعل اور متعلق معطوف معطوف علیہ مل کر خبر ثانی مبتدا اپنی دونوں خبروں سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو گیا۔

۳) تمام مسلمان ایک جسم کی مانند ہیں

الْمُؤْمِنُونَ كَرَجُلٍ وَاحِدٍ إِنْ أَشْتَكَى عَيْنُهُ أَشْتَكَى كُلُّهُ، وَإِنْ أَشْتَكَى رَأْسُهُ أَشْتَكَى كُلُّهُ

ترجمہ:

”تمام مسلمان ایک آدمی کی طرح ہیں اگر اس کی آنکھ میں تکلیف ہو تو سارا جسم تکلیف محسوس کرتا ہے اور اگر اس کے سر میں تکلیف ہو تو سارا جسم تکلیف کا احساس کرتا ہے۔“

تشریح:

اس حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے اسلامی معاشروں، ملکوں اور ان کے باشندوں کے لیے ایک نہایت اہم اور زریں اصول بیان فرمایا ہے۔ پہلے اصول یہ بیان فرمایا کہ تمام مسلمان خواہ وہ کسی بھی خطے کے بسنے والے ہوں، خواہ کسی بھی نسل سے تعلق رکھتے ہیں، خواہ کسی بھی شکل و صورت کے ہوں وہ تمام کے تمام آپس میں بھائی ہیں بلکہ بھائی سے بھی آگے بڑھ کر وہ تمام ایک ہی آدمی کے جسم کی طرح ہیں اس لیے ہر مسلمان کو اپنے تمام مسلمان بھائیوں کا احساس اور غم اور فکر ہونی چاہیے۔ جیسے جسم کے کچھ اعضاء دیگر اعضاء سے بے خبر نہیں ہو سکتے ایسے ہی کچھ مسلمان باقی سارے عالم کے مسلمانوں سے بے خبر نہیں ہو سکتے وہ سب ایک ہیں اور جب وہ ایک ہوں گے تبھی وہ توحید کا پیغام دنیا میں عام کر سکیں گے۔ ع

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے نیل کے ساحل سے لے کر تاجک کا شفر

لغوی و صرفی تحقیق:

المؤمنون جمع ہے مومن کی اور مومن کی تحقیق پیچھے گزر چکی ہے۔ رجل مفرد ہے بمعنی مرد اور اس کی جمع رجال آتی ہے۔ اشتكى فعل ماضی کا صیغہ ہے باب التعلیل سے۔ ہفت اقسام کے اعتبار سے ناقص یا ئی ہے اصل میں اشكى تھا یا کو قال والے قاعدے سے الف سے بدل دیا گیا۔ عین مفرد ہے بمعنی آنکھ اس کی جمع عیون آتی ہے عین کا لفظ ان کلمات میں سے ہے جن کے معانی اور استعمالات بہت زیادہ ہیں سورج، آنکھ، سونا، چشمہ، سامان، ذات، سب اس کے معنی ہیں۔ رأس ہفت اقسام میں سے مہوز العین ہے بمعنی سر، اس کی جمع رؤوس آتی ہے۔

ترکیب:

المؤمنون مبتدأ حرف تشبیہ جار رجل موصوف واحد مفت موصوف مفت سے مل کر مجرد جار مجرد متعلق ہوئے
ہفت شہ فعل محذوف کے ثابت شہ فعل محذوف اپنے لائل اور متعلق سے مل کر خبر ہوئی مبتدأ کی، مبتدأ اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ

۳۳ سفر ایک عذاب

السَّفَرُ قِطْعَةٌ مِّنَ الْعَذَابِ يَمْنَعُ أَحَدَكُمْ نَوْمَهُ وَ طَعَامَهُ وَ شَرَابَهُ فَإِذَا قَضَىٰ أَحَدُكُمْ نَهْمَتَهُ مِنْ وَجْهِهِ فَلْيُعْجَلْ إِلَىٰ أَهْلِهِ

ترجمہ:

”سفر عذاب کا ایک ٹکڑا ہے جو تمہیں کھانے پینے اور سونے سے روک دیتا ہے لہذا جب تم سفر کی مطلوبہ غرض پوری کر لو تو اپنے گھر جلدی واپس آ جاؤ۔“

تشریح:

مذکورہ بالا حدیث کا اگرچہ براہ راست کسی شرعی حکم اور جائز ناجائز کے معاملے سے تعلق نہیں تاہم یہ حدیث ایک اہم ہدایت اور ناصحانہ مشورے پر ضرور مشتمل ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ کو اور ان کے ضمن میں تمام لوگوں کو اس بات کی ہدایت کی ہے کہ سفر بطور ضرورت کے ہونا چاہیے سفر کوئی شوق کی چیز نہیں بلکہ سفر تو ایک طرح کا عذاب اور مشقت ہے جس میں آدمی نہ نیند صحیح طریقے سے پوری کر سکتا ہے اور نہ کھانا پینا باقاعدگی سے کر سکتا ہے۔ چنانچہ جب سفر کا مقصد پورا ہو جائے اور آدمی جس کام کے لیے گھریار سے نکلا ہے وہ پورا ہو جائے تو اسے پھر خواہ مخواہ پردیس میں اپنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے بلکہ جتنی جلدی ممکن ہو گھر لوٹ آنا چاہیے کیونکہ سفر میں مشقتوں کے علاوہ جمعہ، عیدین، قربانی اور جماعت کی نماز وغیرہ جیسے امور سے بھی آدمی عام طور سے محروم رہتا ہے۔

لغوی و صرفی تحقیق:

السفر مصدر ہے جو باب نصر اور ضرب یضرب دونوں سے آتا ہے اس کی جمع اسفار آتی ہے۔

قطعة بمعنی ٹکڑا یہ باب فتح سے آتا ہے اس کی جمع قطع آتی ہے۔

العذاب یہ بھی مصدر ہے بمعنی تکلیف مشقت، مرزا، بری جزا۔

نوم یہ مصدر ہے بمعنی سونا۔

طعام کھانا، شراب مشروب، پینا۔

قضى فعل ماضی ہے باب ضرب یضرب سے ہفت اقسام میں سے اجوف یائی ہے بمعنی ادا کرنا پورا کرنا۔

نہمة یہ بھی مصدر ہے باب ضرب یضرب اور مع یسمع سے بمعنی حاجت، ضرورت یا مقصد۔

لیعجل یہ امر غائب کا صیغہ ہے باب مع یسمع سے بمعنی جلدی کرنا۔

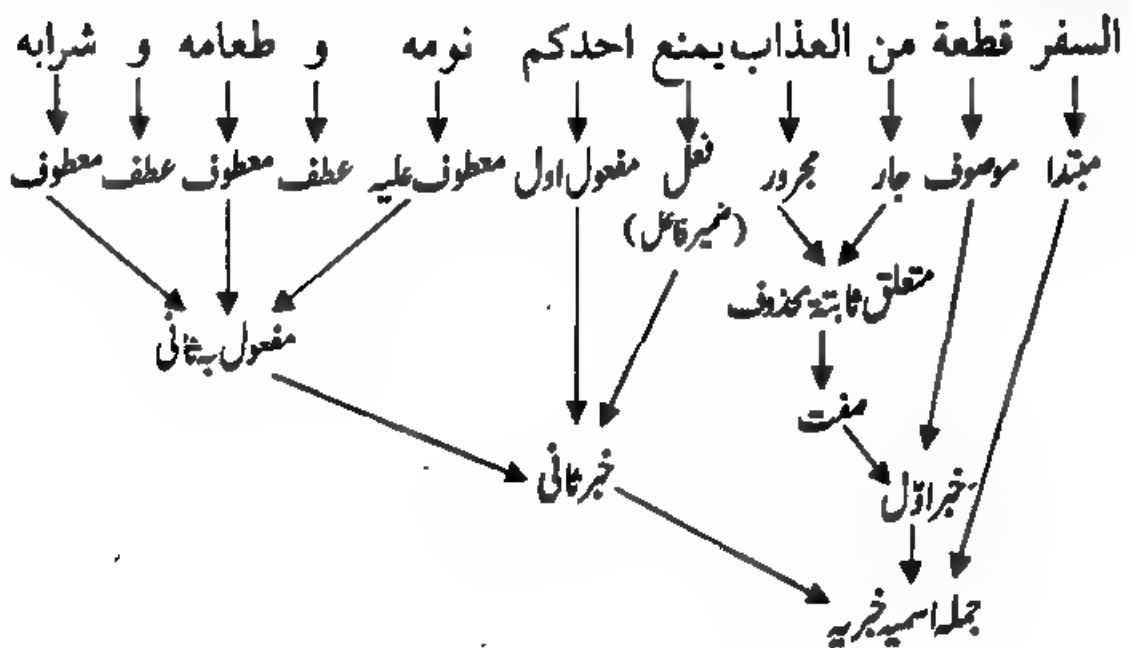
اہل اس سے مراد گھر والے ہیں چاہے بیوی بچے ہوں یا ماں باپ یا بہن بھائی یا یہ سب ہی ہوں۔

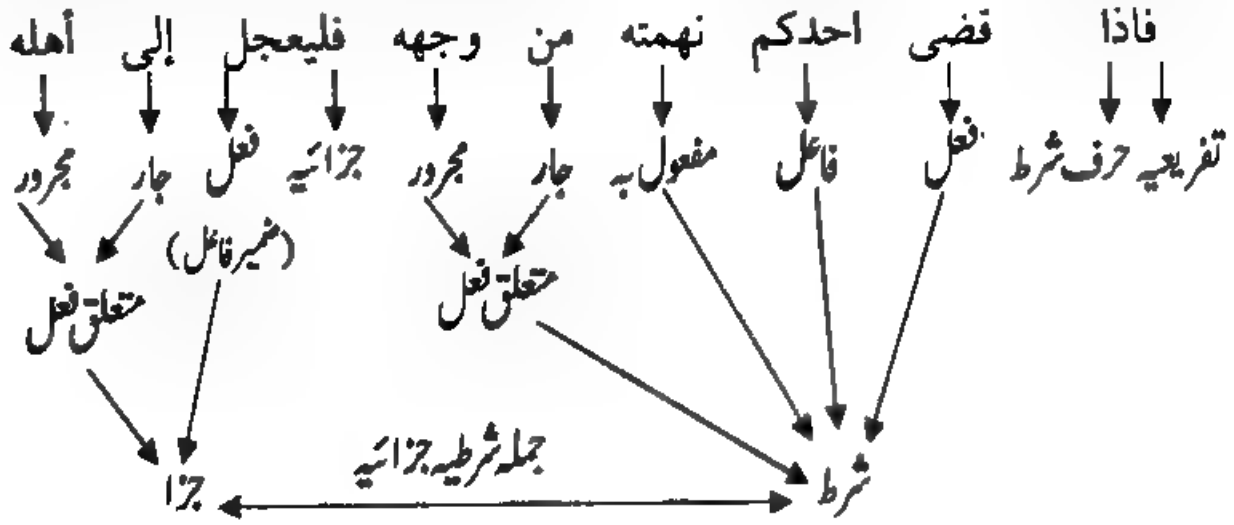
ترکیب:

السفر مبتدا، قطعة موصوف من جار العذاب مجرور۔ جار مجرور متعلق ثابتہ شہ فعل محذوف کے شہ فعل محذوف اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر مفت، موصوف مفت سے مل کر خبر اول بمنع فعل ہو ضمیر اس کا فاعل احدکم مفعول بہ اول نومہ معطوف علیہ و حرف عطف طعامہ معطوف، اور معطوف علیہ و حرف عطف شرابہ معطوف۔ تینوں معطوقات مل کر مفعول بہ ثانی، فعل اپنے فاعل اور دونوں مفعولوں سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر خبر ثانی۔ مبتدا اپنی دونوں خبروں سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو گیا۔

ف تفریغیہ إذا حرف شرط قضی فعل احدکم مضاف مضاف الیہ مل کر فاعل نہمتہ مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول بہ من حرف جار وجہہ مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور۔ جار مجرور متعلق فعل قضی کے۔ فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط ف جزائیہ لیعجل فعل ہو ضمیر اس کا فاعل الی حرف جار اہلہ مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور جار مجرور متعلق فعل کے، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزا، شرط اور جزا مل کر جملہ شرطیہ ہو گیا۔

نقشہ ترکیب:





تخریج حدیث:

(۱) بخاری شریف، حدیث نمبر ۱۸۰۴، باب الاطعمۃ

(۲) مسلم شریف، حدیث نمبر ۱۹۲۷

نوع آخر منها

دوسری نوع کے جملے

جملہ اسمیہ ہی کی ایک دوسری نوع اور شکل اس نوع میں وہ اسمیہ جملے شامل ہیں جن میں مبتدا معرف باللام نہیں ہے۔

② جہاد سے واپسی کا حکم

قَفْلَةٌ كَغَزْوَةٍ

ترجمہ:

”جہاد سے واپس آنا بھی جہاد پر جانے کی طرح ہے۔“

تشریح:

اس حدیث کا پس منظر یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ایک لشکر روانہ فرمایا جب لشکر مطلوبہ مقام پر پہنچا تو وہاں دیکھا کہ دشمنوں کی تعداد زیادہ ہے تو وہ مدد لینے اور کمک حاصل کرنے کے لیے واپس مدینہ منورہ آئے آپ ﷺ نے اس موقع پر فرمایا کہ تمہارا اس مقصد سے واپس آنا بھی ایسا ہی ہے جیسے جہاد کے لیے ابتداء جانا۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ غازی آدمی جب اپنے اہل خانہ میں واپس آتا ہے تب بھی اسے جہاد والا ہی اجر ملتا ہے کیونکہ اس کی نیت میں یہ ہوتا ہے کہ وہ واپس جا کر دوبارہ اسی مقدس کام میں لگے گا۔

لغوی و صرفی تحقیق:

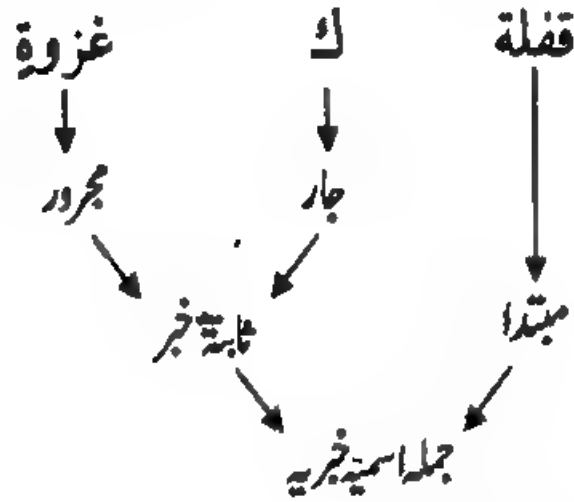
قَفْلَةٌ مصدر ہے باب ضرب۔ ضرب اور سمع۔ سمع سے بمعنی سفر سے واپس آنا۔

غزوة لڑائی، جہاد، یہ بھی مصدر ہے باب نصر سے غز وغزو، ناقص واوی ہے غازی اس سے اسم فاعل کا صیغہ ہے۔

ترکیب:

قَفْلَةٌ مبتدأ حرف جار غزوة مجرور، جار مجرور متعلق ہوئے ثابت کے، ثابت صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر خبر، مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو گیا۔

نقشه ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) ابو داؤد شریف، حدیث نمبر ۲۴۸۹، باب فضل القفل۔

۳۱ قرض میں ٹال مٹول کا حکم

مَطْلُ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ

ترجمہ:

”امیر آدمی کا ٹال مٹول کرنا، ظلم ہے۔“

تشریح:

جب کوئی آدمی کسی کا دین دار بن جائے اور اس کے ذمے کچھ مال دینا آجائے خواہ اس نے کوئی چیز خریدی ہو یا کام کروایا ہو یا قرض پکڑا ہو اور اس کا مطلوبہ اور مقررہ وقت بھی آجائے اور اس آدمی کے پاس استعداد بھی ہو کہ ادا کر سکتا ہو لیکن پھر بھی وہ آدمی اپنا دین اور حساب نہ چکائے تو اس کا ایسا کرنا صریح ظلم ہوگا اور اس حدیث میں ایسے ہی شخص کے لیے وعید ہے۔ ایک دوسری حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں ”لی الواجد یحل عرضه و عقوبته“ یعنی جو آدمی استطاعت کے باوجود قرض ادا نہ کرے تو اسے بے عزت اور سزاوار بنایا جاسکتا ہے جس کے نتیجے میں اسے لوگوں کی نظر میں نادرہندہ مشہور کیا جاسکتا ہے اور خود اسے قید اور جیل میں ڈالا جاسکتا ہے۔

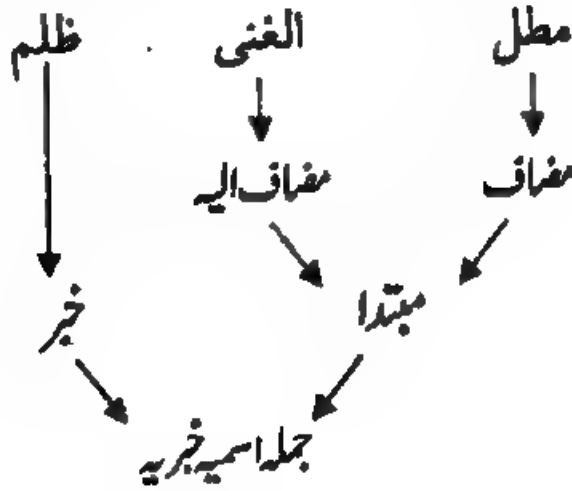
مذکورہ بالا حکم ہر قسم کے دین اور قرض کے بارے میں ہے خواہ اجنبی کا ہو یا قریب رشتہ دار، خواہ رعایا کا ہو یا حکام کا۔ قرض، قرض ہی ہے۔

لغوی و صرفی تحقیق:

مطل یہ مصدر ہے باب نصر نصر سے بمعنی ٹال مٹول کرنا، آج کل یہ بات ٹالتے چلے جاتا۔
الغنی بروزن فاعیل مفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ ہفت اقسام میں سے ناقص پائی ہے اصل میں غنی تھا دونوں یاؤں کو باہم ادغام کر دیا گیا۔

توکبیب:

مطل مضاف الغنی مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مبتدا ظلّم خبر، مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو گیا۔

نقشہ ترکیب:تخریج حدیث:

(۱) بخاری شریف، حدیث نمبر ۲۲۸۷، کتاب الاستقراض واداء الديون

(۲) مسلم شریف، حدیث نمبر ۱۵۶۴، کتاب المساقاة و المطل



④ لوگوں کا سردار کون ہے؟

سَيِّدُ الْقَوْمِ فِي السَّفَرِ خَادِمُهُمْ

ترجمہ:

”سفر میں قوم کا امیر ان کا خادم ہوتا ہے۔“

تشریح:

اس حدیث میں اسلامی اجتماعی زندگی کے بارے میں عموماً اور سفر کے بارے میں خاص طور سے ایک نہایت اہم اور زریں اصول ارشاد فرمایا گیا ہے اور وہ یہ کہ آدمی جتنا بڑا ہوتا جاتا ہے اس کی ذمہ داریاں اسی قدر بڑھتی چلی جاتی ہیں۔ چنانچہ اس کو اپنے سے نیچے والوں اور چھوٹوں کے بارے میں اسی قدر حساس ہونے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے سرداری امارت اور منصب کوئی نعمت نہیں بلکہ بوجھ اور ذمہ داری ہے اس ذمہ داری کے بوجھ کو سفر میں اللہ کے رسول ﷺ نے یوں بیان فرمایا کہ جب سفر میں ہوں تو وہاں امیر اور سردار کو چاہیے کہ وہ اپنے سے نیچے والے لوگوں اور ماموروں کی خدمت اور ضروریات کا خیال رکھے کیونکہ سفر میں لوگوں کے اہم تقاضے اور ضروریات ان کی خدمت سے متعلق امور ہی ہوتے ہیں۔ مذکورہ حدیث کے الفاظ سے بعض حضرات نے یہ پہلو بھی اخذ کیا ہے کہ ”قوم کا سردار وہی ہے جو ان کا خادم ہے“ پہلے معنی کے لحاظ سے مطلب یہ ہوگا کہ جو سردار ہے اسے خدمت کرنی ہوگی، اور دوسرے معنی کے لحاظ سے مراد یہ ہے کہ جو خدمت کرتا ہے سرداری اسے ملے گی۔

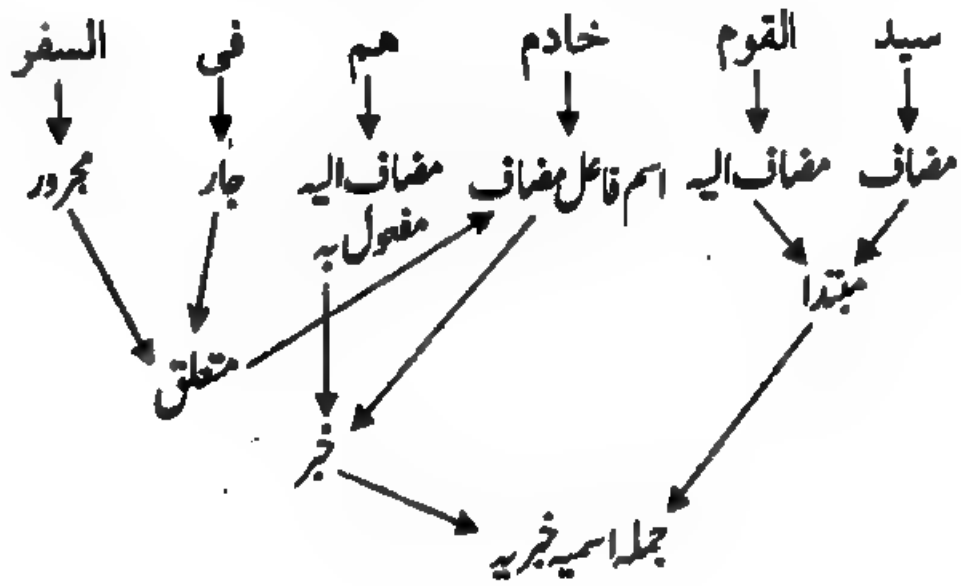
لغوی و صرفی تحقیق:

سید یہ باب نصری صر سے صفت مشبہ کا صیغہ ہے ہفت اقسام میں (دیکھیے لغات القرآن مادة س ی د) سے اجوف واوی ہے چنانچہ اس کی اصل سیود ہے وا کو یا سے بدل دیا گیا پھر یا کو یا میں او غام کر دیا گیا بمعنی سردار، نگران، آقا۔ القوم یہ مصدر ہے باب نصری صر سے بمعنی جماعت، قبیلہ خادم اسم فاعل کا صیغہ ہے بمعنی خدمت گزار۔

ترکیب:

سید مضاف القوم مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ سے مل کر مبتدا خادم صیغہ اسم فاعل مضاف ہم ضمیر مضاف الیہ مفعول بہ فی حرف جار السفر مجرور، جار مجرور متعلق ہوئے خادم صیغہ اسم فاعل کے۔ صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر خبر، مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) شعب الایمان، حدیث نمبر ۸۴۰۷



۳۱ محبت اندھی ہوتی ہے

حُبُّكَ الشَّيْءَ يُعْمِي وَيُصِمُّ

ترجمہ:

”کسی چیز کی محبت تمہیں اندھا اور بہرا کر دیتی ہے۔“

تشریح:

اس حدیث میں انسان کی ایک فطری کمزوری کی طرف بڑے بہترین اسلوب میں اشارہ کیا گیا ہے اس وجہ سے یہ حدیث ضرب الثقل اور محاورہ بن گئی ہے جو مختلف انداز سے لوگوں کی عام گفتگو میں بھی استعمال ہوتی ہے۔ فطری کمزوری یہ ہے کہ انسان جب کسی چیز پر فریفتہ ہوتا ہے اور اس کی محبت اس کے دل میں گھر کرتی ہے اور کوئی چیز جب اس کے دل کو بھانے لگتی ہے تو وہ اسی چیز میں لگن ہو جاتا ہے اور آس پاس کی چیزوں اور باتوں سے غافل ہو جاتا ہے۔ اس چیز کے نہ عیوب نظر آتے ہیں اور نہ کیوں پر نظر جاتی ہے۔ محبت کا یہ حال کسی مادی چیز یا انسان کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر عقیدہ، نظریہ، اعتقاد، مذہب اور فکر سب اس میں شامل ہیں۔ آدمی بس ان کے محاسن ہی دیکھتا ہے اور نقائص اسے دکھائی ہی نہیں دیتے۔

وعین الرضا عن کل عیب کليلة

و عین السخط تبدی المساویا

”اور پسندیدگی کی آنکھ کوئی بھی عیب دیکھنے سے قاصر ہوتی ہے۔ جبکہ ناپسندیدگی کی آنکھ برائیوں کو اچھا لیتی ہے۔“

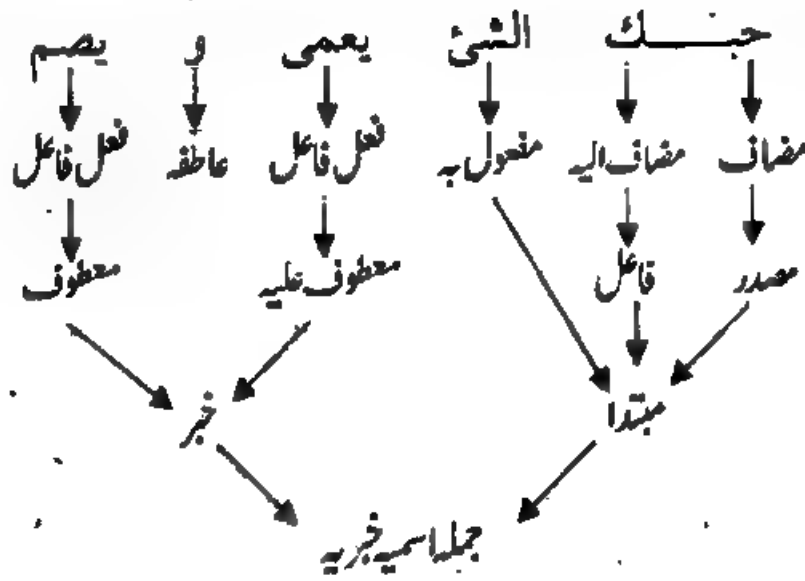
لغوی و صرفی تحقیق:

حب مصدر ہے مضاعف ثلاثی ہے بمعنی محبت یعنی باب افعال سے فعل مضارع کا صیغہ ہے۔ ناقص یا ئی ہے بمعنی اندھا کرنا یصم یہ بھی باب افعال سے فعل مضارع کا صیغہ ہے ہفت اقسام کے اعتبار سے مضاعف ثلاثی ہے۔ اصل میں یصم تھا دو میموں کا باہم ادغام کیا گیا۔

ترکیب:

حب مضاف مصدر ک ضمیر فاعل مضاف الیہ الشیء مفعول بہ۔ مصدر اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر مبتدا یعنی مینہ فعل مضارع ضمیر اس کا فاعل راجع بطرف حب فعل فاعل مل کر معطوف علیہ و عاطفہ یصم معطوف، معطوف معطوف علیہ سے مل کر خبر، مبتدا خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو گیا۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) ابو داؤد، حدیث نمبر ۵۱۳۲، باب فی الہوی

۴۹) علم کا حصول ایک فریضہ

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ

ترجمہ:

”علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔“

تشریح:

اس حدیث میں اللہ کے نبی نے ہر مسلمان کے ذمے انفرادی اور ذاتی حیثیت میں ایک ذمہ داری لگائی ہے جس کو بجالانا اور اُسے پورا کرنا ضروری ہے وہ ذمہ داری یہ ہے کہ ہر مسلمان علم حاصل کرے۔ اب رہا یہ سوال کہ علم سے کیا مراد ہے اور کون سا علم ہے؟ اور کتنا علم مراد ہے اس کے بارے علماء کے مختلف اقوال ملتے ہیں لیکن ان سب میں الفاظ کا فرق ہے مطلب ہا ہم ایک ہے ان سب کا حاصل یہ ہے کہ علم کے بنیادی طور سے دو درجے ہیں۔ ایک بنیادی ضروریات دین کا اور روزمرہ کے مسائل کا علم۔ یہ تو ہر آدمی پر فرض ہے اس کو یوں بھی تعبیر کرتے ہیں کہ اتنا علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے جس کے ذریعے وہ اپنی جو بیس گھنٹے کی زندگی دین کے مطابق گزار سکے اور دوسرا درجہ ہے علم شریعت میں اختصاص و مہارت (یعنی عالم بننا) یہ درجہ ہر فرد کے لیے نہیں۔ یہ معاشرے کے چند افراد کے لیے فرض کفایہ کے درجے میں ہے۔ واضح رہے کہ اس حدیث میں ہم سے مراد علم دین ہے۔ باقی دنیاوی علوم جو فی الواقع علم نہیں بلکہ فن ہیں وہ یہاں مراد نہیں ان کا حکم علیحدہ ہے اور وہ یہ کہ وہ معاشرے کی ضرورت کے بقدر ضروری ہوں گے۔ البتہ یہاں ان کے بارے میں اس حدیث میں کوئی ترغیب ہے اور نہ ممانعت۔

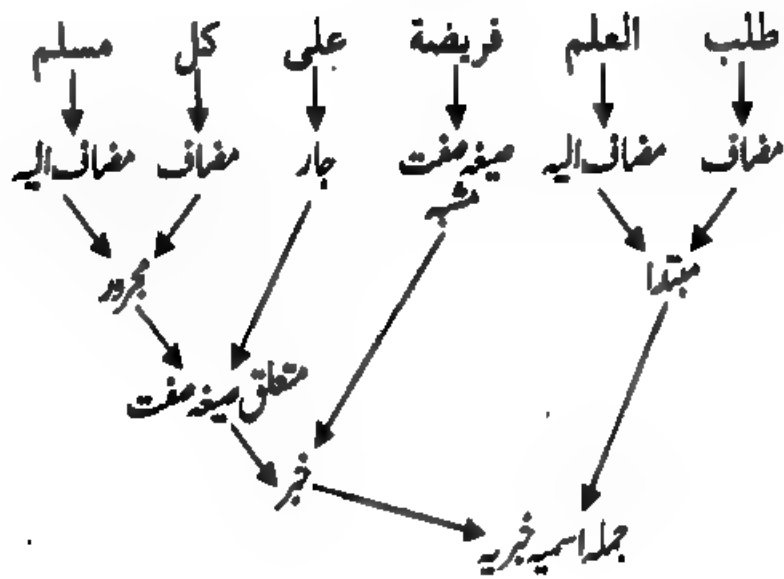
لغوی و صرفی تحقیق:

طلب مصدر ہے باب نصر ینصر سے بمعنی، تلاش کرنا، حصول کی کوشش کرنا، جستجو کرنا، العلم یہ بھی مصدر ہے بمعنی جاننا اور اس سے مراد خدا کی ذات اور اس کے احکام کی پہچان ہے۔

توکیب:

طلب مضاف العلم مضاف الیہ فریضۃ صیغہ مفت مشہ علی حرف جار کل مضاف مسلم مضاف الیہ۔ مضاف مضاف الیل کر مجرور، جار مجرور متعلق ہوئے فریضۃ کے، فریضۃ اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر، مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

نقشه ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) ابن ماجه، حدیث نمبر ۲۲۴،

(۲) شعب الایمان، حدیث نمبر ۱۶۶۳،

⑤ مختصر مگر پر اثر

مَا قَلَّ وَكَفَى خَيْرٌ مِمَّا كَثُرَ وَاللّٰهُ

ترجمہ:

”جو چیز تھوڑی ہو اور کفایت کر جائے بہتر ہے اس سے جو زیادہ ہو اور غافل کر دے۔“

تشریح:

دنیا کے اعتبار سے شریعت کی اپنے ماننے والوں کو ہمیشہ یہ ترغیب ہے کہ تم دنیا کے مال و اسباب کو زیادہ سے زیادہ اکٹھا کرنے کی کوشش نہ کرو بلکہ گزارے لائق مال بناؤ اور اپنی خوشحالی سے کم کرو۔ کیونکہ کامیابی اور سعادت کا معیار دنیا کا مال و دولت اور اس کی چیزیں نہیں ہیں بلکہ وہ تو تمہارے ایمان کی کیفیت یقین کی حالت اور آخرت کا شوق و طلب، گناہوں سے نفرت، عبادات و طاعات میں لذت ہے چنانچہ جسے یہ حاصل ہے وہ دونوں جہانوں کا بادشاہ ہے اور جسے یہ حاصل نہیں وہ چاہے ہفت اقلیم کا مالک ہو وہ بدبخت، ناکام، نامراد اور برے معیار زندگی کا حامل ہے۔ اس لیے فرمایا کہ دنیا کا مال و اسباب کفایت کے بقدر کافی ہے زیادہ آئے گا تو ساتھ میں مصائب اور مشکلات بھی زیادہ لائے گا۔ کیونکہ جتنے وسائل بڑھتے ہیں اتنے مسائل بڑھتے ہیں اور انسان اپنے مقصد حیات سے غافل سے غافل ہوتا چلا جاتا ہے جیسا کہ اب ترقی یافتہ دنیا کا حال ہے کہ دنیا کی بیش و عشرت میں ایسے محو ہوئے ہیں کہ ”خدا یاد نہیں۔“

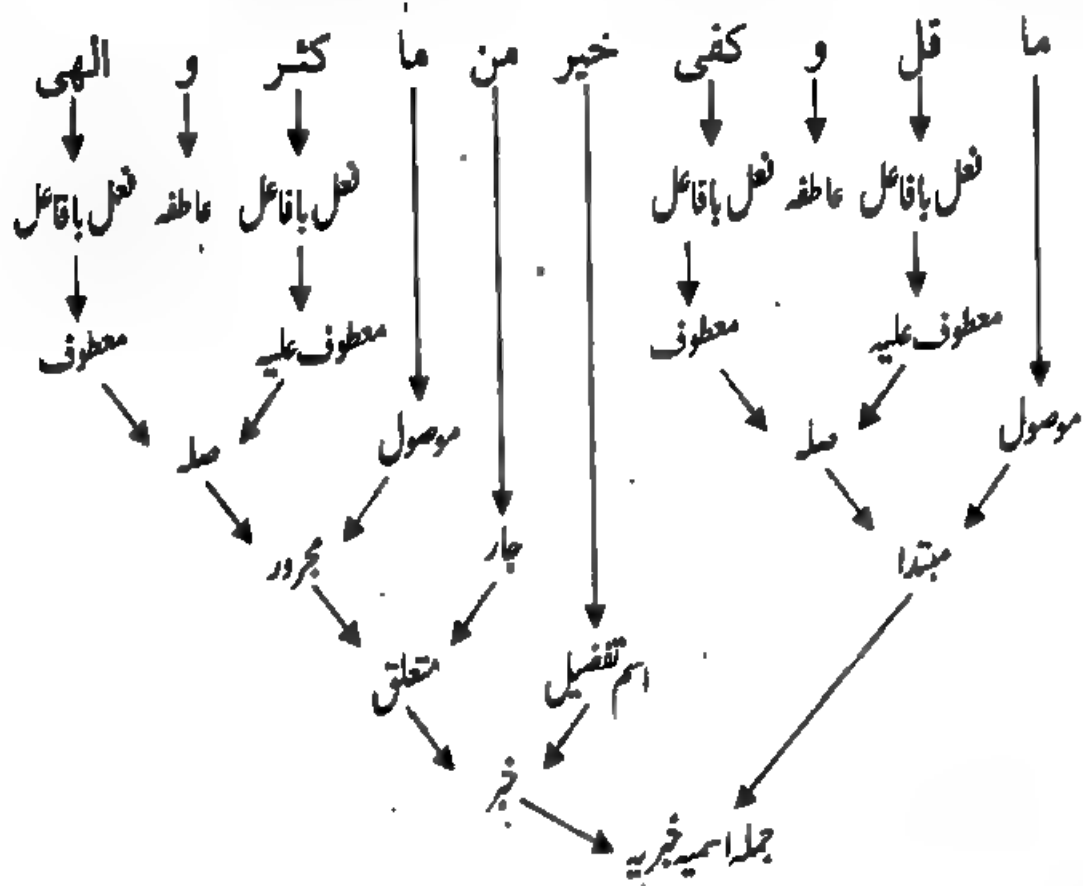
لغوی و صرفی تحقیق:

قَلَّ فعل ماضی کا صیغہ ہے مضاعف ثلاثی ہے اصل میں قَلَّلَ تھا دو لام اکٹھے ہوئے ادغام کر کے ایک بنا دیا کفٰی یہ بھی ماضی کا صیغہ ہے ناقص یائی سے باب ضرب یضرب ہے بمعنی کفایت کرنا۔ کثر بھی ماضی کا صیغہ ہے باب کرم یكرم سے الہی ماضی کا صیغہ ہے ناقص واوی ہے مجرد سے اس کا مصدر لہوآتا ہے بمعنی غافل کرنا، اصل میں اَلْهَوَ تھا واو کو الف سے بدل گیا۔

ترکیب:

ما اسم موصول قَلَّ فاعل، معطوف علیہ و عاطفہ کفٰی فعل با فاعل معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر صلہ، موصول صلہ سے مل کر مبتدا، خیر صیغہ اسم تفصیل من جار ما اسم موصول کثر فعل با فاعل معطوف علیہ و عاطفہ الہی معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر صلہ، موصول صلہ مل کر مجرور، جار مجرور متعلق خیر کے۔ خیر اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر خبر۔ مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو گیا۔

نقشه ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) ابن حبان، حدیث نمبر ۳۳۲۹

(۲) مسند احمد حدیث نمبر ۲۱۷۲۱

۵۱ سب سے سچا خواب

أَصْدَقُ الرُّؤْيَا بِالْأَسْحَارِ

ترجمہ:

”سب سے زیادہ سچے خواب سحری کے وقت کے ہوتے ہیں۔“

تشریح:

آدی سوتے میں جو مناظر اور واقعات دیکھتا ہے اسے خواب کہتے ہیں۔ ان خوابوں کی بنیادی طور سے تین قسمیں ہوتی ہیں (۱) وہ خواب جو محض خیال ہوتے ہیں کہ آدی دن میں جو کچھ کرتا ہے یا سوچتا ہے وہی رات کو سامنے آ جاتا ہے۔ (۲) وہ خواب جو خوفناک ہوتے ہیں۔ یہ شیطانی اثرات کے حامل ہوتے ہیں۔ (۳) وہ خواب جو اچھے ہوں اور شریعت کے مخالف نہ ہوں، ان کی تعبیر ہوتی ہے۔ البتہ تعبیر ہر کس و نا کس سے نہیں لینی چاہیے کسی ماہر تعبیر سے پوچھنا چاہیے۔ ان تیسری قسم کے خوابوں میں بھی آگے کئی النوع ہیں۔ اور ان میں سے زیادہ معتبر خواب ہونے کا مستحق وہ خواب ہے جو سحری کے وقت دیکھا جائے یعنی تہجد کے وقت کیونکہ اس وقت انسان کا معدہ خالی ہوتا ہے اس سے بخارات دماغ کو نہیں جڑھتے اور اس وقت دماغ بھی پرسکون ہوتا ہے دن کی دوڑ دھوپ سے خالی ہوتا ہے اور یہ وقت ویسے بھی برکت کا اور فرشتوں اور رحمت خاصہ کے نزول کا ہوتا ہے۔

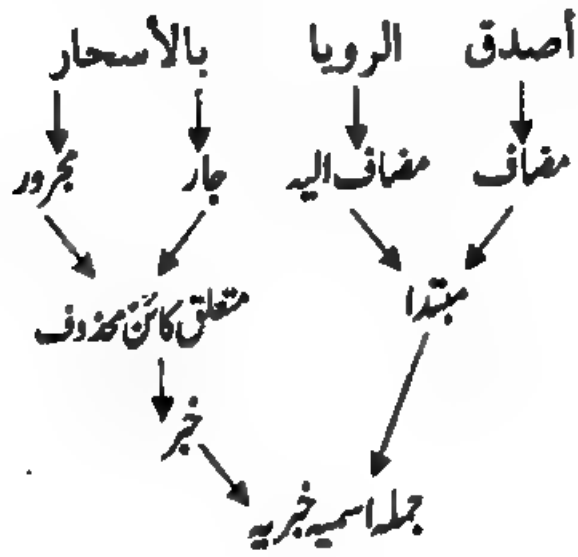
واضح رہے کہ خواب خواہ کتنا ہی اچھا اور سچا ہو اسے تب تک معتبر مان سکتے ہیں جب تک شریعت سے متصادم نہ ہو ورنہ اس کی حیثیت پرکاہ کے برابر بھی نہیں۔ کیونکہ شریعت کے احکامات قطعی اور یقینی ہیں جبکہ خواب بیسیوں احتمالات و امکانات کی بیساکھیوں کے رحم و کرم پر ہے۔

لغوی و صرفی تحقیق:

اصدق صیغہ اسم تفضیل بمعنی زیادہ سچا الرؤیا یہ باب رأی یری، فتح یفتح کا مصدر ہے اصل میں تو مصدر تھا پھر خواب کے لیے بطور علم بھی استعمال ہونے لگا۔ قرآن پاک میں یہ لفظ بغیر واد کے محض ہمزہ کے ساتھ لکھا جاتا ہے (دیکھیے لغات القرآن ص ۱۲۱، ج ۲/۸) الاسحار بروزن افعال جمع ہے سحری، اس سے مراد پوہ پھٹنے اور تہجد کا وقت ہے۔

توکیب:

اصدق مضاف الرویا مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ سے مل کر مبتدا با جار الاسحار مجرور، جار مجرور متعلق ہوا کائن محذوف کے۔ کائن محذوف اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر خبر ہوئی مبتدا کی۔ مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو گیا۔

نقشه ترکیب:تخریج حدیث:

(۱) نرمندی شریف، حدیث نمبر ۲۲۷۴، باب الرویا

(۲) دارمی، حدیث نمبر ۲۱۴۶، باب الرویا



۵۲ حلال کمائی کی اہمیت

طَلَبُ كَسْبِ الْحَلَالِ فَرِيضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيضَةِ

ترجمہ:

”حلال روزی حاصل کرنا ایک فرض ہے دیگر فرائض کے بعد“

تشریح:

اس حدیث میں حلال کمائی کرنے کو ایک فرض بتایا ہے لیکن یہ فرض اس شخص کے لیے ہے جو اپنے آپ کا خود ذمہ دار ہو یا دوسروں کا نفقہ اور خرچہ اس کے ذمے ہو جیسے باپ بھائی وغیرہ تو ایسے لوگوں کے لیے بقدر کفایت حلال کمائی فرض ہے لیکن بنیادی فرائض یعنی نماز روزے وغیرہ کے مقابلے میں یہ فرض کم درجے کا ہے چنانچہ فرق مراتب ضروری ہے اور یہ کمائی ہر شخص کے ذمے بھی نہیں ہے اسی لیے فریضہ کے بعد علی کل مسلم وغیرہ کے الفاظ استعمال نہیں کیے گئے۔ گھر کا ہر فرد کمائے، خواہ ماں ہو یا باپ، بہن ہو یا بیوی و بیٹی یہ تصور شریعت میں قطعاً نہیں کیونکہ عورتوں کا نفقہ اور خرچہ اپنے سر پرست مردوں کے ذمے ہے۔

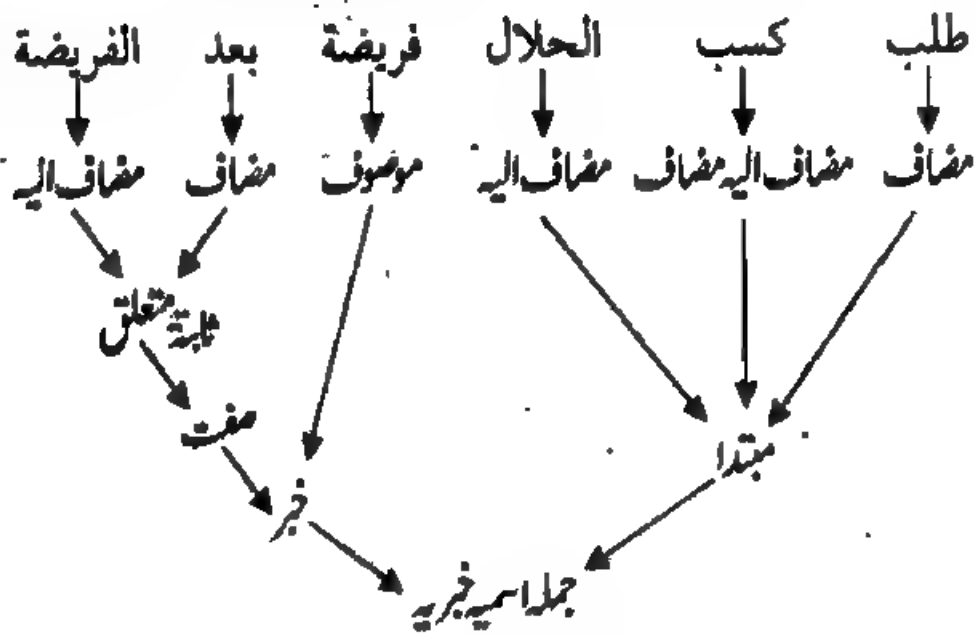
لغوی و صرفی تحقیق:

الكسب مصدر ہے باب ضرب مضرب سے بمعنی کمانا یہاں بطور حاصل مصدر یعنی کمائی کے استعمال کا احتمال بھی ہے۔ الحلال یہ باب نصر نصر سے ہے لغوی اعتبار سے مختلف معنوں میں استعمال ہوتا ہے، لیکن یہاں مراد وہ کمائی ہے جو ظلم پر مشتمل نہ ہو اور نہ اس میں کسی شرعی ضابطے کو پامال کیا گیا ہو۔

توکب:

طلب مضاف کسب مضاف الیہ مضاف الحلال مضاف الیہ، مضاف اپنے دونوں مضاف الیہ سے مل کر مبتدا فريضة موصوف بعد مضاف الفريضة مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ سے مل کر مفعول فیہ ہوا ثابتہ شبہ فعل کا، ثابتہ اپنے فاعل اور مفعول فیہ سے مل کر صفت ہوئی موصوف کی۔ صفت موصوف سے مل کر خبر، اور مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

نقشه تركيب:



تخريج حديث:

(١) شعب الايمان، حديث نمبر ٨٧٤١.

۵۳) تعلیم قرآن کی فضیلت

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ

ترجمہ:

”تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے“

تشریح:

روئے زمین پر جتنے بھی انسان آج آباد ہیں یا ماضی میں آباد تھے یا مستقبل میں منصہ ظہور پر آئیں گے ان سب میں بہترین اور عمدہ مخلوق انبیاء علیہم السلام کی ہستیاں ہیں اور انبیاء میں سے خلاصہ اور زبدہ سید الانبیاء حضرت محمد ﷺ ہیں اور آپ پر جو کلام نازل ہوا وہ سب سے عمدہ، اعلیٰ اور ارفع کلام ہے اور یہ کلام تمام دنیا کے لیے پیغام ہدایت ہے اب اس کلام کو محفوظ کرنا، اس کے مطالب و معانی کو سمجھنا، اور اسے دوسرے لوگوں تک پہنچانا اور اس کی نشر و اشاعت کرنا، یہ سارے کام بھی خیر الاعمال، یعنی دنیا بھر کے بہترین کام ہوں تو اس میں ذرا بھی تعجب نہیں۔ اسی لیے مذکورہ حدیث میں قرآن پاک سے تعلق رکھنے والے طالب علم اور معلم، دونوں کو امت کا بہترین طبقہ شمار کیا گیا ہے۔

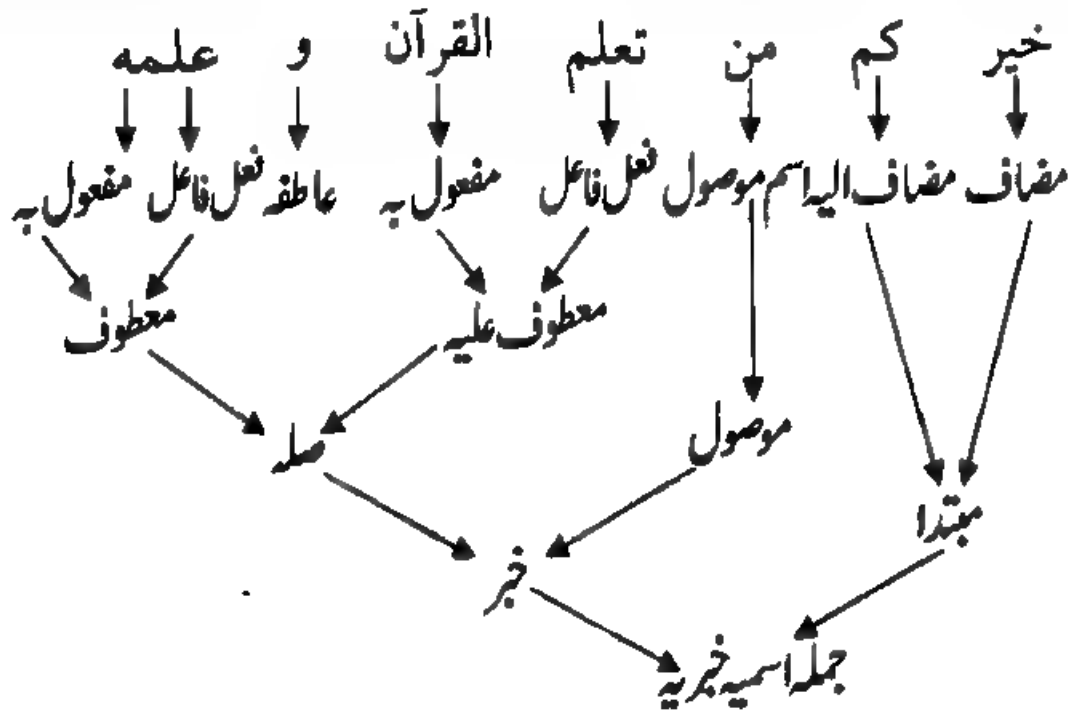
لغوی و صرفی تحقیق:

تعلّم ماضی کا صیغہ ہے حروف اصلی ع، ل، م ہیں بمعنی سیکھنا، القرآن اس کی تحقیق پہلے گزر چکی ہے۔

توکیب:

خیر مضاف کم ضمیر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مبتدا، من اسم موصول، تعلّم فعل، ہو ضمیر اس کا فاعل، القرآن مفعول بہ، فعل فاعل اور مفعول بہ مل کر معطوف علیہ، و عاطفہ، علم فعل ہو ضمیر فاعل، وہ ضمیر منصوب متصل مفعول بہ، فعل فاعل اور مفعول بہ سے مل کر معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر صلہ، موصول صلہ سے مل کر خبر، مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو گیا۔

نقشه ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) بخاری شریف: حدیث نمبر ۴۷۳۹

(۲) ابو داؤد: حدیث نمبر ۱۴۵۴

(۳) مسند احمد: حدیث نمبر ۴۱۲



۵۴ دنیا کی محبت کے نتائج

حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيئَةٍ

ترجمہ:

”دنیا کی محبت ہر گناہ کی جڑ ہے۔“

تشریح:

اس حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے ہر قسم کے گناہ خواہ ہلکے ہوں یا بھاری، چھوٹے ہوں یا بڑے سب کے بارے میں ایک ضابطہ بیان فرمادیا ہے، کہ ان گناہوں اور لغزشوں کے پیچھے اسباب کی تہہ میں اگر چلتے جاؤ اور وہاں جا کر دیکھو تو لازماً کسی کوئے کھدرے میں تمہیں ایک مشترکہ سبب ضرور نظر آئے گا، جو ان تمام قسم کے اعمال اور غلطیوں کا باعث اور منبع ہے، اور وہ ہے دنیا کی محبت۔ دنیا کی محبت ہی آدمی کو جھوٹ بولنے پہ مجبور کرتی ہے۔ دنیا کی زیب و زینت ہی اسے بد نظری پہ ابھارتی ہے، دنیا کی عیش و عشرت ہی اسے شراب و کباب اور حرام کمانے اور کھانے پہ اکساتی ہے۔ پھر یہ بد بختی اس حد تک بڑھتی ہے کہ وہ دنیا کی محبت ہی اس انسان کو دوسرے انسانوں کا خون چوسنے اور بہانے پر برا بیخوشہ کرتی ہے۔ ان سب طرح کی برائیوں کا علاج ایک ہی ہے کہ اس مردار کی محبت کو اپنے دل سے نکال باہر کرے۔ اسی لیے اہل اللہ (صوفیاء) کے ہاں پہلا کام ہی یہ ہوتا ہے کہ دل سے غیر اللہ کی محبت کا جنازہ نکال دیا جائے۔

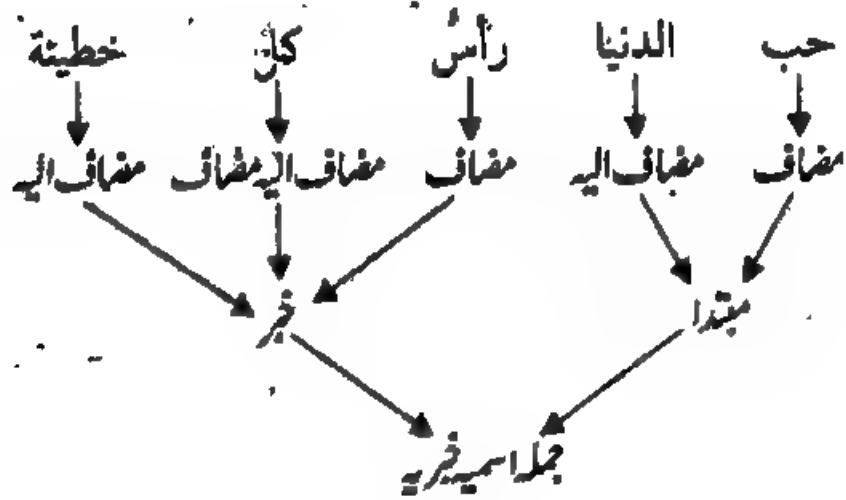
لغوی و صرفی تحقیق:

روایت میں ذکر کردہ تمام الفاظ کی تحقیق پیچھے گزر چکی ہے۔

توکب:

حُبُّ الدُّنْيَا مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مبتداء، رَأْسُ مضاف کل مضاف الیہ مضاف، خَطِيئَةٍ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ سے مل کر خبر۔ مبتداء اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو گیا۔

نقشه ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) شعب الایمان: حدیث نمبر ۱۰۴۵۸



۵۵) استقامت کی اہمیت

أَحَبُّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللَّهِ أَدْوَمُهَا وَإِنْ قَلَّ

ترجمہ:

”اللہ کے ہاں سب سے پسندیدہ عمل وہ ہے جو دوام و استمرار سے کیا جائے، اگرچہ تھوڑا ہی ہو۔“

تشریح:

اللہ کے ہاں اس عمل کی قدر ہے جو ہر روز کیا جائے اور دوام اور مستقل مزاجی سے کیا جائے۔ ایسا نہ ہو کہ جوش میں آ کر ایک دن تو بہت سارا عمل کر لے اور دوسرے دن ہوش ہی نہ ہو۔ چنانچہ ایک آدمی اگر ایک دن میں سو نفلیں پڑھے اور دوسرا آدمی ہر روز صرف دو نفل پڑھے مگر پابندی کے ساتھ تو یہ دوسرا آدمی اللہ کے ہاں زیادہ پسندیدہ ہے نسبت پہلے کے۔ نبی اکرم ﷺ کا اپنا یہ معمول تھا کہ جس عمل کو شروع فرماتے اسے ہمیشہ ادا فرماتے۔ اور صحابہ کو بھی اسی کی تلقین کرتے تھے۔ ایک دفعہ بعض صحابہ نے بہت زیادہ عبادت کر کے کی اجازت مانگی تو آپ نے فرمایا: کہ اتنے ہی اعمال کرو جتنے پر تم پابندی اور ہمت رکھ سکتے ہو۔ اسی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”الاستقامۃ فوق الف کرامۃ“ ”کسی عمل پر استقامت اور پابندی ہزار کرامتوں سے بڑھ کر ہے۔“

لغوی و صرفی تحقیق:

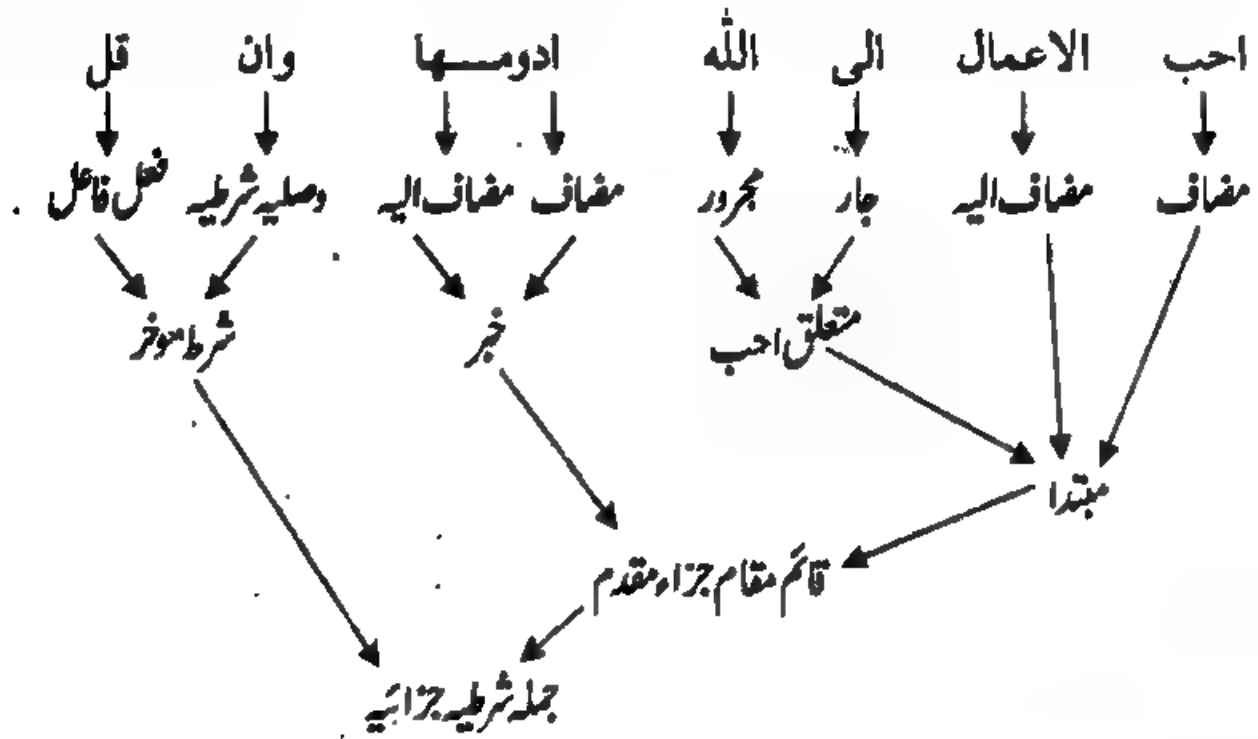
أَحَبُّ صیغۃ اسم تفضیل، مضاعف غلطی بمعنی پسندیدہ

أَدْوَمُ صیغۃ اسم تفضیل، اجوف وادوی ہے حروف اصلی د، و، م ہیں بمعنی ہمتی والا۔

ترکیب:

أَحَبُّ مضاف لأعمال مضاف الیہ الی جار لفظ اللہ مجرور متعلق احب کے، احب اپنے مضاف الیہ اور متعلق سے مل کر مبتدا، ادوم مضاف ہا ضمیر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ سے مل کر خبر، مبتدا خبر سے مل کر قائم مقام جزا۔ وان وصلیہ شرطیہ، قل فعل فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط، شرط جزاء سے مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ ہوا۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) بخاری: باب الحلوس علی الحصر، حدیث نمبر ۶۱۰۰

(۲) مسلم: باب فضیلة العمل الدائم، حدیث نمبر ۷۸۳



۵۶ زیادہ اجر والا صدقہ

أَفْضَلُ الصَّدَقَةِ أَنْ تُشْبِعَ كَبِدًا جَائِعًا

ترجمہ:

”سب سے بہترین صدقہ یہ ہے کہ تم کسی بھوکے پیٹ کو سیر کر دو۔“

تشریح:

حکم خداوندی بھی ہے اور انسان کے اپنے ضمیر کا سوال اور مطالبہ بھی کہ وہ اپنے خدا کے دیئے مال میں سے کچھ نہ کچھ مقدار اللہ کی راہ میں اس کے لیے صدقہ اور خیرات کرے۔ مذکورہ حدیث میں نبی ﷺ نے صدقے اور خیرات کے مستحق لوگوں یا عبادت میں سے سب سے اہم اور ضروری مدد اور مصرف کا ذکر فرمایا ہے، اور وہ ہے کسی بھوکے انسان کا پیٹ بھرنا، کیونکہ جان اصل چیز ہے اگر وہ قائم رہے تو باقی ضروریات اس کے تابع ہیں اگر آدمی کو کھانا میسر نہ ہو تو بھوکا مر جائے گا۔ اور انسانی جان بہت قیمتی ہے۔ اس لیے اس کو بچانے کے لیے خرچ کیے جانے والے مال کو بہترین صدقہ قرار دیا گیا ہے۔ واضح رہے کہ حدیث کے الفاظ عام ہیں۔ انسان کے ساتھ خاص نہیں اسی بنا پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ اگر یہ رحمہ لی کسی بھوکے جانور کے ساتھ بھی کرے تو مذکورہ فضیلت کا مستحق ہو جائے گا۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ ایک فاحشہ عورت کی محض اس بنا پر بخشش ہو گئی تھی کہ اس نے پیاس سے ہانپتے ہوئے ایک کتے کو پانی پلایا تھا۔

لغوی و صرفی تحقیق:

افضل اسم تفصیل کا صیغہ ہے بمعنی بڑھا ہوا، فضیلت والا، بہترین۔

تشبیع فعل مضارع ہے باب افعال سے، بمعنی سیر کرنا، پیٹ بھرنا۔

کبد جگر کو کہتے ہیں اور اس کی جمع اکہاد آتی ہے۔

جائع اسم فاعل کا صیغہ ہے اجوف وادی سے حروف اصلی، ج، و، ع بمعنی بھوکا۔

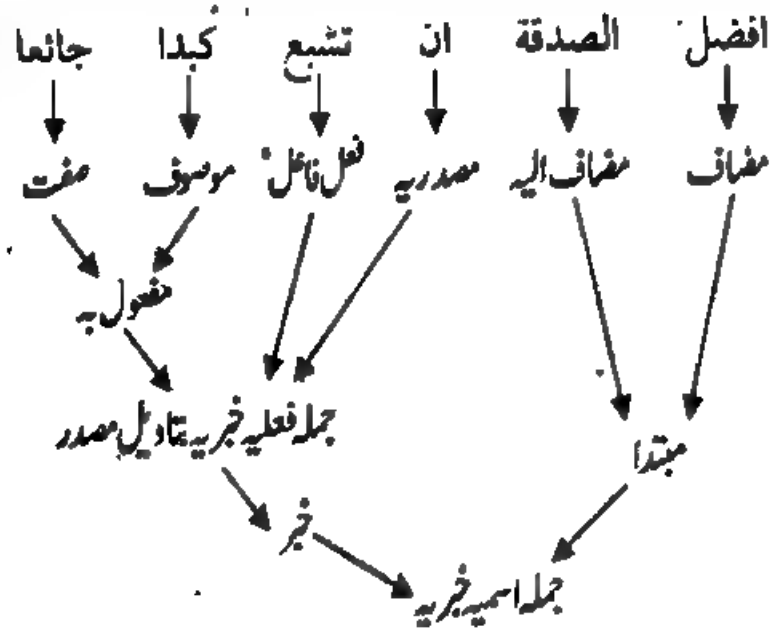
ت ترکیب:

افضل مضاف الصدقۃ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ سے مل کر مبتداء، ان مصدریہ، تشبیع فعل ضمیر فاعل کبدًا

موصوف جائعا صفت، موصوف صفت سے مل کر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر بتاویل

مصدر خبر ہوئی مبتداء کی، مبتداء اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو گیا۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) شعب الایمال: حدیث نمبر ۳۳۶۷



⑤ دو بھوکے کبھی سیر نہیں ہوتے

مَنْهُوْمَان لَا يَشْبَعَانِ مَنْهُوْمٌ فِي الْعِلْمِ لَا يَشْبَعُ مِنْهُ وَمَنْهُوْمٌ فِي الدُّنْيَا لَا يَشْبَعُ مِنْهَا

ترجمہ:

”دو حریص کبھی سیر نہیں ہوتے۔ ایک علم کا حریص کہ وہ علم سے سیر نہیں ہوتا، اور دوسرا دنیا کا حریص کہ وہ دنیا سے سیر نہیں ہوتا۔“

تشریح:

اس حدیث مبارکہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ دو آدمی یا دو قسم کے انسان دنیا میں ایسے ہیں جو اپنی مطلوبہ چیز سے کبھی سیر نہیں ہوتے اور ان کی ہمیشہ یہ طلب رہتی ہے، کہ میں اس چیز کو زیادہ سے زیادہ حاصل کر لوں اور مرتے دم تک حاصل کرتا چلا جاؤں، نہ وہ اکتاتے ہیں اور نہ تھکتے ہیں، صبح و شام یہی دھن ان کے ذہن پر سوار ہوتی ہے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ یہ دونوں آدمی اس چیز یعنی حرص اور طلب و تمنا میں تو باہم شریک ہیں لیکن دونوں کے مطلوب اور مقصد میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ کیونکہ ایک ان میں سے دنیا کے ذلیل اور گھٹیا متاع و مال کا طالب ہے تو دوسرا علم کے نور کا۔ دنیا کے طالب کی ہر دم خواہش ہوتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ مال اکٹھا ہو جائے۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ انسان کی اس طلب کو قبر کی مٹی کے سوا کوئی چیز پورا نہیں کر سکتی، البتہ علم کے بارے میں اضافہ مطلوب ہے خود اللہ نے اپنے نبی ﷺ کو ”زَبِّ زِفْرُنِي عِلْمًا“ (ترجمہ: اے اللہ! میرے علم میں اضافہ فرما) کی تلقین فرمائی ہے۔

لغوی و صرفی تحقیق:

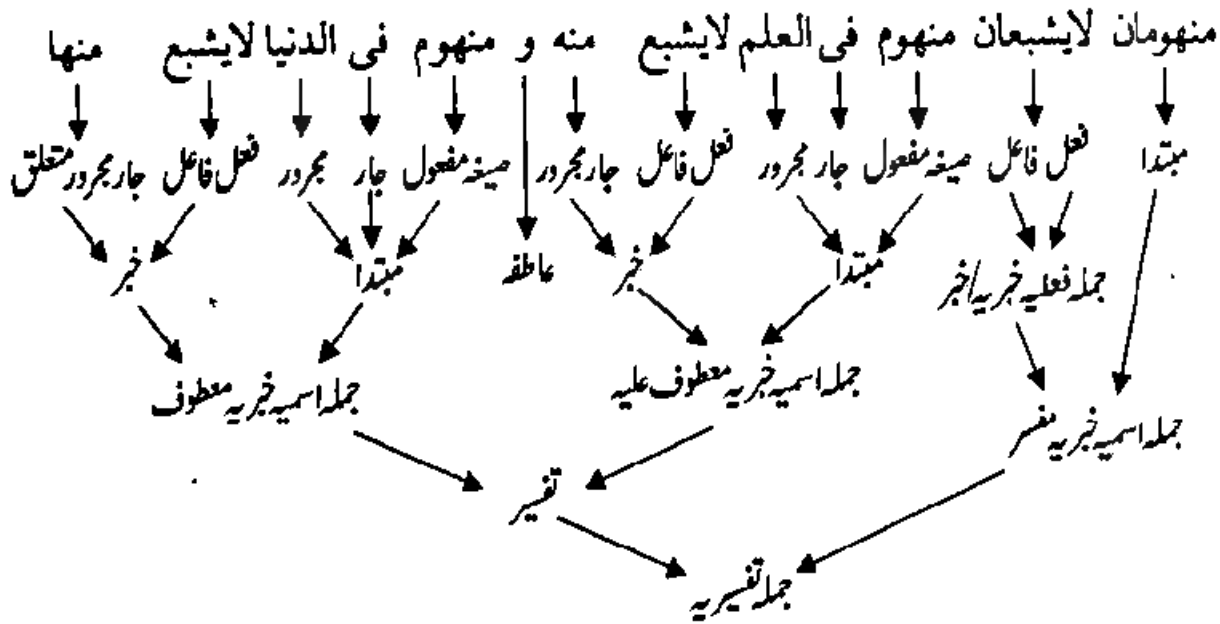
منہوم اسم مفعول کا صیغہ ہے نمرۃ مصدر سے بمعنی طالب، حاجت مند، غرض مند، (باقی الفاظ کی تحقیق گزر چکی ہے)

ترکیب:

منہومان مبتداء، لا يشبعان فعل ضمیر فاعل، فعل فاعل مل کر خبر، مبتداء خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر مفسر، منہوم صیغہ اسم مفعول فی جار العلم مجرور، جار مجرور متعلق اسم مفعول، اسم مفعول اپنے نائب فاعل اور متعلق سے مل کر مبتداء، لا يشبع فعل ہو ضمیر فاعل، منہ جار مجرور متعلق۔ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر خبر۔ مبتداء خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ۔ و عطف منہوم صیغہ اسم مفعول فی جار الدنیا مجرور، جار مجرور متعلق صیغہ مفعول، صیغہ مفعول اپنے نائب فاعل اور متعلق سے مل کر مبتداء، لا يشبع منها، حسب سابق خبر، مبتداء خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر معطوف، معطوف معطوف علیہ سے مل کر تفسیر، مفسر

تفسیر سے مل کر جملہ تفسیریہ ہوا۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) شعب الایمان بیہقی: حدیث نمبر ۱۰۲۷۹

(۲) سنن دارمی: حدیث نمبر ۳۳۲



۵۸ بہترین جہاد کیا ہے؟

أَفْضَلُ الْجِهَادِ مَنْ قَالَ كَلِمَةً حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ

ترجمہ:

”بہترین جہاد اس شخص کا ہے جو جابر اور ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہے۔“

تشریح:

ایک مقولہ ہے ”الناس علی دین ملوکھم“ اس مقولے کی اسنادی حیثیت کچھ بھی ہو، لیکن اس کا مفہوم بہر طور مسلم ہے۔ اور وہ یہ کہ کسی قوم یا علاقے کے بڑے لوگ اور بادشاہ جو بات، جو نظریہ، جو عقیدہ اور جو طرز عمل اپناتے ہیں، عوام خواہی خواہی ان کے پیچھے چل پڑتے ہیں۔ کسی معاشرے کو سنوارنے یا بگاڑنے میں ان لوگوں کا اہم کردار ہوتا ہے، چنانچہ اگر یہ لوگ مخلص اور اچھے ہوں تو معاشرہ اچھے خطوط پر چلتا ہے، اور اگر یہ لوگ بگاڑ کا شکار ہوں تو معاشرے صدیوں تک اس بگاڑ کی پاداش بھگتتے ہیں۔ ایسے موقع پر جب یہ لوگ بگڑ جائیں تو ان کو راہ راست پر لانا ضروری ہے، مگر یہ کام جتنا ضروری ہے اتنا نازک اور خطرناک بھی ہے کیونکہ جو آدمی بادشاہ کو حق بات پہ لائے گا وہ یقیناً عتاب اور ظلم کا نشانہ بنے گا۔ مگر چونکہ یہ دین بجز اللہ قیامت تک سلامت رہے گا اس لیے ایسے لوگ پیدا ہوتے رہیں گے جو اپنی جان کی پرواہ کیے بغیر کلمہ حق کہتے رہیں گے۔ تاریخ گواہ ہے کہ علمائے حق کو کلمہ حق کہنے سے نہ حجاج بن یوسف کی تلوار روک سکی، اور نہ مامون کے کوڑے۔ اسی طرح مردان حق پرست کو حق گوئی سے نہ ماضی کی کوئی طاقت روک سکی اور نہ آج کا استعمار۔ البتہ یہاں ایک بات یہ ذہن میں رہنا ضروری ہے کہ بادشاہ کے پاس حق بات کہنے کے لیے انداز دینی ہونا چاہیے جو انداز نبوت ہے۔ کہ موقف تو بہت سخت اور دو ٹوک ہو لیکن انداز ناصحانہ، مشفقانہ، اور داعیانہ ہو۔ ”يَهْلِكُ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ“۔ اس وجہ سے علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں مذکورہ حدیث پر عمل کرنے میں تین باتوں کا اہتمام ضروری ہے۔ (۱) کلمہ حق (۲) اسلوب حق (۳) نیت حق

لغوی و صرفی تحقیق:

اس حدیث کے اکثر الفاظ کی تحقیق پہلے گزر چکی ہے۔ باقی یہ ہیں۔

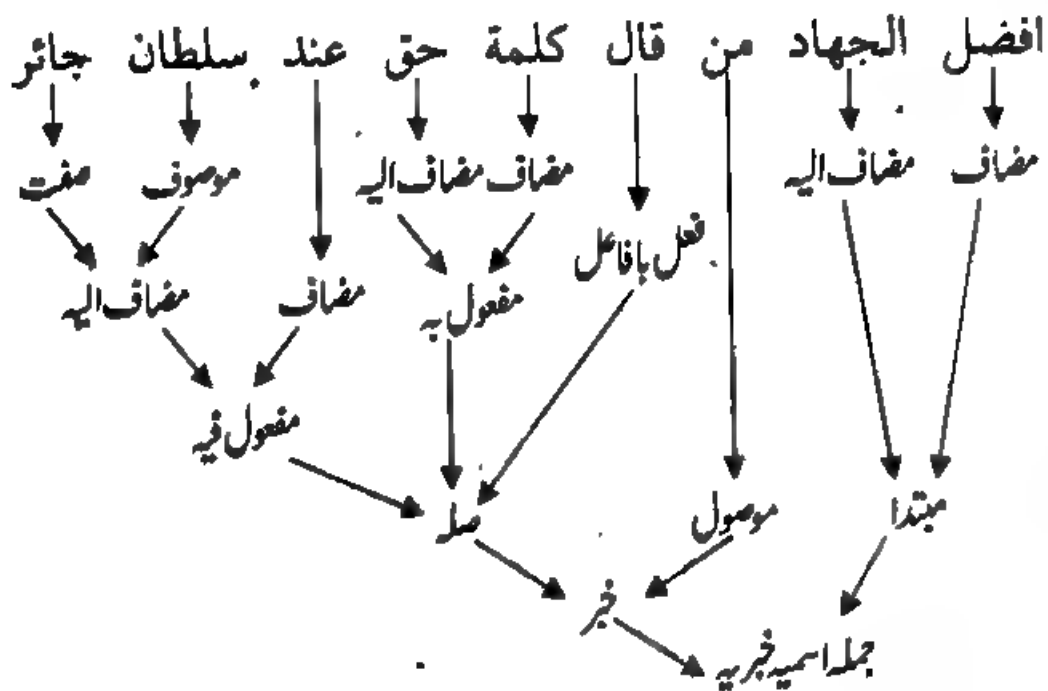
سلطان بروزن فعلان یہ بمعنی دلیل و حجت ہے۔ تاج العروس میں ہے جب سلطان کے معنی حجت کے ہوں تو اس کی جمع نہیں آتی کیونکہ اس صورت میں یہ مصدر کے قائم مقام ہے۔ ابن السکیت کے بقول سلطان ان معنوں میں مؤنث ہے، جبکہ ازہری کے خیال میں مذکر۔ استعمال سے دونوں کی تائید ہوتی ہے۔ کہتے ہیں: ”قد آمنتہ السلطان اور بسلطان مبین“ (دیکھیے لغات القرآن: ج ۳/ ص ۲۲۳) یہاں اس سے مراد دلیل و حجت نہیں بلکہ بادشاہ ہے۔

جائز: یہ اسم فاعل کا صیغہ ہے، جو مصدر سے۔ ہفت اقسام کے اعتبار سے اجوف واوی ہے۔ بمعنی ظالم، ناحق کام کرنے والا۔ بسا اوقات اجتہادی خطا پر بھی جو راہ جار کا اطلاق کر دیا جاتا ہے۔

ترکیب:

افضل مضاف الجہاد مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ سے مل کر مبتدا، من اسم موصول قال فعل ضمیر فاعل کلمۃ مضاف حق مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ سے مل کر مفعول بہ، عند مضاف سلطان موصوف جائز صفت، موصوف صفت سے مل کر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول فیہ، فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ موصول صلہ مل کر خبر، مبتدا خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو گیا۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

- (۱) ابو داؤد: حدیث نمبر ۴۳۴۶
- (۲) ترمذی: حدیث نمبر ۲۱۷۴
- (۳) نسائی: حدیث نمبر ۴۲۰۹

۵۹) راہِ خدا کی ایک صبح و شام کا اجر

لَعْدُوَّةٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ رَوْحَةٌ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا

ترجمہ:

”اللہ کے راستے میں ایک صبح یا شام کے لیے جانا دنیا اور اس کی تمام اشیاء سے بہتر ہے۔“

تشریح:

ایک دفعہ نبی ﷺ نے ایک لشکر جہاد کے لیے روانہ فرمایا، لشکر روانہ ہو گیا مگر ایک صحابی نبی ﷺ کے پیچھے غالباً جمعہ کی نماز پڑھنے کے خیال سے ٹھہر گئے جب آپ ﷺ نے ان کو دیکھا تو انہوں نے اپنی وجہ عرض کی آپ نے ان سے فرمایا جو لشکر صبح کو چلا گیا اور اس نے اللہ کے راستے میں صبح کر لی، ان کے اجر کے برابر تم کبھی بھی نہیں ہو سکتے، چاہے تم دنیا بھر کا مال و متاع خرچ کر لو۔ اس حدیث سے اللہ کے راستے یعنی جہاد میں جانے اور وہاں گزرنے والے وقت کی اہمیت اور قدر و منزلت کا اندازہ ہوتا ہے۔ کہ ایک شام کا اجر کتنا زیادہ ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کیونکہ دنیا کا مال و متاع تو ختم ہو جائے گا لیکن یہ اجر باقی رہے گا۔ جہاد چونکہ ایک مقدس عبادت، فریضہ اور امت کی ضرورت ہے اس لیے اس سے متعلقہ ہر بات میں بے شمار اجر اور فضیلت کا وعدہ کیا گیا ہے۔

واضح رہے کہ ”فی سبیل اللہ“ کا لفظ شرعی اصطلاح کے اعتبار سے اصل میں جہاد اور قتال ہی کے لیے ہے اور انہی معنوں میں اسے عام اور اکثر اوقات استعمال کیا جاتا ہے، تاہم کبھی مجازاً ہر نیک کام مثلاً طلب علم، اصلاح نفس وغیرہ کے لیے بھی استعمال ہو جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ”كُلُّ عَمَلٍ صَالِحٍ فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ“ ہر نیک عمل فی سبیل اللہ ہے۔ (دیکھئے الادب المفرد: امام بخاری)

لغوی و صرفی تحقیق:

غداۃ یہ مصدر ہے غدا یغدا و باب نصر ینصر سے بمعنی صبح کو سفر کرنا۔

روحۃ یہ بھی مصدر ہے راح یروح باب نصر ینصر سے بمعنی شام کو جانا، دونوں مصداق ہفت اقسام میں سے اجوف و ادوی ہیں۔

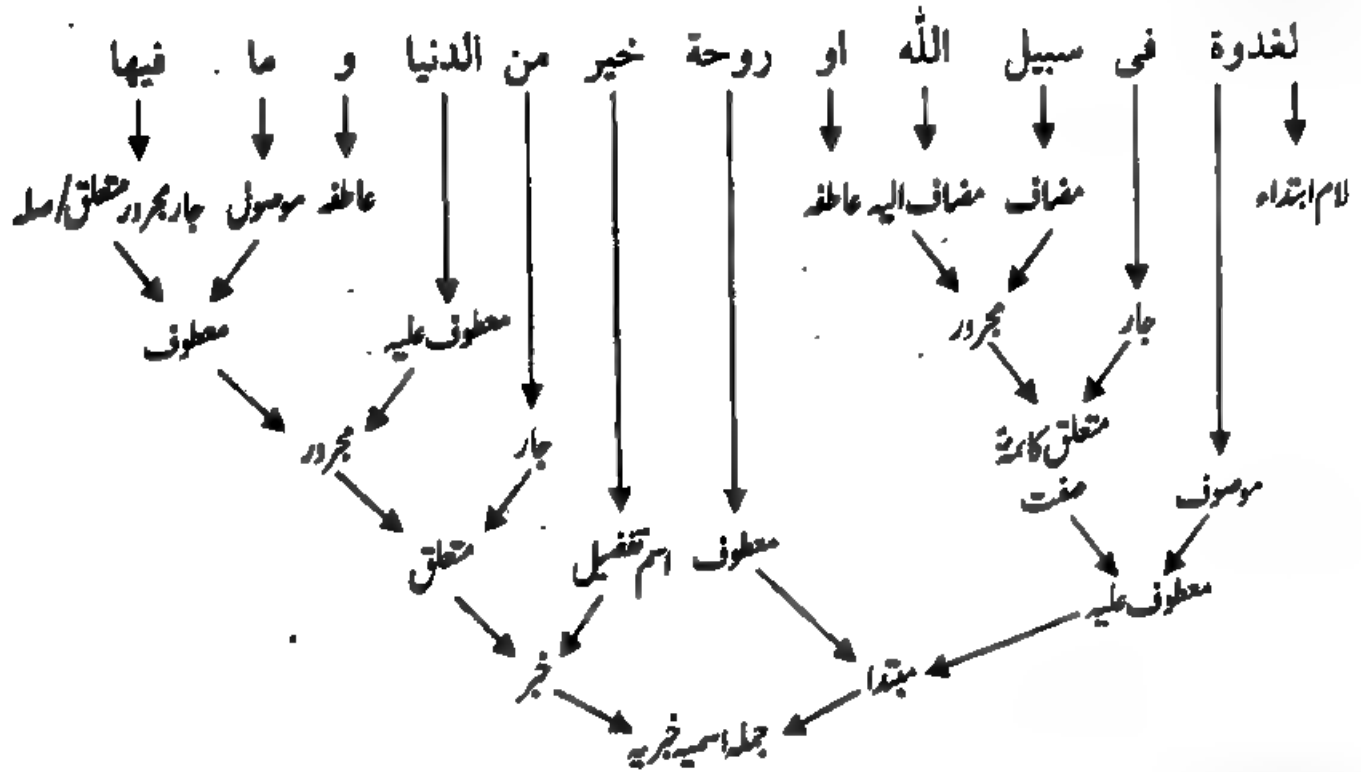
سبیل بروزن فعلیل بمعنی، راستہ، ذریعہ، مذکور مؤنث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ (النهاية فی غریب الحدیث)

ترکیب:

ل لام ابتدائیہ غداۃ موصوف، فی جار سبیل مضاف لفظ اللہ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ سے مل کر مجرور، جار مجرور متعلق ہوا کائنۃ شبہ فعل محذوف کے، کائنۃ اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر صفت، موصوف صفت مل کر معطوف علیہ، او حرف

عطف روحہ معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر مبتدا، خیر اسم تفصیل من جار الدنیا معطوف علیہ و عطفہ ما موصولہ فیہا جار مجرور متعلق کائن کائن صلہ، موصول صلہ مل کر معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر مجرور، جار مجرور متعلق ہوئے خیر اسم تفصیل کے۔ خیر اپنے متعلق سے مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو گیا۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) بخاری: حدیث نمبر ۲۷۹۲

(۲) مسلم: حدیث نمبر ۱۸۸۰

۶۰ فقیہ کا رتبہ

فَقِيْهُ وَاحِدٌ اَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ

ترجمہ:

”ایک فقیہ، شیطان پر ہزار عابدوں کے مقابلے میں زیادہ سخت ہے۔“

تشریح:

فقیہ اس آدمی کو کہتے ہیں جو عقل مند بھی ہو اور دین اور شریعت کے علم میں بھی مہارت رکھتا ہو یعنی ماہر عالم ہو۔ اور عابد وہ شخص ہے جو علم سے تہی دست ہو، لیکن عبادت گزار ہو۔ شیطان کے لیے ایک عابد کو گمراہ کرنا اور اسے بہلانا پھسلانا، آسان کام ہے کیونکہ عابد اس کی چالوں، ہتھکنڈوں اور چالاکیوں سے آگاہ نہیں ہوتا اور وہ آسانی سے اس کے جھانے میں آ جاتا ہے۔ کیونکہ شیطان اسے ہر رنگ میں پھسلاتا ہے۔ جبکہ ایک سمجھ دار عالم شیطان کے مکر و فریب اور چالوں سے بخوبی آگاہ ہوتا ہے۔ اس لیے وہ اس قدر آسانی سے اس کے جال میں نہیں آتا بلکہ ایک فقیہ کو پھنسانے کے لیے شیطان کو اتنی محنت کرنا پڑتی ہے جتنی ایک ہزار عبادت گزاروں پر۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ علم کی کیا فضیلت اور مقام ہے اور یہ شیطان کے مقابلے میں کتنا موثر اور کارگر ہتھیار ہے۔ مگر وہ علم جو فقاہت یعنی عمل والا ہو۔ کیونکہ صرف علم برائے علم کی تو شیطان کے پاس بھی کمی نہیں۔

لغوی و صرفی تحقیق:

فقیہ بروزن فعل بمعنی سمجھ دار، دانش مند، ہوشیار، شریعت کا ماہر عالم۔

واحد صیغہ اسم فاعل اجوف واوی ہے بمعنی ایک، اکیلا، تنہا۔

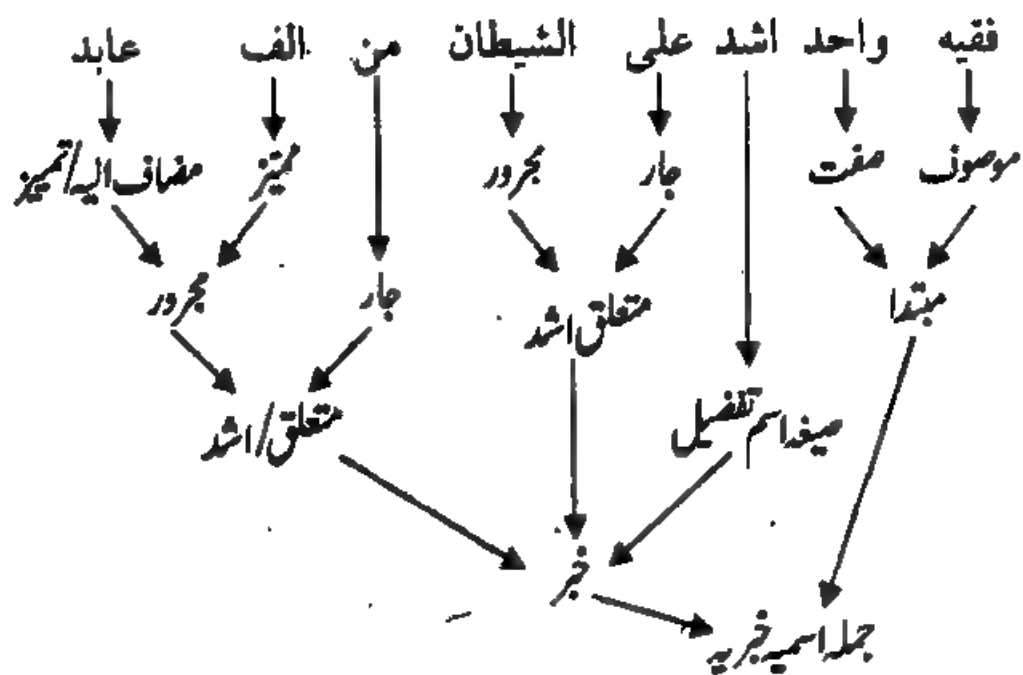
الف ہزار اس کی جمع الوف اور آلف آتی ہے۔

عابد عبادت گزار۔ وہ شخص جس نے اپنے زیادہ تر اوقات عبادت خداوندی کے لیے وقف کر رکھے ہوں۔

ترکیب:

فقیہ موصوف واحد صفت، موصوف صفت مل کر مبتداء، اشد صیغہ اسم تفضیل علی جار الشیطان مجرور، جار مجرور متعلق اشد کے من جار الف مضاف تمیز، مضاف الیہ تمیز، مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور متعلق ہوئے، اشد صیغہ اسم تفضیل کے، اشد اپنے متعلقات سے مل کر خبر، مبتداء خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو گیا۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) ترمذی

(۲) ابن ماجہ



① کثرتِ استغفار پر خوشخبری

طُوبَى لِمَنْ وَجَدَ فِي صَحِيفَتِهِ اسْتِغْفَارًا كَثِيرًا

ترجمہ:

”خوشخبری ہے اس شخص کے لیے جو اپنے اعمال نامہ میں بڑی مقدار میں استغفار کو پائے۔“

تشریح:

ایک حدیث میں آتا ہے۔ کہ ”کل بنی آدم خطاؤون وخیر الخطائین التوابون“ تمام انسان غلطیاں کرتے ہیں، لیکن بہترین غلطی کرنے والا وہ ہے جو توبہ کر لے۔ کیونکہ ”التائب من الذنب کمن لا ذنب له“ توبہ کرنے والا ایسا ہوتا ہے جیسا اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔ بلکہ جو آدمی اخلاص سے توبہ کرے تو اللہ کا اعلان ہے ﴿فَاُولَٰئِكَ يَبْدِلُ اللّٰهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ﴾ ”اللہ ان کی برائیوں کو نیکیوں میں بدل دیتے ہیں“ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان جب فطرت کی کمزوری سے گناہ کر بیٹھتا ہے اور پھر ندامت کے ساتھ خدا کے آگے جھکتا اور اس سے معافی مانگتا ہے تو وہ آدمی اللہ کے اتنا قریب ہو جاتا ہے جتنا اس گناہ سے پہلے نہیں تھا۔

مقبول توبہ کے لیے تین باتیں ضروری ہیں۔ (۱) گناہ چھوڑ چکا ہو (۲) گناہ پر ندامت ہو (۳) دوبارہ گناہ کا خیال اور ارادہ نہ ہو۔ اور اگر گناہ حقوق العباد میں سے تھا تو متعلقہ آدمی سے معافی مانگ چکا ہو۔

لغوی و صرفی تحقیق:

طوبیٰ بروزن فعلی اجوف یا ئی اسم تفضیل مؤنث کا صیغہ ہے، جس کا مذکر، اطیب ہے بمعنی خوشگوار، خوشخبری۔

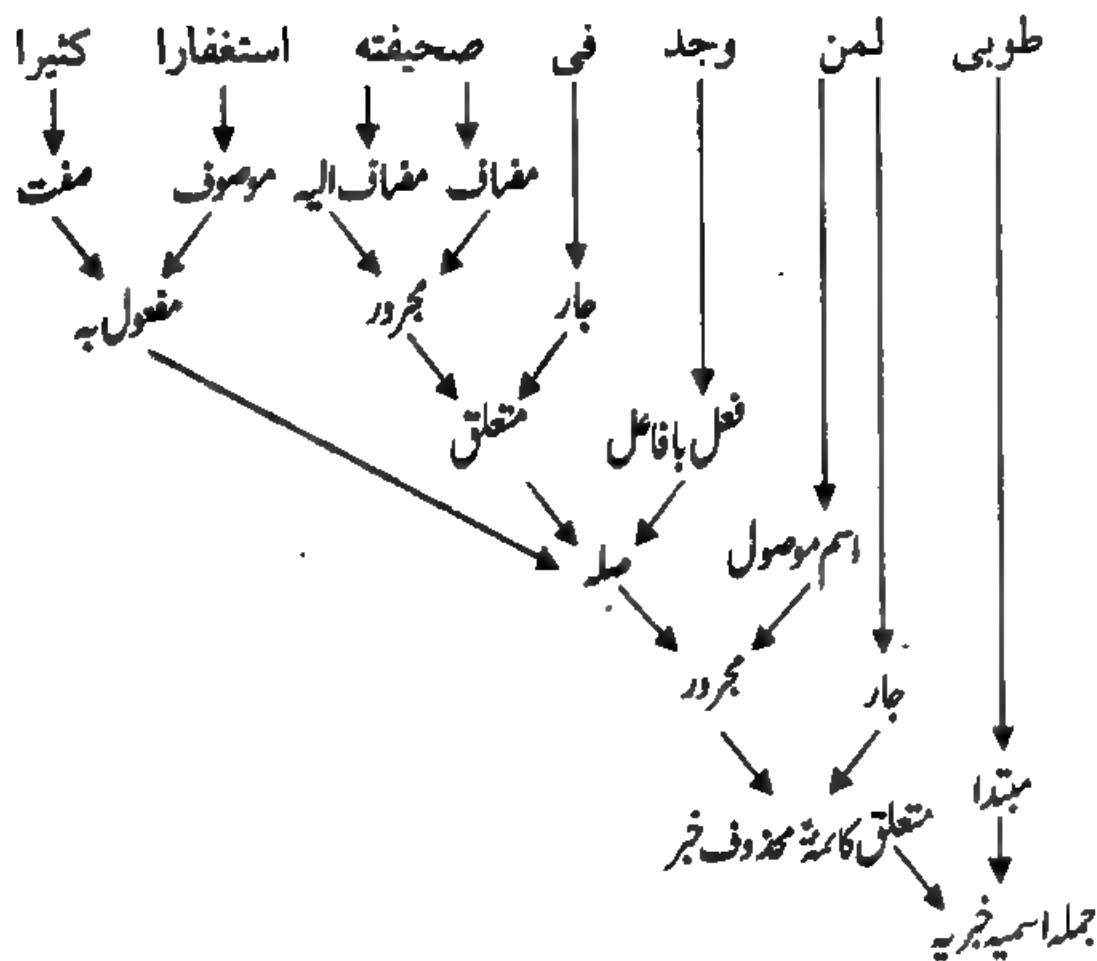
صحیفہ بروزن فعلیہ بمعنی نامہ اعمال، ہر وہ چیز جس میں کچھ اہم بات لکھی ہو۔

استغفار مصدر ہے باب استفعال سے حروف اصلی غ، ف، ر، ہیں بمعنی بخشش طلب کرنا، توبہ کرنا۔

ترکیب:

طوبی مبتداء، ل جار من اسم موصول وجد فعل ضمیر اس کا قاعل فی جار صحیفہ مضاف، ہ ضمیر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ ل کر مجرور، جار مجرور متعلق وجد فعل کے، استغفار موصوف کثیراً صفت، موصوف صفت سے مل کر مفعول بہ، فعل اپنے قاعل مفعول بہ اور متعلق سے مل کر صلہ موصول صلہ ل کر مجرور، جار مجرور متعلق ہوئے، کائنۃ محذوف کے کائنۃ محذوف اپنے قاعل اور متعلق سے مل کر خبر، مبتداء اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو گیا۔

نقشه ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) ابن ماجه: حدیث نمبر ۲۲۲

(۲) ترمذی: حدیث نمبر ۲۶۸۱

(۳) دارقطنی: حدیث نمبر ۲۹۴



۳ والد خدا کی خوشنودی کا ذریعہ

رَضِيَ الرَّبُّ فِي رِضَا الْوَالِدِ وَسَخَطُ الرَّبِّ فِي سَخَطِ الْوَالِدِ

ترجمہ:

”خدا کی خوشنودی والد کی خوشنودی میں ہے اور خدا کی ناراضگی والد کی ناراضگی میں ہے۔“

تشریح:

قرآن پاک میں اللہ رب العزت نے جہاں انسانوں سے اپنی عبادت اور توحید کا مطالبہ کیا ہے وہاں فوراً بعد ہی والدین کا ذکر کیا ہے اور ان کے ساتھ حسن سلوک اور اچھے معاملے کی ہدایت کی ہے۔ بلکہ یہاں تک فرمایا کہ اگر والدین شرک اور خدا کی نافرمانی پر مجبور کریں تو بھی ان سے بد تمیزی اور بد سلوکی نہیں کرنی، بلکہ حسن سلوک سے معاملے کو نال دو۔ ایک جگہ فرمایا کہ تمہارے والدین تمہارے لیے جنت بھی ہیں اور جہنم بھی یعنی اگر ان کے حقوق ادا کرو گے تو جنت ورنہ جہنم (نعوذ باللہ منہ) مذکورہ حدیث میں والد کے بارے میں خاص طور سے فرمایا کہ اگر والد ناراض ہے تو سمجھ لو کہ مرث کا مالک بھی تم سے خوش نہیں۔ اگر والد خوش ہے تو خدا بھی خوش ہے۔ علماء لکھتے ہیں اگر والدین زندہ ہوں تو ان کی خدمت سے جنت کمائیں اگر وفات پا گئے ہوں تو پھر ان کے لیے دعائے رحمت، استغفار اور ایصالِ ثواب اور کثرت سے صدقہ کیا جائے۔ تاکہ ان کی روح خوش ہو جائے۔ اور زندگی میں رہ جانے والی کوتاہی پوری ہو جائے۔

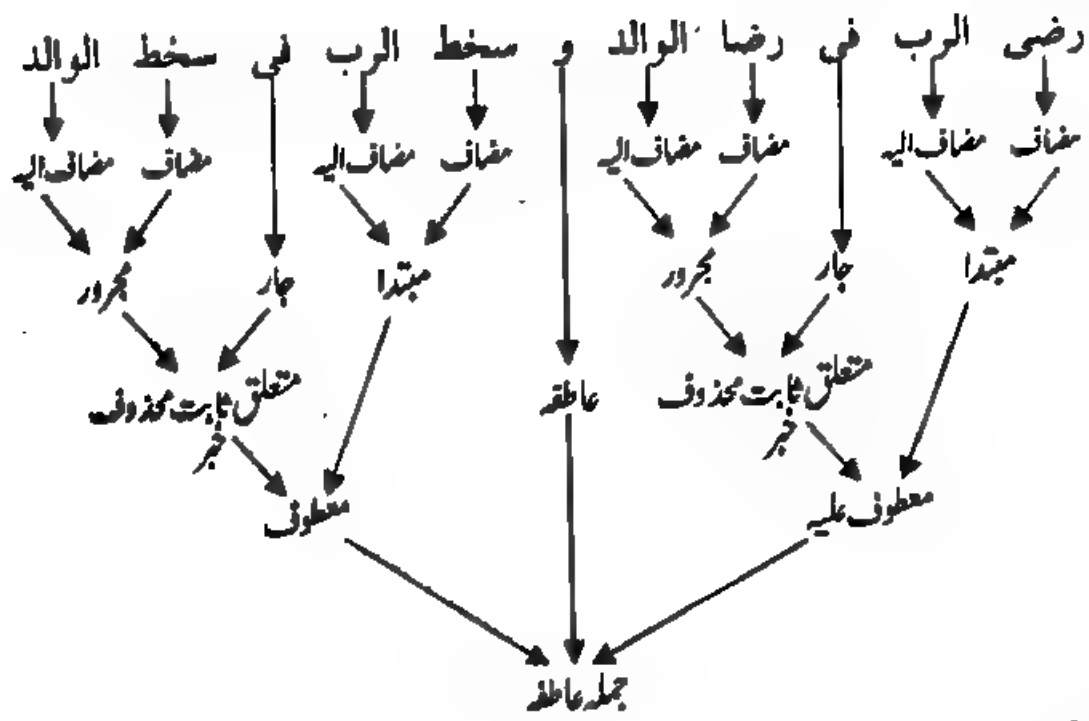
لغوی و صرفی تحقیق:

رضی یہ مصدر ہے باب رضی رضی، سمع یسمع سے بمعنی خوشنودی، خوشی، رضامندی، ہفت اقسام میں سے ناقص یائی ہے۔
سخط یہ بھی مصدر ہے باب سمع سے بمعنی ناراضگی، غم۔
باقی الفاظ کی تحقیق گذر چکی ہے۔

ترکیب:

رضی مضاف الرب مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ ل کر مبتداء، فی حرف جار رضا مضاف الوالد مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ ل کر مجرور، جار مجرور متعلق ہوا ثابت کے۔ ثابت صیغہ اسم فاعل اپنے متعلق اور فاعل سے مل کر خبر، مبتداء خبر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ، و عاطفہ سخط مضاف الرب مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ ل کر مبتداء، فی حرف جار سخط مضاف الوالد مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ ل کر مجرور، جار مجرور متعلق ہوا ثابت کے۔ ثابت صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل اور متعلق مل کر خبر، مبتداء خبر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر معطوف، معطوف علیہ معطوف مل کر جملہ عاطفہ ہوا۔

نقشه تركيب:



تخريج حديث:

(١) مستدرک حاکم: ٧٢٤٩



۳۱ بڑے بھائی کا مقام و مرتبہ

حَقُّ كَبِيرِ الْإِخْوَةِ عَلَى صَغِيرِهِمْ حَقُّ الْوَالِدِ عَلَى وَلَدِهِ

ترجمہ:

”بڑے بھائی کا چھوٹے پر وہی حق ہے جو باپ کا اپنے بیٹے پر ہے۔“

تشریح:

پچھلی حدیث میں مصنف نے والد کے حق کا ذکر کیا تھا کہ والد کی ناراضگی درحقیقت خدا کی ناراضگی ہے۔ یہاں بڑے بھائی کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے بڑے خوبصورت انداز میں دونوں فریقوں کو ان کی ذمہ داریاں سمجھائی ہیں۔ چھوٹے بھائی کو یہ سمجھایا کہ جیسے تم اپنے والد اور باپ کا احترام کرتے ہو وہی مقام اپنے بڑے بھائی کو دو۔ اور بڑے بھائی کو یہ سمجھایا کہ جو حقوق اور ذمہ داریاں والد کی اولاد کی نسبت سے ہوتی ہیں وہی تمہاری بھی ہیں، چنانچہ تم ان ذمہ داریوں کو اسی طریقے سے نبھاؤ۔ یہ اسلامی شریعت کا بڑا بہترین اسلوب ہے کہ جس میں ہر فریق کو اس کی ذمہ داریاں سمجھائی جاتی ہیں تاکہ اس میں ان کی ادائیگی کا احساس پیدا ہو، جبکہ آج کل مغربی نظام زندگی میں، ہر شخص کو اس کے حقوق اور منافع بتائے جاتے ہیں تاکہ وہ دوسروں سے لڑے اور ہر وقت ایک شورش اور دنگا فساد کی کیفیت بنی رہے۔

لغوی و صرفی تحقیق:

حق مصدر مضاعف ثلاثی باب ضرب اور نصر دونوں سے آتا ہے، حروف اصلی، ح، ق، ق ہیں بمعنی سچ، ذمہ داری۔

کبیر بروزن فعل، باب کرم یکرم بمعنی بڑا۔

الاخوة الخ کی جمع ہے بمعنی بھائی۔

ترکیب:

حق مضاف کبیر مضاف الیہ مضاف، الاخوة مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر موصوف علی حرف جار صغیر مضاف ہم ضمیر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور متعلق الثابت کے الثابت صیغہ اسم فاعل اور متعلق مل کر صفت، موصوف صفت مل کر مبتدا۔ حق مضاف الوالد مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر موصوف علی حرف جار ولد مضاف ضمیر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور متعلق ہوا الثابت محذوف کے، الثابت اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر صفت، صفت موصوف مل کر خبر، مبتدا خبر جملہ اسمیہ خبریہ ہو گیا۔

۳) ہر آدمی خطا کار ہے لیکن !!

كُلُّ بَنِي آدَمَ خَطَّاءٌ وَخَيْرُ الْخَطَّائِينَ التَّوَّابُونَ

ترجمہ:

”ہر آدمی خطا کار اور غلطی کرنے والا ہے، اور بہترین غلطی کرنے والے وہ ہیں جو توبہ کرنے والے ہیں۔“

تشریح:

پچھے استغفار کی کثرت والی حدیث میں اس روایت کا ذکر بھی آیا تھا، اب یہاں مقصود اس کو بیان کیا جا رہا ہے۔ اللہ نے انسان کی فطرت اور سرشت میں غلطی اور خطا کو رکھ دیا ہے سوائے انبیاء علیہم السلام کے اور کوئی انسان بھی گناہ سے معصوم نہیں۔ چنانچہ تھوڑی بہت اونچ نیچ تو ہر آدمی سے ہو ہی جاتی ہے، انسان ہے فرشتہ نہیں، لیکن خوش قسمت انسان وہ ہوتا ہے جو گناہ پر اصرار نہ کرے اور گناہ پر گناہ نہ کرتا چلا جائے بلکہ فوراً واپس پلٹے اور توبہ کرے۔ جو ہی توبہ کرے گا اللہ پچھلے گناہ نہ صرف معاف کریں گے بلکہ توبہ میں اخلاص اور قوت کے بقدر نیکیوں میں بدل دیں گے۔ بہر حال گناہ ایک ایسی چیز ہے جو فطرت سے نکل تو نہیں سکتی۔ البتہ توبہ کا دروازہ ہر وقت کھلا ہے۔ شیطان کے لیے انسان کی توبہ سے بڑھ کر کوئی چیز پریشان کن نہیں ہوتی۔

لغوی و صرفی تحقیق:

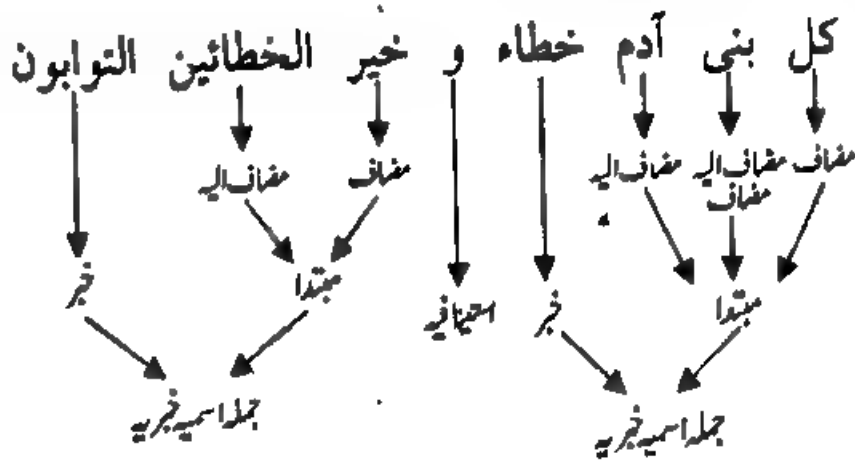
بنی یہ جمع کا صیغہ ہے اصل میں بنون، بروزن سنون ہے، اس کا مفرد بن یا ہن ہے۔ یہاں چونکہ یہ مضاف الیہ واقع ہو رہا ہے اس لیے حالت جری میں بنی ہے۔ اور نون اس وجہ سے ساقط ہو گیا ہے کہ اگلے لفظ کے لیے یہ مضاف بھی واقع ہو رہا ہے۔ جیسے یا بنی اسرائیل۔

آدم بروزن فاعل، آدم عربی زبان کا لفظ ہے یا عجی؟ دونوں رائے ہیں، اگر عربی ہو تو اس کا اشتقاق یا تو اودیم سے ہوگا، بمعنی مٹی، زمین، یا اودم سے ہوگا بمعنی گندم گوں، بہر حال اس کی اصل کچھ بھی ہو، یہ لفظ غیر منصرف ہے۔ (دیکھئے لغات القرآن بحوالہ کتاب العرب و مدد القاری)

ترکیب:

کل مضاف بنی مضاف الیہ مضاف، آدم مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مبتدا خطاء خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو گیا۔ و احسنافہ خیر مضاف الخطائین مضاف الیہ۔ مضاف مضاف الیہ مل کر مبتدا، التوابون خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو گیا۔

نقشه ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) ترمذی: حدیث نمبر ۲۴۹۹، ابواب صفۃ القیامۃ،

(۲) ابن ماجہ: حدیث نمبر ۴۲۵۱

(۳) مستدرک: ۷۶۱۷

۶۵ اخلاص کے بغیر اعمال کچھ نہیں

كَمْ مِنْ صَائِمٍ لَيْسَ لَهُ مِنْ صِيَامِهِ إِلَّا الظَّمَا وَكَمْ مِنْ قَائِمٍ لَيْسَ لَهُ مِنْ قِيَامِهِ إِلَّا السَّهَرُ

ترجمہ:

”بہت سے روزہ دار ایسے ہیں جنہیں ان کے روزوں سے سوائے پیاس کے کچھ حاصل نہیں، اور بہت سے شب بیدار ایسے ہیں جنہیں شب بیداری سے سوائے بیداری اور جگنے کے کچھ حاصل نہیں۔“

تشریح:

مذکورہ حدیث میں دو اہم عبادتوں کا ذکر کیا گیا ہے جن میں آدمی بڑی مشقت و محنت اور مجاہدے سے کام لیتا ہے، کیونکہ روزہ بھی مشکل کام ہے اور رات کی عبادت تو ویسے ہی کارے دار ہے۔ اتنی بلند پایہ عبادات ہونے کے باوجود ان کے کرنے والے کو کچھ بھی اجر نہیں مل رہا۔ وجہ یہ ہے کہ اول تو ان لوگوں نے یہ کام اخلاص سے نہیں کیے، خدا کی رضا مندی مطلوب نہیں تھی، لوگوں کو دکھانے کے لیے کرتے رہے، دوسرے یہ کام کرنے کے ساتھ ان کو ضائع کرنے والے اعمال مثلاً غیبت، جھوٹ، فواحش، منکرات سے اجتناب نہیں کیا، جس کی وجہ سے یہ نتیجہ سامنے آیا ہے، اور یہاں تو صرف دو عبادتوں کا ذکر ہے ورنہ درحقیقت ہر عبادت کا حکم یہی ہے خواہ نماز ہو، یا روزہ، حج ہو یا زکوٰۃ، تبلیغ ہو یا جہاد، تدریس ہو یا تالیف۔ جب ان میں اخلاص نہ ہو تو پھر دنیا میں ہی جو کچھ مل گیا مل گیا آخرت میں کچھ نہیں ملے گا۔

لغوی و صرفی تحقیق:

کم یہ نحو کے اعتبار سے دو قسم کا ہوتا ہے، ایک استہامیہ جس میں آپ کسی چیز کی تعداد کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ اس میں کم کے بعد آنے والا اسم منصوب ہوتا ہے جیسے ”کم عمراً لک“ تمہاری عمر کتنی ہے؟ اور دوسرا کم خبریہ ہوتا ہے جس میں سوال کرنا مقصود نہیں ہوتا بلکہ خود بتانا مقصود ہوتا ہے، اور اس کم کے بعد عام طور سے مِن آتا ہے، جیسے قرآن پاک میں بھی ہے، ”وَكَمْ مِنْ مِّثْلِكَ فِي السَّمَوَاتِ“ اور ”كَمْ مِنْ فِتْنَةٍ قَلِيلَةٍ“ اس کم کا ترجمہ ہوتا ہے، کتنے ہی زیادہ، یہ بہت سارے، یہاں مذکورہ حدیث میں یہ دوسرا کم استعمال ہوا ہے۔

الظَّمَا یہ مصدر ہے باب سمع-سمع سے، اس کا باب ظمأ-ظمأ ہوگا، بمعنی پیاسا ہونا، پیاس لگنا، ہفت اقسام کے اعتبار سے مہوز اللام ہے۔

السَّهَرُ یہ بھی مصدر ہے باب سمع-سمع سے بمعنی رات جاگنا، شاعر کہتا ہے۔

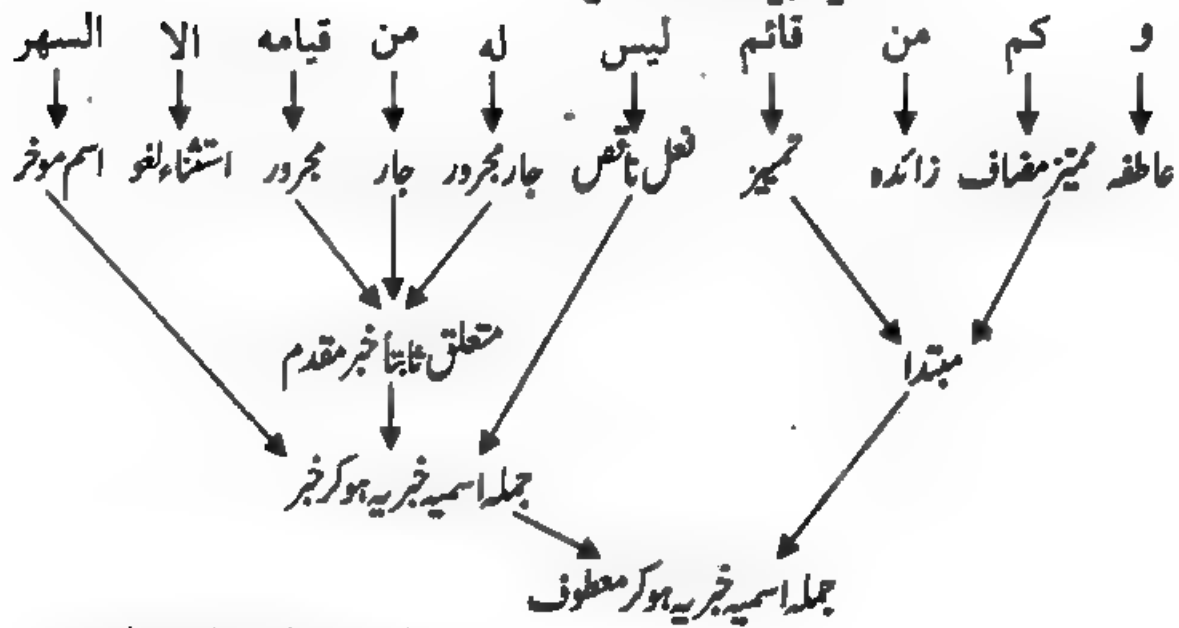
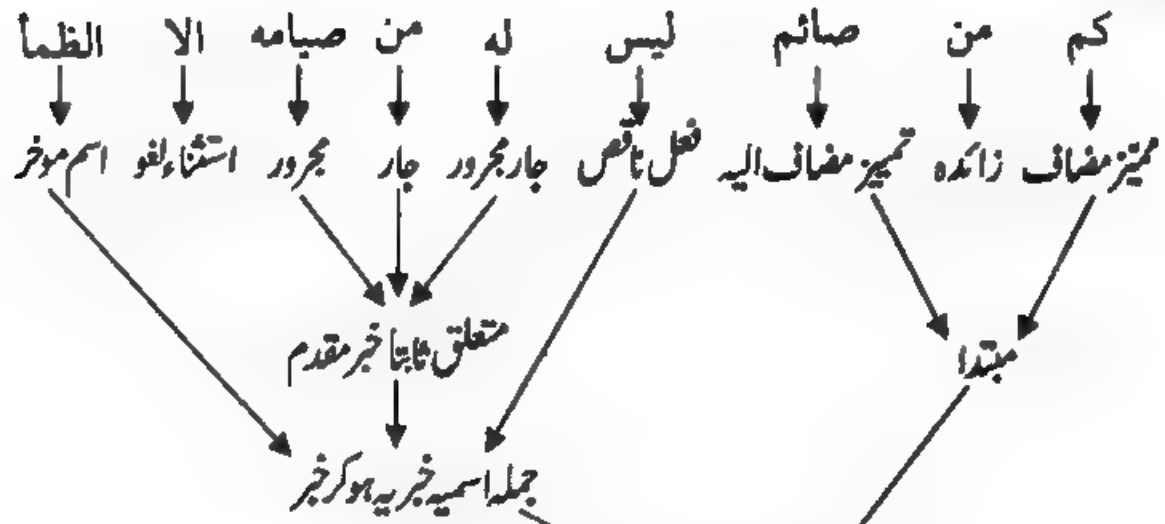
بَقْدَرِ الْكَذِّ نَكْتَسِبُ الْمَعَالِي
مَنْ حَلَبَ الْعَلَى سَهَرِ اللَّيَالِي

”تو اپنی محنت کے بقدر ہی بلندیاں پائے گا“ ”جو آدمی بلند مقام کا طالب ہو وہ راتوں کو جاگتا ہے“

ترکیب:

کم خبریہ متمیز مضاف، من زائدہ صائم تمیز مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مبتدا، لیس فعل ہے افعال ناقصہ میں سے ل جارہ ضمیر مجرور، جار مجرور متعلق ہوئے ثابتاً کے، من جار صیام مضاف، ضمیر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور متعلق ہوئے ثابتاً کے، ثابتاً صیغہ اسم فاعل اپنی ضمیر فاعل اور دونوں متعلقات سے مل کر خبر مقدم ہوئی، لیس فعل ناقص کی الا حرف استثناء، استثناء لغو (یعنی وہ مستثنیٰ جس کا مستثنیٰ منہ پیچھے ذکر نہیں ہوتا یہاں بھی ظمناً کا مستثنیٰ منہ ذکر نہیں ہے۔) الظمناً لیس کا اسم، لیس فعل ناقص اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ، و حرف عطف کم متمیز مضاف، من زائدہ قائم تمیز مضاف الیہ، متمیز تمیز مل کر مبتدا، لیس فعل افعال ناقصہ میں سے ل جار ہ مجرور، جار مجرور متعلق ہوئے ثابتاً کے، ثابتاً صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل اور متعلقات سے مل کر خبر مقدم ہوئی لیس کی الا حرف استثناء لغو، السہر اسم ہوا لیس فعل ناقص کا۔ لیس فعل ناقص اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر خبر ہوئی مبتدا کی۔ مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر جملہ عاطفہ ہوا۔

نقشه ترکیب:



معطوف + معطوف علیہ = جملہ عاطفہ

تخریج حدیث:

(۱) دارمی: حدیث نمبر ۲۷۲۰

۳۶ ہر شخص نگہبان ہے

أَلَا كَلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ

ترجمہ:

”خبردار! تم میں سے ہر آدمی نگہبان ہے اس کی رعایا کے بارے میں پوچھ ہوگی۔“

تشریح:

مذکورہ حدیث میں ہر انسان کو خواہ وہ دنیا میں کسی بھی حیثیت کا مالک ہو، غلام ہو یا آقا، خاوند ہو یا بیوی، والدین ہوں یا اولاد، سردار ہو یا عامی، شاگرد ہو یا استاد، حاکم ہو یا محکوم، قاضی ہو یا مجرم، ہر ایک کو اس بات سے آگاہ کر دیا گیا ہے کہ تمہارے دائرہ اختیار اور تصرف میں جتنا کچھ بھی ہے تم اس کے ذمہ دار ہو، اور تم سے اس ذمہ داری کے صحیح یا غلط استعمال کرنے کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ اس حدیث میں درحقیقت اس احساس ذمہ داری کو جگایا گیا ہے جو ہر انسان کے اندر ہونا چاہئے اور اگر یہ احساس بیدار رہے تو تمام کام درست نہج پر چلتے ہیں اور اگر ذمہ داری میں گڑبڑ ہو تو پھر نظام بگڑ جاتا ہے خواہ انفرادی زندگی ہو یا اجتماعی، خاندانی زندگی ہو یا حکومت، فوج کا نظام ہو یا عدالت کا۔ مذکورہ حدیث میں ہر آدمی کو ذمہ دار بنایا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ذمہ داری کے لیے ضروری نہیں کہ آدمی کے پاس کچھ ہو تبھی ذمہ دار ہے، اگر کچھ بھی نہ ہو اپنی ذات اور وجود تو دائرہ اختیار میں ہے جس کی بابت سوال ہوگا۔

لغوی و صرفی تحقیق:

آلا کے کلمے کے بارے میں غویوں کی ایک رائے یہ ہے کہ یہ کلمہ ہمزہ استفہام (ء) اور لائے نفی جنس سے مرکب ہے۔ جبکہ بعض حضرات کا کہنا یہ ہے کہ یہ کلمہ پورا کا پورا مرکب ہے جو تنبیہ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ (دیکھیے لغات القرآن، ج ۱/ ص ۲۰۷) راع اسم فاعل کا صیغہ اصل میں راعی تھا بروزن فاعل ہفت اقسام میں سے ناقص یا ئی ہے۔ حروف اصل، ر، ع، ی ہیں۔ بمعنی چرانے والا، گلہ بان۔

مسئول اسم مفعول کا صیغہ ہے سأل سے، بمعنی ذمہ دار، جس سے پوچھ ہو۔

رعية بروزن فعلیۃ، بمعنی رعایا، عوام، قوم وغیرہ۔

ترکیب:

الاحرف تنبیہ کل مضاف کم ضمیر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مبتداء، راع خبر، مبتداء خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ، و حرف عطف کل مضاف کم ضمیر مضاف الیہ دونوں مل کر مبتداء، مسئول صیغہ اسم مفعول عن جار و عیۃ

۱۶) لایعنی امور سے بچنے کی ترغیب

مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْينُهُ

ترجمہ:

”آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ لایعنی اور فضول کاموں کو چھوڑ دے۔“

تشریح:

مذکورہ بالا روایت بڑی اہم اور جامع روایت ہے جس میں دنیا و آخرت کے اعتبار سے بہت سی خیر اور بھلائی کو سمیٹ لیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے امام نووی نے اس حدیث کو ان چار حدیثوں میں شمار کیا ہے جن پر اسلام کی بنیاد ہے۔ لایعنی اور فضول ان کاموں کو کہتے ہیں جن کا دنیا اور آخرت میں کوئی فائدہ نہ ہو۔ جیسے مثلاً فضول بیٹھے رہنا، گیس ہانکتے رہنا، انگلیاں چٹاتے رہنا، شریعت نے ایک مسلمان آدمی کو اس بات کی طرف توجہ دلائی ہے کہ تمہارا دنیا کا یہ وقت انتہائی قیمتی اور اہم ہے اسے مفید سے مفید اور ضروری کاموں میں لگاؤ۔ کوئی علم کا کام کر دیا عمل کا کام کرو، ایک حدیث میں آتا ہے، کہ قیامت والے دن تین چیزیں آدمی کا اعمال نامہ بھاری کریں گی، (۱) خاموشی (۲) خوش اخلاقی (۳) لایعنی اور فضول کاموں سے اجتناب۔ آدمی کو کوئی بھی کام کرنے سے پہلے یہ سوچ لینا چاہئے کہ یہ کام میرے لیے دنیا و آخرت کے اعتبار سے مفید ہے یا نہیں؟ اگر ہو تو کرے ورنہ اسے لایعنی سمجھ کر چھوڑ دے۔ علماء نے لکھا ہے وہ تمام کھیلیں اور تفریحات جن میں معقول حد تک جسمانی ورزش نہ ہو وہ سب لایعنی ہیں مثلاً تاش، لڈو، کیرم بورڈ، سنوکر، کرکٹ، شطرنج وغیرہ (دیکھئے مسائل بہشتی زیور حصہ دوم)، کسی عاقل بالغ مسلمان کے لیے ان میں اپنا وقت ضائع کرنا جائز نہیں ہے۔

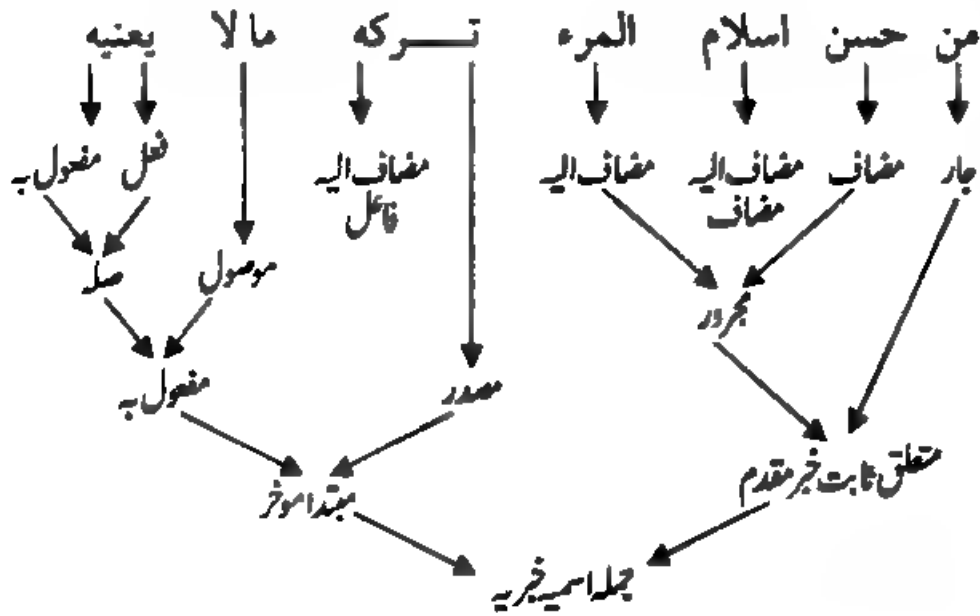
لغوی و صرفی تحقیق:

ترك مصدر ہے باب نصر مصدر سے عفت اقسام کے اعتبار سے صحیح ہے، یعنی باب ضرب۔ ضرب سے فعل مضارع، عفت اقسام میں سے ناقص یاکی ہے۔ اس کا معنی ہے خیال رکھنا، مقصد رکھنا، سروکار ہونا۔

توکیب:

من جار حسن مضاف اسلام مضاف الیہ مضاف الیہ۔ مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور متعلق ثابت محذوف کے ثابت محذوف اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر مقدم ہوئی۔ ترك مصدر مضاف ضمیر مضاف الیہ فاعل، ما اسم موصول لا یغنی فعل مضارع منفی ضمیر اس کا فاعل ضمیر مفعول بہ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر صلہ موصول صلہ سے مل کر مفعول بہ ہوا، ترک مصدر کا، ترک مصدر اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر مبتدا مؤخر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ

خبر یہ ہو گیا۔

نقشہ ترکیب:تخریج حدیث:

(۱) ترمذی: حدیث نمبر ۲۳۱۶، ابو اب الزہد

(۲) ابن ماجہ: حدیث نمبر ۳۹۷۶، کف اللسان فی الفتنة

۶۸ سب سے پسندیدہ اور ناپسندیدہ جگہیں

أَحَبُّ الْبِلَادِ إِلَى اللَّهِ مَسَاجِدُهَا وَأَبْغَضُ الْبِلَادِ إِلَى اللَّهِ أَسْوَاقُهَا

ترجمہ:

”آبادیوں میں سے اللہ کے ہاں سب سے پسندیدہ جگہیں مسجدیں ہیں۔ اور سب سے ناپسندیدہ جگہیں بازار ہیں۔“

تشریح:

مذکورہ بالا روایت کا پہلا حصہ مسجد کی فضیلت پر مشتمل ہے، مسجد کی اہمیت اور مقام اسلام میں بہت زیادہ ہے، عبادت کی جگہ ہونے کے ساتھ ساتھ مسجد کو اسلامی ریاست میں مرکز کی حیثیت حاصل ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ مسجدیں آسمان والوں کے لیے ایسے چمکتی ہیں جیسے زمین والوں کے لیے ستارے چمکتے ہیں اور مسجد کی یہ فضیلت سب سے بڑی ہے کہ مسجد کو اللہ کا گھر ہونے کی نسبت کا شرف حاصل ہے، جو آدمی مسجد کو آباد کرتا ہے اللہ اس کے گھر کو آباد کرتے ہیں۔

دوسرے حصے میں بازار کی قباحت اور برائی بیان کی گئی ہے اس لیے کہ بازار میں مادیت اور خدا کے غیر کے تذکرے اور ترغیبات ہوتی ہیں، بے پردگی ہے، جھوٹ ہے، ملاوٹ ہے، بدزبانی ہے، اسی وجہ سے بازار میں جاتے ہوئے چوتھا کلمہ پڑھنے کا حکم آیا ہے۔

لغوی و صرفی تحقیق:

أَحَبُّ صیغہ اسم تفضیل۔ ہفت اقسام میں سے مضاعف ثلاثی ہے۔

الْبِلَادُ جمع ہے بِلْدَة کی بمعنی شہر، آبادیاں۔

مَسَاجِدُ جمع ہے مَسْجِد کی۔ لغوی مطلب سجدہ کرنے کی جگہ اور عرف میں وہ جگہ جسے اللہ کے نام پر نماز کے لیے وقف

کر دیا گیا ہو۔

أَبْغَضُ صیغہ اسم تفضیل۔ ہفت اقسام میں سے صحیح ہے۔ بمعنی ناپسندیدہ ترین۔

أَسْوَاقُ جمع ہے سَوْق کی بمعنی بازار۔

ترکیب:

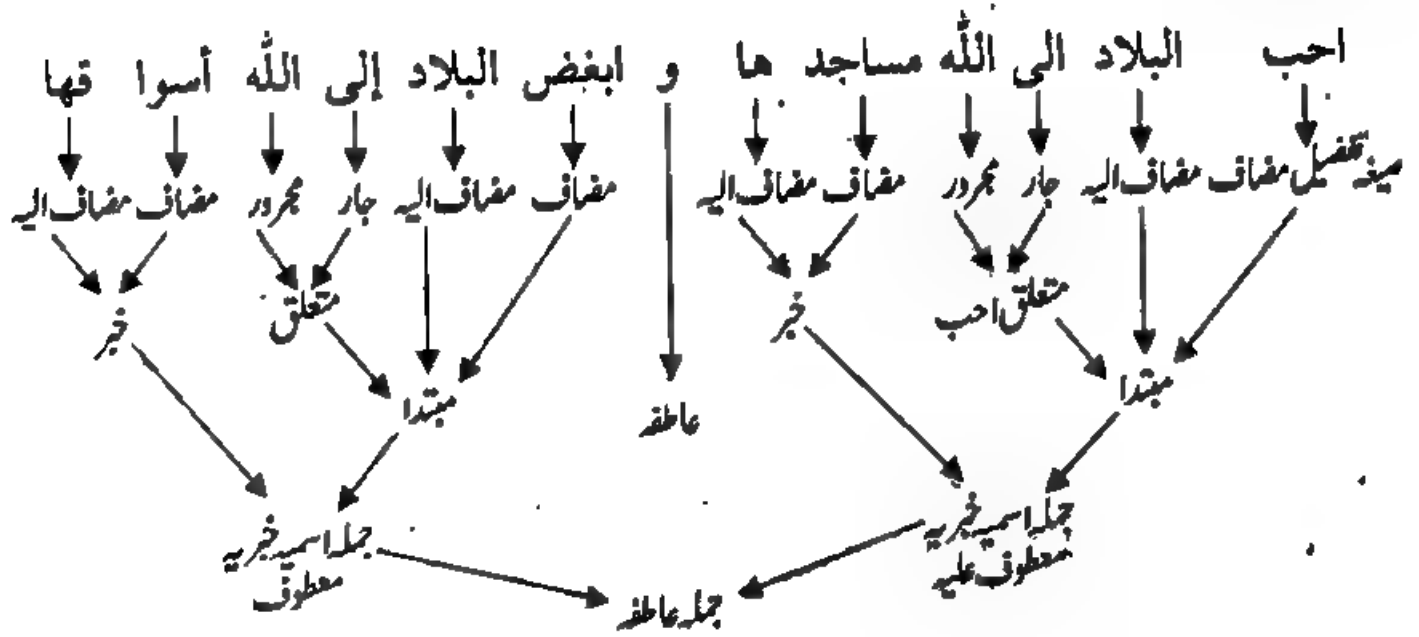
أَحَبُّ مضاف صیغہ اسم تفضیل، الْبِلَادُ مضاف الیہ الی جار لفظ اللہ مجرور، جار مجرور متعلق ہوئے أَحَبُّ صیغہ اسم تفضیل

کے، صیغہ اسم تفضیل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر مبتداء، مَسَاجِدُ مضاف ہا ضمیر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ سے مل کر

خبر، مبتداء خبر مل کر جملہ اسیم خبریہ ہو کر معطوف علیہ، و عاطفہ أَبْغَضُ صیغہ اسم تفضیل مضاف، الْبِلَادُ مضاف الیہ الی جار لفظ

اللہ مجرور، جار مجرور متعلق ہوئے ابغض صیغہ اسم تفصیل کے، صیغہ اسم تفصیل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر مبتداء، اسواق مضاف
 ہا ضمیر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر خبر مبتداء خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر جملہ عاطفہ
 ہوا۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) مسلم شریف: حدیث نمبر ۶۷۱، باب فضل الحلوں فی المسجد

(۲) سنن کبریٰ بیہقی: حدیث نمبر ۵۱۸۲

④ کچھ برا کرنے سے کچھ نہ کرنا بہتر ہے

الْوَحْدَةُ خَيْرٌ مِّنْ جَلِيسِ السُّوءِ وَالْجَلِيسُ الصَّالِحُ خَيْرٌ مِّنْ الْوَحْدَةِ
وَأَمَلَاءُ الْخَيْرِ خَيْرٌ مِّنْ السُّكُوتِ، وَالسُّكُوتُ خَيْرٌ مِّنْ أَمَلَاءِ الشَّرِّ

ترجمہ:

”تنہائی بہتر ہے برے ہم نشین سے اور اچھا ہم نشین بہتر ہے تنہائی سے، اور خیر کی بات کہنا بہتر ہے چپ رہنے سے اور چپ رہنا بہتر ہے بری بات کہنے سے۔“

تشریح:

اس حدیث مبارکہ کے ان مختصر سے جملوں میں رسول اللہ ﷺ نے متعدد خیریں اور بھلائی کی باتیں جمع فرمادی ہیں۔ پہلی بات یہ فرمائی کہ اگر تمہیں کوئی نیک اور صالح ہم نشین اور مجلس والا آدمی بیٹھنے اور مجلس کرنے کے لیے میسر نہ آئے تو یہ نہ ہو کہ تم برے لوگوں کی مجلس میں جا کر دل بہلاؤ، بلکہ تم ایسے حالات میں تنہا بیٹھ جاؤ۔ ہاں اگر اچھا آدمی اور نیک آدمی صحبت کے لیے میسر آئے تو پھر تنہائی میں بیٹھنا درست نہیں بلکہ نیک لوگوں کی مجلس میں جانا چاہیے کیونکہ مجلس کے بے شمار فوائد ہیں، جبکہ تنہائی اور فراغت میں آدمی شیطان کا آلہ کار بن سکتا ہے۔ دوسری بات یہ فرمائی کہ اگر تم اچھی بات کر سکتے ہو اور کوئی موقع بھی ہے تو وہاں اچھی بات ضرور کرو وہاں چپ رہنا درست نہیں اور اگر اچھی بات نہیں کہہ سکتے تو پھر خاموشی بہتر ہے۔ اسی وجہ سے کہتے ہیں ”قُلْ خَيْرًا وَإِلَّا فَاصْمُتْ“ ”بھلائی کی بات کرو ورنہ خاموش رہو۔“

لغوی و صرفی تحقیق:

الْوَحْدَةُ بمعنی تنہا ہونا، اکیلا ہونا، اس کی جمع وحدات آتی ہے۔ ایک یونٹ کو بھی وحدۃ کہتے ہیں۔

جلیس بروزن فعل یہ بمعنی ہم نشین، اس کی جمع جلساء اور جلساں آتی ہے۔

السُّوء یہ مصدر ہے باب نصر سے ہفت اقسام کے اعتبار سے اجوف واوی اور مہوز الملام ہے۔ حروف اصلی، س، و، ہ، ہیں بمعنی برائی۔

الصَّالِح اسم فاعل کا صیغہ ہے، جو باب نصر، فتح اور کرم تینوں سے آتا ہے، بمعنی درست، ٹھیک، نیک، راست باز۔

املاء یہ مصدر ہے باب افعال سے، ہفت اقسام کے اعتبار سے ناقص یائی ہے۔ اشکل یسلی حروف اصلی: م، ل، ی، ہیں

معنی بھرنا، بکھوانا، کسی کو کوئی بات بتانا، یا کہنا۔

السُّكُوت باب نصر سے مصدر ہے، بمعنی خاموش رہنا، چپ رہنا۔

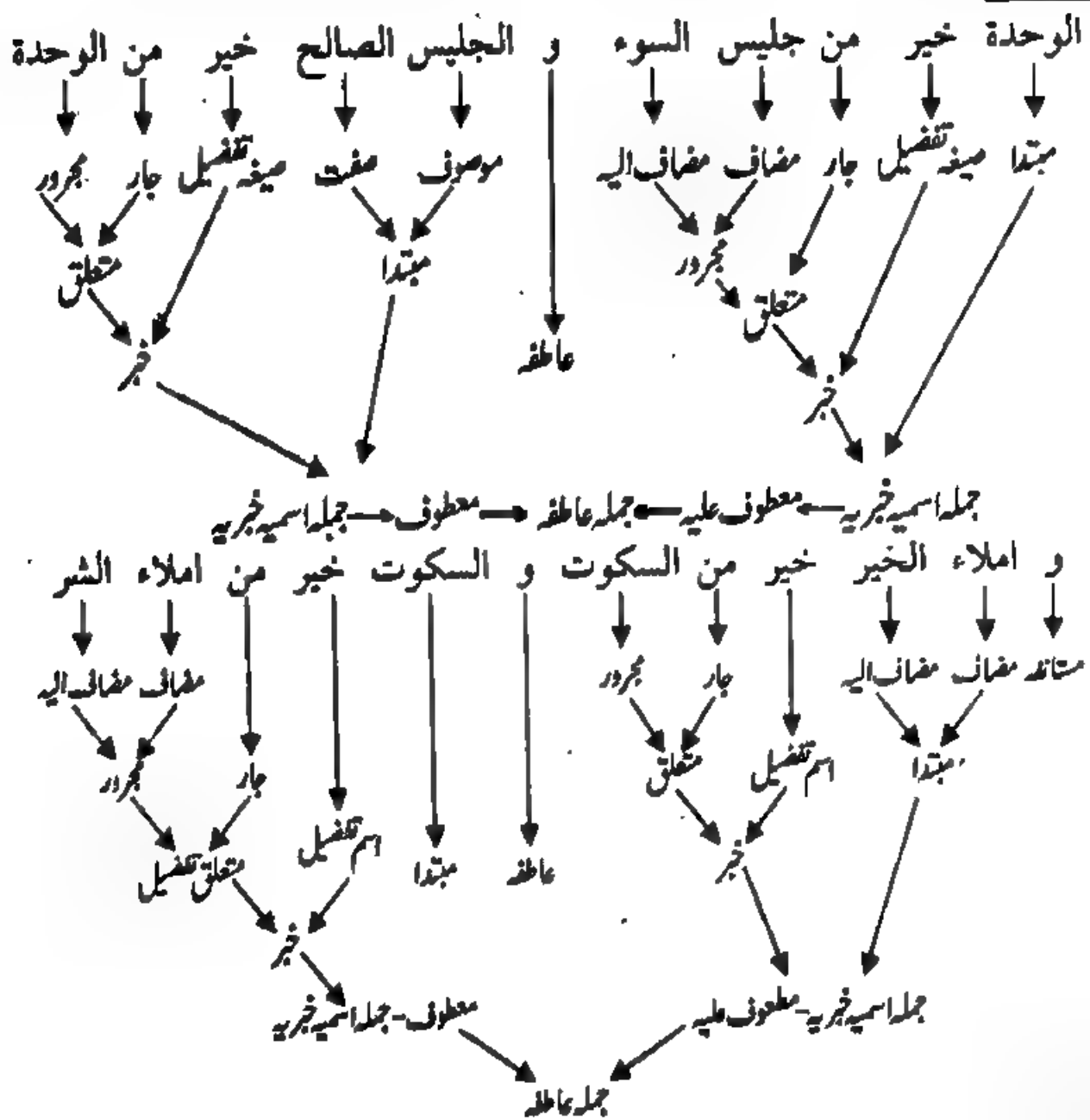
الشر یہ بھی مصدر ہے باب نھر سے اس کے علاوہ اس باب کے شرارۃ اور شرز بھی مصدر آتے ہیں، شر مفرد ہے جس کی جمع شرور آتی ہے۔

ترکیب:

الوحدة مبتدا، خیر صیغہ اسم تفصیل من جار جلیس مضاف السوء مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور متعلق ہوئے، صیغہ اسم تفصیل کے۔ صیغہ اسم تفصیل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر خبر، مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ، و عاطفہ الجلیس موصوف الصالح صفت۔ موصوف صفت مل کر مبتدا۔ خیر صیغہ اسم تفصیل، من جار الوحدة مجرور، جار مجرور متعلق ہوئے اسم تفصیل کے، اسم تفصیل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر خبر، مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر جملہ معطوفہ ہو گیا۔

و استئنافیہ، املاء مضاف الخیر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مبتدا، خیر صیغہ اسم تفصیل من جار السکوت مجرور، جار مجرور متعلق ہوا صیغہ اسم تفصیل کے، صیغہ اسم تفصیل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر خبر، مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ، و عاطفہ السکوت مبتدا خیر صیغہ اسم تفصیل من جار املاء مضاف الشر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور متعلق صیغہ اسم تفصیل کے، صیغہ اسم تفصیل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر خبر، مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔

نقشه ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) شعب الایمان: حدیث نمبر ۴۹۹۲

(۲) سنن ابی داود: حدیث نمبر ۴۸۳۱

⑤ موت مومن کے لیے تحفہ ہے

تُحَفَّةُ الْمُؤْمِنِ الْمَوْتُ

ترجمہ:

”مسلمان کا تحفہ موت ہے / موت مومن کا تحفہ ہے۔“

تشریح:

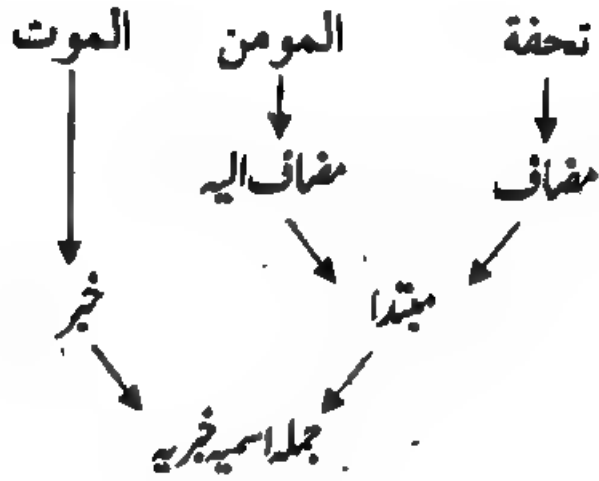
پچھلے ایک حدیث گذری تھی جس میں یہ بتایا گیا تھا کہ دنیا مومن آدمی کے لیے قید خانہ ہے کیونکہ اسے یہاں ہر وقت کی پابندی، حلال حرام کی تمیز اور گناہوں سے اپنے آپ کو بچانے اور نیکیوں میں لگانے کی مشقت سے فرصت نہیں ملتی۔ گویا وہ کھل کر سانس بھی نہیں لے سکتا، لیکن یہ تکلیف اور پابندی صرف اس وقت تک ہے جب تک اس کے جسم میں جان ہے۔ جوں ہی جان نکلے گی اس کی پابندی ختم ہو جائے گی، اور اس کے لیے آخرت کا ایک وسیع و عریض اور بڑا جہان کھل جائے گا، دنیا اس کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔ اس لحاظ سے موت یقیناً ایمان دار آدمی کے لیے خوشی کی چیز ہے کیونکہ اس کے نیک اعمال کا بدلہ دنیا میں تو مل نہیں سکتا۔ چنانچہ مومن آدمی کی دنیا اور موت کی مثال ایسے ہی ہے جیسے پرندہ بچھرے میں بند ہو یہ بچھرہ دنیا ہے اور انسان کا جسم اور مادی وجود ہے، جوں ہی روح کا پرندہ اس قفس غصری سے جدا ہوتا ہے تو اس کے سامنے باغ و بہار اور نہروں اور چشموں اور آزادی کی صورت میں اتنا وسیع جہان آباد ہوتا ہے کہ بچھرے کی اس سے کچھ بھی نسبت نہیں۔

لغوی و صرفی تحقیق:

تحفہ ہر قیمتی چیز کو کہتے ہیں جو کسی کو پیش کی جائے۔ اس کی جمع تحائف ہے، جمع اور مفرد دونوں اردو میں بھی انہی معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔

ترکیب:

تحفۃ مضاف المومن مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مبتدأ الموت خبر، مبتدأ خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

نقشه ترکیب:تخریج حدیث:

(۱) شعب الایمان بیہقی: حدیث نمبر ۹۸۸۴



④ جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے

يَدُ اللَّهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ

ترجمہ:

”اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہوتا ہے۔“

تشریح:

مذکورہ بالا فقرہ ایک حدیث کا حصہ ہے، پوری حدیث اس طرح ہے، کہ ”نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ رب العزت میری تمام امت کو گمراہی پر جمع نہیں کریں گے، اور اللہ کا ہاتھ جماعت چومے، اور جو آدمی جماعت سے علیحدگی اختیار کرے گا وہ تنہا ہو کر آگ میں جائے گا۔“

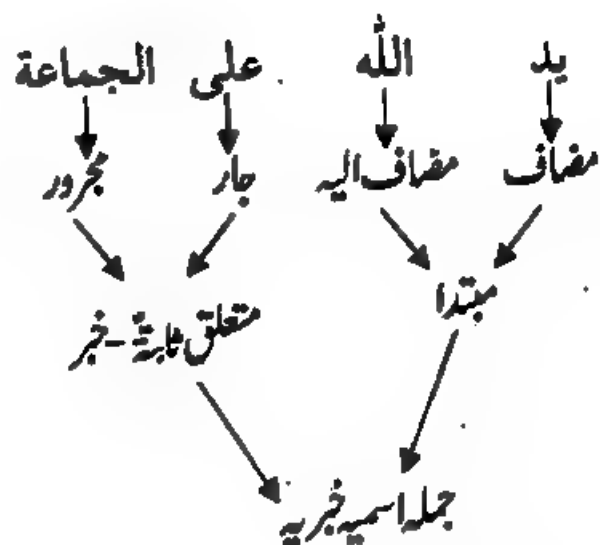
اس سے حدیث کا مطلب بڑی حد تک واضح ہو گیا کہ امت مسلمہ کا اجتماعی ضمیر اور دانش کبھی گمراہی پر اکٹھی نہیں ہو سکتی اور یہ لوگ ہمیشہ ایک بڑی مقدار میں دنیا پر آباد رہیں گے، اور اللہ کی تائید اور نصرت بھی ان کے ساتھ ہوگی۔ عام مسلمانوں کو چاہیے کہ اس اجتماعیت کے ساتھ جڑے رہیں اور اپنی انفرادی حیثیت، شناخت بنانے اور جمہور امت کی مخالفت کرنے سے اپنے آپ کو بچائیں۔ امت مسلمہ کے اس اجتماعی ضمیر کو جمہور کا اتفاق بھی کہتے ہیں اور کہا ایسے جاتا ہے کہ حق ہمیشہ جمہور کے ساتھ ہے۔

لغوی و صرفی تحقیق:

ید اصل میں یدنی تھا، یا کو حذف کر دیا گیا، اس کی جمع ایدی، اور جمع الجمع ایادی آتی ہے ید کا لفظ مؤنث ہے۔ الجماعۃ یہ مفرد ہے جس کی جمع جماعات آتی ہے، کثیر تعداد میں لوگوں کو جماعت کہتے ہیں۔

ترکیب:

ید مضاف لفظ اللہ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مبتدا، علی جار الجماعۃ مجرور، جار مجرور متعلق ہوا ثابۃ کے ثابۃ صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو گیا۔



تخریج حدیث:

(١) نرمذی: حدیث نمبر ۲۱۶۶، باب لزوم الجماعة ابواب الفتن

۴ زبان کا بولا، تولا جائے گا

كُلُّ كَلَامٍ بَنِي آدَمَ عَلَيْهِ لَالَهُ إِلَّا أَمْرٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ نَهْيٌ عَنْ مُنْكَرٍ أَوْ ذِكْرُ اللَّهِ

ترجمہ:

”آدمی کی ہر گفتگو اس کے لیے مفید نہیں بلکہ وبال ہے، سوائے امر بالمعروف، یا نہی عن المنکر کے یا اللہ کے ذکر کے۔“

تشریح:

مذکورہ بالا حدیث میں اس بات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ ہم جو کچھ بھی زبان سے بولتے ہیں وہ لغو اور بے کار نہیں جاتا اسے محفوظ کیا جاتا ہے اور اسے ہمارے نامہ اعمال میں درج کیا جاتا ہے، اور اس کلام کی نوعیت کے مطابق آدمی کو اس کا اجر یا وبال ملے گا۔ اگر اچھا کلام ہوگا تو اجر ملے گا اور اگر برا ہوگا تو گناہ۔ اس لیے فرمایا کہ عام طور سے انسان جو کلام بھی کرتا ہے وہ عموماً انسان کے لیے وبال ہوتا ہے، البتہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ جو بجائے نقصان کے فائدہ دیتی ہیں، (۱) کسی کو اچھی بات کا حکم کرنا (۲) کسی کو بری بات سے منع کرنا (۳) اللہ کا ذکر کرنا۔ ذکر میں تلاوت، نماز اور دیگر دینی امور مثلاً تعلیم و تعلم وغیرہ بھی آسکتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ صرف وہ باتیں یا کلام مفید ہے جو شریعت میں مطلوب ہے، ورنہ تو وبال جان ہی ہے۔

لغوی و صرفی تحقیق:

معروف اسم مفعول کا صیغہ ہے بمعنی مشہور اور پہچانا ہوا، منکر کو معروف کہتے ہیں کیونکہ سب لوگ اسے اچھا جانتے اور سمجھتے ہیں۔

منکر اسم مفعول کا صیغہ ہے باب افعال سے بمعنی برائی۔

ذکر یہ بھی مصدر ہے بمعنی یاد کرنا۔

ترکیب:

کل مضاف کلام مضاف الیہ مضاف بنی مضاف الیہ مضاف آدم مضاف الیہ مضاف مل کر مبتدا، علی جارہ ضمیر مجرور، جار مجرور مل کر معطوف علیہ، لا عاطفہ ل جارہ ضمیر مجرور، جار مجرور معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر متعلق ثابت کے، ثابت اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر مستثنیٰ منہ الا حرف استثناء امر مصدر با جار معروف مجرور، جار مجرور متعلق مصدر کے۔ مصدر اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر معطوف علیہ او حرف عطف نہی مصدر عن جار منکر مجرور، جار مجرور متعلق

۴۱ ذکر الہی زندگی ہے

مَثَلُ الَّذِي يَذْكُرُ رَبَّهُ وَالَّذِي لَا يَذْكُرُ كَمَثَلِ الْحَيِّ وَالْمَيِّتِ

ترجمہ:

”اپنے رب کو یاد کرنے والے کی اور نہ کرنے والے کی مثال ایسے ہی ہے جیسے مردہ کی اور زندہ کی مثال ہے۔“

تشریح:

یعنی جو آدمی اللہ رب العزت کا ذکر کرتا ہے وہ ایسے ہے جیسے زندہ آدمی ہوتا ہے کہ اس کی روح قائم ہے اس کے حواس کام کرتے ہیں، اس کے چہرے پہ بشارت ہے۔ اور جو آدمی اللہ کا ذکر نہیں کرتا وہ ایسے ہے جیسے مردہ آدمی کہ بظاہر اس کے اعضاء اگرچہ سلامت ہوتے ہیں لیکن ان میں جان نہیں ہوتی، اس کے چہرے پر کوئی تروتازگی نہیں ہوتی، اس کا شمار کسی کھاتے میں نہیں ہوتا، کیونکہ وہ محض بے جان لاش ہے۔ ایسے ہی جو ذکر نہ کرے وہ بے روح ہے نہ اس کا دل زندہ ہے نہ دماغ میں طراوت، نہ روح بیدار ہے نہ فکر و نظر میں جلاء۔ بظاہر چاہے وہ کتنا ہی مضبوط، توانا اور خوش و خرم ہو اس کا اندر خالی اور ویران ویران ہوگا۔ دل میں سکون اور چین نہیں کیونکہ ”دل کا سکون و قرار تو یاد الہی میں ہے۔“

لغوی و صرفی تحقیق:

مثال مفرد ہے جس کی جمع امثال آتی ہے، باب نصر اور ضرب سے مستعمل ہے اور کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے، شبیہ، نظیر، صفت، بات، کہاوت، عبرت، دلیل، مشابہت وغیرہ۔

حی یہ صفت مشبہ کا صیغہ ہے باب سحر سے۔ ہفت اقسام کے اعتبار سے لفیف مقرون ہے حروف اصلی، ح، ی، ی، ہیں بمعنی زندہ۔

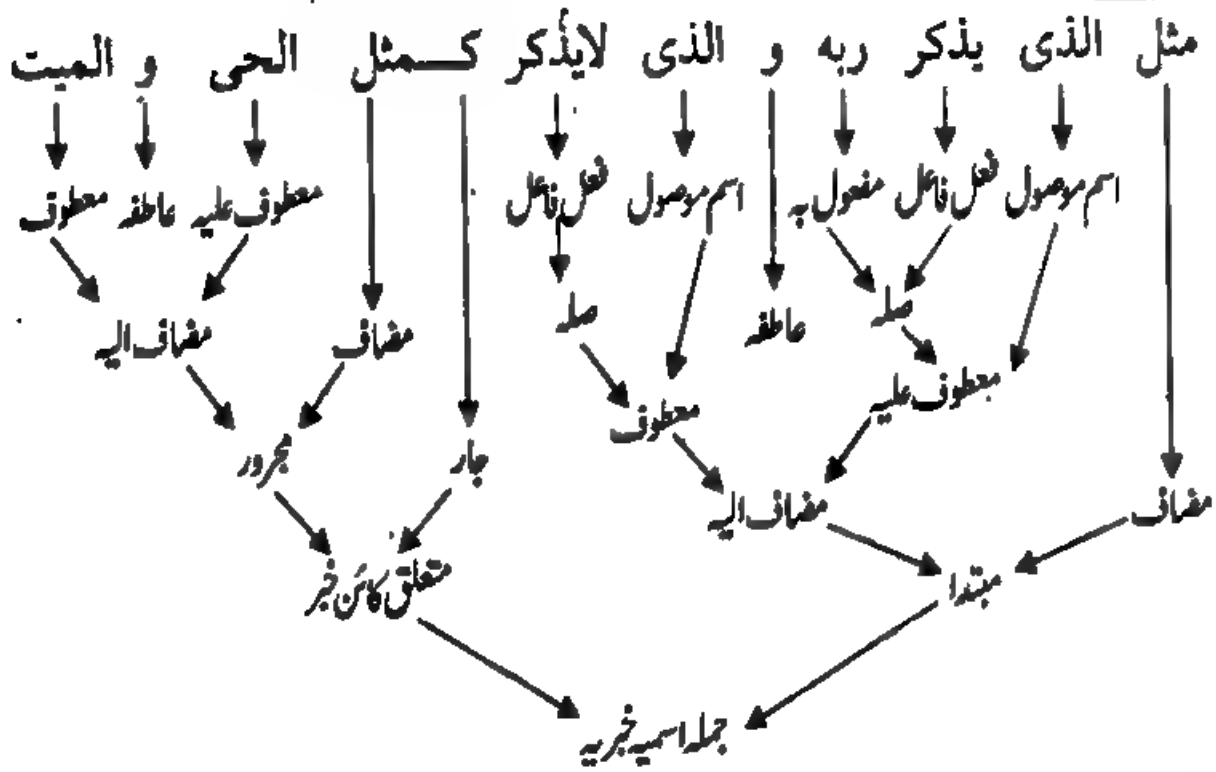
المیت بمعنی مردہ، یہ بھی صفت مشبہ کا صیغہ ہے، باب نصر سے، اجوف واوی ہے، حروف اصلی، م، و، ت ہے۔ اس کی صرفی تعلیل وہی ہے جو سید میں ہے۔ وہاں ملاحظہ کی جائے۔

ترکیب:

مثال مضاف الذی اسم موصول یذکر فعل بافاعل ربہ مفعول بہ، فعل فاعل اور مفعول بہ سے مل کر صلہ موصول صلہ سے مل کر معطوف علیہ، و عاطفہ الذی اسم موصول لا یذکر فعل فاعل مل کر صلہ موصول صلہ مل کر معطوف، معطوف معطوف علیہ سے مل کر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مبتداء حرف جار مثل مضاف الحی معطوف علیہ و عاطفہ المیت معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور متعلق کائن شہ فعل کے، کائن شہ فعل اپنے

فاعل اور متعلق سے مل کر خبر، مبتدا خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو گیا۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) بخاری: حدیث نمبر ۶۰۴۴، باب فضل ذکر اللہ، کتاب الدعوات

④ بے نفع علم بے کار ہے

مَثَلُ الْعِلْمِ لَا يُنْتَفَعُ بِهِ كَمَثَلِ كَنْزٍ لَا يُنْفَقُ مِنْهُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

ترجمہ:

”اس علم کی مثال جس سے فائدہ نہ اٹھایا جائے اس خزانے کی سی ہے جس میں سے راہ خدا میں خرچ نہ کیا جائے۔“

تشریح:

بلاشبہ علم ایک نور، علم ایک نعمت، علم ایک دولت، علم ایک سرمایہ ہے، لیکن اس کا تقاضا یہ ہے کہ جس آدمی کے پاس یہ ہودہ اس پر اجارہ داری بنا کر نہ بیٹھ جائے بلکہ اس کو آگے پھیلانے، تاکہ دوسرے لوگ بھی اس سے مستفیض ہوں۔ علم سے استفادے کی ایک صورت تو یہ ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ خود صاحب علم آدمی اپنے علم کی وجہ سے روز بروز ترقی کرتا جائے اور خدا کے قرب اور تعلق میں بڑھتا چلا جائے، اگر ایسا نہ ہو اور خود بھی اپنے علم سے متفع نہ ہو سکا تو گویا وہ بیچ دریا بھی پیا سارہا۔ مذکورہ حدیث علم سے استفادے کی ان دونوں صورتوں کو شامل ہے، اس حدیث میں یہ فرمایا کہ علم سے فائدہ نہ اٹھانا ایسا ہے جیسے خزانے پہ سانپ بن کر بیٹھ رہنا کہ نہ خود نفع اٹھائے اور نہ دوسرے کو اٹھانے دے۔

لغوی و صرفی تحقیق:

یَنْتَفِعُ یہ باب اتعال سے مضارع مجہول کا صیغہ ہے۔ بمعنی فائدہ اٹھانا، نفع حاصل کرنا۔

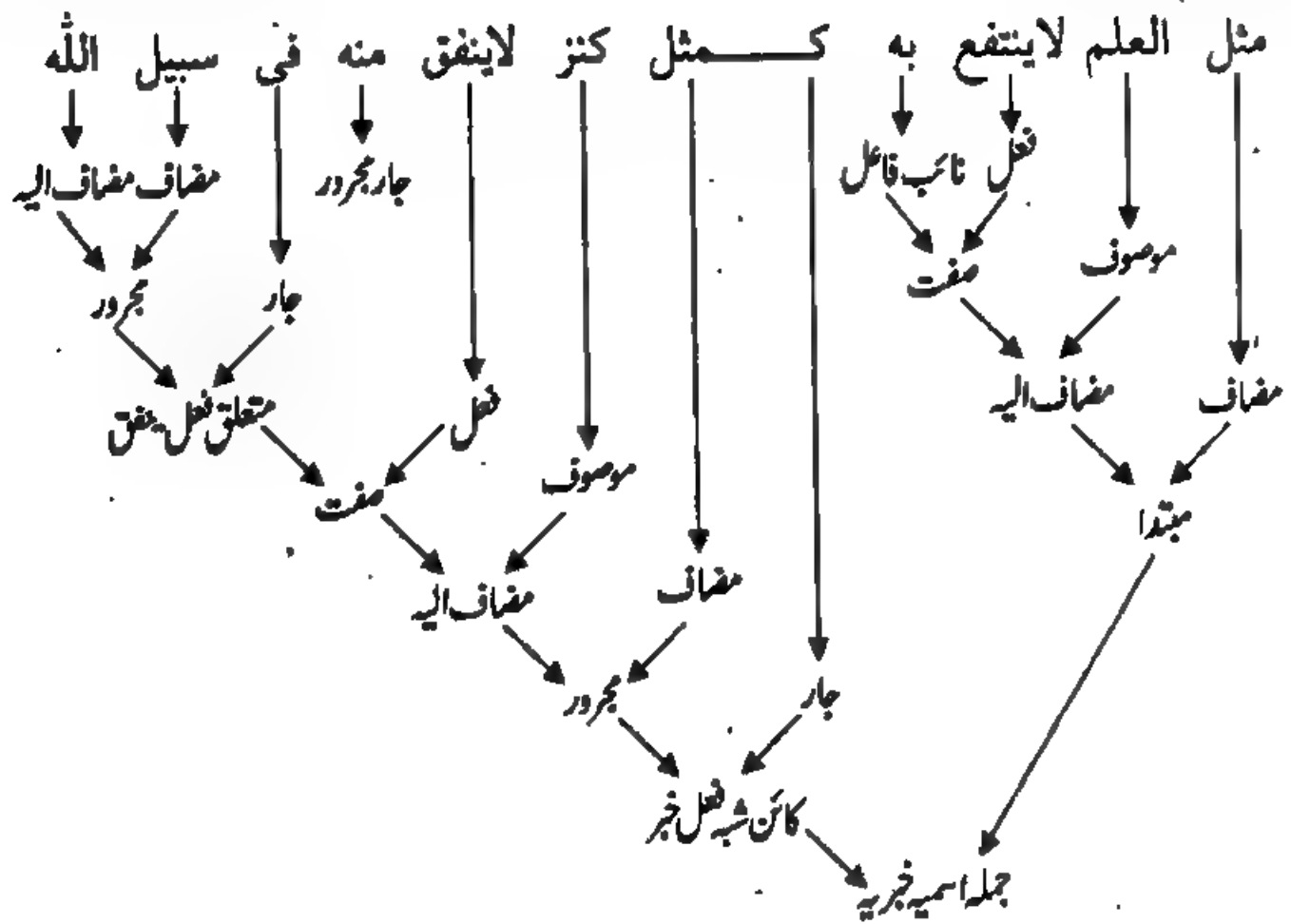
كَنْزٌ خزانے کو کہتے ہیں اس کی جمع کنوز آتی ہے۔

يُنْفَقُ باب افعال سے فعل مضارع معروف ہے بمعنی خرچ کرنا۔

ترکیب:

مَثَلُ مضاف العلم موصوف لا ینتفع فعل مجہول ب جارہ ضمیر مجرور، جار مجرور متعلق فعل کے فی جار سبیل مضاف لفظ اللہ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور متعلق فعل کے، فعل اپنے متعلقات سے مل کر صفت ہوئی موصوف کی موصوف صفت مل کر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوا کائن کے۔ کائن شبہ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر خبر، مبتدا خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) دارمی: حدیث نمبر ۱۵۵۶، ابواب العلم

(۲) مسند احمد: حدیث نمبر ۱۰۴۸۱

۷۵ بہترین ذکر کونسا ہے

أَفْضَلُ الذِّكْرِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَفْضَلُ الدُّعَاءِ الْحَمْدُ لِلَّهِ

ترجمہ:

”سب سے افضل ذکر لا الہ الا اللہ ہے اور سب سے افضل دعاء الحمد للہ ہے۔“

تشریح:

کلمہ کو سب سے افضل ذکر اس لیے کہا گیا ہے کہ اس کلمے کا واقعتاً عظیم مقام اور شان ہے کیونکہ تمام کے تمام انبیاء علیہم السلام کی دعوت کی بنیاد اور محور یہی کلمہ تو حید تھا۔ اور مذہب کی ساری کی ساری بنیاد بھی اسی کلمے پر استوار ہے اور دین کی ساری چکی اسی کے گرد گھومتی ہے۔ اور حضرات صوفیاء کے ہاں بھی اسی کلمے سے دل کی صفائی اور نور حاصل کیا جاتا ہے لا الہ الا اللہ کی ضرب سے دل میں سے خدا کا غیر نکل جاتا ہے۔ اس کے بعد الحمد للہ کو سب سے بہتر دعا کہا گیا ہے کیونکہ الحمد للہ شکر اور تعریف و ثنا کا کلمہ ہے۔ اور دعا کے لیے خدا کی تعریف بہت موثر اور کارگر چیز ہے الحمد للہ سے مراد صرف یہ دونوں کلمے بھی ہو سکتے ہیں اور پوری سورۃ فاتحہ بھی ہو سکتی ہے اور سورۃ فاتحہ تو واقعتاً دعا اور افضل دعا ہے کیونکہ اس میں بندہ اپنے رب سے دنیا کی سب سے قیمتی چیز یعنی ہدایت مانگتا ہے۔

لغوی و صرفی تحقیق:

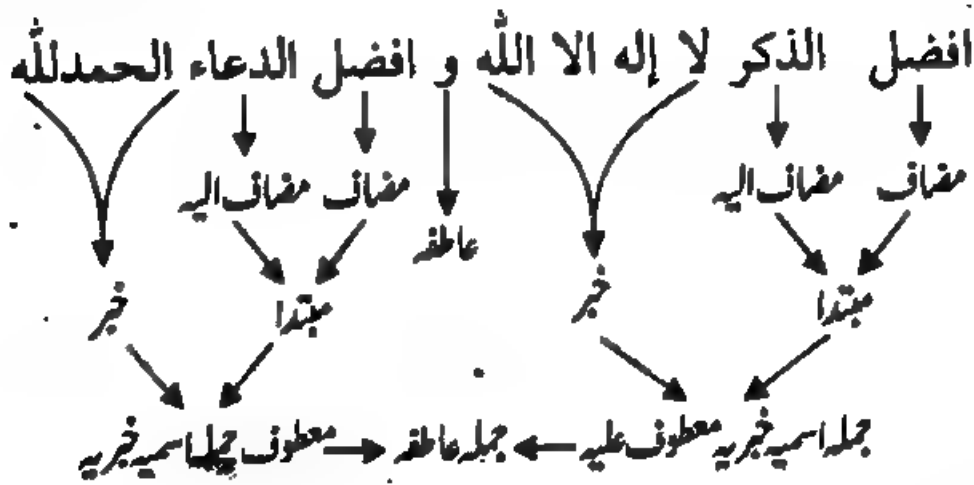
افضل باب کرم یکرم سے اسم تفصیل کا صیغہ ہے بمعنی بڑھا ہوا، زیادہ فضیلت والا اس کی جمع افاضل اور افضلون آتی

ہے۔
الہ بمعنی معبود اس کی جمع آلہۃ آتی ہے۔

ترکیب:

افضل مضاف الذکر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مبتدا، لا الہ الا اللہ پورا جملہ بتاویل مفرد (یعنی مفرد کے قائم مقام ہو کر) خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ و عاطفہ، افضل مضاف الدعاء مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مبتدا، الحمد للہ پورا جملہ مفرد کے قائم مقام ہو کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر جملہ عاطفہ ہو گیا۔

نقشه تركيب:



تخريج حديث:

(۱) ترمذی: حدیث نمبر ۳۳۸۳، باب ما جاء ان دعوة المسلم مستجابة،

(۲) ابن ماجه: حدیث نمبر ۳۸۰۰



۵۱ ہر حال میں شکر خداوندی کی فضیلت

أَوَّلُ مَنْ يَدْعُو إِلَى الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الَّذِينَ يَحْمَدُونَ اللَّهَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ

ترجمہ:

”قیامت والے دن جن لوگوں کو سب سے پہلے جنت میں جانے کے لیے بلایا جائے گا، وہ لوگ ہوں گے جو خوشی ہو یا غمی ہر حال میں اللہ کی تعریف اور شکر کرتے ہیں۔“

تشریح:

حدیث مبارکہ کا مطلب تو ترجمہ ہی سے تقریباً واضح ہے۔ کہ قیامت والے دن جہاں بے شمار خلقت موجود ہوگی اور طرح طرح کے نیک اعمال والے لوگ ہوں گے، کوئی قربانی والا، کوئی مجاہدے والا، کوئی روزہ دار اور کوئی شب گزار، وہاں ان سب میں سے پہلے اعلان ہوگا کہ وہ لوگ آئیں جو زندگی کے ہر حال میں اور ہر نشیب و فراز اور اونچ نیچ میں اللہ کا شکر اور اس کی تعریف ہی تعریف کرتے تھے۔ چاہے خوشی کا حال ہو یا غمی کے حالات، ان کے دل و زبان پر ہر وقت اللہ کی تعریف ہی ہوتی تھی، کبھی بھی وہ خدا کے فیصلوں سے شاکی اور نالاں نہیں ہوتے تھے۔

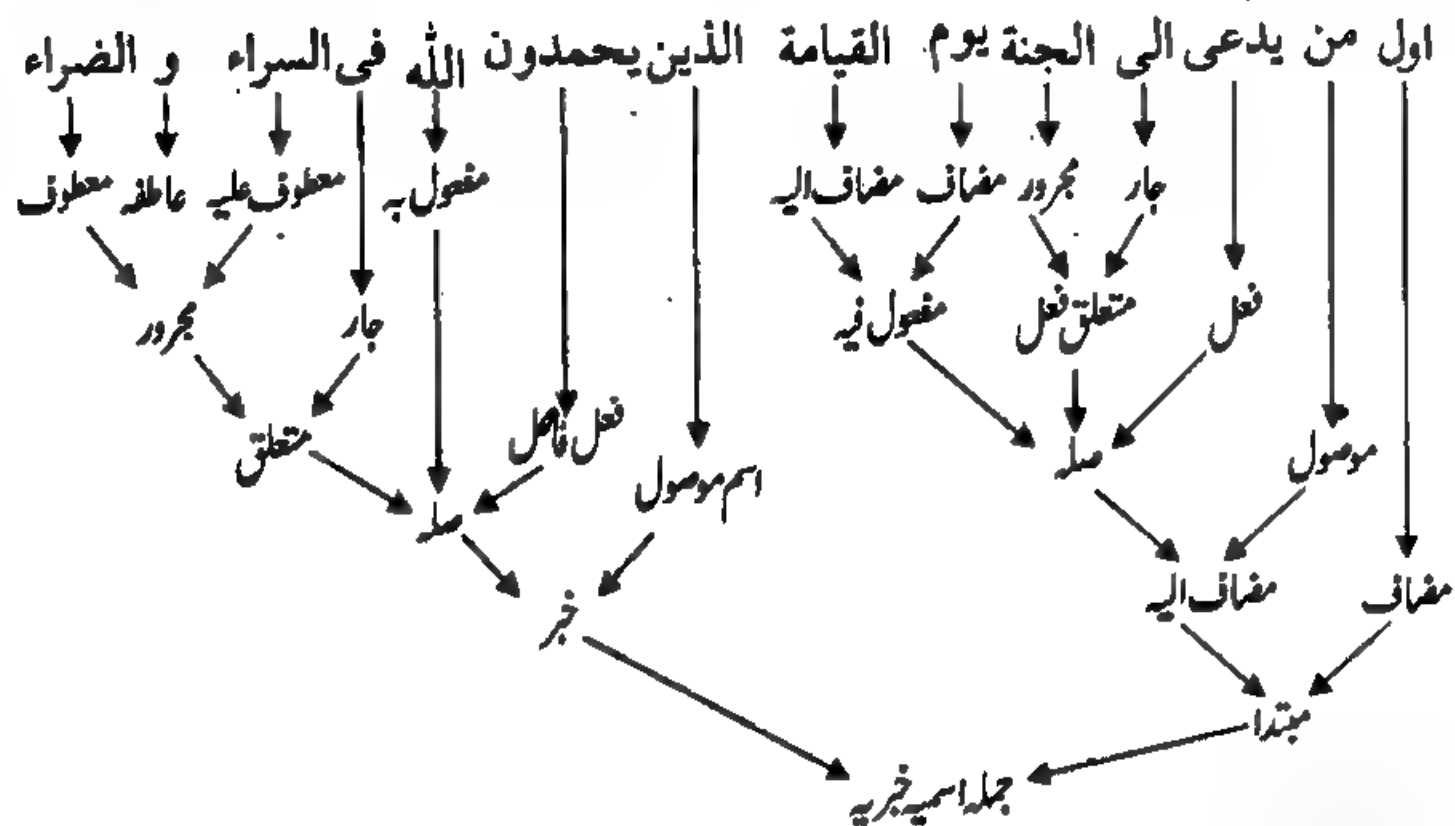
لغوی و صرفی تحقیق:

الجنة بمعنی باغ، چمن، گلستان، اس کی جمع جنان، اور جنات آتی ہے، یہ دونوں جمعیں قرآن پاک میں مستعمل ہیں۔
السراء بروزن فعلاً، ہفت اقسام میں سے مضاعف ثلاثی ہے، حروف اصلی س، ر، ر ہیں بمعنی خوشی، فراخی، خوشگوار حالت۔
الضراء بروزن فعلاً، مضاعف ثلاثی حروف اصلی ض، ر، ر بمعنی تنگی، تکلیف۔

ترکیب:

اول مضاف من اسم موصول يدعى فعل مجهول ضمیر اس کا نائب فاعل الى جار الجنة مجرور، جار مجرور متعلق ہوئے، يدعى فعل کے، يوم مضاف القیامۃ مضاف الیه، مضاف مضاف الیه مل کر مفعول فیہ، فعل اپنے نائب فاعل، متعلق اور مفعول فیہ سے مل کر صلہ ہوا موصول کا، موصول صلہ مل کر مضاف الیه، مضاف مضاف الیه مل کر مبتداء، الذین اسم موصول یحمدون فعل، ضمیر اس کا فاعل لفظ اللہ مفعول بہ فی جار السراء معطوف علیہ، و عاطفہ، الضراء معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر مجرور، جار مجرور متعلق ہوئے فعل کے، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر صلہ، موصول صلہ مل کر خبر، مبتداء خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو گیا۔

نقشه ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) شعب الایمان ۱۱۱: حدیث نمبر ۴۳۷۳

(۲) دارمی: حدیث نمبر ۷

نوع آخر منها

(اس کی ایک دوسری قسم)

ای من الجملة الاسمية وهو ما دخل عليها "لا"
یعنی جملہ اسمیہ کی ایک دوسری قسم جس کے شروع میں "لا" (نفی جنس) داخل ہے۔

④ امانت داری اور ایمان

لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةٌ لَهُ

ترجمہ:

"اس شخص کا ایمان نہیں جس کے پاس امانت داری نہیں۔"

تشریح:

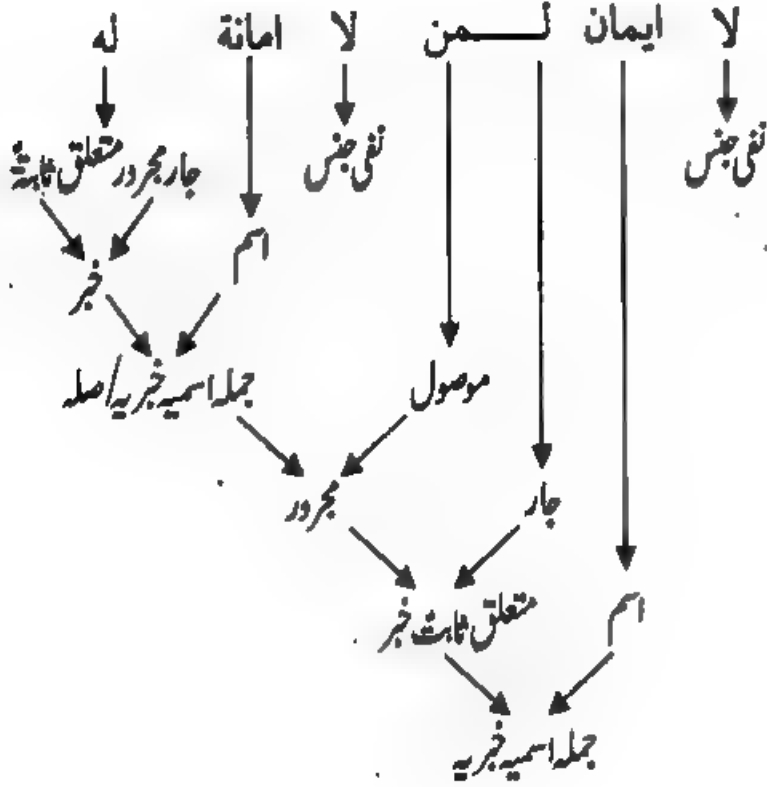
یہ اور اس جیسی آگے والی تقریبات احادیث ایسی ہیں جن میں رسول خدا نے آدمی سے بظاہر ایک چیز کی بالکل نفی کی ہے، لیکن یہاں بالکل نفی مقصود نہیں بلکہ مبالغہ، اور کمال مقصود ہے۔ یہاں فرمایا، جو آدمی امانت دار نہ ہو وہ ایمان والا نہیں، یعنی کامل ایمان والا نہیں، گویا ایمان کا کچھ نہ کچھ درجہ تو ہے، ایسا نہیں کہ بالکل ہی کافر ہو گیا ہو۔ لیکن بہر حال امانت داری کا فقدان بہت خطرناک ہے، کیونکہ جو آدمی لوگوں سے امانت و دیانت کا نبھاؤ نہیں کر سکتا وہ خدا کے ساتھ بھی دھوکہ دہی کرنے کی کوشش سے باز نہیں آئے گا۔ بہر حال ان احادیث میں کمال کی نفی مراد ہے جیسے ایک حدیث میں ہے "لَا صَلَوةَ لِبَجَارِ الْمَسْجِدِ إِلَّا فِي الْمَسْجِدِ" کہ جو آدمی مسجد کا پڑوسی (قریب میں رہائش رکھتا) ہو اس کی گھر میں نماز نہیں ہوتی، اسی طرح "لَا صَلَوةَ إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ" کہ سورہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں، یعنی کامل نماز نہیں، ورنہ نفس نماز کے صحیح ہونے میں کوئی اشکال نہیں۔

ترکیب:

لَا نفی جنس ایمان اسم، لام جار من اسم موصول لَا نفی جنس امانۃ اسم ل لام جارہ مجرور، جار مجرور متعلق ہوئے ثابتہ کے، ثابتہ فاعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر خبر ہوئی لانی جنس کی، لانی جنس اپنے اسم اور خبر سے مل صلہ ہوا موصول کا، موصول صلہ سے مل کر مجرور، جار مجرور متعلق ہوئے ثابتہ کے، ثابتہ صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر خبر، لائے نفی جنس اپنے

اسم اور خبر سے مل جملہ اسمیہ خبریہ ہو گیا۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) شعب الایمان بیہقی: حدیث نمبر ۴۳۵۴

۵۸ عہد و پیمان کی اہمیت

وَلَا دِينَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهُ

ترجمہ:

”اور اس شخص کا کوئی دین نہیں جس کا عہد و پیمان نہیں۔“

تشریح:

یہ اور پچھلی روایت ایک ہی حدیث کے دو جزء ہیں پہلے میں امانت داری کی اہمیت بتلائی گئی ہے کہ جس شخص کے اندر امانت و دیانت کا وصف نہیں وہ صحیح معنوں میں مومن کہلانے کا مستحق ہی نہیں کیونکہ امانت کی تاکید شریعت میں بہت زیادہ آتی ہے، جبکہ اس دوسرے حصے میں عہد اور وعدے کی اہمیت اس انداز سے بتلائی گئی ہے۔ خود قرآن پاک کی بے شمار آیات میں وعدے کی پابندی کا ذکر ہے اور یہ فرمایا گیا ہے کہ وعدہ کی پابندی کرو کیونکہ وعدے کے بارے میں قیامت والے دن پوچھ ہوگی کہ فلاں وعدہ کیوں نہ پورا کیا۔ ایک حدیث میں جو کہ پیچھے گزر چکی ہے یہ بتایا گیا تھا کہ وعدہ خلافی مومن کی نہیں بلکہ منافق کی علامت اور نشانی ہے۔

بعض علماء کے ہاں تو آپ نے اگر کسی سے وعدہ کیا ہو تو وہ آپ کو اس وعدے کی بنیاد پر عدالت کے ذریعے طلب کر کے مجبور بھی کر سکتا ہے۔ یعنی وعدہ گویا ایسا ہی حق ہوتا ہے جیسے قرض وغیرہ۔

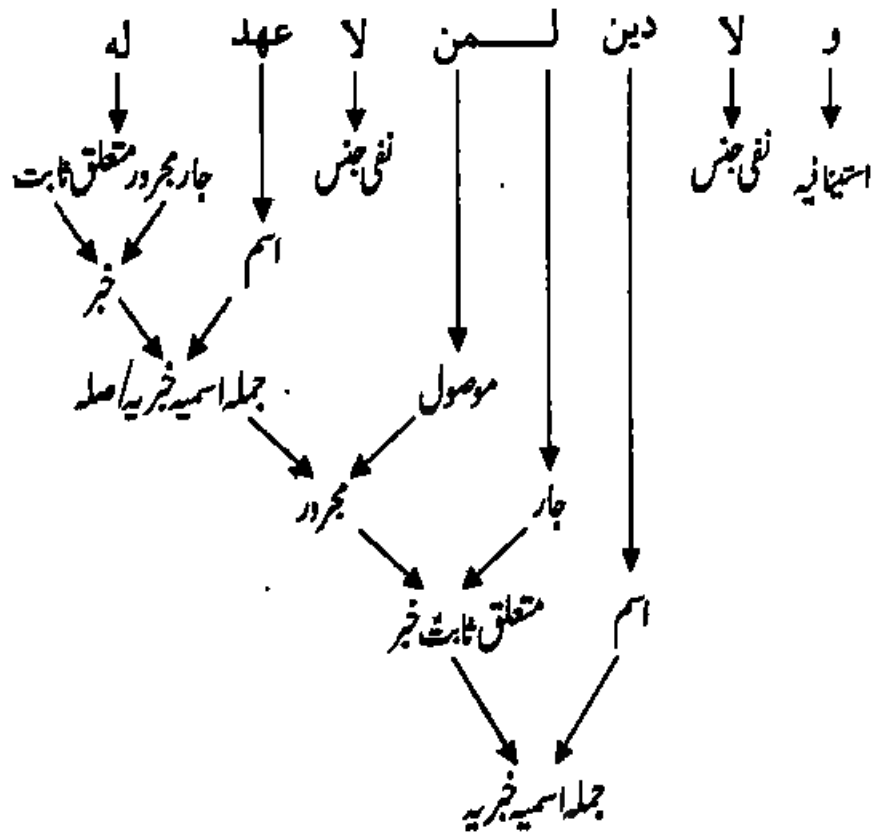
لغوی و صرفی تحقیق:

عہد باب مع سے مصدر ہے، بمعنی وعدہ کرنا، یہاں حاصل مصدر یعنی معاہدے کے معنوں میں استعمال ہو رہا ہے، عہد مفرد ہے جس کی جمع عہود آتی ہے۔

ترکیب:

و استعینافہ لائنیں جنس دین اسم، لام جار من اسم موصول لائنیں جنس عہد اسم لہ جار مجرور متعلق ثابت شبہ فعل کے، ثابت شبہ فعل اپنے متعلق اور فاعل سے مل کر خبر، اسم خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر صلہ موصول صلل کر مجرور، جار مجرور متعلق ثابت شبہ فعل کے، ثابت شبہ فعل اپنے متعلق اور فاعل سے مل کر خبر، اسم اور خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) شعب الایمان بیہقی: حدیث نمبر ۴۳۵۴



۴۹) بردبار اور دانشمند کون ہے؟

لَا حَلِيمَ إِلَّا ذُو عَثْرَةٍ وَلَا حَكِيمَ إِلَّا ذُو تَجْرِبَةٍ

ترجمہ:

”کوئی بردبار اور حلیم نہیں سوائے لغزش والے کے، اور کوئی حکیم اور دانش مند نہیں سوائے تجربہ کار کے۔“

تشریح:

یہ حدیث شریف دو جملوں پر مشتمل ہے، پہلے جملے میں حلیم آدمی کا وصف بیان کیا گیا ہے۔ حلیم، بردبار، متحمل مزاج، دھیمے پن والے اور سمجھ دار کو کہتے ہیں۔ مذکورہ بالا جملے میں یہ بتایا گیا ہے کہ آدمی کا جب تک عملی زندگی میں اتار چڑھاؤ، کڑوی کیسی اور اونچ نیچ سے اس کا واسطہ نہیں پڑتا تب تک اس کے حلم کا پتہ بھی نہیں چلتا بلکہ صحیح معنوں میں اس وقت تک حلم اور بردباری کا وصف پیدا ہی نہیں ہوتا، ٹھوکریں کھانے سے ہی سمجھتا ہے اور تجربات حاصل ہوتے ہیں۔ اس لحاظ سے پھر حدیث کا ترجمہ یہ ہوگا، حلیم آدمی وہی ہے جو ٹھوکریں کھا چکا ہو۔

دوسرے جملے میں دانش مند اور سمجھ دار و دانای آدمی کے بارے میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب تک وہ بھی تجربات کی بھٹی سے نہ گزرے محض فہم و دانش کی باتیں سن اور پڑھ لینے سے حکمت نہیں آتی، دوسرے جملے کا ایک مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جو آدمی محض طب اور میڈیکل کی کتابیں پڑھ لے اور اس نے عملی تجربہ نہ حاصل کیا ہو وہ حکیم اور طبیب نہیں کہلا سکتا۔ واللہ اعلم

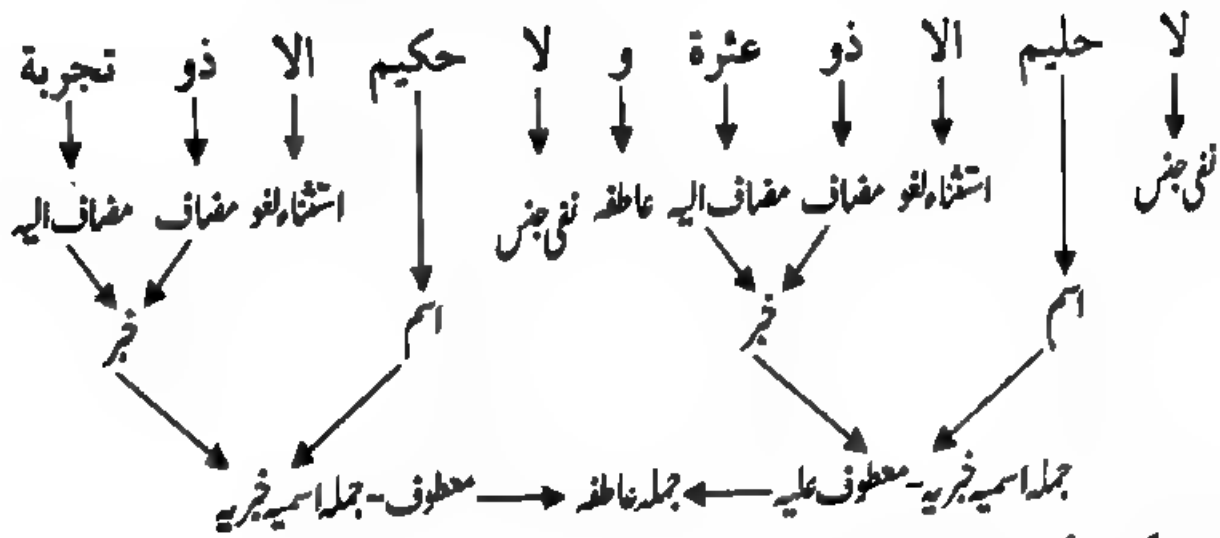
لغوی و صرفی تحقیق:

حلیم یہ باب نصر سے صفت مشہ کا صیغہ ہے بمعنی بردبار، متحمل مزاج۔
عثرۃ یہ مصدر ہے بمعنی ٹھوکر اور لغزش کے۔ اس کی جمع عثرات آتی ہے۔
تجربۃ یہ بھی باب تفعیل سے مصدر ہے، بروزن تہمرہ، بمعنی آزمائش، جانچ۔

ت ترکیب:

لائی جنس حلیم اسم الا حرف استثناء لغو، ذو مضاف عشرۃ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر خبر، لائے نفی جنس اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ، و عاطفہ لائی جنس حکیم اسم الا حرف استثناء لغو، ذو مضاف تجربۃ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر خبر، اسم اور خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر جملہ عاطفہ ہوا۔

نقشه ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) ترمذی: حدیث نمبر ۲۰۳۳، باب: ابواب البر والصلة

(۲) شعب الایمان: حدیث نمبر ۴۶۴۸



۵۰ عقل، تقویٰ اور شرافت

لَا عَقْلَ كَالْتَدْبِيرِ، وَلَا وَرَعَ كَالْكَفِّ، وَلَا حَسْبَ كَحُسْنِ الْخُلُقِ

ترجمہ:

”تدبیر کے مثل کوئی عقل نہیں، اور رکنے کے مثل کوئی تقویٰ نہیں، اور اچھے اخلاق جیسی کوئی شرافت نہیں۔“

تشریح:

مذکورہ بالا حدیث کے چھوٹے چھوٹے جملوں میں حکمت و دانائی کے سمندر رسول خدا ﷺ نے سمیٹ دیئے ہیں۔ پہلے جملے میں یہ فرمایا کہ تدبیر سے بڑھ کر کوئی عقل مندی نہیں، یعنی کسی کام کے لیے پہلے سے سوچ بچار کرنا، اور اس کے تمام ممکن پہلوؤں اور احتمالات کو سامنے رکھ کر منصوبہ بنانا یہ بہت بڑی عقل مندی ہے۔ دوسرے جملے میں تقویٰ کی حقیقت کو بیان فرمایا اور وہ ایسے کہ تقویٰ کیا ہے تقویٰ یہ ہے کہ تم تمام کے تمام منکرات اور مشتبہات، یعنی صاف صاف ممنوع گناہ کی چیزیں اور شک و شبہ والی تمام چیزوں سے ہاتھ کھینچ لو اور انہیں چھوڑ دو تو یہ تقویٰ ہے، اس سے بڑھ کر جامع تقویٰ کا تصور ہی نہیں۔ اور تیسرے جملے میں یہ بیان فرمایا کہ آدمی کا جسمانی حسب و نسب چاہے جتنا بھی عمدہ ہو، جب اخلاق کا جنازہ لگلا ہوا ہو تو حسب و نسب کو چاٹنا ہے، جب اخلاق عمدہ ہو تو پھر یہ سب سے بڑھ کر شرافت ہے۔

لغوی و صرفی تحقیق:

عقل بمعنی فہم، سوچ بوجھ، وہ نور جس سے غیر محسوس چیزوں کا ادراک کیا جاتا ہے۔

التدبیر باب تفعل سے مصدر ہے بمعنی، منصوبہ بنانا، اہتمام سے معاملہ تیار کرنا۔

ورع احتیاط، تقویٰ۔

الکف مصدر ہے مضاعف علائی، بمعنی روکنا، ہاتھ کھینچنا۔

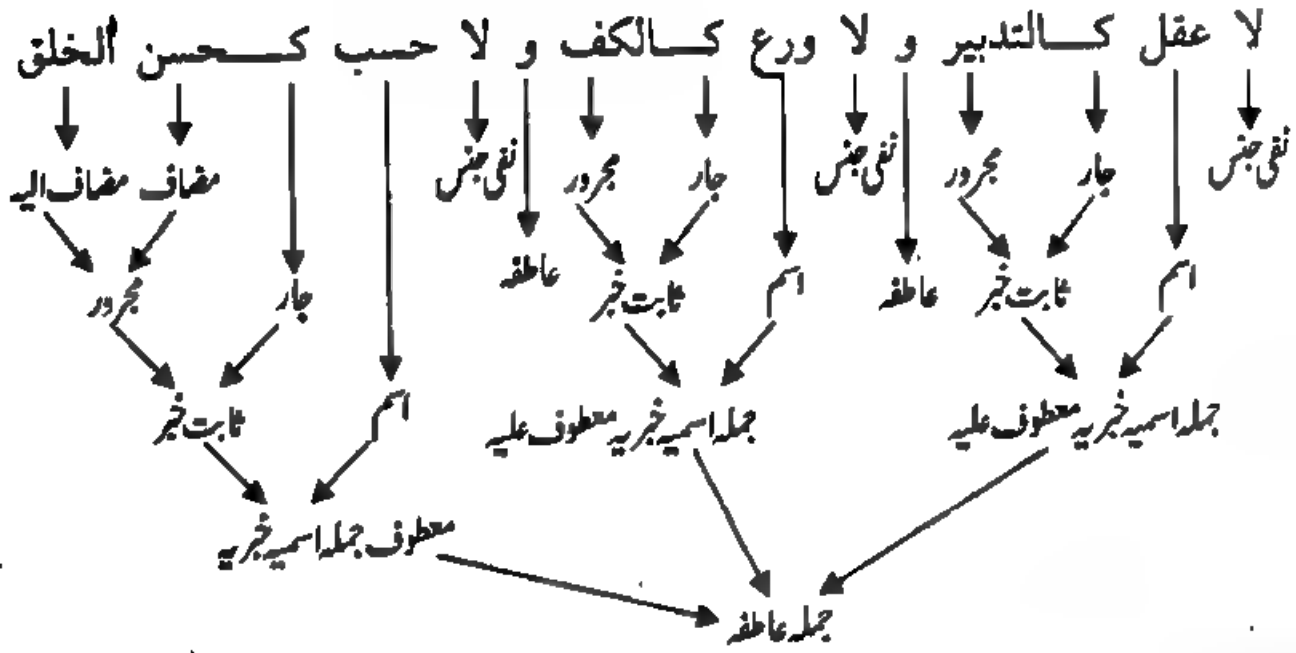
حسب بمعنی خاندانی شرافت و نجابت، حسب و نسب۔

توکبیب:

لا نفی جنس عقل اسم ک جاز، التدبیر مجرور، جار مجرور متعلق ثابت کے، ثابت اپنے فاعل و متعلق سے مل کر خبر۔ اسم و خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ، و عاطفہ، لا نفی جنس ورع اسم ک جاز الکف مجرور، جار مجرور متعلق ثابت کے، ثابت (مثل سابق) خبر، اسم و خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ معطوف، و عاطفہ لا نفی جنس حسب اسم ک جاز حسن مضاف الخلق مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور متعلق ثابت کے، ثابت خبر اسم سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو

کر معطوف، تمام معطوفات مل کر جملہ عاطفہ ہوا۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) ابن ماجہ: حدیث نمبر ۴۲۱۸، باب الورع والتقویٰ،

۸۱) مخلوق کی اطاعت میں خدا کی نافرمانی کی گنجائش نہیں

لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ

ترجمہ:

”خدا کی نافرمانی کی صورت میں مخلوق کی فرماں برداری کی کوئی گنجائش نہیں۔“

تشریح:

مذکورہ بالا حدیث میں اسلامی اصول زندگی، اصول سیاست بلکہ ہر شعبہ زندگی سے متعلق ایک نہایت ہی بنیادی اور اہم اصول دیا گیا ہے۔ اصول یہ ہے کہ انسان خواہ کہیں بھی ہو، کوئی سا بھی ہو، کسی حالت میں بھی ہو، اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ خدا کے حکم کے مطابق چلے اور کوئی بھی ایسا کام نہ کرے جو خدا کی نافرمانی اور گناہ ہو۔ یہ آدمی کی ہر طرح سے مذہبی، اخلاقی اور عقلی ذمہ داری ہے۔ اگر کوئی دوسرا انسان اسے خدا کی نافرمانی پر مجبور کرے تو اس کے لیے اس انسان کی اطاعت اور فرماں برداری میں خدا کا حکم توڑنے کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔ خواہ وہ حکم دینے والا انسان، افسر ہو یا بادشاہ، والدین ہوں یا استاد، پیر ہو یا مرشد، کوئی بھی خدا کی نافرمانی کا حکم دے تو اس کو ماننا جائز نہیں۔ ہاں البتہ اس کے لیے اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ جس کام سے ہم انکار کر رہے ہوں وہ واقع میں خدا کی نافرمانی ہونی چاہیے، یعنی شریعت کے اعتبار سے وہ لازماً گناہ کی بات ہو جیسے زنا، چوری، رشوت، سود، جھوٹ، قتل، تہمت، غیبت اور قطع رحمی وغیرہ۔

لغوی و صرفی تحقیق:

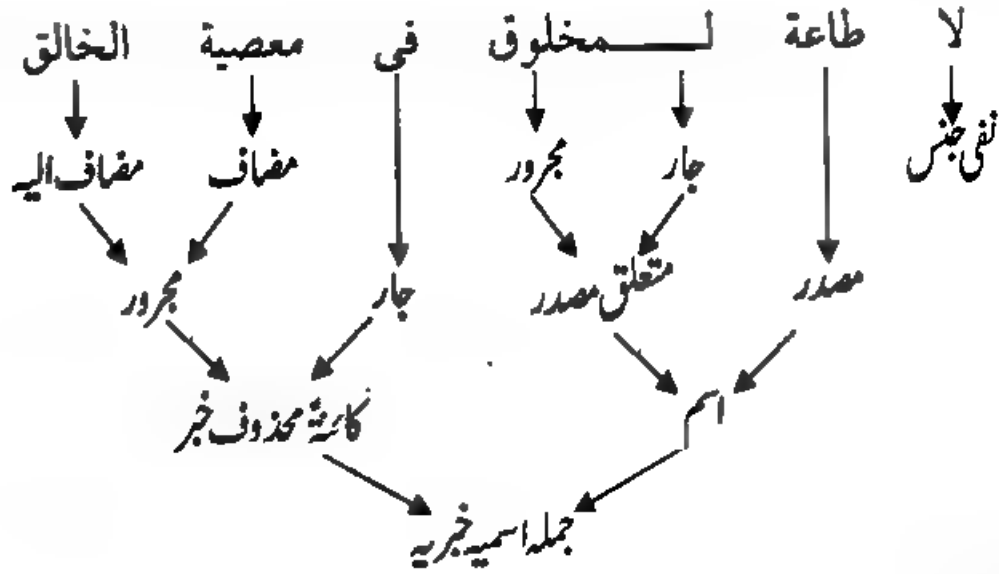
طاعة یہ باب افعال سے مصدر ہے، بمعنی فرماں برداری۔

معصية عصی بعضی باب ضرب سے مصدر مبی ہے، ہفت اقسام میں سے ناقص پائی ہے۔ بمعنی نافرمانی، گناہ۔

توکیب:

لَا نَفْیُ جَنْسِ طَاعَةِ اِسْمِ مَصْدَرٍ لَامٍ جَارٍ مَخْلُوقٍ مَجْرُورٍ، جَارٍ مَجْرُورٍ مُتَعَلِّقٍ ہوئے مصدر کے۔ مصدر اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر اسم ہوا لانی جَنْسِ کا۔ فِی جَارٍ مَعْصِيَةِ مضاف الخالق مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جَارٍ مَجْرُورٍ متعلق ہوئے کائنۃ شبہ فعل کے۔ کائنۃ اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر خبر، اسم و خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

نقشه ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) شرح السنة بعوى: جلد ۵، ص ۱۶۳

(۲) ترمذی: حدیث نمبر ۱۷۰۷ بمعناه

۴۷ اسلام میں ضرورت نہیں

لَا صَرُورَةَ فِي الْإِسْلَامِ

ترجمہ:

”اسلام میں ضرورت نہیں ہے۔“

تشریح:

ضرورت کے محدثین نے مختلف مطلب بیان کیے ہیں، (۱) شادی نہ کرنا، یعنی آدمی مسلمان ہو تو اس کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہو سکتا جب تک وہ نکاح نہ کرے۔ اس لحاظ سے نکاح کا تصور اسلام اور ایمان کا تکمیلی تصور ہوگا، چنانچہ جو آدمی نکاح نہ کرے وہ اسلام کو کامل نہیں کرتا، اس لیے فرمایا کہ بے نکاح رہنے کا اسلام میں تصور نہیں نہ کسی کو اس کا حکم دیا جائے گا، اور نہ اس کی حوصلہ افزائی کی جائے گی بلکہ اس طرز عمل کی حوصلہ شکنی کی جائے گی، کیونکہ یہ رہبانیت ہے۔ (۲) ضرورت کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ آدمی حج نہ کرے۔ حج نہ کرنے کے بارے میں ایک دوسری حدیث میں بہت سخت وعید آئی ہے۔ فرمایا جس کو وسعت ہو اور وہ آدمی اس کے باوجود حج نہ کرے تو ہماری طرف سے یہ آدمی چاہے یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر مرے۔ (نعوذ باللہ منہ)

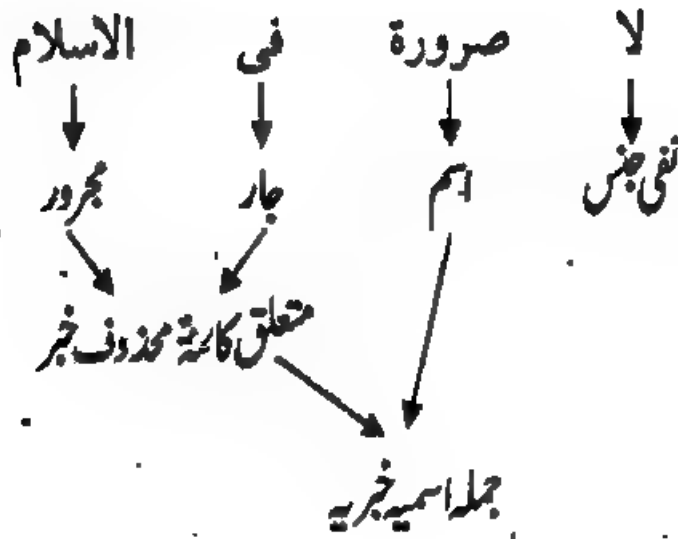
تیسرا مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ضرورت سے مراد اپنے ماحول معاشرے سے لائق اور بے گانگی ہے اس کا اسلام میں تصور نہیں کیونکہ ایک مسلمان، مسلمان ہونے کے ناطے دوسرے مسلمانوں کا حصہ ہے ان کے دکھ درد میں شریک ہونا، ان کی غم خواری کرنا اس کا فرض ہے، فرمایا ”مَنْ أَصْبَحَ وَلَمْ يَهْتَمَّ بِأَمْرِ الْمُسْلِمِينَ فَهُوَ كَيْسٌ مِنَّا“ جو آدمی اس حال میں صبح کرے کہ اسے مسلمانوں کے معاملات کی کوئی فکر نہ ہو وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

لغوی و صرفی تحقیق:

ضرورت مضاف ثلاثی سے مصدر ہے، حروف اصلی ص، ر، ر، ہیں۔ جس کے مختلف معنی تشریح کے ضمن میں آچکے ہیں۔

ترکیب:

لا نفی جنس ضرورت اسم فی جار الا سلام مجرور، جار مجرور متعلق ہوئے کائنۃ کے، کائنۃ شبہ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر خبر، لانی جنس اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو گیا۔

نقشه ترکیب:تخریج حدیث:

(۱) ابو داؤد: حدیث نمبر ۱۷۳۱، کتاب الحناسل

۴۳ مالداری شریعت کی نظر میں

لَا بَأْسَ بِالْغِنَى لِمَنِ اتَّقَى اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ

ترجمہ:

”جس شخص کے دل میں خوف خدا اور تقویٰ ہو اس کے پاس مال ہونے میں کوئی حرج نہیں۔“

تشریح:

مذکورہ بالا حدیث بھی ان متعدد روایات میں سے ایک روایت ہے جو دنیا اور اس کے مال و دولت اور اسباب و محتاج کے حوالے سے شریعت کا طرز عمل بتاتی ہیں۔ لیکن ان روایات پر سرسری نظر ڈالنے سے عجیب طرح کا ظاہری تعارض اور تناقض سامنے آتا ہے۔ کہیں تو یہ ہے کہ مالداری مضر نہیں اور کہیں یہ ہے کہ مالدار پانچ سو سال بعد جنت میں جائیں گے، کہیں یہ ہے ”مَالِيْ وَلِلْذُنُفَا“ مجھے دنیا سے کیا لینا دینا، اور کہیں کہا ”كَادَ الْفَقْرُ اَنْ يَكُوْنَ كُفْرًا“ کہیں یہ ہے ”اَلْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلَى“ کہ اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے، اور کہیں یہ ہے کہ بہترین آدمی وہ ہے جو مالداری کی زندگی گزار جائے، گزارے کی روزی ہو، رونے والے تھوڑے ہوں۔ کہیں یہ ہے کہ ”اِيَّاكَ وَالتَّعَمُّ لَئِنْ عِبَادَ اللّٰهِ لَيَسُوْا بِالْمُتَّعِمِيْنَ“ اے معاذ! خوش عیشی سے بچتا کیونکہ بندگان خدا خوش عیش نہیں ہوتے۔ اور کہیں یہ ہے، ”اِنَّ اللّٰهَ جَمِيْلٌ وَيُحِبُّ الْجَمَالَ“ اللہ صاحب جمال ہے وہ جمال کو پسند فرماتا ہے۔ یہ تو نمونہ از مشقت خروارے ہیں ورنہ اس طرح کی بے شمار روایات ہیں جہاں کبھی بات دنیا کی اہمیت کی اور اس کی طلب و محنت کی طرف جاتی، تو کبھی زہد و بے رغبتی، سادگی و قناعت کی طرف چلی جاتی ہے؟ آخر اس کشمکش کا حل ہے تو کیا؟

اس موضوع پر دیگر حضرات علماء نے بھی لکھا ہے اور اچھا لکھا ہو گا لیکن راقم الحروف کو جو سب سے بہتر تطبیق اور توجیہ دیکھنے میں آئی ہے وہ حضرت الاستاذ ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی ہے، جسے انہوں نے اپنی کتاب فہم حدیث میں لکھا ہے۔ وہ تطبیق یہ ہے:

دنیوی ترقی کے دو پہلو:

دنیوی ترقی (یعنی ایک ادنیٰ حالت سے نکل کر اعلیٰ حالت کی طرف جانے) کے دو پہلو ہیں۔

☆ ایک پہلو یہ ہے کہ دنیا کی ترقی کے ذریعے کسی ریاست اور معاشرے کی جو اجتماعی ذمہ داریاں ہیں ان کو پورا کرنا، اور اس کے لیے وسائل اور اسباب مہیا کرنا، اور خوب سے خوب تر کی تلاش کرنا۔ یہ ذمہ داریاں پھر دو قسم کی ہیں۔

(۱) یہ اہتمام کرنا کہ معاشرے اور ریاست کے ہر فرد کی زندگی کی بنیادی ضرورتیں پوری ہو رہی ہوں۔ وہ ضروریات یہ ہیں۔

۱۔ غذا اور پانی کی فراہمی۔

۲۔ ضروری لباس کی فراہمی۔

۳۔ ضروری سکونت کی فراہمی۔

۴۔ حفظانِ صحت اور بیماریوں کا علاج۔

۵۔ نقل و حمل کے لیے سواری۔

۶۔ تعلیم۔

۷۔ ملک کے اندر امن و سکون اور انصاف کی فراہمی۔

۸۔ روزگار کی فراہمی۔

(ii) جہاد خواہ اقدامی ہو یا دفاعی اس کے لیے بھرپور تیاری کرنا۔

ان دونوں قسم کی اجتماعی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لیے دنیوی ترقی کی کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ بلکہ ریاست ذمہ دار ہے کہ وہ نئی نئی تحقیقات و دریافتیں کر کے اپنی ذمہ داریوں کو احسن طریقے سے پورا کرے۔ ترقی کے وسائل ہوں یا ان کو پیدا کیا جا سکتا ہو، پھر بھی ریاست اس میں کوتاہی کرے تو وہ مجرم ہے، ریاست افراد کو بھی مجبور کر سکتی ہے کہ وہ جدید طریقے سیکھیں اور ہو سکے تو جدید اور مفید وسائل دریافت کریں اور ایجاد کریں۔ اسی طرح مسلمانوں پر فرض ہے کہ جہاں تک قدرت ہو سامانِ جہاد فراہم کریں، نبی اکرم ﷺ کے عہد میں گھوڑے کی سواری، شمشیر زنی اور تیر اندازی وغیرہ کی مشق کرنا سامانِ جہاد تھا، آج بندوق، توپ، ہوائی جہاز، آبدوز، کشتیاں، ایٹمی اسلحہ وغیرہ کا تیار کرنا اور فنونِ حربیہ کا سیکھنا بلکہ اس کی خاطر ورزش کرنا سب سامانِ جہاد ہے۔

یہ تو تمدنی ترقی کا ایک پہلو جو معاشرے اور ریاست کی ذمہ داریوں سے تعلق رکھتا ہے۔

معیار زندگی کا سہول:

دوسرا پہلو یہ ہے کہ افراد اپنا معیار زندگی (standard of living) بلند کریں۔ جس کی صورتیں اور نکات یہ ہیں:

۱۔ خورد و نوش (کھانے پینے کی چیزوں) میں تنوع (رنگارنگی) اور اسراف (فضول خرچی)

۲۔ لباس میں تکلفات۔

۳۔ عالی شان سواری۔

۴۔ ضرورت سے زائد یا عالی شان مکان۔

۵۔ غیر ضروری تقریبات۔

۶۔ تقریبات (خواہ ضرورت کی ہوں مثلاً نکاح ولیمہ وغیرہ) میں اسراف وغیرہ۔

۷۔ مال و دولت کی فراوانی۔

حدیثوں میں ذکر ہے کہ اس قسم کی ترقی کو مطلوب بنانا پسندیدہ نہیں ہے بلکہ اس کی بابت شرعی حکم یہ ہے کہ افراد اپنی زندگیوں کو اپنے اختیار سے سادہ بنائیں، اگرچہ آسائشوں اور آرائشوں کا استعمال جبکہ وہ حلال ذرائع سے حاصل ہوں حرام نہیں، لیکن جب دنیا ہماری منزل ہی نہیں ہے بلکہ مسافر کا وقتی پڑاؤ ہے اور آخرت کے مقابلے میں اس کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہے تو عقل مند کو کب روا ہے کہ وہ اس سے دل لگائے۔

انسانی ضروریات کے تین درجے:

یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ انسانی ضروریات یا استعمال کی چیزوں کی تفصیل میں جائیں تو ان کے متعدد درجات ہو سکتے ہیں لیکن اختصار کے پیش نظر تین بنیادی درجے قرار دیئے جاسکتے ہیں: (۱) ضرورت (۲) حاجت (۳) زینت ضرورت اس درجے کو کہتے ہیں جس کے بغیر انسانی زندگی کا پہیہ چل ہی نہیں سکتا، جیسے ضرورت کا مکان جو سردی گرمی سے بچائے، ضرورت کا کپڑا جو موسمی ضروریات اور ستر کا کام دے، اور ضرورت کا کھانا جس سے آدمی زندہ رہ کر کچھ کر سکے۔

اور حاجت وہ درجہ ہے جس کے بغیر زندگی کا پہیہ چل تو جاتا ہے مگر قدرے مشکل سے۔ اس کی مثال یوں لے لیں جیسے مکان میں روشنی، ہوا کا مناسب لقمہ، اور دو تین جوڑے کپڑے اور سالن کے ساتھ روٹی اور دودھ وغیرہ کا استعمال۔

تیسرا درجہ ہے زینت کا جس کے بغیر ضروریات آرام سے پوری ہوتی رہتی ہیں، اور جس سے انسانی جسم اور بدن کو کوئی خاص فائدہ نہیں ہوتا بلکہ محض زیبائش اور تفریحی خواہش کے لیے ہوتا ہے۔ جیسے رنگارنگ کھانے، زرق برق لباس، عالیشان سواری واقعی ضرورت سے زائد عالیشان مکان وغیرہ۔

ان ضروریات میں آخری دو درجے جب حلال آمدن سے پورے کیے جائیں تو ان کے کرنے کی گنجائش اور جواز تو ہے، لیکن ان کے بارے میں آخرت میں سوال ہوگا اور حساب کتاب دینا ہوگا۔ (ماخوذ از: فہم حدیث حصہ اول، ص ۴۷۱، پہ تفسیر و تلخیص) مالداری کس کے لیے نقصان دہ نہیں؟

متن میں ذکر کردہ حدیث میں غنا کے بارے میں جو گنجائش دی گئی ہے، وہ اس آدمی کے لیے ہے جسے خوف خدا بھی ہو اور آخرت کی جواب دہی کا احساس بھی اور وہ صرف زبان سے یا دل سے اس احساس کا اقرار ہی نہ کرتا ہو بلکہ اس کا عمل اس کے اس جذبے کی تصدیق بھی کرتا ہو۔ مثلاً جہاں حکم خداوندی اور دین و انسانیت کا تقاضا ہو وہاں بے دریغ خرچ کرتا ہو، مال کی محبت اس کے دل کے کسی کونے کھدرے میں بھی نہ ہو، اور وہ شریعت کے اسی ترجیحی اصول (یعنی اپنی ذات پر خرچ کرنے میں احتیاط و سادگی اور اجتماعی ذمہ داریوں میں آگے بڑھنے کے اصول) پر کار بند ہو، ایسے مالداروں کی مثالیں صحابہ میں بھی موجود ہیں۔ مثلاً آپ ﷺ کے پاس ایک سائل آئے، آپ ﷺ نے ان کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا، جب وہ دروازے پر پہنچے تو سنا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنی بیوی سے اس بات پر الجھ رہے ہیں کہ تم نے رات چراغ میں جی موٹی کیوں ڈال دی؟ انہوں

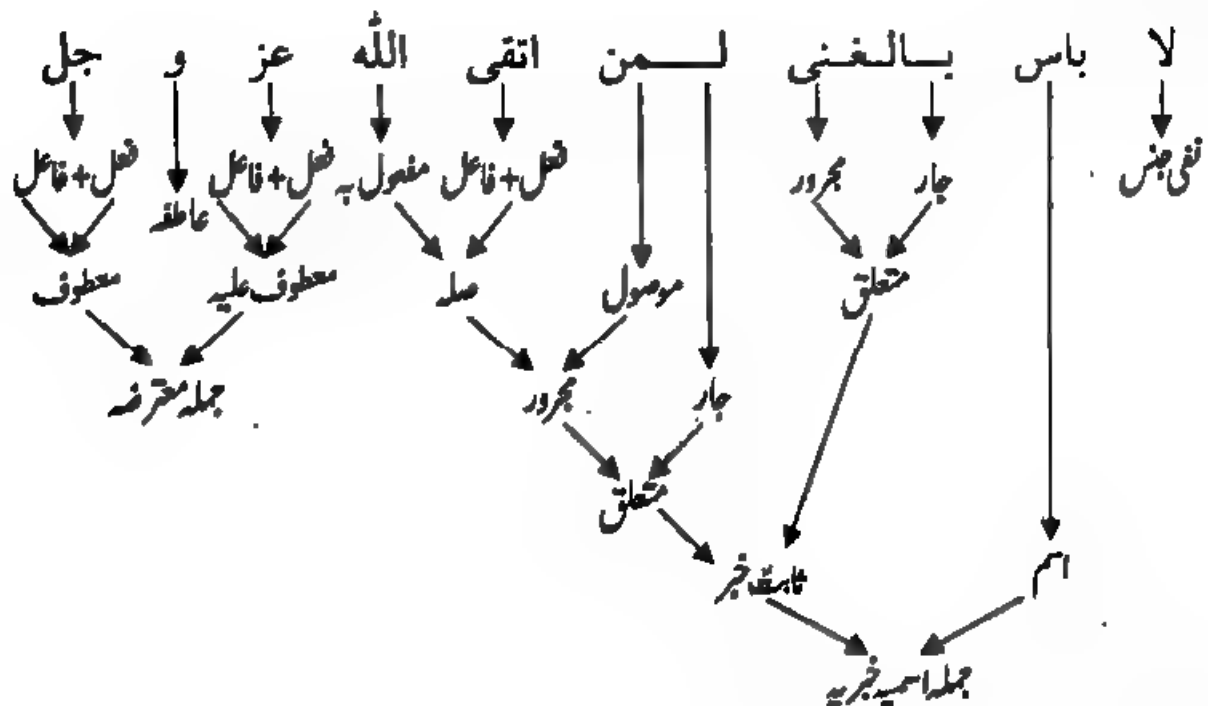
نے سوچا یہ مجھے کیا دے گا؟ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ باہر آئے، تو حاجت عرض کی، واپس گئے اور اشرفیوں کی بھری قہلی لا کر اسے تمہادی، اس نے حیرانگی سے دیکھا اور عرض کیا، حضرت! ماجرا سمجھ نہیں آیا، مجھے تو (جان نہ پہچان) قہلی اشرفیوں کی دے دی اور بیوی سے ایک ماشہ تیل پر جھگڑا ہو رہا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بات دراصل یہ ہے کہ تمہیں جو کچھ دے رہا ہوں (وہ صدقہ ہے) اس کا حساب لینا ہے اور اپنی ذات پر جو کچھ خرچ کروں گا اس کا حساب دینا ہوگا۔

اگر ایسی مال داری ہو تو واقعتاً کوئی حرج نہیں، لیکن اس کے برعکس دنیا کے ہر طرح کے تقاضات اور اسرافات پر اس حدیث کو چسپاں کرنا اور دعوائے تقویٰ کرنا، نا انصافی ہے۔ فقط واللہ اعلم

ترکیب:

لَا نَفِيْ جَنْسٍ بَاسٍ اس کا اسم ب جار الغنی مجرور، جار مجرور متعلق اول ہوا ثابت خبر محذوف کے ل جار من اسم موصول اتقی فعل ضمیر اس کا فاعل لفظ اللہ مفعول بہ، فعل فاعل اور مفعول بہ سے مل کر صلہ، موصول صلہ ل کر مجرور، جار مجرور متعلق ثانی ہوا ثابت کے، ثابت اپنے دونوں متعلقوں سے مل کر خبر، لانی جنس اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ۔ عز فعل ضمیر فاعل جو کہ راجع ہے لفظ اللہ کی طرف، فعل فاعل مل کر معطوف علیہ، و عاطفہ جل فعل فاعل مل کر معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر جملہ معترضہ معطوف ہوا۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

الْجُمْلَةُ الْاِسْمِيَّةُ الَّتِي دَخَلَتْ عَلَيْهَا حَرْفُ "اِنَّ"

پیش آمدہ صفحات میں وہ اسمیہ جملے ہوں گے جن کے شروع میں "اِنَّ" داخل ہے

۸۴) بعض بیان جادو تاثر ہوتے ہیں

اِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا وَاِنَّ مِنَ الشَّعْرِ لِحِكْمَةٌ

ترجمہ:

”بلاشبہ بعض بیان جادو ہوتے ہیں، اور بعض شعر حکمت و دانائی ہوتے ہیں۔“

تشریح:

پہلی حدیث کا شان نزول اور پس منظر یہ ہے کہ آپ ﷺ کی خدمت میں دو صاحب آئے اور انہوں نے اپنی گفتگو میں بڑے انداز اور سلیقے سے اپنی شان اور اوصاف بیان کیے جس سے سامعین بڑے متاثر ہوئے۔ اس موقع پر آپ نے فرمایا: کہ بعض بیانوں اور تقریروں میں جادو کی سی تاثر ہوتی ہے، یعنی جیسے جادو آدمی پر اثر انداز ہوتا ہے ایسے ہی بعض خطیب اور مقرر اپنے سامعین پر اسی انداز سے اپنے الفاظ، جملوں اور آواز کے اتار چڑھاؤ سے ایسا اثر پیدا کرتے ہیں۔ مذکورہ واقعے میں ان الفاظ سے آپ ﷺ نے ان لوگوں کی تعریف کی ہے یا مذمت؟ یہ طے نہیں دونوں ہی باتیں اپنی اپنی جگہ درست ہو سکتی ہیں۔ بہر حال اس میں پس منظر سے قطع نظر خطابت کی اہمیت اور افادیت ظاہر ہوتی ہے۔ دوسری حدیث میں شعر کے بارے میں معتدل رائے اور تبصرہ کیا گیا ہے کہ شعرا اگرچہ عام طور سے لغو اور لہو پر مشتمل ہوتے ہیں تاہم بعض اشعار حکمت و دانائی کی باتوں پر بھی مشتمل ہوتے ہیں۔ جیسے ہمارے ہاں اردو میں صوفیاء کی شاعری اور ڈاکٹر اقبال کی شاعری حکمت و موعظت سے لبریز ہے۔ اور شعر کا جو عام لازمہ ہے عشق معشوقی وغیرہ وہ اس سے خالی ہے۔

لغوی و صرفی تحقیق:

البيان یہ باب ضرب۔ ضرب سے مصدر ہے، اجوف یا کی ہے بمعنی، کھولنا، ظاہر کرنا۔

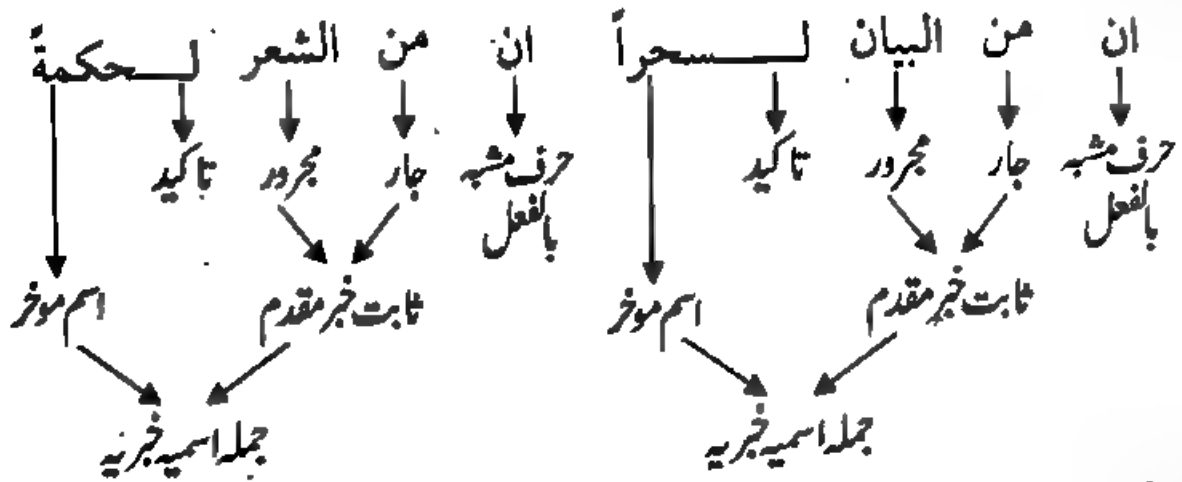
سحر مصدر ہے بمعنی جادو کرنا، اور جادو۔

الشعر: یہ بھی مصدر ہے باب نصر، اور کرم سے بمعنی محسوس کرنا، احساس ہونا، شعر پڑھنا، شعر کی جمع اشعار ہے۔

توکیب:

ان حرف مشبہ بالفعل من جار البیان مجرور، جار مجرور ثابت مقدر کے متعلق ہو کر خبر مقدم لام تاکید مسحراً اسم مؤخر، اسم اور خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ ان من الشعر لحکمة کی بھی ترکیب بعینہ یہی ہے۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) بخاری: حدیث نمبر ۴۸۵۱، باب الخطبة: کتاب النکاح،



۴۵) بعض علم جہالت ہے

إِنَّ مِنَ الْعِلْمِ جَهْلًا إِنَّ مِنَ الْقَوْلِ عَيًّا لَا

ترجمہ:

”بلاشبہ بعض علم جہالت ہیں، بلاشبہ بعض باتیں بوجھ اور وبال ہیں۔“

تشریح:

پہلی حدیث میں علم کے بارے میں یہ فرمایا گیا ہے کہ بعض لوگ کسی چیز کا علم رکھنے کے باوجود عالم کہلانے کے مستحق نہیں ہوتے، اور ایسا اس صورت میں ہے جب آدمی کے پاس علم تو ہو لیکن اس پر عمل نہ ہو، اس کے مطابق زندگی نہ ہو تو ایسا عالم عالم کہلانے کا مستحق نہیں بلکہ وہ جاہل ہے۔ قرآن پاک میں ہے کہ جن لوگوں کو تورات کا علم دیا گیا انہوں نے علم کی ذمہ داری کو نہ نبھایا تو ان کی مثال گدھے کی سی ہے جو اپنے اوپر کتابوں کا بوجھ لادے پھرتا ہے، لیکن ان کتابوں سے وہ عالم نہیں ہوتا۔ ایسے ہی وہ عالم جو علم کے تقاضوں پر عمل نہ کرتا ہو وہ بھی معلومات کا بوجھ اٹھانے کے باوجود عالم نہیں بنے گا۔

دوسری حدیث میں اس بات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ آدمی کی ہر بات لکھی جا رہی ہے اور ہر بات کا حساب ہوگا، اب جو بات تو خیر کی ہوئی، امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور بھلائی کی ہوئی، وہ تو فائدہ مند رہے گی اور اجر کا باعث ہوگی۔ باقی رہی وہ بات جو اس کے علاوہ ہو تو اس کا حساب دینا ہوگا اور ایسی بات آدمی کے لیے وبال ہوگی مثلاً کسی مسلمان کی غیبت کی ہو، دل دکھایا ہو تو صاحب حق کو اس کے بدلے نیکیاں دینی پڑ جائیں گی۔ اب حقیقت دیکھی جائے تو کیا ہے، دو بول ہیں زبان کے جو بوجھ بن گئے ہیں۔

لغوی و صرفی تحقیق:

العلم باب سح سے مصدر ہے۔

الجهل بھی باب سح سے مصدر ہے۔

عیال بمعنی بوجھ۔ اہل خانہ اور بال بچوں کو بھی عیال اس لیے کہتے ہیں کہ انسان پر ان کی ذمہ داری اور نفع کا بوجھ ہوتا

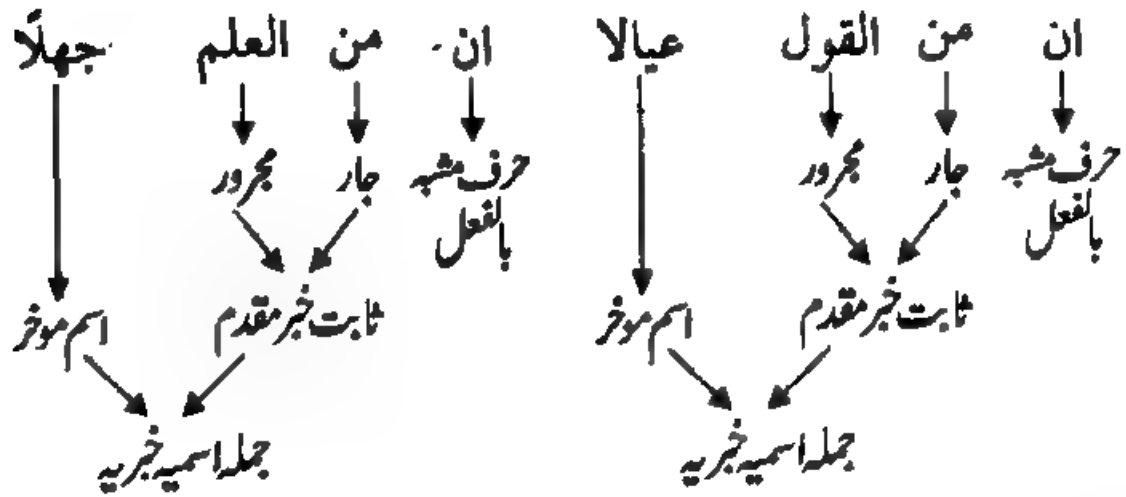
ہے۔

توکیب:

ان حرف مشبہ بالفعل من جار العلم مجرور، جار مجرور متعلق ہوئے ثابت خبر مقدم کے جہلا اسم مؤخر، اسم اور خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو گیا۔

ان حرف مشبہ بالفعل من جار القول مجرور، جار مجرور متعلق ہوئے، ثابت خبر مقدم کے، عیالاً اسم مؤخر، اسم اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو گیا۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) ابو داؤد: حدیث نمبر ۵۰۹۴، باب ما جاء فی الشعر کتاب الادب



۴۱) معمولی سی ریا کاری بھی شرک ہے۔

إِنَّ يَسِيرَ الرِّيَاءِ شِرْكٌ

ترجمہ:

”تھوڑا سا ریا، بھی شرک ہے۔“

تشریح:

ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ رب العزت تمہارے مالوں اور صورتوں کو نہیں دیکھتے بلکہ وہ تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتے ہیں۔ اسی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قیامت والے دن اعمال کی گنتی نہیں ہوگی بلکہ وزن کیا جائے گا۔ اور اعمال میں وزن اخلاص اور للہیت سے پیدا ہوتا ہے، جو عمل بھی جتنے اخلاص سے کیا جائے اس کا اتنا ہی زیادہ وزن ہوگا۔ اس کے برعکس اگر اعمال میں اخلاص نہ ہو تو اس سے عمل کا وزن اور اہمیت تو خراب ہوتی ہی ہے اس کے علاوہ یہ بذات خود انسان کے لیے وبال بھی ہے کیونکہ مذکورہ حدیث میں ریا کاری کو شرک کہا گیا ہے مطلب یہ ہے کہ جو آدمی کسی کو دکھانے اور کسی کے سامنے اچھا بننے کے لیے عمل کرتا ہے، تو وہ آدمی گویا اس شخص کو اللہ کے حق میں شریک ٹھہرا رہا ہے کیونکہ عمل کا حق تو اللہ کا ہے یہ دوسرے کو بھی اس میں شامل کر رہا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس بات سے بہت ڈرا کرتے تھے کہ کہیں ہمارے اعمال میں ریا اور دکھاوانہ آ جائے۔ آپ ﷺ نے ریا اور دکھاوانے سے بچنے کے لیے یہ دعا سکھائی ہے ”اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ اَنْ اُشْرِكَ بِكَ وَاَنْتَا اَعْلَمُ وَاَسْتَغْفِرُكَ لِمَا لَا اَعْلَمُ“ (ترجمہ: اے اللہ میں آپ کی اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ میں آپ کے ساتھ شریک ٹھہراؤں درحالیکہ میں جانتا ہوں، اور ان چیزوں کی بھی معافی مانگتا ہوں جن کو میں نہیں جانتا) یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ شیطان بسا اوقات ریا کاری کا دھوکہ دے کر عمل چھڑوانے کی کوشش کرتا ہے لہذا ریا کاری کے خوف سے عمل نہیں چھوڑنا چاہیے۔ بلکہ عمل کرتے رہنا چاہیے، اور ساتھ میں دعا اور دل کا قبلہ درست کرتے رہنا چاہیے کیونکہ دل تو خدا کے دستِ قدرت میں ہے۔

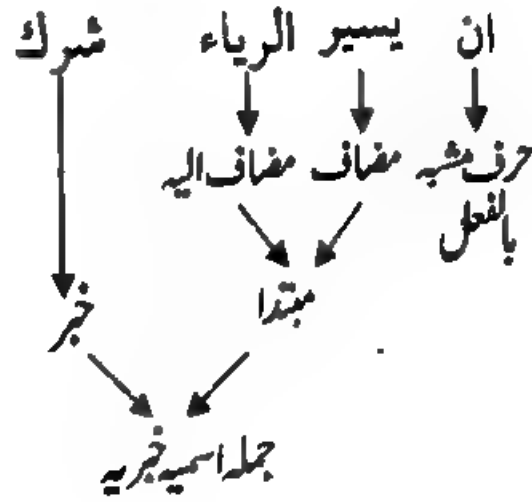
لغوی و صرفی تحقیق:

یسیر باب کرم سے ہے مثال یائی بمعنی کم ہونا، تھوڑا ہونا۔

ترکیب:

ان حرف شہہ بالفعل یسیر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیل کر مبتدا شرک خبر۔ مبتدا خبریل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو گیا۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) ابن ماجہ: حدیث نمبر ۳۹۸۹ء کتاب الفتن

۴۰ فتنوں سے بچاؤ خوش بختی ہے

إِنَّ السَّعِيدَ لِمَنْ جُنِبَ الْفِتْنُ

ترجمہ:

”خوش بخت آدمی وہ ہے جو فتنوں سے بچا لیا گیا۔“

تشریح:

فتنہ لغت کے اعتبار سے سونے کو آگ میں تپا کر کھراکھوٹا جانچنے کو کہتے ہیں۔ یعنی آزمائش کے معنوں میں استعمال ہے۔ اور عرف کے اعتبار سے فتنہ ایسی صورت حال کو کہتے ہیں جہاں آدمی کے لیے ایمان بچانا مشکل ہو اور گمراہی کا اندیشہ پیدا ہو جائے، چاہے یہ مشکلات عملی تشدد و جبر اور دباؤ کی وجہ سے ہوں یا فکری و نظریاتی الحاد اور زندگی کی وجہ سے ہوں۔ یعنی علمی و عملی دونوں طرح کے فتنوں کے لیے یہ لفظ بولا جاتا ہے۔ بعض علماء کے بقول فتنہ وہ حالت ہوتی ہے جس میں حق و باطل باہم یوں ملتے ہیں اور گمراہ ہو جاتے ہیں کہ عام آدمی کے لیے ان میں فرق کرنا ہی مشکل ہو جاتا ہے اور محض عقل و تحقیق کی بنیاد پر آدمی کسی جانب کے حق ہونے کا فیصلہ نہیں کر پاتا۔ اسی لیے فتنے کا زمانہ انتہائی سخت، صبر آزما اور مشکل شمار ہوتا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے آخری دور میں جو فتنے پیدا ہوئے ان کا ابتدائی حال کچھ اسی طرح کا تھا، البتہ بعد میں اہل حق اور سلف کی کوششوں اور محنتوں سے غبار چھٹتا ہے، تو حق واضح ہو جاتا ہے۔ آج کل کے دور میں بھی ہر روز نئے نظریات اور افکار فتنوں ہی کی شکل میں سامنے آتے رہتے ہیں۔ کہیں مرزائیت کا فتنہ ہے تو کہیں انکار حدیث کا، کہیں اباحت پسندی کا فتنہ ہے تو کہیں قتل و عارت کا۔ خوش قسمت آدمی وہ ہے جو ان سے بچا رہے اور ان کے قریب بھی نہ جائے۔

لغوی و صرفی تحقیق:

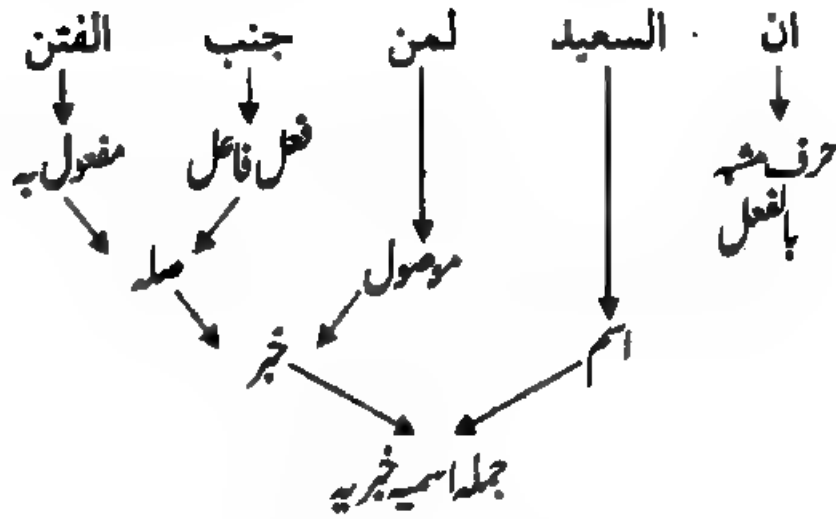
السَّعِيدُ بروزن فاعل صفت مشبہ کا صیغہ ہے، بمعنی خوش بخت۔

جُنِبَ باب تفعیل سے فعل ماضی مجہول ہے، بمعنی ایک جانب کرنا، بچانا۔

الْفِتْنُ فتنۃ کی جمع ہے بمعنی آزمائش جانچ، امتحان، شورش۔

ترکیب:

ان حرف مشبہ بالفعل السَّعِيدُ اسم لام تاکید من اسم موصول جنب فعل مجہول ضمیر نائب فاعل الفتن مفعول بہ۔ فعل اپنے نائب فاعل اور مفعول بہ سے مل کر صلہ موصول صلہ مل کر خبر۔ اسم اور خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

نقشہ ترکیب:تخریج حدیث:

(۱) ابو داؤد: حدیث نمبر ۴۶۶۵، باب للنہی عن السعی فی الفتنہ، کتاب الفتن



③ مشورہ امانت ہے

إِنَّ الْمُسْتَشَارَ مُؤْتَمَنٌ

ترجمہ:

”یشک جس سے مشورہ لیا جائے وہ ائین (امانت دار) ہوتا ہے۔“

تشریح:

اس حدیث میں مشورے کے ایک فریق یعنی جس سے مشورہ طلب کیا جائے، اس کے بارے میں ہدایت دی گئی ہے۔ ہدایت یہ ہے کہ جس سے مشورہ طلب کیا جائے اس پر اس مشورہ کی وجہ سے بھاری ذمہ داری آ جاتی ہے اور وہ ایسے ہوتا ہے جیسے اس کے پاس امانت رکھوائی گئی ہو۔ جیسے امانت دار کے ذمے یہ لازم ہوتا ہے کہ وہ امانت کی چیز بعینہ ذمہ داری اور احساس کے ساتھ صاحب حق کے پاس پہنچائے، اسی طرح جب مشورہ طلب کیا گیا تو ذہن میں آنے والی رائے کے بارے میں یہ ذمہ داری ہے کہ اسے امانت داری سے مشورہ کرنے والے کے سامنے رکھ دے۔ اگر ایسا نہیں کرتا، یا غلط مشورہ دیتا ہے تو یہ خیانت ہوگی۔ مشورہ چونکہ امانت ہے اس لیے یہ طلب بھی اس آدمی سے کرنا چاہیے جو مشورہ دینے کا اہل ہو اور خیر خواہ ہو۔ ہر ایرا غیر مشورہ دینے کا اہل نہیں۔

تنبیہ:

آج کل کے ہمارے ریاستی نظام میں الیکشن اور انتخابات میں ردٹ ڈالنے کو بھی رائے دی اور مشورہ سمجھا اور کہا جاتا ہے۔ لیکن یہ بات محل نظر ہے، کیونکہ اول تو انتخابات مشورہ ہیں نہیں بلکہ یہ پہلے سے طے شدہ منصوبے اور پلان کو عملی شکل دینے کے لیے ایک ڈرامائی تشکیل کا نام ہے۔ دوسرے یہ مشورہ مشورہ کے اہل لوگوں سے طلب نہیں کیا جاتا بلکہ ہر ایرے غیرے کو اس میں شامل کیا جاتا ہے اس لیے اسے مشورے کی سنجیدہ شرعی اصطلاح کا مصداق قرار دینا مشکل ہے۔

لغوی و صرفی تحقیق:

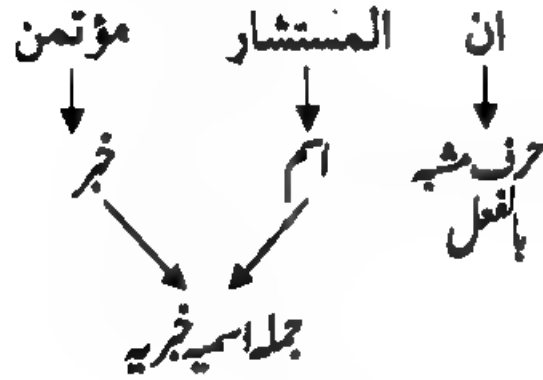
المستشار بر وزن استعمل اصل میں استشير تھ باب استفعال سے اسم مفعول کا صیغہ ہے۔ ہفت اقسام کے اعتبار سے اجوف واوی ہے حروف اصلی، ش، و، ر، ہیں۔

موتمن باب افتعال سے اسم مفعول کا صیغہ، مہوز الفاء ہے۔

ترکیب:

ان حرف مشہ بالفعل المستشار اسم موتمن خبر، ان اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو گیا۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) ابن ماجہ: حدیث نمبر ۳۷۴۵، باب المستشار مؤتمن: کتاب الادب



۴۸) اولاد بخل کا سبب ہے

إِنَّ الْوَلَدَ مَبْخَلَةٌ مَّجْبُونَةٌ

ترجمہ:

”بے شک اولاد بخل اور بزدلی کا سبب ہوتی ہے۔“

تشریح:

اس روایت کا پس منظر اور شان و رود یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرات حسنین رضی اللہ عنہما دونوں رسول اللہ ﷺ کی طرف بھاگے، تو رسول خدا ﷺ نے دونوں کو اپنے سینے سے لگا لیا اور مذکورہ بالا جملہ ارشاد فرمایا:

وجہ ظاہر ہے کہ جب آدمی کی اولاد ہو جاتی ہے تو آہستہ آہستہ اولاد کی محبت دل میں پیدا ہوتی جاتی ہے جس کی وجہ سے آدمی کے پہلے والے مزاج میں تغیر اور تفاوت آتا جاتا ہے۔ پہلے اگر ہاتھ کھلاتھا، اور کھلا خرچ کیا کرتا تھا تو اب اس خیال سے کہ اولاد کے لیے بچانا ہے بخل کرنے لگ جاتا ہے اور اسے مال بچانے اور جمع کرنے کی فکر لاحق ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ اسی طرح آدمی پہلے عام حالات میں اپنی جان کی پرواہ نہیں کرتا، اور جب اولاد ہو جاتی ہے، تو پھر احتیاط پر مبنی طرز عمل شروع ہو جاتا ہے، اور یہ احتیاط بڑھتے بڑھتے بزدلی تک جا پہنچتی ہے۔ یہ دونوں باتیں فطری ہیں، ان سے بالکل بے چھکار ممکن نہیں، لیکن واضح رہے کہ یہ دونوں صرف فطری باتیں ہی نہیں بلکہ فطری کمزوریاں بھی ہیں جو مطلوب اور محمود نہیں، لہذا ان سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اولاد کی بنیادی اور حقیقی ضروریات کے لیے مال کمانا، تو درست ہے لیکن محض ان کا یا اپنا معیار زندگی بلند کرنے اور بڑے آسائش زندگی گزارنے کے لیے مال حاصل کرنا اور اسے جمع کرنا اور خیر کے مصارف چھوڑ کر ایسے مصارف پر لگانا، مناسب نہیں۔

لغوی و صرفی تحقیق:

مبخلۃ یہ ہے باب مع سے مصدر میسی بمعنی بخل، بخل کا باعث۔

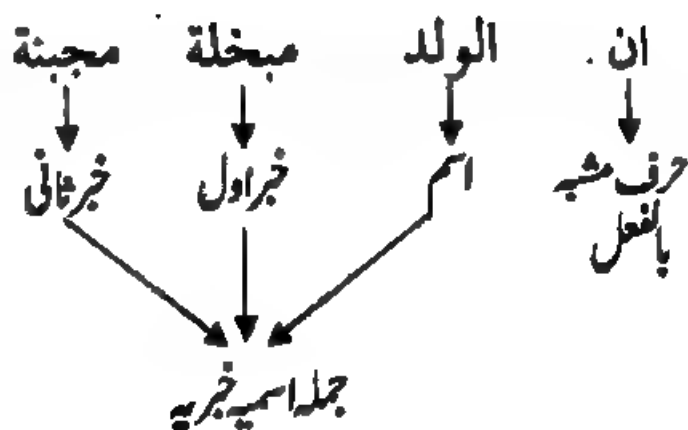
مجبنۃ یہ بھی باب کرم سے مصدر ہے، بمعنی بزدلی۔

ترکیب:

ان حرف مشبہ بالفعل الولد اسم مبخلۃ خبر اول مجبنۃ خبر ثانی، ان اپنے اسم اور دونوں خبروں سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ

ہو گیا۔

نقشه ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) ابن ماجه: حدیث نمبر ۳۶۶۶، باب بر الولد والاحسان الى البنات، کتاب الادب

(۲) مسند امام احمد: حدیث نمبر ۱۷۵۶۲



۹۰ سچائی باعث اطمینان ہوتی ہے

إِنَّ الصِّدْقَ طَمَآنِينَةٌ وَإِنَّ الْكِذْبَ رِيبَةٌ

ترجمہ:

”سچائی باعث اطمینان ہے اور جھوٹ باعث شک اور الجھن ہے۔“

تشریح:

کہتے ہیں: ”سچ کو آٹھ نہیں اور جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے“ قریب قریب یہی مذکورہ بالا قول نبوی کا خلاصہ اور مفہوم ہے۔ سچ کہیں بھی ہونچ اور جیت اسی کی ہوگی۔ سچ بولنے والے آدمی کا ضمیر مطمئن ہوتا ہے، اس کے دل میں کوئی کھٹکا نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی احساس جرم اسے ستاتا ہے۔ کیونکہ سچ بولنے والا آدمی اپنی اخلاقی ذمہ داری بھی پوری کر رہا ہوتا ہے اور شریعت اور مذہب کا تقاضا بھی، اس لیے اسے ہر دم اطمینان اور سکون حاصل رہتا ہے۔ اس کے برعکس جھوٹ بولنے والا آدمی ہمیشہ الجھن میں رہتا ہے، ایک جھوٹ کو چھپانے کے لیے اسے کئی جھوٹ بولنے پڑتے ہیں، ہر دم دل میں احساس جرم اسے ٹھوکر لگاتا ہے، اور ہر لمحے ضمیر اسے جھنجھوڑتا ہے۔ یہ تو سچے آدمی کے حوالے سے بات ہے، اس کے علاوہ خود سچ کی علامت بھی یہی ہے کہ وہ سیدھا سادھا ہوتا ہے اور دل کی گہرائی سے نکلا اور دل پر اثر انداز ہو کر اطمینان کا باعث ہوتا ہے، اور جھوٹ چاہے دلیل و برہان کے کتنے ہی عمدہ سے عمدہ اور خوشنما پردوں میں لپٹا ہوا ہو، اس میں کسی دل مضطرب کو سامان تسلی دینے کے لیے کچھ بھی نہیں ہوتا، اس کا عمل حال صحرای کی ریت کا ہوتا ہے جو دور سے پانی معلوم ہوتی ہے مگر قریب آنے پر وہی خشک اور تپتی ریت اور جھلساتی ہوا کے تھپڑے ہوتے ہیں۔

لغوی و صرفی تحقیق:

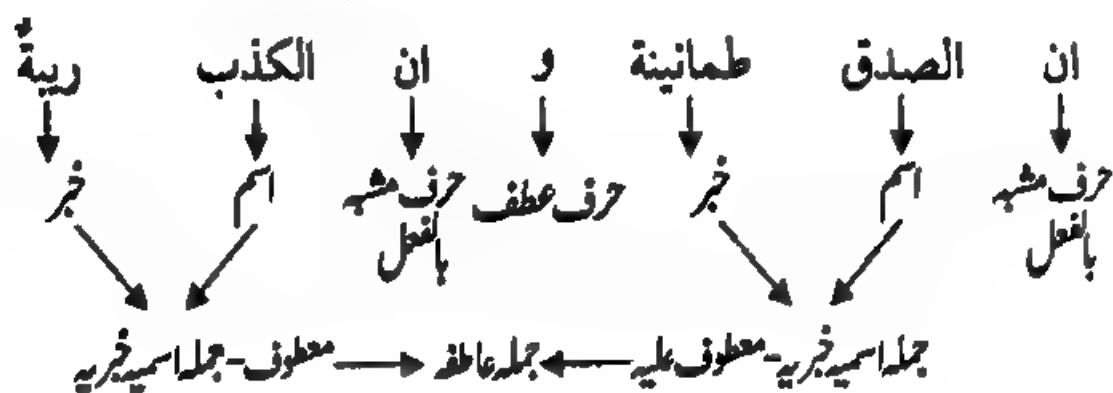
طمانینۃ یہ باب التعلال سے مصدر ہے، اس کے علاوہ اطمینان بھی مصدر آتا ہے بمعنی سکون، قرار، تسلی۔

ریبۃ یہ بھی مصدر ہے، بمعنی شک، تردد، الجھن، اضطراب وغیرہ۔

توکیب:

ان حرف مشبہ بالفعل الصِّدْق اسم طمانینۃ خبر، ان اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ، و عاطفہ، ان حرف مشبہ بالفعل الکذب اسم ریبۃ خبر، ان اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر جملہ عاطفہ ہوا۔

نقشه ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) ترمذی: حدیث نمبر ۲۵۱۸

۹۱ خوبصورتی اللہ کی نظر میں

إِنَّ اللَّهَ جَمِيلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ

ترجمہ:

”بلاشبہ، اللہ رب العزت جمال والے ہیں اور جمال کو پسند فرماتے ہیں۔“

تشریح:

اس حدیث کا مفہوم سمجھنے سے پہلے اس کے شان ورواد اور پس منظر پر ایک نظر ڈالنا ضروری ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ جس شخص کے دل میں ذرا بھی تکبر ہو گا وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اگر کوئی آدمی اچھا کپڑا اور عمدہ جوتا پہننے کو پسند کرتا ہو تو کیا یہ بھی تکبر ہے؟ آپ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ خود جمال والے ہیں اور وہ جمال کو پسند کرتے ہیں۔“ تکبر تو حق بات کی مخالفت اور لوگوں کو کمتر سمجھنا ہے۔

جمال لغت کی رو سے ظاہری اور باطنی خوبیوں دونوں ہی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اللہ کے جمیل یا صاحب جمال ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہر قسم کی خوبی اور عمدگی اور خیر اللہ ہی کی طرف سے ہے، اور جو چیز اللہ کی طرف سے ہے اللہ اس کو یقیناً پسند فرماتے ہیں۔ مذکورہ حدیث میں آپ ﷺ نے ان صاحب کو یہ فرمایا کہ کپڑے کا اچھا ہونا یہ بذات خود تکبر میں شامل نہیں بلکہ جب دوسرے لوگوں کی تحقیر دل میں آئے تو تکبر ہوگا۔ باقی رہا یہ سوال کہ کیا رسول اللہ ﷺ اس حدیث میں ہر قسم کے تععم اور عمدہ سے عمدہ اور خوب سے خوب تر اشیاء کے استعمال اور طلب کی ترغیب یا کم از کم اجازت دے رہے ہیں، یہ اس حدیث سے ثابت نہیں ہوتا، بلکہ دیگر احادیث میں انسان کی اپنی انفرادی زندگی میں ضرورت سے زائد مال لگانے کو حساب کا سامنے کرنے کا موجب بتایا گیا ہے، اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو جب آپ ﷺ نے یمن بھیجا تو ان سے فرمایا: کہ تععم اور ترفہ (خوش عیشی) سے بچنا، کیونکہ اللہ کے بندے تععم کی زندگی نہیں گزارتے۔ ویسے بھی جب دنیا ہماری قیام گاہ ہے ہی نہیں تو اس سے دل لگانا، اور اس کو سنوارنا، بنانا اور اس میں منہمک ہونا کب روا ہے؟

لغوی و صرفی تحقیق:

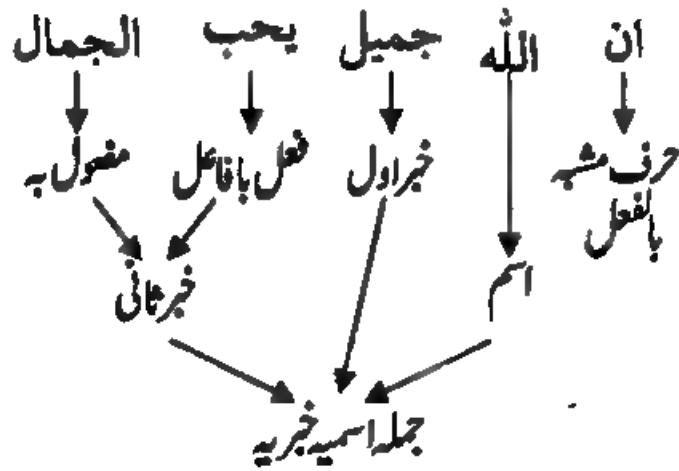
جمیل صفت مشبہ کا صیغہ ہے، بمعنی خوبصورت، خوب سیرت، عمدہ اوصاف والا۔

جمال مصدر ہے جمیل سے۔ قال فی النہایہ: الجمال یطلق علی الصورة والمعانی۔ جمال میں ظاہری و باطنی دونوں خوبیاں مراد ہوتی ہیں۔

ترکیب:

ان حرف مشبہ بالفعل لفظ اللہ اسم جمیل خبر اول یحب فعل بافاعل الجمال مفعول بہ فعل فاعل اور مفعول بہ مل کر خبر ثانی۔ ان اپنے اسم اور دونوں خبروں سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) مسند احمد: حدیث نمبر ۳۷۸۹

(۲) طبرانی کبیر: حدیث نمبر ۱۲۹۵

۹۲ ہر عروج کو زوال ہے

إِنَّ لِكُلِّ شَيْءٍ شِرَّةً وَلِكُلِّ شِرَّةٍ فَتْرَةٌ

ترجمہ:

”ہر چیز کے لیے ایک تیزی، اور عروج ہے اور ہر تیزی کے لیے سستی اور ڈھیلا پن ہے۔“

تشریح:

مذکورہ حدیث ایک فطری قانون کا بیان ہے کہ ہر چیز ایک دفعہ تیزی اور خوب عروج پر آتی ہے اس کے بعد چونکہ فنا اس کے مقدر میں ہوتی ہے، اس لیے اس کی تیزی، شوخی اور چستی دھیمی پڑنی شروع ہو جاتی ہے، حتیٰ کہ آہستہ آہستہ وہ ختم ہو جاتی ہے۔ اگر شرعی عبادات اور مجاہدات و ریاضات وغیرہ کے حوالے سے بھی دیکھا جائے تو یہ بات وہاں بھی بآسانی منطبق ہو سکتی ہے، کہ آدمی جب کسی نیک کام کو شرع کرتا ہے تو خوب لگن جذبے اور طلب کے ساتھ کرتا ہے اور شوق ہی شوق میں بہت سا کام یکدم کر جاتا ہے لیکن آہستہ آہستہ سستی غالب آتی جاتی ہے۔ لیکن عبادات اور دیگر دینی کاموں میں یہ صورت حال مطلوب نہیں بلکہ اس پر قابو پانا چاہیے کیونکہ دینی کاموں میں جوش سے زیادہ ہوش، کثرت سے زیادہ مداومت، اور تیزی سے زیادہ مستقل مزاجی سے دھیمی چال مطلوب ہے۔ اسی لیے فرمایا: ”أَحِبِّ الْأَعْمَالَ إِلَى اللَّهِ اَدْرِمَهَا وَانْ قُلِّ“ اللہ کے نزدیک سب سے محبوب وہ عمل ہے جو ہینگی اور پابندی کے ساتھ کیا جائے چاہے تھوڑا ہی ہو۔

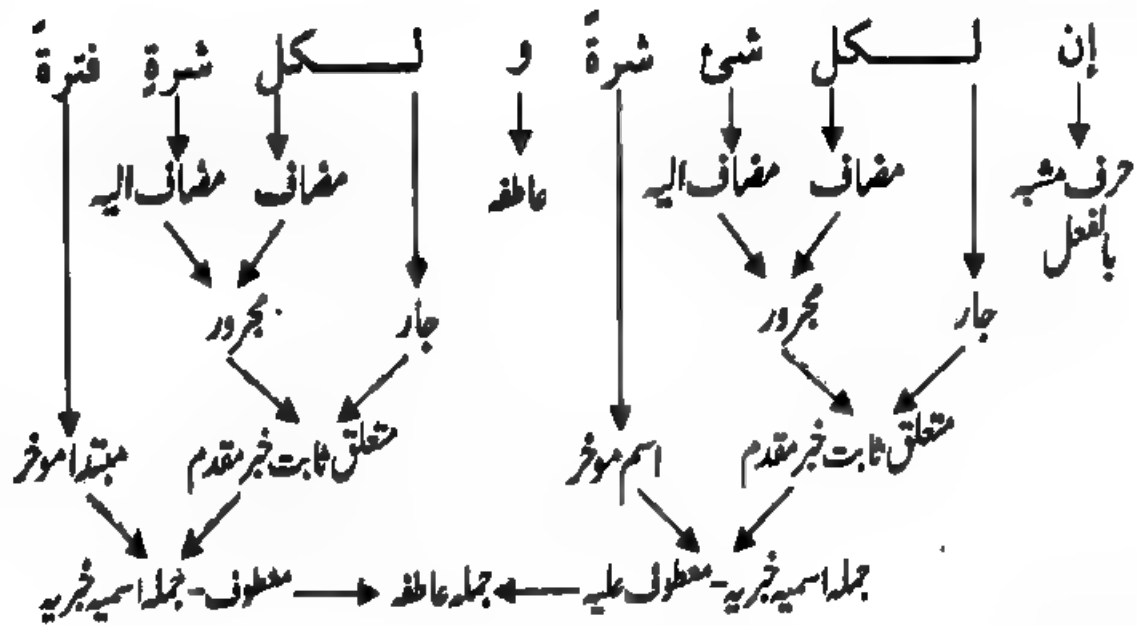
لغوی و صرفی تحقیق:

شِرَّةٌ ہفت اقسام میں سے مضاعف ثلاثی ہے، حروف اصلی، ش، ر، و، ہیں۔ بمعنی تیزی، چستی، نشاط، رغبت۔
فترہ یہ بھی مصدر ہے بمعنی انقطاع، ختم ہونا، کٹنا، ایسا زمانہ جس میں کوئی کام جاری نہ رہے۔

توکیب:

ان حرف مشبہ بالفعل ل جار کل مضاف شیء مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مجرور، جار مجرور متعلق ہوئے ثابتہ محذوف کے، ثابتہ خبر مقدم شِرَّة اسم مؤخر ان اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ، و عاطفہ، ل جار کل مضاف شِرَّة مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ ل کر مجرور، جار مجرور متعلق ہوا ثابتہ خبر مقدم کے، فترہ مبتدأ مؤخر۔ مبتدأ خبر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر جملہ عاطفہ ہوا۔

نقشه تركيب:



تخريج حديث:

(١) ترمذی: حدیث نمبر ۲۴۵۳، باب ابواب صفة القيامة



۹۴ جو مقدر میں ہو مل کر رہتا ہے

إِنَّ الرِّزْقَ لَيَطْلُبُ الْعَبْدَ كَمَا يَطْلُبُهُ أَجَلُهُ

ترجمہ:

”رزق آدمی کو ایسے تلاش کرتا ہے جیسے اس کی موت اس کو تلاش کرتی ہے۔“

تشریح:

مطلب یہ ہے کہ جیسے موت ایک یقینی چیز اور حقیقت ہے اور اس کا اپنے طے شدہ وقت پر آنا لازمی ہے ایسے ہی بندے کے مقدر کا جو رزق اللہ نے لکھ دیا ہے وہ اسے ملنا یقینی اور حقیقت ہے جو اپنے مقررہ وقت پر مل کر رہے گا۔ بلکہ حدیث کے الفاظ یہ بتاتے ہیں کہ رزق آدمی کو تلاش کرتا ہے گویا جیسے کوئی چیز گم ہو اور اس کی ضرورت ہو تو آدمی اس کو تلاش کرنے کے لیے ادھر ادھر دیکھتا ہے اور بھاگ دوڑ کرتا ہے ایسے ہی رزق بھی آدمی کی تلاش میں رہتا ہے۔ کہتے ہیں جس دانے پر اللہ نے کسی انسان کا لقمہ بننا لکھ دیا ہے اس پر ایک فرشتہ مقرر ہوتا ہے جو اس وقت تک اپنی ذمہ داری نبھاتا ہے جب تک وہ دانہ آدمی کے منہ میں نہیں چلا جاتا۔ روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہاں گندم اگتی ہے، لاد دی جاتی ہے، لے جائی جاتی ہے، اور کہاں کہاں کے آدمی کس کس شہر میں آ کر کون کون سی جگہ پر اسے کھاتے ہیں۔ مذکورہ حدیث کا مقصود یہ ہے کہ رزق ایک طے شدہ چیز ہے اس کے لیے اتنا پریشان ہونا کہ نہ آخرت کا ہوش رہے نہ احکامات خداوندی کا پاس، یہ درست نہیں۔ توکل کے ساتھ محنت ضرور کرنی چاہیے۔

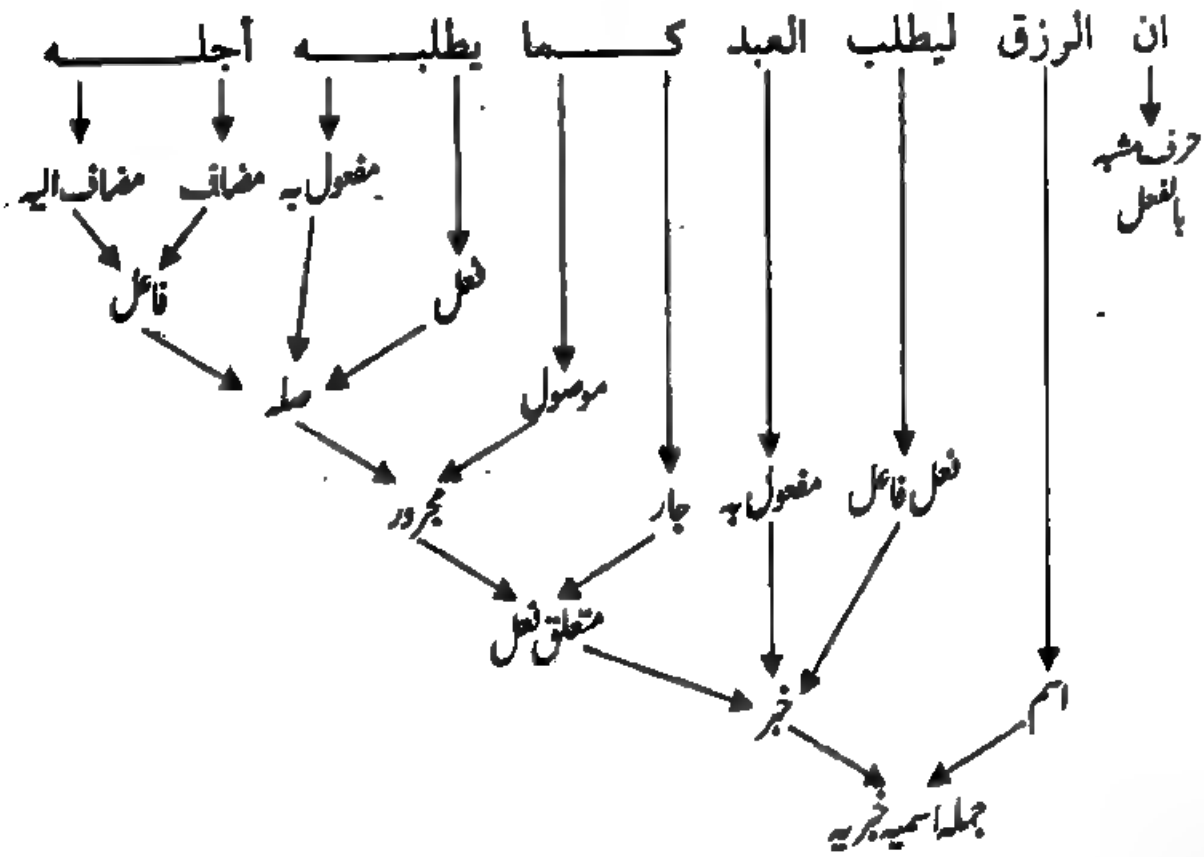
لغوی و صرفی تحقیق:

الرِّزْقُ یہ باب نصر سے مصدر اور حاصل مصدر ہے۔ اس کی جمع اَرْزَاقُ آتی ہے۔
اجل مفرد ہے بمعنی موت اس کی جمع آجال ہے۔

ترکیب:

ان حرف مشبہ بالفعل الرِّزْقُ اسم لام ابتدائیہ یطلب فعل فاعل العبد مفعول بہ ك حرف جار ما اسم موصول یطلب فعل ضمیر مفعول بہ اجل مضاف ضمیر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر فاعل، فعل فاعل اور مفعول بہ مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر صلہ موصول صلہ سے مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق فعل کے فعل فاعل، مفعول اور متعلق سے مل کر خبر۔ ان اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) حلیہ ابو نعیم: جلد ۶، ص ۸۶



۹۴ شیطان کا انسانی جسم میں دوڑنا

إِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِي مِنَ الْإِنْسَانِ مَجْرَى الدَّمِّ

ترجمہ:

”شیطان انسان کے جسم میں چلتا ہے خون کے چرنے کی جگہ۔“

تشریح:

اس حدیث کا پس منظر اور شان درود یہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ اعتکاف میں تھے کہ آپ کی ازواج مطہرات میں سے ایک ام المؤمنین کسی ضرورت سے آپ سے ملنے آئیں، جب آپ ﷺ انہیں واپس چھوڑنے کے لیے نکلے تو اندھیرا تھا۔ ایک صحابی دوسری طرف سے آ رہے تھے، آپ نے انہیں متوجہ کر کے فرمایا یہ صفیہ ہیں جو میرے ساتھ ہیں، اس پر انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا آپ ﷺ کے بارے میں ایسے گمان کا ہم سوچ بھی سکتے ہیں؟ آپ نے اس موقع پر یہ جملہ فرمایا۔

اس حدیث میں شیطان کے چلنے کے تین مطلب ہو سکتے ہیں۔ اگر مجری کے لفظ کو مصدر میسی سمجھیں تو پھر مفعول مطلق ہوگا اور مطلب ہوگا کہ جیسے خون دوڑتا ہے شیطان بھی ایسے ہی دوڑتا ہے اور اگر مجری کے لفظ ظرف ہو اور ظرف زمان ہو تو پھر وقت مراد ہوگا، یعنی شیطان تب تک چلتا رہتا ہے جب تک خون چلتا ہے، یعنی زندگی بھر کیونکہ جب تک خون چل رہا ہے، زندگی ہے۔ اور اگر ظرف مکان ہو تو پھر مراد ہے رگوں میں دوڑنا کہ جہاں جہاں جیسے جیسے خون دوڑتا ہے، وہاں وہاں شیطان چلتا اور وسوسے ڈالنے کی کوشش کرتا ہے۔

لغوی و صرفی تحقیق:

شیطان اس کی لغوی تحقیق گزر چکی ہے۔

مجری فعل مضارع، ناقص۔ بمعنی چلنا، دوڑنا۔

مجرى مصدر میسی، ظرف مکان یا ظرف زمان کا صیغہ ہے، بمعنی چلنا، چلنے کی جگہ یا چلنے کا زمانہ۔

الدم خون، اصل میں دَمَوْتھا۔ اس میں وہی تعلیل و تغیر ہوا ہے جو یَدٌ میں ہوا ہے۔ دیکھئے حدیث ”ید اللہ علی

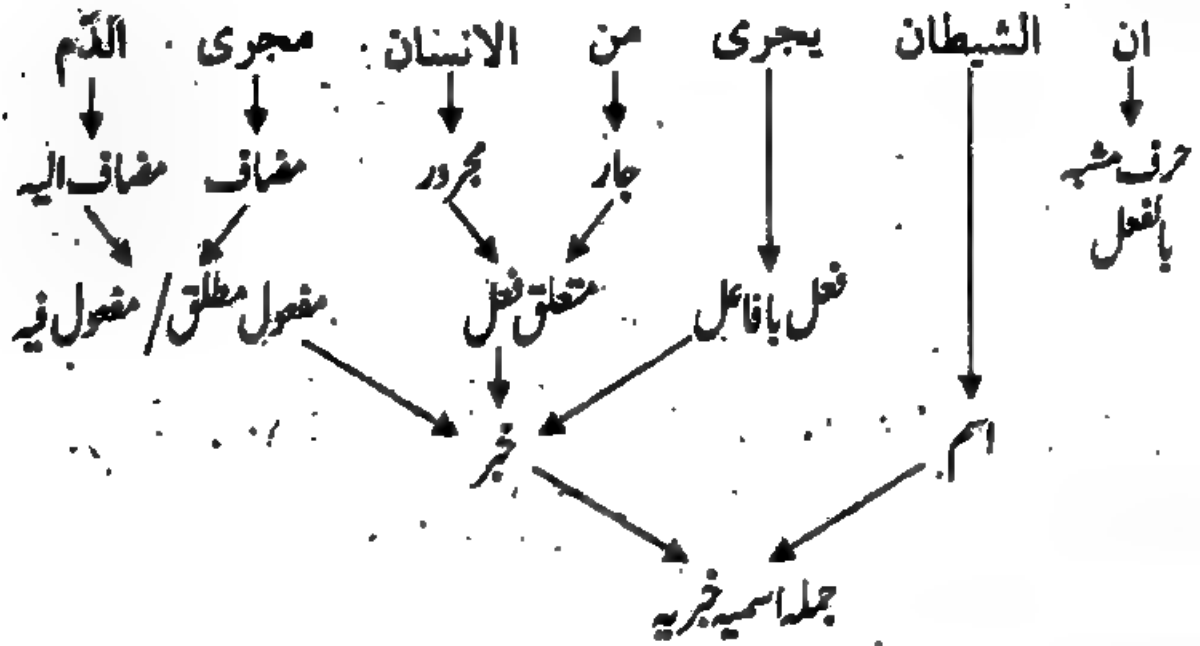
الجماعة“

توکیب:

ان حرف مشبہ بالفعل الشیطان اسم مجری فعل فاعل من جار الانسان مجرور، جار مجرور متعلق ہوئے فعل کے، مجری مضاف، الدم مضاف الیه، مضاف مضاف الیل کر مفعول مطلق، یا مفعول فیہ، فعل اپنے فاعل متعلق اور مفعول سے مل

کز خبر، ان اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) بخاری شریف: حدیث نمبر ۲۰۳۸، باب صفۃ ابلیس و جنودہ



۵۰ اس امت کا فتنہ مال ہے

إِنَّ لِكُلِّ أُمَّةٍ فِتْنَةً وَفِتْنَةُ أُمَّتِي الْمَالُ

ترجمہ:

”ہر امت کا ایک فتنہ ہے اور میری امت کا فتنہ مال ہے۔“

تشریح:

پچھے ایک حدیث میں فتنے کے مختلف مطلب بیان کیے گئے ہیں۔ یہاں فتنہ سے مراد یا تو آزمائش ہے یعنی مال ایک آزمائش اور امتحان ہے یعنی مال دینے کے بعد اللہ رب العزت آزماتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ یہ آدمی مال کی فراوانی اور وسعت کے حالات میں کیا میرے احکامات پورے کرتا ہے یا نافرمانی کرتا ہے۔ پچھلی امتوں کو اللہ رب العزت نے مختلف قسم کی آزمائشوں اور امتحانات سے دوچار کیا مگر اس امت کے لیے ایک ہی فتنہ رکھا اور وہ مال کا ہے۔ پچھلی امتوں میں یہ طریقہ تھا کہ جنگ کے بعد مال غنیمت ان کے لیے حلال نہیں تھا جبکہ اس امت کی ضروریات اور تقاضوں کو دیکھتے ہوئے اللہ رب العزت نے مال غنیمت کو حلال قرار دیا ہے لیکن اس کے نتیجے میں مال کی فراوانی ہوگی جو دینی احکامات سے غفلت اور تنازعات کا باعث ہو سکتی ہے۔

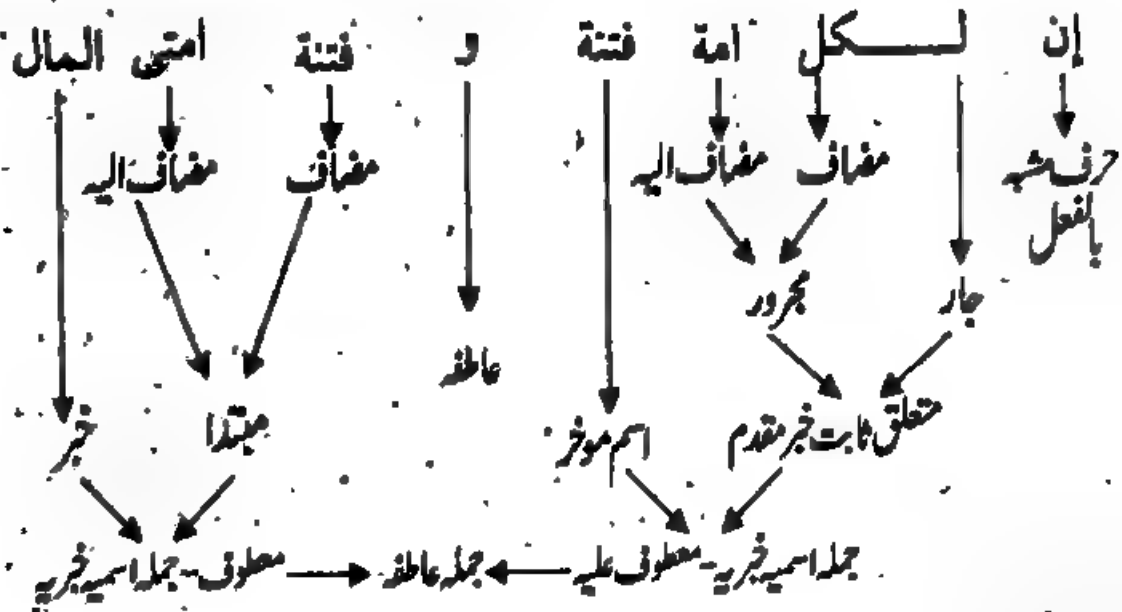
لغوی و صرفی تحقیق:

امۃ انفس کی تصریح کے مطابق امۃ کا کلمہ لفظ کے اعتبار سے واحد اور معنی کے اعتبار سے جمع ہے۔ اور امۃ ہر اس جماعت کو کہتے ہیں جن میں کسی قسم کا کوئی رابطہ اشتراک موجود ہو، خواہ یہ اتحاد و اشتراک مذہبی ہو یا جغرافیائی یا عصری وحدت ہو۔ (لغات القرآن ص ۲۴۱)

ترکیب:

ان حرف شبہ بالفعل ل جار کل مضاف امۃ مضاف الیہ۔ مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور متعلق ہوا تاہم خبر مقدم کے، فتنۃ اسم موخر ان اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ و عاطفہ فتنۃ مضاف امۃ مضاف الیہ مضاف، ی ضمیر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ سے مل کر مبتداء، الحال خبر، مبتداء اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر معطوف، معطوف، معطوف علیہ مل کر جملہ عاطفہ ہوا۔

نقشه تركيب:



تخريج حديث:

(۱) ترمذی: حدیث نمبر ۲۳۳۶، ابواب الزهد

۹۶ جلدی قبول ہونے والی دعا

إِنَّ أَسْرَعَ الدُّعَاءِ إِجَابَةٌ دَعْوَةُ غَائِبٍ لِغَائِبٍ

ترجمہ:

”سب سے جلدی قبول ہونے والی دعا وہ ہے جو غائب آدمی غائب کے لیے کرے۔“

تشریح:

دعائیں ویسے تو اعلان خداوندی ہے ”ادعونی استجب لکم“ میرے سے دعا کرو میں قبول کرتا ہوں لیکن اس کے ساتھ ساتھ دعا کے لیے متعدد شرائط اور ضوابط بھی ہیں۔ مثلاً دعا کرنے والے کی روزی حلال ہو حرام نہ ہو وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح دعا کے لیے جلدی قبولیت کی کچھ تقریبات اور مناسبات بھی ہیں، مثلاً دعا کے اول دُآ خرد و شریف پڑھا جائے۔ تہجد کے وقت مانگی جائے، افطار کے وقت مانگی جائے، اذان کے بعد مانگی جائے، دو خطبوں کے درمیان مانگی جائے وغیرہ وغیرہ۔ انہی تقریبات اور اسباب میں سے ایک سبب اس حدیث میں بھی ذکر ہے، اور وہ ہے غائب کے لیے دعا کرنا یعنی جو آدمی آپ کے پاس موجود نہیں اور آپ پر اس کے لیے دعا کرنے کا کوئی ظاہری سبب یا اخلاقی دباؤ وغیرہ بھی نہیں پھر بھی آپ محض اس سے محبت یا رحم دلی کی وجہ سے جب دعا کرتے ہیں تو اللہ کو یہ عمل اور طرزِ اتنا پسند آتا ہے کہ اللہ رب العزت اس دعا کی جلد از جلد قبولیت کا پروانہ جاری فرما دیتے ہیں کہ ایک بندے میں دوسرے بندے کے لیے اتنا رحم ہے تو خدائے رحیم اور رحمن کیوں نہ رحم کرے۔

لغوی و صرفی تحقیق:

اسرع اسم تفضیل بمعنی جلدی والا، تیز، زود رفتار۔

اجابة قبول کرنا، مصدر ہے باب افعال سے اجاب یجیب ہفت اقسام سے اجوف واوی ہے۔

دعوة مصدر ہے دعا یا دعویٰ بمعنی دعا، پکار، بلاوا۔

غائب اسم فاعل اجوف واوی، بمعنی غیر موجود۔

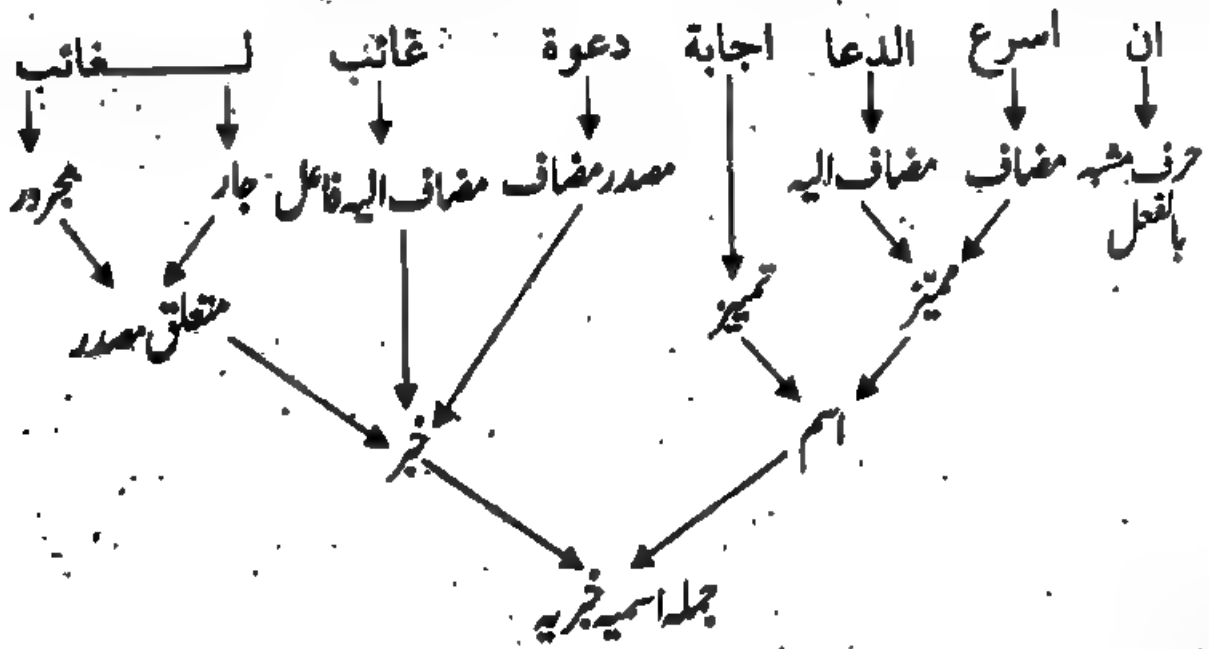
ترکیب:

ان حرفتِ مذہبہ بالفعل اسرع مضاف الدعاء مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر میتر اجابة تمیز، میتر تمیز مل کر اسم،

دعوة مصدر مضاف غائب مضاف الیہ فاعل مصدر کا، ل جارہ غائب مجرور، جار مجرور متعلق ہوئے مصدر کے۔ مصدر اپنے

فاعل اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر ہوئی ان کی، ان اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

نقشه ترکیب:



تخریج حدیث:

- ۱- ابو داؤد: حدیث نمبر ۱۵۳۷، باب الدعاء بظہر الغیب، کتاب الصلوة
- ۲- ترمذی: حدیث نمبر ۱۹۸۰، باب ما جاء فی دعا الاخ

۹۷ گناہ رزق سے محرومی کا باعث ہے

إِنَّ الرَّجُلَ لَيُجْرَمُ الرِّزْقَ بِالذَّنْبِ يُصِيبُهُ

ترجمہ:

”بلاشبہ آدمی رزق سے محروم ہو جاتا ہے اس گناہ کی وجہ سے جس کا وہ مرتکب ہوتا ہے“

تشریح:

اس حدیث کا ظاہری مطلب و مفہوم یہی ہے کہ گناہوں کی وجہ سے آدمی کی روزی کم ہو جاتی ہے اور آدمی جتنے گناہ کرتا ہے رزق سے محروم ہوتا جاتا ہے، لیکن اس پر ایک اشکال ہو سکتا ہے کہ فاسق و فاجر لوگ تو دنیا کے بے حساب رزق میں زندگی گزارتے ہیں۔ لیکن یہ سوال اس وجہ سے پیدا ہوا ہے کہ رزق کے معنی و مفہوم صرف دنیا کے ظاہر مال و اسباب سمجھے جاتے ہیں حالانکہ اگر زندگی میں سکون نہ ہو، آفات و بلیات سے حفاظت نہ ہو تو ایسے رزق کا کیا فائدہ، اور اصل چیز تو مال کی برکت اور کفایت ہے اگر رزق زیادہ بھی ہو اور آدمی حرص و ہوس میں بھاگ بھاگ کر مر جائے تو یہ زیادتی کس شمار میں؟ دوسری بات یہ ہے کہ رزق سے مراد صرف دنیا کا مال ہی نہیں۔ آخرت کی نعمتیں بھی ہیں اور ان سے محرومی ظاہری بات ہے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ ضابطہ قُلُوصِ مومن لوگوں کے لیے ہے کیونکہ انہیں اللہ تعالیٰ کے لیے مصیبت دیتے ہیں۔ باقی رہے فاسق و فاجر لوگ تو ان کو اللہ نے دنیا میں ڈھیل دے رکھی ہے تاکہ وہ غفیلانی و سرکشی میں بڑھتے رہیں۔

لغوی و صرفی تحقیق:

یجرم فعل مجہول ہے بمعنی حرام کرنا، محروم کرنا۔

الرزق عطا کرنا، دینا، روزی۔

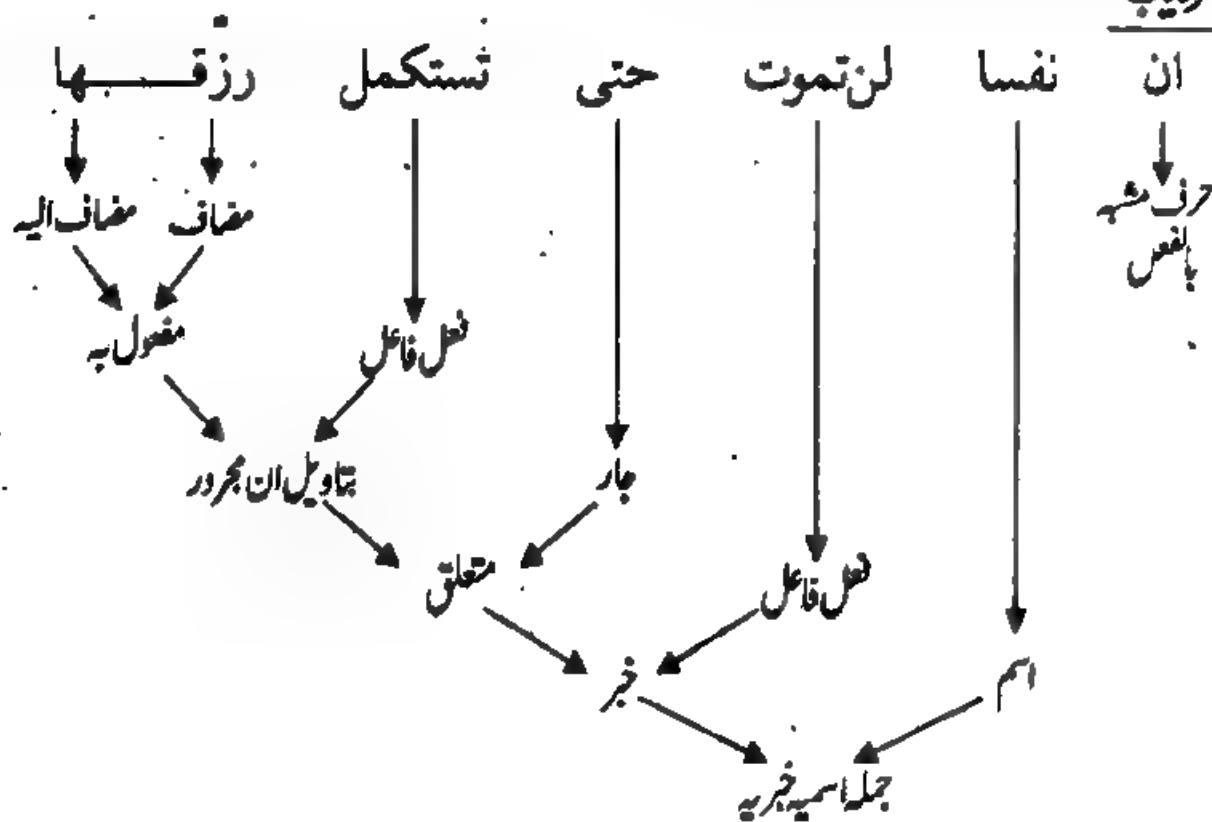
الذنب مصدر بمعنی گناہ، مصیبت، بنا فرمانی۔

یصیب باب الفعال ہفت اقسام میں سے اجوف واوی ہے، بمعنی پہنچنا، مرتکب ہونا۔

ترکیب:

اَنْ حرف مشبہ بالفعل الرجل اسم لیجرم فعل مجہول ضمیر اس کا نائب فاعل الرزق مفعول بہ ب جار الذنب ذو الحال یصیب فعل فاعلہ ضمیر مفعول بہ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر حال، حال ذو الحال سے مل کر مجرور، جار مجرور متعلق ہوا فعل کے، فعل اپنے نائب فاعل، مفعول اور متعلق سے مل کر خبر، اَنْ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

نقشه ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) شعب الایمان بیہقی: حدیث نمبر ۱۱۸۵

⑨ صدقہ بری موت کو مالتا ہے
 اِنَّ الصَّدَقَةَ لِتُطْفِئَ غَضَبَ الرَّبِّ وَتَدْفِعُ مِيتَةَ السُّوءِ

ترجمہ:

”بلاشبہ! صدقہ اللہ کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے اور بری موت سے بچاتا ہے۔“

تشریح:

انسان جب صدقہ کرتا ہے تو اللہ کی رحمت متوجہ ہوتی ہے، اور اس خاص شخص پر اور اس کے آس پاس اور ماحول پر گناہوں کی وجہ سے جو پہلے خدا کا غضب اور غصہ طے ہو چکا ہوتا ہے، وہ اس صدقے کی وجہ سے ختم ہو جاتا ہے۔ ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ صدقہ بلا کو مالتا ہے۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ آسمان سے بلائیں اور آفات و بلیات اترتی ہیں، نیچے سے اگر بندے خدا کی طرف رجوع کریں اور دعا و استغفار اور صدقہ کریں تو وہ آفات ختم ہو جاتی ہیں۔ یہ تو اجتماعی حالت کے اعتبار سے ہے، انفرادی اور شخصی حالت میں بھی انسان پر آنے والی آفتوں کو صدقہ ختم کرتا ہے، اور اس صدقے کی برکت سے اللہ انسان کو بری موت سے بچا لیتے ہیں۔ بری موت سے مراد بے ایمانی کی موت بھی ہو سکتی ہے اور حادثاتی و ناگہانی اور تکلیف دہ موت بھی ہو سکتی ہے۔

لغوی و صرفی تحقیق:

تطفی: یہ باب افعال سے مضارع ہے، مصدر اطفاء، ہفت اقسام سے ناقص یائی ہے، بمعنی بجھانا آگ وغیرہ کو۔

غضب باب مع سے مصدر ہے بمعنی غصہ، ناراضگی۔

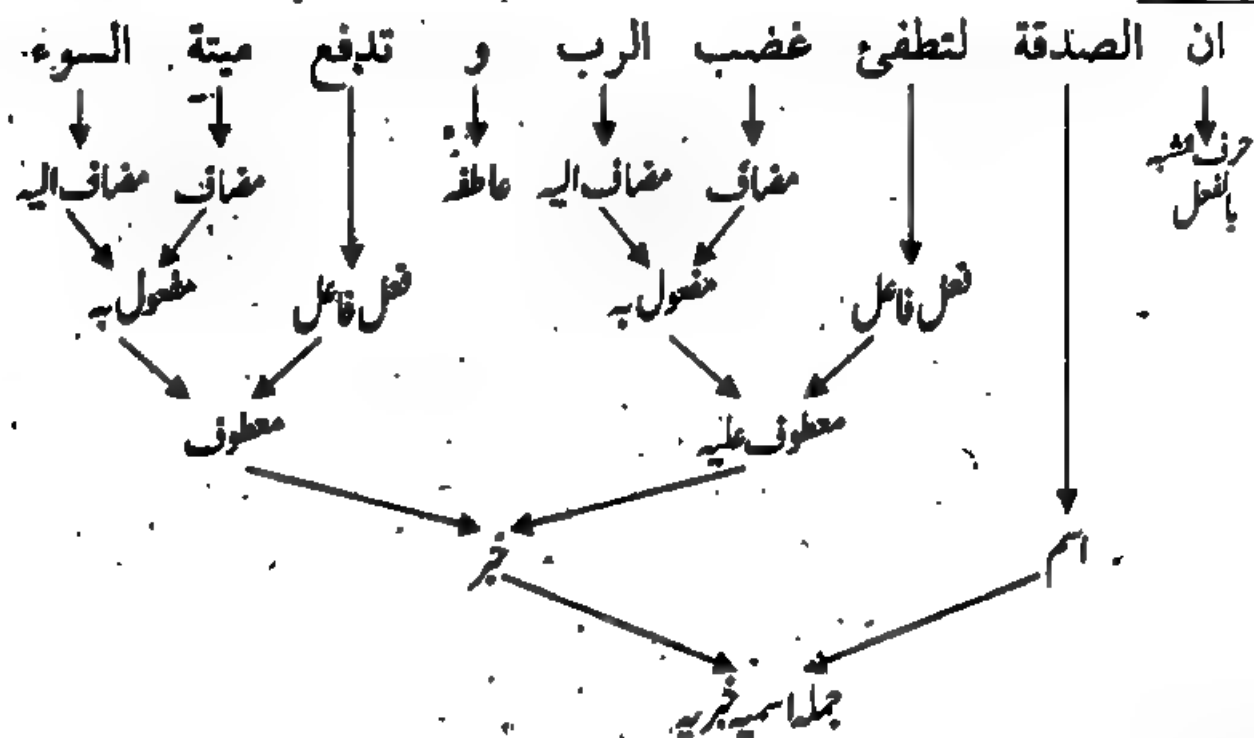
تدفع فعل مضارع بمعنی دور کرنا، ہٹانا۔

میتة فعلتہ بروزن حلیہ، بمعنی مرنے کی حالت۔

ت ترکیب:

اِنَّ حرف شبہ بالفعل الصدقة اسم لتطفی، فعل فاعل غضب مضاف الرب مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول بہ، فعل فاعل اور مفعول بہ سے مل کر معطوف علیہ، و عاطفہ تدفع فعل فاعل میتة مضاف السوء مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر خبر، اسم اور خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

نقشه ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) ترمذی: حدیث نمبر ۶۶۸، باب ما جاء فی فضل الصدقة

۱۰۰ اصل معیار فضیلت کیا ہے؟

إِنَّكَ لَسْتَ بِخَيْرٍ مِّنْ أَحْمَرَ وَلَا أَسْوَدَ إِلَّا أَنْ تَفْضُلَهُ بِتَقْوَىٰ

ترجمہ:

”تم نہ سرخ رنگ والے سے بہتر ہو اور نہ کالے رنگ والے سے، الا یہ کہ تم ان سے تقویٰ میں بڑھ جاؤ۔“

تشریح:

اس حدیث میں اس اسلامی اصول اور حقیقت کو ہی بیان کیا گیا ہے جو مختلف آیات اور احادیث میں جا بجا بیان کیا گیا ہے۔ اور وہ یہ کہ اسلامی نقطہ نظر سے معیار فضیلت اور لوگوں کے درمیان درجہ بندی کی بنیاد نہ مال و دولت ہے، نہ جاہ و منصب اور نہ رنگ و روپ بلکہ وہاں صرف اور صرف اعمال اور تقویٰ بنیاد ہے۔ باقی چیزیں بطور تعارف تو ہو سکتی ہیں، معیار فضیلت اور درجہ بندی کی بنیاد نہیں۔ مذکورہ حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ اگر ایک آدمی گورے رنگ کا ہو تو محض اس وجہ سے کہ وہ گورا ہے اسے کانے پر یا سرخ پر ذرا بھی فضیلت اور برتری یا ترجیح حاصل نہیں ہوگی۔ ہاں معیار فضیلت حاصل کرنا ہے تو اس کے میدان اور اصل راستے کی طرف آؤ اور وہ راستہ قیامت تک کے لیے ہر انسان کے واسطے کھلا ہے، وہ راستہ ہے تقویٰ اور دینداری میں آگے سے آگے بڑھنے کا۔

لغوی و صرفی تحقیق:

احمر صیغہ اسم تفضیل ہے بمعنی سرخ رنگ والا۔

اسود صیغہ اسم تفضیل ہے بمعنی کالا۔

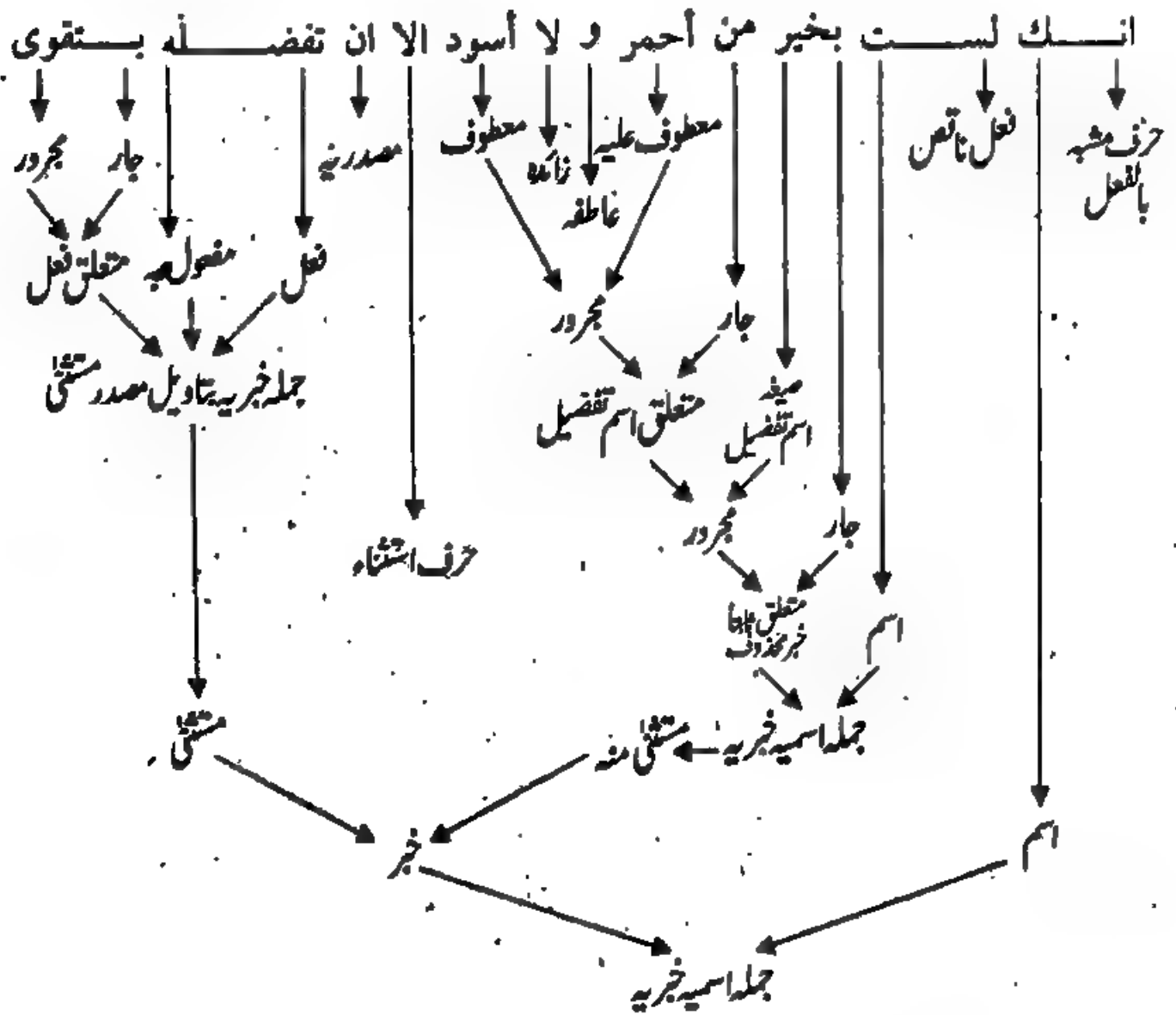
تفضل زیادہ ہونا، بڑھنا۔

تقویٰ یہ باب بتعال سے مصدر ہے بمعنی پرہیز گاری، پاکدامنی اور خوف خدا۔

ترکیب:

ان حرف مشبہ بالفعل ك ضمیر منصوب اسم، لست فعل ناقص ت ضمیر مخاطب اس کا اسم ب جار خیر صیغہ اسم تفضیل من جار احمر معطوف علیہ و عاطفہ لازمہ اسود معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر مجرور، جار مجرور متعلق اسم تفضیل کے۔ اسم تفضیل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر ہوئی لست فعل ناقص کی۔ فعل ناقص اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر مستثنیٰ منہ، الا حرف استثناء ان مصدر یہ تفضل فعل فاعل ضمیر مفعول بہ با جار تقویٰ مجرور، جار مجرور متعلق فعل کے۔ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر متادیل مصدر ہو کر مستثنیٰ، مستثنیٰ مستثنیٰ منہ مل کر خبر ہوئی ان کی، ان اپنے اسم و خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

نقشه ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) مسند امام احمد بن حنبل: حدیث نمبر ۲۱۵۰۷

① اللہ کو بندوں سے کیا مطلوب ہے؟

إِنَّ اللَّهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى صُورِكُمْ وَأَمْوَالِكُمْ وَلَكِنْ يَنْظُرُ إِلَى قُلُوبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ

ترجمہ:

”بلاشبہ اللہ تمہاری شکلوں اور مالوں کی طرف نہیں دیکھتے البتہ وہ تمہارے دلوں اور تمہارے اعمال کی طرف دیکھتے ہیں۔“

تشریح:

ابھی پچھلی حدیث میں ہی یہ ذکر ہوا کہ اللہ کے دربار میں فضیلت اور درجے کا معیار ظاہری شکل اور رنگ و روپ نہیں۔ بلکہ تقویٰ اور عمل ہے۔ اسی بات کو ذرا دوسرے انداز سے کھول کر اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔ اور اس میں یہ فرمایا کہ اللہ رب العزت تمہارے بارے میں جو فیصلے اور درجات کا حساب فرماتے ہیں اس کی بنیاد تمہاری شکل و صورت اور مال و دولت نہیں ہوتا، بلکہ تمہاری دل کی کیفیت اور عمل ہوتا ہے۔ اگر وہ اچھا ہے تو تم اچھے ہو اگر وہ برا ہے تو تم برے ہو۔ اللہ کے ہاں مقام چاہیے تو اس کے لیے دل کی کیفیات کو بنانا ہوگا، اعمال کو بڑھانا ہوگا۔

لغوی و صرفی تحقیق:

یَنْظُرُ فعل مضارع ہے بمعنی دیکھنا، نظر کرنا، نظر التفات کرنا۔
صور جمع ہے فعلن کے وزن پر اس کا واحد صورة ہے، بمعنی شکل، تصویر۔
اموال جمع ہے جس کا واحد مال ہے۔
قلوب قلب کی جمع ہے۔ بمعنی دل۔

ترکیب:

ان حرف مشبہ بالفعل لفظ اللہ اسم، لا یَنْظُرُ فعل ہو ضمیر اس کا فاعل الی حرف جار صور مضاف کم ضمیر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور مل کر معطوف علیہ، و عاطفہ اموالکم معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر مجرور، جار مجرور متعلق ہو فعل کے۔ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر خبر، ان اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ، و عاطفہ لکن حرف استدراک یَنْظُرُ فعل با فاعل الی جار قلوبکم مضاف مضاف الیہ مل کر، معطوف علیہ و عاطفہ اعمالکم معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر مجرور، جار مجرور متعلق ہوئے فعل کے، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر جملہ عاطفہ ہوا۔

۱۰۲ مسلمان سے خندہ پیشانی سے ملنا

إِنَّ مِنَ الْمَعْرُوفِ أَنْ تَلْقَى أَخَاكَ بِوَجْهِ طَلْقٍ

ترجمہ:

”یہ بھی نیکی کی بات ہے کہ تم اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے ملو۔“

تشریح:

اس حدیث میں ایک نہایت اہم اخلاقی سبق دیا گیا ہے۔ اور وہ یہ کہ جب تم کسی بھی مسلمان سے ملو تو خندہ پیشانی سے ملو، کیونکہ اس سے اگلا مسلمان خوش ہوگا، اور ایک مسلمان کو خوش کرنا یقیناً باعث اجر و ثواب ہے، اس لیے اس عمل کو نیکی کہا گیا ہے، کیونکہ اس خوشی کا سبب خندہ پیشانی اور کشادہ روئی سے ملنا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نیکی صرف ظاہری طور سے نیک اعمال عبادات اور صدقات مالہ وغیرہ میں منحصر نہیں بلکہ نیکی کے اور بھی بے شمار راستے ہیں، جیسے راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا، اہل خانہ سے دل لگی کی باتیں کرنا، مسلمان بھائی کو پانی دینا، بلکہ محض زبان سے کسی کو اچھی بات کا حکم دینا اور بری بات سے روکنا یہ بھی صدقہ اور نیکی ہے۔

لغوی و صرفی تحقیق:

المعروف صیغہ اسم مفعول عرف سے بمعنی پہچانا ہوا، نیکی کے کام کو معروف اس لیے کہتے ہیں کہ وہ کام شریعت اور اخلاق کی رو سے مانوس اور پہچانا ہوا ہے۔

تلقى فعل مضارع، ہفت اقسام کے اعتبار سے ناقص ہے۔

اخا حالت نصی میں ہے، اس لیے الف کے ساتھ ہے۔

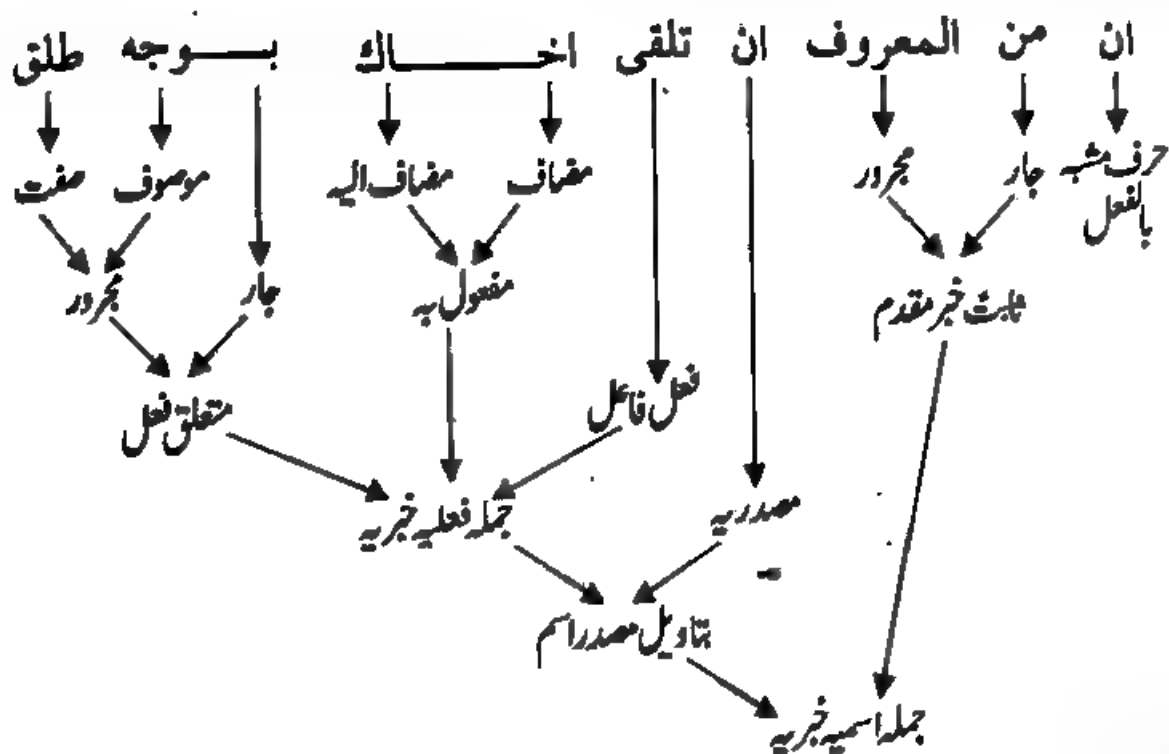
وجہ چہرے کو کہتے ہیں اور ذات کو بھی، جیسے ”وَبَقِيَ وَجْهُ رَبِّكَ قُوْلُ الْجَلَالِ وَالْاُكْرَامِ“ کہ اللہ کی ذات باقی رہے گی۔

طلق بروزن فعل باب کرم سے مصدر ہے بمعنی خوش ہونا۔

ترکیب:

ان حرف مشبہ بالفعل من حرف جار المعروف مجرور، جار مجرور متعلق بابت خبر مقدم کے، ان مصدر یہ تلقی فعل فاعل اخاک مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول بہ ب جار وجہ موصوف طلق مفت، موصوف مفت مل کر مجرور، جار مجرور متعلق ہوئے فعل کے، فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر بناویدل مصدر اسم ہوا ان کا۔ ان اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

نقشه تركيب:



تخریج حدیث:

(١) مسلم: حدیث نمبر ٢٦٢٦، کتاب البر والصلة

(٢) ترمذی: حدیث نمبر ١٩٧٠، ابواب البر والصلة



۱۳ سلام میں پہل کرنے کی فضیلت

إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِاللّٰهِ مَنْ بَدَأَ بِالسَّلَامِ

ترجمہ:

”لوگوں میں سے اللہ کے نزدیک سب سے قریب وہ شخص ہے، جو سلام میں پہل کرے۔“

تشریح:

اسلام کے آنے سے پہلے عربوں کے معاشرے میں ایک دوسرے سے ملنے اور ملاقات کے وقت مختلف قسم کے رسی جملے معروف تھے لیکن وہ سب ناقص، اور بعض تو اسلامی عقائد کے مخالف بھی تھے۔ اسلام نے ان سب کی جگہ ایک جامع اور بہترین کلمہ عطا کیا، جس میں امن و سلامتی اور رحمت کی دعا تھی، یعنی ”السلام علیکم ورحمۃ اللہ“ اور پھر اس کلمے کو عام کیا گیا۔ آپ ﷺ نے متعدد مرتبہ اس کی تاکید کی کہ سلام کو رواج دو۔ صحابہ رضی اللہ عنہم میں اس بات کا بہت اہتمام تھا اگر ایک آدمی مجلس سے اٹھ کر گیا ہو واپس آئے تب بھی وہ سلام کرتا تھا۔ مذکورہ بالا روایت میں بھی سلام کی فضیلت و اہمیت ہے اور اس میں سلام میں پہل کرنے والے کا مرتبہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ اللہ کے قریب ترین شخص ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ سلام میں پہل کرنا ہی اصل ہے اور یہی مشکل کام ہوتا ہے، اس لیے اس کی فضیلت زیادہ ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو آدمی سلام میں پہل کرتا ہے وہ تکبر سے بچ جاتا ہے۔

لغوی و صرفی تحقیق:

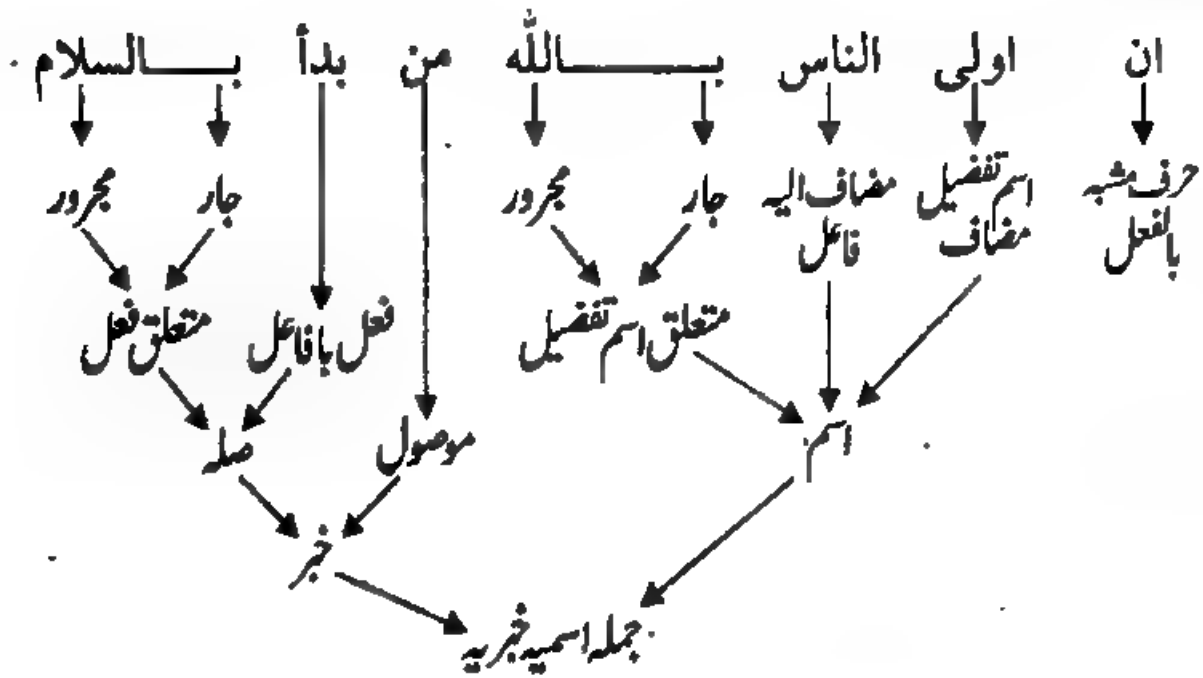
اولی اسم تفضیل کا صیغہ ہے ولی یلی باب سے۔ ہفت اقسام میں سے لفیف مفروق ہے، حروف اصلی، و، ل، ی، ہیں بمعنی زیادہ بہتر، حقدار، قریبی۔

بدأ فعل ماضی، مہوز الملام بمعنی ابتدا کرنا، شروع کرنا، پہل کرنا۔

ترکیب:

ان حرف مشبہ بالفعل اولی مضاف اسم تفضیل الناس مضاف الیہ فاعل ب جار لفظ اللہ مجرور، جار مجرور متعلق اولی صیغہ تفضیل کے، صیغہ تفضیل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر اسم۔ من اسم موصول بدأ فعل ضمیر اس کا فاعل ب جار السلام مجرور، جار مجرور متعلق ہونے فعل کے، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر صلا موصول صلا کر خبر، ان اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) ابو داؤد: حدیث نمبر ۵۱۹۷، باب فی فضل من بدأ بالسَّلام: کتاب الادب

۳۳ سود کا انجام

إِنَّ الرِّبَاَ وَإِنْ كَثُرَ فَإِنَّ عَاقِبَتَهُ تَصِيرُ إِلَى قُلِّ

ترجمہ:

”بلاشبہ! سود اگرچہ زیادہ ہی ہو آ خر کار وہ کسی میں تبدیل ہو جاتا ہے۔“

تشریح:

سود ان برائیوں میں سے ہے جن کی کسی مذہب، کسی قوم و ملت کے اخلاقی ضابطے اور اصول میں گنجائش نہیں دی گئی۔ اسے ہمیشہ ایک فطری کمزوری، اخلاقی برائی، اور مذہبی اعتبار سے ایک گناہ کے طور پر لیا گیا ہے۔ اسلامی شریعت میں سود لینے کو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کا مرادف ٹھہرایا گیا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ سود کے گناہ کے کئی درجات ہیں۔ ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ آدمی اپنی کسی محرم عورت سے منہ کالا کرے۔ مذکورہ حدیث میں سود کو معاشی حوالے سے بھی ایک نقصان دہ چیز شمار کیا گیا ہے، یعنی سود میں اگرچہ بظاہر مال بڑھتا ہے لیکن آخر کار یہ اضافہ کسی اور نقصان میں بدل جاتا ہے اور اس کی مثال اس جسم کی سی ہوتی ہے جو بیماری اور ورم کی وجہ سے سوچ جائے تو اسے صحت مند اور فربہ نہیں کہتے، کیونکہ اس نے آخر کار پھٹنا ہے یا اس پر نشتر چلنا ہے اور فاسد مواد پیپ وغیرہ باہر آتی ہے۔ یہی حال سودی معیشت کا ہے کہ اس کا ظاہری حجم چاہے کچھ بھی ہو، اس کی بنیاد پر حقیقی خوشحالی، غربت کا خاتمہ، اور مثالی معاشرہ قائم نہیں ہو سکتا۔

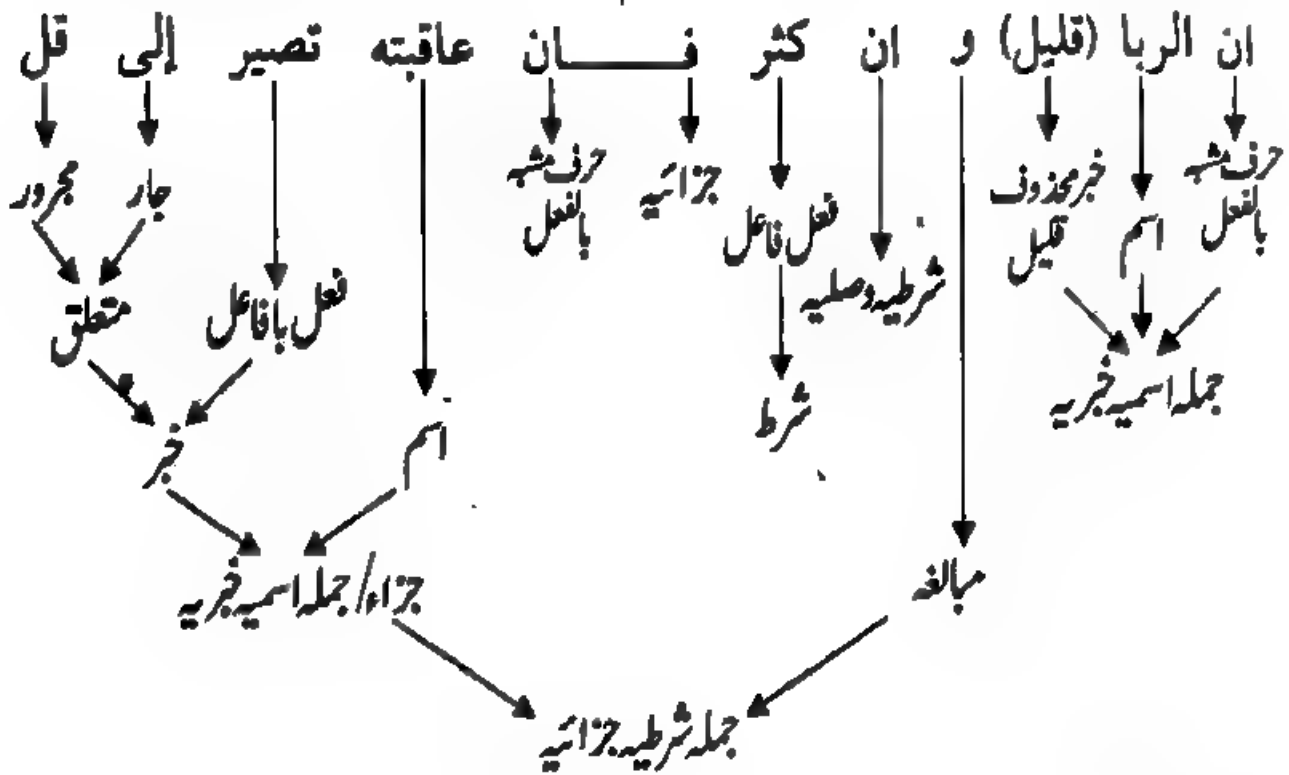
لغوی و صرفی تحقیق:

الربا یہ باب نصر سے مصدر ہے ہفت اقسام کے اعتبار سے ناقص وادی ہے، لغت میں مطلق زیادتی اور اضافے کو ربا کہتے ہیں اور شرعی اصطلاح میں قرض کے بدلے نفع اور عوض سے خالی شے کو ربا کہتے ہیں۔ عاقبۃ اسم فاعل باب نصر اور ضرب، معنی بدلہ، اچھا بدلہ، انجام۔ قل مصدر ہے بمعنی کم ہونا، نقصان ہونا، ختم ہونا۔

ت ترکیب:

ان حرف مشبہ بالفعل الربا اسم قلیل محذوف خبر، ان اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ و مبالغہ ان وصلیہ شرطیہ کثر فعل فاعل مل کر شرط، ف جزائیہ ان حرف مشبہ بالفعل عاقبتہ مضاف مضاف الیہ مل کر اسم تصبیر فعل فاعل الی جار قل مجرور، جار مجرور متعلق فعل کے، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر خبر۔ ان اپنے اسم اور خبر سے مل کر جزا۔ شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ ہوا۔

نقشه ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) مسند امام احمد: حدیث نمبر ۳۷۵۴



۵۵ غصہ ایمان کا دشمن ہے

إِنَّ الْغَضَبَ لَيُفْسِدُ الْإِيمَانَ كَمَا يُفْسِدُ الصَّبْرُ الْعَسَلَ

ترجمہ:

”بلاشبہ! غصہ ایمان کو ایسے ہی خراب کرتا ہے جیسے ایلو اشد کو خراب کرتا ہے۔“

تشریح:

انسان جب غصے میں آتا ہے تو شیطان بہت خوش ہوتا ہے اور بغلیں بجاتا ہے بلکہ انسان پر ہنستا ہے کہ دیکھو میں نے اسے چھوٹی سی بات پر کیسے بے وقوف بنا دیا ہے۔ کیونکہ غصے میں آدمی واقعتاً بہت سے وہ کام کر جاتا ہے جو عام حالات میں وہ سوچ بھی نہیں سکتا۔ غصہ عقل کو ڈھانپ لیتا ہے۔ جب آدمی ایسے اٹے پٹے کام کرتا ہے تو آدمی کا ایمان اور اس کے تقاضے متاثر ہوتے ہیں۔ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ نرم کلامی ہو، درگزر ہو، بدزبانی نہ ہو، بے عزتی نہ ہو، گالی گلوچ نہ ہو، لڑائی اور ہاتھ پائی نہ ہو، دنگا فساد نہ ہو، جبکہ غصے کا تقاضا یہ ہے کہ یہ سب باتیں ہوں۔ اس لیے غصے اور ایمان میں کوئی جوڑ نہیں۔ بلکہ اگر کوئی نسبت دونوں میں ہے تو وہی جو آگ اور پانی کی ہے یا جو نسبت ایلو اور شہد کی ہے کیونکہ شہد ایمان کی طرح بہت بیٹھا اور شیریں ہے جبکہ ایلو غصے کی طرح بہت زیادہ کڑوا کیلا ہے۔ غصے کے وقت انسان کو اپنے آپ کو قابو کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ دل میں یہ سوچے کہ جو کچھ ہوا اللہ کی طرف سے تھا، اور عملایہ کرے کہ اگر کھڑا ہو تو بیٹھ جائے۔ اگر بیٹھا ہو تو لیٹ جائے، لا حول ولا قوۃ پڑھے اور وضو کرے۔ جگہ بدل لے۔ وغیرہ وغیرہ۔

لغوی و صرفی تحقیق:

غضب مصدر ہے باب ضرب یضرب سے یفسد فعل مضارع باب افعال سے بمعنی بگاڑنا، خراب کرنا۔

الصبر ایلو ایک کڑوی جڑی بوٹی، جو انتہائی بد ذائقہ ہوتی ہے۔

العسل شہد، انگبین۔

ترکیب:

ان حرف مشبہ بالفعل الغضب اسم لیفسد فعل فاعل الایمان مفعول بہ لک جار ما موصولہ یفسد فعل الصبر فاعل العسل مفعول بہ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ موصول صلہ مل کر مجرور، جار مجرور متعلق ہوئے فعل کے، فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر خبر، ان اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا،

۱۳۱) سچ اور جھوٹ کا تقابل

إِنَّ الصِّدْقَ بَرٌّ وَإِنَّ الْبِرَّ يَهْدِي إِلَى الْجَنَّةِ، وَإِنَّ الْكِذْبَ فُجُورٌ وَإِنَّ
الْفُجُورَ يَهْدِي إِلَى النَّارِ

ترجمہ:

”بلاشبہ! سچ ایک نیکی ہے اور ہر نیکی جنت تک لے جاتی ہے، اور جھوٹ ایک برائی ہے اور ہر برائی جہنم کی طرف لے جانے والی ہے۔“

تشریح:

سچ بولنا اور جھوٹ سے بچنا ویسے تو ہر انسان کا ایک اخلاقی فرض اور اپنی فطرت کا تقاضا ہے کیونکہ ہر انسان یہ چاہتا ہے کہ میرے سے سچ بولا جائے جھوٹ نہ بولا جائے۔ شریعت نے اسی تقاضے کو مزید تاکید کے ساتھ مختلف انداز سے نصوص میں ذکر کیا ہے۔ ایک حدیث یہ بھی ہے جس میں بڑے منطقی اور معقول طریقے سے جھوٹ کا جہنم میں لے جانا بتایا گیا ہے، فرمایا سچ کا نیکی ہونا، اور جھوٹ کا برائی ہونا سب کو پتہ ہے اور یہ بھی علم ہے کہ نیکی جنت کو لے جائے گی اور برائی جہنم کو۔ تو اس سے لامحالہ یہ نتیجہ نکلا کہ سچ جنت کو اور جھوٹ جہنم کو لے جائے گا۔

لغوی و صرفی تحقیق:

بر مصدر ہے، ہفت اقسام سے مضاعف ملائی ہے، جمع ابرار آتی ہے۔

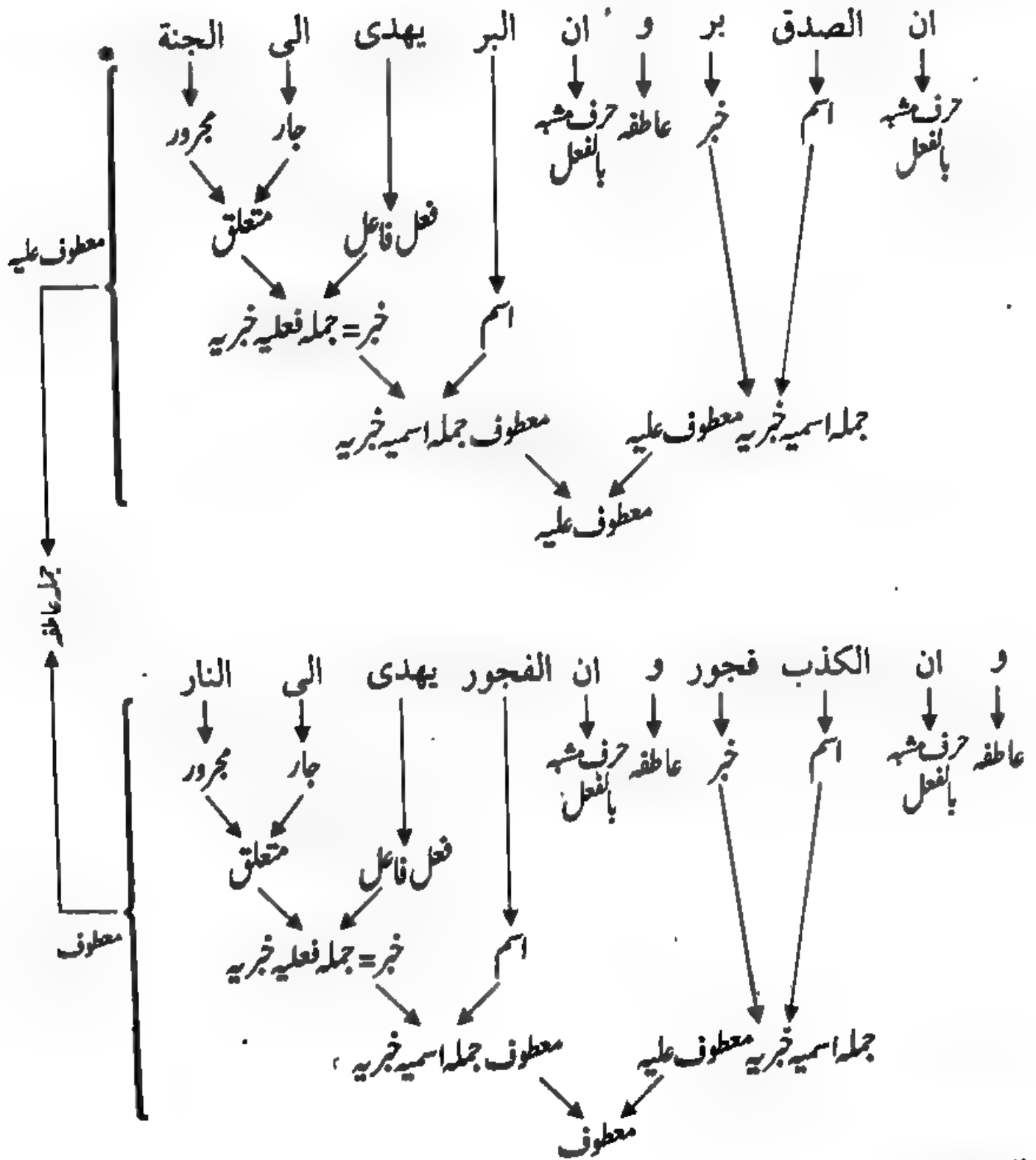
فجور باب نصر سے مصدر ہے بمعنی برائی، گناہ، بدی۔

النار مفرد ہے بمعنی آگ اس کی جمع نیران آتی ہے۔

ترکیب:

ان حرف مشبہ بالفعل الصِّدْقَ اسم بر خبر، اسم و خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ و عاطفہ ان حرف مشبہ بالفعل البر اسم یهدی فعل بافاعل الی جار الجنة مجرور، جار مجرور متعلق فعل کے، فعل فاعل اور متعلق مل کر خبر، ان اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر اگلے جملے کے لیے پھر معطوف، و عاطفہ، ان حرف مشبہ بالفعل الکذب اسم فجور خبر، اسم اور خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ، و عاطفہ ان حرف مشبہ بالفعل الفجور اسم یهدی فعل فاعل الی جار الجنة مجرور، جار مجرور متعلق ہوئے فعل کے، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر خبر، ان اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر معطوف، معطوف معطوف علیہ سے مل کر معطوف۔ پچھلے جملے کے لیے، دونوں معطوفات مل کر جملہ عاطفہ ہوا۔

نقشه تركيب:



تخریج حدیث:

(١) مسلم شریف: باب قبح الکذب وحسن الصدق: کتاب البر والصلة

(٢) ابو داؤد: باب التشہید فی الکذب: کتاب الادب

۱۴) چند ممنوعہ چیزیں

إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ عُقُوقَ الْأُمِّهَاتِ وَوَادَ الْبَنَاتِ وَمَنْعَ وَهَاتٍ وَكَرِهَ لَكُمْ قَيْلَ وَقَالَ وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ وَإِضَاعَةَ الْمَالِ

ترجمہ:

”بلاشبہ! اللہ نے تم پر حرام کی ہیں یہ چیزیں۔ (۱) ماؤں کی نافرمانی (۲) بچیوں کو زندہ درگور کرنا (۳) بخل کرنا (۴) مانگنا۔ اور ناپسند کی ہیں یہ باتیں۔ (۱) فضول گفتگو (۲) زیادہ سوال کرنا (۳) مال کو ضائع کرنا۔“

تشریح:

مذکورہ حدیث میں متعدد چیزوں سے منع کیا گیا ہے۔ سب سے پہلے ماں کی نافرمانی کو ذکر کیا ہے کیونکہ یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ پھر زمانہ جاہلیت میں عرب جو بچیاں زندہ دفن کر دیتے تھے ان کے بارے میں سختی سے منع کیا گیا ہے۔ پھر بخل سے یعنی جزی اور اپنے مال میں کتبوی سے منع کیا گیا، کہ کتبوی نہ کرو بلکہ راہ خدا میں صرف زکوٰۃ، عشر ہی نہیں اس کے علاوہ بھی بڑھ چڑھ کر خرچ کیا کرو۔ پھر یہ فرمایا: کہ لوگوں سے مانگنا اور گداگری بھی حرام ہے جس شخص کے پاس ایک دن رات کی روزی، روٹی موجود ہو اس کے لیے دوسروں سے صدقہ وغیرہ مانگنا درست نہیں قرض وغیرہ لے سکتا ہے۔

اور جو چیزیں شریعت نے قطعی حرام نہیں کیں لیکن ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا ہے، ان میں پہلی چیز فضول اور لا یعنی گفتگو ہے، جس سے نہ دنیا میں کچھ حاصل ہو اور نہ آخرت کے اعتبار سے وہ مفید ہو، اور دوسری چیز علمی مجالس اور اپنے بڑے علماء و مشائخ سے زیادہ یعنی بات بات پر سوال کرنے کو ناپسند کیا ہے۔ تاکہ مسائل میں بنی اسرائیل کی گائے کی طرح تنگی اور حرج واقع نہ ہو اور تیسری چیز مال کا ضائع کرنا ہے۔ اپنی ضروریات اور حاجت سے زیادہ مال کو خرچ کرنا، اور ایسے کاموں میں مال لگانا جو آخرت کے اعتبار سے مفید نہ ہو یہ مال کی اضعاف ہے جیسے سگریٹ نوشی، اور فضول کھیلوں پر پیسہ لگانا۔

لغوی و صرفی تحقیق:

عقوق مصدر ہے، مضاعف ثلاثی، بمعنی نافرمانی۔

الامہات ام کی جمع ہے، بمعنی ماں، والدہ۔

واد مصدر ہے مہوز العین، بمعنی زندہ درگور کرنا۔

ہات اسم فعل ہے بمعنی لاؤ، دو، عطا کرو۔

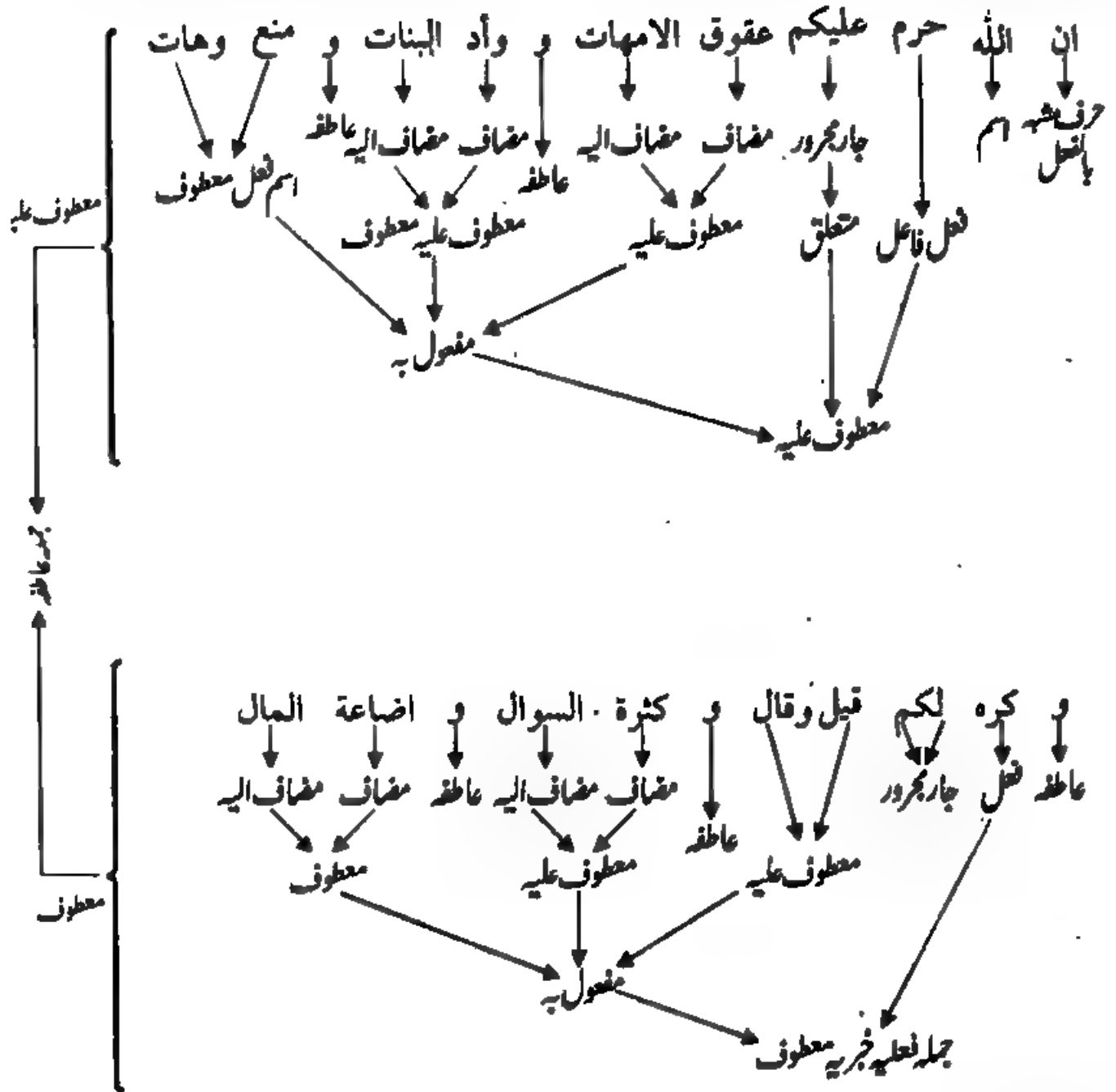
قیل وقال یہ اردو میں بھی انہی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ قیل وقال مراد ہے فضول گفتگو۔

اضاعۃ باب افعال سے مصدر ہے، اجوف یا ئی، بمعنی ضائع کرنا۔

ترکیب:

ان حرف مشہہ بالفعل لفظ اللہ اسم حرم فعل ضمیر اس کا قائل علیکم جار مجرور متعلق فعل، عقوق مضاف الیہ الامہات مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف علیہ، و عاطفہ واد مضاف البنات مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر پھر معطوف علیہ، و عاطفہ منع و ہات اسم فعل معطوف، تمام معطوفات مل کر مفعول بہ فعل اپنے قائل متعلق اور مفعول بہ سے مل کر معطوف علیہ، و عاطفہ کرہ فعل لکم جار مجرور متعلق فعل قیل و قال بتاویل مفرد معطوف علیہ، و عاطفہ کثرۃ مضاف السوال مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ معطوف علیہ، و عاطفہ اضاعۃ مضاف المال مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف، تمام معطوفات مل کر مفعول بہ۔ فعل اپنے قائل اور متعلق اور مفعول بہ سے مل کر پچھلے جملے کے لیے۔ معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر خبر، ان اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

نقشه ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) مسلم شریف: حدیث نمبر ۶۸۰۴ باب النہی عن کثرة السائل

۳۸ اللہ کے ہاں سب سے محبوب عمل

إِنَّ أَحَبَّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللَّهِ الْحُبُّ فِي اللَّهِ وَالْبُغْضُ فِي اللَّهِ

ترجمہ:

”اللہ کے ہاں سب سے پسندیدہ اور محبوب عمل اللہ کے لیے محبت اور اللہ کے لیے نفرت ہے۔“

تشریح:

قرآن پاک میں ہے۔ ”قُلْ إِنْ صَلَّيْتُ وَنَسَّيْتُ وَصَلَّيْتُ وَنَسَّيْتُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ“ کہہ دیجئے میری نماز اور میری قربانی، میری زندگی اور میری موت سب اللہ ہی کے لیے ہے، جو تمام جہانوں کا رب ہے۔ اسلام کا مطلب ہے مطیع ہونا، اللہ کے سامنے سر تسلیم خم کرنا، کہ اب خدا ہی کے حکم سے چلوں گا اور اسی کے حکم سے بیٹھوں گا، اور جو کچھ بھی کروں گا وہ خدا کی رضا کے لیے ہی ہوگا۔ اس چیز کو اخلاص اور للہیت کہتے ہیں۔ مذکورہ حدیث بھی اخلاص کے بارے میں ہے لیکن اس میں ایک نہایت اہم بات کی طرف متوجہ کیا گیا ہے اور وہ یہ کہ کسی سے محبت کرنا اور کسی سے نفرت کرنا، یہ عام طور سے غیر اختیاری اور انسان کا ایک فطری جذبہ ہوتا ہے جو کسی ضابطے اور قاعدے کا پابند نہیں ہوتا، لیکن یہاں یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ خدا کے لیے خلوص کی انتہا یہ ہے، کہ تمہارے یہ خالص فطری جذبات بھی اپنی خواہشات کے تابع نہیں حکم خداوندی کے منتظر ہونے چاہئیں۔ خدا کا حکم ہو کہ کسی سے محبت کرو تو دل و جان سے محبت کرو۔ اور اگر خدا کہہ دے کہ سگا باپ بھی چھوڑ دو تو دوسرا لفظ نہ بولو۔

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے

یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لیے ہے

لغوی و صرفی تحقیق:

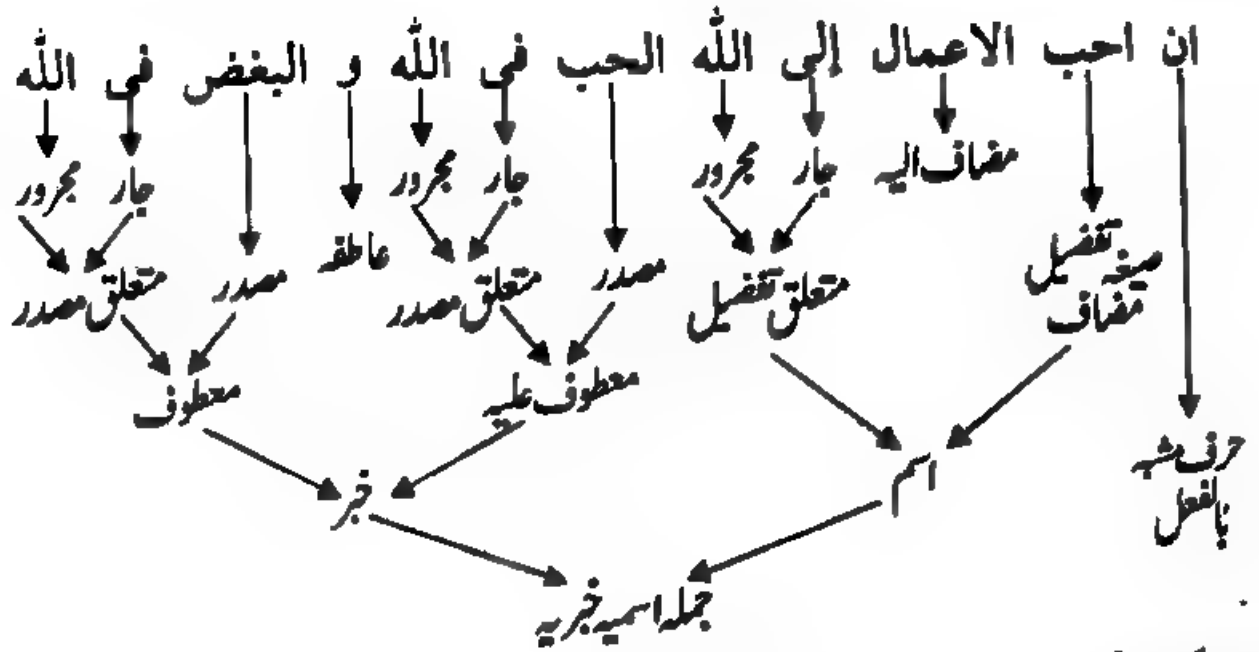
احب صیغہ اسم تفضیل ہے حب سے مضاعف ثلاثی ہے۔

البغض مصدر ہے بمعنی نفرت۔

ترکیب:

ان حرف مشبہ بالفعل احب صیغہ اسم تفضیل مضاف الاعمال مضاف الیه الی جار لفظ اللہ مجرور، جار مجرور متعلق صیغہ تفضیل کے، صیغہ اسم تفضیل اپنے متعلق سے مل کر اسم ہوا ان کا، الحب مصدر فی جار لفظ اللہ مجرور، جار مجرور متعلق مصدر، معطوف علیہ، و عاطفہ البغض مصدر فی جار لفظ اللہ مجرور، جار مجرور متعلق مصدر معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر خبر، ان اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

نقشه ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) ابو داود: حدیث نمبر ۴۶۰۱، باب محاببة اهل الهواء، کتاب السنة

(۲) مسند احمد: حدیث نمبر ۲۱۳۰۳

۱۹۹ علماء و طلباء کا مقام

أَلَا إِنَّ الدُّنْيَا مَلْعُونَةٌ مَلْعُونٌ مَا فِيهَا إِلَّا ذَكَرُ اللَّهِ وَمَا وَالَاهُ وَعَالِمٌ أَوْ مُتَعَلِّمٌ

ترجمہ:

”یاد رکھو! دنیا ملعون ہے اور جو کچھ اس کے اندر ہے وہ بھی ملعون ہے سوائے اللہ کے ذکر کے اور ان چیزوں کے جو ذکر کے قریب ہیں۔ اور سوائے عالم کے یا طالب علم کے۔“

تشریح:

مذکورہ حدیث میں نبی ﷺ نے فرمادیا ہے کہ دنیا میں جو کچھ بھی ہے وہ سارے کا سارا خدا کی نظر رحمت سے دور ہے بلکہ لعنت کا مستحق ہے۔ البتہ چار طرح کے لوگ اور کام اس لعنت سے خارج ہیں۔ (۱) اللہ کا ذکر۔ جو بھی شخص ذکر کر لے والا ہو گا وہ لعنت سے خارج ہو جائے گا۔ (۲) ذکر کے ساتھ قرب و تعلق رکھنے والی چیزیں جیسے امر بالمعروف و نہی عن المنکر۔ دعوت و تبلیغ، جہاد وغیرہ جیسی وہ چیزیں جن میں حکم خداوندی کو پورا کیا جاتا ہے۔ اسی طرح وہ امور دنیویہ جو شریعت کے مطابق سرانجام دیئے جائیں کیونکہ وہ بھی باعث ثواب ہوتے ہیں۔ (۳) تیسری چیز عالم دین ہے کیونکہ علم کی بہت زیادہ فضیلت ہے، (۴) اور چوتھی چیز یا آدمی طالب علم ہے جو دین کے علم کی تحصیل میں دن رات لگا ہوا ہے۔

آدمی کو چاہئے کہ وہ اپنے اعمال کا محاسبہ کرے کہ میرا شمار کس طرح کے لوگوں میں ہے۔

لغوی و صرفی تحقیق:

ملعونۃ صیغہ اسم مفعول باب فتح بمعنی لعنت کیا ہوا۔

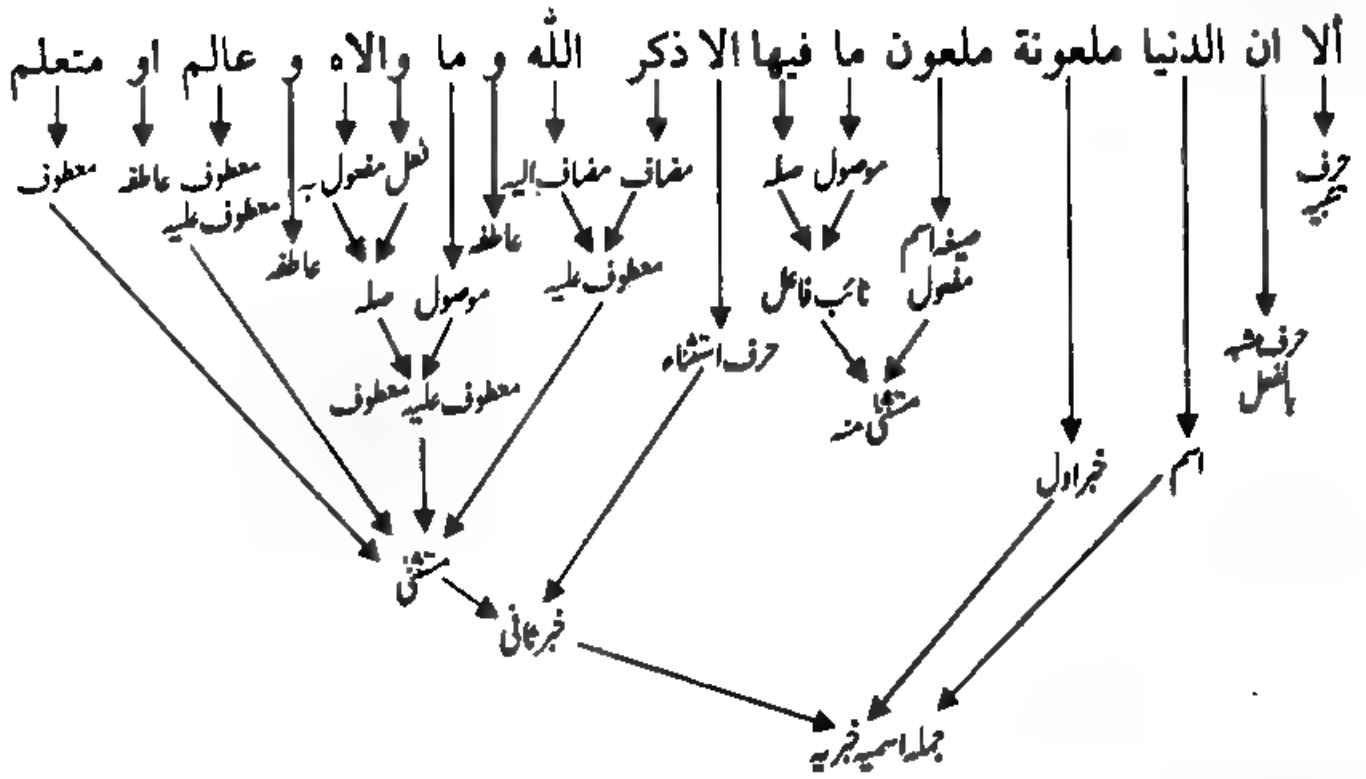
والا یہ ماضی کا صیغہ ہے باب مفاعلہ سے ولی سے لفیف مفروق ہے اور حروف اصلی، و، ل، ی، ہیں بمعنی قریب ہونا، متعلق ہونا، اسی سے ہے موالاة بمعنی دوستی۔

ترکیب:

الا حرف تنبیہ ان حرف معبہ بالفعل الدنیا اسم ملعونۃ خبر اول ملعونۃ صیغہ اسم مفعول ما موصولہ فی جارھا ضمیر مجرور، جار مجرور متعلق ثابت فعل کے، فعل فاعل مل کر صلہ موصولہ مل کر نائب فاعل ملعون کا۔ ملعون اپنے نائب فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر مستثنیٰ منہ الا حرف استثناء ذکر مضاف لفظ اللہ مضاف الیہ، دونوں مل کر معطوف علیہ، و عاطفہ ما اسم موصول والا فعل بافاعلہ ضمیر مفعول بہ فعل فاعل اور مفعول بہ مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ معطوف و عاطفہ عالم معطوف علیہ معطوف، او عاطفہ متعلم معطوف، تمام معطوفات مل کر مستثنیٰ مستثنیٰ منہ سے مل کر خبر ثانی، ان اپنے اسم اور دونوں

”خبروں سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو گیا۔“

نقشه ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) ترمذی: حدیث نمبر ۲۳۲۲، باب ماجاء فی هوان الدنیا، ابواب الزهد،

٢- ابن ماجه: حديث نمبر ٤١١٢، باب مثل الدنيا، كتاب الزهد،



۱۱۰ مرنے کے بعد جاری رہنے والے اعمال

إِنَّ مِمَّا يَلْحَقُ الْمُؤْمِنَ مِنْ عَمَلِهِ وَحَسَنَاتِهِ بَعْدَ مَوْتِهِ عِلْمًا عَلَّمَهُ
وَنَشْرَهُ وَوَلَدًا صَالِحًا تَرَكَهُ أَوْ مُصْحَفًا وَرَّثَهُ أَوْ مَسْجِدًا بَنَاهُ أَوْ بَيْتًا
لِلْبَنِ السَّبِيلِ بَنَاهُ أَوْ نَهْرًا أَجْرَاهُ أَوْ صَدَقَةً أَخْرَجَهَا مِنْ مَالِهِ فِي
صِحَّتِهِ وَحَيَاتِهِ تَلْحَقُهُ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهِ

ترجمہ:

”موت کے بعد انسان کے عمل اور وہ نیکیاں جو اس کو پہنچتی رہتی ہیں۔ ان میں سے چند چیزیں یہ ہیں۔ (۱) اس کا وہ علم جسے اس نے آگے دوسرے لوگوں کو سکھایا اور اس علم کی خوب نشر و اشاعت کی ہو (۲) نیک اولاد جو آدمی دنیا میں چھوڑ کر چلا گیا ہو (۳) قرآن پاک جسے وہ وارثوں کو دے کر رکھا ہو (۴) مسجد بنائی ہو (۵) مسافر خانہ تعمیر کرایا ہو (۶) نہر کھدوائی ہو (۷) اپنی زندگی اور صحت کی حالت میں جو صدقہ اپنے ہاتھ سے اپنے مال میں سے نکالا ہو۔ یہ تمام چیزیں ایسی ہیں کہ ان کا ثواب اس کو مرنے کے بعد بھی ملتا اور پہنچتا رہتا ہے۔“

تشریح:

انسان کے اپنے عمل کا حساب و کتاب تو نزاع اور جان نکلنے کے وقت سے ختم ہو جاتا ہے۔ اور اس کے اعمال والے رجسٹر اس وقت بند کر دیئے جاتے ہیں۔ البتہ کچھ ایسے صدقات جاریہ اور نیکیاں ہیں جن کا ثواب مرنے کے بعد بھی آدمی کو ملتا رہتا ہے۔ ایسے صدقات جاریہ کی بے شمار انواع ہیں لیکن حدیث پاک میں ان میں سے چند ایک اہم اور مشہور مشہور قسموں کو ذکر کیا گیا ہے۔ آدمی کو اول تو زندگی میں ہی نیک اعمال کا کافی وافی ذخیرہ رکھنا چاہیے ورنہ کم از کم یہ ضرور سوچ رکھنی چاہیے کہ میں مرنے سے پہلے کوئی ایسا کام چھوڑ کر مروں جس کا ثواب مجھے مرنے کے بعد بھی ملتا رہے۔

لغوی و صرفی تحقیق:

يلحق فعل مضارع ہے بمعنی لاحق ہونا، ملنا، پہنچنا۔

حسنات جمع ہے حسنة کی بمعنی نیکی، اچھی بات، بھلائی۔

علم باب تفعیل سے بمعنی تعلیم دینا، سکھانا۔

نشر پھیلا نا۔ مصحف قرآن پاک کا نسخہ۔

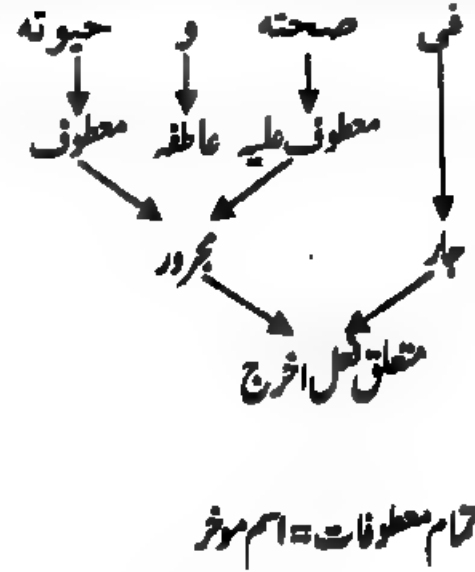
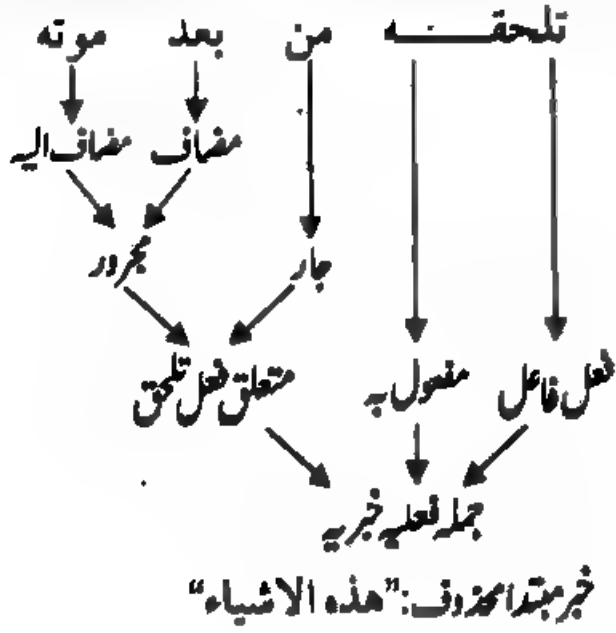
ابن السبیل راستے کا بیٹا، مراد مسافر ہے۔

اجری کھدواتا، نکلواتا، جاری کرنا، چلواتا۔

ترکیب:

ان حرف مشبہ بالفعل من جارہ ما موصولہ یلحق فعل فاعل الموم من مفعول بہ من جارہ بیانہ عملہ معطوف علیہ و عاطفہ حسناتہ معطوف، دونوں مل کر مجرور، جار مجرور متعلق ہوئے فعل کے بعد مضاف موتہ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول فیہ، یلحق فعل اپنے فاعل مفعول بہ مفعول فیہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ، موصول صلہ مل کر مجرور متعلق ہوئے ثابت مقدر کے، ثابت مقدر خبر مقدم (آگے ذرا لمبی ترکیب ہے توجہ مطلوب ہے)

علماً موصوف عملہ معطوف علیہ و عاطفہ نشرہ معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر صفت، موصوف صفت مل کر معطوف علیہ و عاطفہ ولداً موصوف صالحاً صفت اول ترکہ فعل فاعل جملہ فعلیہ ہو کر صفت ثانی، موصوف اپنی دونوں صفتوں سے مل کر معطوف علیہ معطوف او عاطفہ مصحفاً موصوف ورثہ صفت، موصوف صفت مل کر معطوف علیہ معطوف، او عاطفہ مسجداً موصوف بناہ صفت، موصوف صفت، معطوف علیہ معطوف، او عاطفہ بیتاً موصوف لام جار ابن مضاف السبیل مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور متعلق ثابتاً محذوف کے، ثابتاً محذوف صفت اول ہوا بیتاً کی، بناہ صفت ثانی۔ موصوف اپنی دونوں صفتوں سے مل کر معطوف علیہ معطوف، او عاطفہ نہراً موصوف اجراء صفت، موصوف صفت معطوف علیہ معطوف او عاطفہ صدقۃ موصوف اخرج فعل فاعل ضمیر مفعول بہ من جار مالہ مجرور، جار مجرور متعلق فعل اخرج کے، فی جار صحتہ معطوف علیہ و عاطفہ حیوانہ معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر مجرور، جار مجرور متعلق فعل اخرج کے اخرج فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر صفت صدقۃ کی، موصوف صفت مل کر معطوف، تمام کے تمام (سات) معطوفات مل کر اسم مؤخر ہوئے ان کا، ان اپنی خبر مقدم اور اسم مؤخر کے ساتھ مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ تلحق فعل ضمیر اس کا فاعل ضمیر مفعول بہ من جار بعد مضاف موتہ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور متعلق فعل کے، فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر خبر ہوئی مبتدا محذوف کی اور وہ ہے "ہذہ الاشیاء" عبارت یوں بنے گی "ہذہ الاشیاء تلحقہ من بعد موتہ" واللہ اعلم



تخریج حدیث:

(۱) ابن ماجہ: حدیث نمبر ۲۳۸، باب ثواب معلّم الخیر



۱۱۱) اللہ دین کا کام کسی سے بھی لے سکتے ہیں

إِنَّ اللَّهَ لَيُوَيِّدُ هَذَا الدِّينَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ

ترجمہ:

”بلاشبہ! اللہ اس دین کی تائید و نصرت ایسے آدمی سے بھی کر دیتے ہیں جو فاسق و فاجر ہو۔“

تشریح:

حدیث میں آتا ہے کہ ایک جنگ کے موقع پر ایک صاحب کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا: کہ وہ آدمی جہنمی ہے دوسرے روز جب لڑائی ہوئی تو اس آدمی نے مسلمانوں کی طرف سے خوب لڑائی کی اور خود بھی بری طرح زخمی ہوا۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر سب کو تعجب ہوا کہ یہ کیا ہوا لیکن آخر کار اس شخص نے زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے خود کو تیر سے ہلاک کر دیا اس سے سب کو رسول اللہ ﷺ کی بات کا سچا ہونا معلوم ہو گیا اس کے بعد آپ ﷺ نے حضرت بلال سے فرمایا: کہ یہ اعلان کر دو! کہ اللہ اپنے دین کا کام اور نصرت کسی برے آدمی سے بھی لے سکتا ہے۔ یہاں رجل فاجر سے مراد کون ہے؟ کافر یا بے عمل مسلمان دونوں ہی باتیں ہو سکتی ہیں۔ اس حدیث میں دین کا کام کرنے والے لوگوں کے لیے بھی خاص تنبیہ ہے کہ وہ محض دین کا کام کر لینے کو اپنی نجات کے لیے کافی نہ سمجھیں بلکہ اپنی ذات اور اعمال کی اصلاح اور درستی کی فکر کرتے رہیں۔

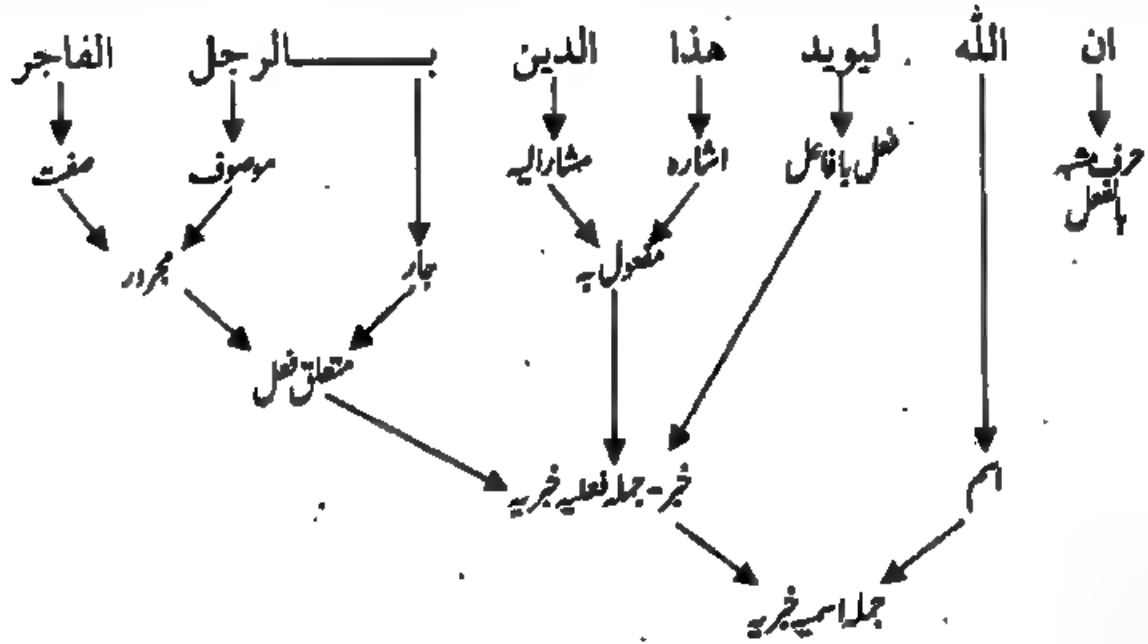
لغوی و صرفی تحقیق:

یوید باب تفعیل سے فعل مضارع ہے، اور ہفت اقسام کے اعتبار سے مہوز للغاء اجوف یاکی ہے۔ حروف اصلی، ای، و، ہیں بمعنی تائید کرنا، مدد کرنا، نصرت کرنا۔

ترکیب:

ان حرف مشبہ بالفعل لفظ اللہ اسم لیوید فعل بافاعل هذا اشاره الدین مشار الیہ، اشاره مشار الیہ مل کر مفعول بہ، فعل فاعل مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر خبر، ان اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) یعاری: حدیث نمبر ۳۰۶۲، باب ان اللہ لیوید هذا الدین، الخ



۱۱۲ قیامت کی ایک علامت

إِنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ يَتَبَاهَى النَّاسُ فِي الْمَسَاجِدِ

ترجمہ:

”قیامت کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ لوگ مسجدوں کے بارے میں فخر کرنے لگ جائیں۔“

تشریح:

قیامت کی دیگر علامتوں میں سے ایک علامت یہ ہے کہ لوگ مسجد جیسی عبادت کی جگہ اور تقدس کے مقام کو بھی اپنی فخر و مباہات اور بڑائی میں استعمال کرنے لگیں گے، اور ہر ایک یہ کہے گا کہ ہماری مسجد بڑی عالیشان ہے، یہ بہت اعلیٰ تعمیر کا نمونہ ہے، یہ اس مسجد سے اچھی ہے، اور ایسا کرنا ظاہر ہے مقصد شرعی کے خلاف ہے، کیونکہ مساجد اس کام کے لیے تو نہیں وہ تو اللہ کی یاد اور اسلام کی خدمت کے لیے بطور مرکز ہیں۔ اسی حدیث کی بنیاد پر علماء نے یہ فرمایا ہے کہ مسجدوں کی تعمیر و تزئین میں مباہات نہیں ہونا چاہیے کہ یہ لازماً مباہات کا سبب بن جاتا ہے، اور ویسے بھی لوگ مساجد کے اصلی مقصد کو بھول کر انہیں بنانے سنوارنے میں لگے رہیں گے، مسجد کی تزئین ہوتی رہے گی لیکن نماز کا ہوش نہیں ہوگا، اور مسجد کی اس خدمت کو کافی سمجھے رکھیں گے، البتہ بعض علماء نے یہ فرمایا ہے کہ مساجد کی تعمیر کا معیار عام آبادی کی عمارات کے مقابلے میں اتنا پست بھی نہیں ہونا چاہیے کہ جس سے مسجد کی تحقیر ہو۔

لغوی و صرفی تحقیق:

اشراط بروزن افعال جمع ہے شرط کی بروزن مرض بمعنی علامت۔

الساعة بمعنی وقت، اصطلاحاً بمعنی قیامت۔

یتباهی ناقص سے فعل مضارع ہے بمعنی فخر کرنا۔

ترکیب:

ان حرف مشبہ بالفعل من جار اشراط مضاف الساعہ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور متعلق ہوئے ثابت خبر مقدم کے، ان نامہ یتباهی فعل مضارع الناس فاعل فی جار المساجد مجرور، جار مجرور متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر متاویل مصدر اسم مؤخر، ان اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

(انما)

اس باب میں وہ اسمیہ جملے ذکر کیے جائیں گے جن کے شروع میں انما ہوگا

③ جہالت کا علاج

انما شفاء العی السؤال

ترجمہ:

”بلاشبہ جہالت کا علاج سوال کرنا ہے۔“

تشریح:

ایک حدیث میں آتا ہے کہ چند صحابہ سفر میں تھے ایک صحابی کے سر میں پتھر لگا، رات سوئے تو انہیں نہانے کی حاجت ہوگئی انہوں نے ساتھیوں سے پوچھا کہ میں تیمم کر لوں؟ ایک صاحب نے انہیں تیمم سے منع کیا، اس لیے انہوں نے غسل کیا، جب غسل کیا تو ان کی وفات ہوگئی۔ جب صحابہ نے یہ بات آپ ﷺ کے سامنے ذکر کی تو آپ ﷺ نے ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: تمہارا ناس ہوا! تم نے اسے قتل کر دیا جب تمہیں علم نہیں تھا تو پوچھ لیتے، کیونکہ لاعلمی اور جہالت کی بیماری کا علاج پوچھنا ہے، اگر تم نے پوچھا ہوتا تو یہ مصیبت نہ آتی۔ قرآن پاک میں ہے ”فَسْئَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ“ ترجمہ: ”اگر تمہیں علم نہ ہو تو اہل علم سے پوچھ لو!“

ظاہر بات ہے کہ ساری باتوں کا علم ایک عام آدمی کو نہیں ہو سکتا اس لیے اسے اس بات کا پابند بنایا گیا ہے کہ وہ بجائے اپنی عقل چلانے کے کسی عالم سے مسئلہ پوچھے کیونکہ اگر اپنی عقل چلائے گا تو پھر اس کے برے نتائج اور نقصانات سامنے آتے ہیں جیسے اوپر کی روایت میں ذکر ہوا۔ اس حدیث اور آیت سے علماء اور اہل علم و فقہ کی فضیلت اور ان کا مقام اور عوام کا منصب بھی معلوم ہوتا ہے کہ کس کے ذمے کیا ہے؟ عوام کے ذمے یہ ہے کہ وہ اہل علم و تقویٰ پر اعتماد کریں اور اپنے تمام شرعی مسائل ان سے معلوم کریں اپنی عقل نہ چلائیں۔ اور اہل علم کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ شریعت کے مطابق حکم بتانے میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کریں اور کتاب و سنت سے لوگوں کے حالات و واقعات کا صحیح تجزیہ کر کے ان کے لیے حکم بتائیں اور جو بھی حکم بتائیں وہ قرآن و سنت کی کسی دلیل پہنی ہو۔

لغوی و صرفی تحقیق:

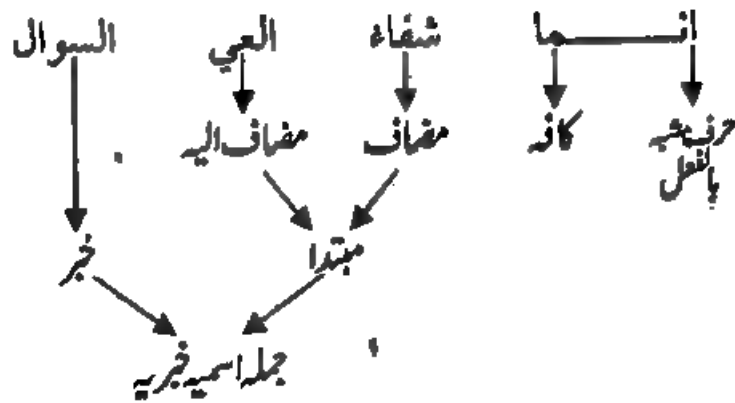
شفاء شفئی یثقی باب ضرب مضرب ہے مصدر ہے ملت اقسام میں سے ناقص یا ئی ہے۔

العی باب مع سے مصدر ہے بمعنی عاجز ہونا، کچھ نہ کرنے والا ہونا، مراد ہے عوام، عامی آدمی جو علم نہ رکھتا ہو اور شریعت کے معاملے میں بے بس ہو۔

ترکیب:

ان حرف مشبہ بالفعل ما کاف عن العمل، کافہ کا مطلب ہے روکنے والا، اس ما کو کافہ اس لیے کہتے ہیں کہ یہ ما ان کو عمل کرنے یعنی اسم کو نصب اور خبر کو رفع دینے سے روک دیتا ہے، اس وجہ سے آگے آنے والے اسماء اسم اور خبر نہیں بلکہ مبتدا اور خبر ہیں۔ گویا ما کی وجہ سے ان کا آنا نہ آنا برابر ہو گیا اور یوں ہو گیا جیسے اب یہاں ان حرف مشبہ بالفعل ہے ہی نہیں۔ شفاء مضاف العی مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ ل کر مبتدا السؤال خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) ابو داؤد: حدیث نمبر ۳۳۶، باب المعروح نیم

۱۱۳ اعمال کا دار و مدار خاتے پر ہے

إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالْخَوَاتِيمِ

ترجمہ:

”اعمال کا دار و مدار خاتے پر ہے۔“

تشریح:

مذکورہ بالا روایت پوری اس طرح ہے:

”عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ الْعَبْدَ لَيَفْعَلُ عَمَلَ أَهْلِ النَّارِ وَإِنَّهُ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَيَعْمَلُ عَمَلَ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَإِنَّهُ مِنْ أَهْلِ النَّارِ وَإِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالْخَوَاتِيمِ“

”آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔ آدمی دوزخیوں کے اعمال کرتا رہتا ہے لیکن وہ ہوتا اہل جنت میں سے ہے، اور ایک

آدمی جنتیوں کے اعمال کرتا رہتا ہے لیکن ہوتا وہ اہل جہنم میں سے ہے، اور اعمال کا دار و مدار تو خاتے پر ہے۔“

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی کی آخرت کے اعتبار سے فیصلہ کن گھڑی اور مرحلہ اس کی زندگی کے آخری لحاظ ہیں اگر اس وقت کوئی آدمی مومن ہے تو اس کا شمار مومنین میں ہوگا اور وہ جنت کا مستحق ہوگا، اور اگر اس وقت خدا نخواستہ وہ ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے تو پھر اس کا شمار کافروں میں اور آخرت کی تمام منزلوں میں ناکامی کا منہ دیکھنے والوں میں ہوگا۔ اور خاتے کا کسی انسان کو معلوم نہیں کہ میرا خاتمہ کیسے ہوگا؟ اس لیے ہر انسان کو ڈرتے رہنا چاہیے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے کسی عمل کی وجہ سے اللہ مجھے مرتے ہوئے ایمان سے محروم کر دیں، امام غزالی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ تنہائیوں میں گناہ کرنا یہ ایمان کے سلب ہونے کا ذریعہ ہے، مقام فکر یہ ہے کہ ایمان ہی ایک پونجی ہے اگر وہ بھی شیطان مرتے ہوئے لوٹ لے تو پھر آدمی کے پلے کیا رہ جائے گا، اس لیے ہر دم خاتمہ بالخیر کی دعا مانگتے رہنا چاہیے۔ علماء نے لکھا ہے کہ جو آدمی زندگی میں زیادہ سے زیادہ وقت یاد خدا ہو عمری میں گزرتا ہے اسے مرتے دم تک ایمان کی دولت نصیب رہتی ہے۔

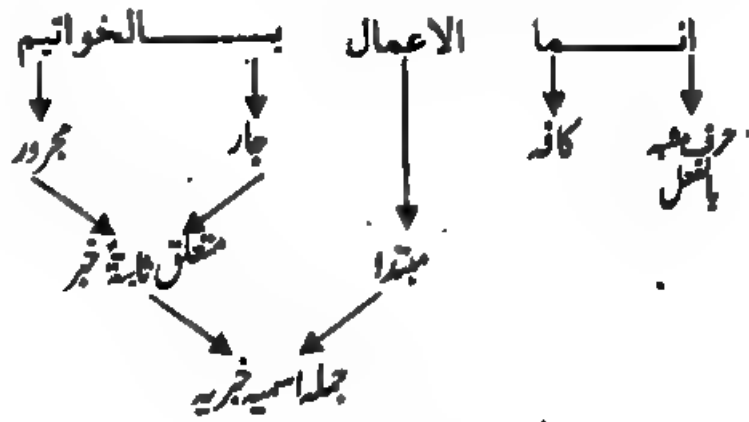
لغوی و صرفی تحقیق:

خواتیم جمع ہے خاتمة کی، جو کہ اسم فاعل کا مینہ ہے باب ضرب۔ ضرب سے، بمعنی آخر، انجام، انجام کار۔

ترکیب:

ان حرف مشبہ بالفعل ما کافہ الاعمال مبتدأ ب جار الخواتیم محرور، جار محرور متعلق ہوئے ثابتہ مضاف کے، ثابتہ مضاف اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر مشبہ جملہ ہو کر خبر، مبتدأ خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

نقشه ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) بخاری: حدیث نمبر ۶۲۳۳، باب العمل بالخواتیم

۱۱۵۔ قبر صرف مٹی کا گڑھا نہیں

إِنَّمَا الْقَبْرُ رَوْضَةٌ مِّنْ رِّيَاضِ الْجَنَّةِ أَوْ حُفْرَةٌ مِّنْ حُفْرِ النَّارِ

ترجمہ:

”قبر یا تو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔“

تشریح:

ایک روایت میں آتا ہے آپ ﷺ نے فرمایا: موت کو یاد کیا کرو کیونکہ قبر ہر روز یہ اعلان کرتی ہے میں وحشت و تنہائی کا گھر ہوں، میں مٹی کا گھر ہوں، میں کیڑوں کا گھر ہوں، جس وقت کوئی نیک آدمی قبر میں رکھا جاتا ہے تو قبر اسے خوش آمدید کہتی ہے، اور پھر اس کی نظر جہاں تک جاتی ہے وہاں تک کھل جاتی ہے، اور جنت کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے، اور جب کوئی برا آدمی قبر میں آتا ہے تو قبر اسے کہتی ہے تیرا آنا، نامبارک، برا کیا جو یہاں آیا، آج میرا سلوک دیکھے گا، پھر وہ قبر چاروں طرف سے یوں تنگ ہو جاتی ہے، کہ اس سے آدمی کی پسلیاں آپس میں مل جاتی ہیں، اور ستر بڑے بڑے سانپ اس پر مسلط کر دیئے جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک سانپ بھی اگر زمین پر پھونکار مار دے تو رہتی دنیا تک کوئی سبز نہ اگے۔ یہ اثر وہاں سے قیامت تک مارتا رہے گا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔ اس لیے قبر کو یہ نہ سمجھو کہ وہ آرام اور سونے کی جگہ ہے بلکہ آخرت کی پہلی منزل ہے یہاں سے آخرت کا معاملہ شروع ہو جاتا ہے اور یہاں ملنے والا عذاب و ثواب قیامت تک جاری رہے گا۔

لغوی و صرفی تحقیق:

القبر باب لعر مصدر سے مصدر ہے، اس کی جمع قبور آتی ہے، مٹی کا گڑھا جہاں میت دفن کی جاتی ہے۔
روضۃ مفرد ہے بمعنی باغ۔ ریاض جمع ہے روضۃ کی۔
حفرة مفرد ہے بمعنی گڑھا، حفر جمع ہے حفرة کی۔

توکیب:

ان حرف مشبہ بالفعل ما كافه القبر مبتدا و روضۃ موصوف من جار ریاض مضاف الجنة مضاف الیه، مضاف مضاف الیه لکر متعلق کائنۃ کے، کائنۃ صفت، موصوف صفت سے مل کر معطوف علیہ، او عاطفہ حفرة موصوف من جار حفر مضاف النار مضاف الیه، مضاف مضاف الیه مل کر مجرور، جار مجرور متعلق کائنۃ صفت کے، موصوف صفت مل کر معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر خبر، مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسیم خبریہ ہوا۔

الجملة الفعلية

اس باب میں وہ جملے ذکر کیے جائیں گے، جو فعلیہ ہوں گے یعنی ان کا پہلا جزء فعل پر مشتمل ہوگا۔

۱۱۶ فقر ایک آزمائش ہے

كَادَ الْفَقْرُ أَنْ يَكُونَ كُفْرًا

ترجمہ:

”قریب ہے کہ فقر و افلاس کفر ہو جائے۔“

تشریح:

فقر کے کفر ہونے کا مطلب یا تو یہ ہے کہ فقر کی وجہ سے انسان ناشکری کرتا ہے اور اپنی زبان سے طرح طرح کے جملے خدا کے بارے میں بول دیتا ہے۔ مثلاً خدا کو میں ہی مانتا تھا اس کام کے لیے، یا خدا کے پاس میرے لیے رزق ہے ہی نہیں۔ یا خدا اگر مجھے دے گا تو اس کے خزانے کم پڑیں گے۔ یا خدا نے انصاف نہیں کیا وغیرہ وغیرہ اور یہ سارے جملے ایسے ہیں جو کفر ہیں اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ فقر کی وجہ سے آدمی کافروں کے قریب ہوتا ہے اور دنیا کی محبت اور مال و دولت کے لالچ میں وہ اپنے ایمان اور دین سے ہی ہاتھ دھو بیٹھتا ہے، جیسے آج کل کے دور میں بد قسمتی سے کئی مسلمان مال و دولت کے لالچ میں قادیانی و مرزائی ہو کر کافر ہوتے اور ہمیشہ کے لیے جہنم رسید ہوتے ہیں۔ اس حدیث میں ہمارے لیے کرنے کا کام اور بات یہ ہے کہ ہم کسی بھی مسلمان کو فقر کی حالت میں نہ رہنے دیں ان کے ساتھ اتنا مالی تعاون کریں کہ وہ زندگی کی بنیادی ضروریات پوری کر سکیں تاکہ شیطان ان کو ورغلا نہ سکے۔ اگر خدا نخواستہ ہم کسی غریب مسلمان کو مالی امداد نہیں دیتے اور وہ کافر ہو جاتا ہے تو یقیناً یہ ہماری اجتماعی مسئولیت اور ذمہ داری کا سوال ہوگا۔

لغوی و صرفی تحقیق:

فقر یہ باب ضرب بضر بے مصدر ہے بمعنی، غربت، ناداری، مفلسی، احتیاج مالی۔

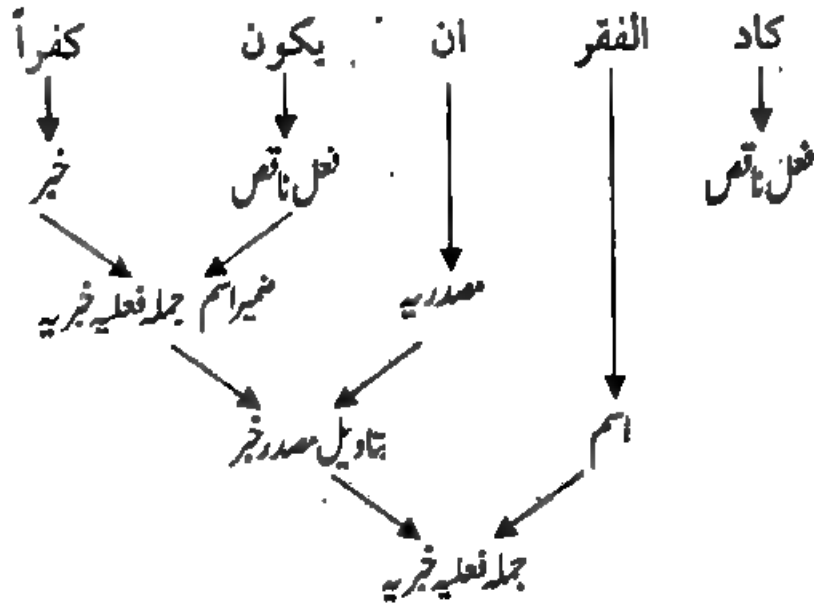
کفر یہ بھی باب نصر سے مصدر ہے، اس کا لغوی مطلب چھپانا ہے، کافر کو کافر اس لیے کہتے ہیں کہ وہ اپنے اندر موجود اس

فطری شہادت کو چھپاتا ہے جو اسلام کا تقاضا ہے۔

ترکیب:

کاد فعل از افعال ناقصہ الفقر اس کا اسم ان نامہ مصدر یہ یکون فعل ناقص ضمیر اس کا اسم کفر اس کی خبر، یکون فعل ناقص اپنے اسم اور خبر سے مل کر بتا دیل مصدر خبر ہوئی کاد فعل کی، کاد فعل اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) شعب الایمان بیہقی: حدیث نمبر ۶۶۱۲

① جس حال پر موت آئے گی اس پہ حشر ہوگا

يَبْعَثُ كُلُّ عَبْدٍ عَلَى مَا مَاتَ عَلَيْهِ

ترجمہ:

”قیامت میں ہر آدمی کو اسی حالت میں اٹھایا جائے گا جس میں وہ مرا ہو۔“

تشریح:

پیچھے ایک حدیث میں آیا تھا کہ اعمال کا دار و مدار خاتمے اور انجام پر ہے۔ یہ حدیث اس کی مزید تشریح و توضیح کر رہی ہے کہ جس عمل اور جس حالت پر انسان کا خاتمہ ہوگا قیامت والے دن اسے اسی حال میں اٹھایا جائے گا۔ اگر نیک عمل اور نیک حالت میں خاتمہ ہوگا تو نیک حالت میں اٹھایا جائے گا اور اگر خدا نخواستہ بری حالت پر موت آئی تو بری حالت میں اٹھایا جائے گا۔ چنانچہ اللہ کی راہ میں شہید ہونے والے آدمی کو اسی خون سے لت پت حالت میں اٹھایا جائے گا اور اس کے خون سے مشک و عنبر کی خوشبو آ رہی ہوگی۔ اور اگر کوئی چور چوری کی حالت میں مرا تو اسی گناہ اور رسوائی کی حالت میں اس کو اٹھایا جائے گا اور وہ لوگوں کے لیے نشان عبرت ہوگا۔ اس طرح اگر ایمان کی حالت میں انتقال ہوا تو ایمان پر اٹھایا جائے گا۔ اور اگر کفر کی حالت میں مرا تو کافر ہی اٹھایا جائے گا۔ اے اللہ! ہمیں خاتمہ بالا ایمان نصیب فرما (آمین)۔

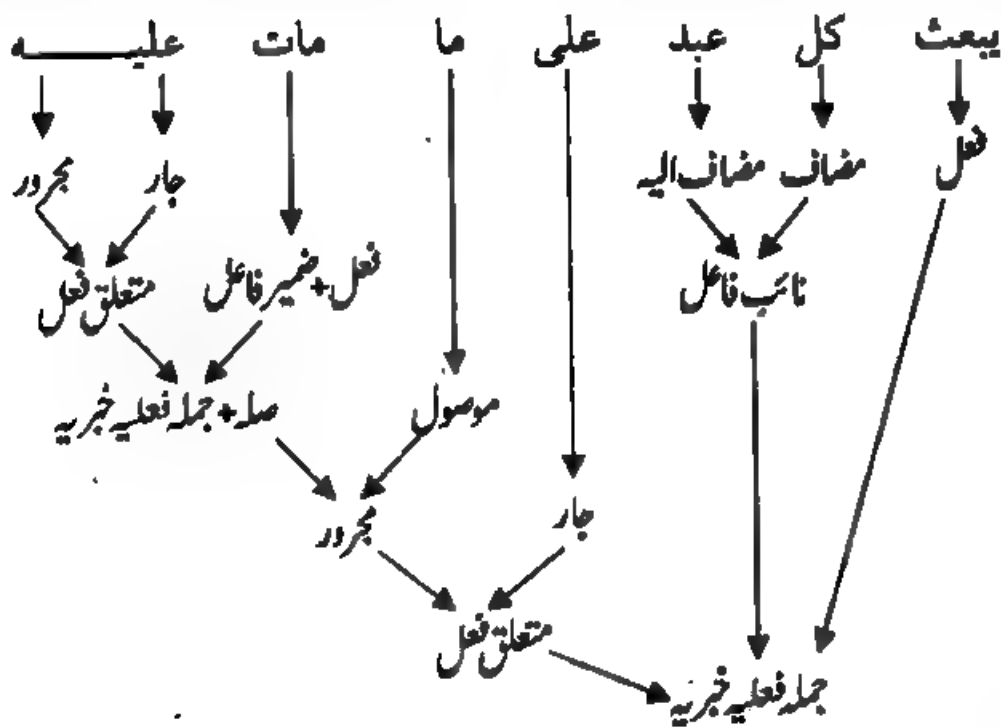
لغوی و صرفی تحقیق:

یبعث فعل مضارع ہے، بمعنی اٹھانا، دوبارہ زندہ کرنا، قیامت میں لانا۔

توکیب:

یبعث فعل کل مضاف عبد مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر نائب فاعل علی جار ما اسم موصول مات فعل فاعل علی جارہ ضمیر مجرور، جار مجرور متعلق فعل کے، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر صل موصول صلہ مل کر مجرور، جار مجرور متعلق فعل یبعث کے، یبعث فعل اپنے نائب فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

نقشه ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) مسلم شریف: حدیث نمبر ۷۱۱۳، باب الامر بحسن الظن بالله عند الموت،



۱۱۸ ہر سنی بات آگے بیان کرنے کی نہیں ہوتی

كَفَى بِالْمَرْءِ كَذِبًا أَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ

ترجمہ:

”آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہ بات کافی ہے کہ وہ ہر سنی ہوئی بات کو بیان کر دے۔“

تشریح:

اس حدیث شریف میں ایک اصول اور ضابطے کے طور پر یہ بات کہی گئی ہے کہ جو بھی بات آدمی کسی سے سنے اس کی پہلے اچھی طرح تحقیق کر لے اس کے بعد اسے آگے نقل کرے۔ اور یہ اصول معاشرتی زندگی کے اعتبار سے نہایت اہم ہے، کیونکہ بہت سی لڑائیاں جھگڑے اور غلط فہمیاں صرف اس وجہ سے پیدا ہوتی ہیں کہ آدمی کوئی بات سنتا ہے مگر اس کی تحقیق کے بغیر اسے آگے نقل کر دیتا ہے اس کی وجہ سے جھگڑے شروع ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے قرآن میں آیا ہے کہ ”جب بھی تمہارے پاس کوئی آدمی بات لائے تو اسے خوب جانچ پرکھ لو۔ ایسا نہ ہو کہ لاعلمی میں تم کوئی ایسا کام کر بیٹھو جس پر بعد میں ندامت ہو۔“

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جو آدمی تحقیق کیے بغیر آگے بات کر دیتا ہے وہ خود اپنی ثقاہت و عدالت مجروح کر بیٹھتا ہے کیونکہ اس کا شمار بھی جھوٹوں میں ہونے لگتا ہے۔ یہ بات محدثین کے اصول کے زیادہ موافق ہے۔ واضح رہے کہ یہ ضابطہ ان چیزوں اور باتوں کے بارے میں ہے۔ جو دینی یا دنیاوی حوالے سے اہمیت کی حامل ہوں اور ان کے فی الواقع غلط یا صحیح ہونے سے نتائج پر اثر پڑ سکتا ہے۔ جو باتیں اس پائے کی نہ ہوں ان میں اس قدر حزم و احتیاط کی ضرورت نہیں۔

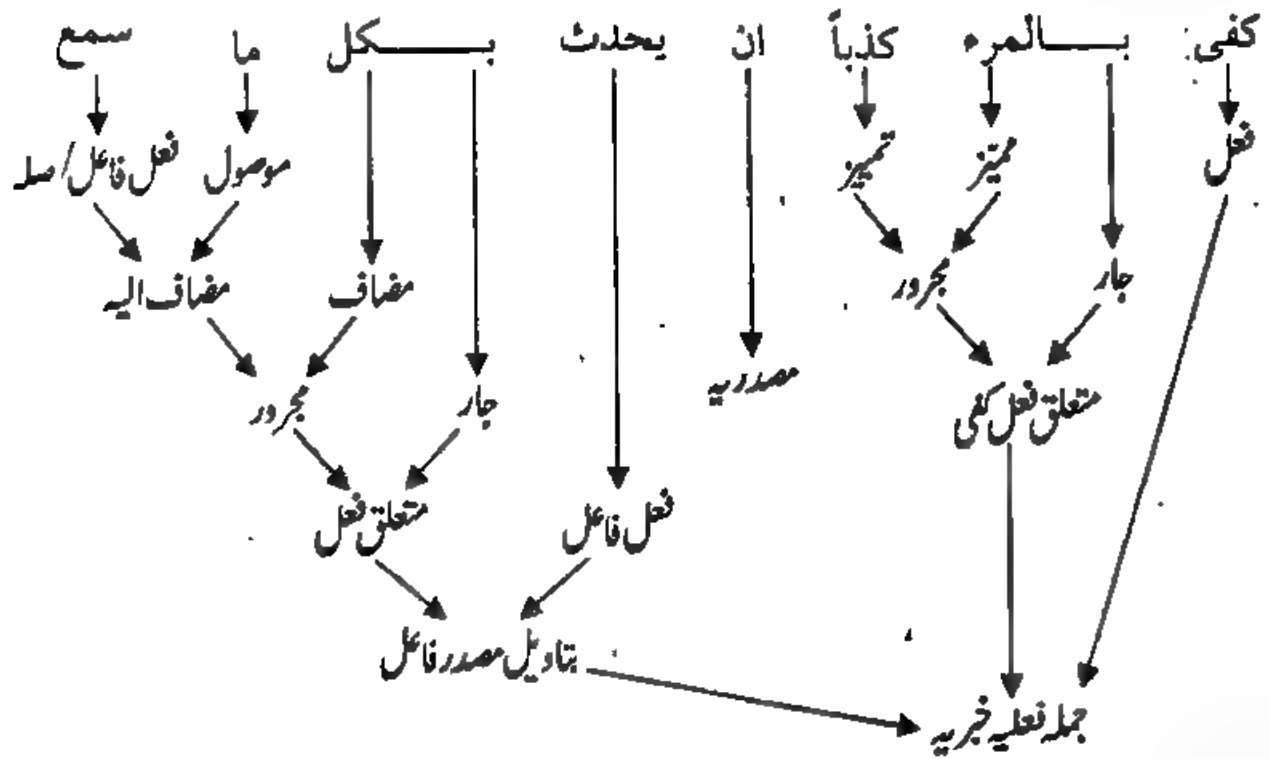
لغوی و صرفی تحقیق:

کفی فعل ہے ہفت اقسام میں سے ناقص یائی ہے، بمعنی کافی ہونا۔
یحدث فعل مضارع، باب تفعیل بمعنی بیان کرنا، آگے نقل کرنا۔

ترکیب:

کفی فعل ب جار المراء ممتز کذباً تمیز، ممتز تمیز مل کر مجرور، جار مجرور متعلق ہوئے فعل کفی کے، ان مصدر یہ ناصبہ، يحدث فعل ضمیر اس کا فاعل ب جار کل مضاف ما موصولہ سمع فعل ضمیر فاعل، فعل فاعل سے مل کر صلہ موصول صلہ مل کر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور متعلق يحدث فعل کے، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر بتاویل مصدر فاعل ہوا، کفی فعل کا، کفی فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) مسلم: حدیث نمبر ۷، باب النہی عن الحدیث بكل ما سمع

(۲) ابو داؤد: حدیث نمبر ۴۹۵۴، باب التشديد في الكذب

① شہید کے گناہوں کی معافی

يُغْفَرُ لِلشَّهِيدِ كُلُّ شَيْءٍ إِلَّا الدَّيْنُ

ترجمہ:

”شہید کے لیے ہر چیز کی مغفرت ہو جاتی ہے سوائے قرض کے۔“

تشریح:

قرآن پاک میں جہاں انسانیت کے سب سے اعلیٰ قسم کے لوگوں یعنی انبیاء اور صدیقین کا ذکر ہے وہاں راہ خدا میں جان دینے والے لوگوں کا یعنی شہداء کا بھی ذکر ہے۔ شہید کے فضائل کے بارے میں شرعی نصوص بے شمار ہیں جن میں شہید کا رتبہ اور مقام بتایا گیا ہے، ان میں سے ایک یہ حدیث بھی ہے جس میں یہ فرمایا گیا ہے کہ شہید کے باقی تمام گناہ اور کوتاہیاں معاف ہو جاتی ہیں۔ لیکن ساتھ میں ایک بات کی اہمیت اور سنگینی بتانے کے لیے یہ بھی فرمادیا کہ ایک معاملہ ایسا ہے جو شہید کا بھی معاف نہیں ہوتا اور وہ ہے قرض۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرض لینے کو شریعت پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھتی اس لیے ضرورت کے بغیر قرض لینا مناسب نہیں۔ اور اگر کسی نے قرض لے لیا لیکن ادا نہ کیا اور مر گیا تو یہ معاملہ اس کا معاف نہیں ہوگا چاہے وہ شہید ہی ہو۔

لغوی و صرفی تحقیق:

یغفر فعل مجہول ہے باب ضرب مضرب سے بمعنی بخشا۔

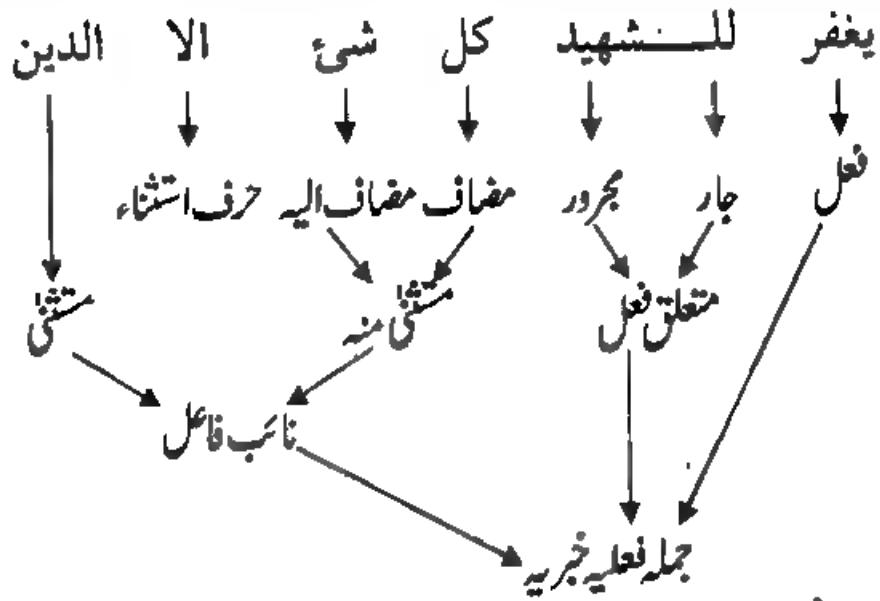
شہید بروزن فعل مفت مشہ کا صیغہ ہے وہ آدمی جو اللہ کے راستے میں دین کی سر بلندی کے لیے لڑتا ہوا مارا جائے۔

توکیب:

یغفر فعل مجہول ل جار الشہید مجرور، جار مجرور متعلق ہوا فعل کے، کل مضاف شیء مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مستثنیٰ منہ الا حرف استثناء الدین مستثنیٰ، مستثنیٰ مستثنیٰ منہ مل کر نائب فاعل، فعل اپنے نائب فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

① زاد المعاد کے مطبوعہ نسخے میں حدیث کے الفاظ وہی ہیں، جو ہم نے متن کے طور پر ذکر کیے ہیں۔ لیکن کتب حدیث کی مراجعت کرنے سے معلوم ہوا کہ مذکورہ الفاظ کے ساتھ یہ حدیث نہ مشکوٰۃ میں ہے اور نہ دیگر کسی بہادی حدیث کی کتاب میں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مصنف علیہ الرحمۃ کا تالیف ہے۔ تمام کتب حدیث میں بشمول مشکوٰۃ یہ الفاظ ہیں ”یغفر للشہید کل ذنب الا الدین“ اگرچہ معنی و مضمون میں کوئی فرق نہیں تاہم الفاظ حدیث میں احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ دونوں میں فرق کیا جائے۔

نقشه ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) مسلم: حدیث نمبر ۴۹۵۱، باب من قتل فی سبیل اللہ

(۲) مسند احمد: حدیث نمبر ۷۰۵۱

۱۳ پیسے کا پجاری ملعون ہے

لَعْنَ عَبْدُ الدِّينَارِ وَعَبْدُ الدِّرْهِمِ

ترجمہ:

”ملعون ہے وہ آدمی جو درہم و دینار کا غلام ہو۔“

تشریح:

یعنی وہ آدمی جو پیسے کا غلام بن جائے اور پیسہ اور مال و دولت اس کا آقا بن جائے وہ آدمی لعنتی اور ملعون ہے۔ غلام ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جیسے غلام اپنے آقا کی اطاعت کرتا ہے آقا کا جو تقاضا اور حکم ہوتا ہے، غلام اس سے سر مو انحراف نہیں کرتا، اور صبح و شام غلام کی یہ خواہش اور کوشش ہوتی ہے کہ میرا آقا میرے سے راضی ہو جائے، ایسے ہی پیسے کے پجاری اور مال و دولت کے غلام کی حالت ہوتی ہے وہ مال و دولت اور پیسے کے تقاضے اور طلب پر کچھ بھی کرنے کو تیار ہو جاتا ہے، عزت نفس بچتی پڑے کوئی بات نہیں، پیسہ آنا چاہیے، حتیٰ کہ ایمان بیچنا پڑے کوئی بات نہیں دولت آنی چاہیے، تو جو آدمی یوں پیسے کا غلام ہو اس پر یقیناً لعنت ہی ہونی چاہیے۔ پیسے کی یہ غلامی تب آتی ہے جب آدمی کے دل میں پیسے اور مال و دولت کی محبت آتی ہے پھر یہ محبت بڑھتی جاتی ہے حتیٰ کہ پیسہ خدا بن جاتا ہے۔ اسی وجہ سے متنبی (شاعر) نے کہا تھا۔

لَوْلَا التَّقَى لَقُلْتُ جَلْتُ قُدْرَتَهُ

اگر ڈر نہ ہو تو میں کہوں کہ پیسہ ہی خدا ہے۔

لغوی و صرفی تحقیق:

لعن فعل مجہول ہے لعن سے بمعنی رحمت سے دور کرنا۔

الدینار سونے کا سکہ۔

الدرہم چاندی کا سکہ۔ یہ سکے پہلے دور میں آج کل کے نوٹوں کی جگہ رائج تھے، دینار کا وزن ساڑھے 4.5 ماشے اور درہم

کا وزن ساڑھے تین ماشے 3.5 ہے، یہاں مراد مطلقاً مال و دولت ہے۔

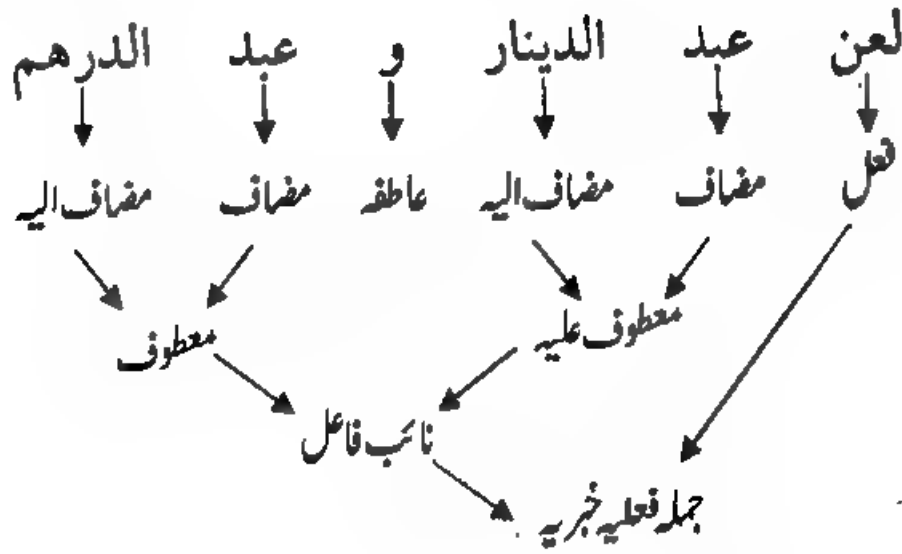
ترکیب:

لعن فعل مجہول عبد مضاف الدینار مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف علیہ، و عاطفہ عبد مضاف

الدرہم مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر نائب فاعل، فعل اپنے نائب فاعل سے مل کر

جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) بخاری: حدیث نمبر ۶۰۷۱، باب، کتاب الرقاق

(۲) ترمذی: حدیث نمبر ۲۳۷۵، باب ما جاء فی اخذ المال، ابواب الزهد

۱۳۱ جنم پہ خواہشات کا پردہ حُجِبَتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ وَحُجِبَتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ

ترجمہ:

”دوزخ کو خواہشات سے ڈھانپ دیا گیا اور جنت کو سختیوں اور مصیبتوں سے۔“

تشریح:

اس حدیث مبارکہ میں جنت اور جہنم کو بڑی لطیف تشبیہ کے پیرائے میں ذکر کیا گیا ہے اور یوں فرمایا گیا جیسے جنت نور جہنم دو چیزیں ہیں جو نیچے کہیں زمین وغیرہ میں ڈھائی ہوئی ہیں۔

اور ان دونوں کے اوپر کے حصے پر ایک چادر ڈالی گئی ہے اور یہ چادر منقش اور نقش و نگار والی ہے جو چادر جنت پر ہے اس کے اوپر سختیاں، مصائب، قربانیاں، نفس کی مخالفت والے اعمال نقش ہوئے پڑے ہیں اور جو چادر جہنم والی ہے اس کے اوپر خواہشات نفسانی، نافرمانیاں، گناہوں کی لذت وغیرہ نقش ہے۔ اب جو آدمی صرف ان ظاہری نقوش کو دیکھے گا وہ جنت سے دور ہو جائے گا اور جہنم کی چادر کی طرف لپکے گا حالانکہ وہاں نیچے آگ ہی آگ ہے۔ مقصد یہ ہے کہ یہاں دنیا کی زندگی میں جو آدمی اپنے نفس کے کہے پر چلے گا وہ دنیا کی رنگینیوں میں کھوئے گا اور جہنم میں جا پڑے گا اور جو عقل مند ہو گا وہ نفس کی مخالفت کرے گا مشقت برداشت کرے گا دنیا سے دل نہیں لگائے گا اور وہ اس طرح جنت کی وسیع وعریض اور شاداب جگہ میں پہنچے گا۔

لغوی و صرفی تحقیق:

حجبت فعل ماضی، باب نصر سے بمعنی ڈھانپنا، چھپانا۔

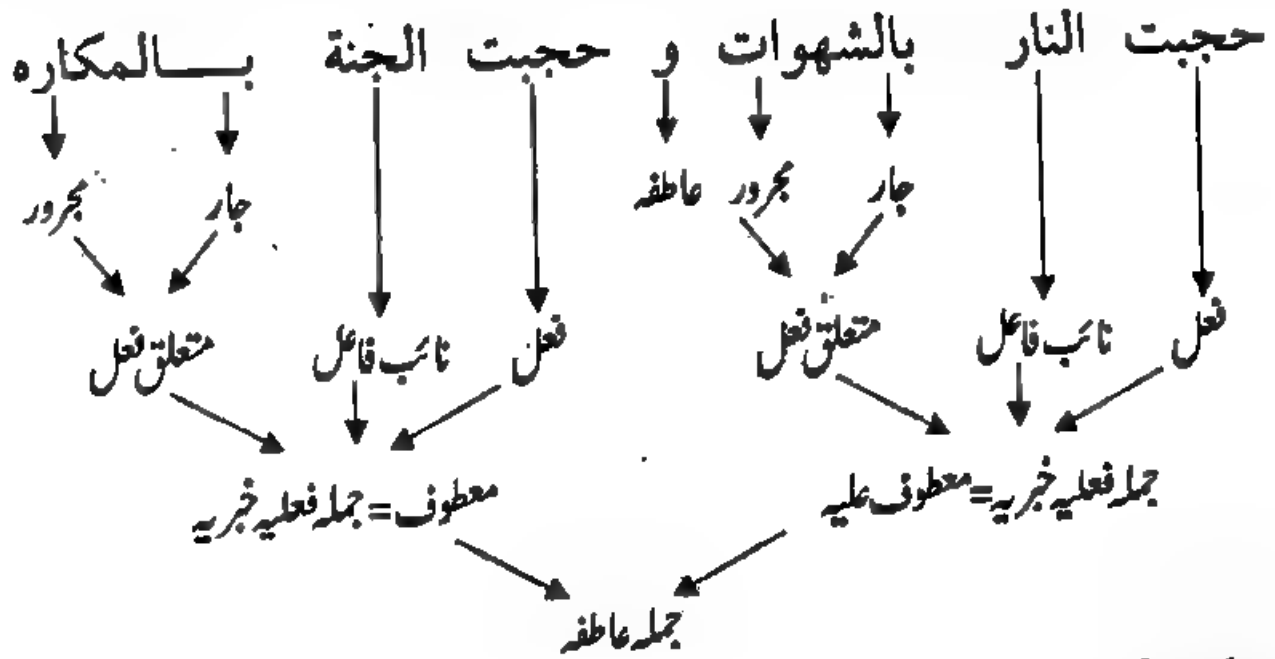
الشہوات جمع مؤنث سالم ہے شہوة کی بمعنی خواہشات اور من چاہی چیزیں۔

المکارہ جمع ہے مکدرہ کی بمعنی ناپسندیدہ، دل کو نہ لگنے والی چیز۔

ترکیب:

حجبت فعل مجہول النار نائب فاعل ب جار الشہوات مجرور، جار مجرور متعلق ہوئے فعل کے، فعل اپنے نائب فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ و عاطفہ حجبت فعل الجنة نائب فاعل ب جار المکارہ مجرور، جار مجرور متعلق فعل کے، فعل اپنے نائب فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر جملہ معطوفہ

نقشه ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) بخاری: حدیث نمبر ۶۱۲۲، باب حجبت النار بالشهووات کتاب الرقاق

۱۳۳ انسان کی دو خواہشیں

يَهْرَمُ ابْنُ آدَمَ وَيَسْبُ مِنْهُ اِثْنَانِ الْحِرْصُ عَلَى الْمَالِ وَالْحِرْصُ عَلَى الْعُمُرِ

ترجمہ:

”انسان خود بوڑھا ہوتا رہتا ہے لیکن دو چیزیں اس میں جوان ہوتی رہتی ہیں۔ (۱) مال کی حرص (۲) عمر کی حرص“

تشریح:

مطلب یہ ہے کہ انسان کی عمر میں جوں جوں اضافہ ہوتا رہتا ہے اس کی اس بات کا تقاضا تو یہ ہے کہ اس میں دنیا کی محبت کم ہوتی جائے کیونکہ عمر کم ہو رہی ہوتی ہے اور قبر قریب آ رہی ہوتی ہے چنانچہ ظاہری اسباب کے اعتبار سے موت و تنکدینا شروع کرتی ہے، اس بات کا تقاضا تو یہ ہے کہ دنیا کے جھیلوں سے دل کو فارغ کیا جائے، اور زیادہ سے زیادہ آخرت کی تیاری اور دھیان میں وقت گزارا جائے، لیکن معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے، اور مال کے اعتبار سے اس کا حال یہ ہوتا ہے کہ مال کی محبت اس کے دل میں پہلے سے زیادہ ہوتی چلی جاتی ہے حتیٰ کہ بعض بڑی عمر کے لوگوں کے پیسہ نکالتے ہوئے ہاتھ کانپنا شروع ہو جاتے ہیں۔ اور رباعمر کا معاملہ تو ان کی خواہش ہوتی ہے کہ کبھی نہ مریں اپنے بیٹوں کی شادیاں ان کی اولاد کی شادیاں پھر پوتوں کی اولاد دیکھنے کا بھی ارمان دل میں پلٹا رہتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس چیز کو اگرچہ انسان کی ایک فطری کمزوری اور حقیقت واقعہ کے اعتبار سے بیان کیا ہے تاہم اس میں اس حالت سے بچنے کا مطالبہ بھی موجود ہے کہ انسان کی یہ حالت نہیں ہونی چاہیے، اور اس حالت سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

لغوی و صرفی تحقیق:

یہرم فعل مضارع باب مع۔ ہفت اقسام میں سے صحیح ہے بمعنی بوڑھا ہونا، ہرم بڑھاپے کو کہتے ہیں۔

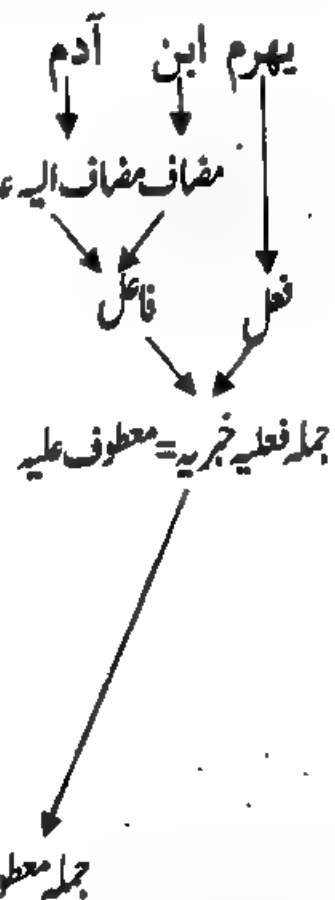
یسب فعل مضارع باب ضرب۔ ہفت اقسام میں سے مضاعف ثلاثی ہے، حروف اصلی، ش، ب، ب ہیں بمعنی

جوان ہونا، شباب جوانی کو کہتے ہیں۔

ترکیب:

یہرم فعل ابن مضاف آدم مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر فاعل، فعل فاعل جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ، و عاطفہ یسب فعل منہ جار مجرور اثنان مبدل منہ، الحرص مصدر علی المال جار مجرور متعلق مصدر کے۔ مصدر اپنے متعلق سے مل کر معطوف علیہ۔ و عاطفہ، الحرص علی العمر اسی طرح معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر بدل، بدل مبدل منہ مل کر فاعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر جملہ معطوف ہوا۔

نقشه ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) مسلم: حدیث نمبر ۱۰۴۷

(٢) ترمذی: حدیث نمبر ۲۴۵۵، باب ماجاء قلب الشیخ شاب، ابواب الزهد



۳۳ عالم دین کی شان

نِعْمَ الرَّجُلُ الْفَقِيهُ فِي الدِّينِ إِنْ احْتِجَّ إِلَيْهِ نَفَعَ وَإِنْ اسْتُغْنِيَ عَنْهُ أَغْنَى نَفْسَهُ

ترجمہ:

”کیا ہی اچھا ہے وہ عالم دین کہ اگر اس کی ضرورت محسوس کی جائے تو وہ مفید بات بتا دے اور اگر اس سے بے نیازی برتی جائے تو وہ بھی اپنے آپ کو بے نیاز کر لے۔“

تشریح:

مذکورہ بالا حدیث میں ایک عالم دین کے مقام و منصب کو متعین کیا گیا بلکہ اس کی تعریف و توصیف کی گئی ہے، اور فرمایا کہ عالم میں دو متضاد صفات جمع ہونی چاہئیں کہ اگر عوام اور لوگ اس سے رجوع کریں اور علم دین سیکھنے یا مسائل معلوم کرنے یا شریعت کی روشنی میں اپنی مشکلات حل کرنے کے لیے اس کے پاس آئیں تو وہ ان کے لیے مجسم اخلاق نبوت ہو اور انہیں اپنی ذات اور علم سے خوب مقدور بھر نفع پہنچائے۔ اور اگر صورت حال ایسی ہو کہ اس کے پاس کوئی نہ آتا ہو، چاہے اس وجہ سے کہ لوگوں میں دین کی طلب اور شعور نہیں یا اس وجہ سے کہ دوسرے علماء موجود ہیں جہاں لوگ رجوع کر سکتے ہیں، تو ایسے عالم کو چاہیے کہ پھر اپنی ذات میں انجمن بن جائے اور اپنا وقار بنا کر رکھے۔ لوگوں کے پیچھے نہ پڑے کہ میں عالم ہوں میرے سے دین پڑھو یا مسائل معلوم کرو۔

واضح رہے کہ یہ مذکورہ تقسیم اور صورت حال علم اور تعلیم کے اعتبار سے ہے کہ جس میں طلب نہ ہو اسے علم نہ سکھاؤ باقی رہا منصب دعوت کہ بے دین لوگوں میں دین کی طلب پیدا کرنا، اور شریعت پر چلنے کا مزاج پیدا کرنا، یہ عالم کی بحیثیت داعی علیحدہ ذمہ داری ہے، چنانچہ اگر ایسی صورت حال ہو کہ لوگ دینی شعور کے فقدان کی وجہ سے علماء دین سے بے نیاز ہوں تو ایسی صورت میں لوگوں میں دینی شعور بیدار کرنا یہ ہر عالم کی بحیثیت داعی ذمہ داری ہے، خلاصہ یہ کہ دعوت کے لیے لوگوں کے پاس جاسکتا ہے علم سکھانے کے لیے نہیں۔

لغوی و صرفی تحقیق:

نعم یہ فعل مدح ہے بمعنی عمدہ، اچھا، بہترین۔

الفقیہ سمجھ دار، گہری سمجھ والا، دانش مند۔

نہ

احتیج فعل ماضی، باب التعلال سے، ہفت اقسام میں سے اجوف واوی ہے۔ حروف اصلی، ح، و، ج، ہیں بمعنی محتاج ہونا۔

استغنی باب استعمال، ناقص یا کی حروف اصلی، غ، ن، ی، بمعنی ضرورت نہ ہونا۔

۳۳ آخرت میں کام آنے والی چیز

يَتَّبِعُ الْمَيِّتَ ثَلَاثَةٌ فَيَرْجِعُ اِثْنَانِ وَيَبْقَى مَعَهُ وَاحِدٌ يَتَّبِعُهُ اَهْلُهُ وَمَالُهُ وَعَمَلُهُ فَيَرْجِعُ اَهْلُهُ وَمَالُهُ وَيَبْقَى عَمَلُهُ

ترجمہ:

”میت کے پیچھے تین چیزیں جاتی ہیں۔ جن میں سے دو واپس آ جاتی ہیں اور ایک اس کے ساتھ رہ جاتی ہے۔ میت کے پیچھے اس کے اہل خانہ، اس کا مال و دولت، اور اس کے اعمال جاتے ہیں۔ اہل خانہ اور مال تو واپس آ جاتے ہیں۔ اور عمل اس کے ساتھ رہ جاتا ہے۔“

تشریح:

میت کو دفنانے کے لیے رشتہ دار بھی ساتھ ہوتے ہیں۔ خادم نوکر چاکر اور چارپائی وغیرہ بھی مگر جب لحد میں رکھتے ہیں تو اب کوئی بھی ساتھ نہیں دے سکتا، نہ مال نہ اہل و عیال، کوئی چاہے بھی کہ میں اپنے اہل و عیال کی لحد میں ان کے ساتھ اتر جاؤں ایسا ممکن نہیں۔ اب آگے صرف اور صرف اس کے ہاتھوں کے کیے ہوئے اعمال، دیئے ہو صدقات وغیرہ کام آئیں گے۔ ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے پوچھا ایک آدمی کے تین بھائی ہوں ایک کہے، تیری زندگی تک تیرے ساتھ ہوں مرتے ہی کسی اور کا ہوں گا۔ دوسرا کہے، دفنانے تک تیرے ساتھ ہوں۔ اور تیسرا کہے، میں ہمیشہ تیرے ساتھ ہوں۔ اب بتاؤ تین بھائیوں میں سے کون سا اچھا ہے؟ سب نے کہا تیسرا بھائی۔ آپ نے فرمایا: پہلا بھائی مال ہے، اور دوسرا بھائی رشتہ دار ہیں، اور تیسرا بھائی اعمال ہیں۔ مال مرتے ہی کسی اور کا ہو جاتا ہے، رشتہ دار دفن تک ساتھ رہتے ہیں اور اعمال جنت تک ساتھ جائیں گے۔

لغوی و صرفی تحقیق:

یَتَّبِعُ فعل مضارع باب صحیح، پیچھا کرنا، ساتھ ہونا۔

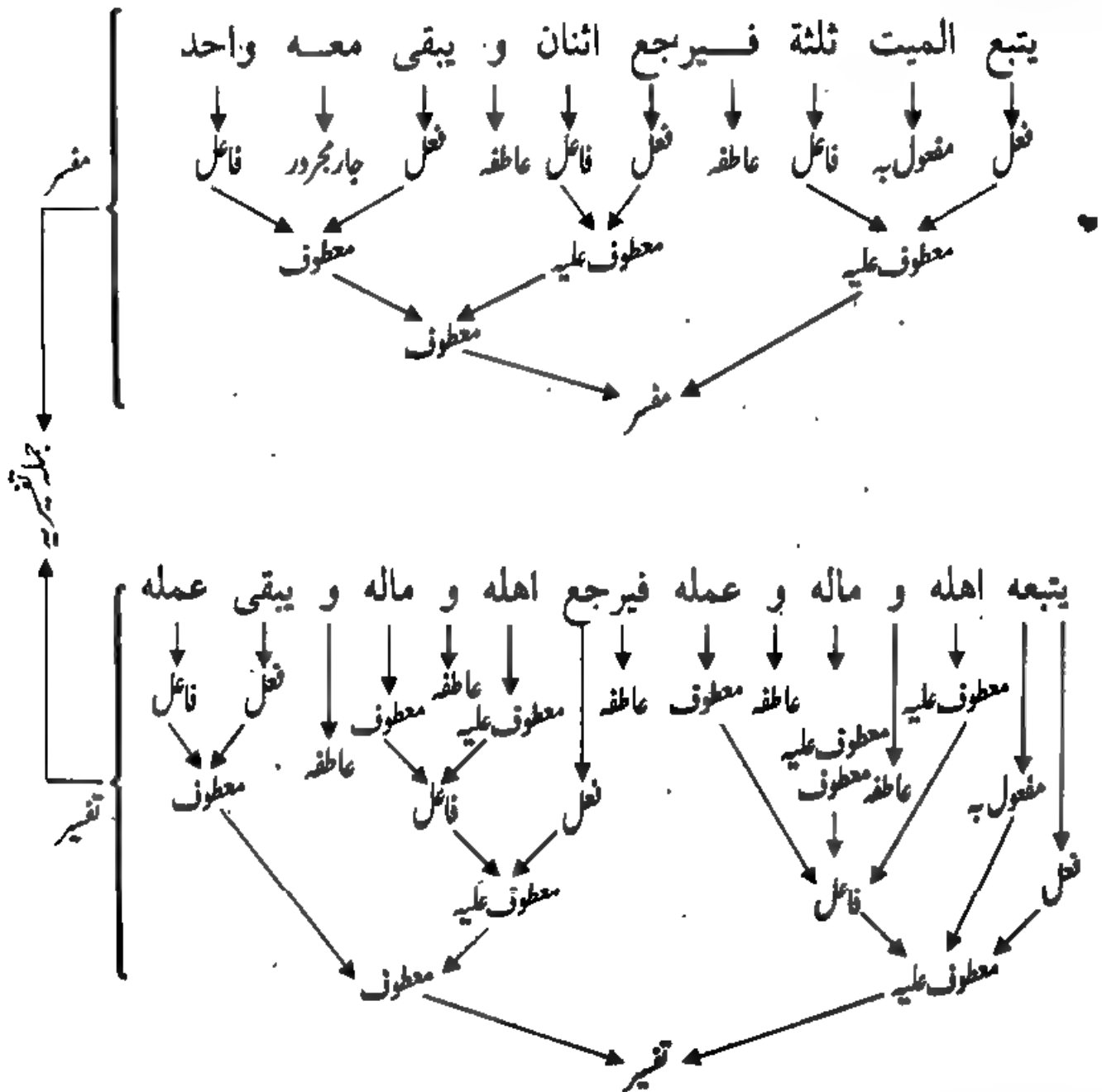
الْمَيِّت صفت مشبہ ہے موت سے بمعنی مردہ، مرنے والا۔

ت ترکیب:

یَتَّبِعُ فعل المیت مفعول بہ مقدم ثلثہ فاعل مؤخر، فعل فاعل مفعول بہ مل کر معطوف علیہ، ف عاطفہ یرجع فعل اثنان فاعل، فعل فاعل مل کر معطوف علیہ، و عاطفہ یرجع فعل معہ جار مجرور متعلق فعل واحد فاعل، فعل فاعل اپنے متعلق نے مل کر معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر مفسر، یَتَّبِعُ فعل ضمیر مفعول بہ اہلہ معطوف علیہ، و عاطفہ مالہ معطوف علیہ معطوف، و

عاطفہ جملہ معطوف تمام معطوفات مل کر قائل، فعل فاعل اور مفعول بہ سے مل کر معطوف علیہ، ف عاطفہ يرجع فعل عملہ قائل، فعل فاعل مل کر معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر معطوف ہو ایجنہ کے لیے پھر معطوف معطوف علیہ سے جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر تفسیر مفسر تفسیر سے مل کر جملہ تفسیر یہ ہوا۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) بخاری: حدیث نمبر ۶۱۴۹، باب سكرات الموت

۲۔ مسلم: حدیث نمبر ۷۶۱۳، کتاب الزهد

۳۔ ترمذی: حدیث نمبر ۲۳۷۹

④ ایک بہت بڑی خیانت

كَبُرَتْ خِيَانَةً اَنْ تُحَدِّثَ اَخَاكَ حَدِيثًا هُوَ لَكَ بِهٖ مُصَدِّقٌ وَاَنْتَ بِهٖ كَاذِبٌ

ترجمہ:

”یہ بات بہت بڑی خیانت اور بددیانتی ہے کہ تم اپنے کسی بھائی کو کوئی ایسی بات بتاؤ جس میں وہ تمہیں سچ سمجھتا ہو اور تم اس سے جھوٹ بول رہے ہو۔“

تشریح:

ویسے تو ہر حال میں اور ہر جگہ ہر آدمی کے ساتھ جھوٹ بولنا گناہ ہے، تاہم اس گناہ میں بعض اعتبار سے مزید شدت بھی آ جاتی ہے ان میں سے ایک موقع یہ بھی ہے کہ جہاں ایک مسلمان تمہارے اوپر پورا بھروسہ اور اعتماد رکھتا ہو اور وہ یہ سمجھتا ہو کہ تم سچ کہہ رہے ہو اور تم فی الواقع اس سے غلط بیانی کر رہے ہو۔ یہ بڑا گناہ اس وجہ سے ہے کہ اس میں جھوٹ کے ساتھ دھوکہ دہی اور فریب بھی ہے۔ دوسرے اس میں نفاق کا پہلو بھی پایا جاتا ہے، وہ ایسے کہ ایک آدمی پہلے اپنا اعتماد بٹھائے اور پھر اعتماد سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے غلط باتوں سے کان بھرنا شروع کر دے اس لیے اس بات کو بہت بڑی بددیانتی اور خیانت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

لغوی و صرفی تحقیق:

کبرت فعل ماضی باب کرم یکریم سے بمعنی بڑا ہونا، عظیم ہونا۔

خیانۃ خان یخون سے مصدر ہے بددیانتی، امانت میں خیانت کرنا۔

مصدق صیغہ اسم فاعل باب تفعیل، تصدیق کرنے والا، سچ سمجھنے والا۔

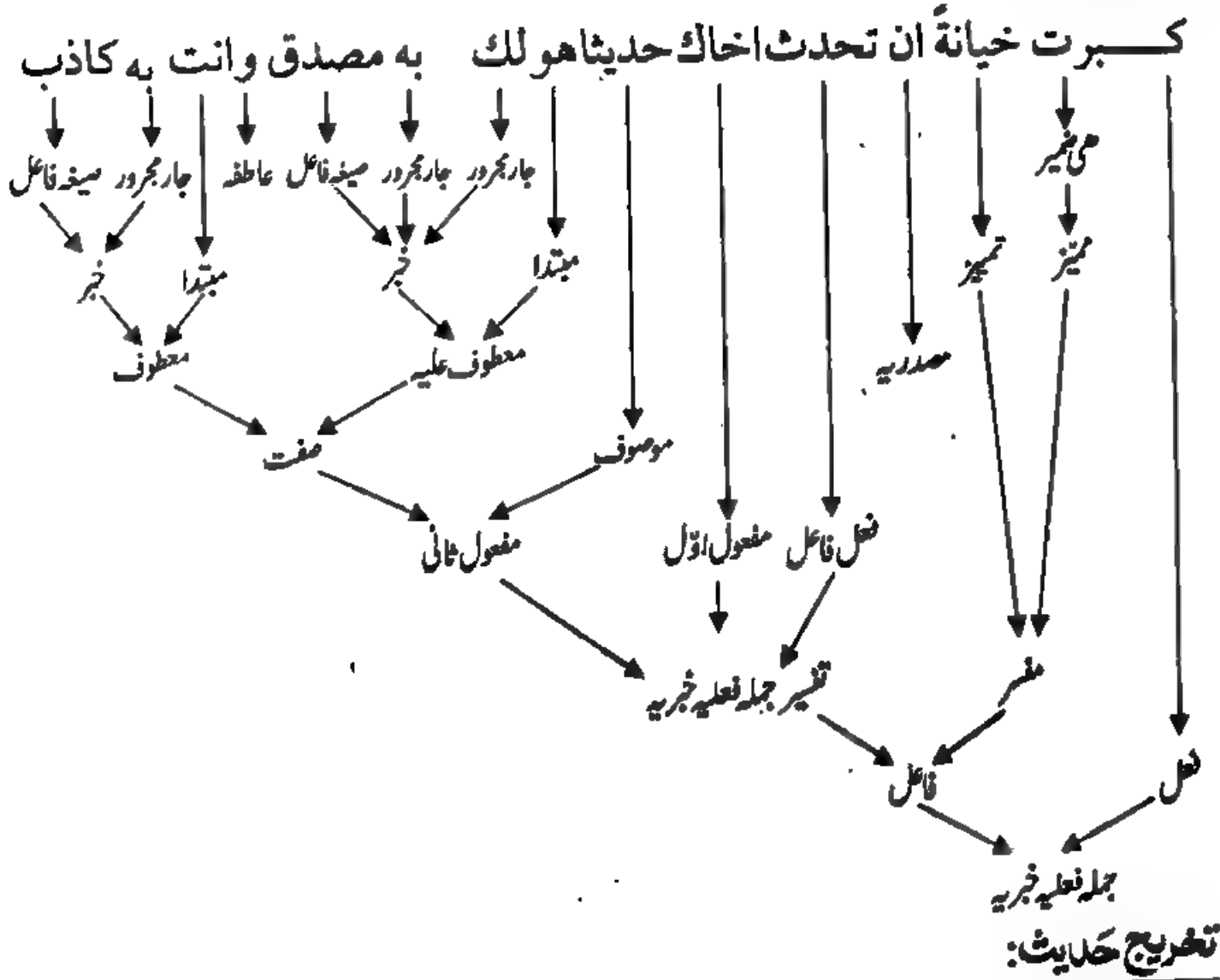
کاذب صیغہ اسم فاعل کذب سے بمعنی جھوٹا، دروغ گو۔

ترکیب:

کبرت فعل ہی ضمیر تمیز خیانۃ تمیز، تمیز تمیز سے مل کر مفسر ان ناصبہ مصدر یہ تحدث فعل فاعل اخاک مفعول بہ اول حدیثاً موصوف ہو مبتدأ الک جار مجرور متعلق فعل کے مصدق، بہ جار مجرور متعلق مصدق، مصدق صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل اور متعلقات سے مل کر خبر، مبتدأ خبر سے مل کر معطوف علیہ، و عاطفہ انت مبتدأ، بہ جار مجرور متعلق کاذب، کاذب صیغہ اسم فاعل ضمیر فاعل، صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر خبر، مبتدأ خبر مل کر معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر جملہ بتادیل مفرد صفت ہوا حدیثاً موصوف کی، موصوف صفت مل کر مفعول ثانی۔ تحدث فعل اپنے فاعل اور دونوں مفعولوں سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر بتادیل مصدر تفسیر ہوا مفسر کی، مفسر تفسیر سے مل کر فاعل ہوا کبرت فعل کا، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ

نعلیه خبریه ہوا۔

نقشہ ترکیب:



(۱) ابو دلاؤد: حلیوٹ نمبر ۴۹۷۱، باب فی المعارض

۳ ذخیرہ اندوز کی مذمت

بَشِّرَ الْعَبْدُ الْمُحْتَكِرُ إِنْ أَرَخَصَ اللَّهُ الْأَسْعَارَ حَزَنَ وَإِنْ أَغْلَاهَا فَرَحَ

ترجمہ:

”بہت برا ہے ذخیرہ اندوز آدمی کہ اگر اللہ بھاؤ میں ارزانی کرتے ہیں تو وہ پریشان ہو جاتا ہے اور اگر بھاؤ اور نرخ میں گرانی ہو تو وہ خوش ہوتا ہے۔“

تشریح:

احتکار کا مطلب ہوتا ہے ذخیرہ اندوزی کرنا، محکمہ وہ شخص جو غلے اور دیگر ضروریات زندگی کی ذخیرہ اندوزی کرنے والا ہو۔ اس حدیث میں اسلام کے معاشی نظام اور اسلامی معاشیات اور کافرانہ و سرمایہ دارانہ نظام معیشت میں ایک اہم اور بنیادی فرق بھی سامنے آتا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام میں تاجر کو زیادہ نفع کمانے سے غرض ہوتی ہے، چاہے اخلاقیات پامال ہوں، جبکہ اسلام میں انسانوں کے ساتھ ہمدردی اور غم خواری کو بنیادی اہمیت حاصل ہے جبکہ نفع ثانوی حیثیت رکھتا ہے۔ مذکورہ حدیث اس تاجر کی گھٹیا اور پست ذہنیت کی عکاس ہے جس میں ہے مہنگائی سے وہ خوش ہوتا ہے کہ اب مجھے خوب نفع ملے گا، اور سستا ہونے سے اسے غم لاحق ہوتا ہے کہ میرا نفع تو کم ہو جائے گا، ایسے شخص کو انتہائی ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا کیونکہ یہ اپنے نفع اور مادی فائدے کو اخلاقی اقدار اور انسانی ہمدردی سے مقدم سمجھتا ہے۔

لغوی و صرفی تحقیق:

بشّر فعل ذم ہے، محتکر احتکار سے اسم فاعل کا صیغہ ہے۔

ارخص باب افعال، گرانا، ریٹ کم کرنا، نرخ گھٹانا۔

الاسعار جمع ہے سمر کی بمعنی نرخ، بھاؤ، ریٹ۔

حزن فعل ماضی باب سمر، بمعنی رنجیدہ و کبیدہ خاطر ہونا، پریشان ہونا۔

اغلی باب افعال ناقص وادی غل، وہ مہنگا کرنا، بڑھانا، فرح باب سمر بمعنی خوش ہونا۔

ترکیب:

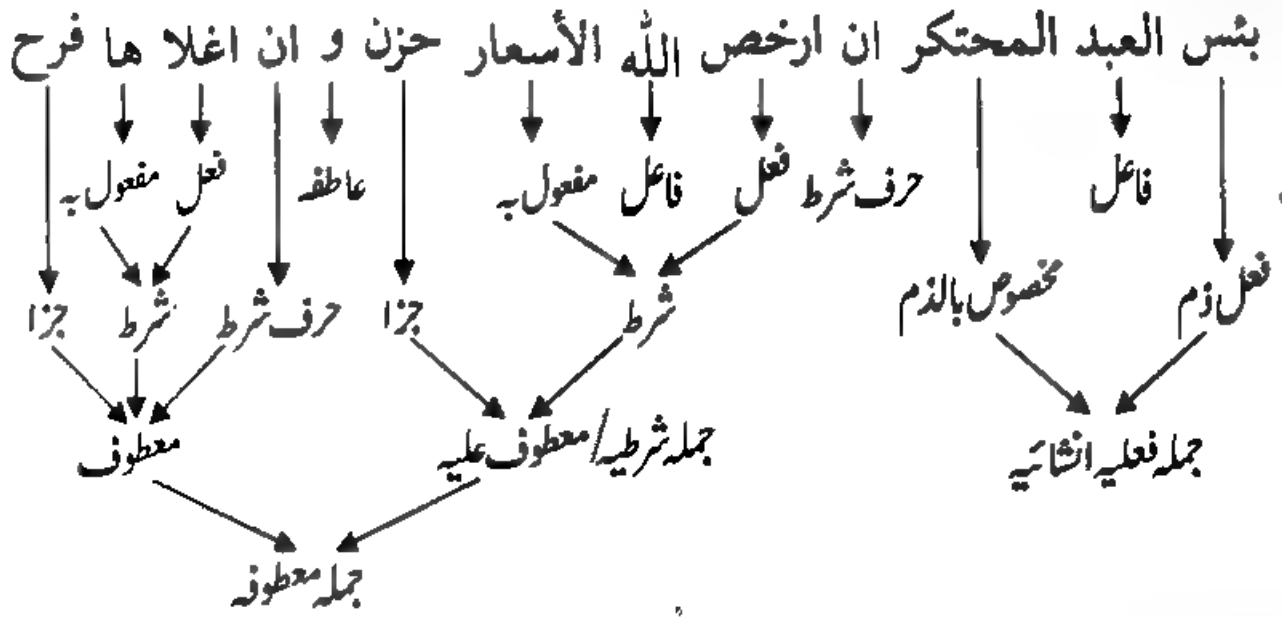
بشّر فعل ذم العبد فاعل المحتکر مخصوص بالذم فعل اپنے فاعل اور مخصوص بالذم سے مل کر جملہ انشائیہ ہوا۔ ان حرف

شرط ارخص فعل لفظ اللہ فاعل الاسعار مفعول بہ، فعل فاعل اور مفعول پہل کر شرط حزن جزاء، شرط جزا ایل کر معطوف علیہ، و

عاطفہ ان حرف شرط اغلی فعل فاعل ہا ضمیر مفعول بہ، فعل فاعل اور مفعول پہل کر شرط فرح جزاء، شرط جزا ایل کر معطوف،

معطوف معطوف علیہ مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔

نقشه ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) شعب الايمان بيهقي: حديث نمبر ۱۱۲۱۵

نوع آخر من الجملة الفعلية

جملہ فعلیہ ہی کی ایک دوسری قسم، اس میں مصنف وہ حدیثیں لائیں گے جن میں فعل پر لافظی داخل ہوگا۔

④ چغل خور کے لئے وعید

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَاتٌ

ترجمہ:

”چغل خور جنت میں داخل نہیں ہوگا۔“

تشریح:

چغل خوری یہ ہے کہ آدمی کسی کی بات کسی دوسرے کے سامنے اس نیت سے نقل کرے کہ دوسرا اس کے خلاف کوئی کارروائی کرے یا کم از کم دونوں میں لڑائی اور پھوٹ ڈالی جاسکے۔ چغل خوری ایک اخلاقی جرم ہے شریعت نے اس کے خلاف انتہائی سخت رویہ رکھا ہے۔ چغل خور درحقیقت بقول امام غزالی تین بڑے بڑے گناہوں جھوٹ، حسد اور نفاق کا مرکب ہوتا ہے اور وہ ایسے کہ دوسرے کی بات پہنچانے کے لیے وہ اس کو اپنے پاس سے مرجع معاملہ لگائے گا اور یہ جھوٹ ہوگا اور دوسرے کی بات نقل کرنے کا مقصد یہ ہوگا کہ اس سے نفرت کو پایہ تکمیل تک پہنچائے اور یہ حسد ہے اور چغل خور کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ جس کی چغل خوری کرتا ہے اس کا اعتماد اور بھروسہ بھی حاصل رکھے، ایسا کرنے کے لیے اسے دو غلے پن اور خفاق و منافقت کا سہارا لینا پڑے گا۔ اسی وجہ سے آپ ﷺ نے فرمایا: کہ قیامت والے دن بدترین شخص چغل خور ہوگا جو ایک آدمی کے پاس کسی نیت سے جائے اور دوسرے کے پاس دوسرے روئے اور وکیل سے۔ اور فرمایا: قیامت کے دن ایسے شخص کے منہ میں آگ کی دو زبانیں ہوں گی جن سے وہ دنیا میں چغل خوری کیا کرتا تھا۔ اس کے علاوہ عذاب قبر کی ایک اہم وجہ چغل خوری بھی بتائی گئی ہے۔

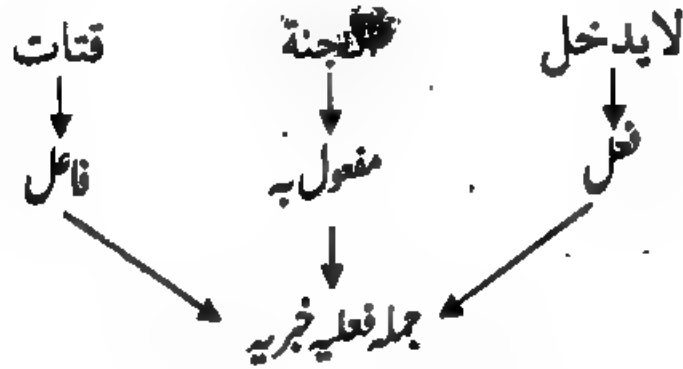
لغوی و صرفی تحقیق:

قتات بروزن فعال، اسم مبالغہ کا صیغہ ہے۔ قاموس میں لکھا ہے: قنات اس شخص کو کہتے ہیں جو لوگوں کی ہائیں خفیہ طریقے سے سنتا ہو۔ اور پھر لوگوں تک انہیں چغل خوری کے طور پر نقل کرتا ہو۔

توکیب:

لا یدخل فعل الجنة مفعول به مقدم قات قاتل، فعل فاعل اور مفعول بہ مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

- (۱) بخاری: حدیث نمبر ۵۷۰۹، باب ما یکرہ من النمیمۃ، کتاب الادب
- (۲) مسلم: حدیث نمبر ۴۰۴، باب بیان غلط تحریم النمیمۃ، کتاب الایمان



﴿ قطع رحمی کا وبال ﴾

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ

ترجمہ:

”قطع رحمی کرنے والا آدمی جنت میں نہیں جائے گا۔“

تشریح:

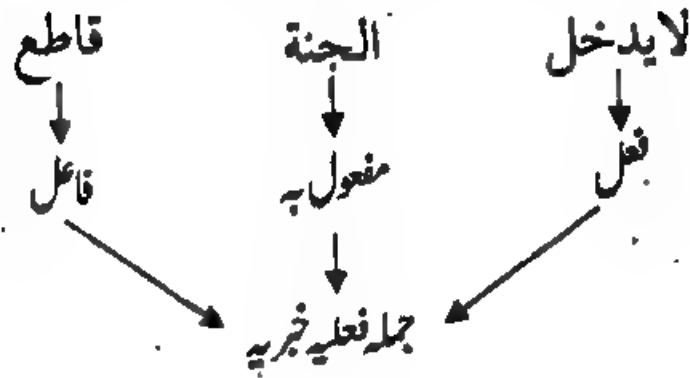
جن باتوں اور جن احکامات کی شریعت نے بہت زیادہ تاکید کی ہے اور بار بار ان کا مختلف انداز بدل کر اور مختلف پیراؤں میں ذکر کیا ہے ان میں سے صلہ رحمی کا حکم بھی ہے۔ صلہ رحمی کا مطلب ہوتا ہے اپنے رشتہ داروں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا، اور ان کے حقوق کی ادائیگی کا اہتمام کرنا، شریعت نے اس بات کی بہت تاکید کی ہے، کیونکہ یہ ایسا معاملہ ہے جس میں عام طور سے کوتاہی ہو جاتی ہے۔ اور رشتہ داروں میں جب آدمی زندگی گزارتا ہے تو انسانی فطرت کے مطابق اونچ نیچ تو ہو ہی جاتی ہے، اب شریعت کا حکم یہ ہے کہ ایسی اونچ نیچ کی صورت میں اپنے جذبات پر قابو پاتے ہوئے، رشتہ داروں سے تعلقات نہ بگاڑے جائیں، چاہے رشتہ دار قطع رحمی کریں لیکن ہم نے صلہ رحمی کرنی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”صل من قطعك“ جو رشتہ دار تیرے سے تعلق توڑے تو اس کے ساتھ جوڑ، فرمایا: رشتہ داری کا قیامت میں باقاعدہ سوال ہوگا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ جب اللہ نے مخلوقات کو پیدا کیا تو اس موقع پر رشتہ داری سے فرمایا: جو تجھے قائم رکھے گا اور جوڑے گا میں اسے اپنی رحمت سے جوڑوں گا اور جو تجھے توڑے گا میں اسے اپنی رحمت سے توڑ دوں گا۔

لغوی و صرفی تحقیق:

قاطع اسم فاعل کا صیغہ ہے، باب فتح یفتح سے بمعنی کاٹنے والا، رشتہ داری کے حقوق پامال کرنے والا۔

ترکیب:

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مفعول بہ مقدم قاطع فاعل مؤخر فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

نقشه ترکیب:تخریج حدیث:

(۱) بخاری: حدیث نمبر ۵۶۳۸، باب اثم القاطع، کتاب الادب

(۲) مسلم: حدیث نمبر ۶۶۸۴، باب صلة الرحم وتحريم قطيعته، کتاب البر والصلة

۳۹) مومن ایک سوراخ سے دوبارہ نہیں ڈسا جاتا

لَا يُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ وَاحِدٍ مَرَّتَيْنِ

ترجمہ:

”مومن آدمی ایک ہی سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا۔“

تشریح:

آپ ﷺ کے زمانے میں ابو عزرہ نامی ایک کافر شاعر تھا جو آپ ﷺ اور مسلمانوں کی مذمت میں اشعار کہا کرتا تھا، جنگ بدر کے موقع پر وہ قید ہو گیا لیکن بہت مدت ساجت اور آئندہ اپنی حرکات سے باز آنے کے وعدے پر اسے چھوڑ دیا گیا، لیکن اس نے رہا ہونے کے بعد وہی کام دوبارہ شروع کر دیئے اب کی دفعہ جب گرفتار ہوا تو آپ ﷺ نے اس کے قتل کا حکم دیا۔ جب کسی نے آپ ﷺ سے اس کے بارے میں سفارش کرنا چاہی تو آپ ﷺ نے مذکورہ بالا جملہ ارشاد فرمایا۔ مطلب یہ تھا کہ ایک دفعہ اس کو مہلت دے کر ہمیں یہ معلوم ہو گیا ہے کہ یہ آدمی اس قابل نہیں۔ اب دوبارہ اسے اس کے وعدے پر چھوڑنا یہ تو آزمائے ہوئے کو آزمانا ہے اور وہ تو سوائے ندامت و رسوائی کے کچھ نہیں۔ آپ ﷺ کا مذکورہ بالا جملہ عربی ادب کا بطور ضرب المثل حصہ بن گیا ہے۔

لغوی و صرفی تحقیق:

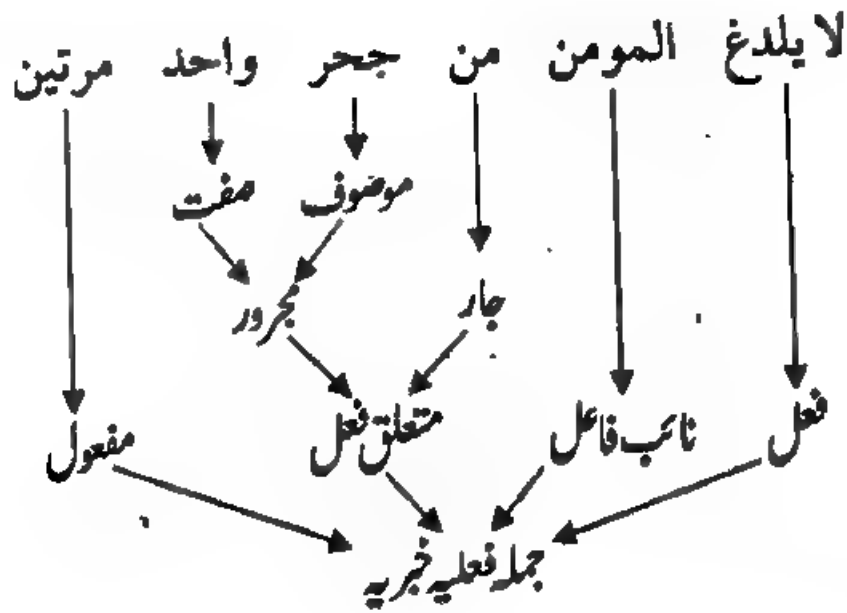
یلدغ فعل مضارع مجہول، باب یلغی سے ہفت اقسام کے اعتبار سے صحیح ہے بمعنی ڈسنا، ڈنگ مارنا۔

جحور بروزن صفت، بمعنی سوراخ، تل، یہ مفرد ہے اور اس کی جمع اجحار آتی ہے۔

توکیب:

لا یلدغ فعل مجہول المومن نائب فاعل من جار جحور موصوف واحد صفت، موصوف صفت تل کر مجرور، جار مجرور متعلق فعل کے، مرتب صفت ہے موصوف محذوف کی جو کہ لدغین ہے قائم مقام مفعول مطلق کے، موصوف صفت تل کر مفعول مطلق ہوا، فعل اپنے نائب فاعل متعلق اور مفعول سے تل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

نقشه ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) مسند احمد: حدیث نمبر ۵۹۶۴

(۲) ابوالد: حدیث نمبر ۴۸۶۲

۳۲۸ پڑوسیوں سے بدسلوکی پر وعید

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ لَا يَأْمَنُ جَارَهُ بَوَائِقَهُ

ترجمہ:

”وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کا پڑوسی اس کے شر سے محفوظ نہ ہو۔“

تشریح:

ایک حدیث میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا: جبرائیل علیہ السلام مجھے پڑوسی کے حقوق کے بارے میں اتنا اہتمام اور تاکید کر رہے تھے کہ مجھے لگا شاید وہ پڑوسی کو جائیداد میں بھی شریک نہ کر دیں اور اسے رشتہ داروں کی طرح یا قاعدہ وارث نہ بنادیں۔ اسلام میں پڑوسی کے حقوق کی بہت تاکید آئی ہے۔ بلکہ آدمی کی اچھائی اور برائی کا معیار یہ مقرر کیا گیا ہے کہ اس کے پڑوسی اس کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں۔ ایک صاحب نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ میں اپنے اچھا یا برا ہونے کا اندازہ کیسے لگاؤں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تیرے پڑوسی تجھے اچھا کہیں تو تو اچھا ہے اور اگر وہ برا کہیں تو پھر برا ہے۔ ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: کہ وہ آدمی مومن نہیں وہ آدمی مومن نہیں وہ آدمی مومن نہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کون مومن نہیں آپ ﷺ نے فرمایا: وہ آدمی جو خود تو پیٹ بھر کر سوئے اور اس کا پڑوسی بھوکا ہو۔

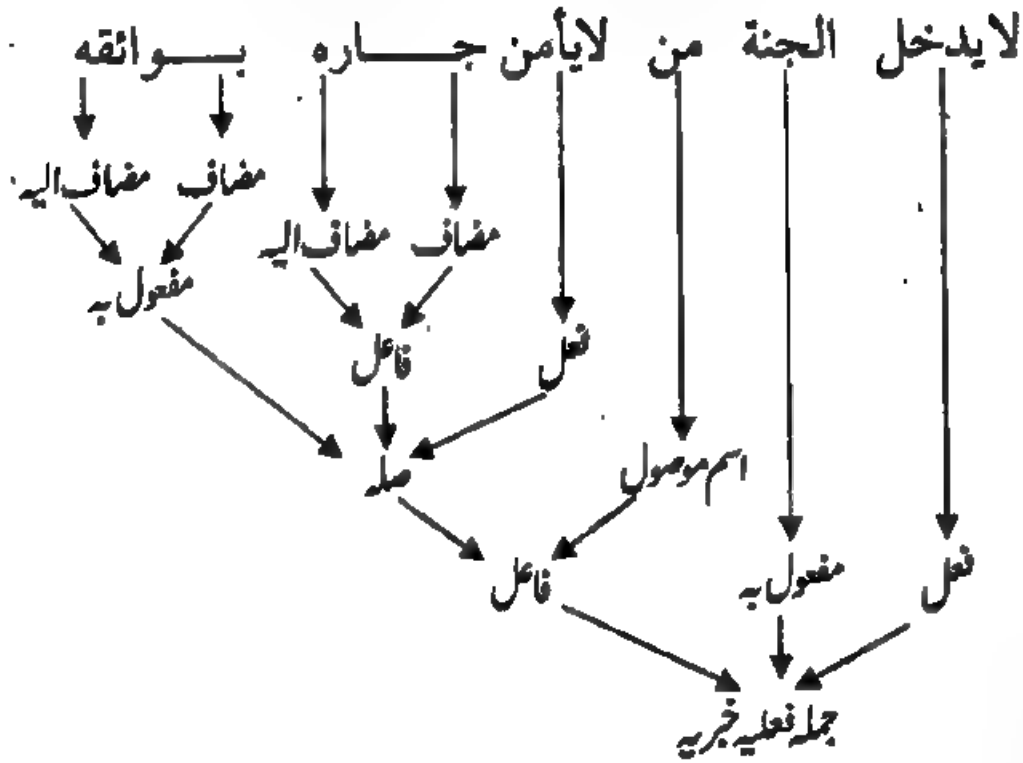
لغوی و صرفی تحقیق:

بوائق جمع ہے بائقة مکی، اور بائقة صیغہ اسم فاعل، ہفت اقسام سے اجوف واوی ہے حروف اصلی، ب، و، ق، یں، بائقة کا مطلب مصیبت، شر، اور برائی ہوتا ہے۔

ترکیب:

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مفعول بہ مقدم من اسم موصول لَا يَأْمَنُ فعل جوارہ مضاف مضاف الیہ مل کر فاعل بوائقہ مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول بہ، لَا يَأْمَنُ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر صلہ موصول صلہ مل کر فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

نقشه ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) بخاری: حدیث نمبر ۵۶۷۰، کتاب الادب

(۲) مسلم: حدیث نمبر ۱۸۱، باب تحریم ایذاء الجار، کتاب الایمان

۳۱ حرام غذا کا اثر

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ جَسَدٌ غُذِيَ بِالْحَرَامِ

ترجمہ:

”جس جسم کی حرام غذا سے نشوونما ہوئی ہو وہ جنت میں نہیں جائے گا۔“

تشریح:

مذکورہ حدیث میں حرام غذا اور حرام مال سے بچنے کی تاکید اور حکم نہایت سختی اور اہتمام سے دیا گیا ہے اور حرام کھانے پر وعید سنائی گئی ہے، وعید یہ ہے کہ جس شخص نے حرام کا ایک لقمہ بھی کھایا، اور وہ لقمہ اس کا جزو بدن بن گیا تو یہ جسم جنت میں جانے کے قابل نہیں۔ بلکہ جہنم کے لائق ہے تاکہ حرام کھائے ہوئے کی سزا بھگتے اور حرام کا اثر ختم ہو۔ حرام غذا کے بارے میں بے شمار وعیدیں ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ بعض لوگ لمبے لمبے سفر کر کے آتے ہیں بال بکھرے ہوئے، چہرہ گرد آلود، کپڑے میلے کچیلے، غرض ظاہری حالت ایسی ہے کہ ہر ایک کو دیکھتے ہی رحم آئے۔ جب یہ لوگ خدا سے دعا مانگتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی طرف التفات بھی نہیں کرتے کیونکہ ان کا کھانا حرام، پینا حرام، لباس حرام اور خدا ایسے شخص کی طرف التفات کیوں کرے؟ دعا بلکہ تمام عبادات کی قبولیت میں حلال کمائی کو بہت دخل ہے۔ الغرض ایک مسلمان کے ذمے یہ لازم ہے کہ وہ حلال کھائے حرام سے خواہ کسی بھی قسم کا اور کسی بھی درجے کا ہو بچے۔ حرام کی کچھ صورتیں تو وہ ہیں جو معروف اور بدیہی ہیں، مثلاً، رشوت، جوا، سود، شراب وغیرہ کی کمائی، چوری، ڈاکہ، جھوٹ کی کمائی۔ ان کو سب لوگ حرام جانتے اور سمجھتے ہیں، اور کچھ صورتیں ایسی ہیں جنہیں عام طور سے لوگ گناہ ہی نہیں سمجھتے، حالانکہ وہ بھی ایسے ہی حرام ہیں جیسے دیگر حرام ذرائع آمدن۔ اس دوسری قسم میں تجارت اور ملازمت یا زراعت وغیرہ کی تمام وہ صورتیں شامل ہوں گی جن کو مکمل طور سے اول تا آخر شرعی حکم اور تقاضوں کو سامنے رکھ کر نہ کیا گیا ہو چاہے ان میں ایک آدمہ ہی فنی خرابی ہو تاہم اس کی وجہ سے وہ حرام کے زمرے میں شامل ہو جاتے ہیں۔ اس قسم کے حرام سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ ہر آدمی اپنے شعبے سے متعلق مسائل سیکھے اور کسی بھی مشتبہ صورت کو یا تو چھوڑ دے یا کسی ماہر عالم یا مفتی سے اس کا شرعی حکم معلوم کرے۔

لغوی و صرفی تحقیق:

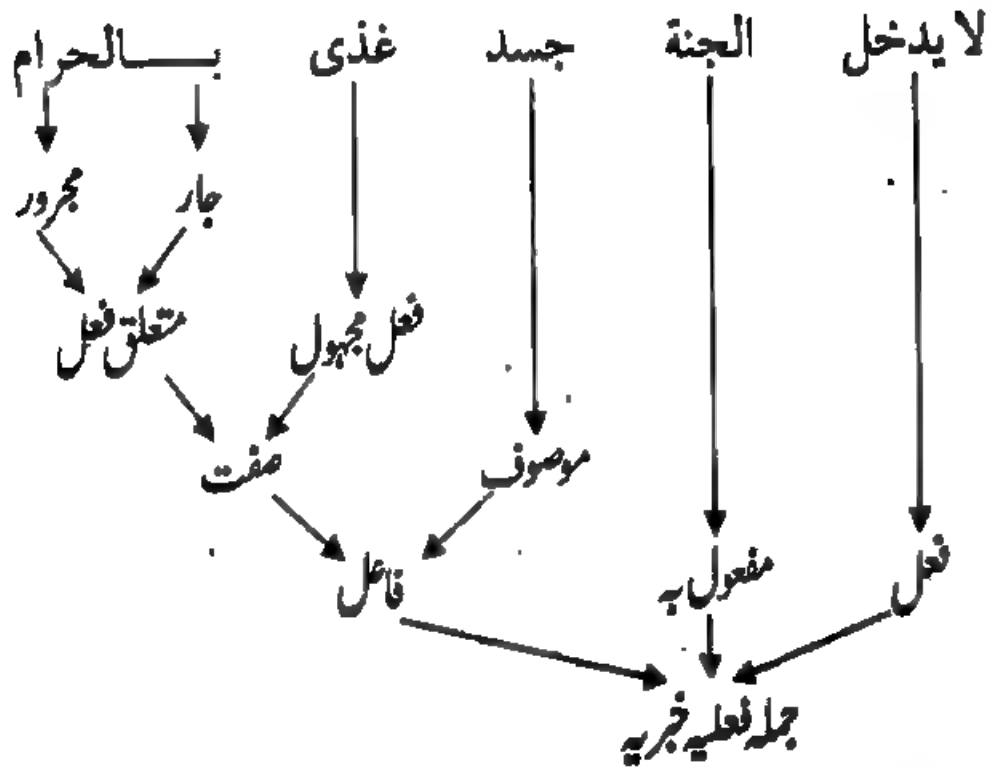
غذی فعل مجہول، باب تفعیل مفت اقسام سے ناقص یاکی، بمعنی غذا دی جانا، نشوونما پانا، پرورش پانا۔

ترکیب:

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَفْعُول بہ مقدم جسد موصوف غُذِيَ فعل مجہول ضمیر نائب فاعل ب جار الحرام مجرور، جار مجرور

متعلق فعل کے فعل، نائب فاعل اور متعلق سے مل کر صفت، موصوف مفت سے مل کر فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

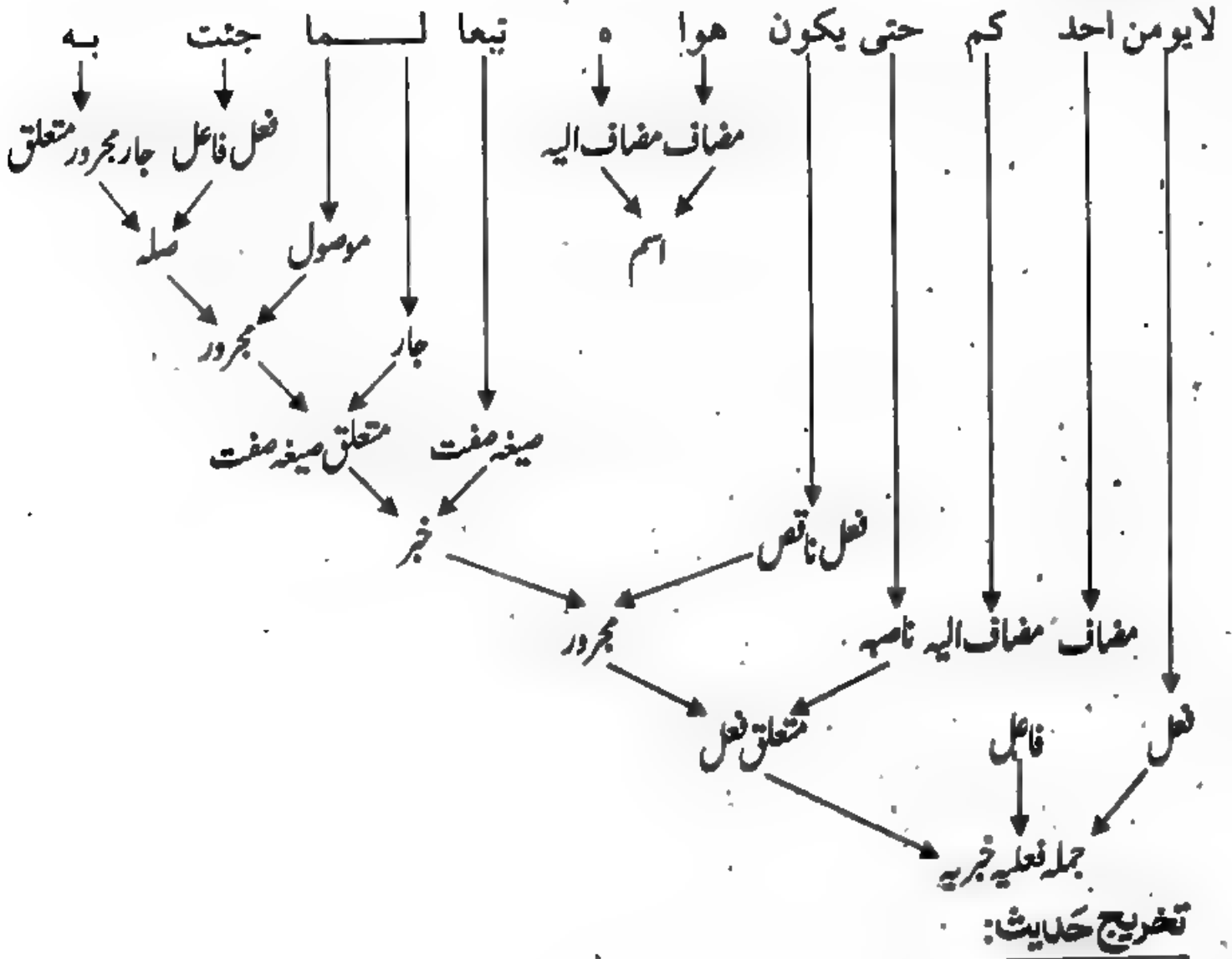
نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) معجم اوسط : حدیث نمبر ۵۹۶۱

اسم اور خبر سے مل کر بتا دیں ان مصدریہ مجرور، جار مجرور متعلق فعل کے، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔
نقشہ ترکیب:



(۱) الارمن النوویہ: حدیث نمبر ۴۱

۳۳ مسلمان کو دہشت زدہ کرنا

لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَرَوْعَ مُسْلِمًا

ترجمہ:

”کسی مسلمان کے لیے یہ حلال نہیں کہ وہ کسی مسلمان کو خوف زدہ کرے۔“

تشریح / پس منظر:

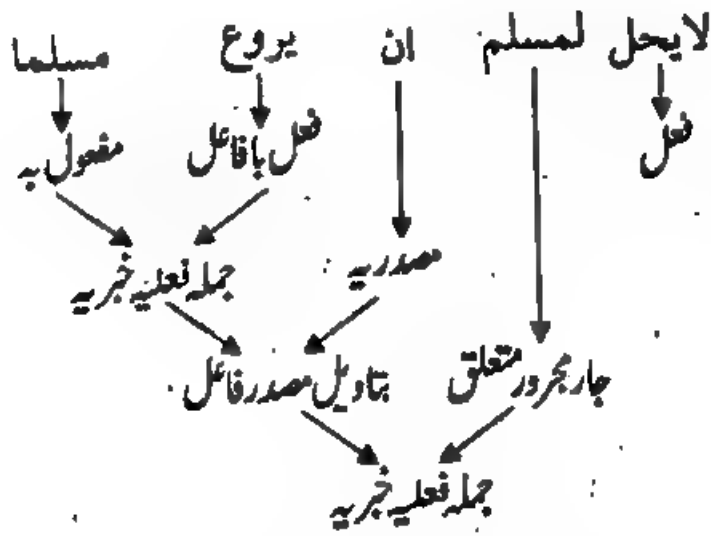
آپ ﷺ کے مذکورہ بالا ارشاد کا پس منظر اور شان و ردد یہ ہے کہ ایک دفعہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کسی جنگ کے لیے سفر میں تھے ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے مذاق میں دوسرے سوئے ہوئے صحابی رضی اللہ عنہ کو سیسے باندھ دیا۔ جس سے وہ صحابی رضی اللہ عنہ گھبرائے اور ڈر گئے۔ آپ ﷺ کو جب اس واقعے کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے مذکورہ بالا جملہ ارشاد فرمایا۔ اس حدیث کے مفہوم اور کلمات کی جامعیت میں وہ تمام صورتیں اور طریقے شامل ہوں گے جن میں کسی مسلمان کو پریشان یا دہشت زدہ کیا جاتا ہے۔ چاہے مذاق میں ہو یا سنجیدگی سے، چاہے اسلحہ سے ہو یا کسی آواز وغیرہ سے۔ ہر وہ صورت جس میں ایک مسلمان دہشت زدہ ہو وہ جائز نہیں۔

لغوی و صرفی تحقیق:

یحل فعل مضارع ہفت اقسام میں مضاعف ثلاثی، حروف اصلی، ح، ل، ل، ہیں بمعنی حلال ہونا، جائز ہونا۔
یروع فعل مضارع باب تفعیل سے ہفت اقسام میں اجوف واوی ہے، بمعنی خوفزدہ کرنا۔

ترکیب:

لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ لَ جارِ مُسْلِمٍ مجرور، جارِ مجرور متعلق فعلِ ان مصدر یہ تاصہ یروع فعل خمیر اس کا فاعل مسلما مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر بتا دیا کہ مصدر فاعل ہوا لَا يَحِلُّ فعل کا، لَا يَحِلُّ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

نقشہ ترکیب:تخریج حدیث:

(۱) ابو داؤد: حدیث نمبر ۴۰۰۴، باب من یاخذ الشئ من مزاج، کتاب الادب

۳۰ تصویر کا حکم

لَا تَدْخُلُ الْمَلَائِكَةُ بَيْتًا فِيهِ كَلْبٌ وَلَا تَصَاوِيرُ

ترجمہ:

”فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جہاں کتا اور تصاویر ہوں۔“

تشریح:

اس حدیث میں ملائکہ سے مراد رحمت کے فرشتے ہیں دوسرے فرشتے مثلاً موت کے فرشتے، عذاب کے فرشتے، اور نامہ اعمال لکھنے والے فرشتوں کے بارے میں یہ حکم نہیں، کیونکہ وہ ہر جگہ آتے جاتے ہیں۔ کتے سے مراد وہ کتا ہے جو شوقیہ پالا ہوا ہو، یا بلا ضرورت رکھا ہوا ہو، ضرورت کی وجہ سے رکھا ہوا کتا مثلاً کھیتی کی حفاظت یا بکریوں وغیرہ کی حفاظت یا اپنی حفاظت کے لیے رکھا ہوا کتا، اس میں شامل نہیں۔ اسی طرح تصویر سے مراد وہ تصویر ہے جو حرام ہو، مباح تصویر، مثلاً غیر جاندار کی تصویر، یا جاندار کی تصویر جو ضرورت کی بنا پر بنوائی ہو مثلاً شناختی کارڈ یا پاسپورٹ کی تصویر یہ اس وعید میں شامل نہیں ہوں گی۔ تصویروں کے بارے میں بڑی بڑی سخت وعیدیں ہیں مثلاً فرمایا: قیامت والے دن سب سے زیادہ سخت عذاب ان لوگوں کو ہوگا جو تصویریں بنانے والے ہیں۔ ان سے یہ کہا جائے گا، کہ جو صورتیں اور تصویریں تم نے بنائی ہیں ان میں جان ڈالو! لیکن ظاہر ہے کہ وہ ان میں جان نہیں ڈال پائیں گے۔ بعض لوگ تصویروں کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ تصویر تب حرام ہے جب وہ بت پرستی کا ذریعہ ہو، اب چونکہ یہ خطرہ نہیں لہذا اب تصویر بنانے میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن یہ بات غلط ہے کیونکہ اول تو اس حکم کی یہ علت بنانا بلا دلیل ہے دوسرے اگر یہ علت مان بھی لی جائے تب بھی اس بات کی کون ضمانت دیتا ہے کہ اگر اب نہیں تو دو چار نسلیں گزرنے کے بعد تصویریں اتنا تقدس اور احترام حاصل کہیں جو شرک کا مرادف ہو۔

موجودہ دور میں ڈیجیٹل تصویر کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے، بعض حضرات اس کے جواز کے قائل ہیں جبکہ دیگر حضرات اس کے بھی بدستور عدم جواز کے قائل ہیں اور وہ اسے ممنوعہ تصویر ہی سمجھتے ہیں اور یہی بات رائج بھی ہے۔ لہذا اس قسم کی تصویروں سے بھی اجتناب ضروری ہے۔ واللہ اعلم

لغوی و صرفی تحقیق:

المَلَائِكَةُ جمع ہے مَلَك کی، بمعنی فرشتہ۔

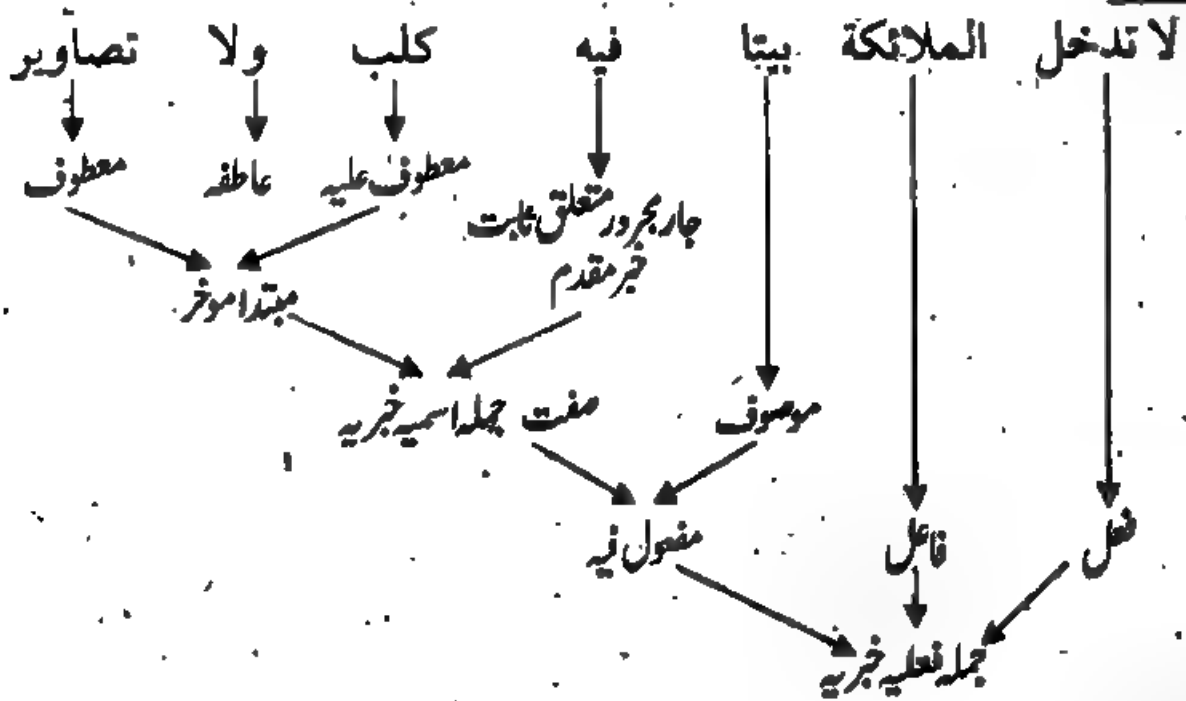
کَلْب مفرد ہے جس کی جمع کلاب ہے، بمعنی کتا۔

تَصَاوِير جمع ہے تصویر کی۔

ترکیب:

لا تدخل فعل الملائكة فاعل بيتا موصوف، فيه جار مجرور متعلق ثابت محذوف کے خبر مقدم کلب معطوف علیہ و عاطفہ لا تافیه تصاویر معطوف، معطوف علیہ مل کر مبتدا موخر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر صفت، موصوف صفت مل کر مفعول فیہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) بخاری: حدیث نمبر ۶۰۶۰، باب التصاویر

۳۵ رسول اللہ ﷺ کی محبت شرط ایمان ہے

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ

ترجمہ:

”تم میں سے کوئی آدمی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کے نزدیک اس کے والد، اولاد اور

تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔“

تشریح:

اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب تک سرور دو عالم، رحمت کائنات، محبوب خدا، محمد مصطفیٰ، احمد مجتبیٰ ﷺ کی ذات مبارکہ کی محبت اور عقیدت انسان کے دل میں دنیا بھر کے لوگوں سے زیادہ نہ ہو جائے، تب تک ایمان کی حلاوت نصیب نہیں ہو سکتی۔ خواہ وہ انسان اپنے قریبی سے قریبی رشتہ دار ہوں جیسے ماں باپ، اور اپنی اولاد یا عام لوگ ہوں۔ جتنی محبت ان لوگوں سے ہے آپ ﷺ کی محبت ان سب سے زیادہ ہونی چاہیے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ ایمان کی بنیاد اور مرکزی نقطہ آپ ﷺ کی ذات گرامی ہی ہے جس کی وجہ سے ہم خدا سے متعارف ہوئے۔ جس کی بدولت ہمیں قرآن ملا، ہمیں یہ مقام اور شان ملی، اگر آپ ﷺ نہ ہوتے تو اس سب کچھ میں سے کچھ بھی نہ ہوتا۔ اور آپ ﷺ کے احسانات اور انعامات بھی اس امت پر اتنے ہیں کہ جنہیں شمار نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے عقل تقاضا بھی یہی ہے کہ آپ ﷺ کی محبت سب سے زیادہ ہو

لغوی و صرفی تحقیق:

اجمعین، اجمع میضام تفصیل کی جمع ہے، بمعنی تمام کے تمام، سارے کے سارے، یہ لفظ بطور تاکید آتا ہے۔

ترکیب:

لَا یُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ مضاف الیہ مل کر فاعل حتی حرف نامہ اکون فعل ناقص ضمیر اس کا اسم احب میضام تفصیل الیہ جار مجرور متعلق میضام تفصیل من جار والدہ مضاف الیہ مل کر معطوف علیہ و عاطفہ ولدہ مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف علیہ معطوف و عاطفہ الناس موکد اجمعین تاکید، موکد تاکید مل کر معطوف، تمام معطوفات مل کر مجرور جار مجرور متعلق احب کے، احب اپنے دونوں متعلقات سے مل کر خبر، اکون فعل ناقص اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر متاویل مصدر مجرور ہوا حتی کا، جار مجرور متعلق فعل کے، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

۵ مسلمان بھائی سے ناراضگی کا حکم

لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثٍ فَمَنْ هَجَرَ فَوْقَ ثَلَاثٍ فَمَاتَ
دَخَلَ النَّارَ

ترجمہ:

”کسی بھی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ ناراض رہے، جو شخص تین دن سے زیادہ ناراض رہا اور اس حال میں مر گیا تو وہ دوزخ میں جائے گا۔“

تشریح:

انسان مختلف جذبات اور احساسات رکھتا ہے، اسے غصہ بھی آتا ہے اور چیزیں یا باتیں ناپسند بھی ہوتی ہیں۔ اور انسان اپنی ان فطری خصوصیات سے الگ نہیں ہو سکتا۔ دوسری طرف معاشرے میں رہتے ہوئے، مقامات کی کھینچا تانی، یا غلط فہمیوں کی وجہ سے ایک انسان دوسرے سے ناراض بھی ہوتا ہے، غصے بھی ہو جاتا ہے۔ لیکن عمدہ اخلاق اور انسانی ہمدردی کا تقاضا یہ ہے کہ اس حالت کو زیادہ دیر نہ رکھا جائے۔ چنانچہ شریعت نے اس وجہ سے ایک طرف انسانی جذبات کی رعایت کرتے ہوئے ناراضگی کو بالکل ممنوع قرار نہیں دیا لیکن دوسری طرف اسے زیادہ سے زیادہ محدود اور مختصر کرنے کا حکم دیا، اور اس حد کو تین دن میں محدود کر دیا اور فرما دیا کہ تین دن تک تو آپ کسی بھی مسلمان سے ناراض ہونا چاہیں تو ہو سکتے ہیں اس سے زیادہ نہیں۔ بلکہ زیادہ دیر کی ناراضگی پر بڑی سخت وعید سنائی، کہ اگر ایسی حالت میں کوئی فوت ہو جائے تو یہ سیدھا جہنم میں جائے گا۔ (اعاذنا اللہ منہ)

لغوی و صرفی تحقیق:

یَحِلُّ فعل، مضارع ثلاثی، حروف اصلی، خ، ز، ل، ی۔
یَهْجُر فعل مضارع بمعنی ترک کرنا، چھوڑنا، ناراض ہونا۔

ترکیب:

لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ جَار مجرور، جار مجرور متعلق فعل کے، اَنْ مصدر یہ ناصبہ، یَهْجُر فعل ضمیر اس کا فاعل اخاء مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول فیہ، فعل اپنے فاعل مفعول بہ مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر بتا دیا مصدر فاعل لَا يَحِلُّ فعل۔ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ف تفرجہ من شرطیہ، هَجَرَ فعل فوق مضاف ثلاث مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول فیہ، فعل فاعل اور مفعول فیہ سے مل کر معطوف علیہ ف ما ملکہ مات فعل فاعل مل کر معطوف، معطوف معطوف علیہ سے مل کر شرط، دَخَلَ فعل ضمیر اس کا فاعل النار

۳۶ کسی کی دلی خوشی کے بغیر اس کی چیز لینے کا حکم

أَلَا لَا يَحِلُّ مَالُ امْرِئٍ إِلَّا بِطَيْبِ نَفْسٍ مِنْهُ

ترجمہ:

”آگاہ رہو! کسی بھی شخص کا مال اس کی خوش دلی کے بغیر حلال نہیں۔“

تشریح:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی بھی شخص کا مال آپ کے لیے حلال ہونے کی دو ہی صورتیں ہیں یا تو وہ مال کسی قانونی حکم اور شرعی اصول کے تحت آپ کو ملے، جیسے بیع میں بیع و ثمن، نکاح میں مہر یا اپنے کام کی اجرت وغیرہ یا پھر دوسرا آدمی آپ کو اپنی دلی خوشی سے دے دے جیسے ہدیہ یا ضیافت، یا استعمال کے لیے کوئی چیز دینا۔ اس کے علاوہ دیگر تمام صورتیں ناجائز ہیں داخل ہیں، خواہ غصب ہو یا رشوت وغیرہ۔ اسی طرح دباؤ میں آ کر دیا جانے والا مال بھی حلال نہیں ہوتا۔

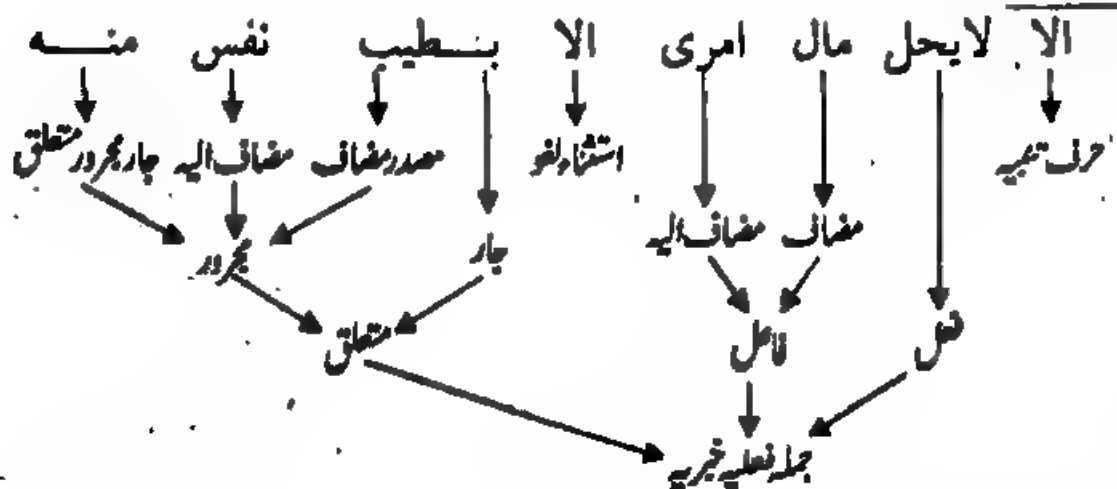
لغوی و صرفی تحقیق:

طیب مصدر ہے طاب یطیب فعل سے بمعنی خوش گواری، یہاں مراد دل کی خوشی اور رضائے نفس ہے۔

ترکیب:

الاحرف تنبیہ لا یحل فعل مال مضاف امرئ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ سے مل کر قائل، الاحرف استثناء لغو ب جار طیب مصدر مضاف نفس مضاف الیہ من جارہ ضمیر مجرور، جار مجرور متعلق ہوا مصدر کے، مصدر مضاف اپنے مضاف الیہ اور متعلق سے مل کر مجرور، جار مجرور متعلق ہوا لا یحل فعل کے، فعل اپنے قائل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

۳۱۱ رحمتی سے محرومی بد بختی ہے

لَا تُنَزِعُ الرَّحْمَةَ إِلَّا مِنْ شَقِيٍّ

ترجمہ:

”رحمت کو اسی آدمی سے الگ کیا جاتا ہے جو بد بخت ہوتا ہے۔“

تشریح:

رحمت حق تعالیٰ کی صفت ہے جس کی بدولت کائنات کا یہ نظام قائم و دائم ہے اللہ نے اپنی جن صفات کی مشابہت کا بندوں سے تقاضا کیا ہے ان میں یہ صفت بھی ہے۔ فرمایا: ”ارحموا من فی الارض یوحمکم من فی السماء“ تم زمین پر بسنے والے لوگوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔

مذکورہ بالا روایت میں یہ بتایا گیا ہے کہ اگر کسی شخص کے دل میں اس رحمت کے جذبات نہیں اور اسے خلق خدا پر رحم نہیں آتا اور وہ ظلم کرتا ہے، ترس نہیں کھاتا تو ایسا آدمی بد بخت اور محروم ہے یعنی گویا جس کو اللہ نے بد بخت کرنا ہو اس کے دل میں رحمت کے جذبات موجزن نہیں ہوتے، اور یہ علامت ہوتی ہے کہ یہ شخص رحمت خداوندی اور سعادت و نیک بختی سے عاری ہے۔

لغوی و صرفی تحقیق:

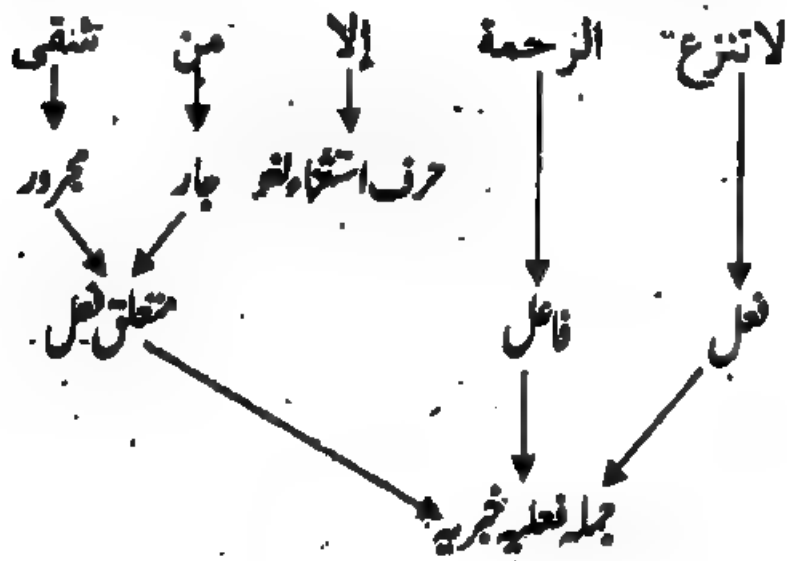
تنزع فعل مضارع مجہول کا صیغہ ہے بمعنی کھینچنا، کسی چیز کو زبردستی دوسری چیز سے الگ کرنا۔

شقی بروزن فعل صیغہ صفت مشبہ، ہفت اقسام میں ناقص واوی ہے اس کا مصدر شقاوت ہے، بمعنی بد بختی، محرومی۔

ترکیب:

لَا تُنَزِعُ الرَّحْمَةَ قَاطِلَ الْأَحْرَفِ اسْتِثْنَاءُ لَفْظٍ مِنْ جَارِ شَقِيٍّ مَجْرُورٌ، جَارِ مَجْرُورٍ مُتَعَلِّقٌ بِهَذَا فَعْلٍ كَيْفٍ، فَعْلٍ مِنْ فاعِلٍ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

نقشه تركيب:



تخريج حديث:

(١) ترمذی: حدیث نمبر ۱۹۲۳، باب ما جاء في رحمة الناس، ابو اب البر والصله

(٢) ابو داود: حدیث نمبر ۴۹۴۶، باب في الرحمة، كتاب الادب



۳۶ گھنٹیوں اور موسیقی کا حکم

لَا تَصْحَبُ الْمَلَائِكَةُ رَفَقَةً فِيهَا كَلْبٌ وَلَا جَرَسٌ

ترجمہ:

”فرشتے اس قافلے کے ساتھ نہیں ہوتے جس میں کتیا گھنٹی ہو۔“

تشریح:

پچھلے حدیث میں یہ بیان ہوا تھا کہ جس گھر میں کتیا تصاویر ہوں اس میں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے، یہاں یہ فرمایا کہ یہ پابندی صرف گھر کے ساتھ خاص نہیں بلکہ کتا جہاں بھی ہو، چاہے وہ گھر ہو یا قافلہ اس میں رحمت کے فرشتے نہیں آتے۔ اس حدیث میں کتے کے ساتھ ساتھ ایک دوسری چیز کا بھی ذکر کیا گیا ہے، اور وہ ہے گھنٹی، یعنی جس قافلے یا سفر میں گھنٹی ساتھ ہو، ہاں بھی رحمت کے فرشتے نہیں آتے۔ اس گھنٹی سے مراد وہ ہے جو ایک تو بڑی ہو، دوسرے بلا ضرورت و مقصد محض شوقیہ لگائی جائے، اگر کوئی ضرورت ہو اس کے تحت چھوٹی گھنٹی استعمال کر لی جائے تو بعض علماء کے ہاں اس کی گنجائش ہے مثلاً جانور کے گم ہو جانے کی صورت میں گھنٹی سے پتہ چل جاتا ہے۔ اس حدیث میں یہ بات بخوبی معلوم ہو گئی کہ جب بلا ضرورت شریعت نے ایک سادہ گھنٹی کے ساتھ اتنا سخت رویہ رکھا ہے تو بڑے ساز و آلات کا کیا ٹھکانہ ہوگا؟ آج کل کے دور میں موبائل فون کے اندر بجنے والی گھنٹیوں میں سے جو گھنٹیاں سادہ ہوں وہ ضرورت کی وجہ سے جائز ہیں اور جن گھنٹیوں میں آواز کا اتار چڑھاؤ اور موسیقی ہو، وہ ناجائز ہیں ایسی گھنٹیوں سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔

غوی و صرفی تحقیق:

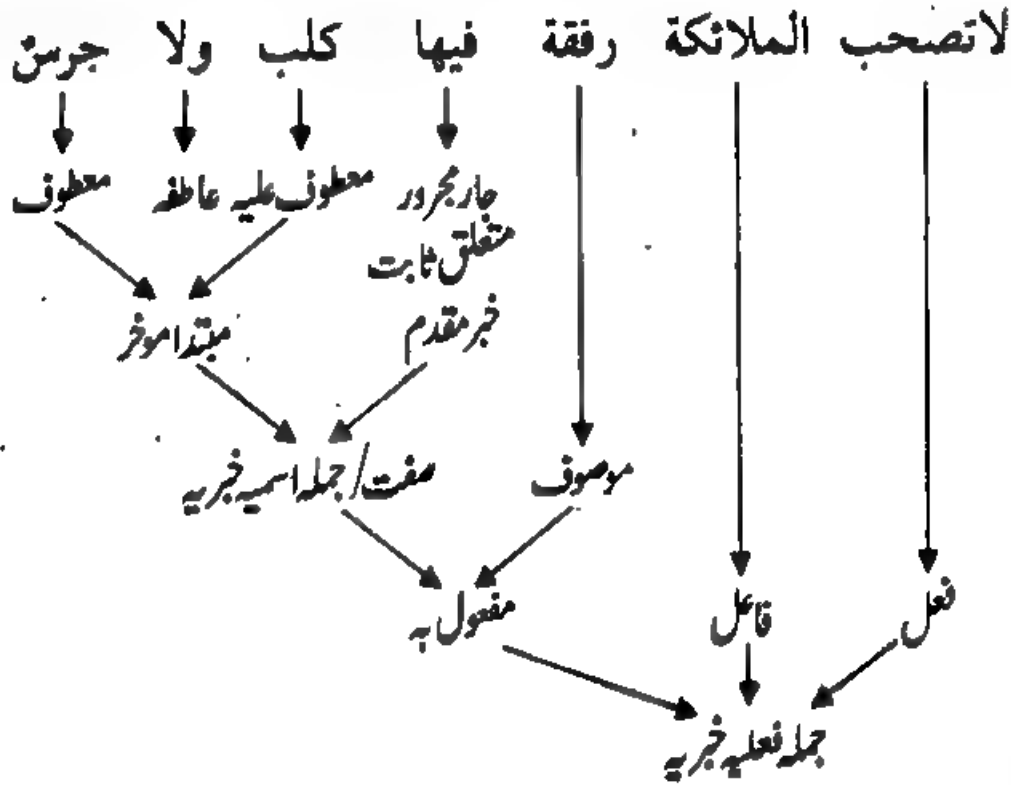
تصحیح فعل مضارع باب سماع بسمع بمعنی ساتھ ہونا ساتھ دینا ساتھ تھی بننا۔

رفقۃ اس کی را پر زیر، زبر اور پیش تینوں حرکات پڑھی جاسکتی ہیں۔ یہ رفیق کی جمع ہے، بمعنی ساتھی، شریک سفر، سوار۔ جرس بمعنی گھنٹی۔

تذکیہ:

لَا تَصْحَبُ فعل المضارع الملائكة فاعل رفقة موصوف فیہا جار مجرور متعلق ثالث خبر مقدم کلب معطوف علیہ و عاطفہ لَا فی جرس معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر مبتدا مؤخر، مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر صفت، موصوف صفت مل کر مفعول بہ فعل کا، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) مسلم: حدیث نمبر ۵۶۶۸، باب کراهة الكلب والحرس في السفر

(۲) ابو داؤد: حدیث نمبر ۲۵۵۴، باب في تعليق الأجراس

صِيغُ الْأَمْرِ وَالنَّهْيِ

آگے آنے والے باب میں وہ احادیث ذکر ہوں گی جن میں امر کا یا نہی کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔ یہ تمام احادیث جملہ خبریہ کی بجائے جملہ انشائیہ پر مشتمل ہیں، کیونکہ امر و نہی انشاء کی اقسام ہیں۔

③ دین کی بات آگے پہنچانے کا حکم

بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً

ترجمہ:

”میری طرف سے پہنچاؤ/تبلیغ کرو اگرچہ ایک آیت ہی ہو۔“

تشریح:

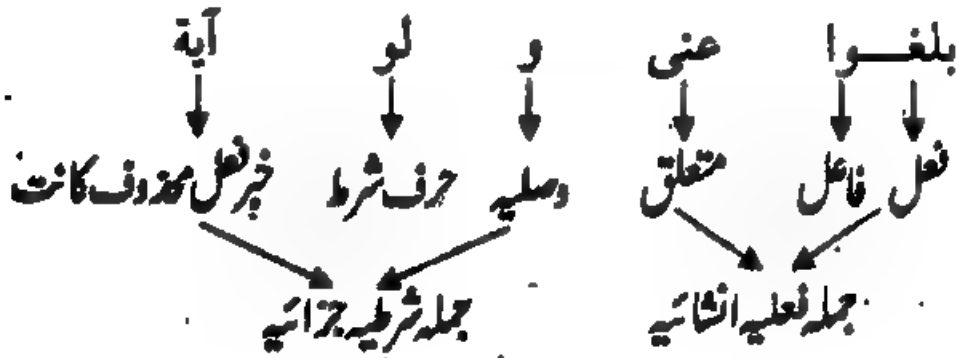
اس حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے اپنے امتیوں کو بحیثیت مسلمان یہ ذمہ داری سونپی ہے کہ تمہارے پاس دین کی جتنی باتیں بھی ہوں، خواہ تم مکمل عالم ہو یا نہیں، چاہے تمہارے پاس ایک آیت ہے اس کے بارے میں یہ کوشش کرو کہ وہ ایسے شخص تک پہنچ جائے جس کے علم میں وہ نہیں، کیونکہ دین کا علم ایک امانت ہے جسے ناواقف لوگوں تک پہنچانا ضروری ہے اور دین کی بقا و دوام اور استمرار اس کی نشر و اشاعت اور اس کے پھیلاؤ پر موقوف ہے اس لیے دین کی باتیں دوسروں تک پہنچانا اتنا ہی ضروری ہے، جتنی دین کی بقا اور وجود۔ کیونکہ جو چیز واجب ہو اس کے حصول کے مقدمات بھی واجب کا درجہ رکھتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ دین کا علمی اور عملی طور سے محفوظ اور جاری رہنا یہ ایک ضرورت اور لازمی تقاضا ہے اب اس کے لیے وہ تمام اسباب بروئے کار لانا اسی طرح ضرورت اور لازمی تقاضا ہوگا۔ ان اسباب میں سے جو سبب مقصد کے حصول یعنی دین کے احیاء کے لیے جتنا موثر اور مفید ہوگا وہ اسی قدر ضروری ہونا چاہئے گا۔ اگر حالات ایسے ہوں کہ زبانی تبلیغ مفید ہو تو وہ ضروری ہوگی، اگر تحریر و تقریر کی ضرورت ہو تو وہ ضروری ہوگی۔ غرض کوئی شکل متعین نہیں۔ مقصد (یعنی دین کی علمی اور عملی حفاظت اور اس کا نفاذ اور غلبہ) متعین اور ضروری ہے اب اس کے لیے جائز حدود میں رہتے ہوئے مفید سے مفید کوئی سے بھی اسباب اختیار کیے جاسکتے ہیں۔ اور اس بارے میں ہر صاحب نظر اپنی فکر کا پابند ہے وہ جسے حالات کا تقاضا اور ضرورت سمجھتا ہے اس کو ضرور اختیار کرے۔ غلبہ دین کے لیے محنت کی کسی ایک شکل کو خواہ وہ کوئی بھی ہو ایسے طور سے متعین کرنا کہ شرعاً اس متعین شکل کو فرض عین کا درجہ دیا جائے اور اس ترتیب میں جو لوگ منسلک نہ ہوں انہیں گناہ کا ریا خطا کا سمجھا جائے یہ درست نہیں۔ چاہے یہ شکل تعلیم و تدریس کی ہو یا دعوت و تبلیغ کی، چاہے

جہاد و قتال کی ہو یا سیاست و انقلاب کی۔ خلاصہ یہ کہ دین کی محنت کے لیے کچھ بھی کرنا چاہیے اور ضرور کرنا چاہیے باقی رہی یہ بحث کہ کیا فرض ہے؟ اور کیا واجب؟ اس میں نہیں پڑنا چاہیے۔

ترکیب:

بلغوا فعل امر حاضر ضمیر اس کا قائل عنی جار مجرور متعلق فعل کے، فعل اپنے قائل اور متعلق سے مل کر جملہ انشائیہ ہوا۔ و وصلیہ لو حرف شرط آیت خبر ہے فعل محذوف کانت کی کانت فعل اپنے اسم اور خبر سے مل کر شرط، جزا محذوف کی، جو کہ قبل بلغوا ہے، شرط جزا ل کر جملہ شرطیہ جزائیہ ہوا۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) بخاری: حلیث نمبر ۳۲۷۴، باب ما ذکر عن نبی اسرائیل



۱۳۱) فرق مراتب کا خیال

انزلوا الناس منازلهم

ترجمہ:

”لوگوں کو ان کے مراتب پر رکھو۔“

تشریح:

مطلب یہ ہے کہ آدمی جس رتبے اور حیثیت کا ہو اس کے ساتھ اس کی حیثیت کے مطابق معاملہ کرو۔ بنیادی طور سے تمام انسان مرتبہ انسانیت پر فائز ہیں لہذا ہر انسان کے انسان ہونے کے ناطے کچھ حقوق ہیں، وہ ادا کرو۔ اس کے بعد مسلمان ہونا ایک مرتبہ ہے اس کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ اس میں وہ تمام حقوق ہیں جو ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان بھائی کے ذمے ہیں۔ اس کے بعد پھر بے شمار مراتب ہیں مثلاً رشتہ داری، قرابت داری، استاد، شاگردی، بھائی چارہ، علم و ہنر کی فضیلت وغیرہ۔ حاصل یہ کہ ہر انسان کا بنیادی احترام اور عزت تو ضروری ہے ہی، اس کے علاوہ جس قدر شرافت کی دیگر چیزیں ہوں گی ان کے حساب سے اس کے ساتھ معاملہ کیا جائے گا۔ اور ایسا کرنا شرعاً مطلوب ہے، اور یہ چیز مساوات کے منافی نہیں۔ کیونکہ مساوات کا تعلق بنیادی حقوق اور ذمہ داریوں سے ہے، بعد کے درجات اور مراتب فضیلت سے نہیں، کیونکہ جاہل اور عالم رتبے میں برابر نہیں، ایک آقا اور اس کا غلام رتبے میں برابر نہیں، ہاں بنیادی احترام اور عزت نفس کا خیال سب کے لیے یکساں ہے، اور تحقیر و توہین کسی کی بھی جائز نہیں۔

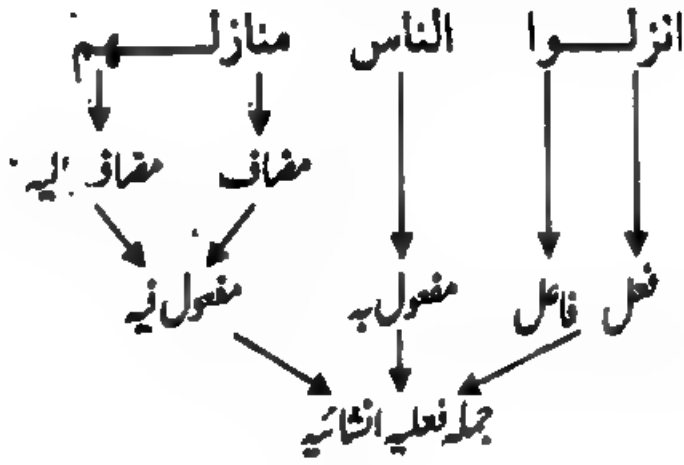
لغوی و صرفی تحقیق:

انزلوا فعل ہے باب افعال سے امر حاضر کا صیغہ ہے بمعنی اتارو، مراد ہے معاملہ کرنا، مقام دینا۔

منازل جمع ہے بروزن مفاعل، اس کا مفرد منزل ہے۔ بمعنی مقام، مرتبہ، درجہ فضیلت۔

ترکیب:

انزلوا فعل بافاعل الناس مفعول بہ منازل مضاف ہم ضمیر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول فیہ، فعل اپنے فاعل اور دونوں مفعولوں سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔

نقشه ترکیب:تخریج حدیث:

(۱) ابو داؤد: حدیث نمبر ۴۸۴۲، باب فی تنزیل الناس منازلهم، کتاب الادب



﴿ ۳۲ ﴾ سفارش کا حکم

اِسْفَعُوْا فَلَئِنْ جَرُّوْا

ترجمہ:

”سفارش کرو تا کہ ثواب پاؤ۔“

تشریح:

معاملات کی دنیا میں آدمی کو بے شمار دفعہ ایسی جگہوں پر کام پڑتا ہے جہاں سے کام کرنا ذرا مشکل ہوتا ہے۔ متعلقہ کام بذات خود اگرچہ جائز ہوتا ہے لیکن یہ آدمی چونکہ گناہ یا بے رعب ہوتا ہے جس کی وجہ سے اس کا کام یا تو ہوتا ہی نہیں، اور اگر ہوتا بھی ہے تو بہت دیر اور مشقت سے۔ ایسی صورت میں یہ آدمی اگر کسی ایسے با اثر شخص کے پاس جائے جس کے کہنے سننے سے وہ کام آسانی ہو جائے تو ایسے کرنے کو سفارش کہتے ہیں۔ اور یہ سفارش کی جائز حدود ہیں۔ ایسی سفارش کرنا جائز بلکہ باعث ثواب ہے کیونکہ اس میں ایک مسلمان بھائی کی مدد اور تعاون ہے اور تعاون تو باعث ثواب ہی ہے۔

اس کے برعکس اگر سفارش ناجائز کام کی ہو تو یہ سفارش کرنا اور کر دانا اور اس پر عمل کرنا جائز نہیں، بلکہ یہ وبال اور گناہ کا باعث ہے۔ خلاصہ یہ کہ سفارش اگر اچھی ہو تو اجر و ثواب ہے اور اگر بری ہو تو باعث وبال و عذاب ہے۔ قرآن پاک میں ہے: ”مَنْ يُشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَهُ نَصِيبٌ مِّنْهَا وَ مَنْ يُشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَهُ كِفْلٌ مِّنْهَا۔“ (سورۃ نساء: آیت ۸۵)

یہ بھی سمجھنا ضروری ہے کہ سفارش کی حقیقت اور حیثیت ایک ترجیحی مشورے کی ہے۔ حکم اور ضروری تقاضے کی نہیں۔ چنانچہ جو سفارش دباؤ کی صورت میں ہو وہ سفارش نہیں ہوگی۔

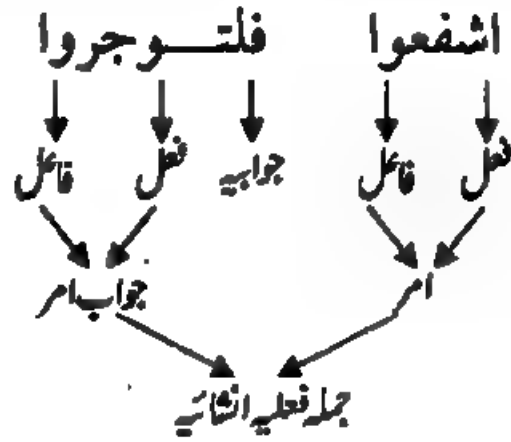
لغوی و صرفی تحقیق:

اِسْفَعُوا فعل امر حاضر، باب سمع - یسمع بمعنی سفارش کرنا۔

لَتَجْرُوا فعل امر باب ضرب یا ضرب ہفت اقسام سے مہموز الفاء۔

ترکیب:

اِسْفَعُوا فعل امر حاضر ضمیر اس کا فاعل، فعل فاعل سے مل کر امر، فاعل جوابیہ لتو جروا فعل امر۔ ضمیر اس کا نائب فاعل، فعل اپنے نائب فاعل سے مل کر جواب امر۔ امر جواب امر سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔

نقشہ ترکیب:تخریج حدیث:

- (۱) بخاری: حدیث نمبر ۵۶۸۱، باب تعاون المومنین بعضهم بعضاً، کتاب الادب
 (۲) مسلم: حدیث نمبر ۶۸۵۸، باب استحباب الشفاعة، کتاب البر والصلة



۱۳۳ استقامت کا حکم

قُلْ آمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمَّ

ترجمہ:

”تم یہ کہو! میں اللہ پر ایمان لایا، اور پھر اس پر ڈٹ جاؤ۔“

تشریح / پس منظر:

ایک صحابی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے ایسی جامع اور کامل و مکمل نصیحت فرما دیں کہ جس کے بعد مجھے کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہ رہے۔ اور میں اگر اس نصیحت پر عمل پیرا ہوں تو مجھے کافی ہو جائے۔ آپ نے نہایت مختصر مگر واضح الفاظ میں یہ نصیحت فرمائی کہ سب سے پہلے اللہ پر ایمان لاؤ، اللہ کی ذات و صفات اور اس کے تمام احکامات کو دل و جان سے تسلیم کرو اور پھر ان باتوں پر ثابت قدم رہو اور ڈٹ جاؤ۔ چاہے دنیا میں حالات کی آندھیاں جس رخ پہ چلتی رہیں تمہارے پائے استقلال میں فرق نہیں آنا چاہیے۔ چاہے تمہارے اوپر ظلم کے پہاڑ ٹوٹ جائیں مگر تمہارے عزم و استقلال میں ذرا بھی جنبش نہیں ہونی چاہیے۔

حدیث میں استقامت کا مصداق کیا ہے؟ اس کے بارے میں کئی طرح کی تشریحات ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ دین کی تمام تعلیمات کو مکمل احتیاط اور حزم کے ساتھ اپنائے رکھنا اور ان پر ہمیشہ عمل پیرا رہنا استقامت ہے۔ اسی وجہ سے اہل نظر کہتے ہیں: ”الاستقامة فوق الف كرامة“ کہ دین کے احکام پر جماؤ ہزار ظاہری کرامتوں سے بڑھ کر ہے۔

لغوی و صرفی تحقیق:

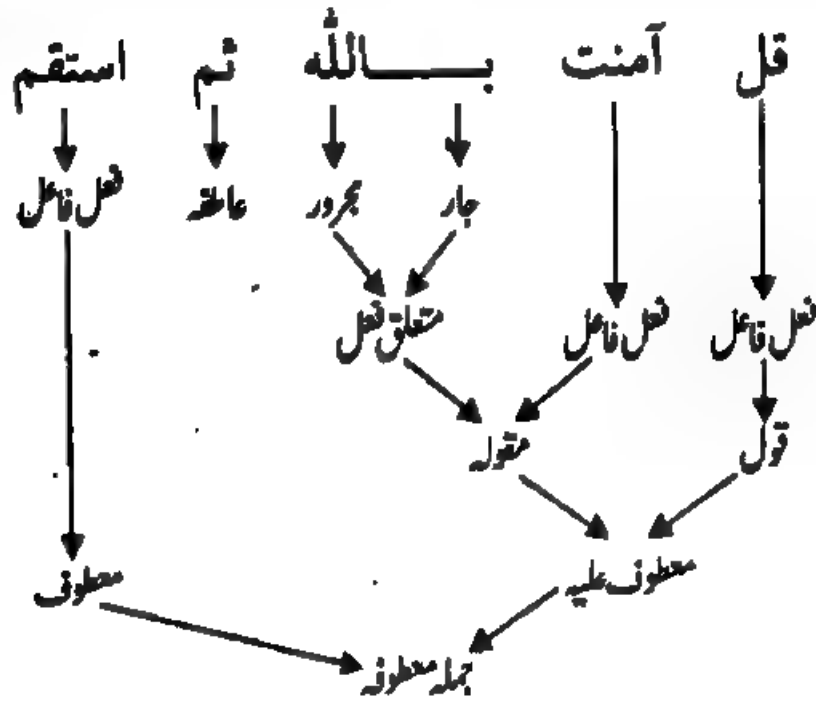
قل امر حاضر کا صیغہ ہے باب قال یقول، نصرہ نصر سے جو کہ اجوف واوی ہے۔

استقم امر حاضر کا صیغہ ہے باب استفعال سے، اصل میں استقوم تھا، واؤ حذف ہو گئی ہفت اقسام میں سے اجوف واوی ہے، حروف اصلی ق، و، م، ہیں۔

ترکیب:

قل فعل امر حاضر۔ ضمیر اس کا فاعل، فعل فاعل سے مل کر قول ”امنت“ فعل، ضمیر اس کا فاعل با جار لفظ اللہ مجرور، جار مجرور متعلق ہوئے فعل کے۔ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر مقولہ، قول مقولہ مل کر معطوف علیہ، ثم حرف عطف استقم فعل امر حاضر۔ ضمیر فاعل، فعل فاعل سے مل کر معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر جملہ معطوف ہوا۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) مسند احمد: حدیث نمبر ۱۵۴۱۶

(۲) ابن ماجہ: حدیث نمبر ۳۹۷۲



۳۳ ایک اور جامع نصیحت

دَعُ مَا يُرِيْبُكَ اِلٰى مَا لَا يُرِيْبُكَ

ترجمہ:

”جو چیز تمہیں شک میں ڈالے اسے چھوڑ کر وہ چیز لے لو جو تمہیں شک میں نہ ڈالے۔“

تشریح:

ایک دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے یہ فرمایا: ”الْحَلَالُ بَيْنَ وَالْحَرَامِ بَيْنَ وَبَيْنَهُمَا أُمُورٌ مُّشْتَبِهَاتٌ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعَوْضِهِ“ کہ شریعت کے بے شمار احکامات بالکل واضح اور بے غبار ہیں چاہے حلال ہوں یا حرام، سب کو علم ہے البتہ کچھ امور ایسے ہیں کہ ان کے بارے میں واضح جانب اور پہلو موجود نہیں ہوتا۔ ایسے امور کے بارے میں اجمالی اور مبنی بر احتیاط حکم یہ ہے کہ ان کو ترک کر دیا جائے، ایسا نہ ہو کہ آدمی جائز سمجھ کر حرام کا مرتکب ہو جائے۔ مذکورہ بالا روایت بھی اس بات کو ذرا مختلف انداز سے بیان کر رہی ہے، اس میں یہ فرمایا گیا ہے کہ کسی چیز کے بارے میں اگر تمہیں شبہ ہو جائے تو اب بجائے اس کے کہ اس کو اختیار کیے رکھو! اور دل ہی دل میں شبہ پنپتا رہے اور دہم کی صورت اختیار کر جائے اس سے بہتر ہے کہ تم اس چیز کو ہی ترک کر دو۔ اور اس کی جگہ وہ کام کر لو جو بلاشبہ جائز ہو۔

یہ اصول زندگی کے ہر شعبے اور ہر کام کے بارے میں ہے، خواہ اس کا تعلق عبادات سے ہو یا معاملات سے۔ اس لیے فرماتے ہیں ”اسْتَفْتِ قَلْبَكَ“ اپنے دل سے فتویٰ طلب کرو، اگرچہ علماء تمہیں فتویٰ دے بھی دیں۔ کیونکہ بے شمار کاموں کے بارے میں انسان کا دل ہی گواہی دے دیتا ہے کہ یہ درست نہیں۔

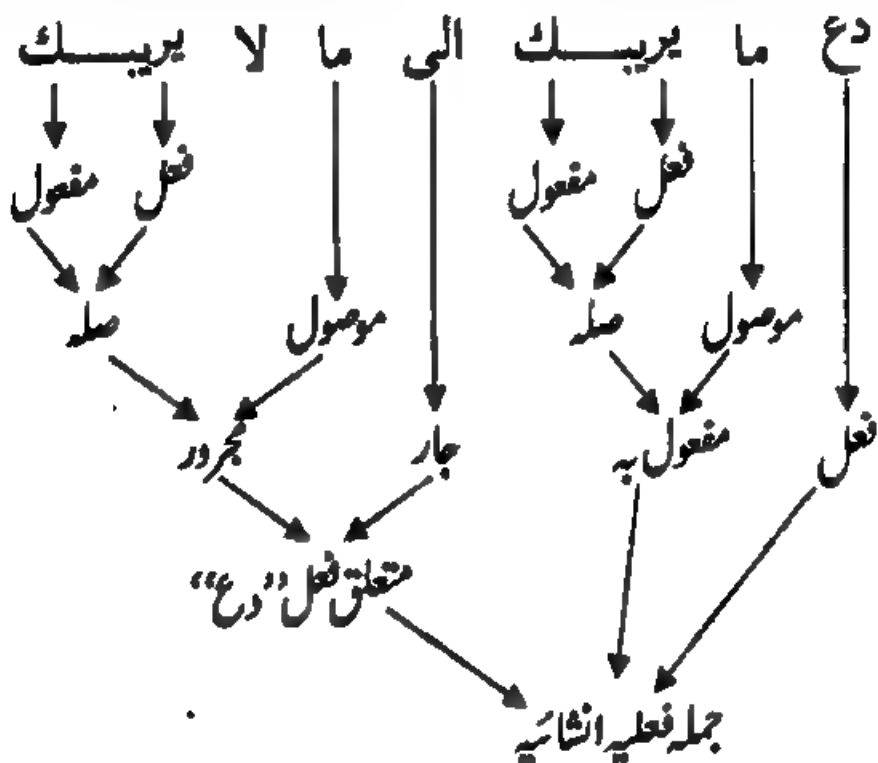
لغوی و صرفی تحقیق:

دع صیغہ امر حاضر ہے۔ ہفت اقسام میں سے مثال واوی ہے۔ حروف اصلی، و، د، ع، ہیں بمعنی چھوڑنا، الوداع کرنا۔ یربب فعل مضارع باب افعال سے۔ ہفت اقسام سے اجوف یا ئی ہے۔ حروف اصلی، ر، ی، ب، ہیں بمعنی شبہ میں ڈالنا۔

ترکیب:

دع فعل امر حاضر۔ ضمیر اس کا فاعل ما موصولہ لا یریب فعل ک مفعول بہ، فعل فاعل اور مفعول بہ مل کر صلہ ہوا، موصول صلہ سے مل کر مجرور، جار مجرور متعلق فعل ”دع“ کے۔ فعل اپنے مفعول اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

(١) ترمذی: حدیث نمبر ٢٥١٨، ابواب صفۃ القیامۃ

۲۔ نسائی: حدیث نمبر ۵۳۵۸

۳۔ احمد: حدیث نمبر ۱۲۰۹۹



۳۷۷ تین اہم نبوی نصیحتیں

إِنِّي لَأَعْلَمُ مَا كُنْتُ وَاتَّبِعِ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمَحُّهَا وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ
ترجمہ:

”تم جہاں کہیں بھی ہو اللہ سے ڈرو! اور برائی کے بعد اچھائی کرو، وہ اس کو مٹا دے گی اور لوگوں سے اچھے خلاق سے پیش آؤ۔“

تشریح:

اس حدیث مبارکہ میں تین چیزوں کا حکم اور تاکید و اہتمام آیا ہے۔ سب سے پہلی بات ہے تقویٰ اختیار کرنے کی کہ انسان جہاں کہیں بھی ہو جس حال میں بھی ہو خوف خدا بہر طور اس کے دل میں ہونا چاہیے۔ اور دوسری بات یہ فرمائی کہ انسان خطا کار ہے، غلطی اور گناہ ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے دل پر برا اثر پڑتا ہے، اس لیے فرمایا جب کبھی غلطی ہو جائے ایک تو فوراً توبہ کرو اور دوسرے اس برائی کا اثر اور نحوست ختم کرنے کے لیے فوراً اس کے برابر کوئی نیکی کا کام کرو کیونکہ نیکیاں برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں۔

اور تیسری چیز یہ فرمائی کہ لوگوں سے اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آؤ۔ لوگوں میں ہر قسم کے انسان شامل ہیں خواہ کافر ہوں یا مسلمان، قریبی رشتہ دار ہوں یا دور کے تعلق والے سب کے ساتھ حسن سلوک کا حکم ہے، البتہ فرق مراتب سے خوش خلقی کی حدود اور انداز کا فرق رہے گا۔

لغوی و صرفی تحقیق:

اتبع فعل امر حاضر بمعنی پیچھا کرنا، بعد میں آنا۔

تمح فعل ہے، مجزوم ہونے کی وجہ سے حروف علت (واو) محذوف ہے۔

توکیب:

اتق فعل لفظ اللہ مفعول بہ حیث مضاف ما موصوہ کنت فعل اور ت ضمیر فاعل، فعل فاعل مل کر صلہ موصول صلہ مل کر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول فیہ، فعل فاعل اور مفعول فیہ اور مفعول بہ مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ، و عاطفہ اتباع فعل امر حاضر، ضمیر اس کا فاعل السیئۃ مفعول بہ اول الحسنۃ مفعول بہ ثانی، فعل فاعل اور مفعول سے مل کر امر تمح فعل، ضمیر فاعل ہا ضمیر مفعول بہ فعل مفعول سے مل کر جواب امر، امر جواب امر سے مل کر معطوف علیہ معطوف، و عاطفہ خالق فعل، ضمیر فاعل الناس مفعول بہ با جار خلق موصوف حسن صفت، موصوف صفت مل کر مجرور، جار مجرور متعلق فعل سے فعل

نقشہ ترکیب:



(۲) مسند احمد: حدیث نمبر ۲۱۳۵۴



۳۱ اچھی صحبت اختیار کرنے کا حکم

لَا تُصَاحِبْ إِلَّا مُؤْمِنًا وَلَا يَأْكُلُ طَعَامَكَ إِلَّا تَقِيًّا

ترجمہ:

”تم صاحب ایمان آدمی ہی کی صحبت اختیار کرو اور تمہارا کھانا صرف تقویٰ والا آدمی ہی کھائے۔“

تشریح:

مذکورہ بالا حدیث میں اسلامی اصول معاشرت کا ایک اہم اور امتیازی اصول بیان فرمایا گیا ہے۔ انسان چونکہ ایک معاشرتی مخلوق ہے اس لیے اسے دوسروں کے ساتھ رہنا پڑتا ہے اور دوستی بھی کرنی ہوتی ہے۔ ایک دوسرے کی دعوت و ضیافت کی نوبت بھی آتی ہے۔ غرض ہر طرح کے بے تکلفی کے معاملات پیش آنا لازمی بات ہے۔ اور لوگ ان معاملات میں اپنے اپنے معیار اور اصولوں اور مفادات کو سامنے رکھتے ہوئے تعلقات بھی استوار کرتے ہیں، لیکن ایک مسلمان کو یہ حکم ہے کہ وہ اپنے ان معاشرتی تعلقات میں بھی اس بات کو ملحوظ رکھے کہ میرا میل جول کن لوگوں سے ہے، اگر دوستی اور صحبت اختیار کرنی ہے تو اس کے لیے کسی ایمان والے کو تلاش کرے تاکہ صحبت کا اثر اچھا ہو اور اگر کسی کی دعوت و ضیافت کرنی ہے تو نیک آدمی کی کرے تاکہ رحمت کا نزول ہو، غرض ہر قسم کے تعلقات مسلمانوں ہی کے ساتھ رکھنے چاہئیں، دین کی ترقی اور حفاظت اس میں منحصر ہے کافروں، منافقوں اور فاسق و فاجر لوگوں سے دوستی دنیا و آخرت میں نقصان کے سوا کوئی فائدہ نہیں دیتی۔ ع

صحبت صالح ترا صالح کند
صحبت طالح ترا طالح کند

ترجمہ: ”اچھے آدمی کی صحبت تمہیں بھی اچھا کرتی ہے، برے آدمی کی صحبت تمہیں بھی برا کرتی ہے۔“

لغوی و صرفی تحقیق:

تصاحب فعل مضارع باب مفاعله، بمعنی صحبت اختیار کرنا، ساتھی بننا۔

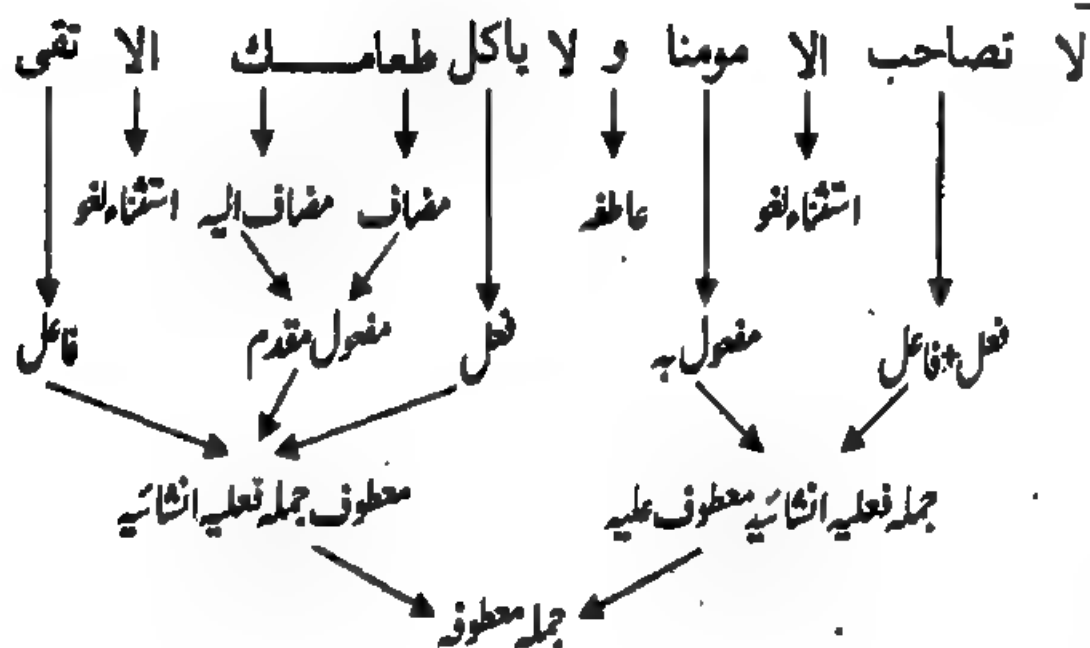
تقی مفت مشبہ کا صیغہ بروزن فعل۔ مفت اقسام میں سے ناقص واوی ہے۔ حروف اصلی، ت، ق، و، ہیں بمعنی پرہیزگار، نیکوکار۔

ترکیب:

لا تصاحب فعل۔ ضمیر فاعل الا حرف استثناء لغو مؤنث مفعول بہ۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر معطوف علیہ و عاطفہ لا یا کُل فعل طعام مضاف ک مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول بہ مقدم الا حرف استثناء لغو تقی فاعل مؤخر،

فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ و انشائیہ ہو کر معطوف، معطوف معطوف علیہ سے مل کر جملہ معطوف ہوا۔

نقشه ترکیب:



تخریج حدیث:

(١) ترمذي: حديث نمبر ٢٣٩٥، باب ماجاء في صحة المومن، ابواب الزهد

(۲) ابو داؤد: حدیث نمبر ۴۸۳۲، باب من یومران یحالیس، کتاب الادب



۴۷ ہر ایک سے حسن معاملہ کا حکم

إِذَا أَمَانَةٌ إِلَىٰ مَنْ ائْتَمَنَكَ وَلَا تَخُنْ مَنْ خَانَكَ

ترجمہ:

”جو تمہارے پاس امانت رکھوائے اس کی امانت ادا کرو اور جو تم سے خیانت کرے اس سے خیانت نہ کرو۔“

تشریح:

اس حدیث میں امانت کی ادائیگی کے حوالے سے تاکید کی گئی ہے، کہ آپ کے پاس جو بھی آدمی امانت رکھوائے چاہے کوئی بھی ہو اس کی امانت واپس کرنی ضروری ہے، اس میں کسی قسم کی تبدیلی کرنا یا اس میں خیانت کرنا درست نہیں، اور امانت کی ادائیگی کو ایک حدیث میں ایمان کا لازمی تقاضا قرار دیا گیا ہے، اور امانت میں خیانت کو نفاق کی علامت قرار دیا گیا ہے۔ دوسرے جملے میں یہ فرمایا گیا ہے کہ تمہارے ساتھ اگر کوئی شخص مالی بددیانتی کرتا ہے تو تمہیں اس بات کا حق نہیں کہ تم بھی اس کے ساتھ بددیانتی کرو۔ کیونکہ اس نے اپنے ایمان کو خراب کیا ہے تم بدلے میں اپنا ایمان خراب نہ کرو۔

تنبیہ:

اگر کوئی شخص آپ کا مال دبائے ہوئے ہو، چاہے غصب سے یا قرض لے کر اور ادا نہ کر رہا ہو۔ آپ اپنا وہ مال کسی بھی طرح اس سے وصول کر سکتے ہیں، چاہے ظاہر اُدھو کہ وہی ہو۔ لیکن اس معاملے میں کسی صاحب علم کی راہنمائی ضرور لے لینی چاہیے تاکہ کوئی اونچ نیچ نہ ہو جائے۔

لغوی و صرفی تحقیق:

اَذْ فاعل امر حاضر، باب تفعیل۔ ہفت اقسام میں سے ناقص یائی، مہوز القاء ہے۔ حروف اصلی، د، ی، ہیں۔
لَا تَخُنْ فاعل نہی حاضر، اجوف واوی۔ حروف اصلی خ، و، ن، ہیں۔

ترکیب:

اَذْ فاعل امر حاضر۔ ضمیر اس کا فاعل الی حرف جار من اسم موصول ائْتَمَنَ فاعل۔ ضمیر اس کا فاعل كَ ضمیر مفعول بہ۔ فاعل اور مفعول بہ سے مل کر صلہ، موصول صلہ سے مل کر مجرور، جار مجرور متعلق ہوئے اَذْ فاعل کے۔ فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ و عاطفہ لَا تَخُنْ فاعل۔ ضمیر اس کا فاعل من اسم موصول خَانَ فاعل۔ ضمیر اس کا فاعل كَ ضمیر مفعول بہ۔ فعل فاعل اور مفعول بہ سے مل کر صلہ، موصول صلہ سے مل کر مفعول بہ۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر جملہ معطوف ہوا۔

اد الامانة إلى من ائتمنك و لا تخن من خا نك
 ↓ ↓ ↓ ↓ ↓ ↓ ↓ ↓
 مفعول به فعل + فاعل مفعول مفعول به مفعول به مفعول به
 ↓ ↓ ↓ ↓ ↓ ↓ ↓ ↓
 موصول صلة عاطفه موصول صلة موصول جار متعلق بفعل
 ↓ ↓ ↓ ↓ ↓ ↓ ↓ ↓
 مفعول به فعل + فاعل مفعول به مفعول به مفعول به مفعول به مفعول به
 ↓ ↓ ↓ ↓ ↓ ↓ ↓ ↓
 معطوف جملة فعلية انشائية معطوف جملة فعلية انشائية
 ↓ ↓ ↓ ↓ ↓ ↓ ↓ ↓
 جملة معطوفة

(۲) دارمی: حدیث نمبر ۲۵۹۷، باب اداء الامانة



۳۸ اذان اور امامت ایک عظیم منصب

لِيُؤْذِنَ لَكُمْ خِيَارُكُمْ وَلِيُؤْمِّكُمْ قُرْآنُكُمْ

ترجمہ:

”تمہارے بہترین لوگ تمہارے لیے اذان دیں، اور تمہارے قرآن پڑھنے والے امامت کروائیں۔“

تشریح:

مذکورہ بالا روایت دو اجزاء پر مشتمل ہے، پہلا اذان اور مؤذن سے متعلق ہے۔ اذان چونکہ نماز کے لیے دی جانے والی نداء اور اعلان ہے اور نماز کا اسلام میں نہایت بلند اور اہم مقام ہے، اس مقام اور اہمیت کے پیش نظر یہ حکم دیا گیا کہ اذان کے فریضے کو بھی وہی آدمی ادا کرے جو دینی اعتبار سے اچھا اور نیک ہو، اور وہ نماز کے اوقات وغیرہ کا بھی علم رکھتا ہو، اسی طرح اس میں تقویٰ بھی ہو کیونکہ اگر اذان کسی اونچی جگہ پر کھڑے ہو کر دینی پڑے تو لوگوں کے گھروں میں نظر نہ ڈالے۔ حدیث کے دوسرے جزء میں نماز ہی سے متعلق ایک دوسری بات، یعنی امامت کا بیان ہے، امامت کے لیے تمام لوگوں میں سے مقدم وہ آدمی ہے جو شریعت کے احکامات کا علم رکھتا ہو، اور قرآن پاک کی تلاوت بھی صحیح کرتا ہو، جاہل اور مجہول قراءت کرنے والا نہ ہو۔ غرض جو آدمی قرآن پاک سے زیادہ شغف رکھنے والا ہو، اس کا علم بھی کامل ہو اور اس کا قرآن بھی درست ہو، وہ امامت کا زیادہ حق دار ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور میں چونکہ سب سے بڑا قاری سب سے بڑا عالم بھی ہوتا تھا اس لیے قراءت ہی کو بنیاد بنایا گیا ہے۔

لغوی و صرفی تحقیق:

لیؤذن صیغہ امر غائب معروف، باب التعلیل۔ ہفت اقسام سے مہوز الفاء حروف اصلی، اذن، ہیں۔

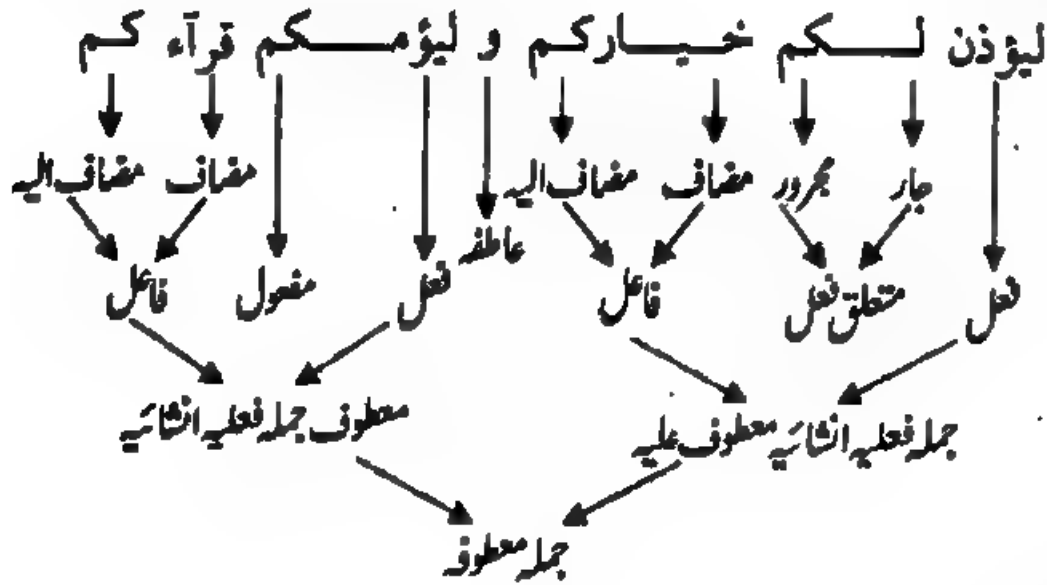
خیار جمع ہے خیر کی بمعنی پسندیدہ، بہتر۔

لیؤم صیغہ امر غائب۔ ہفت اقسام میں سے مہوز الفاء مضاعف ثلاثی، حروف اصلی، اؤم، م، ہیں۔ بمعنی امامت کرنا۔

ترکیب:

لیؤذن فعل ل جار کم ضمیر مجرور، جار مجرور متعلق فعل کے، خیار مضاف کم ضمیر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر قائل۔ فعل قائل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ، و عاطفہ لیؤم فعل کم ضمیر مفعول بہ مقدم قراء مضاف کم ضمیر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر قائل، فعل اپنے قائل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف، معطوف معطوف علیہ سے مل کر جملہ معطوف ہوا۔

نقشہ ترکیب:



تفريغ حدیث:

- (۱) ابو داؤد: حدیث نمبر ۵۹۰، باب من احق بالامامة، كتاب الصلوة،
 (۲) ابن ماجه: حدیث نمبر ۷۲۶، باب فضل الاذان وثواب المودنين، كتاب الاذان



۳۸ سلام میں پہل کی ترغیب

لَا تَأْذَنُوا لِمَنْ لَّمْ يَبْدَأْ بِالسَّلَامِ

ترجمہ:

”جو شخص سلام کرنے میں پہل نہ کرے اسے اجازت نہ دو۔“

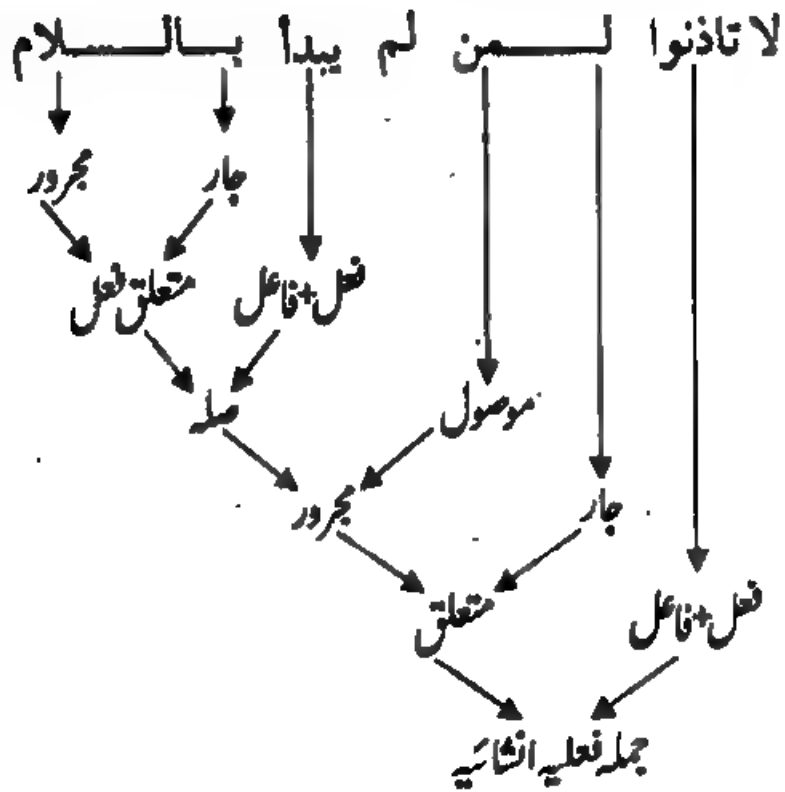
تشریح:

اسلام نے جہاں اپنی معاشرتی زندگی میں دیگر بے شمار اصلاحات اور تغیر و تبدیلی کی ہے، وہاں اس نے سلام کو بھی رواج دیا ہے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ ایسا بہترین کلمہ کسی مذہب اور معاشرے میں رائج نہیں۔ مذکورہ حدیث میں یہ ادب سکھایا گیا ہے کہ آدمی جہاں بھی جائے، جب بھی کسی سے ملاقات کرنے کے لیے جائے تو سب سے پہلی بات جو کرے وہ سلام ہونا چاہیے، اپنی محفل اور گفتگو کی ابتداء سلام سے کرنی چاہیے۔ آپ ﷺ جہاں بھی کسی سے ملنے جاتے، دروازے پر دستک دیتے تو سب سے پہلے سلام فرماتے۔ اگر جواب آتا تو آگے اجازت طلب کرتے ورنہ واپس تشریف لے آتے۔ مذکورہ روایت میں اس ادب پر ذرا سختی کے انداز میں عمل کرانے کا کہا گیا ہے، اور اس کا طریقہ یہ بتایا کہ جو آدمی ویسے ہی اجازت طلب کرے اور ابتداء میں سلام نہ کرے اسے تنبیہ کرنے اور ادب سکھانے کا طریقہ یہ ہے کہ اسے اندر آنے کی اجازت نہ دو۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نقل فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ آپ ﷺ کے ہاں گیا اور سلام کیے بغیر اجازت طلب کی، آپ ﷺ نے فرمایا: واپس جاؤ اور سلام کرو پھر اجازت طلب کرو۔ (ابو داؤد شریف)

توکبیب:

لَا تَأْذَنُوا فِعْلٌ نَهَى حَاضِرٌ مَعْرُوفٌ ضَمِيرٌ اس کا فاعل لَ جَارِ مَنْ مَوْصُولٌ لَمْ يَبْدَأْ فِعْلٌ ضَمِيرٌ اس کا فاعل بَا جَارِ السَّلَامِ مَجْرُورٌ جَارِ مَجْرُورٌ مُتَعَلِّقٌ ہوئے فِعْلٌ کے فِعْلٌ اپنے فاعل اور مُتَعَلِّقٌ سے مل کر صلہ مَوْصُولٌ صلہ سے مل کر مَجْرُورٌ جَارِ مَجْرُورٌ مُتَعَلِّقٌ ہوئے فِعْلٌ کے فِعْلٌ اپنے فاعل اور مُتَعَلِّقٌ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔

نقشه ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) بیہقی: حدیث نمبر ۸۸۱۶



۵۰ بڑھا پا مسلمان کا نور ہے

لَا تَتَّبِعُوا الشَّيْبَ فَإِنَّهُ نُورُ الْمُسْلِمِ

ترجمہ:

”نہ دور کرو بڑھاپے کو کیونکہ وہ مسلمان کا نور ہے۔“

تشریح:

اس حدیث کا اگلا حصہ یہ ہے کہ جو شخص اسلام میں بوڑھا ہوا یعنی اس کا ایک بال بھی سفید ہوا تو اللہ اس بال کے بدلے میں اس کے لیے ایک نیکی لکھتے ہیں، اور اس کی بدولت ایک گناہ معاف فرمادیتے ہیں اور اس کی بدولت ایک درجہ بلند فرمادیتے ہیں۔ مذکورہ حدیث کا مقصد یہ ہے کہ جب تمہارے بال سفید ہو جائیں تو ان کو اپنے سے دور نہ کرو کیونکہ یہ بال تمہارا نور ہیں۔ نور کے دو مطلب ہیں۔ (۱) دنیا میں وقار اور زینت ہے، (۲) قیامت کے دن یہ بڑھا پا نور بن کر سامنے آئے گا۔ بلکہ دوسری حدیث میں خود اس بات کی وضاحت موجود ہے۔ (مرقاۃ، ص: ۲۳۶/ج: ۸)

واضح رہے کہ یہ حدیث بال اکھیرنے کے بارے میں ہے۔ باقی رہا بالوں کو کسی رنگ سے رنگنا تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ سوائے کالے رنگ کے باقی رنگوں سے رنگنا جائز ہے، صرف کالا رنگ احادیث میں منع آیا ہے۔

لغوی و صرفی تحقیق:

لَا تَتَّبِعُوا صیغہ نہی حاضر، باب افعال، ہفت اقسام میں سے ناقص یا کی ہے۔ حروف اصلی ن، ف، ی، ہیں۔ اس اعتبار سے اس کا معنی دور کرنا، اور جدا کرنا ہوگا۔ دوسرا احتمال اس میں یہ ہے کہ یہ باب ضرب یضرب سے ہو، اس صورت میں اس کے حروف اصلی، ن، ت، ف، ہوں گے اس کا معنی ہوتا ہے بال اکھاڑنا، بال نوچنا۔

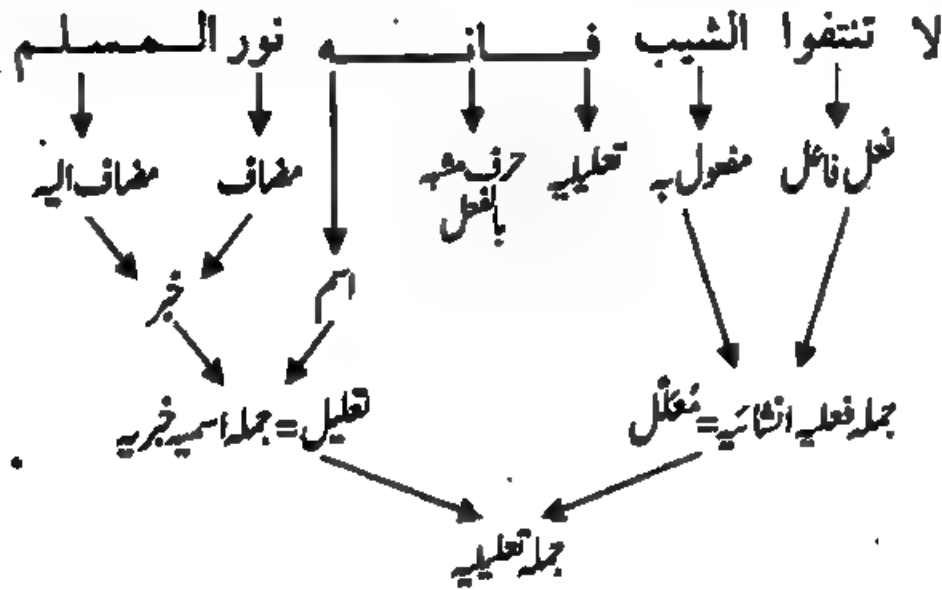
صاحب نہایہ علامہ ابن اثیر نے دوسرے احتمال کا ذکر نہیں کیا اور نہ ہی اپنی کتاب میں نصف مادے سے اسے ذکر کیا ہے البتہ نفی سے اس کے قریب قریب افعال ذکر کیے ہیں۔

الشَّيْبَ بمعنی بڑھاپا، یہاں مراد سفید بال ہیں۔

ترکیب:

لَا تَتَّبِعُوا فعل ضمیر اس کا فاعل الشَّيْبَ مفعول بہ۔ فعل فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر مُعْجَل، ف، تعلیلیہ ان حرف مشبہ بالفعل ہ۔ ضمیر اسم نور مضاف المسلم مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ سے مل کر خبر، ان اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر تعلیل، معلل تعلیل سے مل کر جملہ تعلیلیہ ہوا۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) ترمذی: حدیث نمبر ۲۸۲۱، باب فی تَنْفِ الشَّيْبِ، کتاب الرجل

(۲) مسند احمد: حدیث نمبر ۶۶۷۲

⑤ محبوب بننے کا طریقہ

إِزْهَدْ فِي الدُّنْيَا يُحِبَّكَ اللَّهُ وَإِزْهَدْ فِيمَا عِنْدَ النَّاسِ يُحِبَّكَ النَّاسُ

ترجمہ:

”دنیا سے بے رغبتی اختیار کرو اللہ تم سے محبت کریں گے، اور جو کچھ لوگوں کے پاس ہے اس سے بے رغبتی کرو گے تو لوگ تم سے محبت کریں گے۔“

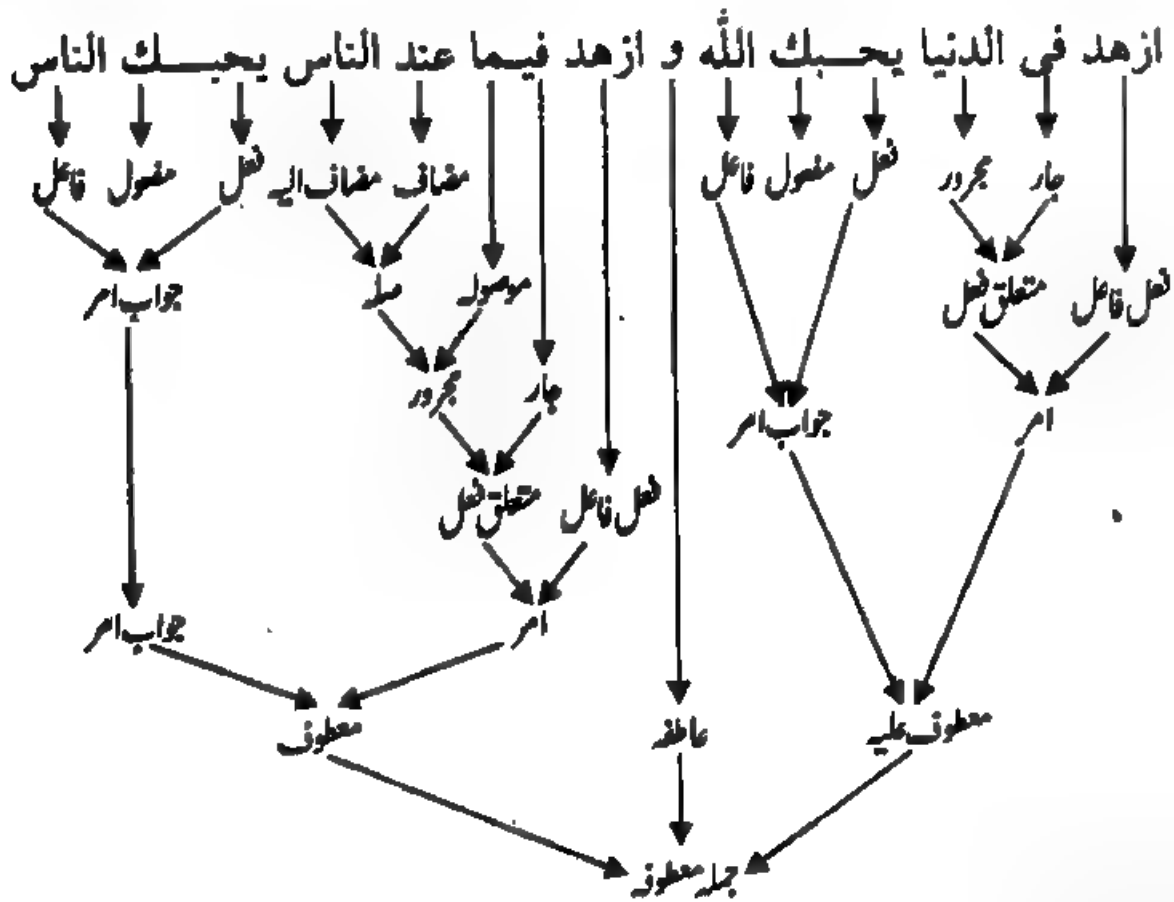
تشریح:

یہ روایت دراصل ایک صحابی رضی اللہ عنہ کے سوال کا جواب ہے جس میں انہوں نے اللہ اور لوگوں کی محبت کا طریقہ پوچھا تھا۔ زہد دنیا سے بے رغبتی اور دنیا کی لذت اور مرغوبہ چیزوں سے اعراض برتنے کا نام ہے یعنی ایک چیز آدمی کے پاس موجود ہو اس کے باوجود وہ اسے اختیار نہ کرے یا ایک چیز حاصل کر سکتا ہے اس کے باوجود اسے ترک کرے تو یہ زہد ہے۔ اور یہ اس وقت ممکن ہے جب دل میں آخرت پر کامل یقین دنیا کی بے ثباتی، حساب کا خوف موجود ہو، تب دل میں دنیا کی محبت نہیں رہتی اور دل دنیا کی رنگینوں اور چمک دمک سے بیزار ہوتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں آخرت کے شوق اور طلب میں اپنی انفرادی زندگی کو انتہائی سادگی اور ضروریات و حاجات کے درجے میں گزارنا زہد ہے، جب دل میں ملعون دنیا کی محبت نہ ہوگی تو خدا کی محبت آئے گی اور جب لوگوں سے بے رغبتی ہوگی تو لوگ بھی اس کے قریب ہوں گے۔

ترکیب:

ازہد فعل، ضمیر اس کا فاعل فی جار الدنیا مجرور، جار مجرور متعلق فعل کے، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر امر یحب فعل ك ضمیر مفعول بہ مقدم لفظ اللہ فاعل، فعل فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جواب امر، امر جواب امر سے مل کر معطوف علیہ، و عاطفہ ازہد فعل با فاعل فی جار ما اسم موصول عند مضاف الناس مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ سے مل کر مفعول فیہ متعلق فعل محذوف کیونکہ کے۔ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر صلہ، موصول صلہ سے مل کر مجرور، جار مجرور متعلق ہوا فعل کے، فعل فاعل اور متعلق سے مل کر امر یحب فعل ك ضمیر مفعول بہ مقدم الناس فاعل مؤخر، فعل فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جواب امر، امر جواب امر سے مل کر معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔

نقشه تركيب:



تخريج حديث:

(١) شعب الايمان بيهقي: حديث نمبر ١٠٥٢٢

(٢) ابن ماجة: حديث نمبر ٤١٠٢، باب الزهد في الدنيا

⑤ دنیا ایک مسافر خانہ ہے

كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيلٍ

ترجمہ:

”دنیا میں ایسے ہو جاؤ جیسے کوئی پردیسی ہوتا ہے یا راہ چلتا مسافر۔“

تشریح:

اس حدیث کا مضمون کئی اور احادیث میں بکثرت وارد ہوا ہے، اس کا حاصل ہے دنیا سے جی کا نہ لگانا، اور دنیا سے بے رغبتی اختیار کرنا، اور دنیا کو اصل گھر نہ سمجھنا، آخرت کو اپنا ^{مطمئن} نظر بنانا اور اس سے دل کا لگانا۔ یہ مضمون کئی جگہ مختلف ہیرایوں میں بیان ہوا ہے، یہاں ایک بڑی پیاری اور انوکھی مثال سے آپ ﷺ نے اس بات کو واضح فرمایا اور وہ مثال یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ایک مومن آدمی کو دنیا میں پردیسی راہی اور راہ چلتا ہوا مسافر قرار دیا، کہ جیسے وہ اپنے سفر میں کسی جگہ سے دل نہیں لگاتا اور نہ ہی کسی جگہ کو اپنی منزل سمجھتا ہے اور نہ ہی اپنے ساتھ مال و متاع کی اتنی زیادہ مقدار رکھتا ہے اور اسے ہر دم راہزنوں اور راستے کے شدائد و مشکلات کا خطرہ دامنگیر رہتا ہے، کچھ ایسا ہی حال مومن آدمی کا بھی دنیا میں ہونا چاہیے کہ دنیا کو اپنی منزل نہ سمجھے اور دنیا کا مال و متاع بقدر ضرورت اکٹھا کرے اور نفس شیطان کے جال اور ہتھکنڈوں سے ہوشیار رہے۔ ایک شاعر نے اس مضمون کو یوں بیان کیا ہے۔

أَلَا إِنَّ الدُّنْيَا كَمَنْزِلٍ رَّاكِبٍ أَنَاخَ عَشِيًّا وَهُوَ فِي الصُّبْحِ رَاجِلٌ

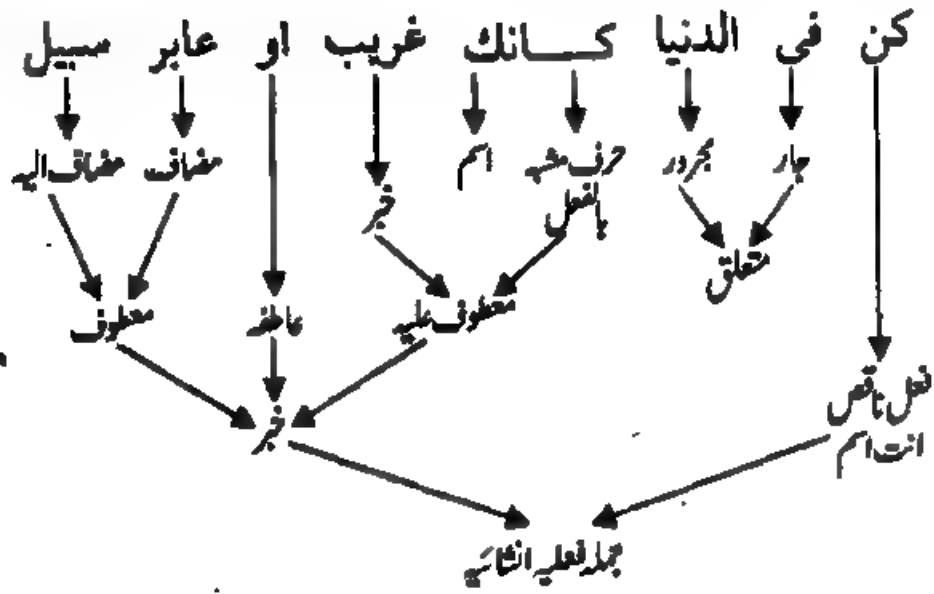
دنیا کی مثال اس مسافر کی منزل کی ہے جہاں شام ڈھلے ایک آدمی پڑاؤ ڈالتا ہے۔ اور پوہ پھٹتے ہی وہ وہاں سے کوچ کر

جاتا ہے۔

ترکیب:

کن فعل ناقص انت ضمیر اس کا اسم فی جار الدنیا مجرور، جار مجرور متعلق ہوا فعل کے کان حرف مشبہ بالفعل ك ضمیر اس کا اسم غریب معطوف علیہ او ماطفہ عابر مضاف سبیل مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر خبر، اسم اور خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر خبر کن فعل ناقص کی خبر، کن فعل ناقص اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) بخاری: حدیث نمبر ۶۰۵۳، باب قول النبی کن فی الدنیا الخ،

⑤ جائیداد بنانے کا اثر

لَا تَتَّخِذُوا الضَّيْعَةَ فِتْرَةً غَبَوُا فِي الدُّنْيَا

ترجمہ:

”تم جائیداد نہ بناؤ! تاکہ دنیا میں رغبت نہ کرنے لگو۔“

تشریح:

ضیعہ کے دو مطلب ہیں۔ ایک کاروبار زندگی۔ دوسرا جائیداد اور باغ و چمن زار بنانا۔ اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ دنیا میں اس قدر مشغولیت نہ اختیار کرو کہ جس سے تم دنیا کے ہو کر ہی رہ جاؤ۔ اور صبح و شام یہی سوچیں ہوں، بس دنیا بڑھانے کی فکر ہو، اور آخرت کا محض ہلکا اور دھندلا سا خیال دل میں ہو۔ چونکہ جائیداد اور باغ وغیرہ میں یہ صورت زیادہ ہو سکتی ہے اس لیے اس کو خاص طور سے ذکر کیا ہے۔ ضرورت کے بقدر جائیداد بنانا اور کاروبار کرنا جائز بلکہ اکثر حالات میں ضروری ہے لیکن اس سے زیادہ کا درجہ جس سے غفلت پیدا ہو ممنوع ہے۔ چنانچہ یہ اصول ہو گا کہ جو جائیداد غفلت کا باعث بنے وہ ممنوع ہوگی۔ اور جو غفلت کا باعث نہ ہو یا تو اس وجہ سے کہ جائیداد وغیرہ ہے ہی اتنی مقدار میں کہ جس میں اتنی مشغولیت نہیں ہوتی، یا اس وجہ سے کہ غفلت دور کرنے کے اسباب بہم پہنچائے ہوتے ہیں۔ جیسے صحابہ رضی اللہ عنہم کی حالت تھی کہ دنیا کا مال و متاع زیادہ ہونے کے باوجود ان کی ایمانی حالت میں فرق نہیں آتا تھا۔

لغوی و صرفی تحقیق:

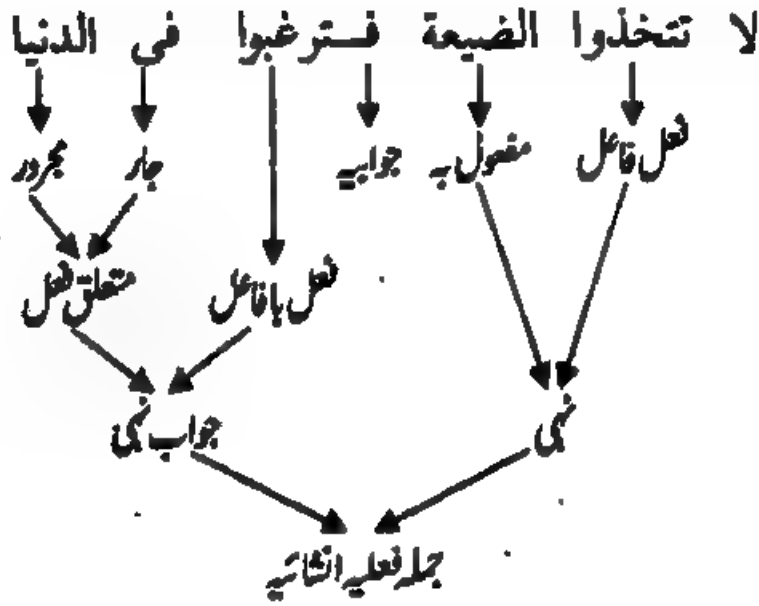
لَا تَتَّخِذُوا فِعْلٌ نَهْيٌ حَاضِرٌ مَعْرُوفٌ، بِأَبِ الْاِتِّعَالِ هَفْتُ اَقْسَامٍ مِّنْ سَعْمُوزِ الْاَقَاءِ هِے۔

الضَّيْعَةُ بِمَعْنَى جَائِدَادٍ وَپیشہ۔

توکیب:

لَا تَتَّخِذُوا فِعْلٌ نَهْيٌ حَاضِرٌ ضَمِيرُ اس کا فاعل الضَّيْعَةُ مفعول بہ، فِعْلٌ فاعِلٌ اور مفعول بہ سے مل کر نہی، ف جوابیہ نَر غَبَوُا فِعْلٌ ضَمِيرُ اس کا فاعل فِی جَارِ الدُّنْيَا مجرور، جَارِ مجرور متعلق فِعْلٌ کے، فِعْلٌ اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جواب نہی، نہی جواب نہی سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔

نقشه ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) ترمذی: حدیث نمبر ۲۳۲۸، کتاب الزہد



۵۴ مزدور کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے مزدوری دے دو

أَعْطُوا الْأَجِيرَ أَجْرَهُ قَبْلَ أَنْ يَجِفَّ عَرَقُهُ

ترجمہ:

”مزدور کو اس کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے دو۔“

تشریح:

مزدور کو اس کی مزدوری پسینہ خشک ہونے سے پہلے دے دو یعنی مزدوری دینے میں جلدی کرو ایسا نہ ہو کہ سارا دن کام لیا اور شام کو اس پچارے کو خالی ہاتھ بھیج دیا اور پھر وہ بیچارہ اپنی مزدوری کے لیے اس کے گھر پر چکر لگا تا رہے، ایسا کرنے والا شخص انتہائی درجے کا ظالم ہے، ایسے شخص کے بارے میں ایک اور حدیث میں بڑی سخت وعید آئی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: جو آدمی مزدور کی مزدوری دینے میں ہال مٹول کرتا ہو قیامت والے دن اللہ اس کا معاملہ خود اپنے ہاتھ میں لے کر مزدور کی طرف سے اس کے ساتھ نمٹیں گے، اور اسے عذاب دیں گے۔

متنبیہ:

کئی جگہوں پر یہ دستور ہے کہ مزدور ہر روز مزدوری نہیں لیتے بلکہ ہفتہ وار وصول کرتے ہیں ایسی صورت میں اگر ہر روز نہ بھی دیں تو اس کی گنجائش ہے، ہاں اگر مزدور مطالبہ کرے تو فوراً دینا ضروری ہے کیونکہ اسے ہر روز مطالبے کا حق ہے۔

لغوی و صرفی تحقیق:

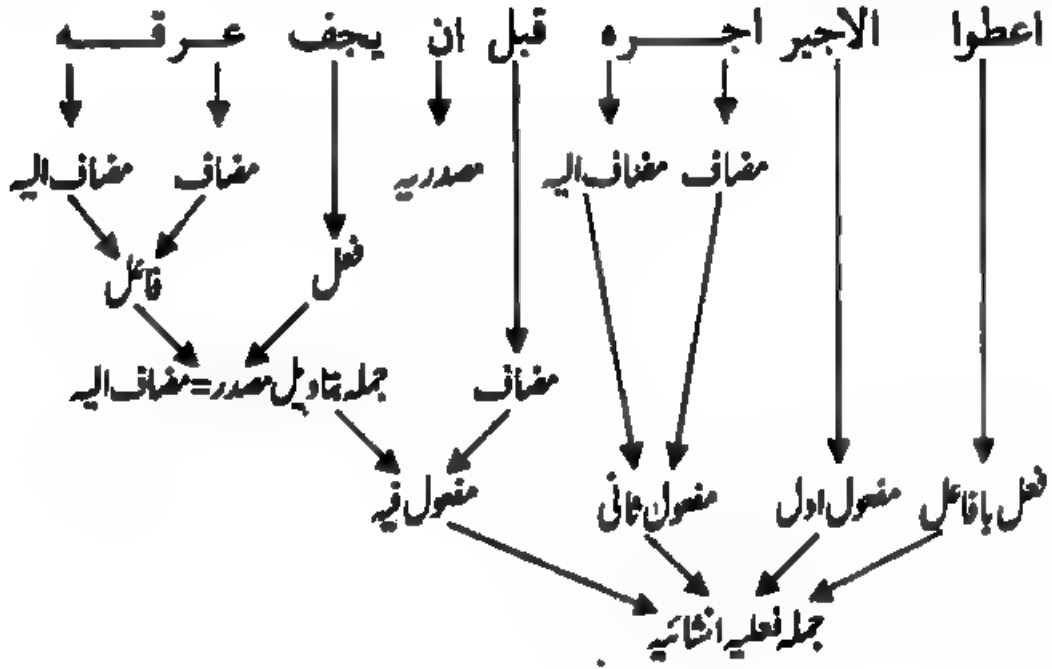
اعطوا فعل امر ہے باب افعال سے۔ ہفت اقسام میں سے ناقص یا ئی ہے، حروف اصلی ع، ط، ی، ہیں۔

يجف مضارع، ہفت اقسام سے مضارع ثلاثی ہے، بمعنی سوکنا، خشک ہونا، عرق پسینہ

توکیب:

اعطوا فعل ضمیر اس کا فاعل الاجیر مفعول بہ اول اجر مضاف، ضمیر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول بہ ثانی قبل مضاف ان مصدر یہ يجف فعل عرقہ مضاف مضاف الیہ مل کر فاعل، فعل فاعل سے جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر بتاویل مصدر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ سے مل کر مفعول فیہ، اعطوا فعل اپنے فاعل اور تمام مفعولوں سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) بیہقی: حدیث نمبر ۱۱۹۸۸

(۲) ابن ماجہ: حدیث نمبر ۲۴۴۳

❶ داڑھی رکھنے کا وجوب

خَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ أَوْفَرُوا اللَّحْيَ وَاحْفُوا الشَّوَارِبَ

ترجمہ:

”مشرکین کی مخالفت کرو داڑھیاں بڑھاؤ اور مونچھیں کٹاؤ۔“

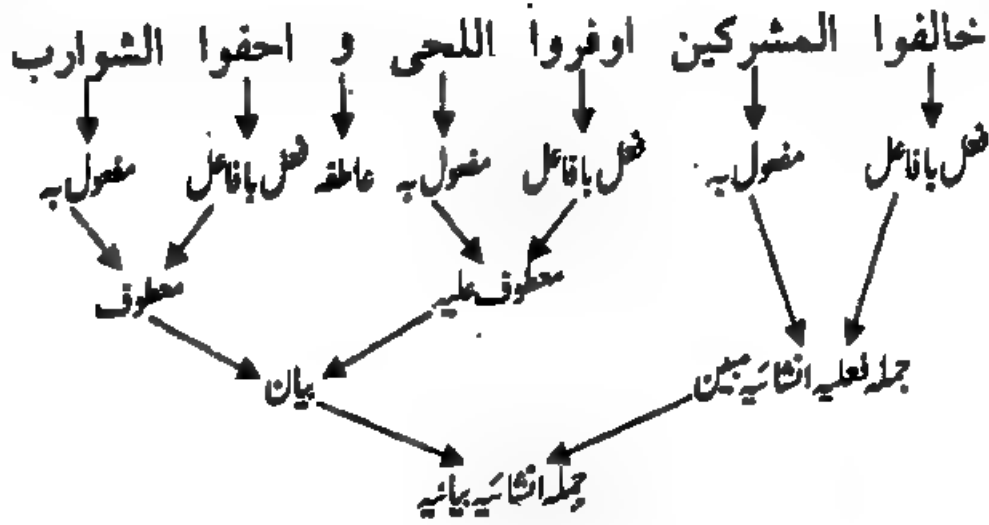
تشریح:

مذکورہ حدیث تین جملوں پر مشتمل ہے پہلے جملے میں ایک عمومی اور تمہیدی حکم ہے اور وہ یہ کہ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے رہن سہن، معاشرت، وضع قطع، اور طور طریقوں میں تمام ممکنہ حدود تک مشرکین خواہ یہود و نصاریٰ ہوں یا ہنود و بدھ مذہب، ان کی مخالفت کریں۔ یعنی اپنا طرز عمل ان سے الگ اور نمایاں رکھیں۔ یہ حکم اس وجہ سے دیا ہے کہ معاشرت اور تہذیبی آثار کا زندگیوں پر گہرے اثرات ہوتے ہیں۔ دوسرا حکم یہ دیا کہ تم لوگ مسلمان ہونے کے ناطے اپنی داڑھیاں بڑھاؤ اور مونچھوں کو کتر داؤ۔ اس حدیث سے بھی اور دیگر احادیث اور ان کے اندر موجود قرآن اور پھر امت کے چودہ سو سالہ تعامل سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ داڑھی کا بڑھانا، شریعت کا ایک تاکیدی حکم ہے جس کو ترک کرنے والا گناہ گار اور شرعی حکم کا تارک ہے۔ چنانچہ داڑھی کا وجوب اور اہتمام شروع سے ایک مسلمہ حقیقت اور معمول کے طور پر چلا آ رہا ہے۔ موجودہ دور میں جہاں مغرب اور طاغوت کے تسلط نے ہمارے کمزور ایمان والے مسلمانوں کے دیگر شعبہ ہائے زندگی کو متاثر کیا اور ان کے تصورات کو بدلا ہے، وہاں داڑھی کا مسئلہ بھی ہے، اور لوگ اس رخ پر سوچنے لگے ہیں کہ داڑھی نہ رکھنا بھی جائز ہو سکتا ہے، اصل چیز تو مرغوبیت اور تاثر ہے لیکن اس کے لیے لوگ پھر علمی ذخیرے میں گری پڑی روایات بھی تلاش کرتے ہیں، اور ان کا سہارا لے کر انگریزوں سے اس مرغوبیت پر دلیل کا غلاف چڑھانے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ اگر سوچا جائے تو سیدھی سی بات ہے کہ جب نبی ﷺ اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کی داڑھیاں تھیں تو ہم کیوں نہ رکھیں؟ کیا محض اس وجہ سے کہ آج کل کے متمدن شیطان اسے اچھا نہیں سمجھتے؟ اگر یہی بات ہے اور واقع میں یہی بات ہے تو پھر ایسی سوچ پر افسوس کے سوا کیا کیا جاسکتا ہے!!؟

ترکیب:

خالفوا فعل۔ ضمیر فاعل المشرکین مفعول، فعل فاعل اور مفعول سے مل کر یمین اوفروا فعل بافاعل اللحي مفعول بہ، فعل فاعل اور مفعول سے مل کر معطوف علیہ و عاطفہ احفوا فعل بافاعل الشوارب مفعول بہ، فعل فاعل اور مفعول بہ مل کر معطوف، معطوف معطوف علیہ سے مل کر بیان، یمین بیان سے مل کر جملہ بیانہ ہوا۔

نقشه ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) مسلم: حدیث نمبر ۶۲۵، باب معصال الفطرة

۵۱ خوشخبریاں سناؤ، نفرت نہ پیدا کرو

بَشِّرُوا وَلَا تُنْفِرُوا وَيَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا

ترجمہ:

”خوشخبری سناؤ، نفرت نہ دلاؤ، نرمی کرو، سختی اور تنگی نہ پیدا کرو۔“

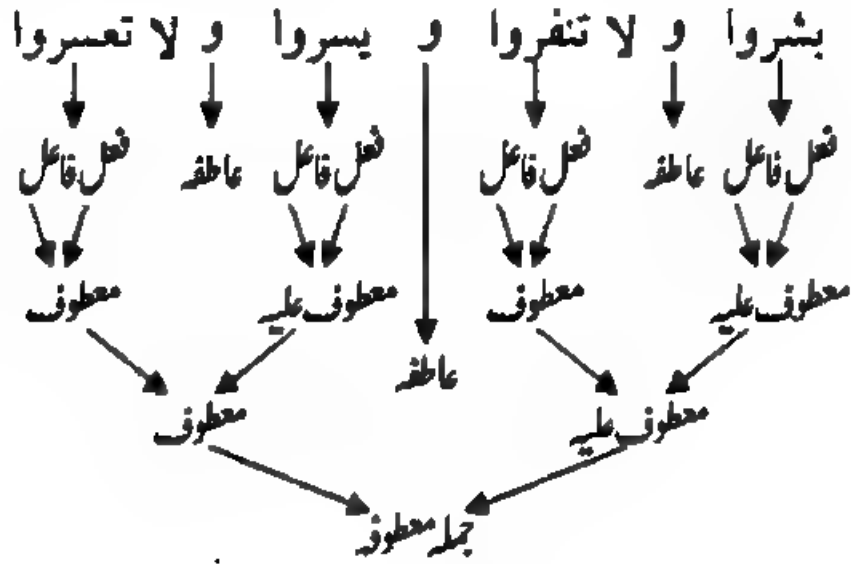
تشریح:

نبی اکرم ﷺ جب کسی صحابی کو کسی جگہ تبلیغ کے لیے یا حکومت و انتظام کے بھیجتے تو آپ ﷺ انہیں دیگر نصیحتوں کے ساتھ ساتھ یہ نصیحتیں بھی کرتے۔ چونکہ صیغہ عام ہیں اس لیے یہ نصیحت اور حکم دینی لحاظ سے تمام ذمہ داروں خصوصاً علماء و فقہاء کے لیے ہو گا کہ وہ اپنا طرز عمل ایسا رکھیں کہ لوگوں کو دین کے زیادہ سے زیادہ قریب ہونے کا موقع ملے اور ایسا طرز عمل نہ اپنائیں جس سے لوگ دور ہوں اور دین سے بیزاری ہو۔ یہ چیز خود شخصی اور ذاتی طرز عمل کے نتیجے میں بھی ہو سکتی ہے اور دین کو پیش کرنے کے انداز کے حوالے سے بھی۔ جیسے ایک جگہ فرمایا گیا: ”كَلِّمُوا النَّاسَ عَلَى قَلْبٍ عَقُولِهِمْ“ لوگوں سے ان کی فہم اور عقل و دانش کے مطابق بات کرو کیا تم چاہتے ہو کہ خدا کی تکذیب کی جائے؟ یعنی تمہارے انداز کی وجہ سے لوگ دین سے قریب ہونے کی بجائے مزید دور ہو جائیں۔ دوسری نصیحت یہ ہے کہ دین کے مسائل اور معاملات میں عوام کے لیے جہاں تک شرعی حدود میں رہتے ہوئے ممکن ہو سہولت پیدا کی جائے، تنگی اور بے جا سختی نہ کی جائے۔ عوام کو رخصت کا پہلو دینا چاہیے اپنے لیے کوئی صاحب علم اگر عزیمت اختیار کرے تو اچھی بات ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ شریعت کے مزاج اور مسائل میں کہاں سختی ہے اور کتنی سختی ہے اور کہاں اور کتنی مقدار میں نرمی ہے یہ ہر ایرے غیرے یا معمولی درجے کے عالم کا بھی کام نہیں یہ ان ماہرین شریعت کا کام ہے جو ایک طرف شریعت پر مکمل عبور رکھتے ہیں اور دوسری طرف ان میں خوف خدا اور تقویٰ بھی پوری طرح موجود ہو۔

ترکیب:

بشروا فعل امر حاضر۔ ضمیر اس کا فاعل، فعل فاعل سے مل کر معطوف علیہ، و عاطفہ لا تنفروا فعل فاعل معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر معطوف علیہ و عاطفہ یسروا فعل ضمیر فاعل، فعل فاعل مل کر معطوف علیہ و عاطفہ لا تعسروا فعل فاعل مل کر معطوف، معطوف معطوف علیہ سے مل کر معطوف، پہلا معطوف علیہ معطوف سے مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔

نقشه تركيب:



تخریج حدیث:

(۱) بخاری: حدیث نمبر ۶۹، باب فی کراهیة المراء، کتاب الادب

(۲) ابو داؤد: حدیث نمبر ۴۸۳۷، باب قول النبی یسروا ولا تعسروا، کتاب الادب



⑤ قیدیوں کی رہائی کا حکم

أَطْعِمُوا الْجَائِعَ وَعُودُوا الْمَرِيضَ وَفُكُّوا الْعَانِيَّ

ترجمہ:

”بھوکے کو کھانا کھلاؤ، مریض کی عیادت کرو اور قیدی کو چھڑاؤ۔“

تشریح:

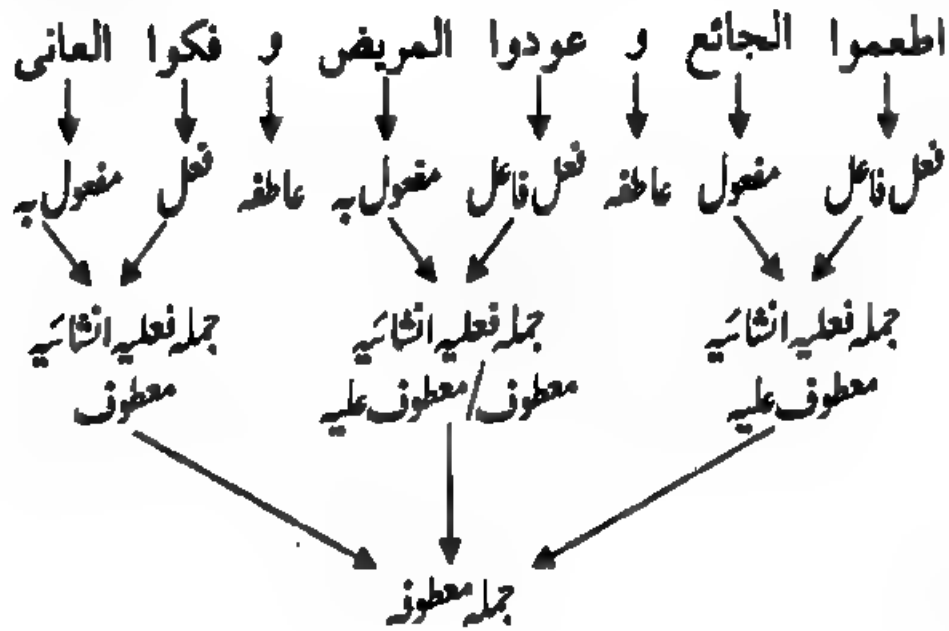
اس حدیث میں تمام مسلمانوں کو مطلقاً تین کام کرنے کا حکم دیا گیا ہے (۱) بھوکوں کو کھانا کھلانا۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ جس آدمی کا پڑوسی بھوکا سو جائے اس آدمی کا ایمان کامل نہیں۔ ایک مسلمان کا یہ مذہبی و اخلاقی فرض ہے کہ وہ کسی دوسرے مسلمان بھائی کو بھوکا نہ رہنے دے، یہ فریضہ اول درجے میں حکومت اور خلیفہ و حاکم المسلمین کا ہے لیکن عام مسلمان بھی اس فریضے سے عہدہ برائیں۔ اور معاشرے میں آفت زدہ اور بھوکے لوگ جب تک موجود ہوں ان کی ذمہ داری ختم نہیں ہوگی اور اس کام کے لیے صرف ذکوۃ و صدقات واجہ کافی ہوں، تو نبھاؤ نہ عام مال سے صدقات دے کر بھی یہ کام کرنا ہوگا۔ دوسری چیز مریض کی عیادت ہے، ایک حدیث میں آتا ہے کہ ایک مسلمان بندہ جب دوسرے بھائی کی عیادت کے لیے جاتا ہے اگر صبح کو جائے تو شام تک ستر ہزار فرشتے اس کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں اگر شام کو جائے تو صبح تک کرتے رہتے ہیں۔ تیسری ذمہ داری یہ لگائی کہ جب کوئی بھی مسلمان آدمی کفار کی قید میں ہو تو تمام مسلمانوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے اپنے مقدور وسائل سے اس کی آزادی اور رہائی کے لیے کوشش بروئے کار لائیں اور اس کو چھڑا کر دم لیں۔

لغوی و صرفی تحقیق:

عودوا بروزن قولاً صیغہ امر حاضر، باب نصر۔ عصر عاد یعود سے بمعنی عیادت کرنا۔
فکوا بروزن مدوا صیغہ امر حاضر، ہفت اقسام مضاعف ثلاثی بمعنی جدا کرنا، علیحدہ کرنا، آزاد کرنا۔
العانی بروزن قاضی صیغہ اسم فاعل، ہفت اقسام ناقص وادی۔

ترکیب:

أَطْعِمُوا فعل امر حاضر ضمیر اس کا فاعل الْجَائِع مفعول بہ، فعل فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ و عاطفہ عودوا فعل ضمیر اس کا فاعل العانی مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف۔ تمام معطوفات مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔

نقشه ترکیب:تخریج حدیث:

(۱) بخاری: حدیث نمبر ۳۰۴۶، کتاب الاطعمه

(۲) مسند احمد: ۱۹۶۴۱

۵۱) مرغ کو برا بھلا مت کہو

لَا تَسُبُّوا الدِّيكَ فَإِنَّهُ يُوقِظُ لِلصَّلَاةِ

ترجمہ:

”مرغ کو برا بھلا مت کہو کیونکہ وہ تمہیں نماز کے لیے جگاتا ہے۔“

تشریح:

مذکورہ حدیث میں مرغ کو برا بھلا کہنے سے منع کیا گیا ہے، ویسے تو ہر چیز کے بارے میں یہ حکم ہے کہ اس کے بارے میں تا زیبا کلمات استعمال نہ کیے جائیں لیکن مرغ کو خاص طور سے ذکر کرنے کا مقصد آپ ﷺ نے خود اگلے جملے میں واضح فرمادیا، کہ مرغ اپنی اذان اور آواز سے نماز کے لیے جگاتا ہے۔ یہ عام مشاہدے کی بات ہے کہ مرغ صبح کے وقت اذانیں دینی شروع کر دیتے ہیں جس کی وجہ سے انسان کی آنکھ کھل جاتی ہے اور بعض مرغ اوقات کے بھی پابند اور اہتمام کرنے والے ہوتے ہیں۔ آپ ﷺ کا ایک سفید مرغ تھا، اور صحابہ سفر میں اپنے ساتھ مرغ رکھتے تھے تاکہ نماز کے لیے بیدار کر سکے۔ بعض علماء نے تو یہ بھی فرمایا ہے، جو مرغ تجربے سے معلوم ہوا ہو کہ وقت صحیح بتاتا ہے اور اذان بروقت دیتا ہے، اوقات صلوٰۃ میں اس کی بانگ پر اعتماد کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ وہ ایسے ہی ہوگا جیسے گھڑی اور اس کی گھنٹی (الارم)۔ اس حدیث سے علماء نے یہ استنباط بھی فرمایا ہے کہ جب مرغ میں ایک اچھی صفت ہونے کی وجہ سے اس کے اکرام و احترام کا حکم ہے تو ایک مسلمان کے احترام کا کیا ٹھکانہ ہوگا؟ اسی طرح جو جانور نماز کے لیے اطلاع دیتا ہے، جب اس کا اتنا احترام ہے تو جو انسان لوگوں کو خیر کی دعوت دے اس کا اللہ رب العزت کے ہاں کیا مقام ہوگا ۱۱۲

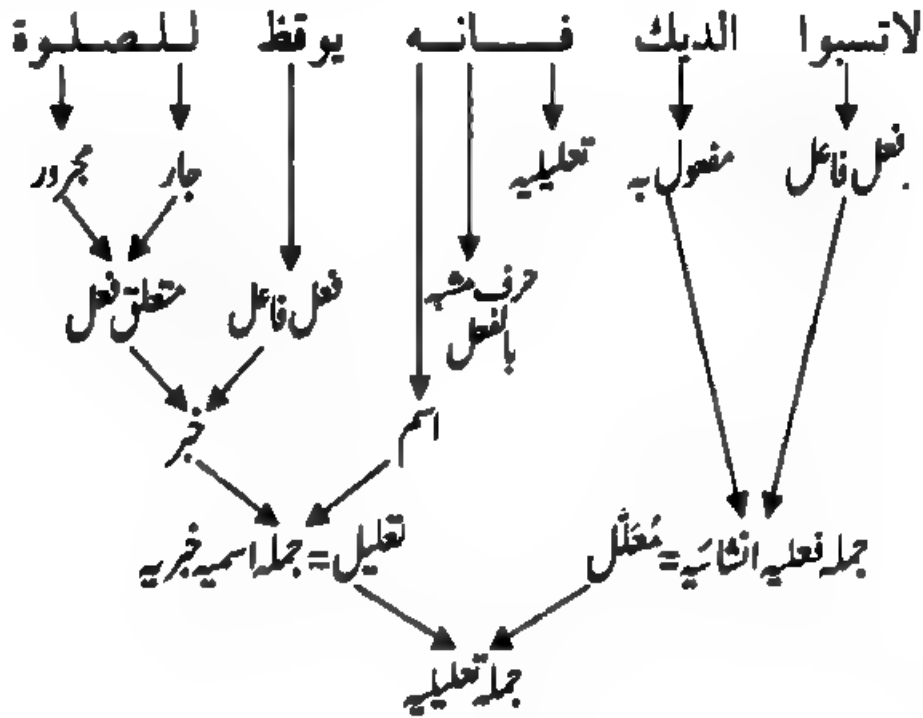
لغوی و صرفی تحقیق:

لَا تَسُبُّوا فعل امر حاضر معروف، ہفت اقسام میں سے مضاعف ثلاثی؟ حروف اصلی، س، ب، ب، ہیں بمعنی گالی دینا۔
الدِّيك مرغ یوقظ فعل مضارع غائب، ہفت اقسام میں سے مثال واوی ہے۔ حروف اصلی، و، ق، ظ، بمعنی جگانا۔

ترکیب:

لَا تَسُبُّوا فعل ضمیر اس کا فاعل الدِّيك مفعول بہ فعل فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر مَعْلَل فَا تَعْلِیلِہ ان حرف مشبہ بالفعل ضمیر اس کا اسم یوقظ فعل ضمیر اس کا فاعل ل جارہ الصلوٰۃ مجرور، جار مجرور متعلق فعل کے، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر خبر، حرف ان اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر تعلیل، مَعْلَل تعلیل سے مل کر جملہ تعلیلیہ ہوا۔

نقشه ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) ابو داؤد: حدیث نمبر ۵۱۰۳، باب فی الذبک والبهائم، کتاب الادب



۵۱ غصے کی حالت میں فیصلہ نہ کیا جائے

لَا يَقْضِينَ حَكْمٌ بَيْنَ اثْنَيْنِ وَهُوَ غَضَبَانُ

ترجمہ:

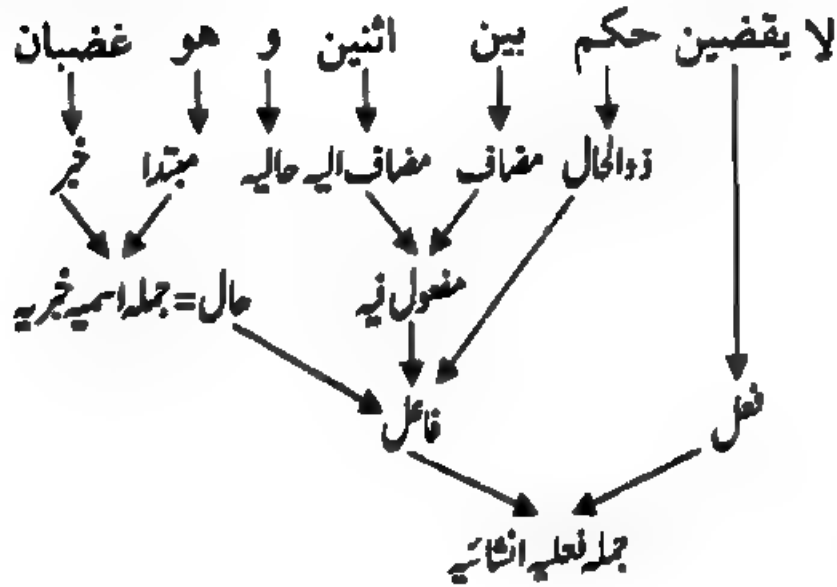
”دو فریقوں کے درمیان کوئی بھی فیصلہ کرنے والا اس حال میں ہرگز فیصلہ نہ کرے جبکہ وہ غصے میں ہو۔“

تشریح:

مذکورہ بالا روایت میں قاضی یا فیصل اور ثالث کے متعلق نبی اکرم ﷺ نے ایک اہم اصول ارشاد فرمایا ہے۔ اور وہ یہ کہ فیصلہ ایسے حال میں کرنا چاہیے جب آدمی کی طبیعت میں اعتدال، ٹھہراؤ اور ثبات ہو۔ بے اعتدالی کی حالت میں فیصلہ نہیں کرنا چاہیے کیونکہ ایسے میں فیصلے جیسی نازک ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے میں غلطی کے امکانات زیادہ ہو جاتے ہیں۔ مذکورہ بالا حدیث کے مطلوب و مدعا کو علماء نے ہر پہلو سے عمومیت دی ہے چنانچہ علماء لکھتے ہیں کہ یہ اصول صرف حاکم کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ ہر وہ آدمی جو کوئی اہم اور شرعی ذمہ داری کا کام سرانجام دینے والا ہو اس کے لیے بھی یہ حکم ہے چاہے فتویٰ لکھتا ہو یا کسی کو شرعی مسئلہ بتاتا ہو یا کسی کو کوئی اہم مشورہ دیتا ہو۔ اسی طرح فیصلے کی یہ پابندی صرف غصے کی حالت کے ساتھ خاص نہیں بلکہ وہ تمام حالتیں جن میں آدمی کسی معاملے کے تمام پہلوؤں پر اچھی طرح غور و فکر نہیں کر سکتا وہ اس میں شامل ہوں گی، مثلاً بیماری کی حالت، درد سر کی حالت، پیشاب کے زور سے آنے کی حالت، نیند کے غلبے کی حالت، شدید بھوک کی حالت وغیرہ۔ ان تمام حالتوں میں فیصلہ نہیں کرنا چاہیے اور نہ فتویٰ اور شرعی مسئلہ بتانا چاہیے۔

ترکیب:

لَا يَقْضِينَ فعل نہی مؤکد بانون تاکید ثقیلہ حکم ذوالحال بین مضاف اثنین مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ سے مل کر مفعول فیہ، و حالیہ ہو مبتداء غضبان خبر، مبتداء خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ مل کر حال، حال ذوالحال سے مل کر فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔

نقشہ ترکیب:تخریج حدیث:

(۱) بخاری: حدیث نمبر ۶۷۳۹، باب هل یقضی الحاکم وهو غضبان، کتاب الاحکام



① تعیش کی زندگی سے بچو

إِيَّاكَ وَالتَّنَعُّمَ فَإِنَّ عِبَادَ اللَّهِ لَيَسُوْا بِالْمُتَنَعِّمِيْنَ

ترجمہ:

”تم تعیش اور آرائش کی زندگی سے بچو کیونکہ اللہ کے بندے پر تعیش زندگی گزارنے والے نہیں ہوتے۔“

تشریح:

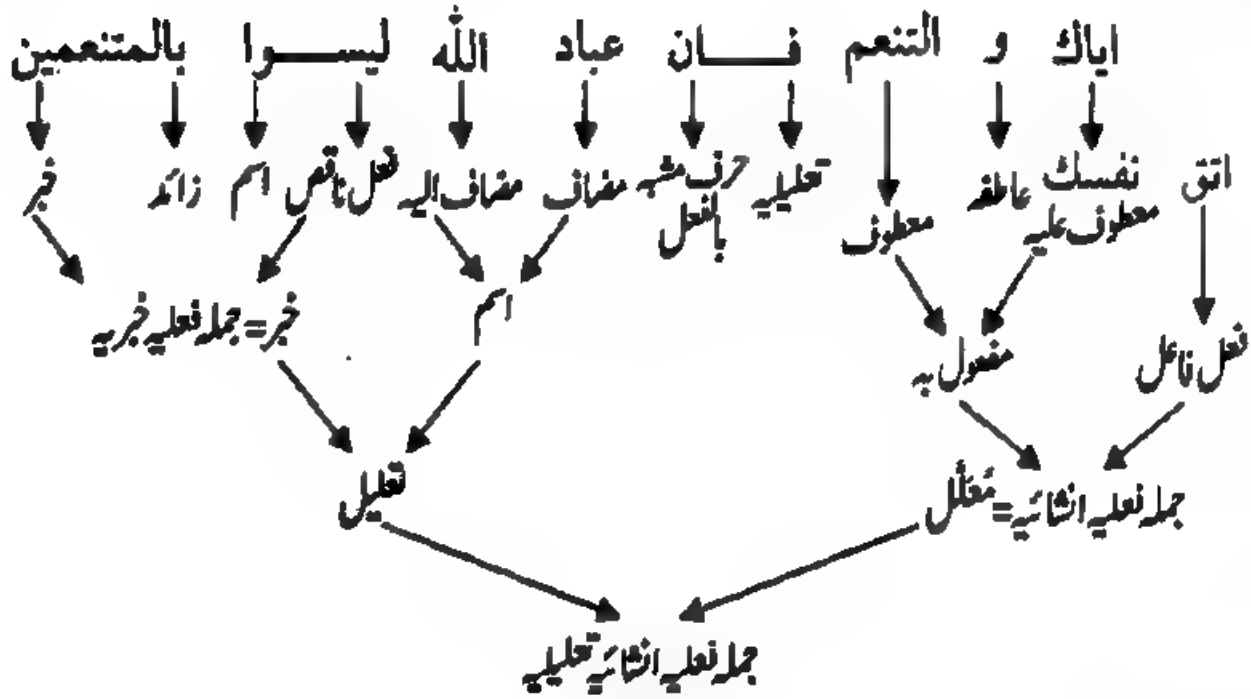
یہ آپ ﷺ کے وہ جملے ہیں جو آپ ﷺ نے اپنے پیارے صحابی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجے وقت ارشاد فرمائے تھے۔ یہ جملے ایک اہم نصیحت اور ایک مسلمان کے طرز زندگی کے بارے میں فیصلہ کن حیثیت کے حامل ہیں۔ مسلمانوں کو اپنی انفرادی زندگی میں اپنے اختیار سے اس بات کی کوشش کرنی اور اپنے آپ کو پابند کرنا چاہیے کہ وہ سادہ سے سادہ زندگی گذاریں۔ اپنی زندگی کو ضروریات تک محدود رکھیں۔ تعیش، آرائش و آرائش اور زیبائش سے بچیں کیونکہ دنیا ہمارا گھر نہیں، ہمارا گھر آخرت ہے یہ ہماری امتحان گاہ ہے۔ اس لیے اپنی زندگی کو ضروریات تک محدود کریں اور اس کے علاوہ جو مال و دولت ہو اس کو دیگر مسلمانوں پر خرچ کریں۔ تاکہ تمام مسلمان زندگی کی بنیادی ضروریات کے ساتھ زندگی گزار سکیں۔

واضح رہے کہ مذکورہ بالا روایت ہماری انفرادی زندگی کے معیار (Living standard) سے متعلق ہے کہ اس میں سادگی ہونی چاہیے، باقی رہی اجتماعی اور ریاستی ذمہ داریاں اور اجتماعی سہولتیں اور ضروریات، مثلاً دفاع، تعلیم، صحت، ذرائع نقل و حمل اور جہاد کے آلات کی تیاری تو اس درجے میں اعلیٰ سے اعلیٰ اور خوب سے خوب اور مفید سے مفید تر چیزوں کی طلب اور ایجاد نہ صرف جائز بلکہ مطلوب و مستحسن ہے۔ گویا دنیوی ترقی کے دو پہلو ہو گئے۔ ایک اجتماعی اور دوسرا انفرادی۔ مذکورہ بالا روایت کا تعلق دوسری قسم سے ہے۔

ترکیب:

إِيَّاكَ ضمیر منصوب متصل۔ یہ اصل میں قائم مقام ہے ”اتق نفسك“ کے اتق فعل، ضمیر اس کا فاعل نفسك معطوف علیہ و عاقلہ التمتع معطوف، معطوف معطوف علیہ سے مل کر مفعول بہ، فعل فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معلل، فاتعلیل ان حرف مشبہ بالفعل عباد اللہ مضاف مضاف الیہ مل کر اسم لیسوا فعل ناقص ضمیر اس کا اسم بازانہ المتنعمین خبر فعل ناقص اپنی خبر اور اسم سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر خبر ان کی، حرف ان اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر تعلیل، معلل تعلیل سے مل کر جملہ تعلیلیہ ہوا۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) مسند احمد: حدیث نمبر ۲۲۱۰۵

۱۶۱) سجدہ اطمینان سے ادا کرو

اعْتَدِلُوا فِي السُّجُودِ وَلَا يَبْسُطْ أَحَدُكُمْ ذِرَاعِيَهُ انْبِسَاطَ الْكَلْبِ

ترجمہ:

”سجدے میں اعتدال و اطمینان کی حالت میں رہو، تم میں سے کوئی شخص (سجدے میں) اپنی کہیوں کو کتے کی طرح نہ پھیلائے۔“

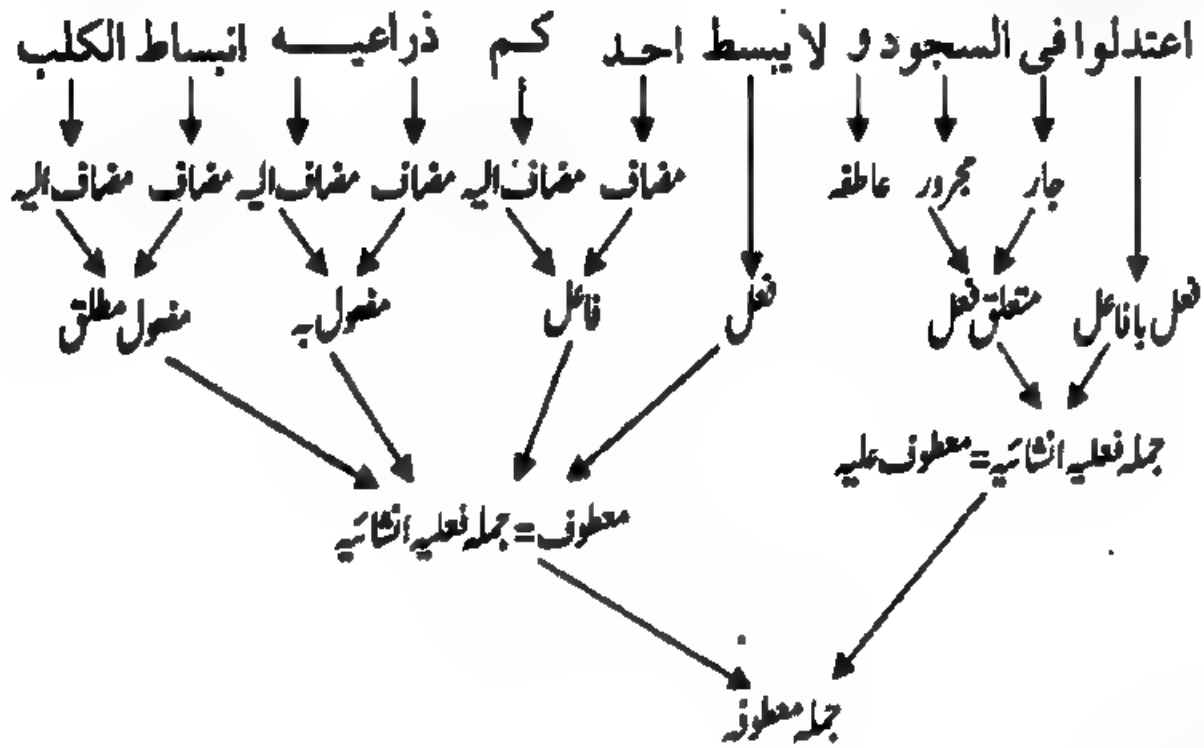
تشریح:

اس حدیث میں نماز کے ایک اہم رکن یعنی سجدے کے بارے میں یہ ہدایت دی گئی ہے، کہ اس کی ادائیگی میں اعتدال اور درستگی ہونی چاہیے اور جستی اور نشاط سے سجدہ کرنا چاہیے اور اس کی صورت یہ ہے کہ صرف ہاتھوں کی ہتھیلیاں زمین پر لگی ہوئی ہوں، باقی رہی کہنیاں تو وہ زمین پر نہیں بچھانی چاہئیں، جیسا کہ کتا بیٹھتے ہوئے اپنی کہنیاں زمین پر بچھا لیتا ہے، اور اس کے پاؤں کے پنجوں سے لے کر کہنیوں تک کا حصہ زمین سے لگا ہوتا ہے، ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کہنیوں کو زمین پر رکھنے کی اجازت نہیں۔ باقی رہا کہنیوں کو گھٹنوں پر رکھنا تو ایک حدیث میں اس کی اجازت دی گئی ہے، اور وہ اس صورت میں ہے جب کہنیاں اٹھا اٹھا کر تھک جائے ایسی صورت میں گھٹنوں پر رکھی جاسکتی ہیں۔

ترکیب:

اعْتَدِلُوا فَعْلٌ، ضمیر فاعل فی جار السجود مجرور، جار مجرور متعلق فعل کے، فعل فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ، و عاطفہ لا یبسط فعل نہی احدکم مضاف مضاف الیہ مل کر فاعل ذراعیہ مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول پہ انبساط مصدر مضاف الکلب مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول مطلق، فعل اپنے فاعل مفعول پہ اور مفعول مطلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف، معطوف معطوف علیہ سے مل کر جملہ انشائیہ معطوفہ ہوا۔

نقشه تركيب:



تخريج حديث:

(١) بخارى: حديث نمبر ٧٨٨، باب لا يفرش ذراعيه في السجود، كتاب الصلوة



۱۶۲ مردوں کو برا بھلا مت کہو

لَا تَسُبُّوا الْأَمْوَاتَ فَإِنَّهُمْ قَدْ أَفْضُوا إِلَىٰ مَا قَدَّمُوا

ترجمہ:

”مرنے والے لوگوں کو برا بھلا مت کہو کیونکہ وہ اپنے کیے ہوئے اور آگے بھیجے ہوئے اعمال تک پہنچ چکے ہیں۔“

تشریح:

پچھے ایک حدیث آئی تھی جس میں یہ بیان ہوا تھا کہ آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ لایعنی اور فضول کاموں کو ترک کر دے۔ ان لایعنی کاموں میں سے ایک یہ کام بھی ہے کہ جو لوگ دنیا سے جا چکے ہیں ان کے عیوب، ان کی برائیاں لوگوں کے سامنے بیان کرنا، اور ان کو خواہ مخواہ برا بھلا کہنا، اس کی ضرورت نہیں یہ اپنا وقت ضائع کرنے کے مرادف ہے اس کے بجائے اسے کسی اور کام میں لگانا چاہیے۔

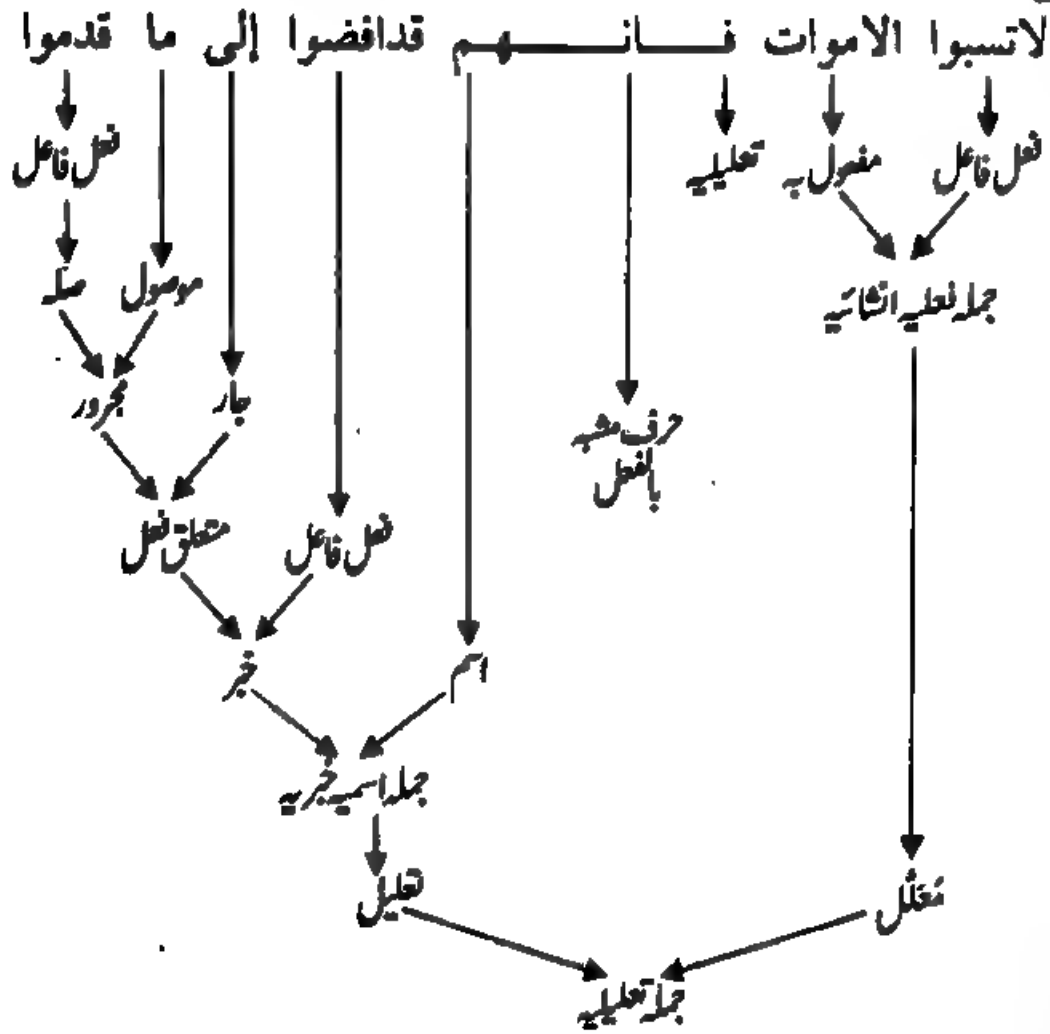
کسی شخص کی برائی کے تین مقصد ہو سکتے ہیں۔ (۱) محض اپنا شوق غیبت پورا کرنا، اور بے مقصد کسی کے عیب اچھالنا، (۲) اس کی برائی اور اثرات سے دوسرے لوگوں کو بچانے کے لیے اس کی بات بیان کرنا، (۳) اس کی مذمت کے ذریعے اسے اپنے برے کاموں کا ایک طرح کا بدلہ اور سزا دینا، ان میں سے پہلا مقصد نہ تو زندہ میں جائز ہے اور نہ مردہ میں اور تیسرا مقصد زندہ میں تو معقول ہے مردہ میں نہیں کیونکہ وہ تو دنیا کے کاروبار سے گزر چکا ہے اور اپنے کیے تک پہنچ چکا ہے۔ البتہ دوسرا مقصد اگر واقعتاً اہم ہو تو اس صورت میں مردے کے بارے میں بھی منفی انداز سے گفتگو کی جاسکتی ہے۔ اس کی صورت یہ ہو سکتی ہے، کہ ایک آدمی مثلاً کسی مردے کی اچھائی کے پل باندھ رہا ہو حالانکہ اس کے واضح غلط کام بھی تھے ان تعریفاتی کوششوں میں اگر اس کی برائیوں کی شاعت کم ہو رہی ہو تو ایسی صورت میں اس کی ذات اور افعال کو زیر بحث لایا جاسکتا ہے بلکہ شاید حالات کے اعتبار سے ضروری ہی ہو۔ جیسے کوئی آدمی حجاج بن یوسف کا ذکر اس انداز سے کرے کہ اس کی برائیاں اچھائیاں معلوم ہونے لگیں یا کم از کم ان کی سنگینی کم ہونے لگے تو ایسے میں اس کی حقیقت بیان کرنا ضروری ہو جائے تو بعید نہیں۔ یہی حکم دیگر ظالم بادشاہوں حکمرانوں اور گورنروں کا ہے، کہ اگر ان کی برائیاں بیان نہ کرنے سے کوئی نظریاتی خرابی پیدا ہو رہی ہو تو ایسے میں ان کی حقیقت کو منظر عام پر لانا ضروری ہوگا۔ ورنہ عام حالات میں ان کو سب وشم اور لعن طعن سے گریز ہی بہتر ہے۔

ترکیب:

لاتسبوا فعل مع فاعل الاموات مفعول به، فعل فاعل مفعول به بل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معلن فاعلیہ ان حرف مشبہ بالفعل ہم ضمیر اس کا اسم قد افضوا فعل، ضمیر فاعل الی جار ما موصول قد موصوفاً فعل با فاعل، فعل فاعل سے مل کر صلہ،

موصول مدّل کر مجرور، جار مجرور متعلق فعل افضوا کے فعل فاعل اور متعلق سے مل کر خبر ان کی، حرف ان اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر تعلیل، معلل تعلیل سے مل کر جملہ تعلیلیہ ہوا۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) بخاری: حدیث نمبر ۱۳۹۳، باب ما نہی عن سب الاموات، کتاب الجنائز

۱۶۳ نابالغ اولاد کی تربیت

مُرُوا أَوْلَادَكُمْ بِالصَّلَاةِ وَهُمْ أَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِينَ وَاضْرِبُوا لَهُم عَلَيْهَا
وَهُمْ أَبْنَاءُ عَشْرِ سِنِينَ وَفَرِّقُوا بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ

ترجمہ:

”اپنی اولاد کو نماز کا حکم کرو جب وہ سات سال کے ہوں، اور نماز کے معاملے میں انہیں مارو جب وہ دس سال کے ہو جائیں اور (اس مرحلے میں) ان کے بستر بھی علیحدہ علیحدہ کر دو۔“

تشریح:

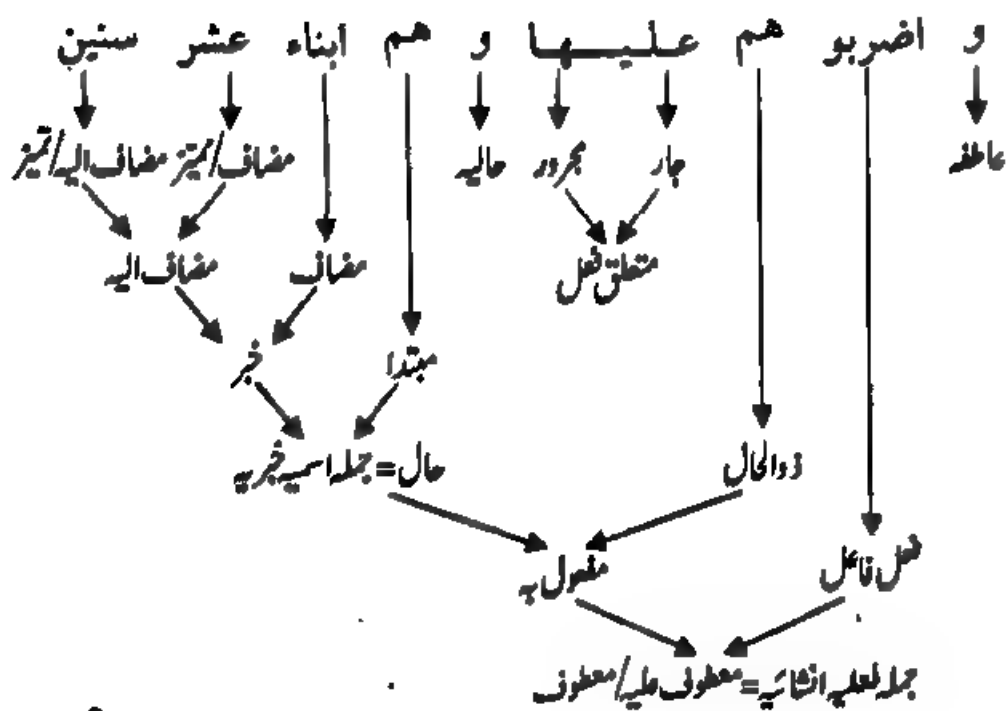
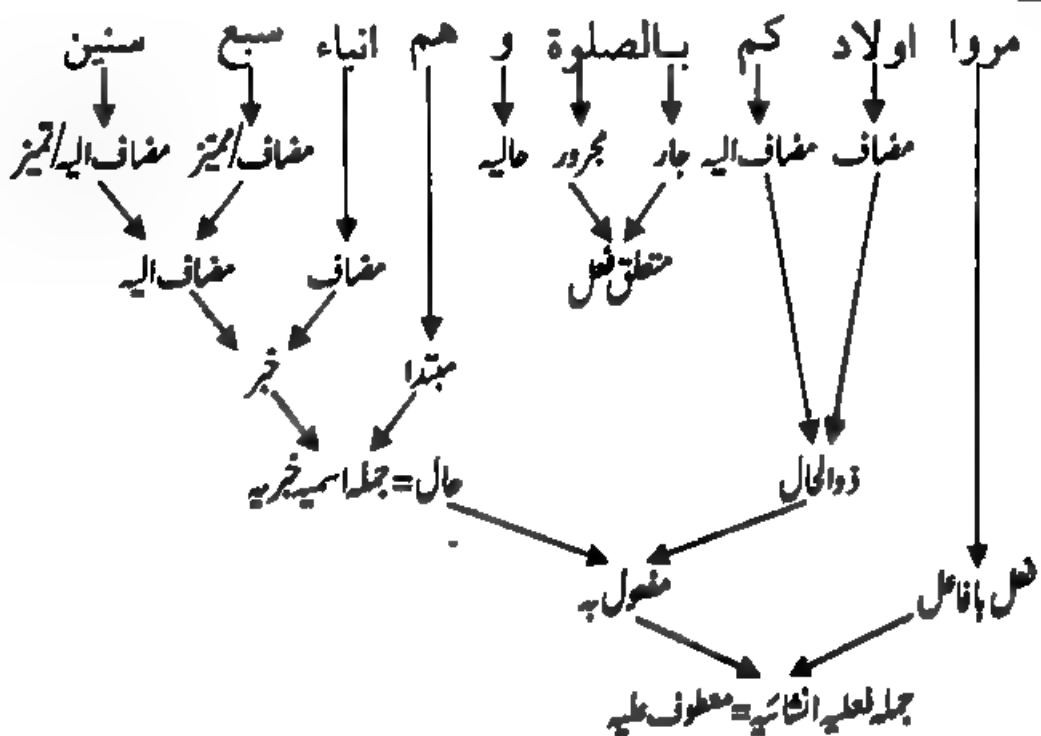
مطلب و مقصود ترجمے سے واضح ہے، نماز ایک ایسا اہم فریضہ ہے جس کی اسلام میں اتنی زیادہ تاکید آئی کہ جتنی کسی اور حکم کی شاید ہی آئی ہو۔ سات سو دفعہ قرآن میں ذکر ہے، اور احادیث کا تو حساب ہی نہیں۔ یہاں اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ بچوں کی تربیت میں نماز کا اہتمام کیسے شامل کیا جائے۔ اصولی طور سے نماز کی فرضیت تو بالغ ہونے پر ہے لیکن اہتمام اور نماز کے مشکل ہونے کے پیش نظر پہلے سے ہی اس کی پیش بندی کی جا رہی ہے۔ دوسری اہم ہدایت یہ فرمائی کہ جب بچے خواہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں وہ دس سال کے ہو جائیں تو ایسی صورت میں انہیں ایک بستر میں نہ سلایا جائے۔ مبادا کہ شیطان دخل اندازی کرے۔ اور کوئی بری بات پیش آجائے۔ بستر علیحدہ کرنے میں دس سال کی عمر کا اندازہ عام تخمینے کے اعتبار سے ہے، ورنہ علاقائی خصوصیات کے پیش نظر اس سے کم عمر میں بھی اگر بستر علیحدہ کرنے کی ضرورت محسوس ہو تو ایسا کرنا ضروری ہوگا۔ چنانچہ علامہ شامی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ جب بچہ سمجھدار ہو جائے تو فوراً یہ کام کرنا چاہئے خصوصاً ہرے زمانے میں ”فان الصغار يعرفون الفسق اکثر من الکبار“

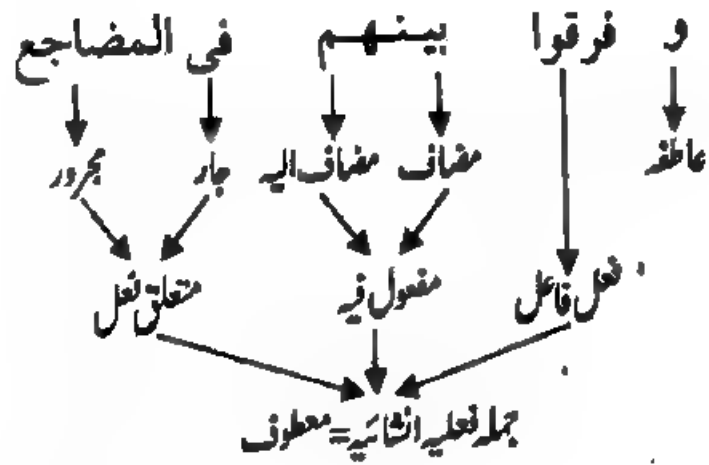
ترکیب:

مروا فعل امر حاضر ضمیر مستتر اس کا قائل اولاد مضاف کم ضمیر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ سے مل کر ذوالحال با جار الصلوٰۃ مجرور، جار مجرور متعلق ہوئے فعل کے و حال یہ ہم ضمیر مبتداء ابناء مضاف سبع مضاف میتر سنین مضاف الیہ تمیز، میتر تمیز سے مل کر مضاف الیہ ہوا ابناء مضاف کا، مضاف مضاف الیہ سے مل کر خبر ہوئی ہم ضمیر کی، مبتداء خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر حال، حال ذوالحال سے مل کر مفعول بہ ہوا فعل ”مروا“ کا، فعل قائل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ و عاطفہ اضربوا فعل ضمیر اس کا قائل ہم ضمیر ذوالحال علیہا جار مجرور متعلق فعل کے و حال یہ ہم مبتداء ابناء مضاف عشر مضاف میتر سنین مضاف الیہ تمیز، میتر تمیز سے مل کر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ سے مل کر خبر، مبتداء خبر سے مل کر جملہ

—1987

نقشہ ترکیب:





معطوف علیہ + معطوف = جملہ معطوفہ

تخریج حدیث:

(۱) ابو داؤد: حدیث نمبر ۴۹۵، باب متى یومر الغلام بالصلاة، کتاب الصلوة

﴿قرآن پاک کی تلاوت کا اہتمام﴾

تَعَاهَدُوا الْقُرْآنَ فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَهُوَ أَشَدُّ تَفْصِيًّا مِّنَ الْإِبْلِ فِي عُقُلِهَا

ترجمہ:

”قرآن پاک کی خبر گیری کیا کرو۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے قرآن سینوں سے نکلنے میں اس اونٹ سے زیادہ تیز ہے جو سی سے بھاگ کھڑا ہو۔“

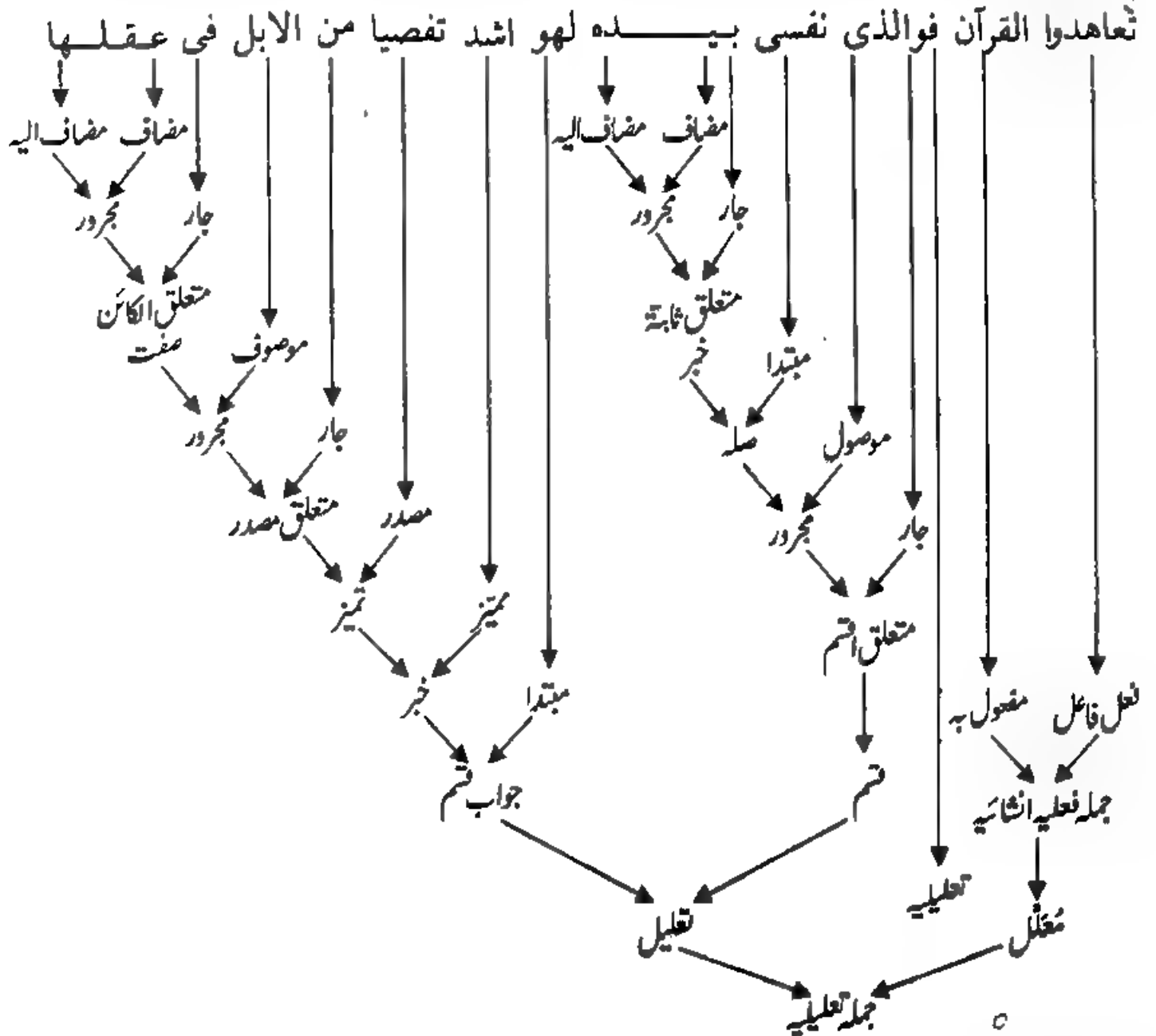
تشریح:

اونٹ یا کوئی دوسرا جانور جب سی سے نکل کر بھاگتا ہے تو پھر آسانی سے قابو میں نہیں آتا اس لیے باندھے ہوئے جانور کی خبر گیری اور اس کی حفاظت اور اس کا دھیان رکھنا چاہیے تاکہ بعد میں پریشانی نہ اٹھانی پڑے۔ آپ ﷺ نے یاد کیے ہوئے قرآن پاک کو باندھے ہوئے اونٹ سے تشبیہ دی ہے کہ جیسے وہ بھاگ کھڑا ہوتا ہے ایسے ہی اگر قرآن کی خبر گیری نہ کی جائے اور اسے پڑھا نہ جائے، اس کی پوری تلاوت نہ کی جائے تو قرآن بھی سینے سے نکل جاتا ہے اور یہ بھی بتایا کہ قرآن کے تم محتاج ہو قرآن فنی اور بے نیاز ہے اگر تم اس کی خاطر مدارات کرو گے، اس کی تلاوت کا حق ادا کرو گے تو یاد رہے گا ورنہ بھول جائے گا۔ اس حدیث اور دیگر احادیث کی بناء پر قرآن پاک کو یاد رکھنا انتہائی ضروری اور ذمہ داری کا کام ہے قرآن بھلانے پر بڑی سخت سخت وعیدیں بھی آئی ہیں۔

ترکیب:

تَعَاهَدُوا فعل امر حاضر ضمیر اس کا قائل الْقُرْآنَ مفعول بہ۔ فعل قائل اور مفعول مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معلن ف تعلیلیہ و قسمیہ جارہ الذی اسم موصول نفسی مبتدا بییدہ جار مجرور متعلق ثابتہ محذوف کے جو کہ خبر ہے مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر صلہ۔ موصول صلہ سے مل کر مجرور۔ جار مجرور متعلق ہوا اقسام فعل کے۔ اقسام فعل اپنے قائل اور متعلق سے مل کر قسم ل حرف تاکید ہو مبتدا اشد میفدا اسم تفصیل یتمیز تفصیلاً مصدر من جار الابل موصوف فی جار عقولہا مضاف مضاف الیہ ل کر مجرور جار مجرور متعلق اکائن کے اکائن صفت۔ موصوف صفت مل کر مجرور جار مجرور متعلق ہوئے تفصیلاً مصدر کے۔ مصدر متعلق سے مل کر تیز۔ یتمیز تمیز مل کر خبر۔ مبتدا خبر مل کر جواب قسم، قسم جواب قسم مل کر تعلیل۔ معلن تعلیل مل کر جملہ تعلیلیہ ہوا۔

نقشه ترکیب:



تخریج حدیث:

- (۱) بخاری: حدیث نمبر ۴۷۴۴، باب استذکار القرآن
(۲) مسلم، حدیث نمبر ۱۸۷۷، باب الامر بتعاهد القرآن

۴۱۸ قبروں کا احترام

لَا تَجْلِسُوا عَلَى الْقُبُورِ وَلَا تُصَلُّوا إِلَيْهَا

ترجمہ:

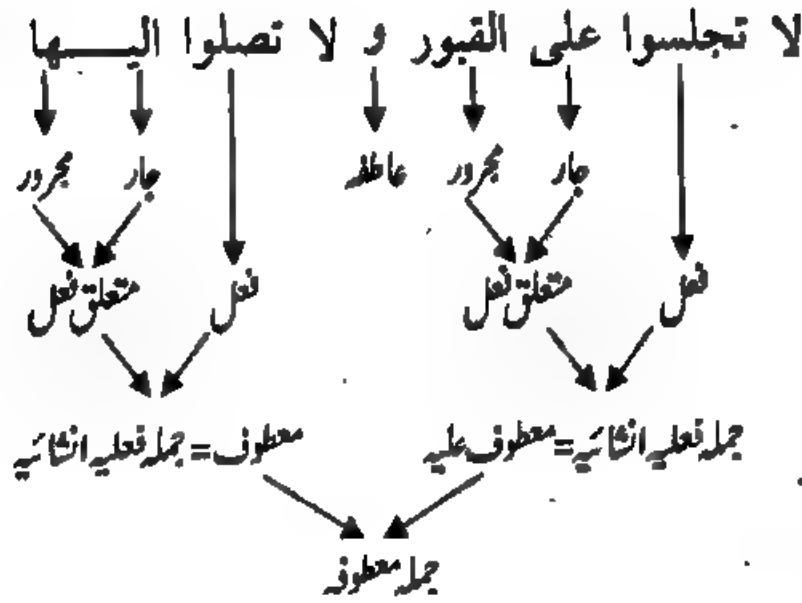
”قبروں پر مت بیٹھو اور نہ ان کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو۔“

تشریح:

جب انسان فوت ہو جاتا ہے تو اس کا جسم لامحالہ گلنے سڑنے لگتا ہے جس سے تعفن پھیلنے کا خطرہ ہوتا ہے اس کیفیت سے بچنے کے لیے مختلف مذاہب میں مختلف طریقے ہیں ہندو وغیرہ میت کو جلادیتے ہیں اور کچھ لوگ حنوط کرتے ہیں۔ لیکن مسلمانوں کا طریقہ یہ ہے کہ میت کو پورے اعزاز و اکرام کے ساتھ مٹی میں دبا دیتے ہیں۔ جس جگہ میت دفن کی جائے اسے قبر کہتے ہیں۔ دفنانے کے بعد اس جگہ یعنی قبر کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے؟ اس کے بارے میں شریعت نے انتہائی محتاط طریقہ اپنایا ہے جس میں نہ تو میت اور قبر کی بے توقیری ہو اور نہ حد سے زیادہ تعظیم اور احترام ہو۔ چنانچہ ایک طرف یہ حکم دیا کہ قبر کی بے حرمتی والا کوئی کام نہ کیا جائے نہ وہاں پیشاب کیا جائے، نہ سویا جائے، نہ ٹیک لگائی جائے، نہ قبر کے اوپر بیٹھا جائے۔ اور دوسری طرف تعظیم کے غلو سے بھی بچایا کہ نہ قبر پر کوئی تعمیر کی جائے، نہ اسے ایک باشت سے زیادہ اونچا بنایا جائے، نہ اس کے پاس اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی جائے جس سے اس کی عبادت کا شبہ ہو۔ مذکورہ بالا حدیث انہیں دو باتوں کا خلاصہ ہے۔ قبروں کی گاہے گاہے زیارت کرتے رہنا چاہیے اس سے انسان کو دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کے یقینی ہونے کا استحضار ہوتا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ قبر پر کھڑے ہو کر اتار دتے تھے کہ آپ کی ڈاڑھی مبارک تر ہو جاتی تھی۔۔۔ جب قبرستان جائیں تو ان الفاظ میں سلام کریں: ”السلام علیکم دار قوم مؤمنین و انا ان شاء اللہ بکم لاحقون“

ترکیب:

لَا تَجْلِسُوا فِعْلُ نَهْیِ حَاضِر۔ ضمیر اس کا فاعل عَلَى جَارِ الْقُبُورِ مجرور جار مجرور متعلق فعل کے۔ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ و عاطفہ لَا تَصَلُّوا فِعْلُ نَهْیِ حَاضِر ضمیر اس کا فاعل اِلَی جَارِ هَا ضمیر مجرور جار مجرور متعلق فعل کے، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف، معطوف معطوف علیہ سے مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔

نقشہ ترکیب:تخریج حدیث:

(۱) مسلم، حدیث نمبر ۲۲۹۴، کتاب الجنائز

(۲) ابو داؤد، حدیث نمبر ۳۲۳۱، باب فی کراہیۃ القعود علی القبر، کتاب الجنائز

۱۶۶ مظلوم کی بددعا سے بچو

إِتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ فَإِنَّهُ لَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ اللَّهِ حِجَابٌ

ترجمہ:

”مظلوم کی بددعا سے بچو! کیونکہ مظلوم کی بددعا اور اللہ رب العزت کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہوتا۔“

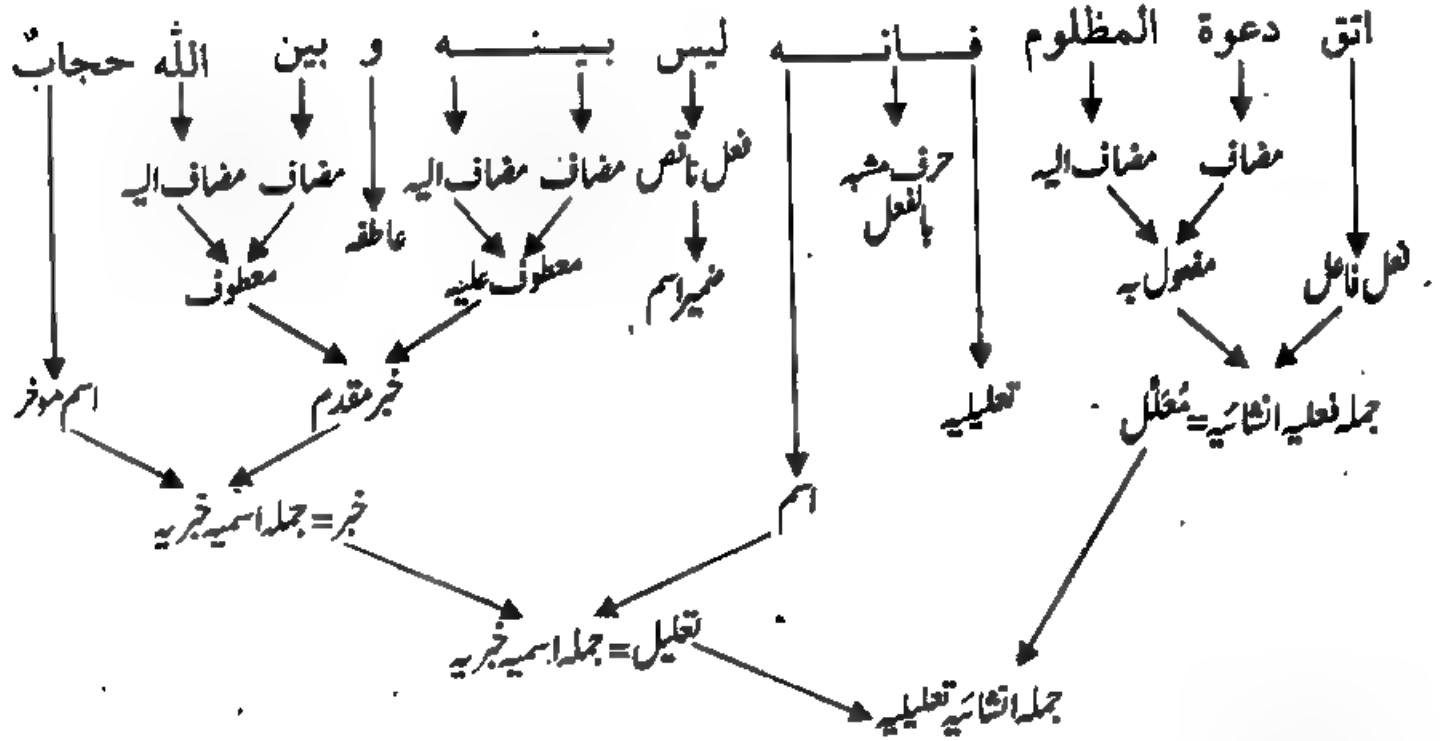
تشریح:

مذکورہ حدیث ان نصیحتوں میں سے ایک نصیحت ہے جو نبی اکرم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجے وقت ارشاد فرمایا تھا۔ مظلوم آدمی خواہ کوئی بھی ہو، کافر ہو یا مسلمان، چھوٹا ہو یا بڑا جب اس پر ظلم ہوتا ہے اور اس ظلم سے مجبور ہو کر اور دنیا کے حالات و اسباب سے مایوس ہوتے ہوئے جب اس کے دل سے آواز نکلتی ہے یہ آواز اپنے اندر وہ اثر رکھتی ہے کہ اسے نہ زمین برداشت کر سکتی ہے اور نہ آسمان۔ یہ سیدھی اس فیصلہ والے کے دربار میں جاتی ہے جسے احکم الحاکمین اور رب العالمین کہتے ہیں۔ اللہ رب العزت مظلوم کو بادلوں سے اوپر اٹھا لیتے ہیں اور فرماتے ہیں میں تیری دعا کو ضرور قبول کروں گا گو مصلحت کے تحت کچھ تاخیر ہی ہو جائے۔ بعض حضرات کا قول ہے کہ کفر و شرک کے ہوتے ہوئے حکومتیں اور معاشرے آباد رہ سکتے ہیں مگر جن معاشروں میں ظلم عام ہو جائے، مظلوم کی داد رسی کرنے والا کوئی نہ ہو، ان معاشروں کو زوال کی کھائیوں میں جانے سے کوئی نہیں بچا سکتا۔

ترکیب:

اتقِ فعل امر حاضر ضمیر اس کا فاعل دَعْوَةُ الْمَظْلُومِ مضاف الیہ۔ مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول بہ۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معلل فاعلیہ اَنْ حرف مشبہ بالفعل ضمیر اسم لبس فعل ناقص بینه مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف علیہ و عاطفہ بین اللہ مضاف مضاف الیہ سے مل کر معطوف، معطوف معطوف علیہ سے مل کر ظرف متعلق ثابتاً مقدر کے بابا اسم فاعل اپنے فاعل ضمیر اور متعلق سے مل کر خبر مقدم حجاب اسم مؤخر اسم اور خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر خبر اَنْ کی۔ اَنْ اپنے اسم اور خبر سے مل کر تعلیل۔ معلل تعلیل سے مل کر جملہ انشائیہ تعلیلیہ ہوا۔

نقشه ترکیب:



تخریج حدیث:

- (۱) بخاری، حدیث نمبر ۱۴۹۶، باب الاتقاء و الحذر من دعوة المظلوم، ابواب المظالم و القصاص
 (۲) ترمذی، حدیث نمبر ۲۰۱۴، باب ما جاء فی دعوة المظلوم، ابواب البر و الصلة.

۴۱۶ جانوروں کے حقوق کی رعایت

اتَّقُوا اللَّهَ فِي هَذِهِ الْبَهَائِمِ الْمُعْجَمَةِ فَارْكَبُوهَا صَالِحَةً وَاتْرُكُوهَا صَالِحَةً
ترجمہ:

”اپنا بے زبان چوپایوں کے معاملے میں اللہ سے ڈرو۔ ان پر اچھی حالت میں سواری کرو اور ان کو اچھی حالت میں چھوڑ دو۔“

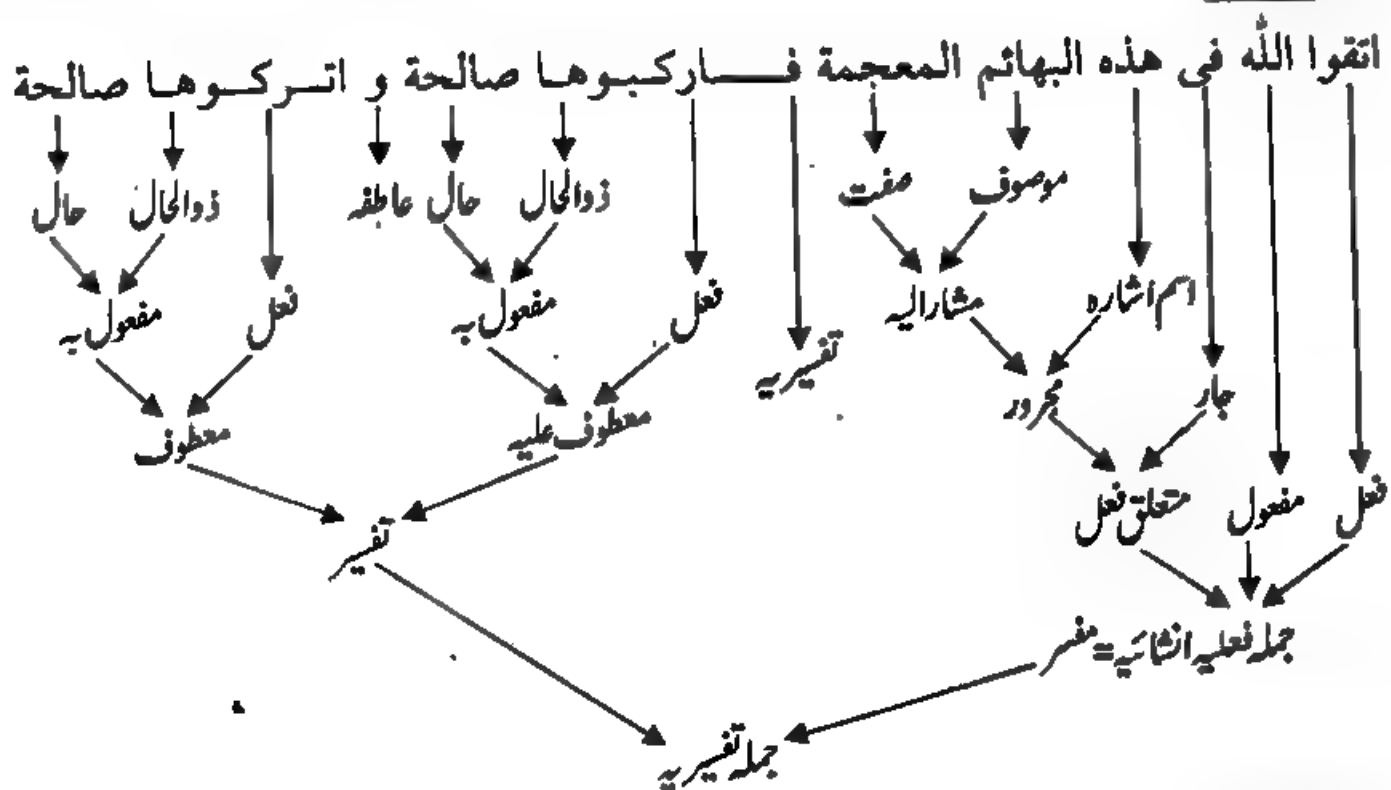
تشریح:

نبی اکرم ﷺ ایک مرتبہ کہیں تشریف لے جا رہے تھے کہ راستے میں ایک جانور پر نظر پڑی جو بیچارہ بھوک کی وجہ سے اتالاغر ہوا پڑا تھا کہ اس کی کمر اور پیٹ ساتھ ملے ہوئے تھے۔ آپ نے اس کو دیکھ کر فرمایا ان بے چارے اور بے زبان جانوروں کے بارے میں اللہ سے ڈرا کرو، کیونکہ یہ بیچارے خود سے نہ بول سکتے ہیں نہ تمہیں اپنی تکلیف سے مطلع کر سکتے ہیں نہ چارہ مانگ سکتے ہیں اور نہ پانی کا مطالبہ کر سکتے ہیں اس لیے یہ بے زبان اور گونگے ہیں۔ اس لیے ان پر تم خود ہی احساس کر کے رحم کھایا کرو اور ان پر سواری اس وقت کیا کرو جب یہ سواری کے قابل ہوں اور سواری یا کام کر لینے کے بعد ان کا خون نہ چھوڑو بلکہ انہیں اچھی حالت میں ہی آرام کے لیے فارغ کر دو۔ ... جانوروں کے حقوق سے متعلق بہت سی روایات ذخیرہ حدیث میں ہیں، مزید تفصیل دیکھنی ہو تو حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمہ اللہ کے رسالہ ”ارشاد الہائم فی حقوق البہائم“ کا مطالعہ کیا جائے۔

ترکیب:

اتَّقُوا فعل ضمیر اس کا فاعل، لفظ اللہ مفعول بہ فی جارِ ہذہ اسم اشارہ البہائم موصوف المعجمة صفت موصول صفت مل کر مشاذا الیہ اشارہ مشار الیہ مل کر محرور، جار محرور متعلق ہوئے فعل کے، فعل اپنے فاعل مفعول اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر مفسر فاء حرف تفسیر ارکبوا فعل ضمیر فاعل ہا ضمیر ذوالحال صالحة حال۔ حال ذوالحال مل کر مفعول بہ۔ فعل فاعل اور مفعول بہ سے مل کر معطوف علیہ، و عاطفہ اترکوا فعل ضمیر فاعل صالحة حال۔ حال ذوالحال مل کر مفعول بہ۔ فعل فاعل اور مفعول بہ سے مل کر معطوف، معطوف علیہ معطوف سے مل کر تفسیر، مفسر تفسیر مل کر جملہ تفسیر یہ ہوا۔

نقشه ترکیب:



تخریج حدیث:

- (۱) ابو داؤد: حدیث نمبر ۲۵۵۰، باب ما یومر به من القیام علی الدواب، کتاب الجہاد۔
(۲) بخاری: حدیث نمبر ۳۰۷۵
(۳) مسند احمد: حدیث نمبر ۱۷۶۲۵

۴۴ محرم کے بغیر سفر کا حکم

لَا يَخْلُونَ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ وَلَا تُسَافِرَنَّ امْرَأَةٌ إِلَّا وَمَعَهَا مُحْرَمٌ

ترجمہ:

”کوئی مرد نامحرم عورت کے ساتھ ہرگز تنہائی میں نہ ہو اور کوئی عورت محرم کے بغیر ہرگز سفر نہ کرے۔“

تشریح:

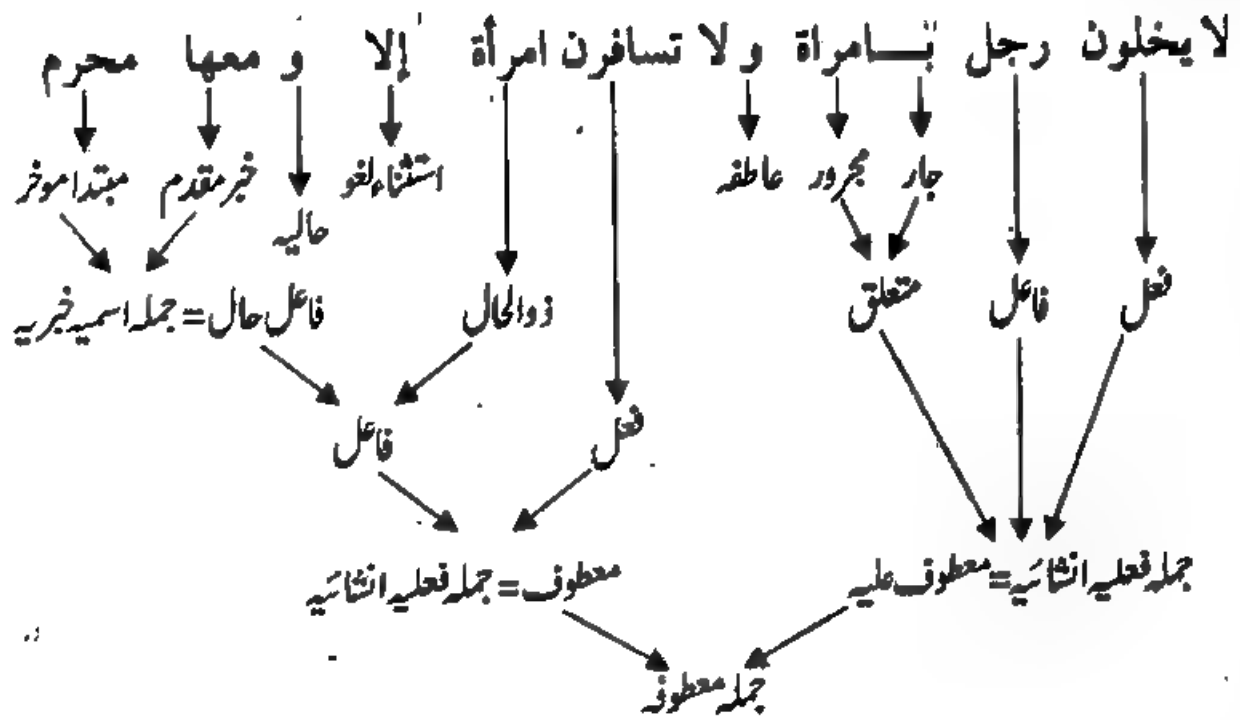
شریعت نے جو معاشرتی نظام دیا ہے اس میں مرد اور عورت کے بارے میں تمام حدود متعین کر دیئے ہیں۔ اس نظام میں عورتوں کے لیے یہ حکم ہے کہ وہ پردہ کر کے رہیں غیر محرم مردوں کے سامنے نہ آئیں، اور نہ ہی کوئی ایسا موقع آنے دیں جہاں ایک مرد اور ایک عورت تنہا ہوں، کیونکہ ایسی صورت میں شریعت کے حکم یعنی مرد و عورت کے اختلاط نہ کرنے کی مخالفت لازم آئے گی اور اس کے نتیجے میں وہ ایسی برائی میں مبتلا ہو سکتے ہیں جو شرعاً و اخلاقاً قابل معافی جرم ہے۔ اس سے آج کل کے زمانے میں ہمارے ہاں کافروں کی تقلید اور دیکھا دیکھی میں عورتوں کی ملازمت کا ناجائز ہونا بھی معلوم ہوتا ہے کیونکہ ملازمت اور سفر کے دوران لامحالہ ایسی تنہائی اور خلوت کے مواقع پیدا ہوتے ہیں اور آئے روز ان کے ہولناک نتائج بھی سامنے آتے رہتے ہیں۔ عورت کا صحیح اور باعزت مقام اس کا گھر ہے جہاں کی وہ ذمہ دار ہے، اولاد کی تربیت اس کی زندگی کا اہم فریضہ ہے۔ مثالی مسلمان عورت وہ نہیں جو دفاتروں کی ملازمت کر کے چند ہزار روپے کھولائے مثالی عورت وہ ہے جو گھر ہی میں رہتے ہوئے اپنی گود سے صلاح الدین ایوبی، امام غزالی، شیخ عبدالقادر جیلانی اور شیخ بختیار کاکی جیسے بچے پر دان چڑھا کر معاشرے کو فراہم کرے۔ کہتے ہیں ہر بڑے آدمی کی کامیابی کے پیچھے کسی عورت کا ہاتھ ہوتا ہے لیکن یہ وہ عورت نہیں جو دن بھر ہوس بھری نظروں میں دفاتروں کی خاک چھانے کیونکہ ایسی عورتیں کسی بچے کی کامیابی کی کنگھی کیسے بنیں گی؟ وہ تو ملازمت کی وجہ سے حمل کو بھی بوجھ سمجھنے لگتی ہیں۔ بلکہ یہ وہ عورتیں ہیں جو گھر کی چار دیواری میں رہتے ہوئے اپنے تمام اوقات اور صلاحیتیں اپنی اولاد کے لیے وقف کر دیتی ہیں۔ ایسی عورتوں کے بچے ہی کامل نشوونما کے مراحل سے گزرتے ہیں۔ ورنہ جو عورتیں اپنی اولاد کو پورا وقت نہیں دے پاتیں ان کی اولاد ماسکے احساس سے خالی تو رہتی ہی ہے اس کے علاوہ اکثر اوقات ایسے بچے نفسیاتی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ دوسرا حکم یہ دیا کہ کوئی عورت بھی محرم کے بغیر سفر نہ کرے چاہے وہ سفر حج ہی کا ہو، اس حدیث میں سفر کی مقدار متعین نہیں کی گئی علماء نے اسے سفر شریعی کے ساتھ محدود کیا ہے لیکن آج کل کے فتنہ کے دور میں تھوڑا سا سفر بھی خطرے سے خالی نہیں۔

توکب:

لَا يَخْلُونَ رَجُلٌ فاعل، با جہار امراة مجرور، جار مجرور متعلق فعل، فعل فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو

کر معطوف علیہ و عاطفہ لا تسافرون فعل امرأۃ ذوالحال الا حرف استثناء لغو، و حالہ معها مضاف مضاف الیہ مل کر ظرف متعلق ہوئی موجود خبر مقدم کے محرم مبتدا مؤخر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر حال، حال ذوالحال مل کر فاعل۔ فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف، معطوف معطوف علیہ سے مل کر جملہ معطوف ہوا۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

- (۱) بخاری، حدیث نمبر ۳۰۰۶، باب لا یخلون رجل الخ
- (۲) مسلم، حدیث نمبر ۳۳۳۶، باب سفر المرأة مع محرم
- (۳) مسند احمد: حدیث نمبر ۱۱۴

۳۹ جانوروں کی پشتوں کو منبر نہ بناؤ

لَا تَتَّخِذُوا ظُهُورَ دَوَابِّكُمْ مَنَابِرَ

ترجمہ:

”جانوروں کی پشتوں کو منبر نہ بناؤ۔“

تشریح:

بچے جانوروں کے متعلق حدیث آئی تھی، یہ اسی کا تہ اور ضمیمہ ہے۔ اس میں جانوروں سے متعلق ایک اہم بات اور ایک خاص صورت کے متعلق تنبیہ کی گئی ہے اور وہ یہ کہ تم جب جانوروں پر سواری کے لیے ان کی پشتوں پر بیٹھو تو انہیں صرف سواری کے لیے ہی استعمال کرو اور جلد از جلد اپنا مقصد پورا کر کے ان سے اتر آؤ۔ ایسا نہ ہو کہ تم سفر پر جا رہے ہو اور راستے میں سواری کے اوپر ہی تم نے وعظ شروع کر دیا تم تو آرام سے بیٹھے ہو جانور بچا را نیچے خواہ خواہ کی مشقت برداشت کر رہا ہے ایسے میں یہ جانور سواری تو نہ ہوا بلکہ منبر بن گیا۔ اسی طرح راہ چلتے چلتے رک کر کسی سے کہیں لگانی شروع کر دیں یا خرید و فروخت شروع کر دی ایسی تمام صورتوں میں جانور کو تم نے سواری کے بجائے تخت کے طور پر استعمال کیا جو کہ ظلم ہے اس لیے اس عمل سے بچو۔ قربان جائے اپنے آقا و مولیٰ مدنی سرکار پر کہ جنہیں جانوروں کی راحت و تکلیف کا اتنا خیال ہے۔ ان کے ہاں انسان جیسی اشرف المخلوقات چیز کا کیا مقام ہوگا!

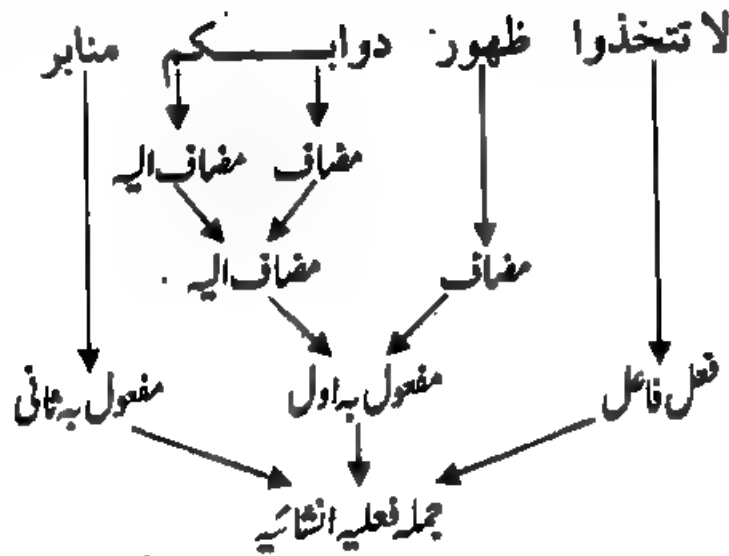
لغوی و صرفی تحقیق:

ظہور بروزن فعل جمع ہے ظہر کی، بمعنی پشت۔ دواب جمع ہے دابة کی ہفت اقسام سے مضاعف ثلاثی ہے لغت کے اعتبار سے زمین پر ریٹنے والے جانوروں کو کہتے ہیں لیکن بعد میں یہ لفظ موشیوں کے ساتھ خاص ہو گیا۔ منابر جمع ہے بروزن مفاعل، اس کا مفرد منبر ہے وہ اونچی جگہ جس پر خطیب خطبہ دیتا ہے۔

توکیب:

لَا تَتَّخِذُوا فِعْلَ ضَمِيرِ اس کا فاعل ظہور مضاف دواب مضاف کم ضمیر مضاف الیہ مضاف مضاف الیہ مل کر مضاف الیہ پھر مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول بہ اول منابر مفعول بہ ثانی فعل اپنے فاعل اور دونوں مفعولوں سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) ابو داؤد، حدیث نمبر ۲۸۶۹، باب فی الوقوف علی الدابة، کتاب الجہاد.

(۲) بیہقی، حدیث ۱۰۶۳۴

⊙ مذی روح چیز کو نشانہ نہ بناؤ

لَا تَتَّخِذُوا شَيْئًا فِيهِ الرُّوحُ غَرَضًا

ترجمہ:

”کسی جاندار چیز کو نشانہ نہ بناؤ۔“

تشریح:

اس حدیث کا ظاہری اور متبادر مفہوم یہ ہے کہ کسی بھی جاندار چیز کو نشانہ بنا کر اسے نہ مارو۔ اگر یوں مطلب لیا جائے تو پھر کسی بھی جاندار کو مارنا درست نہیں ہوگا، نہ کسی کافر کو مارنا اور نہ کسی جانور کا شکار وغیرہ کرنا اور نہ اپنے دفاع میں کسی جانور کو مارنا۔ حالانکہ ان چیزوں کی اجازت ہے اس لیے یہ مفہوم درست نہیں۔

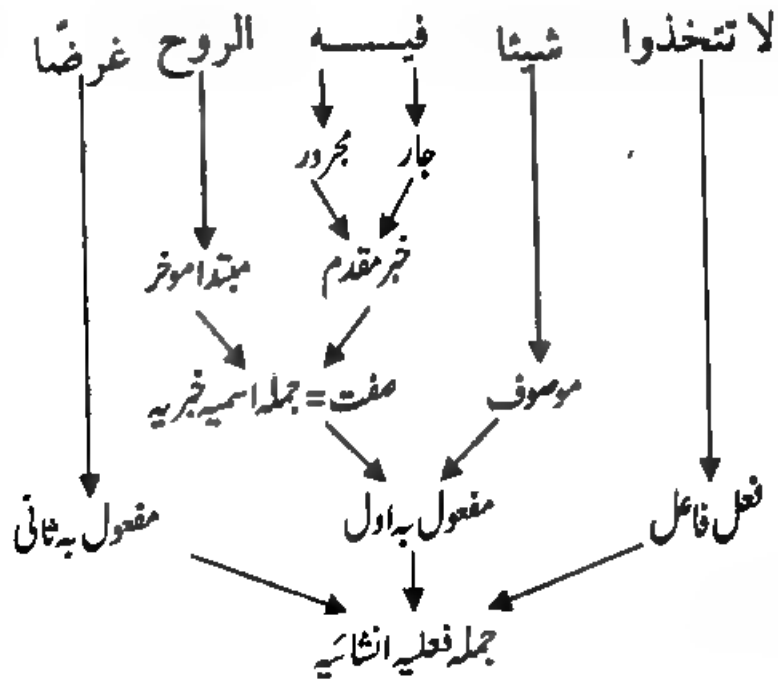
دوسرا مطلب یہ ہے کہ کسی جاندار چیز کو پہلے پکڑ کر باندھا جائے اور پھر اس کو نشانے کے لیے تختہ مشق بنایا جائے اور نشانے میں پھروہ بے چارہ تڑپ تڑپ کر مرے۔ ایسا کرنا بالکل جائز نہیں یہ ظلم ہونے کے ساتھ ساتھ جاندار کی توہین و تذلیل بھی ہے۔ اس صورت میں ہر جاندار شامل ہے خواہ انسان ہو یا غیر انسان، خواہ کافر ہو یا مشرک اس کی کوئی تخصیص یا فرق نہیں۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کسی شرعی ضرورت کے بغیر کسی بھی جاندار خصوصاً مسلمان انسان کی طرف نشانہ والی چیز کا رخ نہیں کرنا چاہیے، چاہے مارنے کی نیت نہ ہو کیونکہ اس میں ایک تو حدیث کے ظاہری الفاظ کی مخالفت ہے دوسرے شیطان دخل اندازی کر کے ہاتھ ہٹا دے تو نشانہ لگ سکتا ہے۔ پھر، گیا وقت ہاتھ نہیں آتا۔

ترکیب:

لَا تَتَّخِذُوا فِعْلٌ ضَمِيرُ اس کا فاعل شَيْئًا موصوفٌ فِيهِ جار مجرور متعلق كَانَتْ خبر مقدم الرُّوح مہندامؤخر مہندامؤخر خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر صفت۔ صفت موصوف مل کر مفعول بہ اول غَرَضًا مفعول بہ ثانی۔ فعل اپنے فاعل اور دونوں مفعولوں سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔

نقشه ترکیب:



تخریج حدیث:

- (۱) مسلم، حدیث نمبر ۵۱۷۱، باب النہی عن جبر البہائم، کتاب الصيد
 (۲) ابن ماجہ، حدیث نمبر ۳۱۷۸، باب النہی عن جبر البہائم، کتاب الذبائح

نتیجہ:

تشریح:

توکب:

نقشه ترکیب:



④ صدقہ بلا کو ٹالتا ہے

بَادِرُوا بِالصَّدَقَةِ فَإِنَّ الْبَلَاءَ لَا يَتَخَطَّاهَا

ترجمہ:

”صدقہ کرنے میں جلدی اور پہل کرو کیونکہ مصیبت صدقہ سے آگے نہیں بڑھ سکتی۔“

تشریح:

ایک حدیث میں آتا ہے کہ آسمان سے بلائیں، مصائب و آلام اور تکالیف تقدیر کی رو سے ایسے اترتی ہیں جیسے بارش کے قطرے۔ اگر نیچے سے صدقہ اوپر جائے تو وہ مصائب کو روک لیتا ہے اور اس سے مصائب ٹل جاتے ہیں اگر نہ جائے تو وہ مصائب نازل ہو جاتے ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ صدقہ اور مصیبت دو گھوڑے ہیں جن کا آپس میں مقابلہ ہوتا ہے۔ جو پہلا وار کر گیا وہ جیت گیا۔ اس لیے فرمایا کہ تم مصیبت کے آثار دیکھتے ہی صدقہ کرنے میں جلدی کرو تا کہ صدقہ مصیبت سے سبقت لے جائے اور اسے راستے میں ہی ختم کر دے کیونکہ جب صدقہ ہوگا تو مصیبت اس سے آگے نہیں بڑھ سکتی اور نہ ہی ایسا ہو سکتا ہے کہ صدقہ کو پھوڑ کر اور اسے نظر انداز کر کے مصیبت آدی پر آن پڑے۔

ایک حدیث میں ہے کہ صدقہ سے بیماری کا علاج کرو اور صدقہ ستر بیماریوں کو دور کرتا ہے۔ صدقہ کے لیے ضروری نہیں کہ خوب مال ہو تب ہی کیا جائے۔ آدی کی جتنی استطاعت ہو اس حساب سے صدقہ دے دے اللہ اخلاص کو دیکھتے ہیں ہو سکتا ہے ایک درہم لاکھ درہموں سے اجر میں بڑھ جائے۔ اور صدقہ جب مطلق بولا جائے تو اس سے مراد مالی صدقہ ہی ہے۔ اس لیے ان مدعوں میں مراد مال خرچ کرنا ہوگا۔

غوی و صربی تحقیق:

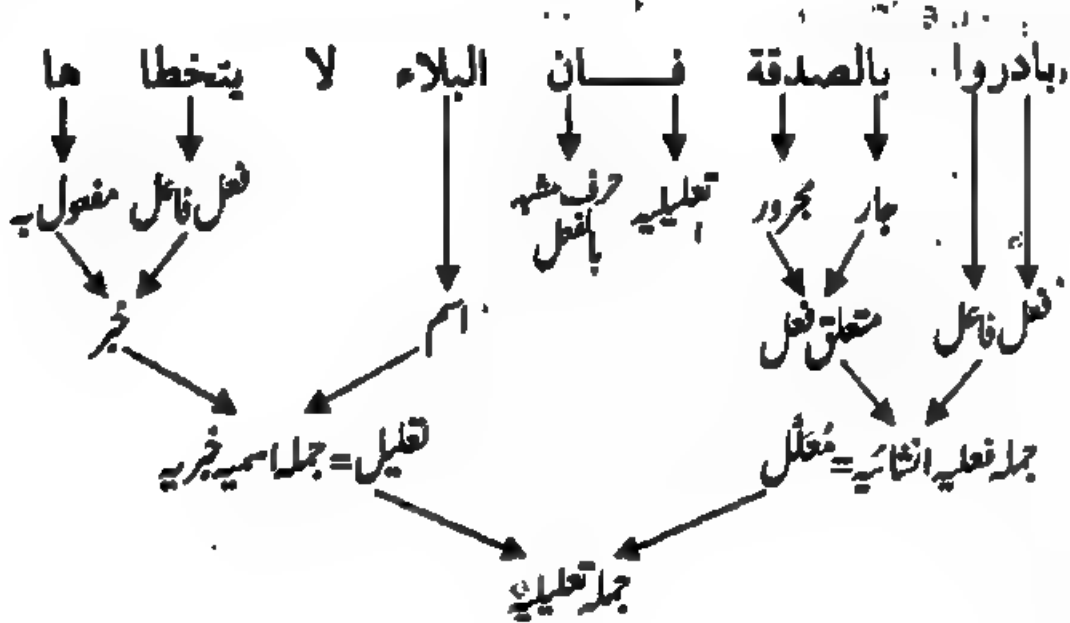
بادروا فعل امر حاضر باب مفاعلة بمعنی جلدی کرنا، يتخطى وار خطا جانا، آگے نکل جانا، باب تفعّل۔ ہفت اقسام

اس سے مہوز اللام ہے۔

تکبیب:

بادروا فعل۔ ضمیر اس کا فاعل بآ جار الصدقة مجرور۔ جار مجرور متعلق فعل کے۔ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ بنایا ہو کر معلل، فاعلیہ ان حرف مشبہ بالفعل البلاء اسم لا يتخطا فعل، ضمیر فاعل ہا ضمیر مفعول بہ، فعل فاعل اور مفعول سے مل کر خبر۔ حرف ان اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر تعلیل، معلل تعلیل مل کر جملہ تعلیلیہ ہوا۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) جامع الاصول: حدیث نمبر ۴۶۵۶

(۲) معجم طبرانی اوسط: حدیث نمبر ۹

۴۳ مسلمان کی مصیبت پر خوشی سے ممانعت

لَا تَظْهَرِ الشَّمَاتَةَ لِأَخِيكَ فَيَرْحَمَهُ اللَّهُ وَبَيِّتَلِيكَ

ترجمہ:

”اپنے (مسلمان) بھائی کی مصیبت پر خوشی کا اظہار نہ کرو (ایسا نہ ہو کہ) اللہ اس پر تو رحم فرمادیں اور تمہیں مصیبت میں مبتلا کر دیں۔“

تشریح:

جب کوئی مسلمان آدمی کسی مصیبت یا تکلیف میں مبتلا ہو جائے تو دوسرے مسلمان کا اسلامی اخوت و بھائی چارے اور انسان ہمدردی کے ناطے یہ حق بنتا ہے کہ اس تکلیف اور پریشانی میں اس کی مدد کرے اور تکلیف کو ختم کرنے کے لیے ممکنہ کوشش کرے اگر اس دوران اس کے سامنے کوئی عیب یا اس کی کمزوری آئے تو اس کو بھی چھپانے کی کوشش کرے۔ ایسا نہ کرے کہ اس کی مصیبت پر خوش ہوتا پھرے اور لوگوں کے سامنے اس کا تذکرہ مزے لے لے کر کرتا پھرے کیونکہ ایسی صورت میں خدا کی غیرت جوش میں آتی ہے اور ایسا ہونے کا قوی امکان ہے کہ اللہ اس کو تو اس مصیبت سے نجات عطا فرمادیں اور تم دھر لیے جاؤ۔ اس لیے اہل نظر فرماتے ہیں جو آدمی کسی مسلمان کے ذاتی عیوب اچھالتا ہے اللہ مرنے سے پہلے پہلے اس کو خود اس عیب میں مبتلا فرما دیتے ہیں۔ اللہ بچائے آمین!

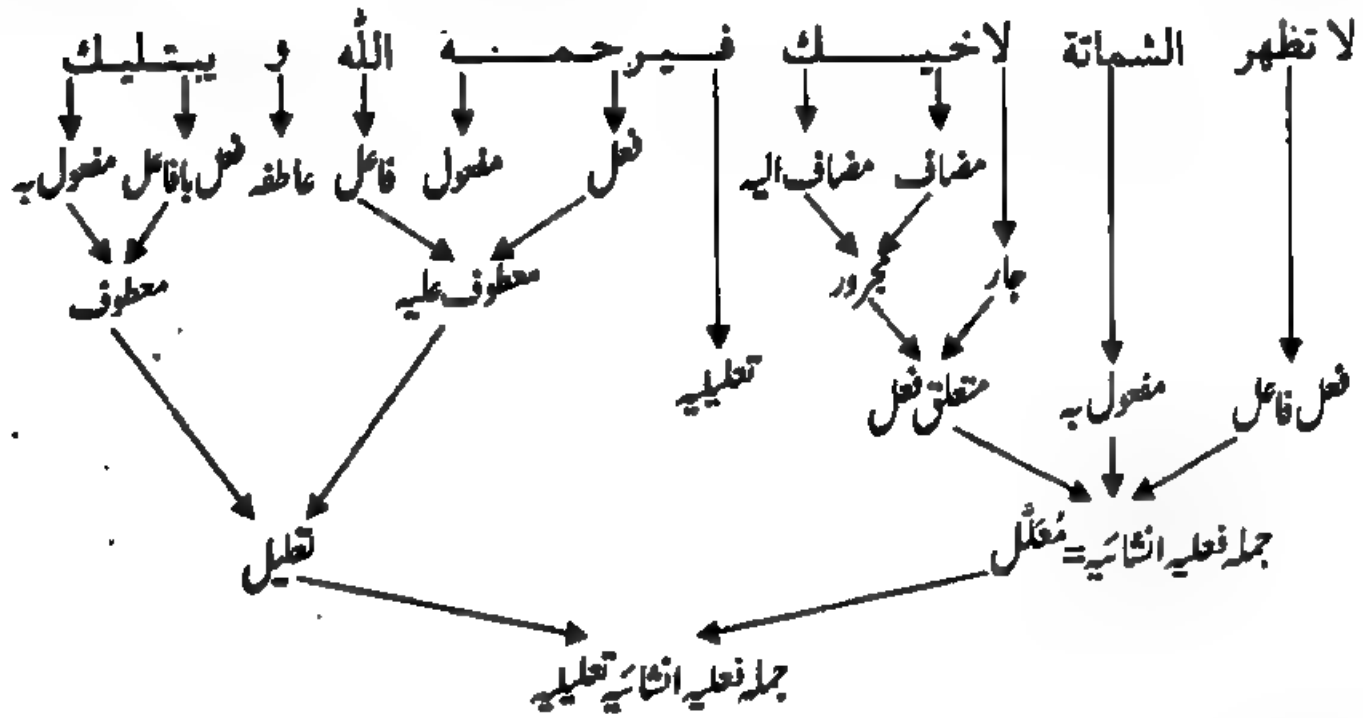
لغوی و صرفی تحقیق:

الشَّمَاتَةُ مصدر ہے یعنی اظہار مسرت، خاص طور سے دشمن کی مصیبت و تکلیف کو دیکھ کر۔

ترکیب:

لَا تَظْهَرِ فعل ضمیر اس کا فاعل الشَّمَاتَةُ مفعول بہ لَ جارِ اخیک مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور متعلق فعل کے، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معلل فاتعلیل یہ برحم فعل ہ ضمیر مفعول بہ لفظ اللہ فاعل فعل فاعل مل کر معطوف علیہ و عاطفہ یبتلی فعل۔ ضمیر فاعل لَ ضمیر مفعول بہ۔ فعل فاعل اور مفعول بہ مل کر معطوف، معطوف معطوف علیہ سے مل کر تعلیل۔ معلل تعلیل سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ تعلیلیہ ہوا۔

نقشه ترکیب:



تخريج حديث:

(۱) ترمذی، حدیث نمبر ۲۵۰۶، ابواب القيامة

۴۳۵ جہنم سے بچاؤ کی تدبیر

اتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فِكَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ

ترجمہ:

”آگ سے بچاؤ کرو اگرچہ کھجور کے ایک ٹکڑے سے ہی ہو، جسے یہ بھی میسر نہ ہو تو اچھی بات کے ذریعے بچے۔“

تشریح:

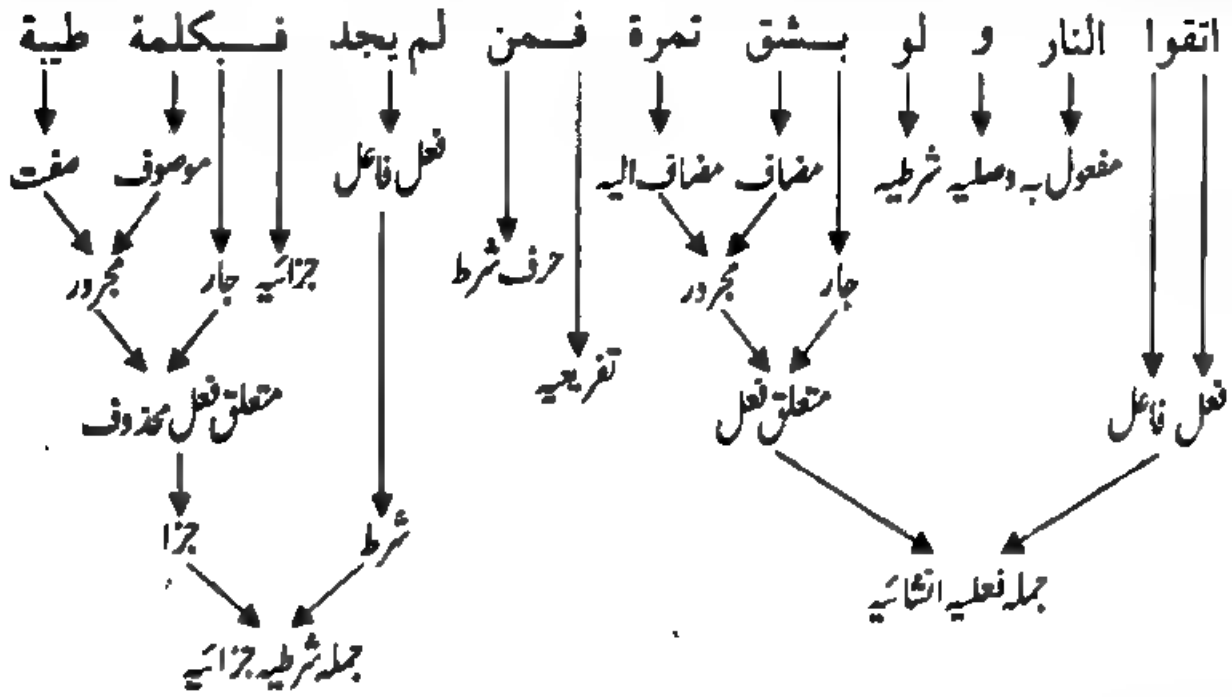
ایک آدمی حدیث قبل صدقہ کا حکم اور اس کا فائدہ بیان ہوا ہے۔ یہ حدیث بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے، اس میں یہ فرمایا کہ صدقہ کے ذریعے آدمی جہنم کی آگ سے چھٹکارا پاتا ہے اور صدقہ اللہ کے غصے کو ایسے ٹھنڈا کرتا ہے جیسے آگ کو پانی۔ اور آگ کے یہ فرمایا کہ صدقہ کے لیے ضروری نہیں کہ آدمی ڈھیروں مال خرچ کرے تب ہی مذکورہ فضیلت حاصل ہو بلکہ ایک کھجور بلکہ کھجور کا بھی ایک ٹکڑا اگر آدمی صدقہ کر دے تب بھی فضیلت کا حصول ہو جائے گا کیونکہ جس آدمی کے پاس ایک کھجور ہی ہو وہ اگر اس کا ایک ٹکڑا دیتا ہے تو گویا وہ اپنے مال کا ایک حصہ دیتا ہے اور خدا کے ہاں اعمال کی گنتی نہیں ہوتی وہاں وزن ہوتا ہے۔

پھر آگ کے یہ فرمایا کہ جس کے پاس یہ بھی نہ ہو تو اسے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں وہ کسی کو نیکی کی بات بتا دے یہ بھی صدقہ ہے کسی مسلمان سے خندہ پیشانی سے مل لے، راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹا دے، یہ بھی صدقہ ہے۔ مگر اس کے لیے جس کے پاس مال نہ ہو مال والے کا صدقہ مال خرچ کرنا ہی اول درجہ رکھتا ہے۔

ترکیب:

اتَّقُوا فعل ضمیر اس کا فاعل النار مفعول بہ و وصلیہ لو حرف شرط با جار شق تَمْرَةٍ مضاف مضاف الیہ۔ مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور متعلق فعل کے، فعل فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔ فَا تَفْرِیغِیْهِ مِنْ شَرْطِیْهِ لَمْ یَجِدْ فعل ضمیر فاعل، فعل فاعل مل کر شرط ف جزائیہ کَلِمَةٍ موصوف طَیِّبَةٍ صفت، موصوف صفت مل کر مجرور۔ جار مجرور متعلق ہوئے فعل محذوف لبتقی کے فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جزا۔ شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ ہوا۔

نقشه ترکیب:



تخریج حدیث:

- (۱) بخاری، حدیث نمبر ۱۴۱۴، باب طیب الکلام، کتاب الادب.
- (۲) مسلم، حدیث نمبر ۱۰۱۶، باب الحث علی الصدقة، کتاب الزکوة.



۴۷ مشرکوں سے ہر طرح کے جہاد کا حکم

جَاهِدُوا الْمُشْرِكِينَ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ وَالنِّسْتِكُمْ

ترجمہ:

”مشرکوں سے جہاد کرو اپنے مالوں کے ذریعے، اپنی جانوں کے ذریعے اور اپنی زبانوں کے ذریعے۔“

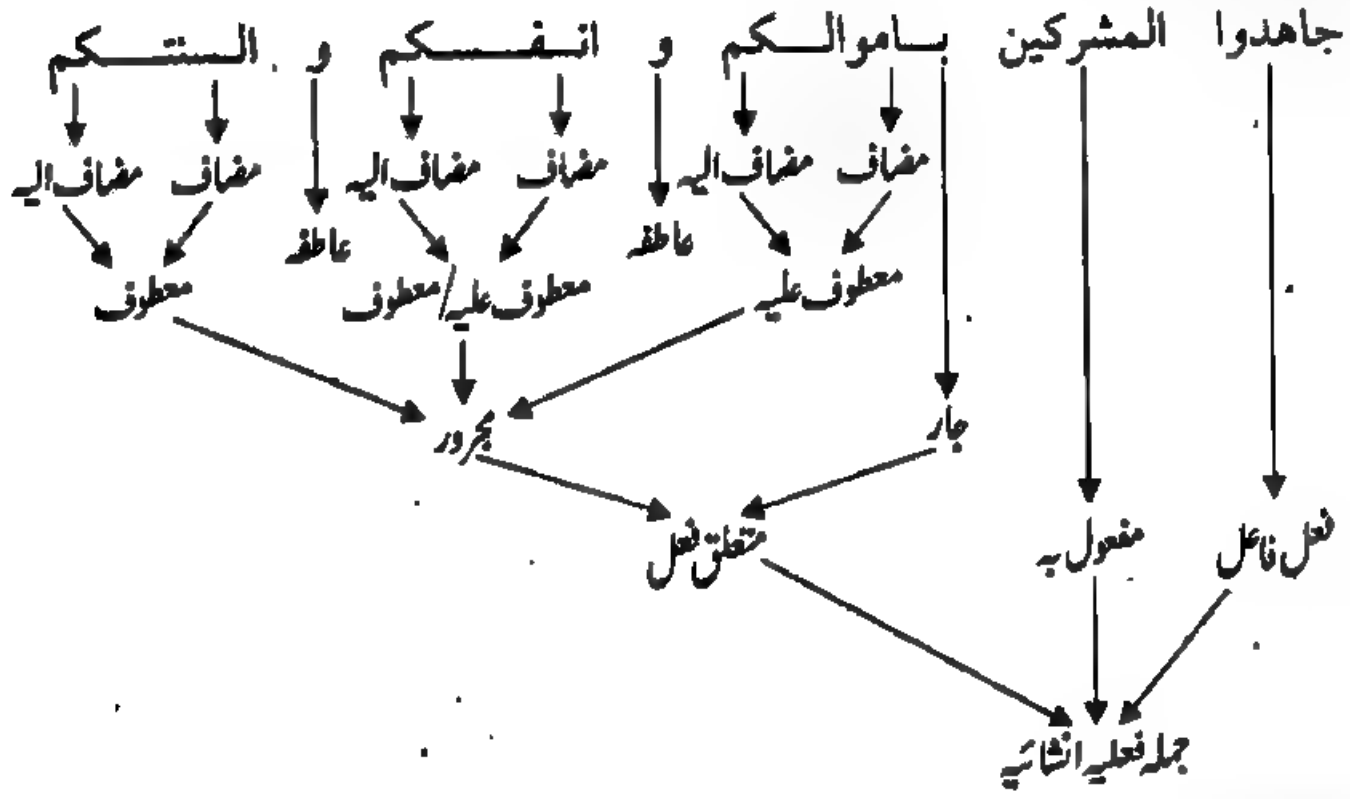
تشریح:

جہاد اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے کی جانے والی کوشش کا نام ہے اس کوشش میں سب سے اعلیٰ درجہ اور کامل فرد اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنا ہے یعنی اس طریقے سے جہاد کرنا جس میں جان کی بازی لگتی ہو، اور یہ قتال اور لڑائی کی صورت ہے۔ اس کا مقصد بھی یہ ہوتا ہے کہ اللہ کا دین غالب ہو اور دشمنان خدا مغلوب و مقہور ہوں۔ ان کی شان و شوکت اور رعب و داب دنیا کے دلوں سے نکل جائے۔ اس کے بعد درجہ ہے مال سے جہاد کا یعنی مجاہدین کی مالی معاونت کرنا، ان کے لیے اسلحہ، گھوڑے، گاڑیاں وغیرہ خریدنا، مجاہدین کے گھروالوں کی کفالت کرنا۔ اس کے بعد درجہ ہے اپنی زبان سے جہاد کا یعنی لوگوں کو لڑائی اور کافروں کے مقابلہ کے لیے تیار کرنا، ان کے لیے مال کی ترغیب دینا وغیرہ۔ واضح رہے کہ دیے تو دین کے تمام وہ کام جن میں دین کی نشر و اشاعت اور حفاظت ہے وہ بالواسطہ اور سبب بعید کے درجے میں اعلاء کلمۃ اللہ سے متعلق ہیں اور جہاد کے وسیع یا لغوی معنی کے اعتبار سے اس کا مصداق بھی بن سکتے ہیں لیکن عربی معنوں میں جہاد وہی کہلائے گا جس میں اعلاء کلمۃ اللہ اور کافروں کی سطوت توڑنے کے ساتھ براہ راست تبلیغ ہو جس میں اول درجہ قتال ہے پھر دوم درجہ قتال کی مالی معاونت کا ہے اور یہی جہاد بالمال ہے سوم درجہ قتال کی زبانی حمایت اور ترغیب ہے اور یہی جہاد باللسان ہے۔ دین کی نشر و اشاعت کے دیگر کاموں میں مال لگانا یا زبان سے وہ کام سرانجام دینا اگرچہ باعث ثواب اور فضیلت ہے اور حالات کے اعتبار سے ممکن ہے وہ بڑھ بھی جائے لیکن وہ حقیقت کے اعتبار سے جہاد بالمال اور جہاد باللسان کا مصداق قرار نہیں پاسکتے اس کا مصداق وہی صورتیں ہیں جو براہ راست اور سبب قریب کے درجے میں قتال سے متعلق ہیں۔

ترکیب:

جَاهِدُوا فاعل، ضمیر اس کا فاعل الْمُشْرِكِينَ مفعول بہ، بِأَمْوَالِكُمْ مفعول علیہ و عَاطِفٌ أَنْفُسِكُمْ مفعول مَعُطُوفٌ عَلَیْہِ و عَاطِفٌ النِّسْتِكُمْ مفعول، تمام معطوفات مل کر مجرور۔ جار مجرور متعلق ہوئے فعل کے، فعل اپنے فاعل مفعول اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔

نقشه ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) مستدرک: حدیث نمبر ۲۴۲۷



۱۵) پانچ چیزوں کو غنیمت جانو

اِغْتَنِمْ خَمْسًا قَبْلَ خَمْسٍ شَبَابَكَ قَبْلَ هَرَمِكَ وَصِحَّتَكَ قَبْلَ سَقَمِكَ
وَغِنَاكَ قَبْلَ فَقْرِكَ وَفِرَاغَكَ قَبْلَ شُغْلِكَ وَحَيَاتَكَ قَبْلَ مَوْتِكَ

ترجمہ:

”پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں کے آنے سے پہلے غنیمت جانو، جوانی کو بڑھاپے کے آنے سے پہلے، صحت کو بیماری کے آنے سے پہلے، فراخی کو تنگدستی سے پہلے، فرصت کو مشغولیت و مصروفیت سے پہلے اور زندگی کو موت سے پہلے۔“

تشریح:

مذکورہ بالا حدیث میں پانچ ایسی نعمتوں کا ذکر کیا گیا ہے جو تقریباً ہر انسان کو حاصل ہوتی ہیں لیکن یہ نعمتیں ہمیشہ نہیں رہتیں بلکہ جلد ہی ختم ہو جاتی ہیں۔ یہ نعمتیں ایسی قیمتی ہیں کہ اگر ان کو صحیح استعمال کر لیا جائے تو کیا کہنے؟ سب سے پہلی نعمت ہے جوانی۔ جب آدمی کے قویٰ میں طاقت ہوتی ہے، ارادوں میں پختگی ہوتی ہے، عزائم بلند ہوتے ہیں اور اس حال میں انسان بہت سے وہ کام پلک جھپکتے کر لیتا ہے جو بڑھاپے میں صرف حسرت بھری آہ کے ساتھ سوچے ہی جاسکتے ہیں۔ جوانی میں عبادت زیادہ ہو سکتی ہے جہاد ہو سکتا ہے، لوگوں کی خدمت ہو سکتی ہے۔ غرض جوانی کا وقت بہت قیمتی ہے اسی لیے کہا گیا ہے۔

در جوانی توبہ کردن شیوہ پیغمبری است کہ در پیری گرگ ظالم میشود پرہیزگار

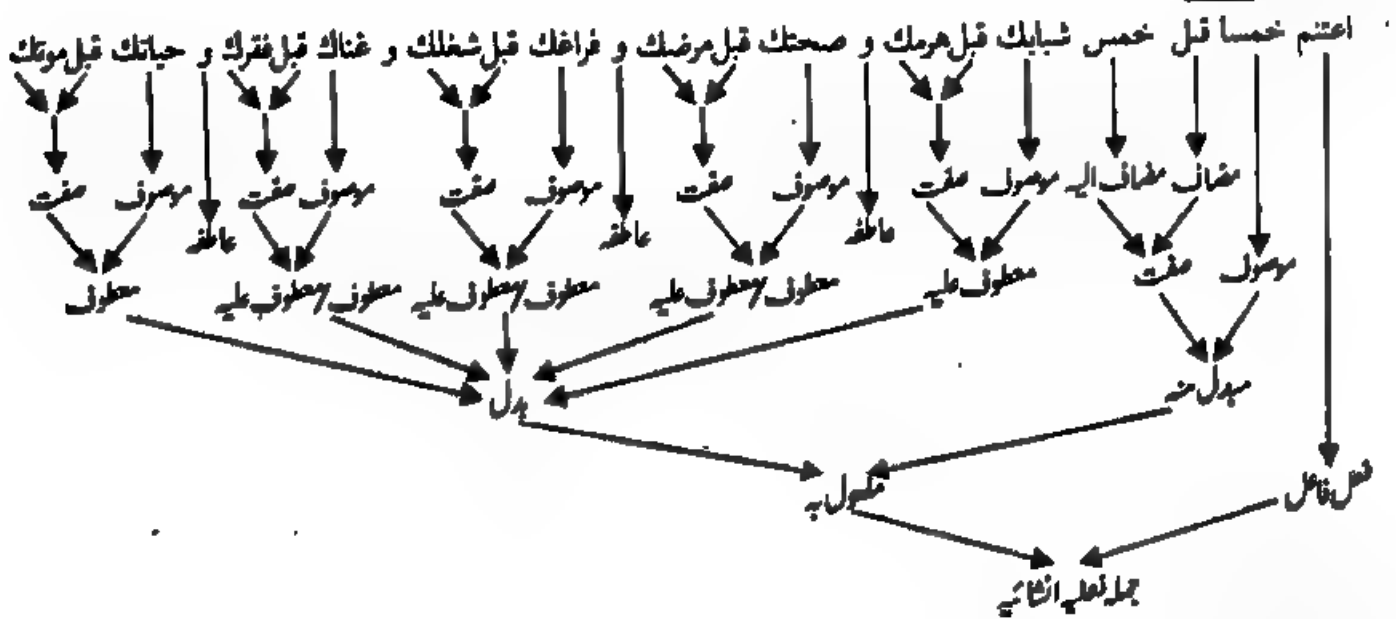
دوسری نعمت صحت ہے کہ صحت میں آدمی وہ کچھ کر سکتا ہے جو بیماری میں نہیں ہو سکتا، چاہے حقوق اللہ کی ادائیگی ہو یا حقوق العباد کا معاملہ ہو۔ غرض جو بھی کام ہو وہ صحت ہی کے ساتھ ہو سکتا ہے کہ صحت کے ساتھ ہی زندگی زندگی ہے در نہ تو آدمی زندہ در گور ہوتا ہے۔ دین کا کوئی کام بھی ہوا چھی طرح تب ہی ہو سکتا ہے جب صحت و تندرستی ہو، اسی لیے کہتے ہیں تندرستی ہزار نعمت ہے۔ لیکن نعمت کی قدر تب ہی آتی ہے جب وہ چلی جائے۔ چنانچہ صحت کو بیماری کے آنے سے پہلے غنیمت جانا ہے۔ تیسری چیز فراخی ہے کہ اگر کسی کو اللہ نے مال دیا ہے تو حالات کا کوئی پتہ نہیں کب گردش ایام بدل جائے اور آدمی کھڑا کھڑا خالی ہاتھ رہ جائے اس سے پہلے پہلے اس مال کو اپنا ہمیشہ کا ذخیرہ بنانا چاہیے اور آخرت کے خزانے میں اسے جمع کر دینا چاہیے یعنی کثرت سے صدقہ دے تاکہ مال کام آئے۔ چوتھی نعمت فراغت ہے یہ بھی نعمت ہے جب آدمی مجبوری کی مصروفیات میں پھنس جاتا ہے اور معمولی چیزوں کے لیے وقت نہیں نکال پاتا تب فرصت کی قدر معلوم ہوتی ہے۔ اس لیے ناگہانی مصروفیات سے پہلے پہلے وقت کو قیمتی جانو اور اچھے اور نیک اعمال اور مفید کاموں میں لگا دو۔ پانچویں چیز وہ عمومی مگر انتہائی بنیادی نعمت ہے جس میں یہ سب چیزیں آئی جاتی ہیں اور وہ ہے

زندگی کا عطیہ خداوندی کہ جب تک جان ہے عمل ہو سکتا ہے مرنے کے بعد کوئی عمل کرنا چاہے بھی تب بھی بے کار ہے۔
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

ترکیب:

اغتنم فعل امر، ضمیر اس کا فاعل، خمساً موصوف قبل مضاف خمس مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر ظرف ہوئی
کاہنا محذوف کی کاہنا محذوف مفت ہوئی خمساً کی، موصوف مفت مل کر مبدل من، شبابك مضاف مضاف الیہ مل کر موصوف، قبل
مضاف هر مك مضاف مضاف الیہ مل کر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر ظرف ہوا الكائن محذوف کے لیے، الكائن محذوف
مفت ہوئی شبابك موصوف کی، موصوف مفت سے مل کر معطوف علیہ، و عاطفہ صحتك موصوف قبل مرضك متعلق
محذوف الكائین کے ہو کر مفت، موصوف مفت مل کر معطوف علیہ معطوف، و عاطفہ غناك موصوف قبل فقرك متعلق محذوف
الكائن کے ہو کر مفت، موصوف مفت مل کر معطوف علیہ معطوف و عاطفہ فراغك موصوف قبل موتك متعلق محذوف الكائین
کے ہو کر مفت، موصوف مفت سے مل کر معطوف، تمام معطوفات باہم مل کر بدل ہوئے مبدل من "خمساً قبل خمس" کا،
بدل مبدل من مل کر مفعول بہ اغتنم فعل کا، اغتنم فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) مستدرک حاکم، حدیث نمبر ۷۸۴۶، کتاب الرقاق

(۲) شعب الایمان: حدیث نمبر ۱۰۲۵۰

(لیس الناقصہ)

پیش آمدہ صفحات میں وہ احادیث لائی جائیں گی جن کی ابتدا ”لیس“ فعل ناقص سے ہوئی ہے۔

⊙ طاقتور آدمی کون ہے؟

لَيْسَ الشَّدِيدُ بِالصُّرْعَةِ إِنَّمَا الشَّدِيدُ الَّذِي يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ

ترجمہ:

”طاقتور آدمی وہ نہیں ہے جو لوگوں کو بچھاڑ دے بلکہ طاقت ور وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے آپ کو قابو میں رکھے۔“

تشریح:

مذکورہ حدیث میں ایک اہم بات کی طرف خاص انداز سے توجہ دلائی گئی ہے۔ اصل مقصود یہ تھا کہ آدمی کو اپنے غصے کو قابو میں رکھنا چاہیے اور غصے کے وقت حد اعتدال سے نہیں نکلنا چاہیے کیونکہ ایسے موقع پر شیطان آدمی سے ایسی ایسی باتیں اور حرکات کروا دیتا ہے کہ بعد میں جن پر آدمی کوندامت کے سوا کچھ نہیں ملتا، اور ایسے موقع پر لڑائی اور قتل و غارت کے امکانات بھی زیادہ ہوتے ہیں ایسے نازک موقع پر جو آدمی اپنے آپ کو سنبھالے اور بکتنے نہ پائے وہ آدمی واقعہً بڑا پاکمال اور مضبوط اعصاب کا مالک ہے۔ اس کے مقابلے میں ظاہری پہلوان کہ جو لوگوں کو اکھاڑے میں بچھاڑتا ہے کی کوئی حیثیت نہیں۔ مسلمان آدمی کو یہ حکم ہے کہ وہ غصہ اگر کرے بھی تو راہ حق میں خدا کے حکم ٹوٹنے پر، خدا کی نافرمانی پر۔ دنیا کے معاملات میں اور ذاتی حالات و واقعات میں غصہ کوئی اچھی چیز نہیں ہے۔

ت ترکیب:

لیس فعل ناقص الشدید اس کا اسم با جار الصرعة مجرور، جار مجرور متعلق ثابتاً محذوف کے جو خبر ہے لیس فعل ناقص کی لیس اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ انما کلمہ حصر الشدید مبتدا، الذی اسم موصول یملک فعل ضمیر اس کا فاعل نفس مضاف، ضمیر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ، عند مضاف الغضب مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول فیہ، فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ، موصول صلہ سے مل کر خبر، مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

۵ لگائی بھائی کرنے والا آدمی

لَيْسَ مِنَّا مَنْ خَبَّ امْرَأَةً عَلَى زَوْجِهَا أَوْ عَبْدًا عَلَى سَيِّدِهِ

ترجمہ:

”وہ شخص ہم میں سے نہیں جو کسی عورت کو اس کے خاوند کے خلاف یا کسی غلام کو اس کے آقا کے خلاف اکسائے۔“

تشریح:

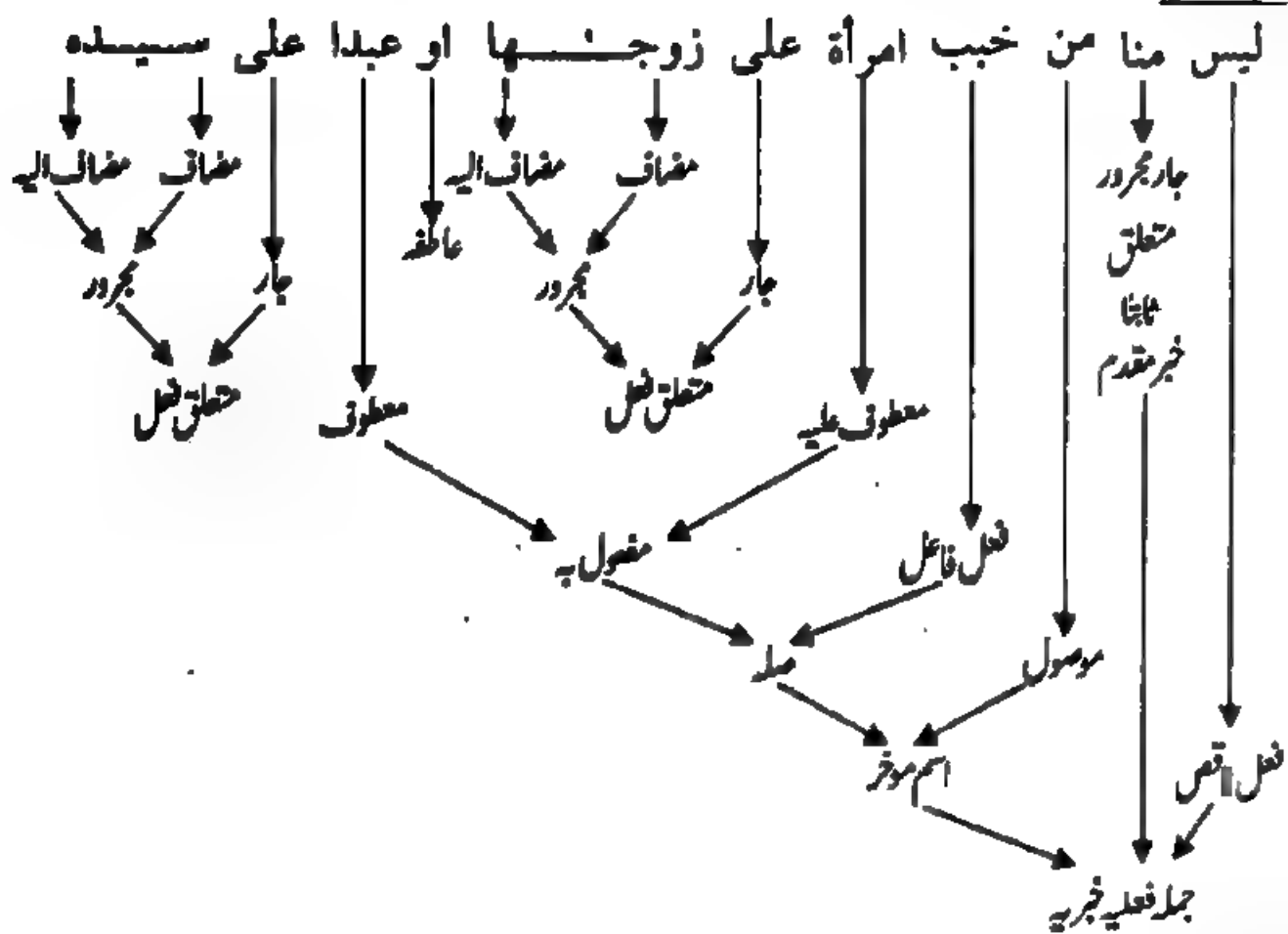
اچھے معاشرے کی بنیاد لوگوں کے آپس کے عمدہ تعلقات پر ہے۔ چاہے یہ تعلقات میاں بیوی کے درمیان ہوں یا اولاد و والدین کے درمیان ہوں، یا مالک و آقا کے درمیان ہوں۔ ان تمام تعلقات میں سے میاں بیوی کے تعلقات کی نوعیت بنیادی ہے کیونکہ میاں بیوی ہی معاشرے کی بنیاد ہوتے ہیں ان سے آگے اولاد پیدا ہوتی ہے۔ مذکورہ حدیث میں اس بات کو بیان کیا گیا ہے کہ میاں بیوی کے ان تعلقات کو خوشگوار ہونا چاہیے ان میں بد مزگی نہ ہو۔

چونکہ یہ تعلق نہایت اہم اور نازک ہے اس لیے اس تعلق کے منافی کسی بھی سرگرمی اور کوشش کو نہایت ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا گیا چنانچہ فرمایا کہ جو آدمی یہ کام کرے وہ ہم میں سے یعنی ہماری گویا امت میں سے ہی نہیں ہے۔ عورت اور خاوند کے تعلقات والا حکم ہی آقا اور غلام کے تعلقات میں بھی ہے۔ تعلقات خراب کرنے اور اکسانے کی صورت یہ ہے کہ عورت کو شوہر کی خامیاں بتلائی جائیں اور دوسرے لوگوں کی خوبیاں دکھائی جائیں یا خاوند سے زیادہ زیادہ خرچہ طلب کرنے کا کہا جائے جس سے ان کے درمیان کشیدگی پیدا ہو۔ یہ سب باتیں ممنوع ہیں۔ یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ یہ اکسانے اور لگائی بھائی والا کام باہر کے اور اجنبی لوگ نہیں کرتے بلکہ اپنے ہی قریبی لوگ، بعض اوقات دانستہ اور بعض اوقات نادانستہ اس جرم کے مرتکب ہو رہے ہوتے ہیں۔

ترکیب:

لَيْسَ فِعْلٌ نَاقِصٌ مِّنَّا جَارِ مجرور متعلق ثابتاً خبر مخدوف کے ثابِتاً خبر مقدم مِّنْ اسم موصول خبیب فعل ضمیر اس کا فاعل امْرَأَةً معطوف علیہ علی جار زوجہا مجرور جاز مجرور متعلق فعل کے او عاطفہ عبداً معطوف، معطوف معطوف علیہ سے مل کر مفعول بہ علی جاز سببہ مجرور جاز مجرور متعلق ہوا فعل کے فعل اپنے فاعل اور متعلقات سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ موصول صلہ سے مل کر اسم مؤخر، لیس فعل ناقص اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) ابو داؤد، حدیث نمبر ۲۱۷۷، باب من عیب امراۃ علی زوجها، کتاب الطلاق.

(۲) مصنفہ احمد، حدیث نمبر ۲۲۹۸



④ چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کی تعظیم

لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا وَلَمْ يُوقِرْ كَبِيرَنَا وَيَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ

ترجمہ:

”وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کی عزت نہ کرے، امر بالمعروف نہ کرے اور نہی عن المنکر نہ کرے۔“

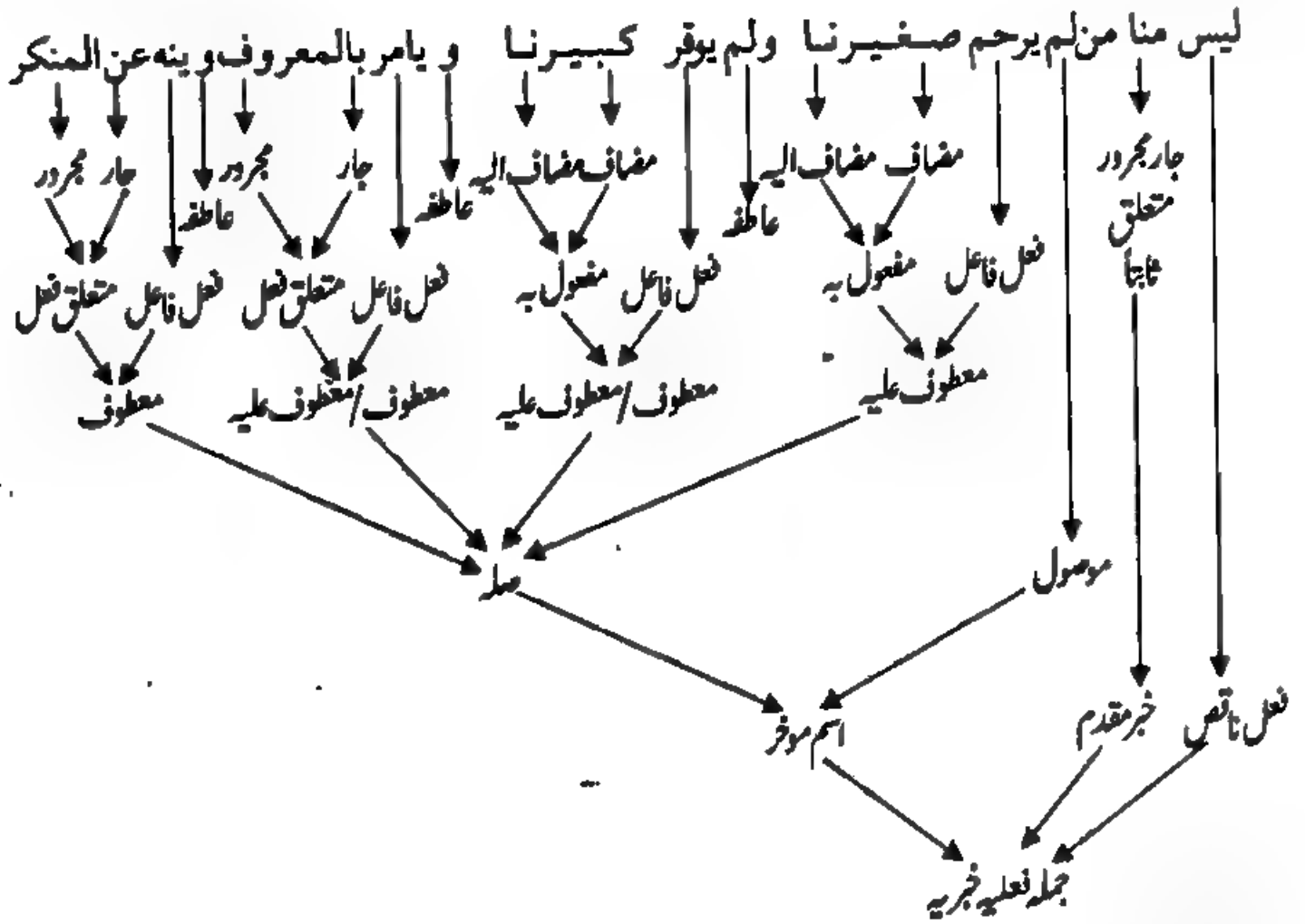
تشریح:

مذکورہ حدیث میں مختلف چیزیں بیان کی گئی ہیں جن میں سے کچھ کا تعلق اخلاقیات سے ہے اور کچھ کا تعلق دعوت کی ذمہ داریوں سے۔ پہلی بات یہ فرمائی کہ جو شخص چھوٹوں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ نہیں کرتا یعنی چھوٹے بچوں پر رحم نہیں کرتا، محبت نہیں کرتا اور اپنے سے بڑے لوگوں کو چاہے عمر میں بڑوں یا علم میں بڑوں کی قدر نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں۔ اگلی بات یہ فرمائی کہ جو شخص امر بالمعروف نہیں کرتا یعنی دوسرے لوگوں کو نیکی اور بھلائی کی باتوں کا حکم نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں۔ پھر فرمایا جو نہی عن المنکر نہیں کرتا یعنی کوئی غلط کام اور برائی ہوتی ہوئی دیکھ کر وہ اس سے منع نہیں کرتا اور اسے روکتا نہیں تو وہ ہم میں سے نہیں۔ ان ساری چیزوں کا تعلق ایمان اور اس کے تقاضوں سے ہے جس میں جتنا ایمان اور خوف خدا ہو گا وہ یہ کام سرانجام دے گا اور جس میں جتنا ایمان ہو گا وہ مومنین کے زمرے میں اسی حساب سے شامل ہو گا، اور جتنی ان اشیاء میں کمی اور سستی ہوگی یہ ایمان کی کمزوری کی علامت ہوگی۔

ترکیب:

لَيْسَ فعل ناقص مَنَّا جار مجرور متعلق ثابتاً خبر محذوف مقدم من اسم موصول لَمْ يَرْحَمْ فعل ضمیر اس کا فاعل صَغِيرَنَا مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول بہ فعل فاعل اور مفعول بہ مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ، و عاطفہ لَمْ يُوقِرْ فعل ضمیر اس کا فاعل کَبِيرَنَا مضاف مضاف الیہ مفعول بہ فعل فاعل و مفعول مل کر معطوف علیہ معطوف و عاطفہ يَأْمُرْ فعل با فاعل بِالْمَعْرُوفِ جار مجرور متعلق فعل، فعل فاعل اور متعلق مل کر معطوف / معطوف علیہ و عاطفہ يَنْهَ فعل با فاعل عَنِ الْمُنْكَرِ جار مجرور متعلق فعل، فعل فاعل اور متعلق مل کر معطوف، تمام معطوفات مل کر صلہ ہوئے من اسم موصول کا۔ من اسم موصول اپنے صلہ سے مل کر اسم مؤخر ہوا لیس فعل ناقص کا، فعل ناقص اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) المعجم الاوسط: حدیث نمبر ۴۸۱۲

(۲) شعب الایمان: ۱۰۹۸۰



۵۰ بھوکے پڑوسی والا انسان مومن نہیں

لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالَّذِي يَشْبَعُ وَجَارُهُ جَائِعٌ إِلَى جَنْبِهِ

تجہ:

”وہ شخص مومن نہیں جو خود تو پیٹ بھر لے اور اس کے پہلو میں اس کا بڑوسی بھوکا ہو۔“

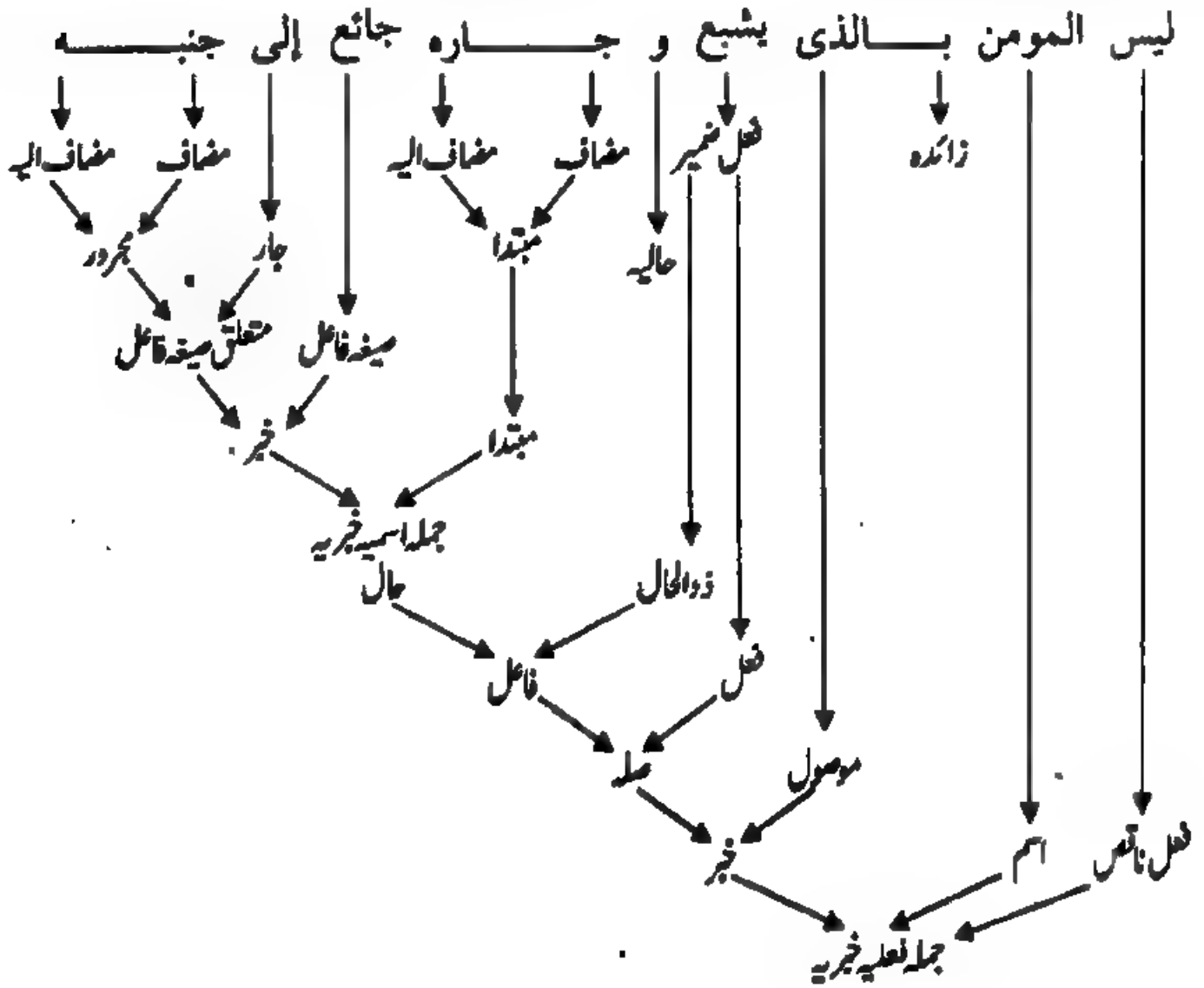
تشریح:

مال کو خرچ کرنا یہ شریعت کی طرف سے مطلوب اور اس کا حکم ہے، کیونکہ مسلمان ہونے کے ناطے ایک مسلمان کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ کسی دوسرے مسلمان بھائی کو بنیادی ضروریات سے محروم نہ رہنے دے بلکہ اپنا مال خرچ کرے۔ یہ حکم تو عام مسلمان کی نسبت ہے اور جب یہ مسلمان آدمی کا پڑوسی بھی ہو تو پھر حق اور بڑھ جاتا ہے اور ذمہ داری اور زیادہ ہو جاتی ہے کیونکہ پڑوسی کا خود بہت زیادہ حق ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا جبرائیل علیہ السلام مجھے پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کی اتنی تاکید اور اہتمام کے ساتھ نصیحت کرتے رہے کہ مجھے لگا شاید اسے میراث میں بھی حق دار نہ ٹھہرا دیں۔ پڑوسی اگر بہت سارے ہوں تو وہ پڑوسی زیادہ حقدار ہے جو زیادہ ضرورت مند ہو۔ اگر سارے برابر کے درجے کے ضرورت مند ہوں تو پھر جو سب سے زیادہ قریب ہو اس کا حق ہے۔ یہ حدیث ہر مسلمان بلکہ عام انسان کے لیے بھی تنبیہ اور لمحہ فکریہ ہے کہ اگر میرے پاس مال و دولت ہے اور میرے اڑوس پڑوس میں لوگ بھوکے مر رہے ہوں تو یہ میرے ایمان اور اخلاق کا جنازہ اور میرے کردار کی موت ہے اور میں چاہے کیا کچھ بن جاؤں یہ میرے ایمان کے لیے ایک نہ بھرنے والا شگاف ہے۔

ترکیب:

لیس فعل ناقص المؤمن اسم با زائدہ الذی اسم موصول یشتبع فعل ضمیر اس کے اندر ذوالحال و حالیہ جارہ مضاف مضاف الیہ مل کر مبتداء، جانع صیغہ اسم فاعل الی جار جنبہ مجرور جار مجرور متعلق صیغہ اسم فاعل کے، صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر خبر، مبتداء اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر حال، حال ذوالحال مل کر فاعل، فعل فاعل سے ملکر صلہ، موصول صلہ سے مل کر خبر، لیس اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

نقشه ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) بیہقی، حدیث نمبر ۳۳۸۹، باب الشفقة و الرحمة.

(۲) مستدرک: حدیث نمبر ۲۱۶۶

۱۸۱) مسلمان فحش گو نہیں ہو سکتا

لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ وَلَا بِاللَّعَّانِ وَلَا الْفَاحِشِ وَلَا الْبَذِيّ

ترجمہ:

”مومن آدمی لعن طعن کرنے والا، اور بے ہودہ اور یادہ گوئی کرنے والا نہیں ہوتا۔“

تشریح:

مسلمان کی شان یہ ہے کہ اس کا تمام جسم اور اعضاء و جوارح حکم خداوندی کے تابع اور دائرہ شریعت کے اندر استعمال ہوتے ہیں خاص طور سے زبان جیسا اہم عضو کہ جو آفات و بلیات کا موجب ہے ”فان البلاء مؤکل بالمنطق“ (ترجمہ: تمام مصیبتیں گفتگو کے ساتھ چڑی ہوئی ہیں) اس کو مومن غلط استعمال نہیں کرتا۔ زبان کے ذریعے نہ وہ کسی پر لعن طعن کرتا ہے اور نہ بے ہودہ اور یادہ گوئی کرتا ہے۔ زبان کی حفاظت اور اسے غلط چیزوں کے بولنے سے بچانا انتہائی ضروری ہے۔ ایک حدیث میں ہے جو آدمی مجھے اپنی زبان اور شرم گاہ کے صحیح استعمال کی ضمانت دیتا ہے میں اس کو جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔

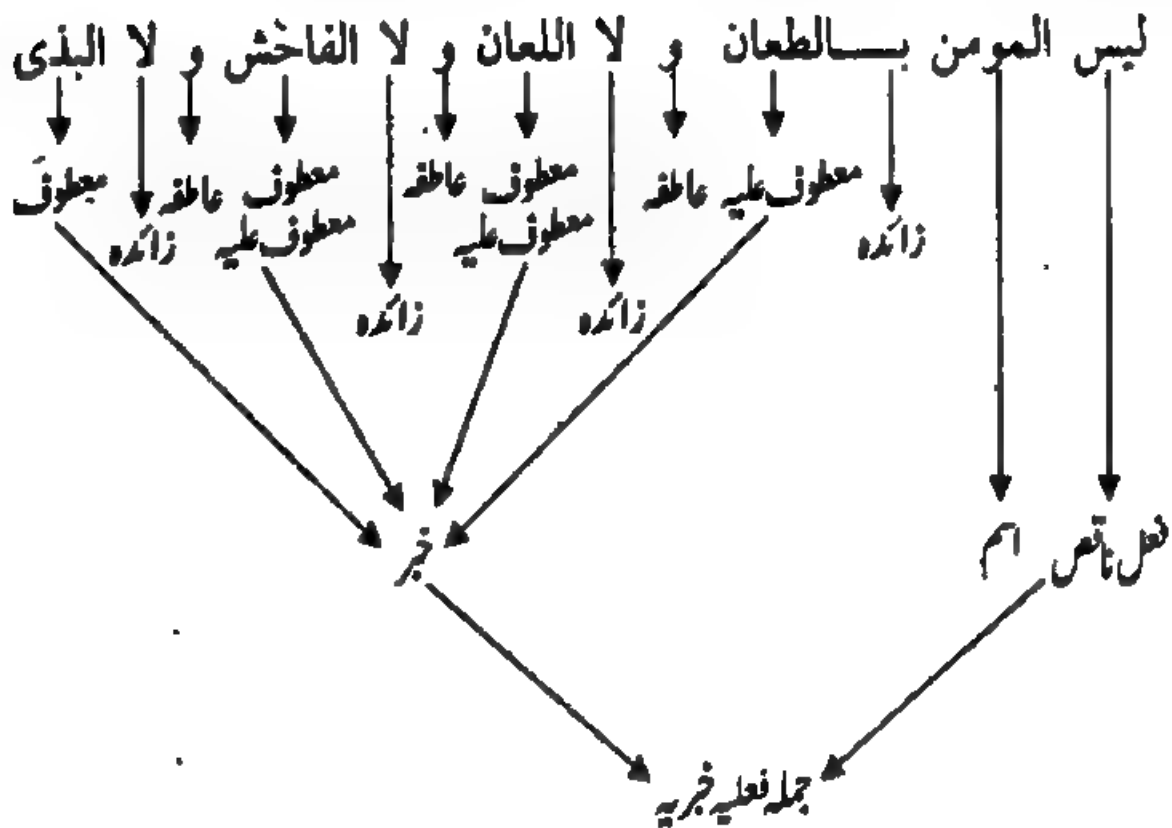
لغوی و صرفی تحقیق:

طعن سے مراد ٹیکھی باتیں کرنا، تکلیف دہ جملے کہنا، پھبتیاں کہنا، اور لعن سے مراد ہے کسی کو لعنتی کہنا یا اس پر لعنت کرنا۔ مومن کی یہ شان نہیں۔ فحش سے مراد ہے گندی گفتگو کرنا، غلط باتیں کرنا، بے حیائی کے کلمات بولنا، بذات سے مراد ہے بے ہودہ اور یادہ گوئی کرنا۔ یہ تمام کام مومن کی شان سے بعید ہیں۔

ترکیب:

لَيْسَ فعل ناقص المؤمن اسم با زائد الطعان معطوف علیہ و عاطفہ لا زائد اللعان معطوف معطوف علیہ و عاطفہ لا زائد الفاحش معطوف معطوف علیہ و عاطفہ لا زائد البذی معطوف تمام معطوفات مل کر خبر۔ لیس اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبر ہو۔

نقشه ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) نرمدی، حدیث نمبر ۱۹۷۷، باب ما جاء فی اللعنة، ابواب البر والصلة.

(۲) بیهقی، حدیث نمبر ۴۶۹۳



۱۳۷ اصل صلہ رحمی کیا ہے؟

لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِي وَلَكِنَّ الْوَاصِلَ الَّذِي إِذَا قُطِعَتْ رَحِمُهُ وَصَلَهَا

ترجمہ:

”وہ شخص صلہ رحم نہیں جو بدلے میں یہ کام کرے صلہ رحم تو وہ ہے جب اس سے قطع رحمی کی جائے تب بھی وہ صلہ رحمی کرے۔“

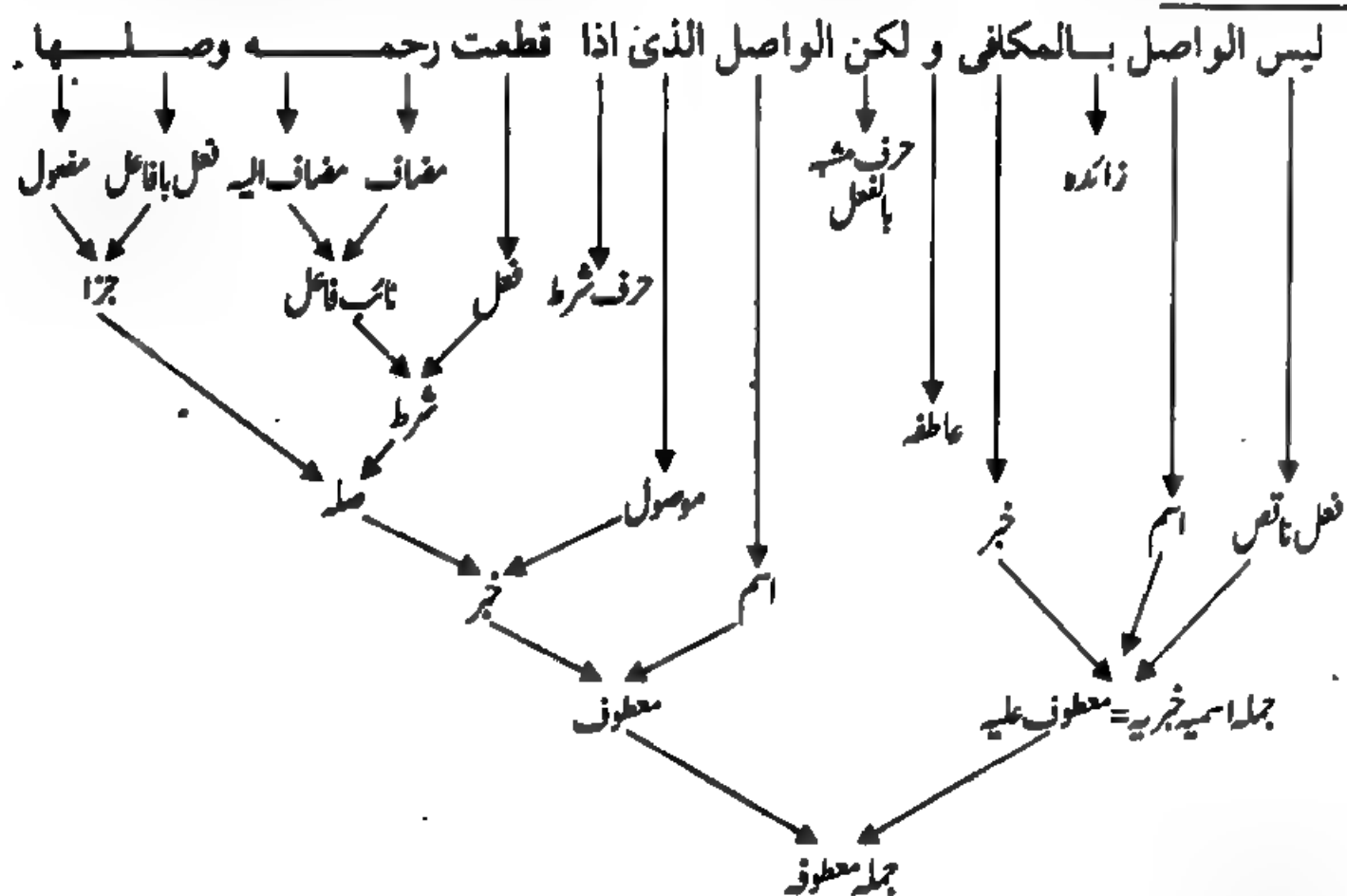
تشریح:

ذخیرہ حدیث میں بے شمار احادیث ایسی ہیں جن میں رشتہ داری کے حقوق اور صلہ رحمی کا حکم بہت تاکید اور مختلف فضائل اور وعیدات کے ساتھ آیا ہے۔ اگر یوں کہا جائے کہ شریعت نے جن احکامات کو بہت اہتمام اور تاکید سے فرمایا ہے ان کی اولین درجے کی فہرست میں صلہ رحمی بھی ہے تو بجا ہوگا۔ صلہ رحمی کا ویسے مفہوم تو یہ ہے کہ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جائے لیکن مذکورہ بالا روایت میں آپ ﷺ نے صلہ رحمی کی اصل اور مشکل مگر اعلیٰ صورت بیان فرمائی ہے بلکہ انداز کلام دیکھا جائے تو آپ ﷺ نے صلہ رحمی کو اسی صورت میں محصور فرمایا ہے۔ فرمایا: اگر ایک طرف دوسرے رشتہ دار بھی حسن سلوک پر آمادہ ہوں اور ادھر سے یہ بھی حسن سلوک کا مظاہرہ کر دے تو یہ کون سی بہادری ہے یہ تو ادلے کا بدلہ ہے اور گویا تجارت ہوگئی کہ کچھ دو اور کچھ لو۔ مزہ تو تب ہے جب رشتہ دار منہ موڑ لیں اور صلہ رحمی پر آمادہ نہ ہوں پھر بھی تم اپنی عزت نفس کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ان سے اچھا معاملہ کرو اور یہی صلہ رحمی ہے بلاشبہ یہ صلہ رحمی کا اعلیٰ اور مشکل ترین درجہ ہے۔

ترکیب:

لیس فعل ناقص الواصل اس کا اسم بازانہ المکافی خبر، لیس اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ و عاطفہ لکن حرف مشبہ بالفعل الواصل اسم الذی اسم موصول إذا حرف شرط قطعت فعل رحمہ نائب فاعل، فعل نائب فاعل مل کر شرط وصلها فعل فاعل اور مفعول پہل کر جزاء، شرط جزاء سے مل کر صلہ موصول صلہ سے مل کر خبر لکن کی، لکن اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر معطوف، معطوف معطوف علیہ سے مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔

نقشه ترکیب:



۱۷۳ اصل غنا تو دل کا غنا ہے

لَيْسَ الْغِنَى عَنْ كَثْرَةِ الْعَرَضِ وَلَكِنَّ الْغِنَى غِنَى النَّفْسِ

ترجمہ:

”غنا اور دولت مندی مال و اسباب کی زیادتی کا نام نہیں لیکن غنا تو نفس کا غنا ہے۔“

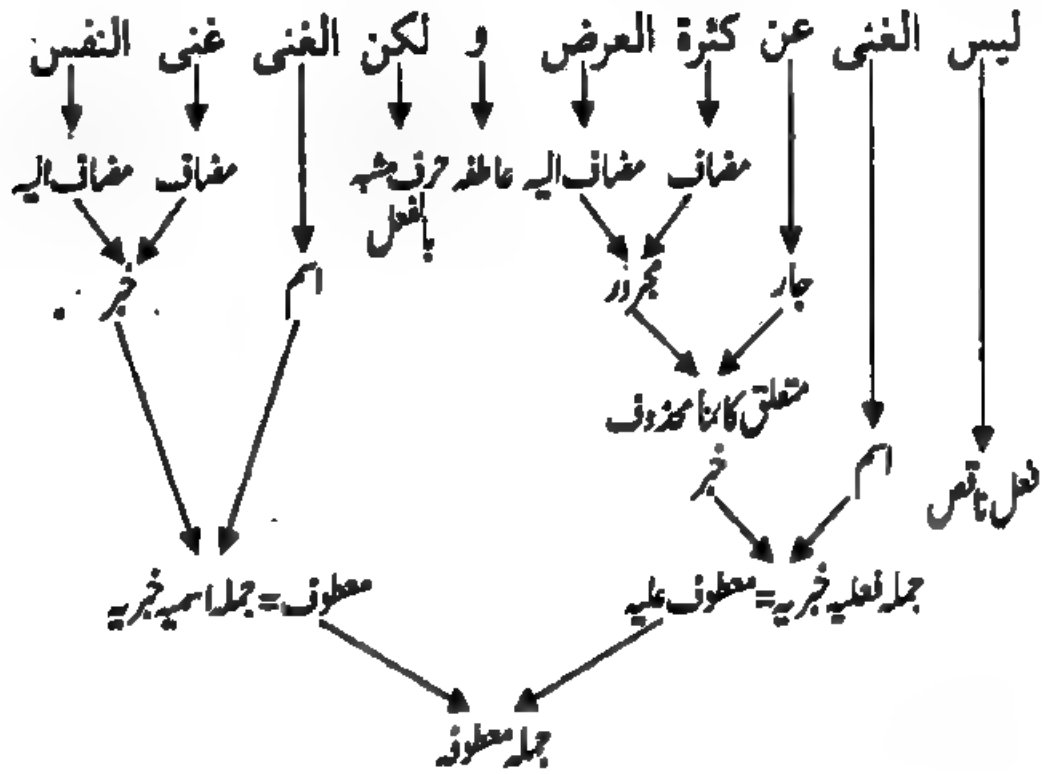
تشریح:

مال داری، فراخی، وسعت۔ ان کا عام اور ظاہری مفہوم تو یہ ہے کہ مال و دولت اور دنیا کے اسباب و متاع زیادہ ہو جائیں۔ جس کے پاس دنیا کی چیزیں زیادہ ہوں وہ مال دار ہے وہ غنی ہے اور اسے غنا کا وصف حاصل ہے لیکن نبی ﷺ نے اس عام عرف کے خلاف متوجہ کیا۔ آپ نے فرمایا: غنی اور صاحب غنا وہ شخص نہیں جس کے پاس دنیا کا مال و دولت زیادہ ہو بلکہ غنی اور مال دار وہ ہے جس کا دل مال دار ہو یعنی اس کے دل میں مال کی حرص و ہوس اور طمع نہ ہو کیونکہ جس کے دل میں دنیا کی محبت ہو وہ ہر وقت ایک طرح کے اضطراب، پریشانی اور الجھن میں رہے گا اور اس کی الجھن اس الجھن سے زیادہ ہوگی جو پیسہ نہ ہونے کی وجہ سے ایک نادار کو ہوتی ہے کیونکہ دل کی بے چینی جسم کی بے چینی سے کہیں بڑھ کر ہے۔ اگر حقیقی مال داری اور غنا چاہیے ہو تو دل میں قناعت اور توکل اور رضا بالقضاء پیدا کیا جائے۔

ترکیب:

لَيْسَ فِعْلٌ تَائِصٌ، الْغِنَى اسْمٌ عَنْ جَارِ كَثْرَةِ مِثَافِ الْعَرَضِ مِثَافِ الْيَةِ، مِثَافِ مِثَافِ الْيَةِ مِلْ كَرَجْرُورٍ، جَارِ مَجْرُورٍ مُتَعَلِّقٍ
ہوا یا خبر مخدوف کے، اسم اور خبر مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ، و عاطفہ لکن حرف مشبہ بالفعل الْغِنَى اسْمٌ غِنَى مِثَافِ
النَّفْسِ مِثَافِ الْيَةِ، مِثَافِ مِثَافِ الْيَةِ مِلْ كَرَجْرُورٍ، لکن اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر معطوف بمعطوف علیہ سے مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔

نقشه تركيب:



تخريج حديث:

- (١) بخارى، حديث نمبر ٦٠٨١، باب الغنى غنى النفس، كتاب الرقاق
- (٢) مسلم، حديث نمبر ٢٤٦٦، باب ليس الغنى عن كثرة العرض، كتاب الزكاة
- (٣) ترمذى، حديث نمبر ٤١٣٧، باب ما جاء ان الغنى الخ، ابواب الزهد

۴۵۵ صلح کے لیے کچھ غلط بیانی سے کام لینا

لَيْسَ الْكَذَّابُ الَّذِي يُصْلِحُ بَيْنَ النَّاسِ وَيَقُولُ خَيْرًا وَيَنْمِي خَيْرًا

ترجمہ:

”وہ آدمی جھوٹا نہیں جو لوگوں کے درمیان صلح کروائے، اچھی بات کہے اور اچھی بات نقل کرے۔“

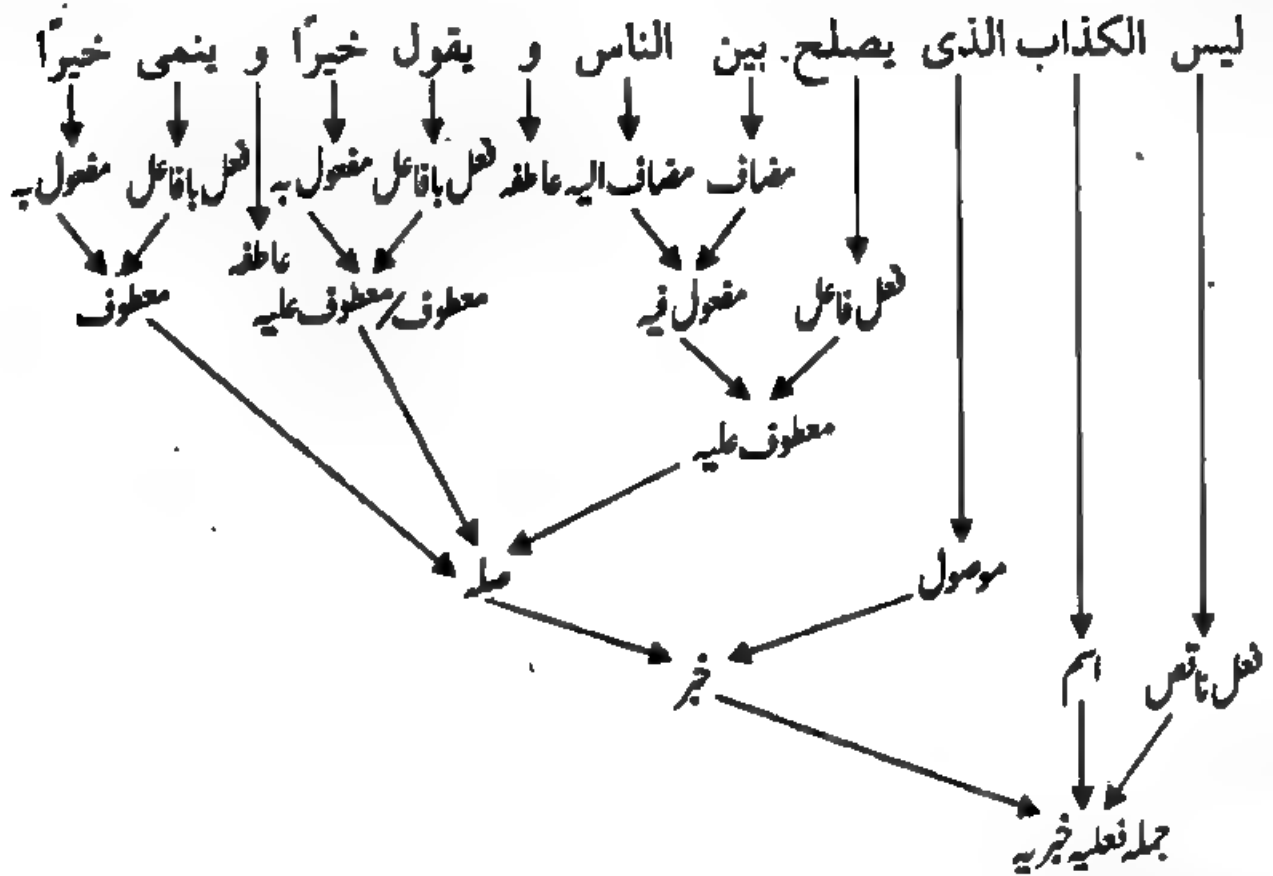
تشریح:

دو مسلمانوں کے درمیان جہاں باہمی رنجش اور تنازعہ ہو جس کی وجہ سے وہ ایک دوسرے سے دور ہوں اگر تیسرا آدمی یہ کوشش کرے کہ وہ دونوں راضی ہو جائیں اور ان کی رنجشیں اور غلط فہمیاں دور ہو جائیں اس کے لیے اگر اسے ظاہری اعتبار سے اپنے سے بھی بات بنانی پڑے اور دوسرے کے پاس جا کر نقل کرنی پڑے تو بھی کوئی حرج نہیں، مثلاً ایک سے کہے دوسرا تو صلح پر آمادہ ہے اور وہ تمہارے بارے میں بڑے اچھے کلمات بول رہا تھا تا کہ اس کا دل بھی مائل ہو جائے، چاہے فی الواقع اس نے یہ باتیں نہ بھی کی ہوں تب بھی ایسی باتیں بنانا اور کرنا جب نیک مقصد کے لیے ہوں تو اس میں گناہ نہیں۔ اسی وجہ سے علماء نے فرمایا ہے کہ تین موقعوں پر جھوٹ بولنا جائز ہے (۱) صلح کروانے کے لیے (۲) میاں بیوی کو راضی کرنے کے لیے (۳) جنگ کے موقع پر دشمن کو مرعوب کرنے یا اپنی فوج کا حوصلہ بڑھانے کے لیے، اس کے علاوہ جائز نہیں۔ لیکن علماء نے لکھا ہے کہ ان موقعوں پر بھی صریح اور سیدھے سیدھے جھوٹ سے بچے تو بہتر ہے کنایہ اور تور یہ سے کام چلائے، تاکہ کم سے کم برائی کا ارتکاب ہو۔

توکیب:

لَيْسَ الْكَذَّابُ اس کا اسم الذی اسم موصول یصلح فعل ضمیر اس کا فاعل بین مضاف الناس مضاف الیہ مضاف الیہ مل کر مفعول فیہ فعل فاعل اور مفعول زیر مل کر معطوف علیہ و عاطفہ یقول فعل ضمیر اس کا فاعل خیر مفعول بہ فعل فاعل اور مفعول بہ مل کر معطوف علیہ معطوف و عاطفہ ینمی فعل ضمیر اس کا فاعل خیر مفعول بہ فعل فاعل اور مفعول بہ مل کر معطوف، معطوف علیہ اور معطوف سے مل کر صلہ موصول صلہ سے مل کر خبر۔ لیس اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ۔

نقشه ترکیب:



تخریج حدیث:

- (١) بخارى، حديث نمبر ٢٦٩٢، باب ليس الكاذب الخ، كتاب الصلح.
(٢) مسلم، حديث نمبر ٦٧٩٩، باب تحريم الكذب، كتاب البر و الصلة.

۴۹ دعا کا خدا کے ہاں مقام

لَيْسَ شَيْءٌ أَكْرَمَ عَلَى اللَّهِ مِنَ الدُّعَاءِ

ترجمہ:

”اللہ کے ہاں دعا سے زیادہ قابل احترام کوئی چیز نہیں۔“

تشریح :

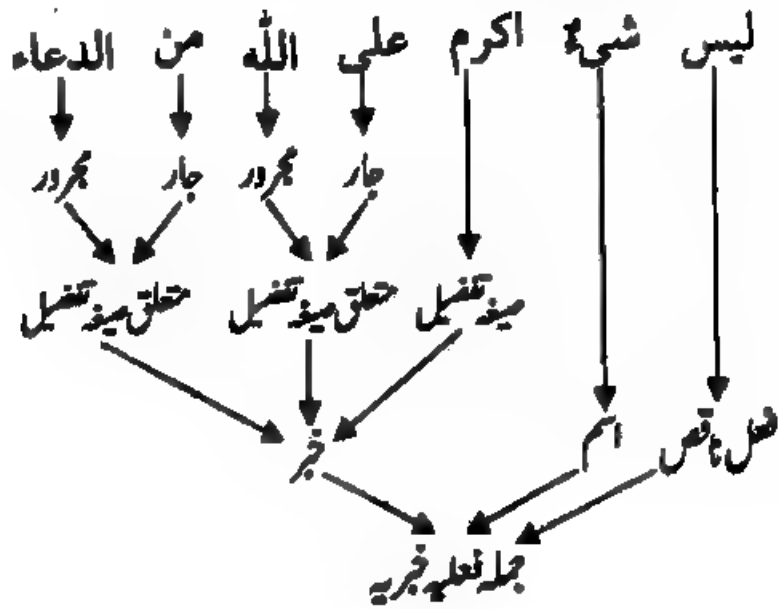
دعا اللہ رب العزت سے براہ راست مانگنے کی صورت ہے۔ اللہ رب العزت کی ذات وہ ذات ہے جو مانگنے سے خوش ہوتی ہے باقی جتنی بھی مخلوق ہے اس سے کچھ مانگو تو ناراض ہوتے ہیں نہ مانگو تو خوش ہوتے ہیں خدا تعالیٰ کا معاملہ برعکس ہے اس لیے اللہ نے اپنے سے مانگنے کو عبادت کا درجہ دیا ہے اور خود حدیث میں ہے "الدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ" دعا عبادت کا مغز ہے اور "الدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ" دعا عبادت ہی ہے۔

اس حدیث میں یہ بیان ہوا کہ اللہ کے دربار میں دعاء کا بہت مقام اور احترام ہے۔ یہ قاعدہ ہے جب آپ کے پاس کوئی ایسا شخص آئے جس کا آپ کو احترام ہو اور وہ کوئی مطالبہ کرے تو آپ اس کے احترام کے پیش نظر اس کا مطالبہ مان لیتے ہیں یہی حال دعا کا ہے کہ جب اس کے ذریعے کوئی طلب خدا کے دربار میں جاتی ہے تو اس کا بھی احترام کیا جاتا ہے۔

ترکیب:

لیس فعل ناقص شیء اسم اکرم اسم تفصیل علی جار لفظ اللہ مجرور، جار مجرور متعلق صیغہ اسم تفصیل کے من جار الدعاء
مجرور، جار مجرور متعلق صیغہ اسم تفصیل کے، صیغہ اسم تفصیل اپنے تعلقات سے مل کر خبر، لیس فعل ناقص اپنے اسم اور خبر سے مل کر
جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

نقشه ترکیب:



تخریج حدیث:

- (۱) ترمذی، حدیث نمبر ۳۳۷۰، باب ما جاء فی فضل الدعاء، ابواب الدعوات.
 (۲) ابن ماجہ، حدیث نمبر ۳۸۲۹، باب فضل الدعاء کتاب الدعاء.

۳۱) ماتم اور مرثیے شریعت کی نظر میں

لَيْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُودَ وَشَقَّ الْجُيُوبَ وَدَعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ

ترجمہ:

”جو شخص رخساروں کو پیٹے، گریبان پھاڑے اور جاہلیت کا دعویٰ کرے وہ ہم میں سے نہیں۔“

تشریح:

مذکورہ بالا روایت میت اور کسی شخص کی وفات پر اظہار غم کے بارے میں ہے۔ انسان جذبات کا حامل ہے اسے خوشی کی بات سے خوشی ہوتی ہے اور غم کی بات پر کبیدہ خاطر بھی ہوتا ہے، زیادہ غم بڑھے تو آنکھیں بھی چھلک پڑتی ہیں، شریعت نے اظہار جذبات پر پابندی نہیں لگائی چنانچہ یہ اجازت دے دی کہ جب کوئی فوت ہو جائے تو اس پر آنسو بہائے جاسکتے ہیں، چنانچہ جب آپ ﷺ کے بیٹے ابراہیم کا انتقال ہوا تو آپ کے آنسو جاری تھے، اور آپ نے فرمایا:

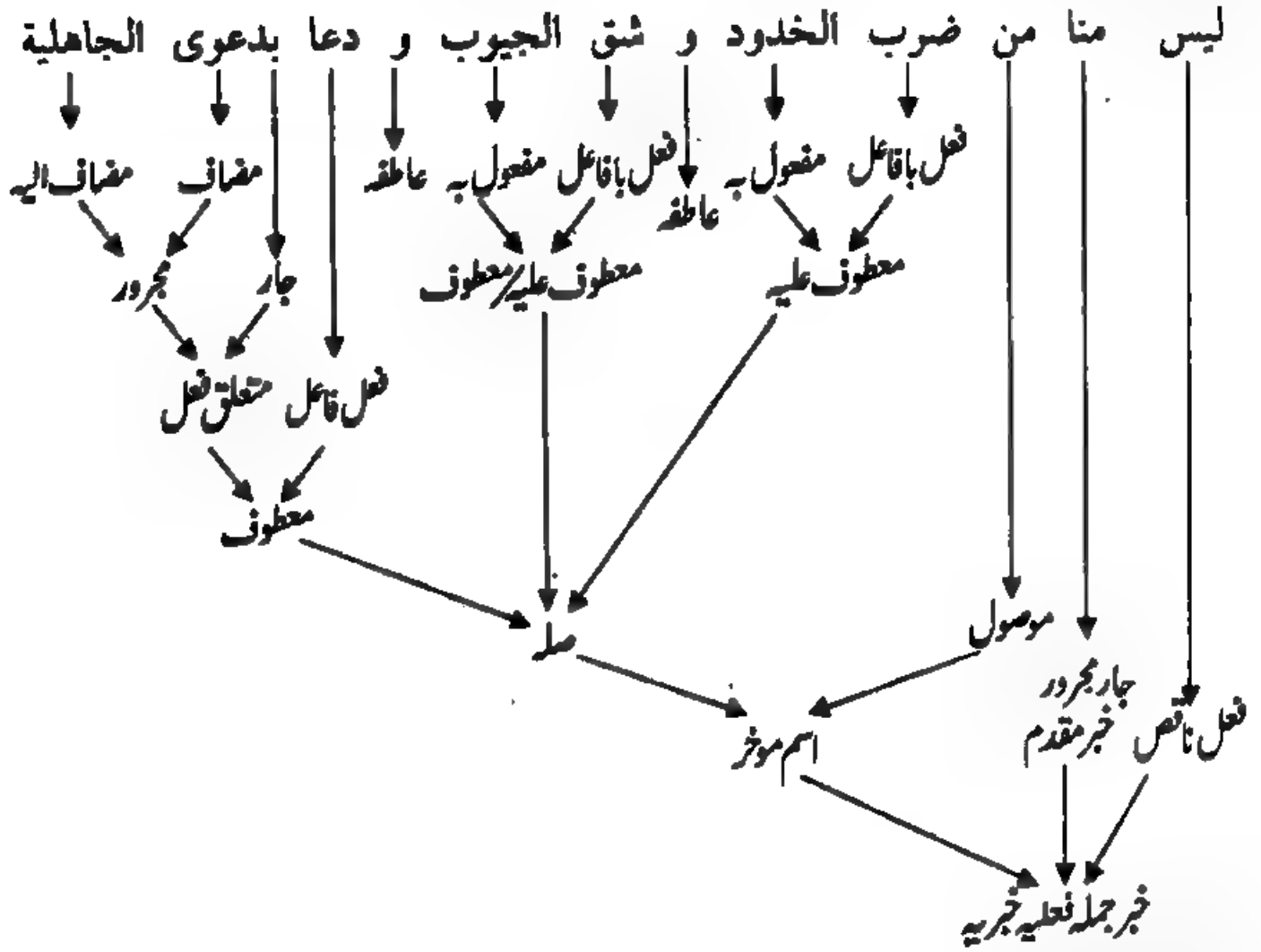
”آنکھ روتی ہے اور دل غمگین ہے مگر ہم وہی کام کریں گے جس پر ہمارا رب راضی ہے اور اے ابراہیم! ہم تیرے فراق پر غمگین ہیں۔“

یعنی اس جذباتی موقع پر بھی ہم زیادہ سے زیادہ آنکھوں سے آنسو بہا سکتے ہیں۔ باقی رہا چیخنا چلانا، گریبان پھاڑنا، اپنے آپ کو مارنا ماتم کرنا، پیٹنا اور جاہلیت کی باتیں اور نوحے و مرثیے پڑھنا یہ ہم نہیں کریں گے کیونکہ اس کی اجازت نہیں۔ اس حدیث سے اظہار غم کا صاف طریقہ اور اس کی حدود معلوم ہوتی ہیں، چنانچہ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو روافض اور شیعہ لوگ یا ہمارے بہت سے جاہل سنی لوگ جو محرم الحرام میں ماتم کرتے اور اپنے آپ کو پیٹتے ہیں وہ قطعاً غیر اسلامی، غیر اخلاقی اور ممنوع کام ہے اسی طرح عام گھروں میں بھی جب فوتگی ہو جاتی ہے تو خاص طور سے عورتیں ایسے کام کرتی ہیں، بین کرنا، مرثیے پڑھنا، ماتم کرنا وغیرہ۔ نبی اکرم ﷺ نے اس بات کو انتہائی ناپسند فرمایا ہے۔

توکیب:

لَيْسَ فعل ناقص منّا جار مجرور متعلق ثابتاً کے خیر مقدم کے من اسم موصول ضرب فعل ضمیر اس کا فاعل الخدود مفعول بہ فعل فاعل اور مفعول مل کر معطوف علیہ و عاطفہ شق فعل ضمیر اس کا فاعل الجيوب مفعول بہ فعل فاعل اور مفعول بہ سے مل کر معطوف معطوف علیہ و عاطفہ دعا فعل ضمیر اس کا فاعل با جار دعوی مضاف الجاہلیۃ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور متعلق فعل کے فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر معطوف، تمام معطوفات مل کر صلہ ہوا ”من“ اس موصول کا، اسم موصول اپنے صلہ سے مل کر اسم مؤخر لیس فعل ناقص کا، لیس فعل ناقص اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

نقشه ترکیب:



تخریج حدیث:

- (۱) بخاری، حدیث نمبر ۱۲۹۴، ما ینہی من دعوى الجاهلية، کتاب الجنائز.
- (۲) مسلم، حدیث نمبر ۲۹۶، باب تحريم ضرب الخدود الخ، کتاب الايمان.

⑤ شنیدہ کے بود مانند دیدہ!

لَيْسَ الْخَبَرُ كَالْمُعَايَنَةِ

ترجمہ:

”سنی سنائی بات دیکھی ہوئی بات کی طرح نہیں ہوتی۔“

تشریح:

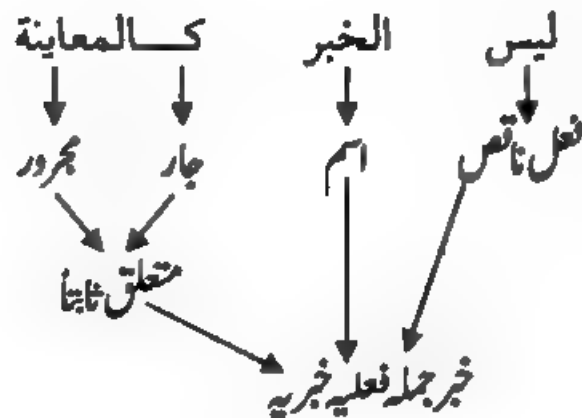
مذکورہ بالا جملہ عام گفتگو میں ضرب المثل کے طور پر استعمال ہوتا ہے اور اس طریقے سے یہ گفتگو اور زبان کا حصہ بن چکا ہے، فارسی میں اس کے ہم معنی یہ جملہ بولا جاتا ہے: ”شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔“ ترجمہ: سنی ہوئی بات دیکھی ہوئی بات کی طرح کیسے ہو سکتی ہے۔“

یہ بات واقعہً سچ ہے کہ اپنی آنکھوں دیکھی بات اور سنی سنائی بات میں بہت فرق ہوتا ہے۔ بہت سے غلطیوں کے امکانات جو سنی ہوئی بات میں ہوتے ہیں وہ دیکھی ہوئی بات میں نہیں ہوتے۔ یہ درحقیقت محتاط طرز عمل کی ہدایت ہے کہ آدمی کو ہر بات کے رتبے اور مقام میں فرق ملحوظ رکھنا چاہیے ہر ایک کو ایک ہی لاٹھی سے نہیں ہانکنا چاہیے جو بات سنی ہو اس کی جب تک اچھی طرح چھان بین اور تحقیق نہ ہو جائے اسے آگے بیان کرنے یا اس پر کوئی فیصلہ کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔ اور اس سے ایک نکتے کے درجے میں ہم صحابہ رضی اللہ عنہم کے ایمان کا اپنے ایمان سے موازنہ کر سکتے ہیں کہ وہ تو صبح و شام ماہتاب رسالت کی صوفشانیوں سے اپنی آنکھوں کو خیرہ کرتے تھے، ظاہر ہے ان کا ایمان کس سطح پر ہوگا!

ترکیب:

لَيْسَ فَعْلٌ نَاقِصٌ الْخَبَرُ اسْمٌ كَ جَارِ الْمُعَايَنَةِ مَجْرُورٌ جَارِ مَجْرُورٍ خَبَرٌ مَتَعَلِقٌ ثَابِتًا كَالْمُعَايَنَةِ

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

الشرط و الجزاء

شرط اور جزا۔ یعنی پیش آمدہ صلحات میں وہ جملے پیش کیے جائیں گے جو شرط اور جزا پر مشتمل ہیں۔

۴ تکبر اور تواضع کے نتائج

مَنْ تَوَاضَعَ لِلَّهِ رَفَعَهُ اللَّهُ وَ مَنْ تَكَبَّرَ وَضَعَهُ اللَّهُ

ترجمہ:

”جو اللہ کے لیے تواضع اور عاجزی اختیار کرتا ہے اللہ اسے بلند کرتے ہیں اور جو بڑا بننے کی کوشش یعنی تکبر کرتا ہے اللہ اسے پست کرتے ہیں۔“

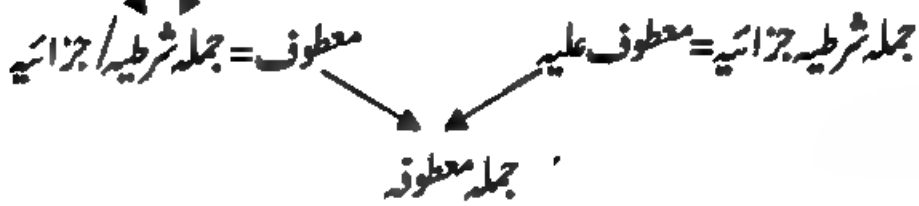
تشریح:

شریعت کے وہ احکامات جن میں ظاہری صورت حال کچھ اور ہوتی ہے اور اس کا نتیجہ اور ثمرہ کچھ اور ہونے کا کہا گیا ہوتا ہے اور واقع میں ہوتا ایسا ہی ہے۔ ان باتوں میں سے ایک بات یہ بھی ہے جو حدیث میں ہے۔ رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص اللہ کے لیے یعنی اللہ کا حکم سمجھتے ہوئے اور اللہ کی رضا کی خاطر تواضع اختیار کرتا ہے یعنی اپنے آپ کو کم درجے اور گھٹیا حالت میں رکھتا ہے یہ اللہ کا وعدہ ہے کہ اللہ رب العزت اسے بلندی اور رفعت عطا فرماتے ہیں بشرطیکہ یہ کام اللہ کے لیے ہو۔ اپنی واہ وادہ بنانے کے لیے نہ ہو اور نہ ہی اس غرض سے ہو کہ میں تواضع کروں گا تو مجھے رفعت ملے گی اور اس کے برعکس جو آدمی تکبر کرتا ہے اور بڑا بننے کی کوشش کرتا ہے اللہ رب العزت کا قانون یہ ہے کہ اسے ذلتوں اور پستیوں سے ہمکنار کرتا ہے اور اسے تمام اسباب عزت کے باوجود ذلت کا مزہ چکھاتا ہے۔

ترکیب:

مَنْ حرف شرط تواضع فعل ضمیر اس کا فاعل لَ جار لفظ اللہ مجرور جار مجرور متعلق فعل کے فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شرط رفع فعل ضمیر مفعول بہ لفظ اللہ فاعل فعل فاعل اور مفعول بہ مل کر جزا۔ شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ جزا یہ ہو کر معطوف علیہ و عاطفہ مَنْ حرف شرط تکبر فعل ضمیر اس کا فاعل فعل فاعل مل کر شرط، وضع فعل ضمیر مفعول بہ مقدم لفظ اللہ فاعل فعل فاعل اور مفعول سے مل کر جزا، شرط جزا سے مل کر جملہ شرطیہ جزا یہ ہو کر معطوف، معطوف معطوف علیہ سے مل کر جملہ معطوف ہوا۔

نقشه ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) شعب الایمان یتقی، حدیث نمبر ۱۸۴۰

۷۸) لوگوں کا شکریہ ادا کرنے کی اہمیت

مَنْ لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللَّهَ

ترجمہ:

”جو آدمی لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا بھی شکریہ ادا نہیں کرتا۔“

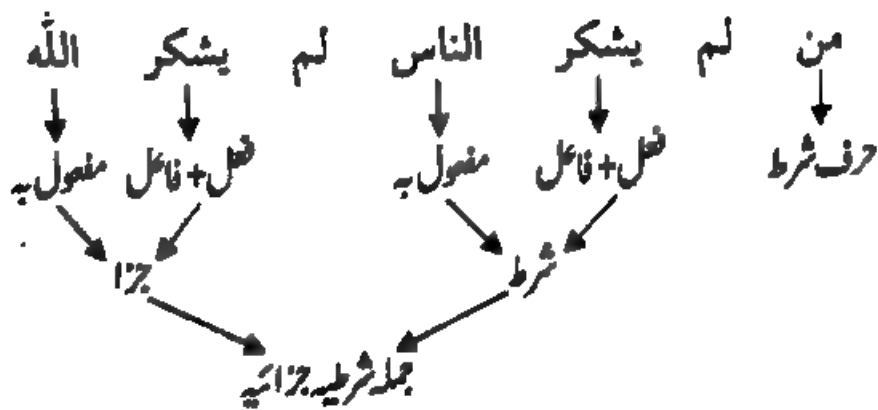
تشریح:

یعنی جو شخص اپنے محسن اور انعام کرنے والے کو نہیں پہچانتا اور اس میں یہ جذبہ اور مادہ موجود نہیں کہ وہ اپنے کسی محسن کا شکریہ ادا کرے اس آدمی سے یہ توقع بھی نہیں رکھنا چاہیے کہ وہ منعم حقیقی اور محسن اصلی یعنی اللہ رب العزت کا شکرا ادا کرے گا۔ کیونکہ جب یہ چیز اس کے مزاج میں ہی نہیں اور اس کی سرشت میں ہی ناشکری ہے تو اس سے اچھے کام کی توقع کیسے؟ اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کا شکریہ ادا کرنے کا اللہ کے شکریہ سے گہرا تعلق ہے۔ شکر کا خود مفہوم یہ ہے کہ جس نے آپ کے ساتھ بھلائی کی ہے اس کو کم از کم الفاظ میں اس کا بدلہ دیا جائے، مثلاً جزاک اللہ، تقبل اللہ، یا شکریہ، نوازش وغیرہ جیسے الفاظ بولے جائیں اور اللہ کا شکریہ ہے کہ اس کی زبان سے بھی تعریف کی جائے اور اس کی نعمتوں کو اس کے دین اور احکامات کے مطابق استعمال کیا جائے۔

ترکیب:

من حرف شرط لم یشکر فعل ضمیر اس کا فاعل الناس مفعول بہ فعل فاعل اور مفعول بہ سے مل کر شرط لم یشکر فعل ضمیر اس کا فاعل لفظ اللہ اس کا مفعول بہ فعل فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جزاء شرط جزاء سے مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ ہوا۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) ترمذی، حلیث نمبر ۱۹۵۵، باب ما جاء فی الشکر، ابواب فہر و ۱۰۱۰۔

(۲) ابو داؤد، حلیث نمبر ۴۸۱۳، باب فی شکر المعروف، کتاب الادب۔

① اللہ سے نہ مانگنا ناراضگی کا باعث

مَنْ لَمْ يَسْأَلِ اللَّهَ يَغْضَبْ عَلَيْهِ

ترجمہ:

”جو آدمی اللہ سے نہیں مانگتا اللہ اس سے ناراض ہوتے ہیں۔“

تشریح:

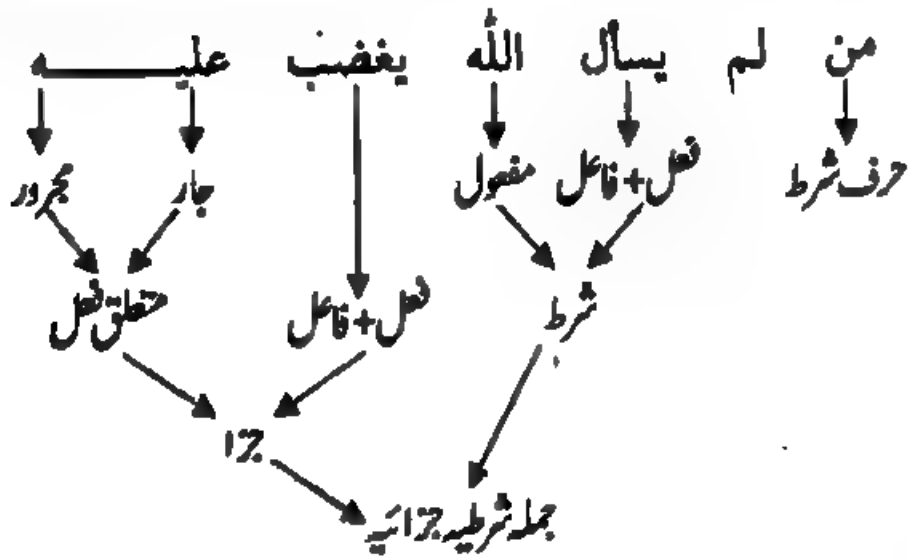
پہلے باب میں دعا کے بارے میں حدیث کے ضمن میں یہ بات اشارۃً آئی تھی کہ اللہ رب العزت کی ہستی کے معاملے اور اس کے معیار مخلوق سے مختلف ہیں۔ عام انسانوں اور مخلوق کا یہ حال ہے کہ ان سے اگر کوئی چیز مانگی جائے تو وہ دیتے ہوئے بوجھ اور تکلیف محسوس کرتے ہیں اور مانگنے والے سے خصوصاً جبکہ وہ بار بار مانگے تنگ ہوتے ہیں۔ اور اس سے ناراض ہو کر ڈانٹ ڈپٹ کرنے سے بھی احتراز نہیں کرتے، اس لیے قرآن میں ہے ”و اما السائل فلا تنهر“ (ترجمہ: اور سوال کرنے والے کو ڈانٹیں نہیں) یہ تو مخلوق کا حال ہے۔

البتہ اللہ رب العزت کا معاملہ اس سے بالکل مختلف ہے۔ خدا کے ہاں مانگنے والے محبوب اور معزز ہیں اس سے اگر کوئی مانگے تو وہ خوش ہوتا ہے اگر کوئی نہ مانگے تو ناراض ہوتا ہے کیونکہ اس کے خزانے لامحدود ہیں اسے یہ فکر دامن گیر نہیں ہوتی کہ اسے دے دیا تو باقی رہ جانے والے مال میں کمی واقع ہو جائے گی، مانگنے میں جو اطمینان اور احسان کی کیفیت ہوتی ہے اللہ کو وہ بہت محبوب ہے، اسی وجہ سے اسے عبادت کے تقدس کا درجہ دے دیا اور فرمایا ”الدعاء مع العبادۃ“ دعا عبادت کا مغز ہے۔

ترکیب:

من حرف شرط لم یسأل فعل ضمیر اس کا فاعل لفظ اللہ مفعول بہ، فعل فاعل اور مفعول بہ سے مل کر شرط یغضب فعل ضمیر اس کا فاعل علیہ جار مجرور متعلق فعل کے، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جزا، شرط جزا سے مل کر جملہ شرطیہ جزا یہ ہوا۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) ترمذی، حلیث نمبر ۳۳۷۵، ابواب الدعوات



① لوٹنے والا ہم میں سے نہیں

مَنْ انْتَهَبَ نُهْبَةً فَلَيْسَ مِنَّا

ترجمہ:

”جو شخص چھینے اور لوٹے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔“

تشریح:

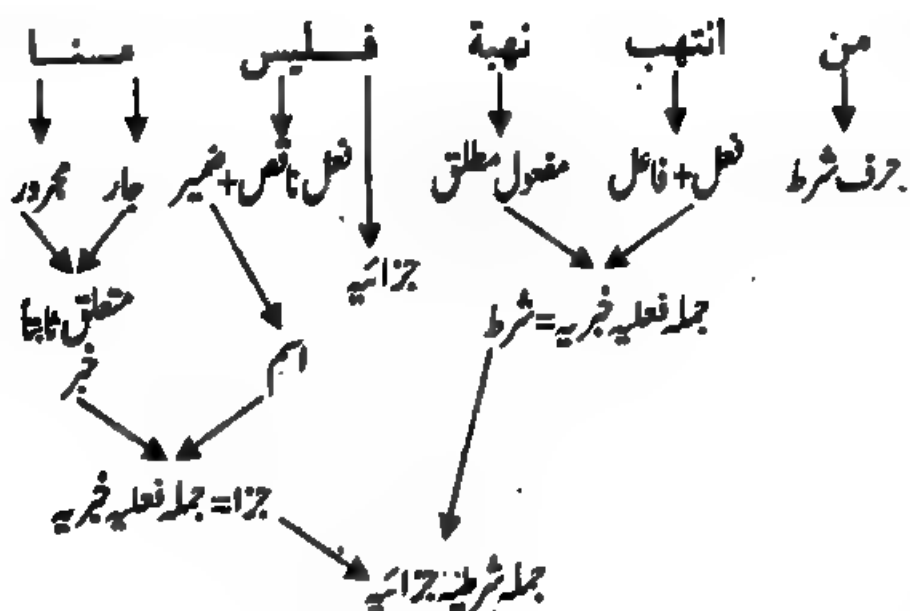
اس حدیث کا مفہوم اور مطلب یہ ہے کہ جو چوری ڈاکے کے ذریعے بال لوٹتا ہے وہ ہم میں سے نہیں، یعنی وہ شخص اس قابل نہیں کہ اس گندی اور کمینہ حرکت کے بعد اسے مسلمان معاشرے کا ایک فرد سمجھا جائے بلکہ وہ اس قابل ہے کہ اس کو کافر معاشرے کا فرد سمجھتے ہوئے اس کے ساتھ سخت سے سخت معاملہ کیا جائے۔ اسی وجہ سے ڈاکو کی سزا شریعت اسلام میں عبرت ناک قتل کرنا ہے اور چور کا ہاتھ کاٹ کر اسے ہمیشہ کے لیے نشان عبرت بنایا جاتا ہے۔

اس کے علاوہ حدیث کے الفاظ کی عمومیت اور وسعت کو دیکھتے ہوئے اس میں ہر طرح کی چوری مراد لی جاسکتی ہے، خواہ مال کی چوری ہو یا باتوں کی، رازوں کی چوری ہو یا کسی کے مشورے وغیرہ کی۔ یہ ساری صورتیں اس میں شامل ہوں گی اور یہ تمام کام ظاہر ہے شریعت کی نظر میں انتہائی قبیح ہیں۔

توکیب:

من حرف شرط انتہب فعل ضمیر اس کا فاعل نہبۃ مفعول مطلق، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر شرط فاعلیہ لیس فعل ناقص ضمیر اس کا اسم منہا جار مجرور متعلق ثابتاً محذوف کے ہو کر خبر۔ لیس اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزا، شرط جزا سے مل کر جملہ شرطیہ جزا سیہ ہوا۔

نقشه تركيب:



تخریج حدیث:

- (١) ابن ماجه، حديث نمبر ٣٩٣٥، باب النهي عن النهبة.
 (٢) ابو داود، حديث نمبر ٣٣٩٢، باب القطع في الخلسة والخيانة



۱۴۶) اچھی بات کی راہنمائی کرنے والے کا اجر

مَنْ دَلَّ عَلَى خَيْرٍ فَلَهُ مِثْلُ أَجْرِ فَاعِلِهِ

ترجمہ:

”جس نے کسی نیک کام کی طرف راہنمائی کی اس کو اس کام کے کرنے والے جیسا اجر ملے گا۔“

تشریح:

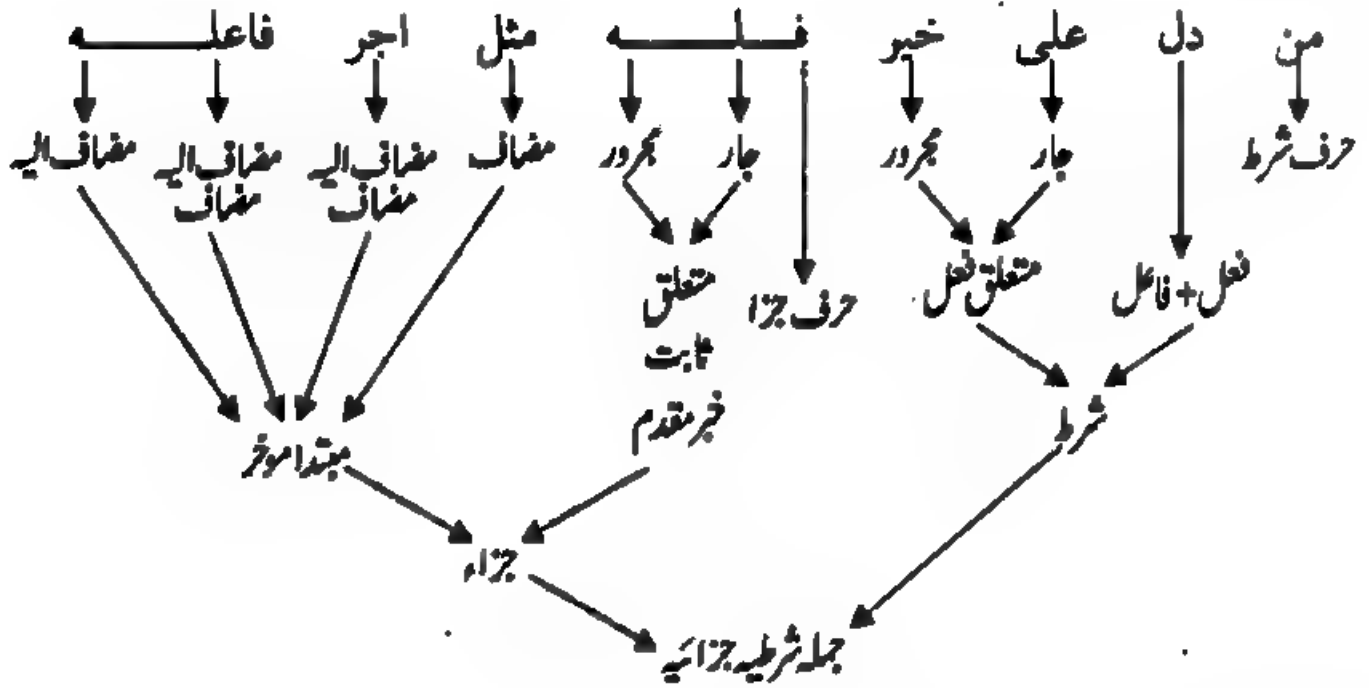
مذکورہ بالا حدیث بڑی اہم فضیلت اور خوشخبری پر مشتمل ہے، خوشخبری اور فضیلت یہ ہے کہ آپ اگر کسی کو اچھی بات بتاتے ہیں اور وہ آپ کی بات پر عمل کر کے کام شروع کر دیتا ہے تو آپ کو بھی اس عمل کے برابر اجر ملے گا۔

اس سے دین کی دعوت و تبلیغ اور لوگوں کو اچھی باتوں پر لگانے کا اجر اور ثواب معلوم ہوتا ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ ہر آدمی جو اجر کا طالب ہو (اور یقیناً ہر آدمی اپنی آخرت سنوارنے اور ثواب حاصل کرنے کا طلب گار ہے) اسے چاہیے کہ وہ اپنی مقدور بھرسی کر کے لوگوں کو خیر کی باتوں اور دین کی تعلیمات اور احکامات پر چلنے کے لیے آمادہ کرے کیونکہ اس کے کہنے سے جتنے لوگ بھی عمل کریں گے اور جو بھی عمل کریں گے اللہ رب العزت اس میں اس کہنے والے کو برابر کا شریک کریں گے۔ خیر کی بات بتانے میں کبھی بھی سستی اور کوتاہی نہیں کرنی چاہیے، ہو سکتا ہے کہ کسی وقت بھی کسی کے دل میں آپ کی بات اتر جائے اور وہ اس پر عمل پیرا ہو جائے۔

ترکیب:

من حرف شرط دل فعل ضمیر اس کا فاعل علی جار خیر مجرور، جار مجرور متعلق فعل کے، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شرط جزائیہ لہ جار مجرور متعلق ثابت محذوف کے جو کہ خبر ہوگی مبتدا مؤخر کی مثل مضاف اجرو مضاف الیہ مضاف فاعلہ مضاف مضاف الیہ مل کر مضاف الیہ، تمام مضاف مل کر مبتدا مؤخر خبر مبتدا سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر جزا، شرط جزا سے مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ ہوا۔

نقشه ترکیب:



تخریج حدیث:

- (۱) مسلم، حدیث نمبر ۵۰۰۷، باب فضل اعانة الغازی، کتاب الامارة.
 (۲) ترمذی، حدیث نمبر ۲۶۷۱، باب ما جاء أن الدال الخ، ابواب العلم.



۴۱۲) کسی مسلمان پر ہتھیار اٹھانا

مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السَّلَاحَ فَلَيْسَ مِنَّا

ترجمہ:

”جو آدمی ہم پر ہتھیار اٹھائے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔“

تشریح:

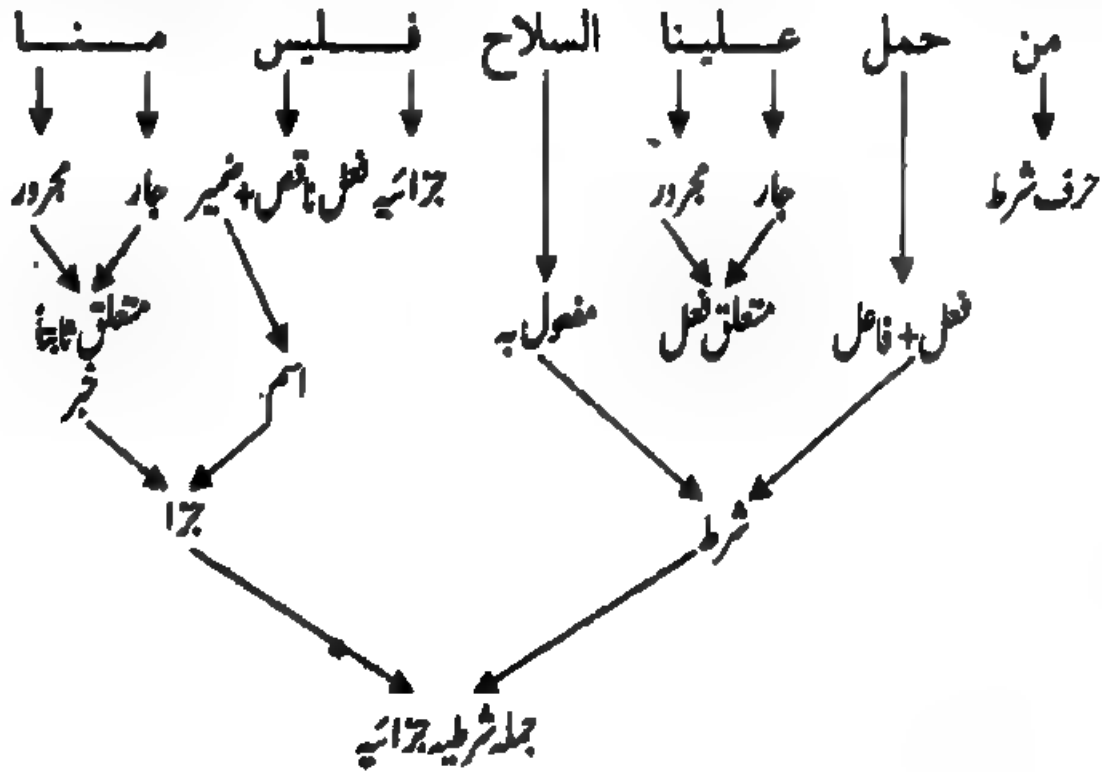
اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو آدمی بھی کسی دوسرے مسلمان بھائی پر ہتھیار اٹھائے وہ مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی مسلمان کی طرف اسلحہ کا اشارہ بھی نہیں کرنا چاہیے خواہ مذاق میں ہو یا سنجیدگی میں ہو، کیونکہ ایسا کرنے سے ایک تو مسلمان بھائی کو ڈرانا ہے (اور مسلمان کو ڈرانا حرام ہے کیونکہ یہ ایذائے مسلم ہے)، دوسرے کیا معلوم کہ ہتھیار ادا کر کیا ہو اور غلطی سے ہتھیار ہاتھ سے نکل جائے تیر چل جائے یا آج کل گولی چل جائے تو پھر کیا وقت ہاتھ نہیں آتا۔ اس لیے اس عمل پر سختی سے وعید فرمادی اور اسے مکمل طور سے منع فرمادیا۔

اس حدیث میں وہ لوگ بھی شامل ہو سکتے ہیں جو اسلامی حکومت اور ریاست کے مقابلے میں ہتھیار اٹھائیں یعنی بغاوت کریں۔ وہ بھی ہم میں سے نہیں اسی لیے ان کے ساتھ قتال جائز ہے۔ البتہ بغاوت سے آدمی کافر نہیں ہوتا۔

ترکیب:

من حرف شرط حمل فعل ضمیر اس کا فاعل علینا جار مجرور متعلق فعل کے السلاح مفعول بہ، فعل فاعل مفعول اور متعلق سے مل کر شرط جزائیہ لیس فعل ناقص ضمیر اس کا اسم منا جار مجرور متعلق ثابتاً خبر محذوف کے۔ لیس اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزا، شرط جزا سے مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ ہوا۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) بخاری، حدیث نمبر ۶۴۸۰، باب قول النبی من حمل الخ، کتاب الفتن.

(۲) مسلم، حدیث نمبر ۲۹۳، باب قول النبی من حمل الخ، کتاب الایمان.

⑧ خاموشی میں نجات ہے

مَنْ صَمَّتَ نَجَا

ترجمہ:

”جو خاموش رہا وہ نجات پائی۔“

تشریح:

ایک حدیث میں ہے کہ ایک صحابی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! کیا ہم ان باتوں کی وجہ سے بھی پکڑے جائیں گے جو ہم زبان سے کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا تمہارا بھلا ہوا! کیا زبان کے علاوہ کوئی اور تباہ کن چیز ایسی ہے جو لوگوں کو جہنم میں منہ کے بل ڈالے گی؟ یعنی زبان کی وجہ سے لوگ جہنم میں منہ کے بل گرے جائیں گے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی زبان کو پکڑ کر فرمایا کرتے تھے تیری وجہ سے لوگ جہنم میں جائیں گے۔

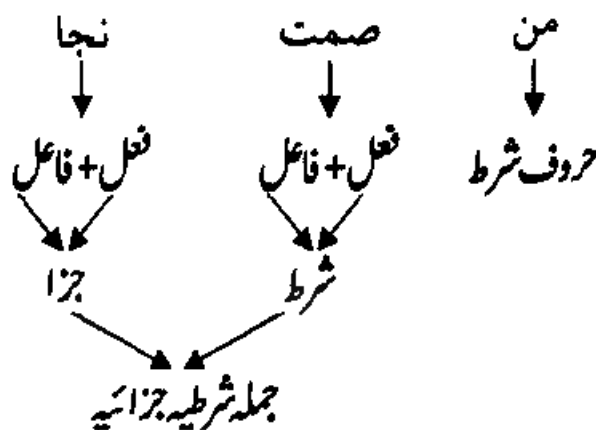
اعمال کے بگاڑ اور سنوار اور اسی طرح تعلقات کے باہمی استوار ہونے اور بگڑنے میں زبان کا بنیادی کردار ہے، ایک بات سے آدمی آپ کا پاک دوست بن جاتا ہے اور ایک ہی بول اسے دشمنی پر مجبور کر دیتا ہے اس لیے فرماتے ہیں پہلے تو لو پھر بولو۔ یعنی ایسی بات نہ کرو جو تمہارے لیے دنیا و آخرت میں وبال کا باعث بنے اس لیے فرمایا زبان کی آفتوں اور مصیبتوں کو دیکھتے ہوئے عافیت اسی میں ہے کہ آدمی خاموش رہے کیونکہ جب بھی بولے گا کوئی نہ کوئی ایسی بات ہو ہی جائے گی۔

ترکیب:

من حرف شرط صمت فعل ضمیر فاعل، فعل فاعل مل کر شرط نجا فعل ضمیر اس کا فاعل، فعل فاعل مل کر جزا، شرط جزا مل کر جملہ

شرطیہ جزائیہ ہوا۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

④ نرم خوئی، خیر ہے

مَنْ يُحَرِّمُ الرِّفْقَ يُحَرِّمُ الْخَيْرَ

ترجمہ:

”جو آدمی نرمی سے محروم ہو جائے وہ خیر سے محروم ہے۔“

تشریح:

ایک حدیث میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: اللہ رب العزت نرمی اور حلم کو پسند فرماتا ہے اور نرمی جس معاملے میں بھی ہوتی ہے اسے اچھا کرتی ہے اس میں رونق اور نکھار لاتی ہے اور سختی جس معاملے میں بھی ہو وہ اس کے بگاڑ کا باعث ہوتی ہے۔

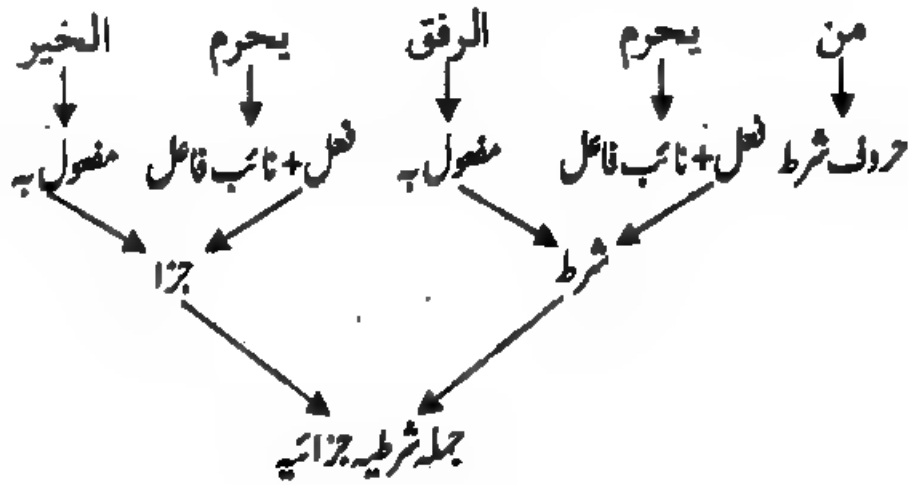
اس حدیث میں مزید پختہ کرتے ہوئے یہ فیصلہ کن بات فرمائی کہ جو آدمی نرم خوئی اور حلم و بردباری اور ہمدردی کے وصف سے متصف نہیں اور اس میں نرمی نام کی چیز نہیں تو اس آدمی میں سمجھ لو کہ خیر نام کی کوئی چیز نہیں، ایک دوسری روایت میں اسی حدیث میں الخیر کے بعد ”کلمہ“ کے الفاظ بھی ہیں یعنی جس میں نرمی نہیں اس میں خیر اور بھلائی کا ذرہ بھی نہیں وہ تمام بھلائی سے محروم ہے۔

یہاں نرمی سے مراد شرعی احکام پر عمل درآمد کرنے، ان کے نفاذ و اجراء میں سستی اور تساہل نہیں بلکہ اخلاق کی عمدگی ہے۔

ترکیب:

مَنْ حرف شرط، یُحَرِّمُ فعل مجہول ضمیر اس کا نائب فاعل الرِّفْقُ مفعول بہ، فعل نائب فاعل اور مفعول بہ سے مل کر شرط یُحَرِّمُ فعل مجہول ضمیر اس کا فاعل الْخَيْرُ مفعول بہ، فعل اپنے نائب فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جزا، شرط جزا سے مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ ہوا۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) مسلم، حدیث نمبر ۳۶۸۷، باب الرفق، کتاب البر والصلة.

(۲) ابن ماجہ، حدیث نمبر ۶۷۶۴، باب الرفق، کتاب الادب.



۱۶۱ غیروں سے مشابہت کا حکم

مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ

ترجمہ:

”جس نے کسی قوم سے مشابہت اختیار کی وہ انہی میں سے ہے۔“

تشریح:

مذکورہ بالا حدیث اسلام کے اصول معاشرت میں سے ایک اہم اصول پر مشتمل ہے۔ مسلمانوں کے لیے اسلام نے ہر چیز کو خاص اور متعین کر دیا ہے اور انہیں یہ حکم دیا ہے کہ تمہاری معاشرت اور تمہارا طرز زندگی منفرد اور دیگر اقوام و مل سے جدا اور ممتاز ہونا چاہیے۔ تمہاری وضع قطع اور ظاہری شکل و شباہت ایسی ہونی چاہیے کہ ہر دیکھنے والے کو معلوم ہو کہ یہ مسلمان ہے۔ اس لیے کافروں کے طرز زندگی اور ان کی اشیاء اور مشابہت سے بچنا چاہیے۔ یہاں ایک بات کی وضاحت ضروری ہے کہ محبہ اور مشابہت دو علیحدہ چیزیں ہیں۔ محبہ کا مطلب ہے غیروں جیسا بننے کی نیت کرنا یعنی اس قصد سے ایسے کام کرنا یا ایسی نیت اختیار کرنا جس سے آدمی دوسری قوموں جیسا لگے۔ مشابہت میں یہ نہیں ہوتا۔ محبہ تو ہر حال میں ممنوع ہے البتہ مشابہت میں کچھ تفصیل ہے جو یہ ہے:

واضح رہے کہ امور معاشرت کی ابتداء دو قسمیں ہیں (۱) وہ امور جو دیگر قوموں کا امتیازی نشان اور شعار ہیں۔ (۲) وہ امور اور چیزیں جو دیگر قوموں کی خاص علامت اور شعار نہیں۔

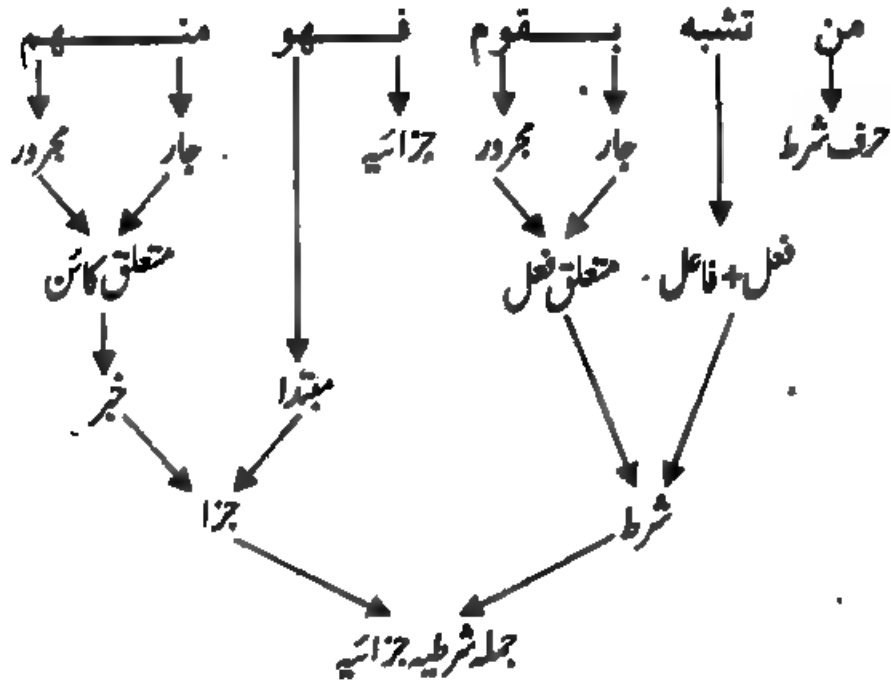
ان میں سے پہلی قسم میں مشابہت حرام ہے اس کی مثال غیر قوموں کا وہ مخصوص لباس ہے جو صرف انہی کی طرف منسوب ہو اور انہی کی نسبت سے مشہور ہو اور اسکا استعمال کرنے والا اس قوم کا فرد سمجھا جائے، جیسے ہمارے ملک میں محرم میں سیاہ لباس شیعوں کی علامت ہے۔ اس قسم میں مشابہت حرام ہے۔

اور دوسری قسم یعنی جو خاص امتیازی علامت نہ ہو اس میں یہ دیکھا جائے گا کہ اس چیز کا مسلمانوں کے ہاں کوئی متبادل ہے یا نہیں؟ اگر متبادل موجود ہو تو پھر ان چیزوں میں مشابہت مکروہ ہوگی جیسے کوٹ پتلون وغیرہ۔ اور اگر اس چیز کا متبادل مسلمانوں کے پاس نہ ہو جیسے آج یورپ کی نئی نئی ایجادات، جدید اسلحہ اور تمدن و معاشرت کے نئے نئے سامان، ان اشیاء کے استعمال میں اگر نیت یہ ہو کہ ہم انگریزوں جیسے لگیں تو یہ جائز نہیں (کیونکہ یہ محبہ ہے) اور اگر مشابہت کی نیت نہ ہو بلکہ اتفاقی طور سے استعمال میں آ رہی ہوں تو ضرورت کی حد تک ان کے استعمال میں کوئی شرعی حرج نہیں ہے۔

ترکیب:

مَنْ حَرَفَ شَرْطَ تَشْبِہِ فَعَلٌ ظَمِيرُ اس کا فاعل بقوم جار مجرور متعلق فعل۔ فعل فاعل اور متعلق سے مل کر شرط جزائیہ ہو مبتدا

منہم جار مجرور متعلق کائن محذوف کے جو کہ خبر ہے، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر جزا، شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ ہوا۔
نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) ابو داؤد، حلیث نمبر ۴۰۳۳، باب لبس الشعر، کتاب اللباس۔

۴۷۸ حج میں جلدی کرنی چاہئے

مَنْ ارَادَ الْحَجَّ فَلْيُعَجِّلْ

ترجمہ:

”جس شخص کا حج کا ارادہ ہو وہ جلدی کرے۔“

تشریح:

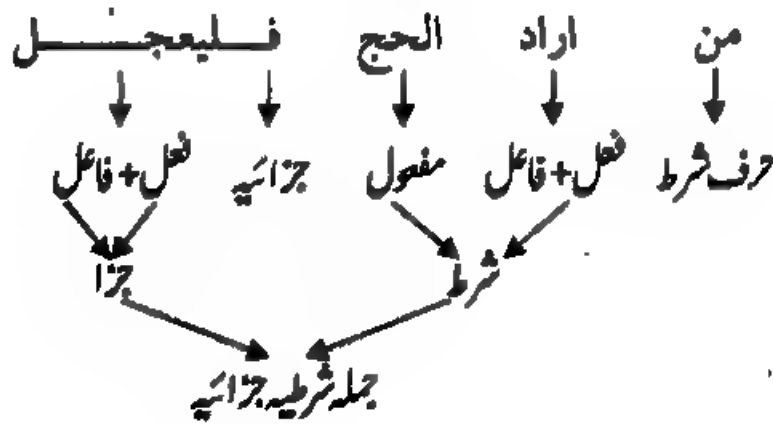
حج اسلام کے ارکان میں سے ایک رکن ہے اور جو شخص بھی اس کی استطاعت رکھتا ہو اس پر حج فرض ہے۔ البتہ حج کی ادائیگی کرنا کب ضروری ہے؟ اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ کا موقف یہ ہے کہ جس پر حج فرض ہو اسے اس بات کی گنجائش ہے کہ چاہے تو جب بھی ادا کر دے تاخیر کرنے سے گناہ گار نہیں ہوگا۔ اور امام ابوحنیفہ وغیرہ کے نزدیک بلاعذر تاخیر کرنا گناہ ہے اور ایسا کرنے والا آدمی فاسق شمار ہوگا۔

یہ تفصیل تو فقہی حکم کے اعتبار سے ہے اور جواز و عدم جواز کی بات ہے لیکن اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ ایسے آدمی کو جلد از جلد حج ادا کرنا چاہیے یعنی اس کے لیے مستحب اور بہتر یہی ہے کہ وہ فی الفور حج ادا کرے، کیا پتہ زندگی کا چراغ کب گل ہو جائے۔

ترکیب:

من حرف شرط اراد فعل ضمیر اس کا فاعل الحج مفعول بہ فعل فاعل اور مفعول بہ ل کر شرط جزائیہ لیعجل فعل امر ضمیر اس کے اندر فاعل فعل فاعل سے مل کر جزا ۱۔ شرط جزا سے مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) ابو داؤد، حدیث نمبر ۱۷۳۴، کتاب المناسک.

(۲) ابن ماجہ، حدیث نمبر ۲۸۸۳، کتاب المناسک.

۱۹) مختلف چیزوں کے اثرات

مَنْ سَكَنَ الْبَادِيَةَ جَفَا وَمَنِ اتَّبَعَ الصَّيْدَ غَفَلَ وَمَنْ أَتَى السُّلْطَانَ افْتَنَّ

ترجمہ:

”جو آدمی دیہات میں رہائش رکھے اس کا دل سخت ہو جاتا ہے اور جو آدمی شکار کے پیچھے پڑا رہے وہ غفلت کا شکار ہو جاتا ہے اور جس آدمی کا بادشاہ کے پاس آنا جانا ہو وہ فتنہ میں پڑ جاتا ہے۔“

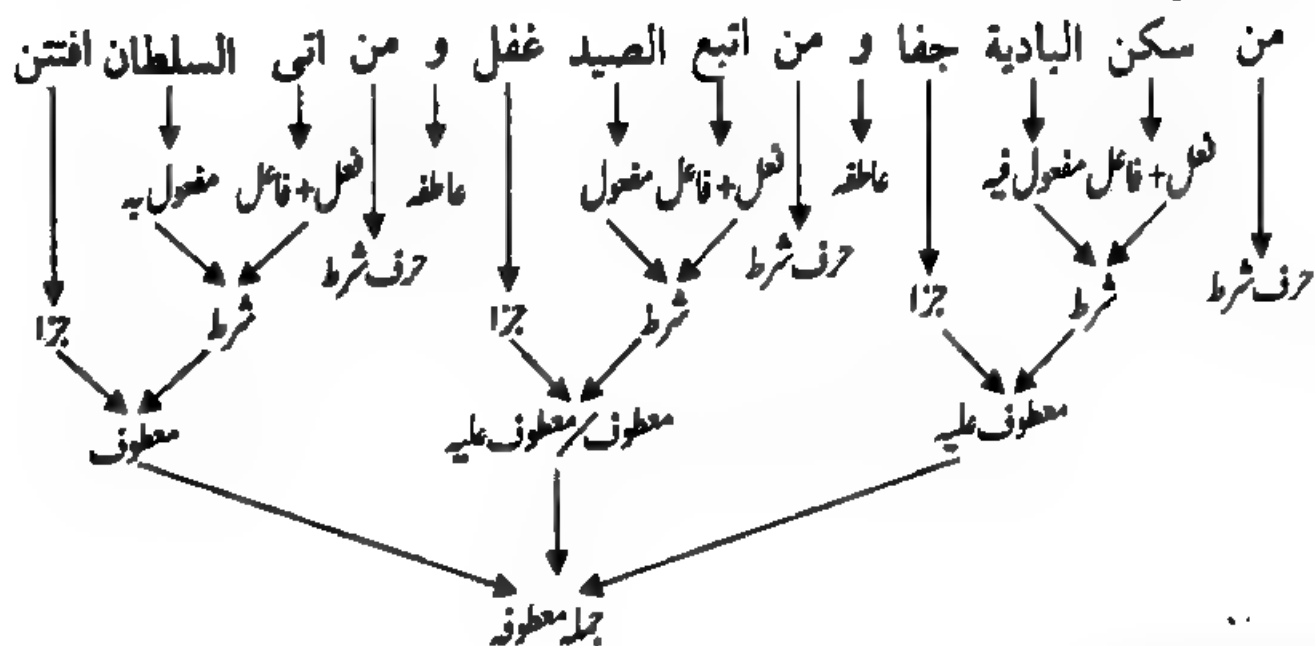
تشریح:

وجہ یہ ہے کہ دیہات میں رہنے والوں کو عام حالات میں علماء و صلحاء اور دین دار لوگوں کی مجلس اور ان کی باتیں سننے کا موقع کم میسر آتا ہے جس کی وجہ ہے ان کے دل سخت ہو جاتے ہیں اور ان میں اپنے مخصوص طرز زندگی سے ہٹ کر سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں رہتی۔ ہاں اگر یہ چیزیں دیہات میں میسر ہوں تو پھر ایسا ہونے کے امکانات کم ہیں۔ دوسری چیز ہر وقت شکار کے پیچھے پڑا رہنا ہے۔ جو آدمی اس کیفیت میں ہو وہ یقیناً فرائض کی ادائیگی سے بھی جاتا ہے۔ ہاں کبھی کبھار شکار کرنے میں حرج نہیں۔ اور تیسری بات بادشاہ کی صحبت ہے اور اس سے مراد وہ بادشاہ ہے جو برا ہو کیونکہ اگر جانے والا حق بات کہے گا تو مارا جائے گا اور اگر غلط بات کہے گا تو آخرت جائے گی اور اگر بادشاہ اچھا ہو تو پھر بھی جانے سے نہ جانا ہی بہتر ہے کیونکہ دنیا کی چمک دمک سے متاثر ہونے کا اندیشہ موجود ہے۔

ترکیب:

مَنْ حرف شرط سکن فعل ضمیر فاعل الْبَادِيَةُ مفعول فیہ۔ فعل قاعِل اور مفعول فیہ ل کر شرط جَفَا فعل ضمیر فاعل، فعل قاعِل مل کر جزا۔ شرط جزا ایل کر معطوف علیہ و عاطفہ مَنْ حرف شرط اتَّبَعَ فعل الصَّيْد مفعول بہ، فعل، قاعِل اور مفعول بہ ل کر شرط غَفَلَ جزا، شرط جزا ایل کر معطوف، معطوف علیہ و عاطفہ اتَّى فعل ضمیر فاعل السُّلْطَانَ مفعول بہ، فعل قاعِل اور مفعول بہ ل کر شرط افْتَنَّ فعل قاعِل مل کر جزا۔ شرط جزا ایل کر معطوف۔ تمام معطوفات مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔

نقشه ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) ابو داؤد، حدیث نمبر ۲۸۶۱، باب فی اتباع الصيد، کتاب الفضایا.

(۲) ترمذی، حدیث نمبر ۲۲۵۶، باب، ایواب الفتن.

۱۹۹) مجاہد کو سامان فراہم کرنے کا اجر

مَنْ جَهَّزَ غَازِيًا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَقَدْ غَزَا وَمَنْ خَلَفَ غَازِيًا فِي أَهْلِهِ
فَقَدْ غَزَا

ترجمہ:

”جس نے راہ خدا میں کسی مجاہد کو سامان فراہم کیا تو اس نے بھی جہاد کیا اور جو آدمی مجاہد کی عدم موجودگی میں اس کے اہل خانہ کا نگہبان رہا اس نے بھی جہاد کیا۔“

تشریح:

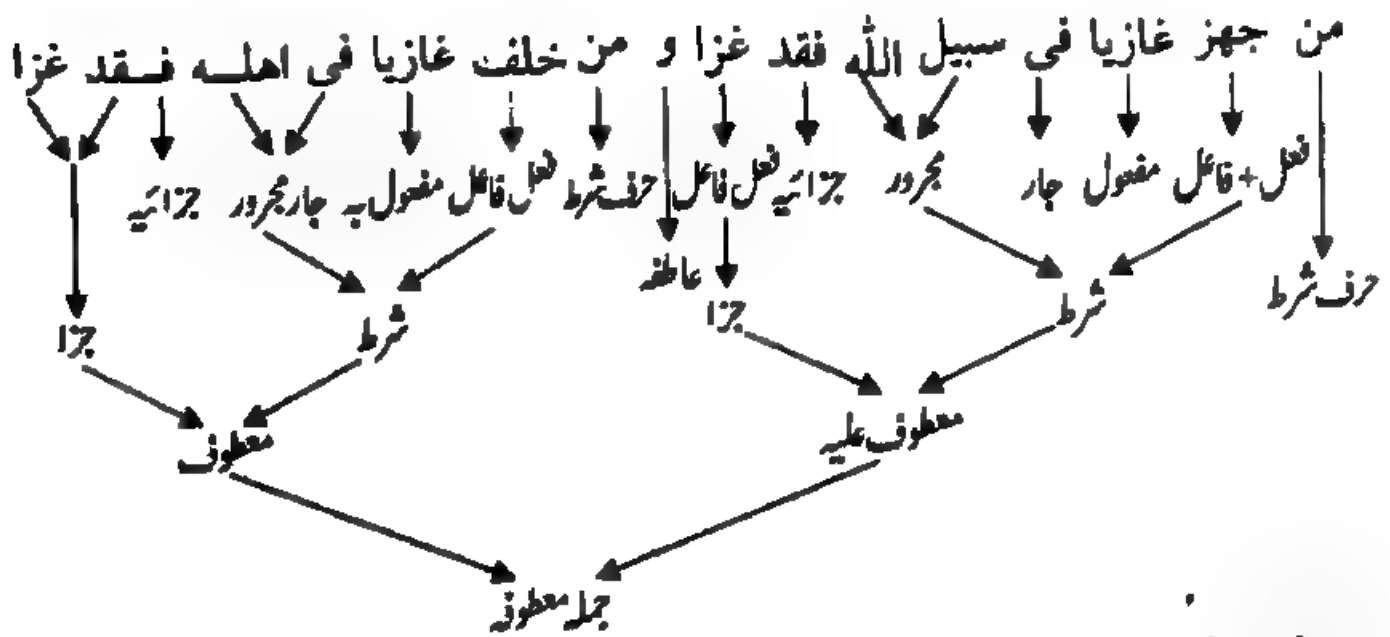
حدیث کا مطلب واضح ہے کہ جس آدمی نے خود تو جہاد میں کسی عذر شرعی کی وجہ سے شرکت نہ کی لیکن وہ چاہے کہ مجھے بھی جہاد کا ثواب مل جائے تو اس کی دو صورتیں ہیں (۱) کسی جہاد پر جانے والے مجاہد کو سامان جہاد فراہم کرے۔ اس کی برکت سے اللہ اسے بھی جہاد کرنے کا اجر دے گا۔ کیونکہ یہ جہاد کا تعاون ہے اور تعاون چاہے اچھے کام میں ہو یا برے کام میں، تعاون کرنے والا اس کا شریک ضرور ہوتا ہے۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ جب کوئی مجاہد گھر سے چلا جائے تو پیچھے اس کے اہل خانہ یعنی والدین بیوی اور بچے لاوارث اور یتیم کی طرح ہوتے ہیں ان کی کفالت کرنا تا بڑا اجر ہے کہ گویا وہ اجر جہاد کرنے کا ہے۔

ترکیب:

من حرف شرط جہز فعل ضمیر اس کا فاعل غازی یا صیغہ اسم فاعل، ضمیر فاعل فی سبیل اللہ جار مجرور مل کر متعلق صیغہ اسم فاعل صیغہ اپنے فاعل اور اپنے متعلق سے مل کر مفعول بہ فعل فاعل اور مفعول بہ مل کر شرط ف جزائیہ قد غزا فعل، ضمیر اس کا فاعل، فعل فاعل مل کر جزا، شرط جزا مل کر معطوف علیہ و عطفہ من حرف شرط خلف فعل ضمیر اس کا فاعل غازی یا مفعول بہ فی اہلہ جار مجرور متعلق فعل کے فعل فاعل متعلق اور مفعول بہ سے مل کر شرط، فقد ف جزائیہ غزا فعل، ضمیر اس کا فاعل، فعل فاعل مل کر جزا، شرط جزا مل کر معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔

نقشه ترکیب:



تخریج حدیث:

- (۱) بخاری، حدیث نمبر ۲۸۴۳، باب فضل من جہز الخ، کتاب الجہاد.
- (۲) مسلم، حدیث نمبر ۵۰۱۱، باب فضل اعانۃ القازی، کتاب الامارۃ.



۴۳) ریا کاری شرک خفی ہے

مَنْ صَلَّى يُرَائِي فَقَدْ أَشْرَكَ وَ مَنْ صَامَ يُرَائِي فَقَدْ أَشْرَكَ وَ مَنْ
تَصَدَّقَ يُرَائِي فَقَدْ أَشْرَكَ

ترجمہ:

”جس نے دکھلاوے کی نماز پڑھی اس نے شرک کیا، جس نے دکھلاوے کا روزہ رکھا اس نے شرک کیا، جس نے
دکھلاوے کا صدقہ کیا اس نے شرک کیا۔“

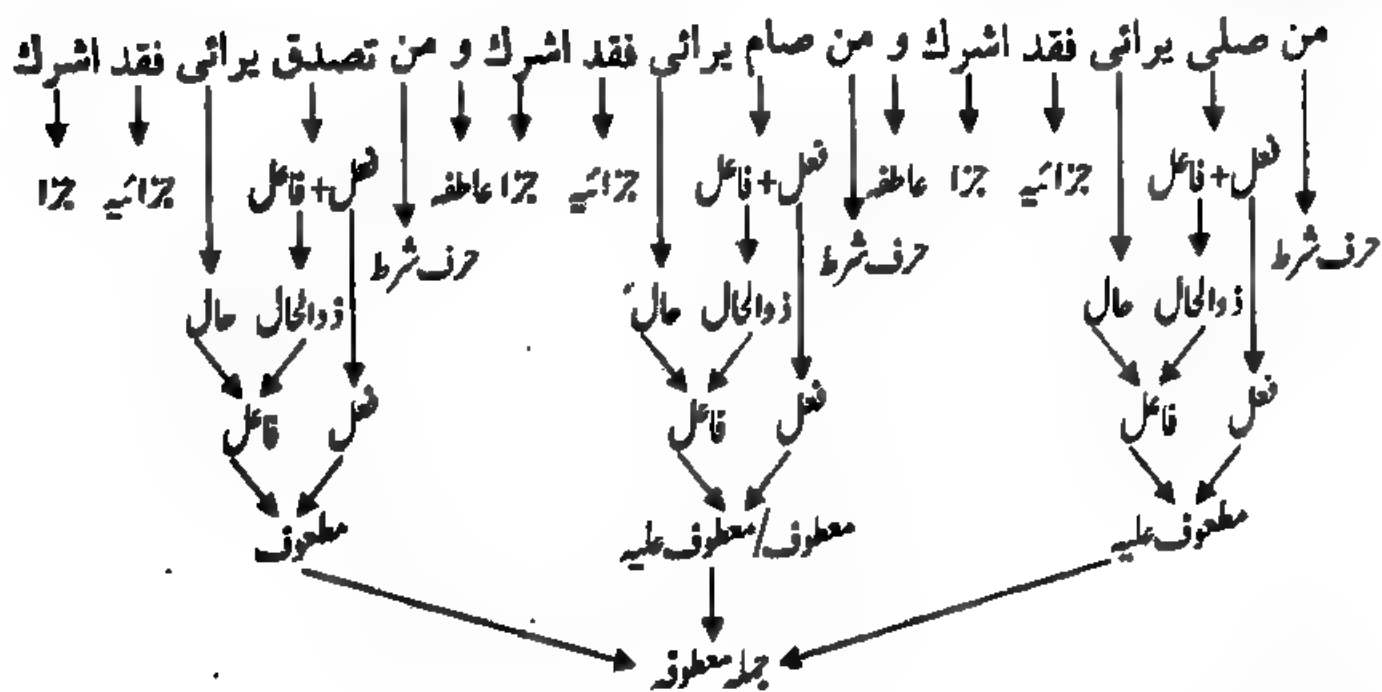
تشریح:

قرآن کی بے شمار آیات اور نبی اکرم ﷺ کی بے شمار احادیث میں یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ اللہ رب العزت کے دربار میں
عمل کے مقبول اور باعث ثواب ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اس عمل میں اخلاص ہو۔ کسی عمل میں جس قدر اخلاص ہوگا اسی قدر
اس کا اللہ کے ہاں رتبہ اور قدر ہوگی۔ قیامت کے دن اعمال تو لے جائیں گے اور ان کا وزن اخلاص کے بقدر ہوگا۔ قیامت کے دن
یہ بھی اعلان ہوگا کہ جس نے جو کام جس کے لیے کیا ہے وہ اس کا بدلہ اسی سے لے لے۔ اگر تو نے اللہ کے لیے کیا تو اللہ سے لے
اور اگر لوگوں کے لیے کیا تھا کہ لوگ یہ سمجھیں کہ بڑا نیک آدمی ہے بڑا بزرگ ہے تو پھر لوگوں سے جا کر بدلہ لے۔ اسی وجہ سے اللہ
کے لیے عمل کرنے کو توحید کا تقاضا اور غیر اللہ کے لیے عمل کرنے کو شرک کا مرادف ٹھہرایا گیا ہے۔ اور ریا کو شرک خفی سے تعبیر کیا
گیا۔ مذکورہ بالا حدیث بھی اسی حقیقت کی ایک دھڑک مثال کہہ لیں یا ضابطہ کہہ لیں، فرمایا جس نے نماز جیسا مقدس اور بابرکت کام
بھی کسی کے دکھلاوے کے لیے کیا تو وہ برباد ہو گیا کہ پڑھ تو وہ نماز رہا ہے مگر اللہ کے دربار میں شرک لکھا جا رہا ہے۔ رکھ تو روزہ رہا
ہے مگر شمار مشرکوں میں، کر تو وہ صدقہ رہا ہے مگر صرف میں مشرکوں کی کھڑا ہے۔ کیونکہ صدقہ تو یہ تھا کہ اگر دائیں ہاتھ سے دینا تو بائیں کو پتہ
نہ چلتا۔

ت ترکیب:

مَنْ حرف شرط صلی فعل ضمیر ذوالحال یرائی فعل ضمیر فاعل، فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ ہو کر حال، حال ذوالحال مل کر فاعل،
فعل فاعل مل کر شرط جزائیہ قد اشْرک فعل ضمیر فاعل، فعل فاعل مل کر جزاء، شرط جزاء مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ ہو کر معطوف علیہ و
عاطفہ مَنْ صام یرائی شرط، فقد اشْرک جزاء، شرط جزاء مل کر معطوف علیہ معطوف و عاطفہ مَنْ تصدق یرائی شرط، فقد
اشْرک جزاء، شرط جزاء مل کر معطوف علیہ مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔

نقشه ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) احمد، حدیث نمبر ۱۷۱۴۰

۱۶۱) سنت سے اعراض کا نتیجہ

مَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي

ترجمہ:

”جس نے میرے طریقے/سنت سے اعراض کیا وہ مجھ سے نہیں ہے۔“

شان ورود:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اصحاب رسول رضی اللہ عنہم میں سے تین آدمیوں نے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے آپ ﷺ کی عبادت کے بارے میں پوچھا تو انہیں ان کی توقع سے کم لگا اور کہنے لگے آپ ﷺ تو بخشنے بخشنے ہیں وہ کم عبادت بھی کریں تو کوئی بات نہیں۔ باقی رہے ہم، تو ہمیں تو لا محالہ زیادہ عبادت کرنی پڑے گی۔ جس کے لیے ایک نے رات بھر نماز پڑھنے کا عزم کیا، دوسرے نے دن بھر روزہ رکھنے کا سوچا اور تیسرے نے ہمیشہ شادی نہ کرنے کا ارادہ کیا۔ جب آپ ﷺ کو ان کی ان باتوں کا علم ہوا تو سخت ناراضی کے عالم میں فرمانے لگے:

”خدا کی قسم! میں تمہاری نسبت خدا سے زیادہ ڈرنے والا ہوں اور میرا معمول یہ ہے کہ کبھی روزہ رکھتا ہوں اور کبھی افطار کرتا ہوں۔ اور نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور میں شادی بھی کرتا ہوں۔ یہ تو میرا طریقہ ہے پس جس نے میرے طریقے سے اعراض کیا تو وہ مجھ سے نہیں۔ یعنی جس نے شادی نہ کی اور جو اپنے آپ کو مشقت میں ڈال کر رات بھر جاگا اور جو ہمیشہ روزہ رکھتا چلا گیا یہ سارے لوگ میرے طریقے سے ہٹے ہوئے ہیں اور یہ منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتے کیونکہ یہ میری اتباع سے ہٹے ہوئے ہیں اور خدا میری اتباع کے بغیر نہیں ملتا۔“

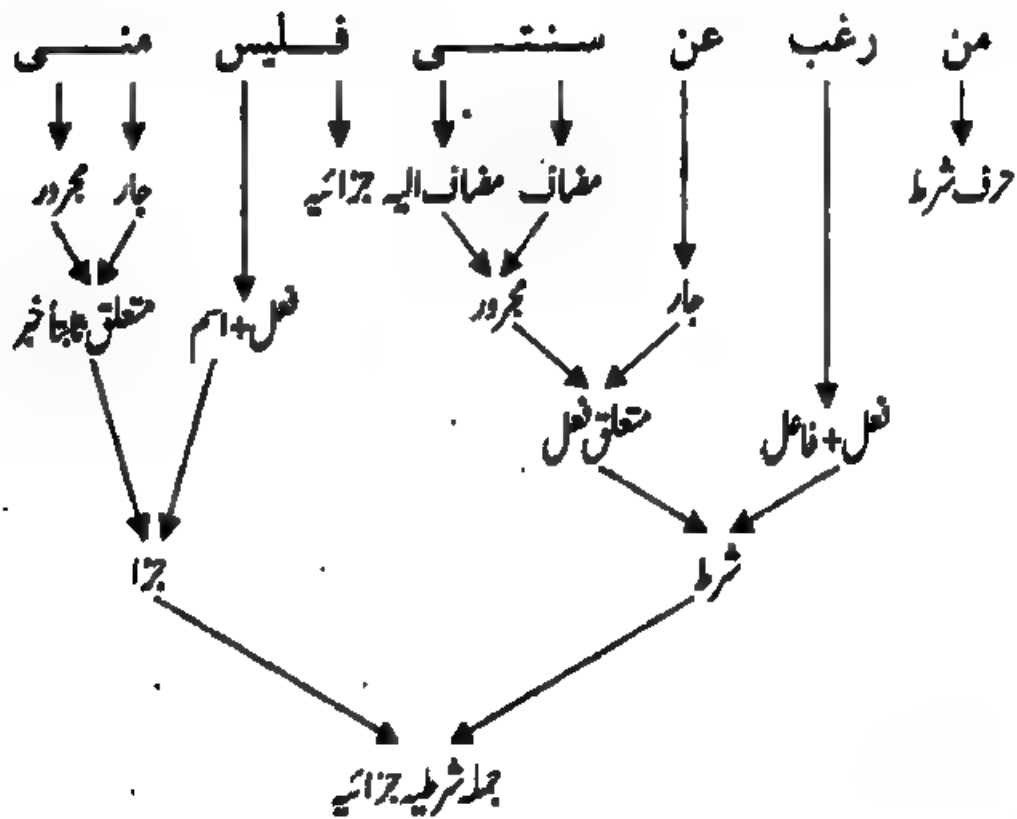
فائدہ:

عام طور سے نکاح کے خطبے میں یہ حدیث اور اس سے پہلے ”النکاح من سنتی“ پڑھا جاتا ہے یہ دونوں جملے ایک حدیث نہیں بلکہ علیحدہ علیحدہ حدیث ہیں، البتہ مفہوم میں مغایر نہیں اس لیے محتاط لوگ دونوں کے درمیان فرق کرتے ہوئے درمیان میں ”وقال“ کا لفظ لاتے ہیں۔

ترکیب:

من حرف شرط رغب فعل ضمیر قاعل عن جار مستی مضاف، مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور متعلق فعل، فعل فاعل اور متعلق سے مل کر شرط جزائیہ لیس فعل ناقص ضمیر اس کا اسم منی جار مجرور متعلق مایا خبر محذوف کے، لیس فعل ناقص اپنے اسم اور خبر سے مل کر جزاء شرط جزا اہل کر جملہ شرطیہ جزائیہ ہوا۔

نقشه ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) بهاری، حدیث نمبر ۴۷۷۶، کتاب النکاح.

(۲) مسلم، حدیث نمبر ۳۴۶۹، کتاب النکاح.

۳۲) دھوکہ دہی پر وعید

مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا

ترجمہ:

”جس شخص نے ہمیں دھوکہ دیا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔“

تشریح:

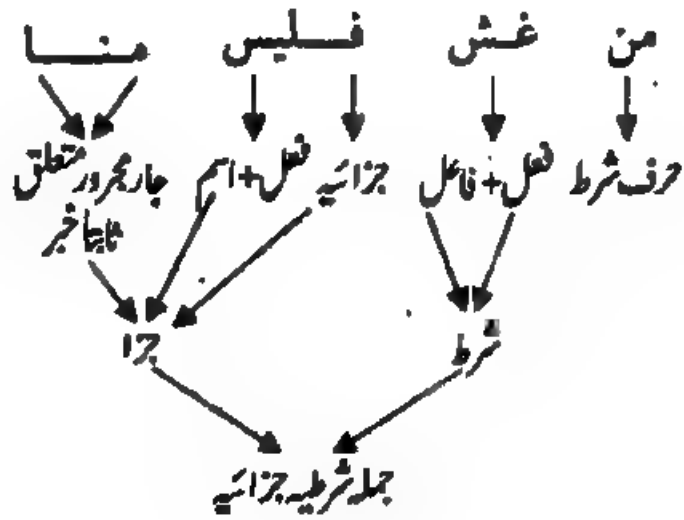
دھوکہ دہی کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ زندگی کے تمام شعبوں اور معاملات میں اس کا اطلاق ہو سکتا ہے اس میں خیانت کرنا، بد عہدی کرنا، جھوٹ بولنا، جعلی چیز بنانا، وغیرہ سب ایسے امور شامل ہیں جن میں کوئی آدمی ایسے آدمی کے ساتھ غلط معاملہ کرے جو اس سے اچھی توقع رکھتا تھا یا جو اس کے وارے بے خبر تھا۔

دھوکہ دہی کے بارے میں مذکورہ وعید بہت بڑی اور سخت وعید ہے کیونکہ اس میں دھوکہ دینے والے مسلمان کو امت سے نکالنے کا حکم دیا ہے۔ اگرچہ ہم قانون یا فتوے کی رو سے ایسے شخص کو کافر تو نہیں کہہ سکتے تاہم اسے اچھا مسلمان کہنا بھی ممکن نہیں کیونکہ آپ ﷺ کے اتنے سخت الفاظ اس کے بارے میں موجود ہیں اگر ذرا بھی قلب بیٹا ہو اور احساس کی کچھ بھی رفق موجود ہو تو یہ تنبیہ کسی وعید سے کم نہیں۔ کیا یہ کم سزا ہے کہ رحمت للعالمین ایک شخص کا جڑا ہوا تعلق اور رشتہ کاٹ کر پرے پھینک دیں۔ کیا محرومی ہے اور کیا بدبختی! اللہ بچائے چار پیسے کے لیے ایسے خسارے کا سودا یقیناً کوئی بے وقوف ہی کرے گا۔ اور پھر دھوکہ دہی کرنے والا آدمی دنیا میں بھی ناکام رہتا ہے کیونکہ کسی بھی شعبے میں اس پر سے لوگوں کا وہ اعتبار ختم ہو جاتا ہے جو کہ معاشرے میں رہنے والے کسی انسان کے لیے بہت بڑی چیز ہے۔

توکیب:

مَنْ حرف شرط غش فعل ضمیر فاعل نا ضمیر مفعول بہ، فعل فاعل اور مفعول پل کر شرط جزا ایہ لیس فعل ناقص ضمیر اس کا اسم منا جار مجرور متعلق نابتأخر محذوف کے فعل ناقص اپنے اسم اور خبر سے مل کر جزا، شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ جزا ایہ ہوا۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) مسلم، حدیث نمبر ۲۹۵، کتاب الایمان۔

۱۴ غمزہ کو دلاسا دینا

مَنْ عَزَى نَكْلَى كُسَى بَرْدًا فِي الْجَنَّةِ

ترجمہ:

”جس نے کم شدہ/فوت شدہ بچے کی ماں کو تسلی دی تو اسے جنت میں ایک چادر پہنائی جائے گی۔“

تشریح:

جب ایک انسان کسی غم سے دوچار ہوتا ہے اور دوسرا انسان اسے تسلی دیتا ہے تو اس سے غم ہلکا ہوتا ہے اور آدمی کو حوصلہ اور دلاسا ملتا ہے، اسی وجہ سے کسی کے مرنے پر تمام معاشروں اور تہذیبوں میں تعزیت کا طریقہ رائج ہے۔ اسلام نے اس طریقے کو بنیادی طور سے باقی رکھا اور اس میں غلط سلط رسومات کی سختی سے تردید اور اصلاح کی، اور نفس تعزیت کو نہایت پسندیدگی کی نظر سے دیکھا اور اس پر فضائل بھی آئے ہیں۔ ایک تو یہی حدیث ہے دوسرے ایک حدیث میں آتا ہے جو آدمی اپنے بھائی کو کسی مصیبت میں تسلی دے تو اللہ رب العزت قیامت کے دن اسے عزت و کرامت کے جوڑوں میں سے ایک جوڑا پہنائیں گے۔

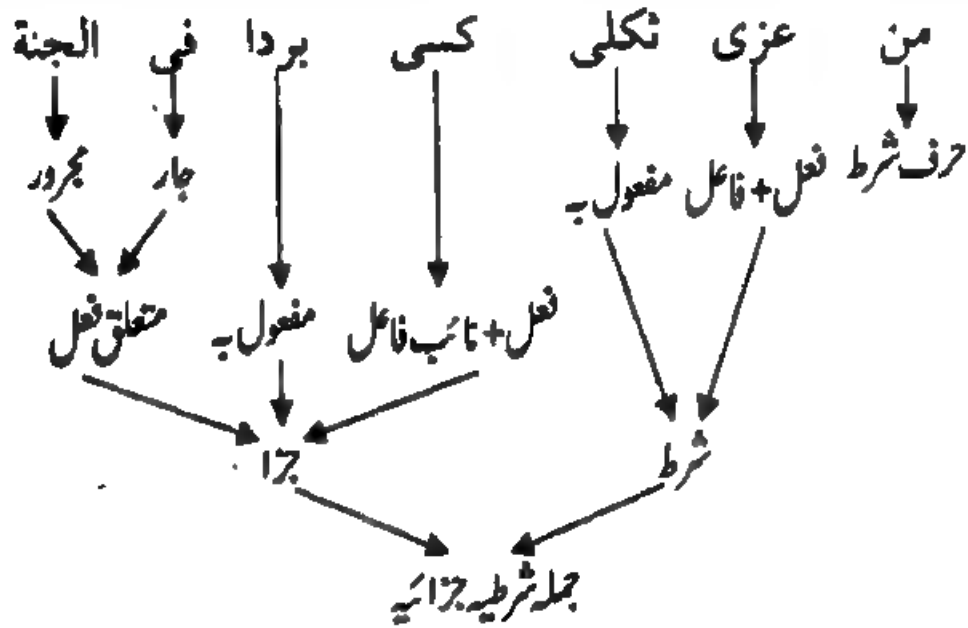
لغوی و صرفی تحقیق:

عزى فعل ماضی باب تفعیل، ہفت اقسام میں سے ناقص یائی ہے بمعنی تسلی دینا، تعزیت کرنا، دلاسا دینا، پرسہ دینا، نکلَى اسم تفضیل مؤنث ہے، اس سے مراد وہ عورت ہے کہ جو اپنے بچے کی کم شدگی یا موت کی وجہ سے پریشان ہو ایسی عورت کو تسلی دینے کی فضیلت اس لیے ہے کہ وہ بیچاری ماں ہونے اور عورت ذات ہونے کی وجہ سے غم سے نڈھال ہوگی۔

ت ترکیب:

مَنْ حرف شرط عزى فعل ضمیر اس کا فاعل نکلَى مفعول بہ فعل فاعل اور مفعول بہ سے مل کر شرط کسی فعل مجہول ضمیر اس کا نائب فاعل بردًا مفعول بہ فی جار الجنة مجرور، جار مجرور متعلق فعل کے۔ فعل اپنے نائب فاعل اور متعلق سے مل کر جزا شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ جزا ایہ ہوا۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) ترمذی، حدیث نمبر ۱۰۷۶، باب آخر فی فضل التعزیه، ابواب الحنائز۔



۳۷ درود شریف کا اجر و ثواب

مَنْ صَلَّى عَلَيَّ وَاحِدَةً صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ عَشْرًا

ترجمہ:

”جو مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے اللہ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتے ہیں۔“

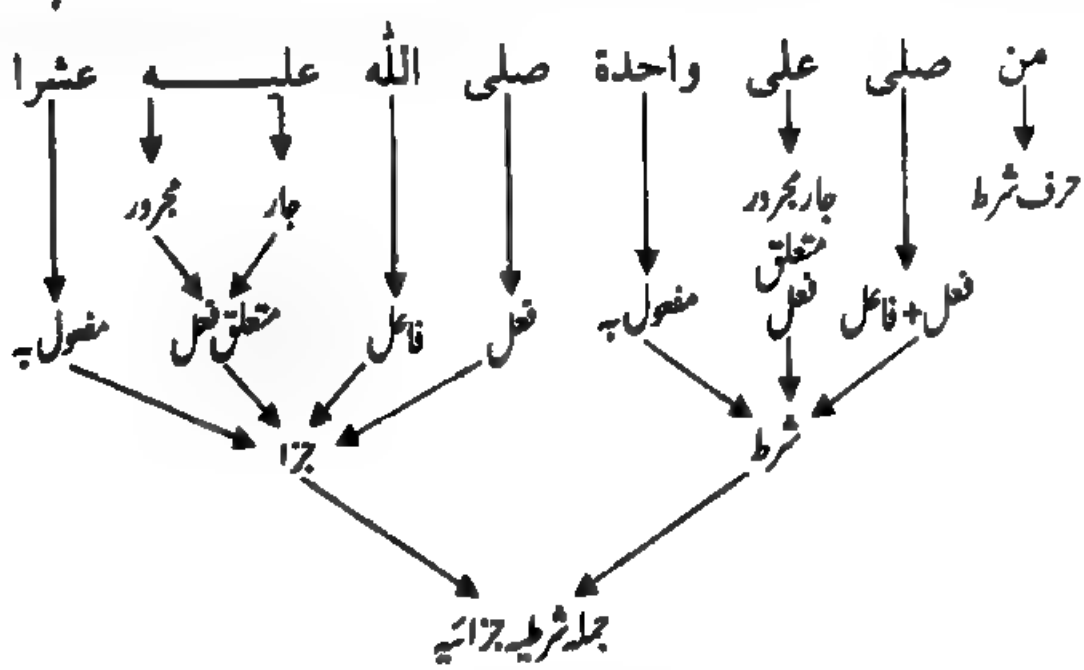
تشریح:

نبی اکرم ﷺ کے جتنے ہمارے اوپر یعنی امت کے اوپر احسانات ہیں ان کو شمار کرنا ممکن نہیں اس لیے یہ دعا تعلیم دی گئی ہے اللھم اجز عنا محمدًا ما هو اھله، و احسن الجزاء، اے اللہ! حضرت محمد ﷺ کو ہماری طرف سے ایسا بدلہ عطا فرمائے جس کے وہ اہل ہیں اور بہترین سے بہترین بدلہ عطا فرمائیں۔ انہیں احسانات کے پیش نظر اللہ رب العزت نے قرآن میں فرمایا، ”میں اور میرے فرشتے نبی اکرم ﷺ پر رحمت نازل کرتے ہیں اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود پڑھا کرو۔“ اسی وجہ سے علماء نے فرمایا ہے کہ عمر میں کم از کم ایک دفعہ درود پڑھنا فرض عین ہے اور اس کے علاوہ جب بھی آپ کا ذکر ہو اس وقت درود پڑھنا ضروری ہے کیونکہ آپ ﷺ نے ایک حدیث میں فرمایا: ”وہ بندہ ہلاک ہو جائے جس کے سامنے میرا ذکر ہو اور اس نے مجھ پر درود نہ پڑھا۔“ البتہ اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ اگر ایک ہی مجلس میں کئی مرتبہ آپ کا ذکر ہو تو کیا ہر مرتبہ درود پڑھنا ضروری ہے یا ایک ہی مرتبہ کافی ہے؟ اس بارے میں دونوں رائے ہیں۔ البتہ بہتر بہر حال یہی ہے کہ ہر بار نام نامی اسم گرامی پر درود پڑھا جائے۔ اسی طرح لکھتے ہوئے بھی مکمل درود شریف لکھنا چاہیے۔ مخفف، یا صلعم پر اکتفا نہیں کرنا چاہیے۔

ترکیب:

من حرف شرط صلی فعل ضمیر اس کا فاعل علی جار مجرور متعلق فعل و احدة مفعول بہ فعل فاعل اور مفعول بہ مل کر شرط صلی فعل لفظ اللہ اس کا فاعل علیہ جار مجرور متعلق فعل کے عشاء مفعول بہ فعل فاعل مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جزا شرط جزا سے مل کر جملہ شرطیہ جزا ہے ہوا۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) مسلم، حدیث نمبر ۹۳۹، باب الصلوۃ علی النبی ﷺ بعد التشہد، کتاب الصلوۃ.

❶ ذمی کو قتل کرنے کا وبال

مَنْ قَتَلَ مُعَاهِدًا لَمْ يَرَحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ

ترجمہ:

”جس نے کسی ذمی کو قتل کیا وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا۔“

تشریح:

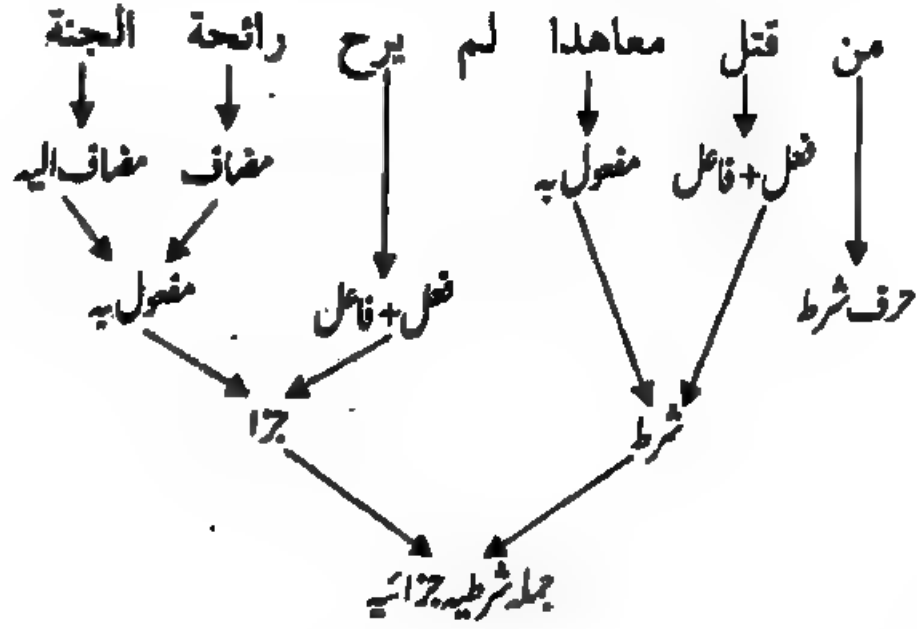
معاهد اسم فاعل کا صیغہ ہے باب مفاعلہ سے اس سے مراد وہ شخص ہے جس کا اسلامی ریاست و حکومت سے معاہدہ ہوا ہو خواہ وہ عہد ذمہ ہو یعنی ایسا شخص ہو جو اسلامی میں ریاست بطور اقلیت کے رہ رہا ہو یا حربی ہو، لیکن اس کے اور مسلم ریاست کے درمیان معاہدہ امن ہو ایسے شخص کو قتل کرنا جرم ہے اور بہت قبیح جرم ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ ایک تو یہ محفوظ انسانی جان کا قتل ہے دوسرے یہ اقدام اسلام سے نفرت اور وحشت دلانے کا باعث ہے کیونکہ اگر یوں مسلمان ذمیوں کو قتل کرنے لگ جائیں گے تو پھر کوئی آدمی عہد ذمہ لینے اور ذمی بننے یا مسلم ریاست سے معاہدہ کرنے کے لیے تیار نہیں ہوگا اور یہ چیز مذہبی طور پر نقصان دہ ہونے کے ساتھ ساتھ سیاسی طور پر بھی اسلامی ریاست کے لیے نقصان دہ ہے۔

اس کے برعکس اگر کافر مغلوب رہ کر اسلامی ریاست کے تحت رہیں گے تو اس صورت میں اسلام کے فطری اور مدلل نظام سے متاثر ہونے کے بہت سے امکانات بلکہ اس کے عملی مثالیں موجود ہیں۔

ترکیب:

من حرف شرط قتل فعل ضمیر اس کا فاعل معاہداً مفعول بہ۔ فعل فاعل اور مفعول بہ مل کر شرط لم یرح فعل ضمیر اس کا فاعل وائحة مضاف الجنة مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول بہ، فعل فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جزا، شرط اور جزا مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ ہوا۔

نقشه ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) بخاری، حدیث نمبر ۳۱۶۶، باب من قتل معاهداً بغیر حرم، کتاب الجہاد.

۳۱ دین کی سمجھ بہت بڑی نعمت ہے

مَنْ يُرِدِ اللَّهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ

ترجمہ:

”اللہ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتے ہیں اسے دین کی سمجھ عطا فرماتے ہیں۔“

تشریح:

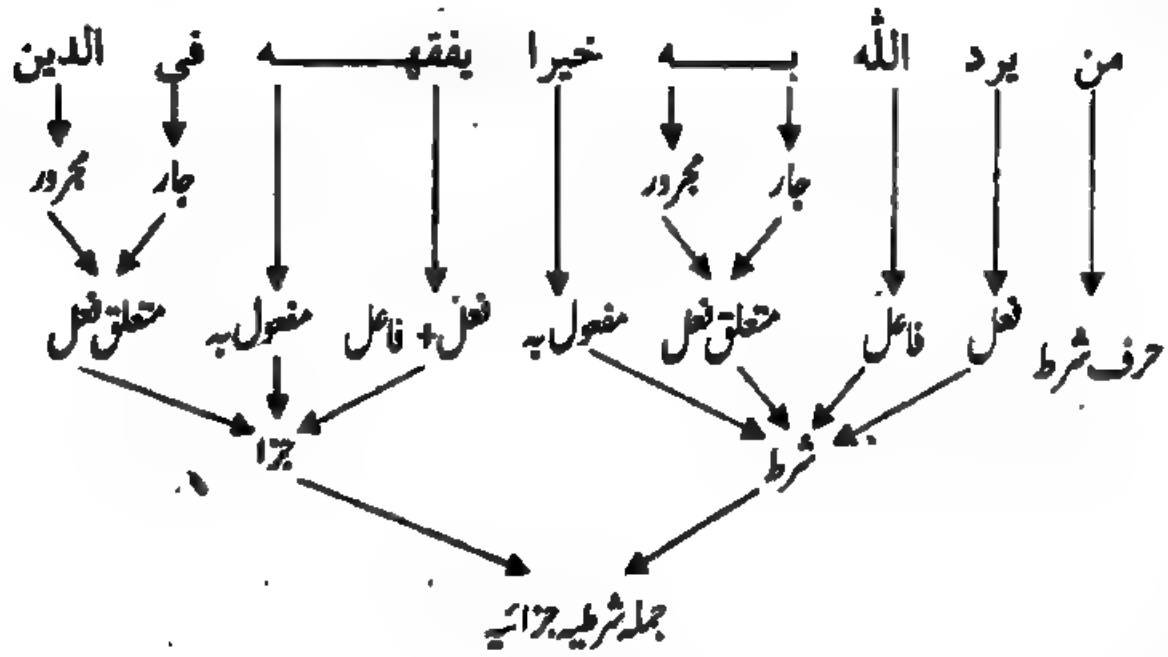
دنیا میں ہر آدمی اچھی چیز اور بھلائی کا طالب ہے ہر بندہ چاہتا ہے کہ مجھے اچھی بات مل جائے اور بری چیز سے بچ جاؤں۔ مذکورہ بالا حدیث میں اللہ کی طرف سے بندے کو ملنے والی اچھائی اور بھلائی کا ایک معیار اور علامت بیان فرمائی گئی ہے وہ علامت یہ کہ اللہ رب العزت کی بھلائی اور خیر کا اگر مشاہدہ کرنا ہو تو اس آدمی کے پاس یہ دیکھو کہ دین کی سمجھ بوجھ اور فہم و دانش کتنی ہے یعنی دین کا علم اس کے پاس کتنا ہے جس کے پاس جتنا علم ہوگا وہ اتنا ہی بہتر ہوگا۔

واضح رہے کہ علم اور نقاہت میں فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ علم تو صرف کسی بات کے جان لینے اور دماغ میں آ جانے کا نام ہے جبکہ نقاہت مذکورہ بالا چیز کے ساتھ گہرے تعلق اور دلچسپی کا مظہر ہے اور اس دلچسپی کے ساتھ ساتھ نقاہت عمل کے ساتھ لازم و ملزوم بھی ہے یعنی جو فقیہ ہوگا وہ عمل کرنے والا بھی ہوگا۔ کیونکہ اسے دین کی سمجھ ہے اور جو صرف عالم ہو وہ بے عمل بھی ہو سکتا ہے۔ اسی لیے علماء سود کا ایک مستقل طبقہ اور ان کے لیے وعیدیں بھی ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ سے صرف علم نہیں بلکہ علم نافع اور نقاہت کی دعا مانگنی چاہیے۔

ترکیب:

من حرف شرط یُرد فعل لفظ اللہ فاعل بہ جار مجرور متعلق فعل خیراً مفعول بہ فعل فاعل مفعول بہ اور متعلق سے مل کر شرط بقیہ فعل ضمیر اس کا فاعل ضمیر مفعول بہ فی جار الدین مجرور جار مجرور متعلق بقیہ فعل کے فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جزا شرط جزا سے مل کر جملہ شرطیہ جزا یہ ہوا۔

نقشه ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) بخاری، حدیث نمبر ۶۷۰۰ باب من یرد اللہ بہ الخ، کتاب العلم.



④ مسجد بنانے کی فضیلت

مَنْ بَنَى لِلَّهِ مَسْجِدًا بَنَى اللَّهُ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ

ترجمہ:

”جس آدمی نے اللہ کے لیے مسجد بنائی اللہ اس کے لیے جنت میں گھر بنائیں گے۔“

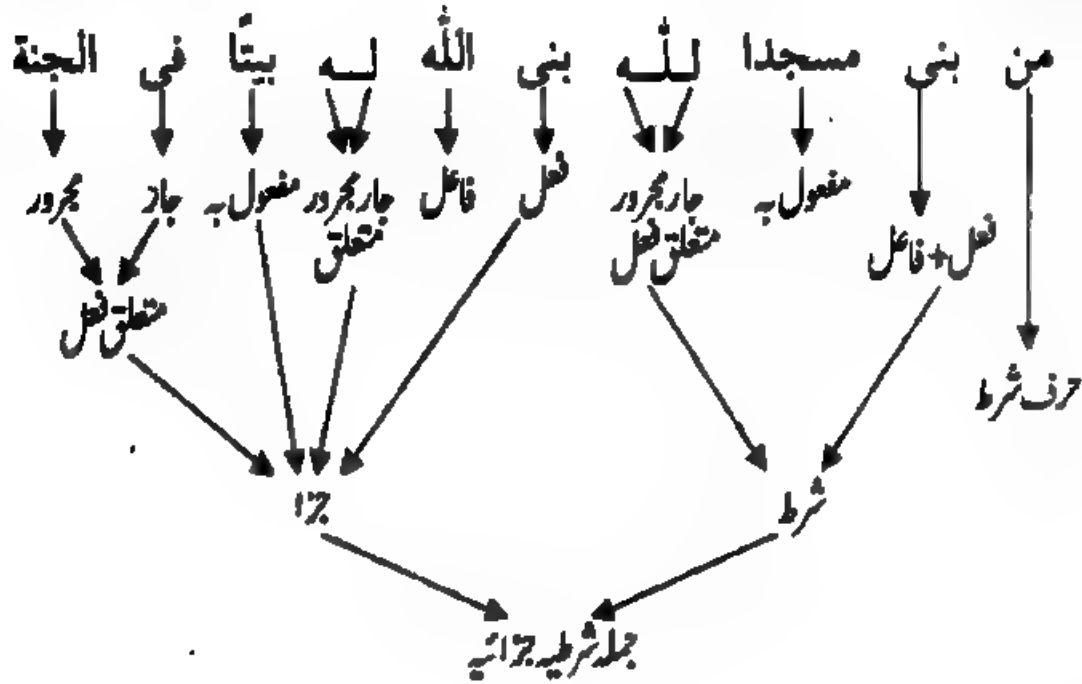
تشریح:

مسجد کی اہمیت اسلامی شریعت اور مسلمان معاشرے میں محتاج بیان نہیں۔ کیونکہ مسجد اسلام کا مرکز، قلعہ اور اسلامی تعلیمات کے فروغ کا مضبوط ذریعہ ہے جس علاقے اور خطے میں مساجد ہوں گی اور وہ آباد ہوں گی وہ خطہ اسلام کی دولت سے مالا مال ہوگا اور صرف یہی نہیں بلکہ جو لوگ مسجدوں کو آباد کرتے ہیں اللہ رب العزت ان کے گھروں کو آباد کرتے اور ان میں برکت و رحمت نازل فرماتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان آبادی والے علاقے میں مسجد کتنی ضروری ہے اسی وجہ سے آپ ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ جو آدمی مسجد بنائے اسے اللہ جنت میں ایک بہت عالی شان گھر بنا کر دیں گے۔ اور ایسا ہونا بالکل واضح ہے کیونکہ جب اسلام کی بنیاد مسجد ہے تو مسجد بنانے والے نے اسلام کی بنیاد مضبوط کر دی۔ اس کے علاوہ مسجد ان نیکیوں اور اچھے کاموں میں سے ایک کام ہے جو صدقہ جاریہ ہیں یعنی آدمی کی زندگی کے بعد بھی جب تک مسجد باقی رہے گا اللہ رب العزت اسے اس کا ثواب عطا فرماتے رہیں گے۔ اس لیے یہ ایک لامحدود خزانہ ہے۔

ترکیب:

مَنْ حرف شرط بنی فعل ضمیر اس کا فاعل مَسْجِدًا مفعول بہ لِلَّهِ جار مجرور متعلق فعل کے۔ فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور متعلق سے مل کر شرط بنی فعل لفظ اللہ فاعل لہ جار مجرور متعلق فعل کے بَيْتًا مفعول بہ فِی الْجَنَّةِ مجرور، جار مجرور متعلق فعل کے، فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور متعلقات سے مل کر جزا۔ شرط جزا سے مل کر جملہ شرطیہ جزا سیہ ہوا۔

نقشه ترکیب:



تخریج حدیث:

- (۱) بخاری، حدیث نمبر ۴۵۰، باب من بنی مسجدی، کتاب الصلوۃ.
- (۲) مسلم، حدیث نمبر ۷۶۶۲، باب فضل بناء المسجد، کتاب المساجد.



۴۸ کسی کو بھلائی کا شکر یہ ادا کرنا

مَنْ صُنِعَ إِلَيْهِ مَعْرُوفٌ فَقَالَ لِفَاعِلِهِ جَزَاكَ اللَّهُ خَيْرًا فَقَدْ أَبْلَغَ فِي الشُّنَاءِ

ترجمہ:

”جس آدمی کے ساتھ بھلائی کی گئی اور اس نے بھلائی کرنے والے کو جزا کا اللہ خیرا کہہ دیا تو اس نے تعریف کا حق ادا کر دیا۔“

تشریح:

پچھلے ایک حدیث میں ذکر ہوا تھا کہ ”جو آدمی لوگوں کے احسانات اور نیکیوں کا شکر یہ ادا نہیں کرتا وہ خدا کا بھی ناشکرا ہے“ جس سے معلوم ہوا کہ خدا کی نعمتوں پر شکر کے ساتھ ساتھ لوگوں کا بھی شکر ادا کرنا ضروری ہے۔ اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ شکر یہ کام از کم درجہ یہ ہے کہ آدمی احسان کرنے والے سے اتنا ہی کہہ دے ”جزاک اللہ خیرا“ یعنی اللہ تمہیں اس کا بہتر بدلہ اور عوض عطا فرمائے۔ ویسے اصل تو یہ ہے کہ جس نوعیت کا کوئی احسان کرے، اسی نوعیت کا اسے بدلہ بھی دیا جائے یعنی اگر کسی نے مالی سخاوت کی تو اسے مالی انداز میں ہی بدلہ دیا جائے لیکن اگر کسی کو یہ میسر نہ ہو تو پھر مذکورہ کلمات کہہ دینے سے بھی شکر یہ کی ذمہ داری کا حق ادا ہو جائے گا۔

لغوی و صرفی تحقیق:

صنع فعل مجہول ہے بمعنی کیا گیا، بنایا گیا، ابلغ باب افعال سے ماضی کا صیغہ ہے۔ مبالغہ کرنا پہنچانا۔ آگے بڑھنا، حد کر دینا۔

توکیب:

من حرف شرط صنع فعل مجہول الیہ جار مجرور متعلق فعل کے معروف نائب فاعل، فعل اپنے متعلق اور نائب فاعل سے ملکر معطوف علیہ فاعلہ قال فعل ضمیر فاعل لفاعلہ جار مجرور متعلق فعل کے فعل فاعل اور متعلق سے ملکر قول جزا فعل لک مفعول بہ لفظ اللہ فاعل خیرا مفعول بہ فعل فاعل اور مفعول بہ سے ملکر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر مقولہ، قول مقولہ ملکر معطوف، معطوف علیہ اور معطوف مل کر شرط۔ ف جزا یہ قد ابلغ فعل ضمیر فاعل فی جار الشناء مجرور جار مجرور متعلق فعل کے فعل فاعل اور متعلق سے ملکر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزاء۔ شرط جزا سے ملکر جملہ شرطیہ جزا یہ ہوا۔

④ دو غلے آدمی کا انجام

مَنْ كَانَ ذَا وَجْهَيْنِ فِي الدُّنْيَا كَانَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لِسَانٌ مِنْ نَارٍ

ترجمہ:

”جو شخص دنیا میں دو چہروں والا ہوگا قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی زبان ہوگی۔“

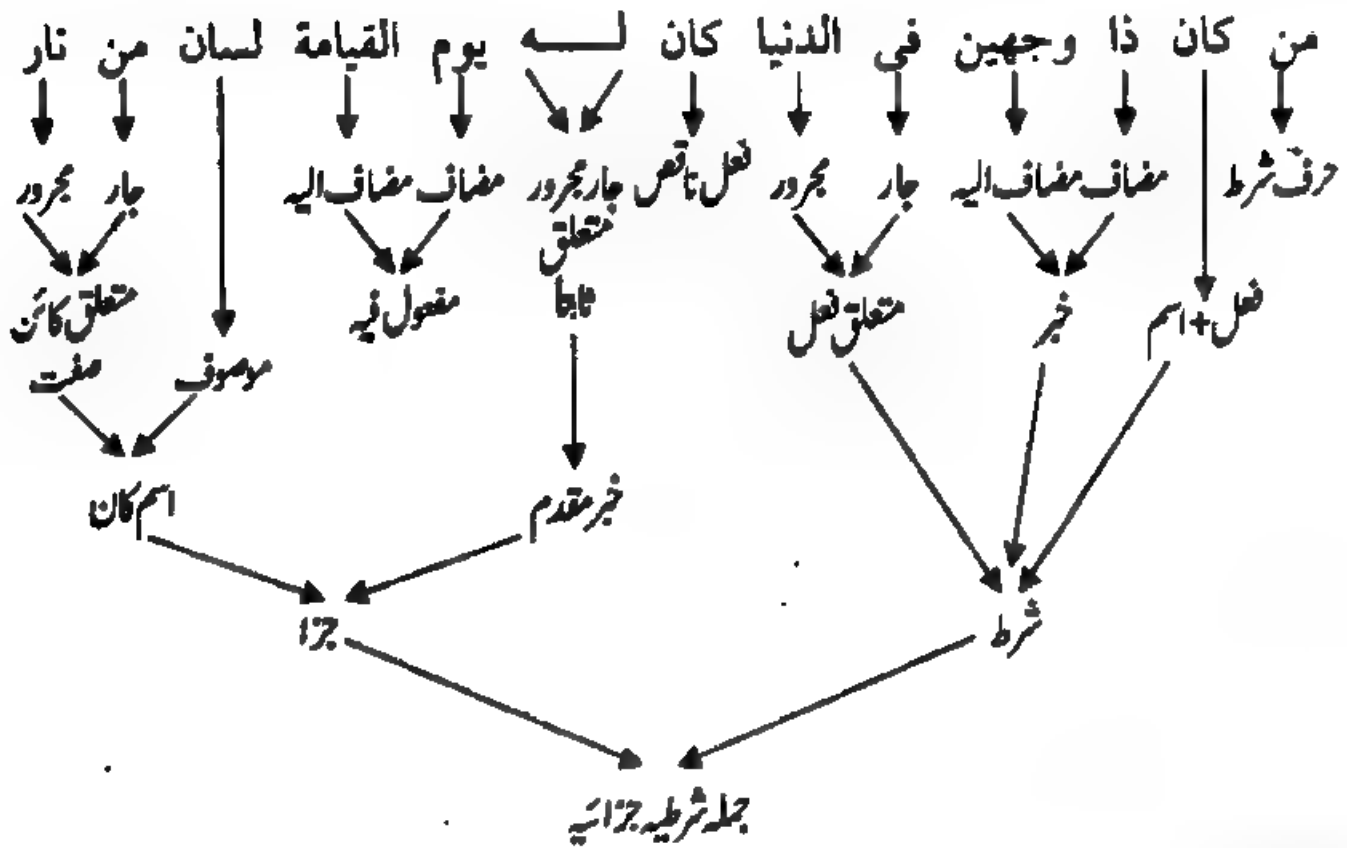
تشریح:

دو چہروں والا ہونا ایک محاورہ ہے اس سے مراد وہ شخص ہے جو دنیا میں دو غلے پن اور دو ہرے روئے کا حامل ہو۔ یعنی کسی ایک کے پاس جائے تو اور بات کرے اور دوسرے کے پاس آئے تو دوسری بات کرے۔ ذرا مزید وضاحت کے ساتھ کہیں تو دو چہروں والے شخص سے مراد منافق ہے کیونکہ منافق کے نفاق کی بنیاد ہی اس بات پر ہے کہ وہ لوگوں کے ساتھ دو ہرارو یہ اپناتا ہے۔ مسلمانوں کے پاس آکر اسلام کی باتیں اور بڑائی چکنی چپڑی گفتگو کرے گا اور ایسا دکھائے گا جیسے انتہائی مخلص مسلمان ہے اور کافروں کے پاس جا کر ان کی سی باتیں کرے گا۔ چنانچہ ایک چہرہ اس کا اسلام والا ہے اور دوسرا کفر والا۔ ایسے شخص کے لیے یہ وعید ہے۔ کہ اسے قیامت کے دن یہ عذاب ہوگا کہ اس کے منہ میں زبان گوشت کی نہیں آگ کی ہوگی۔

ترکیب:

من حرف شرط کان فعل ناقص ضمیر اس کا اسم ذامضاف وجہین مضاف الیہ فی الدنیا جار مجرور متعلق فعل کے۔ کان فعل ناقص اپنے اسم اور خبر سے ملکر شرط کان فعل ناقص لہ جار مجرور متعلق بابا خبر محذوف کے یوم مضاف القیامتہ مضاف الیہ، مضاف الیہ ملکر مفعول فیہ ہوا فعل کے لیے لسان موصوف من جار ناز مجرور جار مجرور متعلق کائن مفعول محذوف کے موصوف مفعول سے ملکر اسم۔ فعل ناقص اپنے اسم اور خبر سے ملکر جزا۔ شرط جزا سے ملکر جملہ شرطیہ جزا ایہ ہوا۔

نقشه ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) دارمی: حدیث ۶۵۰

۳۱۰ پردہ پوشی کا اجر

مَنْ رَأَى عَوْرَةَ فَسَتَرَهَا كَانَ كَمَنْ أَحْيَى مَوْتَةً

ترجمہ:

”جس نے کسی عیب کو دیکھا اور اسے چھپا لیا تو وہ ایسے ہی ہے جیسے اس نے زندہ درگور بچی کو زندہ کیا۔“

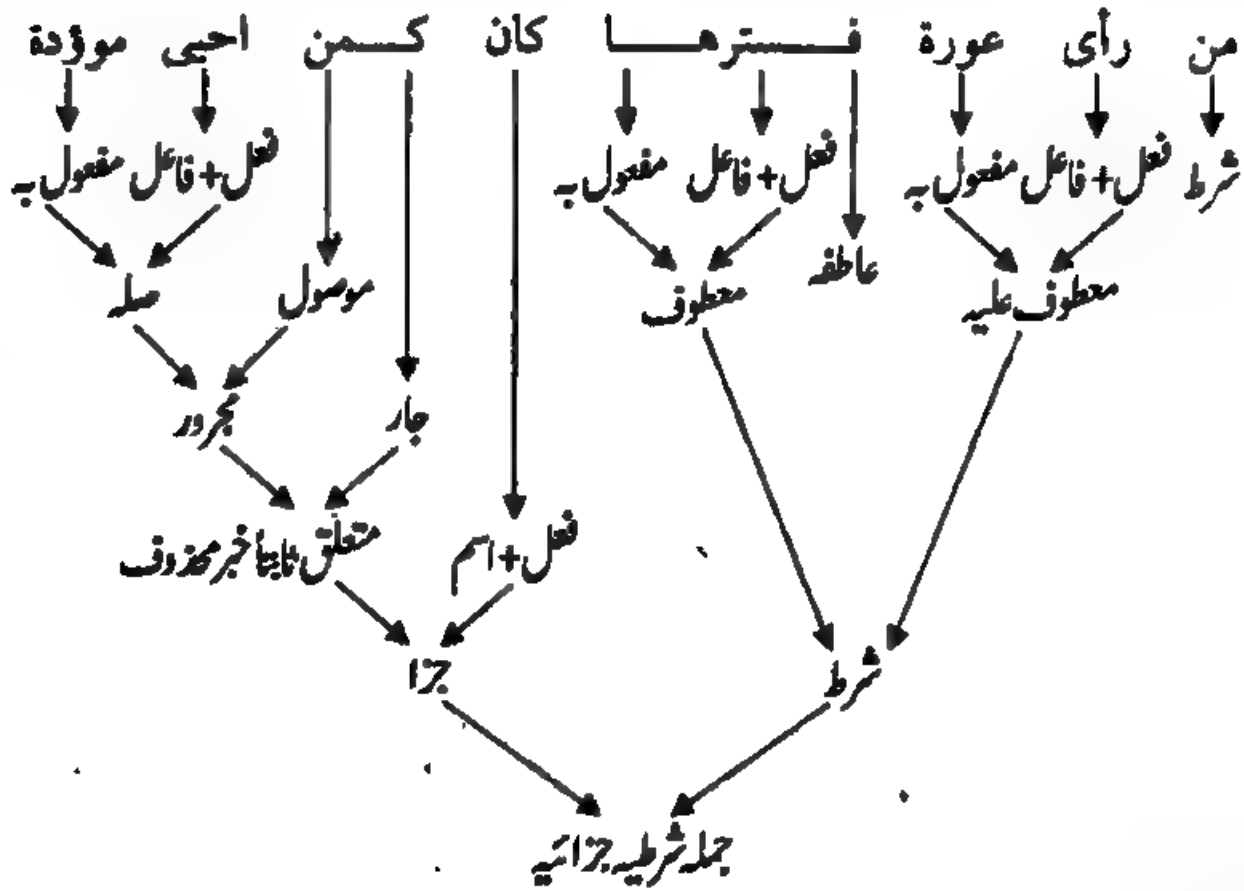
تشریح:

مَوْتَةً اس بچی کو کہتے ہیں جسے زمانہ جاہلیت میں زندہ دفن کر دیا جاتا تھا یہ کتنا سخت ظلم تھا۔ اس بچی کو بچانا کتنا عظیم الشان کام ہوگا؟ مذکورہ حدیث میں فرمایا کہ کسی مسلمان بھائی کے عیب کو دیکھ کر اسے چھپا لیا یہ اس سے بھی بڑا ثواب کا کام ہے۔ حدیث میں کسی کے عیب کو چھپانے کو مردہ زندہ کرنے سے تشبیہ دی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کسی آدمی کا کوئی عیب کسی کے سامنے آتا ہے تو وہ پچارہ شرمندگی سے دوچار ہوتا ہے اور چاہتا ہے کہ کاش اسے اس کام سے پہلے موت آ جاتی۔ ایسا آدمی نفسیاتی طور سے گویا مردہ ہی ہو جاتا ہے۔ اگر ایسے حالات میں دوسرا آدمی اس کے عیب پر پردہ ڈالے اور اسے نفسیاتی تسکین دے دے تو یہ ایسا ہی ہوگا جیسے اس آدمی کے معاشرتی کردار کو بحال کر دیا ہو۔ اور اسے نئی زندگی دیدی ہو۔

ترکیب:

مَنْ حرف شرط رَأَى فعل ضمیر اس کا فاعل عَوْرَةَ مفعول بہ۔ فَعَلَ فاعل اور مفعول بہ سے ملکر معطوف علیہ ف عاطفہ ستر فعل ضمیر اس کا فاعل هَا ضمیر مفعول بہ۔ فَعَلَ فاعل اور مفعول بہ سے ملکر معطوف، معطوف معطوف علیہ سے ملکر شرط كَانَ فعل ناقص ضمیر اس کا اسم كَ حرف جار مَنْ اسم موصول اِجَى فعل ضمیر اس کا فاعل مَوْتَةً مفعول بہ، فَعَلَ فاعل اور مفعول بہ سے ملکر صلہ موصول صلہ ملکر مجرور، جار مجرور ل کر متعلق ہوئے ثَابِتًا خبر محذوف کے کان اپنے اسم اور خبر سے ملکر جزاء، شرط اور جزاء ملکر جملہ شرطیہ جزاء یہ ہوا۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) ابوداؤد: حدیث نمبر ۴۸۹۳

۳۱) زبان کی حفاظت کا انعام

مَنْ خَزَنَ لِسَانَهُ سَتَرَ اللَّهُ عَوْرَتَهُ وَمَنْ كَفَّ غَضَبَهُ كَفَّ اللَّهُ عَنْهُ
عَذَابَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَنْ اعْتَذَرَ إِلَى اللَّهِ قَبْلَ اللَّهِ عُدْرَهُ۔

ترجمہ:

”جو آدمی اپنی زبان کی حفاظت کرتا ہے اللہ اس کے عیوب کو چھپائیں گے اور جو آدمی اپنے غضب و غصے کو روکتا ہے اللہ قیامت والے دن اس سے اپنے عذاب کو روکیں گے اور جو آدمی اللہ کے ہاں عذر پیش کرتا ہے اللہ اس کے عذر کو قبول فرماتے ہیں۔“

تشریح:

مذکورہ بالا حدیث کئی اہم ہدایات اور وعدوں پر مشتمل ہے۔ سب سے پہلی بات یہ فرمائی کہ جو آدمی اپنی زبان کی حفاظت کرتا ہے یعنی وہ اپنی زبان کو دوسرے لوگوں کی برائیاں اچھالنے، عیب ظاہر کرنے اور غیبت وغیرہ کرنے میں مشغول نہ کرے، تو اللہ رب العزت کا قانون فطرت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے عیوب اور برائیوں کو چھپاتے ہیں کیونکہ اس نے اپنے مسلمان بھائی کی برائی سے اپنی زبان کو بچایا ہے۔ اللہ دوسروں کی زبانوں سے اس کے کردار کو محفوظ فرمائیں گے۔

دوسری بات یہ ہے کہ جو آدمی اپنے غصے اور غضب کو قابو میں رکھے اور ناجائز مواقع پر غصہ استعمال نہ کرے اللہ رب العزت اس ادا کی برکت سے قیامت والے اس آدمی کو اپنے عذاب سے دور رکھیں گے۔

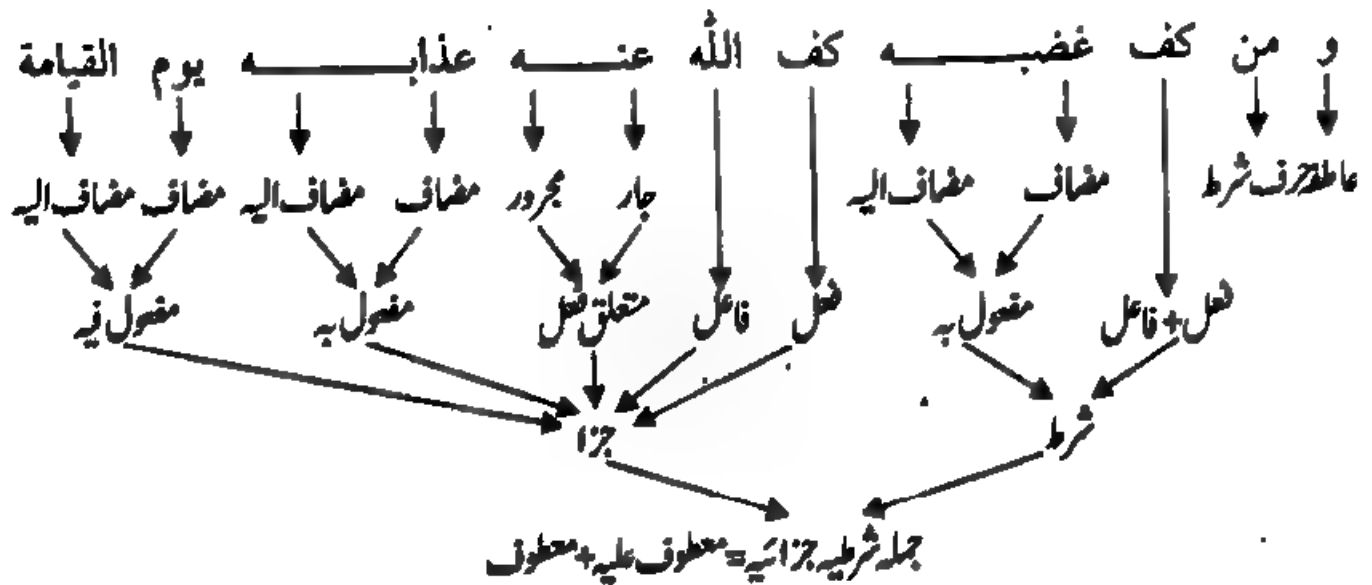
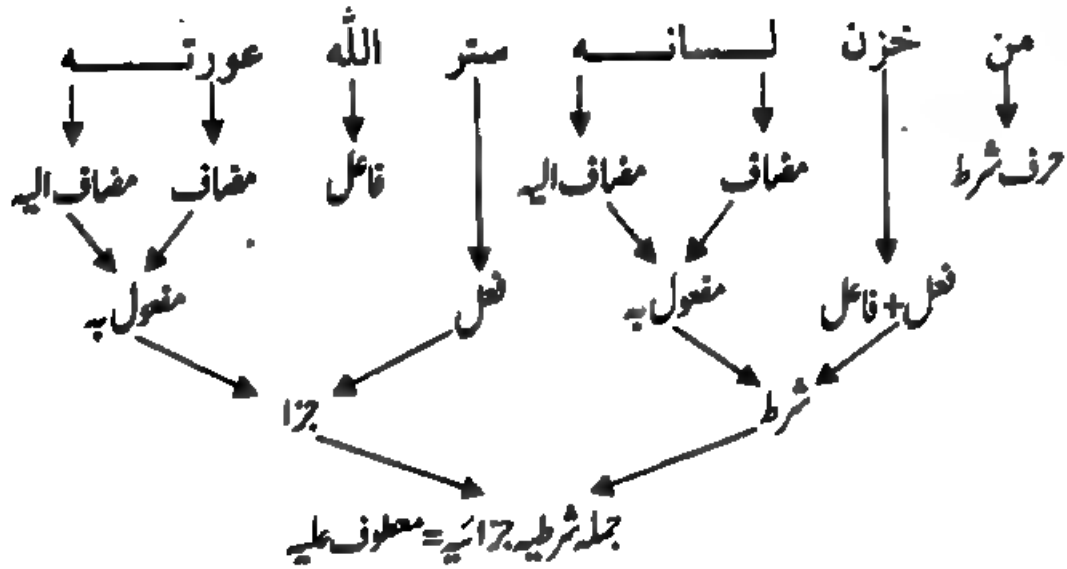
تیسری بات یہ فرمائی کہ جو آدمی گناہ ہونے کے بعد اس پر اصرار نہیں کرتا بلکہ فوراً ندامت سے سر جھکاتا ہے اور اللہ کے حضور گڑگڑا کر دعا مانگتا ہے اور اپنا عذر پیش کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی عاجزی اور ندامت کو پسند کرتے ہیں اور اس کے عذر کو قبول فرماتے ہوئے اس کے گناہ کو معاف فرمادیتے ہیں۔

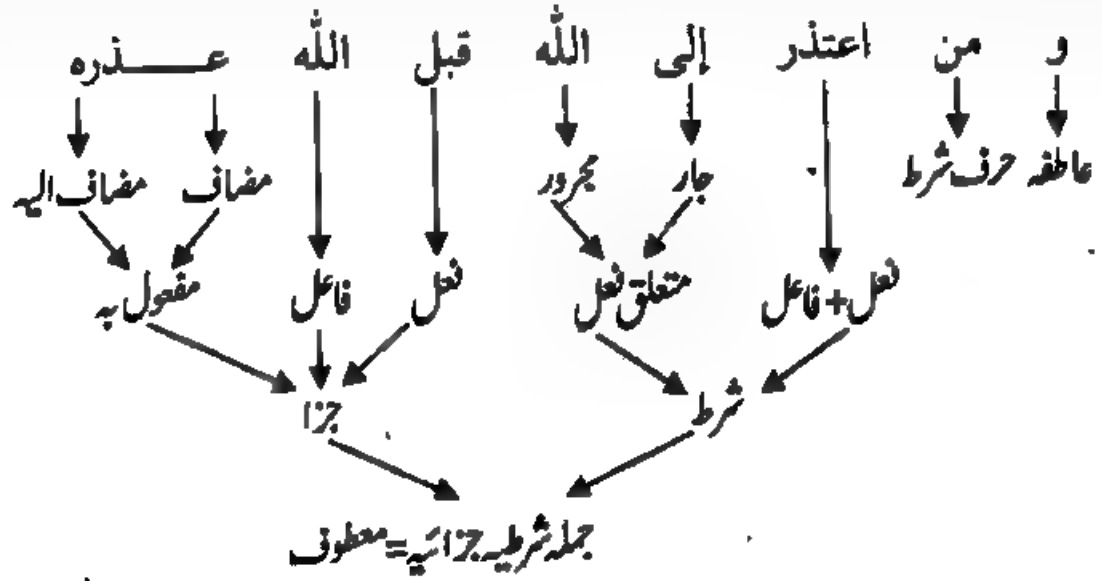
ت ترکیب:

من حرف شرط خزن فعل ضمیر اس کا فاعل لسانہ مضاف الیہ ملکر مفعول بہ۔ فعل فاعل اور مفعول بہ سے ملکر شرط ستر فعل لفظ اللہ فاعل عورتہ مضاف الیہ ملکر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے ملکر جزاء۔ شرط جزاء سے ملکر جملہ شرطیہ جزا یہ ہو کر معطوف علیہ و عاطفہ من اسم موصول کف فعل ضمیر اس کا فاعل غضبہ مضاف الیہ ملکر مفعول بہ، فعل فاعل اور مفعول بہ سے ملکر شرط کف فعل لفظ اللہ فاعل عنہ جار مجرور متعلق فعل کے عذابہ مضاف الیہ ملکر مفعول بہ یوم مضاف القیامۃ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ ملکر مفعول فیہ۔ فعل فاعل مفعول اور متعلق سے ملکر جزاء۔ شرط جزاء سے ملکر جملہ شرطیہ

جزائیہ ہو کر معطوف علیہ / معطوف و عاطفہ من اسم موصول اعتذر فعل ضمیر اس کا قائل الی اللہ جار مجرور متعلق فعل کے۔ فعل فاعل اور متعلق سے ملکر شرط۔ قبل فعل لفظ اللہ فاعل عذرہ مضاف مضاف الیہ ملکر مفعول بہ، فعل فاعل اور مفعول بہ سے ملکر جزاء۔ شرط جزاء سے ملکر جملہ شرطیہ جزائیہ ہو کر معطوف تمام معطوفات ملکر جملہ معطوفہ ہوا۔

نقشہ ترکیب:





معطوف علیہ + معطوف = جملہ معطوفہ

تخریج حدیث:

(۱) شعب الایمان بیہقی، حدیث نمبر ۸۳۱۱

۳۴ کتمانِ علم پر سخت وعید

مَنْ سُئِلَ عَنْ عِلْمٍ عَلِمَهُ ثُمَّ كَتَمَهُ الْجَمَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَلْجَأُ مِنْ نَارٍ

ترجمہ:

”جس شخص سے کسی ایسی علم کی بات کے بارے میں پوچھا گیا جو اسے معلوم تھی پھر اس نے اس کو چھپا لیا تو اس شخص کو قیامت والے دن آگ کی لگام چڑھائی جائے گی۔“

تشریح:

اس حدیث میں ایسے شخص کے لیے بڑی سخت وعید ہے جو علم کی بات معلوم ہونے کے باوجود اور پوچھے جانے اور ضرورت ہونے کے باوجود دوسروں کو نہ بتائے اور اسے کسی وجہ سے چھپا جائے۔ یہاں علم سے مراد دین کی ضروری نوعیت کی چیزیں ہیں یا کوئی بھی وہ بات ہے جس کے بارے میں کسی عالم سے کسی سائل نے جواب پوچھا اگر اس عالم کو سوال کا جواب معلوم ہو اور سائل کو نہ بتانے میں کوئی معقول وجہ بھی نہ ہو اور اس شخص کے علاوہ کوئی دوسرا عالم بھی اس کو مسئلہ بتانے والا میسر نہ ہو، تو ایسی صورت میں یہ عالم نہایت سخت وعید کا مستحق ہے کیونکہ اس نے دین کی ایک بات کو پھیلانے اور اس کا تقاضا ہونے کے باوجود چھپایا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دین کے امور میں اور تعلیم و تعلم اور کسی کو علمی بات بتانے میں بخل سے کام نہیں لینا چاہیے کیونکہ علم ایک مقدس امانت اور خدا کی نعمت ہے۔ جس کی قدر اور حق یہ ہے کہ اسے دوسرے لوگوں تک بلا کسی لالچ کے پہنچایا جائے۔

ترکیب:

مَنْ حرف شرط سئل فعل مجہول ضمیر اس کا نائب فاعل عَنْ جارِ علم موصوف علمہ معطوف علیہ ثُمَّ حرف عطف کتَمَ معطوف، معطوف معطوف علیہ مکرر صفت، موصوف صفت مکرر مجرور، جارِ مجرور متعلق فعل کے، فعل نائب فاعل اور متعلق سے مکرر شرط الْجَمَّ فعل مجہول ضمیر نائب فاعل یَوْمَ مضاف القیامۃ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مکرر مفعول بہ بِ جارِ لَجَأَ موصوف مَنْ جارِ نَارٍ مجرور، جارِ مجرور متعلق کَانَ صفت مجرور کے، موصوف صفت مل کر مجرور، جارِ مجرور متعلق فعل کے، فعل نائب فاعل اور متعلق سے مل کر جزاء، شرط جزاء سے مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ ہوا۔

۴ بدعتی کی تعظیم

مَنْ وَقَرَّ صَاحِبَ بِدْعَةٍ فَقَدْ آعَانَ عَلَى هَذِمِ الْإِسْلَامِ

ترجمہ:

”جس نے کسی بدعتی کی تعظیم کی تو اس نے اسلام کے گرانے پر مدد کی۔“

تشریح:

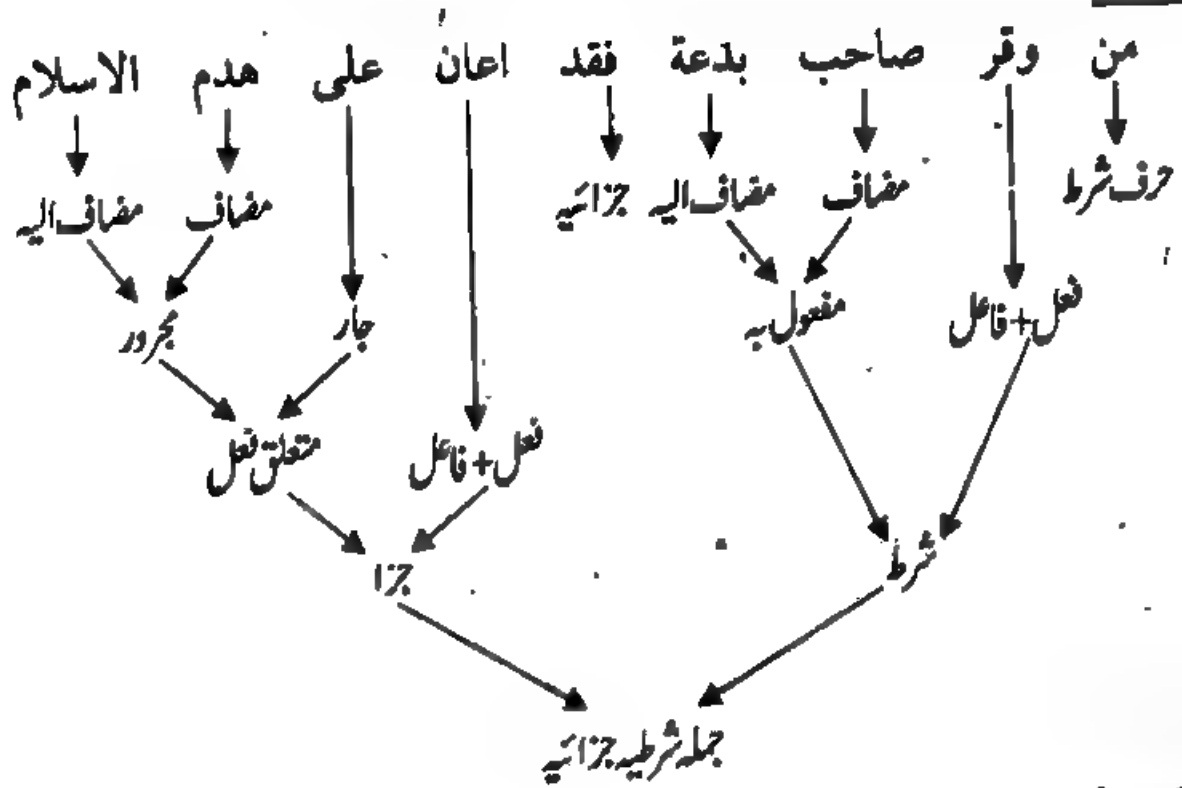
دین اسلام خدا کا وہ آخری پیغام اور نصاب ہدایت ہے جو قیامت تک کے لیے مفید، کارگر اور باقی رہے گا۔ اور اسلام ان تعلیمات کا مجموعہ ہے جو نبی آخر الزمان، سرور کون و مکان، سز دلبران، حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی میں مکمل کر کے چھوڑیں اور امت کو آپ یہ ہدایت دے گئے۔ یہ دین کامل و مکمل ہے اب اس میں کسی کی بیشی کا نام تحریف کی کوشش ہے جو دین میں جائز نہیں ایسی کوئی سی بھی سرگرمی جو دین کی حالت اور اس کی ہیئت کو ہکا بکا کرے، چاہے اس میں کسی کے نام پر یا خوشنما اضافے کے عنوان سے ہو ایسی سرگرمی قطعاً قابل قبول اور قابل سکوت نہیں۔ اسی لیے نبی اکرم رضی اللہ عنہ نے اپنے ارشادات میں بدعت کی مخالفت کی اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے عملاً اس کو کر کے دکھایا۔

مذکورہ حدیث میں یہ فرمایا گیا ہے کہ صاحب بدعت کے ساتھ دین میں وہ روئے نہیں رکھا جائے گا جو صاحب سنت کے ساتھ ہوگا بلکہ اس کے ساتھ تحقیر آمیز معاملہ ہوگا تا کہ وہ ہار آئے اور دوسرے لوگ نصیحت پکڑیں۔ اور لوگوں کے دلوں میں بدعتی اور بدعت کی شاعت بیٹھے۔

ترکیب:

من حرف شرط و قو فعل ضمیر اس کا فاعل صاحب مضاف بدعة مضاف الیه، مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول بہ، فعل فاعل اور مفعول بہ سے مل کر شرط، ف جزائیہ قد اعان فعل ضمیر فاعل علی جار هدم مضاف الاسلام مضاف الیه، مضاف مضاف الیہ سے مل کر مجرور، جار مجرور سے مل کر متعلق فعل کے فعل فاعل اور متعلق سے مل کر جزاء، شرط جزاء سے مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ ہوا۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) شعب الایمان بیہقی، حدیث نمبر ۹۴۶۴

۴۳ بغیر علم کے فتویٰ دینے کا گناہ

مَنْ أَفْتَى بِغَيْرِ عِلْمٍ كَانَ إِثْمُهُ عَلَى مَنْ أَفْتَاهُ

ترجمہ:

”جس کو بغیر علم کے فتویٰ دیا گیا تو اس فتوے کا گناہ اس پر ہے جس نے فتویٰ دیا ہو۔“

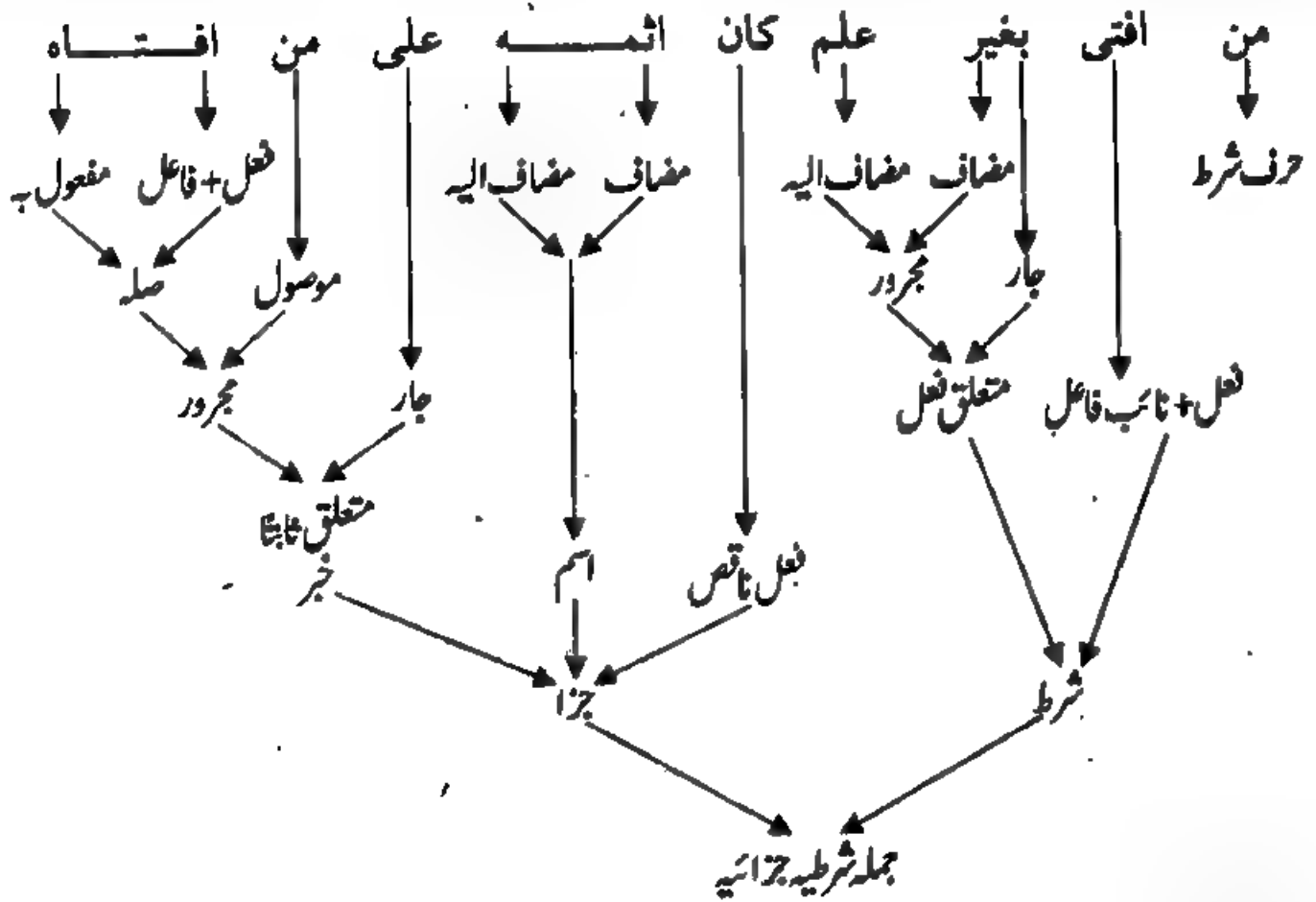
تشریح:

کسی دینی اور شرعی مسئلے میں خواہ وہ کسی بھی شعبے سے متعلق ہو جب ایک عام آدمی کسی عالم سے پوچھے اور وہ عالم یا مفتی اس کا جواب دینے میں تحقیق اور غور و خوض سے کام نہ لے بلکہ اٹکل سے فتویٰ دے تو ایسے فتوے کا گناہ مفتی پر ہوگا۔ یعنی اس غلط فتوے کے نتیجے میں جتنا گناہ کا کام ہوگا اس میں یہ مفتی اور عالم بھی شریک ہوگا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دینی مسئلہ بتانا یا دوسرے لفظوں میں فتویٰ دینا انتہائی ذمہ داری کا اور نازک کام ہے اور جب تک کسی مسئلے میں مقدور بھر تحقیق و تلاش نہ ہو جائے تب تک اس کا جواب دینا درست نہیں۔ اگر فی الفور جواب نہ آتا ہو تو بلا تکلف کہہ دیا جائے کہ مجھے نہیں معلوم۔ آج کل مصیبت یہ ہے کہ ادل تو لوگوں کی مفتیوں اور علماء سے یہ توقع ہوتی ہے کہ وہ فوراً فوراً مشین کی طرح جواب دیں، دوسرے عام طور سے غیر محتاط علماء یہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم یہ کہیں گے کہ ہمیں معلوم نہیں تو اس میں ہماری توہین اور بے عزتی ہوگی اس لیے وہ کچھ نہ کچھ جواب دینا لازمی سمجھتے ہوئے کچھ نہ کچھ غلط سلسلہ جواب داغ دیتے ہیں حالانکہ بڑے بڑے ائمہ سے منقول ہے کہ انہوں نے بے شمار مسائل میں یہ فرمایا ہمیں اس کا جواب معلوم نہیں۔

ترکیب:

من حرف شرط افتری فعل مجہول ضمیر نائب فاعل ب جار غیر مضاف علم مضاف الیہ مضاف الیہ مل کر مجرور جار مجرور متعلق فعل کے فعل نائب فاعل اور متعلق سے مل کر شرط کان فعل ناقص اثمہ مضاف، مضاف الیہ سے مل کر اسم علی جار من موصول افتری فعل ضمیر فاعل ضمیر مفعول بہ فعل فاعل اور مفعول بہ سے مل کر موصول صلہ سے مل کر مجرور جار مجرور سے مل کر متعلق ملجا خبر محذوف کے کان اسم خبر سے مل کر جزا، شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ جزا ایہ ہوا۔

نقشہ ترکیب:

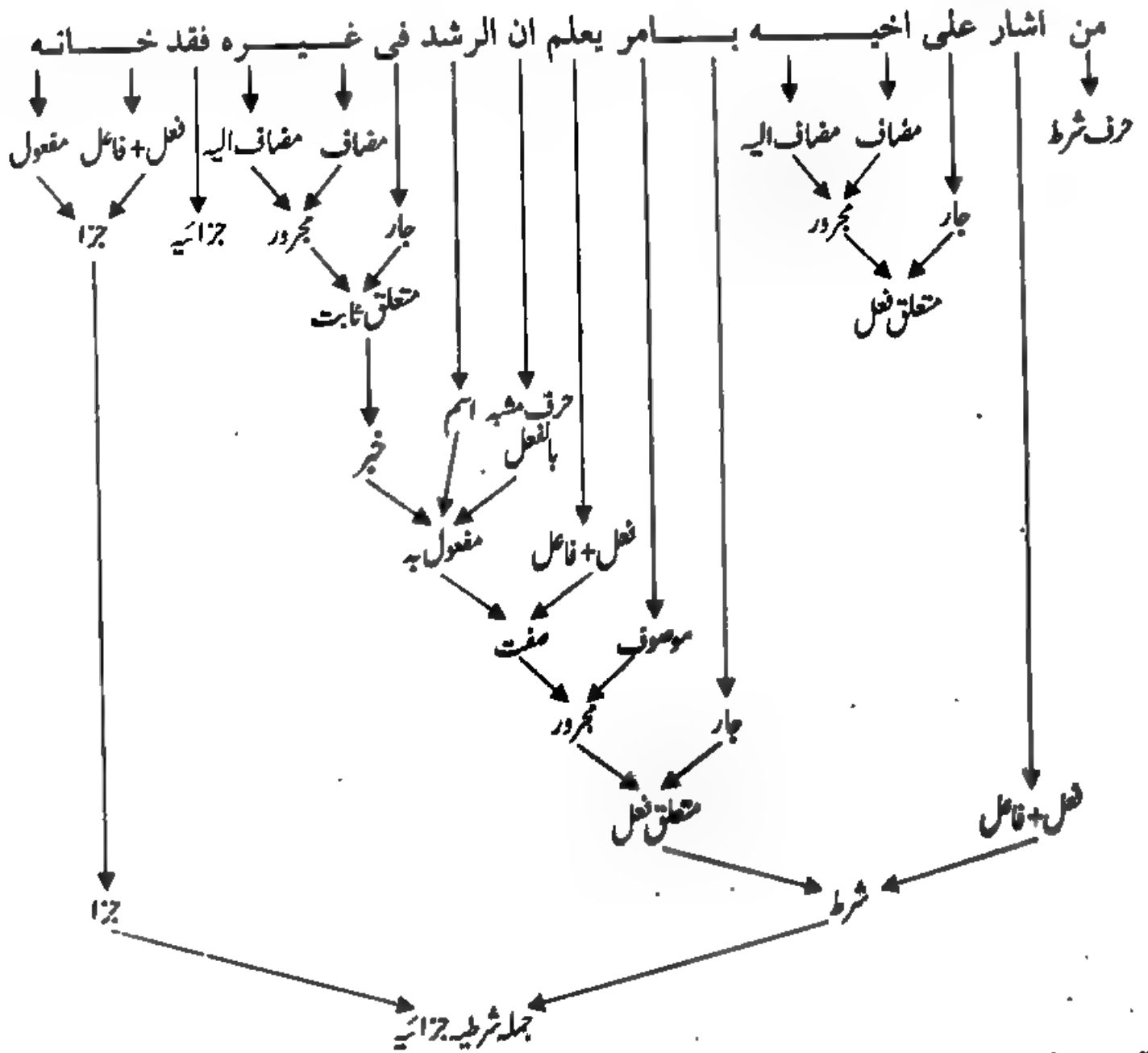


تخریج حدیث:

(۱) ابو داؤد، حدیث نمبر ۳۶۵۷، باب التوقی فی الفتیا

وَعَاظَهُ مَنْ حَرْفُ شَرْطٍ اِشَارَ فِعْلٍ ضَمِيرِ اس کا فاعل عَلِيّ جَارِ اَخِيهِ مَجْرُور، جَارِ مَجْرُورٍ مُتَعَلِّقٌ هُوَ اِفْعَالِ كے بآ جَارِ اَمْرِ مَوْصُوفٍ يَعْلَمُ فِعْلٍ ضَمِيرِ اس کا فاعل اَنْ حَرْفُ مِثْبَہِ بِالْفِعْلِ الرَّشْدِ اِسْمُ فِی جَارِ غَیْرَہِ مَجْرُور، جَارِ مَجْرُورٍ مُتَعَلِّقٌ هُوَ اِکْثَرُ خَبَرٍ مَحْذُوفٍ کے۔ اَنْ حَرْفِ مِثْبَہِ بِالْفِعْلِ اِسْمُ وَخَبَرٍ سَلِّ کَر جملہ اِسْمِیہ خَبَرِیہ ہو کر مَفْعُولِ بہ ہوا يَعْلَمُ فِعْلٍ کا۔ فِعْلٍ اپنے فاعل اور مَفْعُولِ سَلِّ کَر مَصْفُوتِ اَمْرِ مَوْصُوفِ کِی، مَوْصُوفِ مَصْفُوتِ سَلِّ کَر مَجْرُور، جَارِ مَجْرُورٍ مُتَعَلِّقٌ فِعْلٍ کے۔ فِعْلٍ فاعل اور مُتَعَلِّقَاتِ سَلِّ کَر شَرْطِ فَ جَزَائِیہ قَدْ حَرْفِ تَحْقِیقِ خَانَ فِعْلٍ ضَمِيرِ اس کا فاعل ہضمیر مفعول بہ، فِعْلٍ فاعل اور مفعول یہل کَر جَزَاء۔ شَرْطِ جَزَائِل کَر جملہ شَرْطِیہ جَزَائِیہ ہوا۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) ابو داؤد، حلیث نمبر ۳۶۵۹



۳۱ کھو کھلی نمائش کرنے والا آدمی جھوٹا ہے

وَمَنْ تَحَلَّى بِمَا لَمْ يُعْطَ كَانَ كَلَابِسِ ثَوْبِي زُورٍ

ترجمہ:

”جو آدمی ایسی چیز سے آراستہ ہو جو اس کے پاس نہیں ہے تو وہ ایسا ہی ہے جیسے جھوٹ کے دو کپڑے پہنے ہوئے ہو۔“

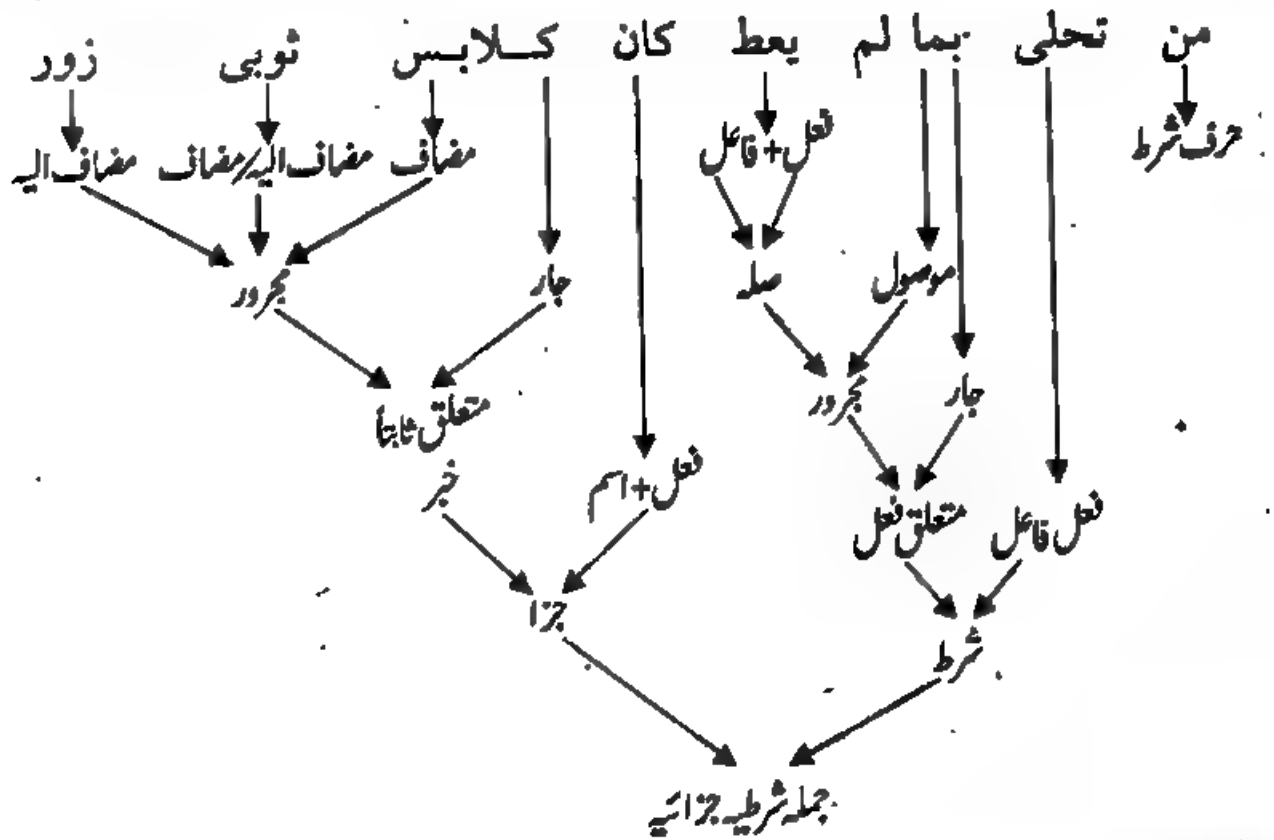
تشریح:

یہ حدیث ظاہری معنی کے لحاظ سے تو ایسے آدمی کی مذمت ہے جو آدمی اپنے آپ کو کچھ ثابت کرنے اور جتانے کے لیے اپنی ظاہری وضع قطع اور بود و باش ایسی بناتا ہے جو حقیقت میں اس کی حالت نہیں اور ایسا کرنے سے اس کا مقصود اللہ کی نعمت کا اظہار نہیں بلکہ صرف نمود و نمائش اور لوگوں کو دکھانا ہے تو ایسا شخص گویا یوں سمجھو کہ جھوٹ کے دو کپڑے بنا کر زیب تن کیے ہوئے ہے یعنی جب اس کی اصلی حالت اور صورت حال بہت کم تر ہے اور وہ فاخرانہ لباس پہن رہا ہے تو یہ جھوٹ ہی ہے اور کیا ہے؟ کیونکہ جھوٹ میں بھی ظاہری بات حقیقی حالت اور صورت کے مطابق نہیں ہوتی ایسے ہی یہاں بھی ہے۔ اس حدیث کا پس منظر یہ ہے کہ ایک عورت آپ کی خدمت میں آئی اور سوال کیا کہ اگر میں اپنی سوکن کو یہ کہوں کہ میرے خاوند نے مجھے فلاں چیز دی ہے حالانکہ دی نہ ہو تو کیا گناہ ہوگا؟ آپ نے فرمایا کہ ایسا کرنا درست نہیں۔ کیونکہ یہ دوہرا جھوٹ ہے ایک خاوند کی محبت کا اور دوسرا چیز دینے کا۔

ترکیب:

و حرف شرط تحلی فعل ضمیر فاعل با جار ما اسم موصول لم يعط فعل - فعل / فاعل سے مل کر صلہ موصول صلہ مل کر مجرور، جار مجرور متعلق فعل کے، فعل فاعل اور متعلق سے مل کر شرط کان فعل ناقص، ضمیر اس کا اسم ک حرف جر لا بس مضاف ثوبی مضاف الیہ مضاف زور مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور متعلق ثابا خبر محذوف کے کان فعل ناقص اسم و خبر سے مل کر جز ۱، شرط جز ۱ مل کر جملہ شرطیہ جز ۱ ایہ ہوا۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

- (۱) ترمذی، حدیث نمبر ۲۰۳۴، باب ما جاء فی المتشیع بما لم يعط
 (۲) ابو داؤد، حدیث نمبر ۴۹۹۹، باب فی من یتشیع بما لم يعط

۱۵ بدعت ناقابل قبول ہے

مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ

ترجمہ:

”جس شخص نے ہمارے اس معاملے (دین) میں کوئی ایسی نئی بات نکالی جو اس میں نہیں ہے تو وہ بات مردود ہے۔“

تشریح:

دین اسلام مکمل اور کامل ہے جس میں کسی اضافے کی گنجائش نہیں ہے اب اگر کوئی آدمی یہ چاہے کہ وہ اس میں ایسی بات کرے جو اس کا حصہ نہیں ہے تو یہ بات قابل قبول نہیں۔ ایسی بات کو بدعت کہتے ہیں۔

بدعت کی اصطلاحی تعریف یہ ہے:

”بدعت ان چیزوں کو کہتے ہیں جن کی اصل شریعت (یعنی قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس) سے ثابت نہ ہو، اس کا وجود رسول اللہ ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رضی اللہ عنہم کے زمانے میں نہ ہوا اور اسے دین کا کام سمجھ کر کیا جائے یا چھوڑا جائے۔“

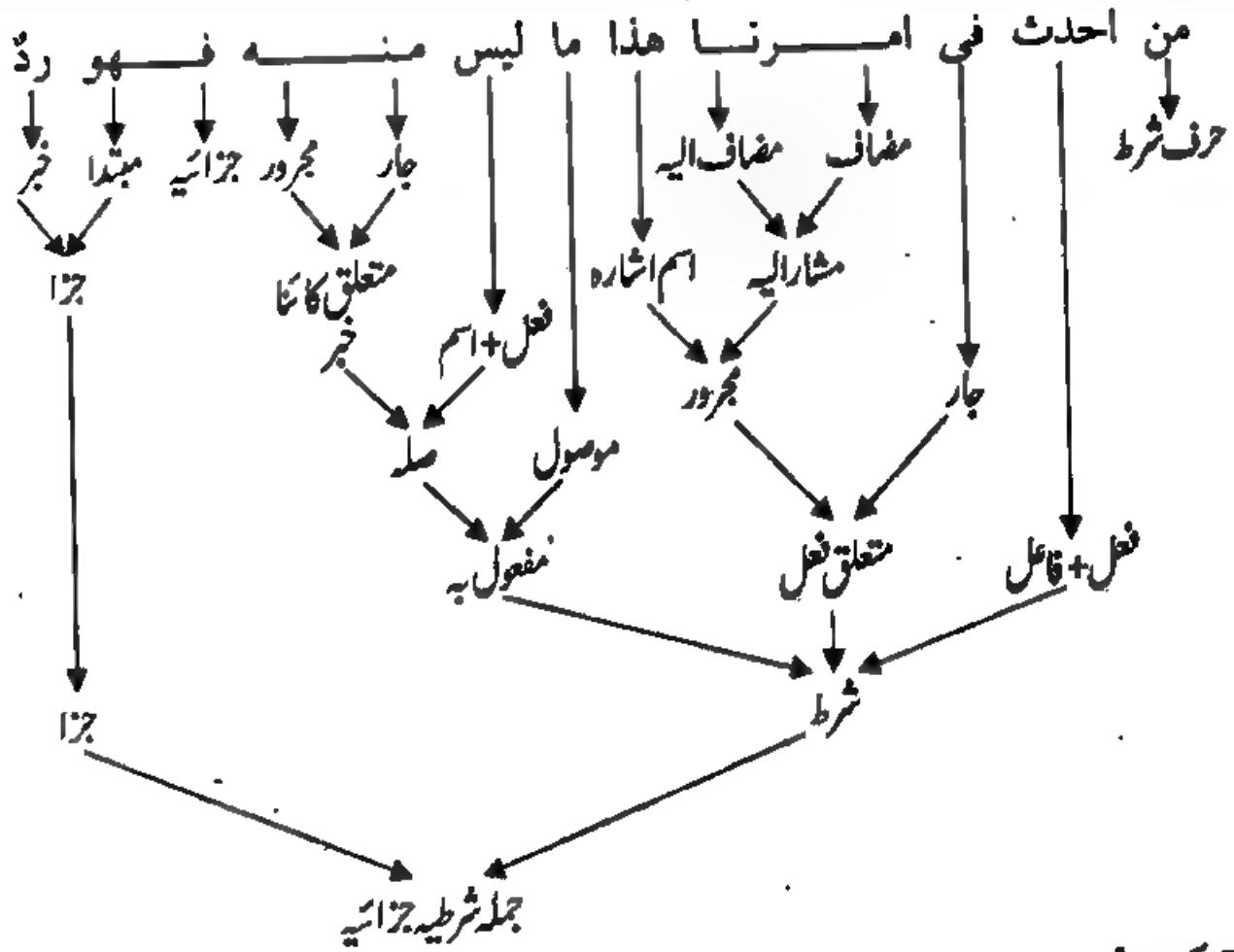
شریعت میں بدعت کی بہت مذمت آئی ہے۔ اسے گمراہی کہا گیا ہے اور ایک روایت میں آتا ہے کہ بدعت کی نحوست یہ ہے کہ کسی قوم میں جب کوئی بدعت رواج پاتی ہے تو اس کے مقابلے میں ایک سنت اٹھالی جاتی ہے۔ اور بدعتی کے بارے میں یہ ہے کہ اسے اپنے گناہ سے توبہ کی توفیق ہی نہیں ہوتی کیونکہ وہ اسے عمر بھر دین کا کام سمجھ کر کرتا ہے۔

ہمیشہ اس بات کا اہتمام اور فکر ہونی چاہیے کہ ہمارا کوئی بھی کام سنت کی بجائے بدعت کے زمرے میں نہ چلا جائے۔ دل میں بدعت سے نفرت اور سنت کی محبت پیدا کرنے کے لیے مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی کا مطالعہ مفید ہے اور بدعت کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے حضرت مولانا غلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ کی کتاب ”براہین قاطعہ“ یا مولانا سرفراز خان صاحب صفدر بریلوی کی کتاب ”راہ سنت“ کا مطالعہ کیا جائے۔

ترکیب:

من حرف شرط احدث فعل ضمیر اس کا فاعل فی جار امرنا مضاف مضاف الیه مل کر مشار الیه مقدم ہذا اسم اشارہ، اشارہ مشار الیه مل کر مجرور، جار مجرور متعلق فعل کے، ما اسم موصول لیس فعل ناقص ضمیر اس کا اسم منہ جار مجرور متعلق کا خبر محذوف کے، لیس فعل ناقص اپنے اسم اور خبر سے مل کر صلہ موصول صلیل کر مفعول ہے۔ فعل فاعل مفعول بہ اور متعلق سے مل کر شرط جزائیہ ہو ضمیر مبتدئ خبر، مبتدئ خبر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر جزاء، شرط جزاؤ مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ ہوا۔

نقشه ترکیب:



تخریج حدیث:

- (۱) بخاری، حدیث نمبر ۲۶۹۷، باب اذا اصطلمحو اعلی صلح حور
 (۲) مسلم، حدیث نمبر ۴۵۹۹، باب نقضی الاحکام ورد المحدثات

۴۸ جنت کی نبوی ضمانت

مَنْ يَضْمَنْ لِي مَا بَيْنَ لِحْيَيْهِ وَفَخَذَيْهِ أَضْمَنْ لَهُ الْجَنَّةَ

ترجمہ:

”جو آدمی مجھے اپنے ان اعضاء کی ضمانت دے دے جو اس کے جڑوں اور رالوں کے درمیان ہے میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔“

تشریح:

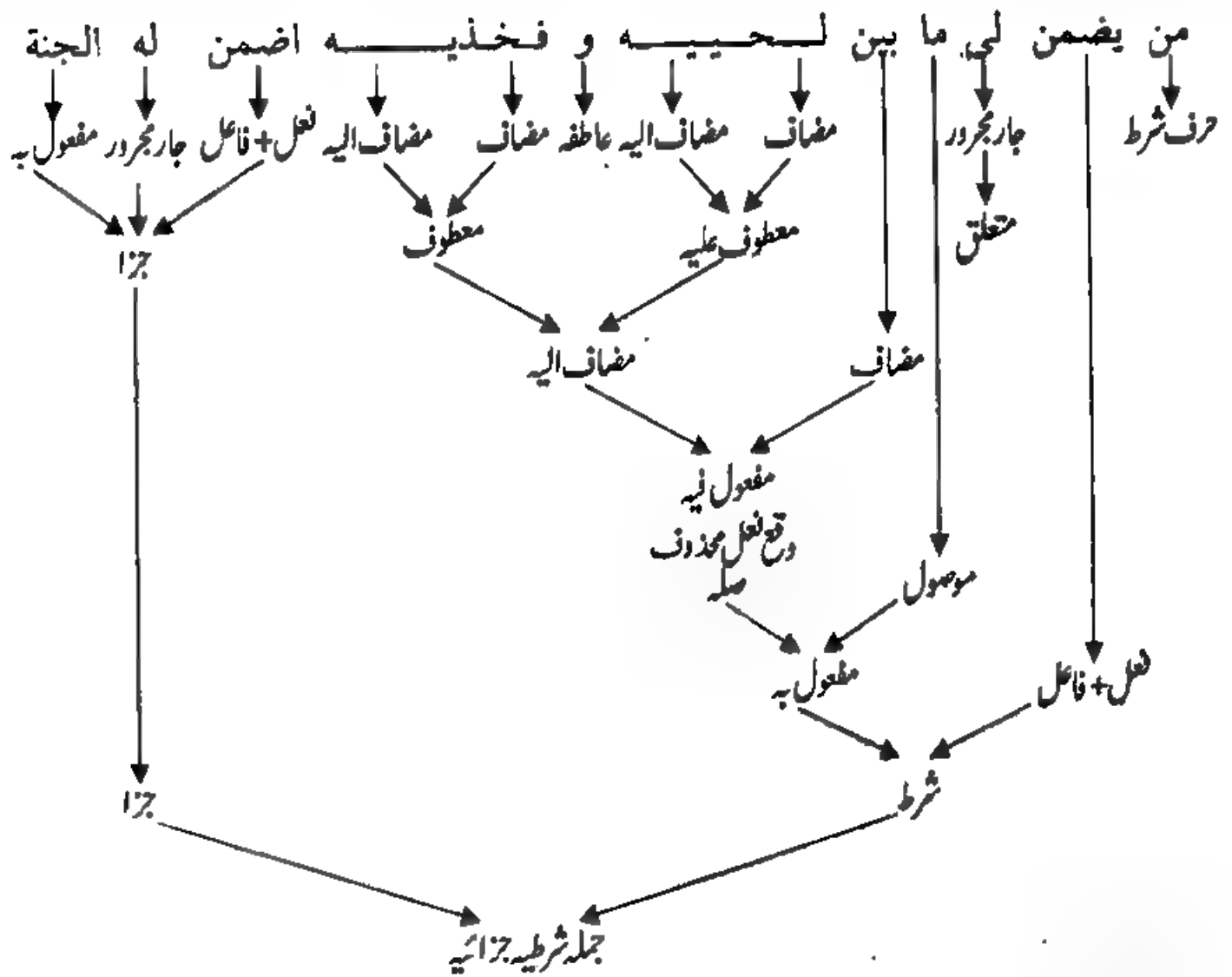
ضمانت سے مراد یہ ہے کہ جو آدمی اس بات کا پکا عہد کرے کہ میں اپنے جڑوں کے درمیان کی چیز یعنی اپنی زبان کو غلط اور حکم خداوندی کے خلاف استعمال نہیں کروں گا اور اس بات کا بھی عہد کرے کہ میں اپنی رالوں کے درمیان کے عضو یعنی اپنی شرمگاہ کو بھی غلط اور ناجائز طریقے سے استعمال نہیں کروں گا، تو ایسے شخص کے لیے رسول خدا ﷺ نے جنت کی ضمانت دی ہے۔ کیونکہ عام طور سے آدمی زبان سے اکثر گناہ کی باتیں مثلاً غیبت، بہتان طرازی، دل آزاری اور اپنی شرمگاہ کے تقاضے کی بنیاد پر بہت سے غلط امور کا ارتکاب کرتا ہے مثلاً بد نظری، شہوت انگیز خیالات وغیرہ۔

مذکورہ حدیث میں عام عادت اور اصول بتایا ہے کہ جو آدمی ان دو چیزوں کی حفاظت کرے گا وہ باقی برائیوں سے بھی بچے گا، البتہ ایسا ہونا بھی ممکن ہے کہ ایک آدمی ان دو باتوں سے تو اجتناب کرے اور باقی گناہوں میں مبتلا ہو ظاہر ہے ایسا شخص مذکورہ وعدے کا مستحق نہیں۔

ترکیب:

مَنْ حرف شرط یضمن فعل ضمیر اس کا فاعل لی جار مجرور متعلق فعل مَا اسم موصول بین مضاف لِحْيَيْهِ مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف علیہ و ما ظفہ فخلنیہ مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف معطوف علیہ مل کر مضاف الیہ مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول فیہ ہوا، فعل محذوف وقع کا، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر صلہ موصول صلہ سے مل کر مفعول بہ فعل فاعل اور مفعول بہ سے مل کر شرط اضمَنْ فعل ضمیر اس کا فاعل لہ جار مجرور متعلق فعل الْجَنَّة مفعول بہ فعل فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جزا، شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ ہوا۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) بخاری، حدیث نمبر ۶۱۰۹، باب حفظ اللسان، کتاب الرفاق

نوٹ: زاد المعاد کے مطبوعہ نسخے میں حدیث کے الفاظ میں فحذ یہ کا لفظ ہے لیکن اس ترتیب سے یہ روایت نہ مشکوٰۃ میں ہے اور نہ بخاری میں کتب حدیث میں نہیں، البتہ ایک دوسری روایت یہ ہے:

من حفظ ما بین فقیہہ و فحذیہ الخ

جو کہ معنی یہی ہے۔ بہر حال اس حدیث کو بخاری کی طرف یوں منسوب کرنا تسامح ہوگا۔ واللہ اعلم
البتہ متن میں ہم نے اس کو عینہ رکھا ہے۔ کیونکہ یہ متن کا تقاضا اور اصول ہے۔

۳۹) سنت پر عمل کا بے پناہ ثواب

مَنْ تَمَسَّكَ بِسُنَّتِيْ عِنْدَ فَسَادِ أُمَّتِيْ فَلَهُ أَجْرُ مِائَةِ شَهِيدٍ

ترجمہ:

”جس شخص نے میری امت کے فساد اور بگاڑ کے وقت میری سنت کو مضبوطی سے تھاما، اسے سو شہیدوں کا ثواب ملے گا۔“

تشریح:

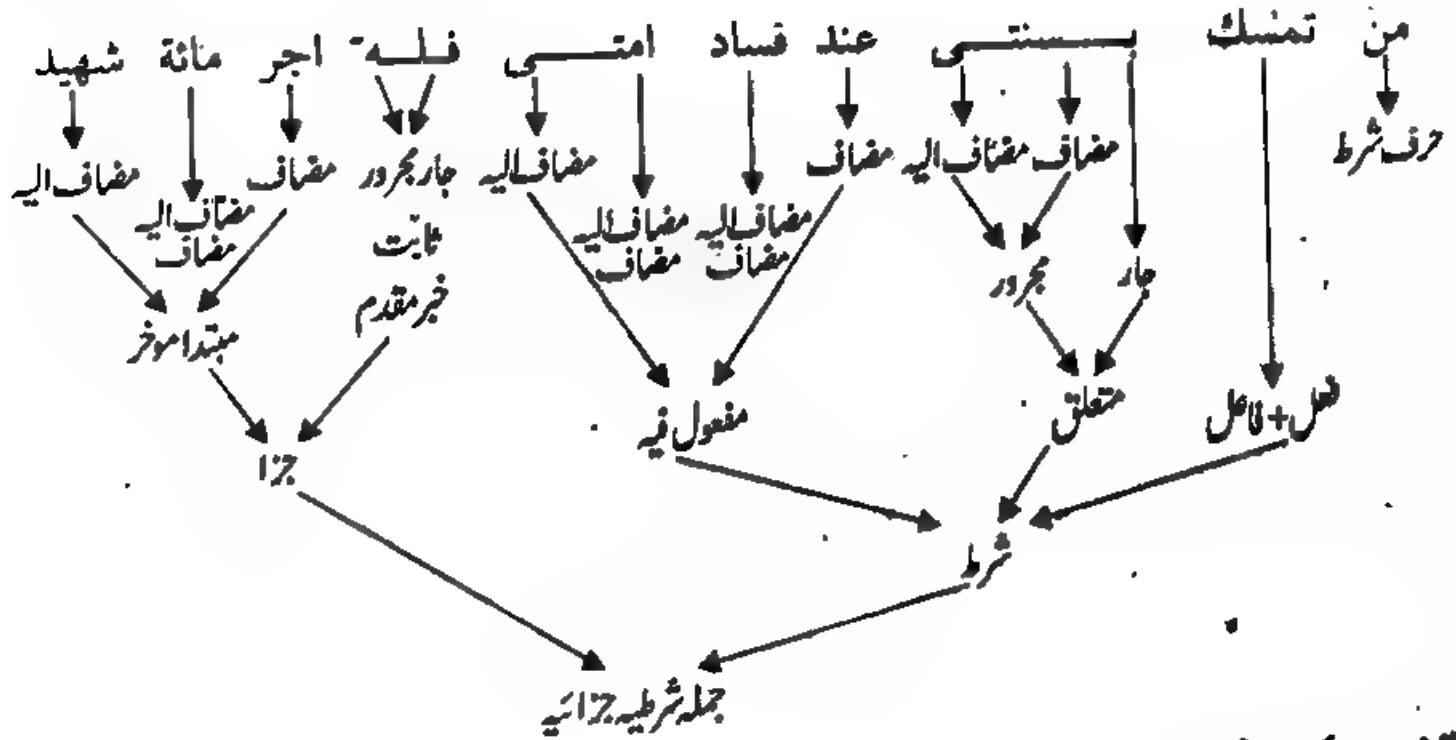
دین نام ہے ”جميع ما جاء به النبي“ کا یعنی نبی ﷺ کے لائے ہوئے تمام احکامات کا نام دین ہے چنانچہ جب تک آپ کا لایا ہوا طریقہ اور طرز عمل محفوظ ہے تب تک دین محفوظ ہے آپ کے اس طریقے کو اصطلاح میں سنت کہتے ہیں۔ اس لحاظ سے دین میں سنت کا مقام اور اہمیت محتاج بیان نہیں۔ جب دین خدا کو محبوب ہے اور اس کی بقاء مطلوب ہے تو سنت کا وجود بھی اسی طرح محبوب اور مطلوب ہونا سامنے کی بات ہے۔ چنانچہ سنت پر عمل کرنا خدا کی رحمت و برکت، نظر و عنایت اور محبت کا موجب ہے۔ خاص طور سے ایسے حالات میں جبکہ ہر طرف دینی بگاڑ ہو، سنتوں پر عمل ختم ہو رہا ہو، لوگوں کی زندگیوں سے سنت کے عملی پہلو ختم ہو رہے ہوں اور اس سے بڑھ کر یہ کہ سنت پر چلنے والے کو طعنے دیئے جاتے ہوں ایسے حالات میں یقیناً سنت پر عمل بہت ضروری ہوگا اور ایسے حالات میں سنت پر عمل کرنے والے کو جتنا بھی اجر دیا جائے کم ہے۔ اسی لیے مذکورہ حدیث میں اس پر سو شہیدوں کے اجر کا وعدہ کیا گیا ہے کیونکہ جیسے شہید اپنی جان پر کھیل کر دین کی بقاء اور سر بلندی کو یقینی بناتا ہے ایسے ہی ایسے حالات میں یہ عامل بالسنت اپنی عزت نفس کو روزانہ ختم کر داتا اور اپنوں، پرائیوں کے طعنے سنتا ہے اور اس بیچارے کے لیے یہ ہر روز کا کام ہے۔ یہ گویا دین کے لیے ہر روز مرتا اور جیتا ہے۔

ع ہمیں کیا برا تھا مرنا اگر ایک بار ہوتا

ترکیب:

من حرف شرط تمسك فعل ضمیر فاعل ب جار مستی مضاف، مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور متعلق فعل عند مضاف فساد مضاف الیہ، مضاف امتی مضاف الیہ مضاف مل کر مضاف، تمام مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول فیہ، فعل فاعل مفعول فیہ اور متعلق سے مل کر شرط، ف جزائیہ لہ جار مجرور متعلق ثابت محذوف خبر مقدم کے اجر مضاف مائة مضاف الیہ مضاف شہید مضاف الیہ تمام مضاف الیہ مل کر مبتداء خبر، مبتداء خبر سے مل کر جزاء شرط جزا سے مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ ہوا۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) مسلم، حدیث نمبر ۱۱۵، بمعناہ

۳۴) توحید و رسالت کا اقرار اور جہنم سے نجات

مَنْ شَهِدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ النَّارَ

ترجمہ:

”جو اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اللہ نے اس پر جہنم کو حرام قرار دیا ہے۔“

تشریح:

اس حدیث کا ظاہری مطلب یہ ہے کہ جو آدمی بھی مذکورہ بالا دونوں باتوں کا صدق دل سے اقرار کرے اور ان کی گواہی دے تو وہ جہنم میں نہیں جائے گا۔ چاہے باقی اعمال کرے یا نہ کرے، لیکن یہ ظاہری مفہوم معتبر نہیں کیونکہ نجات کامل کے لیے محض یہ کافی نہیں بلکہ نجات کے لیے کلمہ کا اقرار اور اس کے تمام تقاضوں پر عمل ضروری ہوگا۔

چنانچہ محدثین کا کہنا یہ ہے کہ مذکورہ بالا حدیث میں صرف کلمہ کہنا مقصود نہیں بلکہ اس کے تمام تقاضوں پر عمل ضروری ہے اور اگر صرف کلمے کا اقرار مراد ہے تو اس میں پھر یہ تاویل ہوگی کہ یہ حدیث یا تو اس وقت کے بارے میں تھی جب دیگر احکامات نازل نہیں ہوئے تھے یا پھر اس میں یہ مراد ہے کہ ایسا آدمی آخر کار ایمان کی بدولت جنت میں جائے گا۔ یا پھر مراد یہ ہے کہ ایسا آدمی جو صدق دل سے اقرار کرتا ہو ایسا ہونا ممکن نہیں کہ وہ اس کے تقاضوں پر عمل نہ کرے۔

ترکیب:

من حرف شرط، شہد فعل ضمیر اس کا فاعل ان مخلفہ من المخلفہ ضمیر مخدوف اسم لانی جنس الہ موصوف الا بمعنی غیر مضاف لفظ اللہ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر صفت، موصوف صفت مل کر اسم موجود خبر مخدوف لانی جنس اپنے اسم اور خبر سے مل کر خبر ہوا ”ان“ کا، ان اپنے اسم اور خبر سے مل کر معطوف علیہ و عاطفہ ان حرف مشبہ بالفعل محمد اسم رسول مضاف لفظ اللہ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر خبر، ان حرف مشبہ بالفعل اپنے اسم اور خبر مل کر معطوف، معطوف معطوف علیہ سے مل کر تاویل جملہ مفرد مفعول بہ ہوا فعل شہد کا۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر شرط حرم فعل لفظ اللہ فاعل علیہ جار مجرور متعلق فعل النار مفعول بہ، فعل فاعل اور مفعول سے مل کر جزا، شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ جزا یہ ہوا۔

۳۱) اپنے تمام جذبات میں اخلاص کی اہمیت

مَنْ أَحَبَّ لِلّٰهِ وَابْغَضَ لِلّٰهِ وَاعْطَىٰ لِلّٰهِ وَامْنَعَ لِلّٰهِ فَقَدْ اسْتَكْمَلَ الْإِيْمَانَ

ترجمہ:

”جو اللہ کے لیے محبت کرے اور اللہ کے لیے نفرت کرے اور اللہ کے لیے دے اور اللہ کے لیے روکے اس نے

ایمان کی تکمیل کر لی۔“

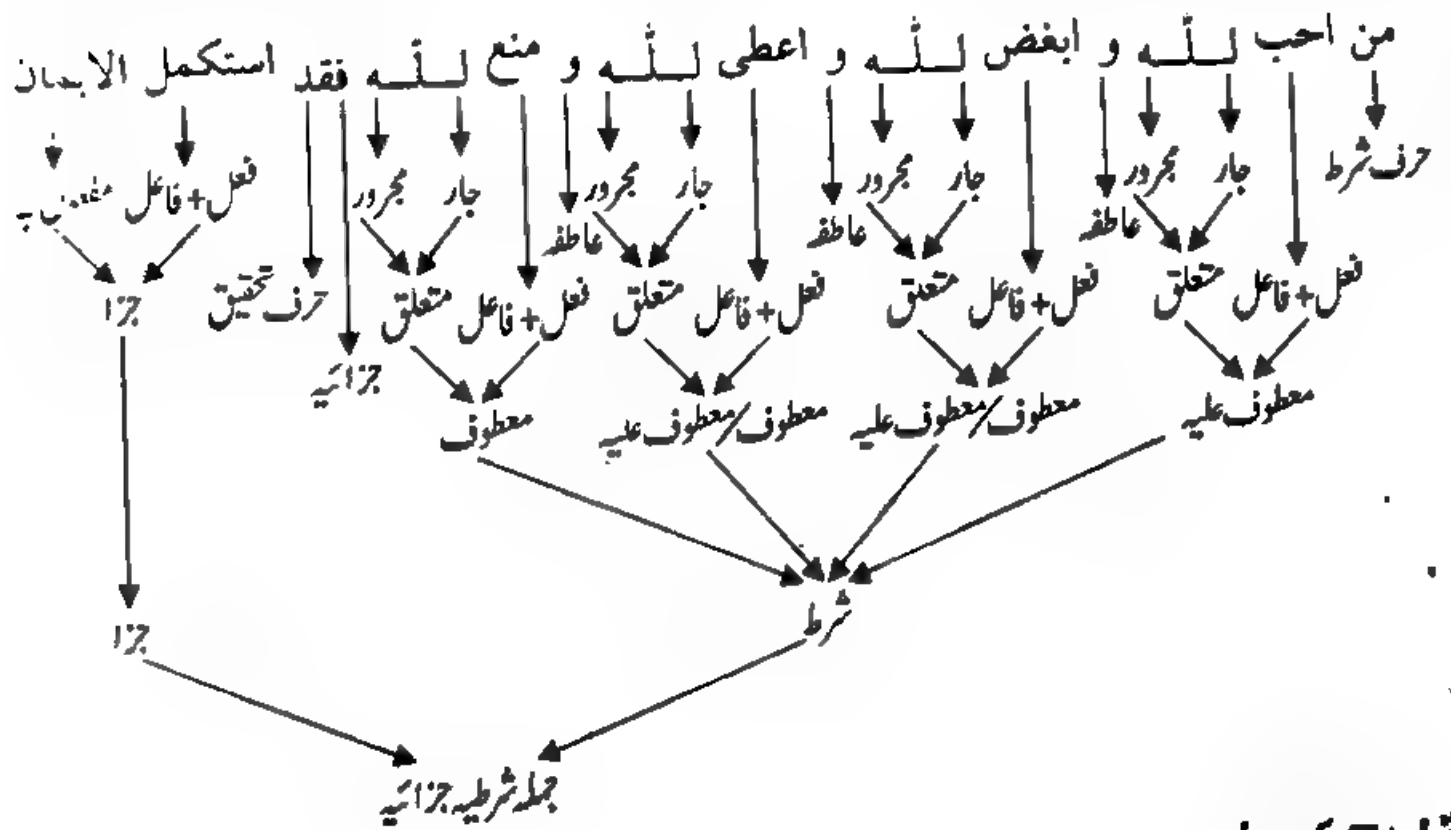
تشریح:

مذکورہ حدیث میں ایمان کی تکمیل اور کمال کا بیان اور اس کی علامت کا بیان ہے۔ علامت یہ ہے کہ انسان کے تمام کام اور اعمال حتیٰ کہ اندرونی جذبات و عواطف جو کہ عام حالات میں غیر اختیاری ہوتے ہیں وہ بھی رضاء خداوندی کے تابع ہو جائیں۔ چنانچہ اگر کسی سے محبت ہے تو کسی مادی سبب، نفع یا غرض یا نفس کی وجہ سے نہ ہو بلکہ محض خدا کی رضا کے لیے ہو۔ اسی طرح نفرت بھی خدا کی معیار پر ہو۔ اگر کسی کو دیا بھی جائے تو خدا کے لیے، روکا جائے تو خدا کے لیے۔ جب یہ حال ہو جائے کہ بندے کا ہر قدم ہی خدا کے لیے اٹھے تو بلاشبہ یہ ایمان و اخلاص کا اعلیٰ ترین درجہ ہوگا۔ کیونکہ یہ فانی اللہ اور بقا باللہ کا مرتبہ ہے۔ قرآن پاک میں نبی اکرم ﷺ کو یہ حکم دیا گیا ہے ”کہ کہہ دیجیے میری نماز، میری قربانی، میرا مرنہ، اور میرا جینا اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔“

ترکیب:

من حرف شرط احب فعل ضمیر فاعل لله جار مجرور متعلق فعل، فعل فاعل مل کر معطوف علیہ و عاطفہ ابغض فعل فاعل لله جار مجرور متعلق فعل، فعل فاعل اور متعلق مل کر معطوف معطوف علیہ و عاطفہ اعطى فعل ضمیر فاعل لله جار مجرور متعلق۔ فعل فاعل اور متعلق مل کر معطوف معطوف علیہ و عاطفہ منع فعل ضمیر فاعل لله جار مجرور متعلق فعل کے فعل فاعل اور متعلق مل کر معطوف، تمام معطوفات مل کر شرط جزائیہ استکمل فعل ضمیر اس کا فاعل الايمان مفعول بہ، فعل فاعل اور مفعول بہ مل کر جزا، شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ ہوا۔

نقشه ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) ابو داؤد، حدیث نمبر ۴۶۸۳، باب فی رد الارحام



۳۳) مقروض کو مہلت دینے کا اجر

مَنْ أَنْظَرَ مُعْسِرًا أَوْ وَضَعَ عَنْهُ أَظْلَهُ اللَّهُ فِي ظِلِّهِ

ترجمہ:

”جو تک دست مقروض کو مہلت دے یا اس کا قرض معاف کر دے تو اللہ اسے اپنے سائے میں جگہ دیں گے۔“

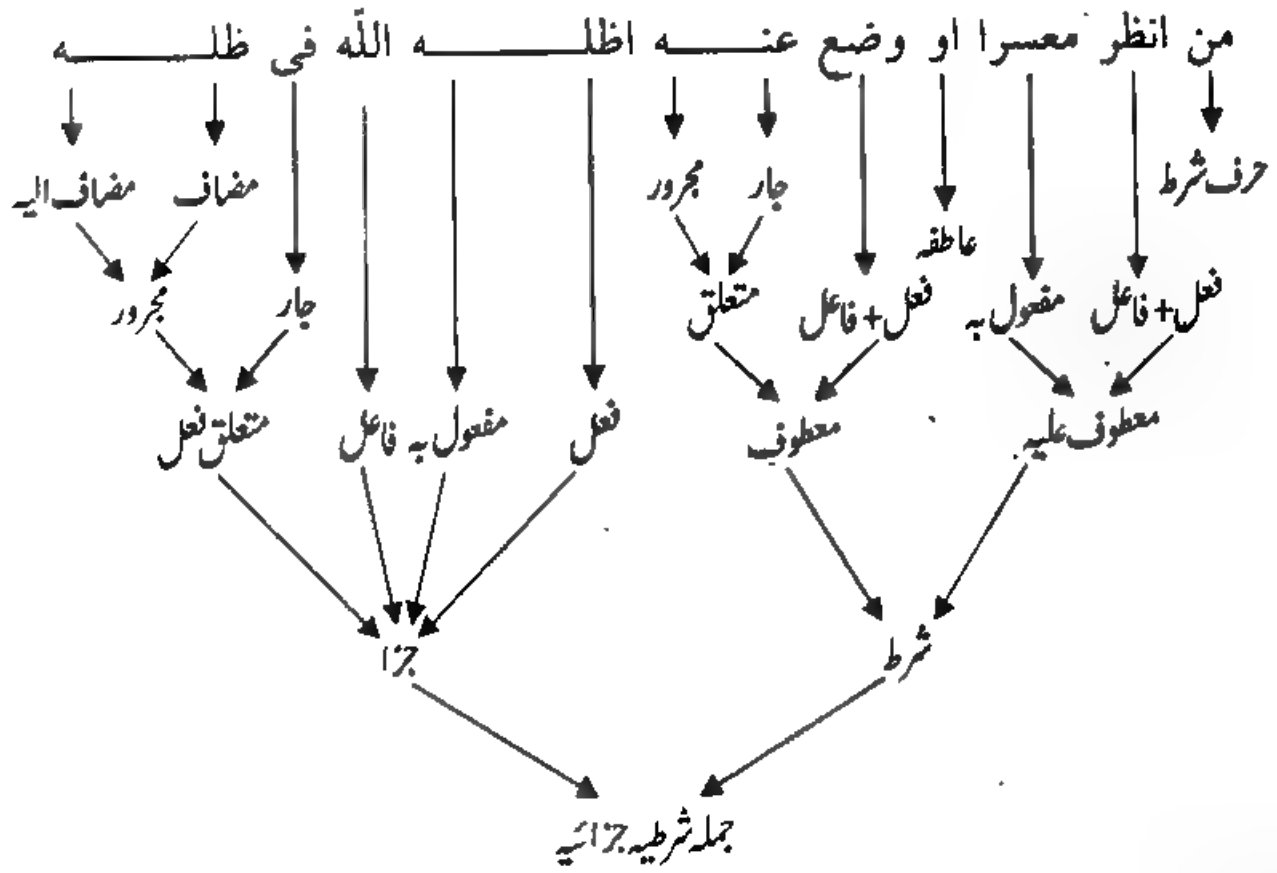
تشریح:

جو آدمی بیچارہ مجبوری میں قرض لے اور پھر جب دینے کا وقت آجے اور وہ اپنی کامیابی کا مطالبہ ہو تو اس کے پاس تنگ دستی کی وجہ سے پیسے نہ ہوں تو ایسے وقت میں قرض خواہ اس کی مجبوری اور بے چارگی کا احساس کرے اور اس احساس کی وجہ سے اسے قرضہ ادا کرنے میں مزید مہلت دے دے، یا سرے سے اس کا قرض معاف ہی کر دے تو ایسے وقت میں اللہ رب العزت کو اس قرض دہندہ کی یہ ادا اور قربانی اتنی پسند آتی ہے کہ اللہ وعدہ فرماتے ہیں کہ قیامت والے دن جب میدان محشر میں گرمی کی شدت اور تپش ہوگی اور کہیں سایہ نہ ہوگا اس دن اس قرض دہندہ کو اللہ رب العزت اس عمل کی برکت سے اپنے سائے میں جگہ عطا فرمائیں گے یعنی اس کے ساتھ خصوصی اعزاز والا معاملہ ہوگا۔

تو کیب:

من حرف شرط انظر فعل ضمیر فاعل معسرا مفعول بہ فعل فاعل اور مفعول بہ مل کر معطوف علیہ او حرف عطف وضع فعل ضمیر اس کا فاعل عنہ جار مجرور متعلق فعل کے فعل فاعل اور متعلق سے مل کر معطوف، معطوف معطوف علیہ سے مل کر شرط، اظلل فعل ضمیر مفعول بہ مقدم لفظ اللہ اس کا فاعل فی جار ظلہ مضاف، مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور متعلق ہوا فعل کے۔ فعل اپنے من و متعلق سے مل کر جزا، شرط جزا سے مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ ہوا۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) مسلم، حدیث نمبر ۷۷۰۴، باب حدیث جابر الطویل۔

۳۳ حدیث میں جھوٹ بولنے کا انجام

مَنْ كَذَبَ عَلَى مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَّبِعُوا مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ

ترجمہ:

”جس نے جان بوجھ کر میری طرف غلط بات کی نسبت کی اسے چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔“

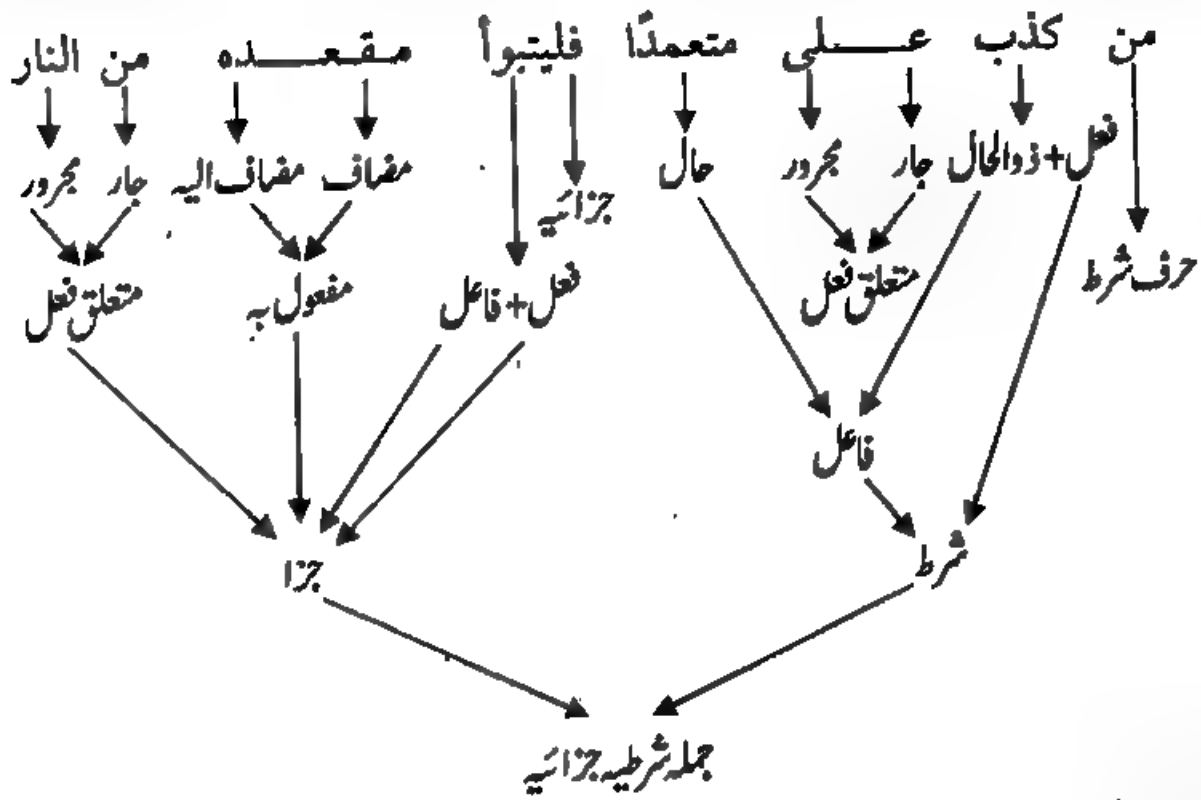
تشریح:

دین کا مدار نبی ﷺ کے فرامین اور آپ سے سنی ہوئی باتوں پر ہے خواہ وہ قرآن ہو یا حدیث۔ اور نبی ﷺ نے ساری دنیا کے سارے افراد کو اپنا کلام خود نہیں سنایا اور نہ ایسا ہونا ممکن تھا بلکہ آپ نے اپنی تربیت یافتہ، اعلیٰ صفات کی حامل جماعت یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم کو باتیں بتادیں اور انہیں یہ حکم دے دیا کہ وہ آگے دوسرے لوگوں تک پہنچادیں اور یہ باتیں چونکہ دین تھیں اس لیے ان کے صحیح صحیح پہنچانے کے بارے میں نہایت تاکید اور اہتمام برتا گیا، چنانچہ ایک طرف یہ فضیلت دی گئی کہ جو میری بات کو بعینہ پہنچائے گا وہ سرسبز و شاداب اور خوش و خرم ہوگا۔ دوسری طرف غلط بات منسوب کرنے اور پھیلانے کے بارے میں یہ سخت وعید بھی ارشاد فرمادی۔ مذکورہ بالا روایت اتنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ جس کا شمار مشکل ہے۔ اس لیے اس روایت کو نقلی متواتر روایت کہتے ہیں۔ اس حدیث کی بنا پر علماء نے یہ فرمایا ہے کہ اپنے پاس سے حدیث بنانا اور گھڑنا خواہ نیک مقاصد کے لیے ہی ہو یہ حرام اور سخت ترین گناہ ہے اور ایسی احادیث کو بیان بھی نہیں کرنا چاہیے ہاں لوگوں کو ایسی من گھڑت روایات کے بارے میں آگاہ کرنا ہو تو نقل کی حد تک گنجائش ہے ورنہ ان کو اپنی زبان سے ادا بھی نہیں کرنا چاہیے۔

ت ترکیب:

من حرف شرط کذب فعل ضمیر ذوالحال علی جار مجرور متعلق فعل کے متعمداً حال، حال ذوالحال مل کر فاعل، فعل فاعل اور متعلق سے مل کر شرط جزائیہ لیتبوا فعل امر ضمیر اس کا فاعل مقعد مضاف الیہ مضاف الیہ مل کر مفعول بہ من جار النار مجرور، جار مجرور متعلق فعل کے فعل اپنے فاعل مفعول اور متعلق سے مل کر جزا، شرط جزا سے مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ ہوا۔

نقشه ترکیب:



تخریج حدیث:

- (۱) بخاری، حدیث نمبر ۱۰۳
- (۲) مسلم، حدیث نمبر ۷۷۰۲
- (۳) ترمذی، حدیث نمبر ۲۶۶۹

③ طالب علم راہِ خدا میں ہوتا ہے
مَنْ خَرَجَ فِي طَلَبِ الْعِلْمِ فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ حَتَّى يَرْجِعَ

ترجمہ:

”جو آدمی علم حاصل کرنے کی غرض سے گھر سے نکلتا ہے جب تک واپس نہیں آتا وہ راہِ خدا میں ہوتا ہے۔“

تشریح:

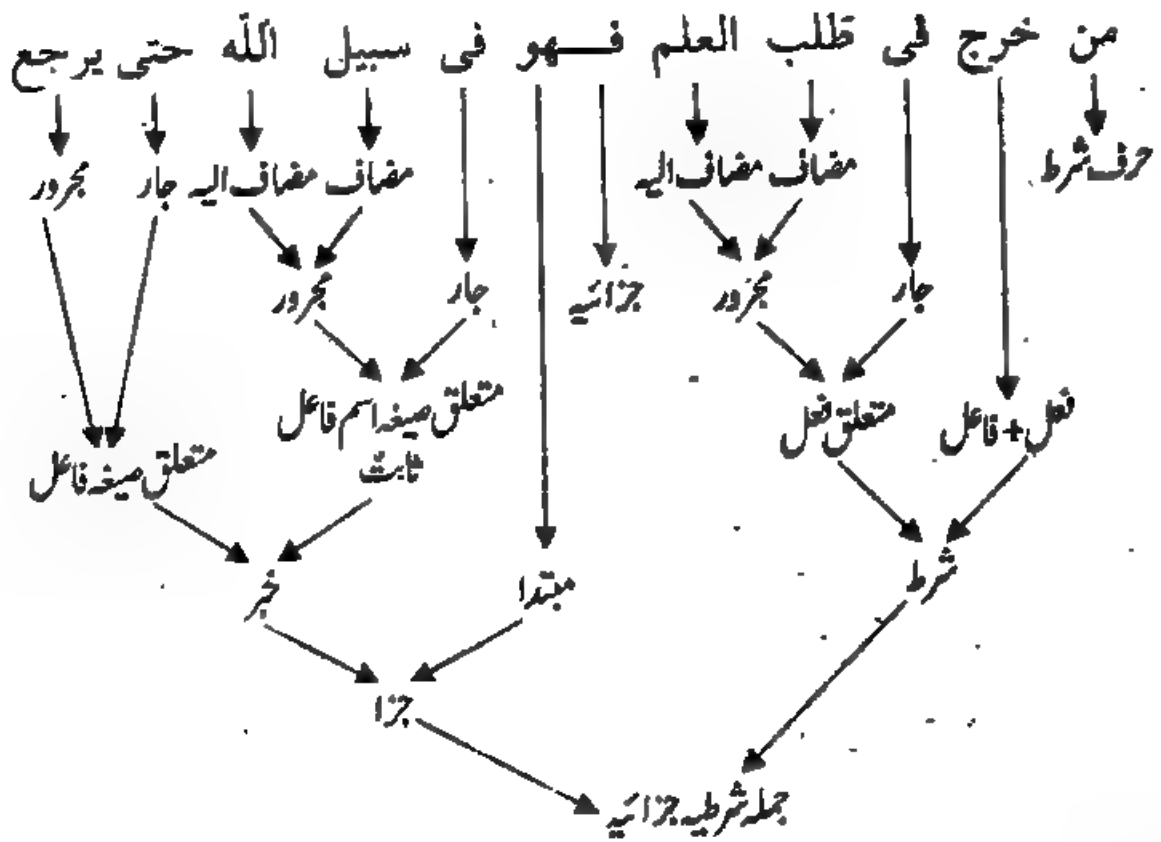
یہاں علم سے مراد وہ علم ہے جو صرف خدا کے لیے حاصل کیا جائے اور اس کے تحت قرآن، حدیث، فقہ وغیرہ کے علوم شامل ہوں گے جس کا ہدف براہِ راست دین کی حفاظت و نشر و اشاعت ہے یا وہ علوم بھی شامل ہوں گے جو ان کاموں کے لیے سببِ قریب کا درجہ رکھتے ہیں جیسے نحو، صرف، بلاغت، منطق، وغیرہ۔ باقی رہے وہ علوم جن کا شریعت اور دین سے یہ تعلق نہیں وہ اپنی اپنی ضرورت اور فائدے کے لحاظ سے چاہے واجب ہی ہوں مگر وہ مذکورہ بالا فضیلت کا مصداق نہیں۔

مذکورہ حدیث علم کی طلب و تحصیل کی فضیلت بیان کرتی ہے اس کے علاوہ بہت سی نصوص اور احادیث میں علم کے بے شمار فضائل وارد ہوئے ہیں۔ علماء نے اس موضوع پر مستقل کتابیں اور رسائل تصنیف کیے ہیں۔ جن میں علم کے فضائل اور اس کے ساتھ ساتھ اس کے آداب و شرائط، اور تقاضا جات بھی بیان کیے گئے ہیں۔

ت ترکیب:

مَنْ حرف شرط خرج فعل ضمیر فاعل فی جار طلب مضاف العلم مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور متعلق ہوئے فعل کے فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شرط جزائیہ ہو مبتدائی جار سبیل مضاف لفظ اللہ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور متعلق ہوئے ثابت خبر محذوف کے ثابت صیغہ اسم فاعل حتی حرف جار یجمع فعل بتاویل ان مصدر یہ مجرور، جار مجرور متعلق ثابت صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر خبر۔ مبتدائی خبر سے مل کر جملہ اس یہ خبر یہ ہو کر جزاء شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ ہوا۔

نقشه ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) ترمذی، حدیث نمبر ۲۶۴۷، باب فضل طلب العلم۔

۳۸ اخلاص کے ساتھ اذان دینے کا اجر

مَنْ أَذَّنَ سَبْعَ سِنِينَ مُحْتَسِبًا كُتِبَ لَهُ بِرَاءَةٌ مِّنْ نَّارٍ

ترجمہ:

”جو آدمی سات سال تک ثواب کی غرض سے اذان دے اس کے لیے آگ سے چھٹکارا لکھ دیا جاتا ہے۔“

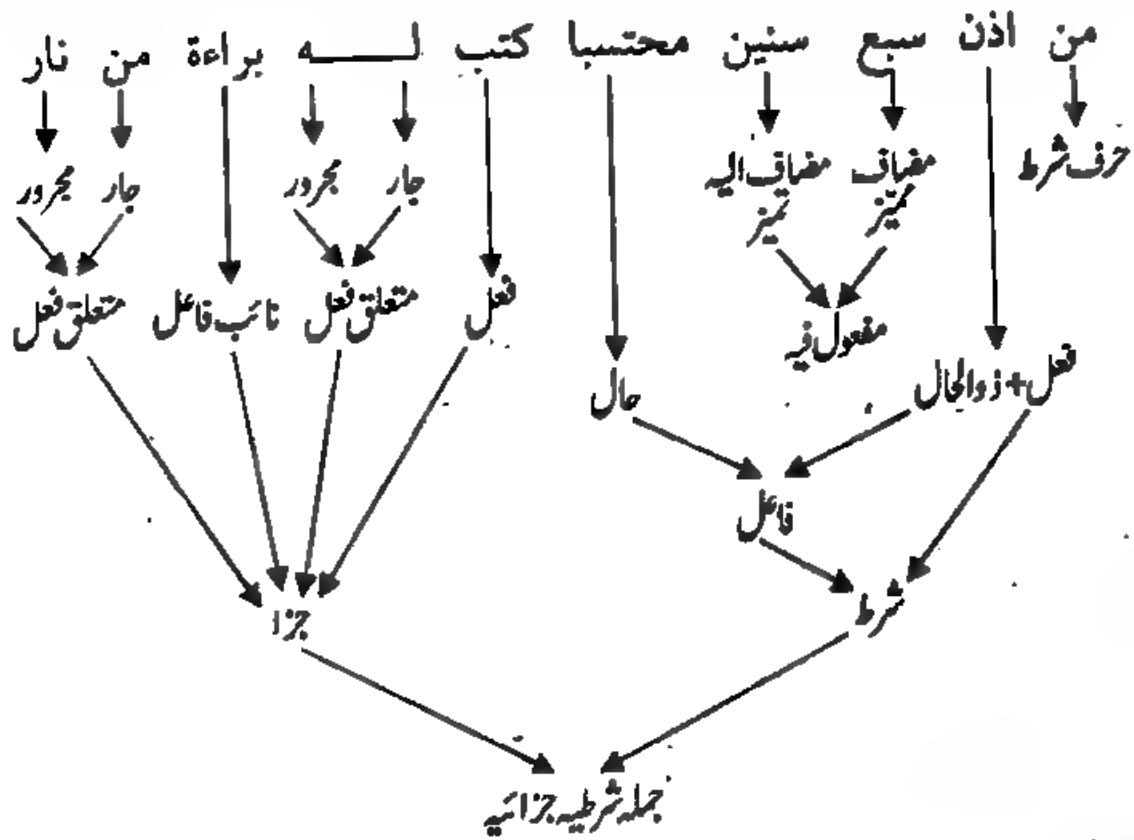
تشریح:

انبیاء علیہم السلام جو نظام اور دعوت دنیا میں لے کر آتے ہیں اس کی اصل بنیاد روحانیت، اخلاص اور للہیت پر ہوتی ہے اور یہی ان کی دعوت اور ان کے کام کی اصل طاقت اور قوت ہوتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے نظام میں مادیت کا مقام نہ ہونے کے برابر یعنی مغلوب ہوتا ہے۔ کیونکہ ان کے ہاں آخرت اصل ہے اور دنیا کے سارے بکھیرے اس کا ذریعہ ہیں اس لیے وہ اپنے نظام اور کام میں اس بات کا اہتمام کرتے ہیں کہ مادیت کم سے کم داخل ہو کیونکہ مادیت یا دوسرے لفظوں میں دنیا جہاں بھی جائے بگاڑ لے کر جاتی ہے۔ لیکن دوسری طرف اس سے چارہ کار بھی نہیں تھا اس لیے اس کا کردار ان کے نظام میں کم سے کم رکھا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے تمام انبیاء علیہم السلام خود بھی دنیا کے اعتبار سے انتہائی سادہ زندگی گزارتے ہیں اور دوسروں کو بھی اسی کا کہتے ہیں۔ اور وہ اپنے کام میں مادیت کو کم سے کم راہ پکڑنے دیتے ہیں۔ اس لیے دین کے تمام شعبے اخلاص پر مبنی ہیں خواہ وعظ و نصیحت ہو یا دعوت و تبلیغ، امامت و خطابت ہو یا تدریس و تعلیم ان سب میں مادی نقطہ نظر سے دور رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اسی لیے فقہاء احناف نے اس مزاج نبوت کی اعلیٰ درجے پر رعایت کرتے ہوئے ہر قسم کی طاعات و عبادات پر اجرت لینے کو ناجائز کہا ہے (البتہ بعد میں ضرورت کی وجہ سے اس میں استثناء برتا گیا جو کہ اپنی جگہ درست ہے مگر وہ رخصت کے درجے میں ہے عزیمت بہر حال یہی ہے کہ اخلاص کے ساتھ ہی ہو) مذکورہ بالا حدیث کو اسی تناظر میں سمجھنا چاہیے۔ اس حدیث کے علاوہ بھی متعدد احادیث میں مؤذن کے فضائل آئے ہیں۔

توکیب:

من حرف شرط اذن فعل ضمیر ذوالحال سبع میتر مضاف، سنین مضاف الیہ تیز، مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول فیہ محتسبا حال، حال ذوالحال مل کر فاعل فعل فاعل اور مفعول فیہ سے مل کر شرط کتب فعل لہ جار مجرور متعلق فعل کے ہر اء نائب فاعل من جار نادر، جار مجرور متعلق ہوئے فعل کے، فعل اپنے نائب فاعل اور متعلق سے مل کر جزاء شرط جزاء سے مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ ہوا۔

نقشه ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) ترمذی، حدیث نمبر ۲۰۶، باب ما جاء فی فضل الاذان۔

۳۳) جمعہ چھوڑنے کا گناہ

مَنْ تَرَكَ الْجُمُعَةَ مِنْ غَيْرِ ضُرُورَةٍ كُتِبَ مُنَافِقًا فِي كِتَابٍ لَا يُمَحَى وَلَا يُبَدَّلُ

ترجمہ:

”جس شخص نے بغیر کسی عذر کے جمعہ چھوڑ دیا وہ منافق لکھ دیا جاتا ہے ایسی کتاب میں جو نہ مٹتی ہے اور نہ تبدیل ہوتی ہے۔“

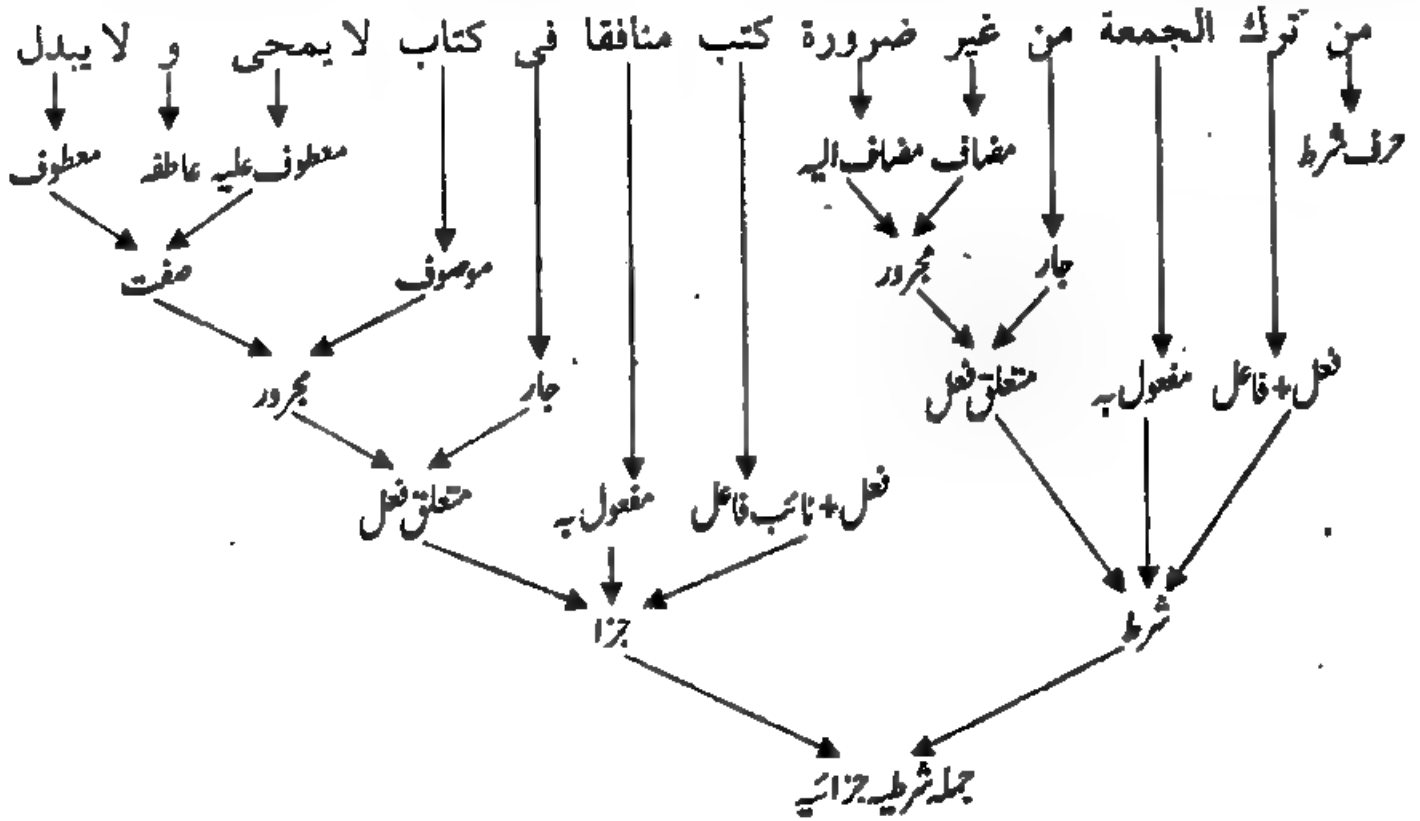
تشریح:

مطلب یہ ہے کہ جو آدمی جمعہ کی نماز بلا کسی عذر کے چھوڑ دیتا ہے اس کا یہ طرز عمل مسلمانوں والا قطعاً نہیں بلکہ اس کی وجہ سے اللہ رب العزت کے ہاں اس شخص کا شمار منافقوں میں ہوتا ہے اور جو چیز خدا کے ہاں لکھ دی جاتی ہے اس میں غلطی یا خطا اور کمی بیشی کا احتمال نہیں جس کی وجہ سے اس میں تبدیلی کی گنجائش ہو۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایسے شخص کو مزید طاعات کی توفیق نہیں دی جاتی۔ کیونکہ اس کا شمار ہی منافقین میں ہوتا ہے۔ لیکن یہ سب اس صورت میں ہے جب جمعہ کسی شرعی عذر کے بغیر چھوڑا جائے۔ اگر کوئی عذر ہو تو پھر نہیں۔ اسی طرح اگر بلا عذر بھی چھوڑ دیا لیکن پھر کسی کے کہنے سننے سے یا خود خیال آنے سے توبہ واستغفار کر لی تو اس سے بھی اللہ گناہ معاف فرمادیتے ہیں البتہ فریضے کی ادائیگی باقی رہ جائے گی اور چونکہ جمعہ تو جماعت کے ساتھ ہوتا ہے اور جماعت اب نکل چکی اس لیے وہ ظہر ادا کرے گا۔

ترکیب:

من حرف شرط ترک فعل ضمیر فاعل الجمعة مفعول بہ من جار غیر مضاف ضرورة مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور متعلق فعل کے فعل اپنے فاعل مفعول اور متعلق سے مل کر شرط، کتب فعل مجہول ضمیر نائب فاعل منافقا مفعول بہ فی جار کتاب موصوف لا یحیی معطوف علیہ وعاطف لا یبدل معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر صفت موصوف صفت مل کر مجرور جار مجرور متعلق ہوئے فعل کے فعل اپنے نائب فاعل مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جزا، شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ ہوا۔

نقشه تركيب:



تخريج حديث:

(١) مسند امام شافعي، حديث نمبر ٢٨١۔

۴۴ جہاد ایمان کا تقاضا

مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَغْزُ وَلَمْ يُحَدِّثْ بِهٖ نَفْسَهُ مَاتَ عَلَى شُعْبَةٍ مِّنَ النِّفَاقِ

ترجمہ:

”جو آدمی اس حال میں مرا کہ اس نے جہاد نہ کیا اور نہ اپنے دل میں اس بات کو پیدا کیا وہ آدمی ایک طرح کے نفاق پر مرا۔“

تشریح:

جہاد یعنی اللہ کے راستے میں لڑنا اور قتال کرنا یہ اسلام کا ایک اہم رکن اور فریضہ ہے۔ اسلام کے شجر کی آبیاری شہداء کے خون سے روز اول سے جاری ہے۔ جہاد ہی کی بدولت کفر کی قوت و شوکت ختم ہوتی ہے اور جہاد ہی کی بدولت اسلام کی دعوت اور اس کا نظام ان لوگوں تک بھی پہنچتا ہے جن کو ان کے بڑے شیطانوں نے اپنے پراپیگنڈے کے جال میں جکڑ کر اسلام کی ابدی سعادت و فلاح سے محروم رکھا ہوتا ہے۔ جہاد کا مقصد حضرت ربیع بن عامر صحابی رضی اللہ عنہ نے یہ بیان فرمایا:

اللَّهُ ابْتَعَثَنَا لِنُخْرِجَ الْعِبَادَ مِنَ عِبَادَةِ الْوَعَادِ إِلَى عِبَادَةِ رَبِّ الْعِبَادِ وَمِنْ جَوْرِ الْأَذْيَانِ إِلَى عَدْلِ الْإِسْلَامِ

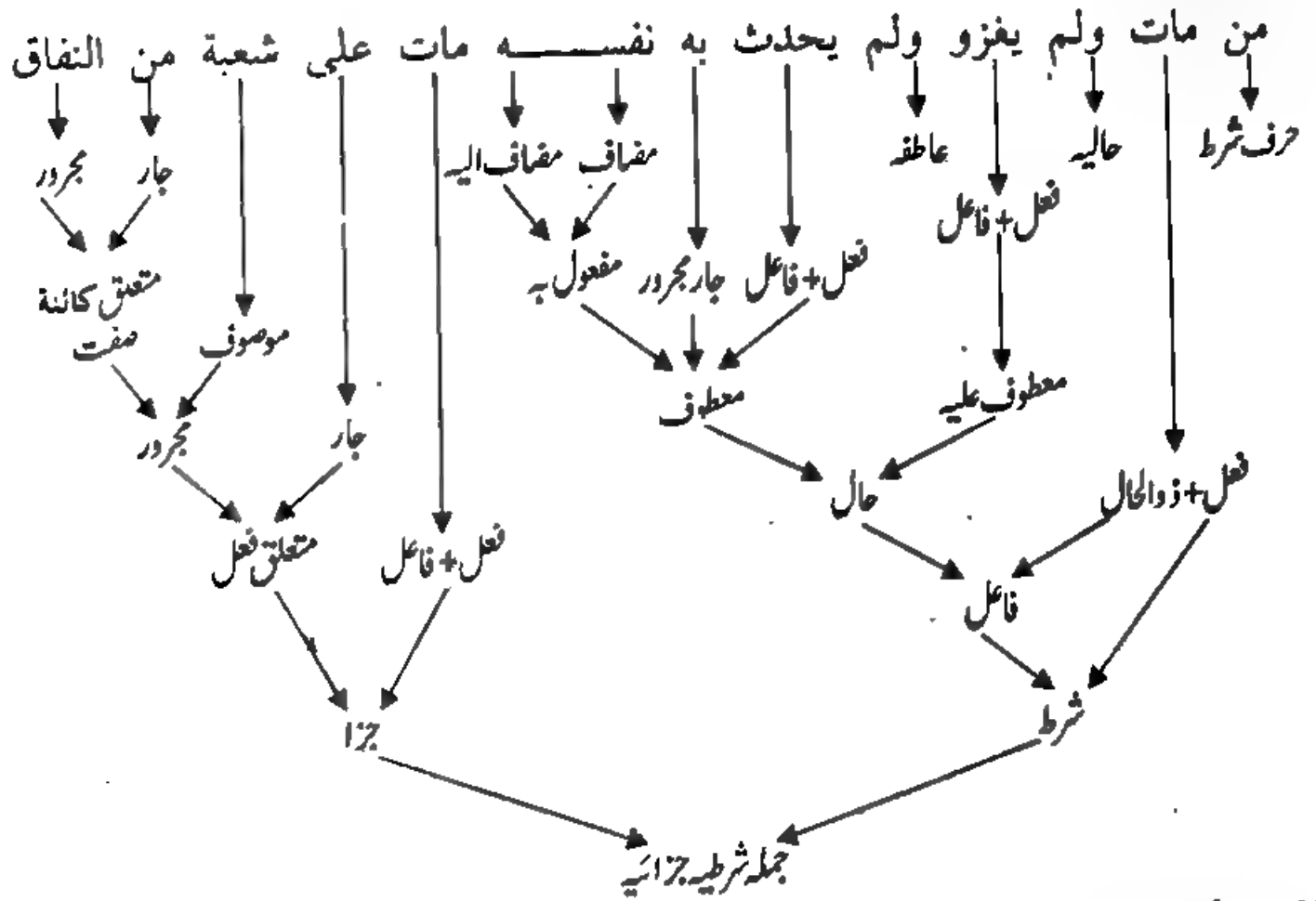
”اللہ نے ہمیں اس مقصد کے لیے بھیجا ہے کہ ہم بندگان خدا کو بندوں کی غلامی سے نکال کر خدائے وحدہ لا شریک کی غلامی میں لائیں اور انہیں باطل دینوں کے ظلم سے نجات دے کر اسلام کے عدل و انصاف سے روشناس کرائیں۔“

جہاد کی اس اہمیت کے پیش نظر شریعت نے ہر مسلمان کو اس کام کے لیے مستعد رہنے کی تاکید کی ہے۔ مذکورہ بالا حدیث اسی تناظر میں ہے کہ ایک مسلمان کی شان سے یہ بعید ہے کہ وہ نہ عملاً جہاد کرے اور نہ ہی عمر بھر جہاد کا ارادہ کرے بلکہ ایسا شخص عملاً منافق ہے۔

توکبیب:

من حرف شرط مات فعل ضمیر ذوالحال و حالہ لم یغزو فعل فاعل مل کر معطوف علیہ و عاقلہ لم یحدث فعل ضمیر فاعل بہ جار مجرور متعلق فعل کے نفسہ مفعول بہ، فعل فاعل، حقیق اور مفعول بہ سے مل کر معطوف، معطوف معطوف علیہ سے مل کر حال، حال ذوالحال سے مل کر فاعل، فعل فاعل سے مل کر شرط، مات فعل ضمیر فاعل علی جار شعبۃ موصوف من جار النفاق مجرور جار مجرور متعلق کا رید صفت محذوف کے، موصوف صفت مل کر مجرور، جار مجرور متعلق فعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جزاء شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ ہوا۔

نقشه ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) مسلم، حدیث نمبر ۵۰۴۰، باب ذم من مات ولم يغزو النخ.

۳۸ مقبول روزہ کون سا ہے؟

مَنْ لَمْ يَدْعُ قَوْلَ الزُّورِ وَالْعَمَلَ بِهِ فَلَيْسَ لِلَّهِ حَاجَةٌ فِي أَنْ يَدَعَ
طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ

ترجمہ:

”جو آدمی جھوٹی باتوں اور کاموں کو نہ چھوڑے تو اللہ کو اس کے کھانا پینا چھوڑنے سے کوئی سروکار نہیں۔“

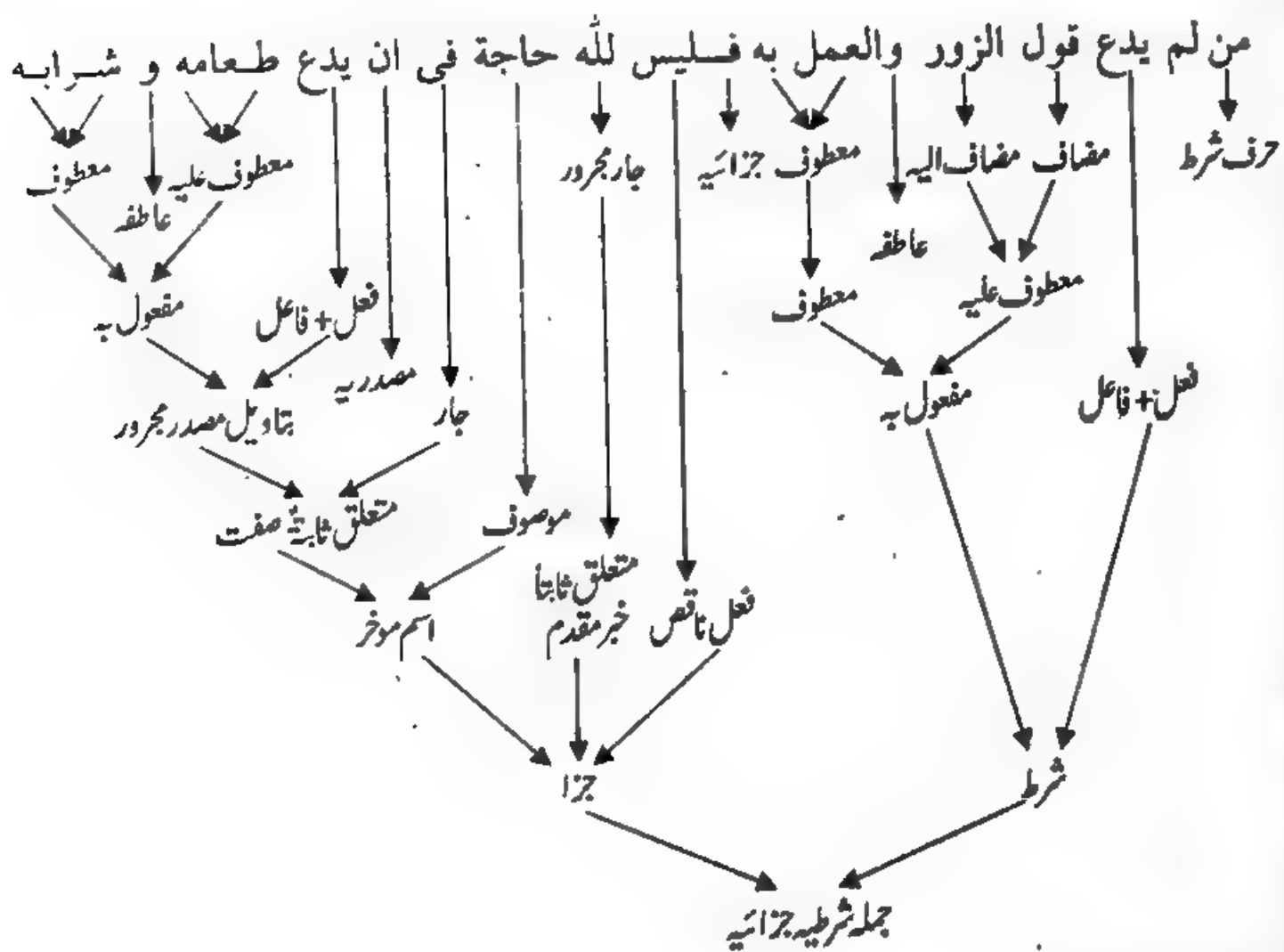
تشریح:

مذکورہ حدیث روزہ دار کے بارے میں اصل مقصد یہ ہے کہ آدمی کو تقویٰ اور پرہیزگاری حاصل ہو اور وہ لغو کاموں سے بچ جائے۔ اگر کوئی آدمی روزہ بھی رکھے اور اس کے ساتھ ساتھ ایسے کام بھی کرتا رہے جو روزے کے مقصد اور غرض اور روح کے منافی ہیں تو ایسے شخص کو روزے کے ثمرات میں سے بجز بھوکا پیاسا رہنے کے کچھ نصیب نہیں ہوتا۔ روزے کے تقاضوں کے منافی کام کی مثال میں آپ ﷺ نے ایک تو جھوٹی بات کا ذکر فرمایا دوسرے اس پر عمل کرنے کا۔ جھوٹی بات سے مراد عام معنی بھی ہو سکتا ہے یعنی جھوٹ نہ چھوڑنا اور اس سے مراد ہر باطل اور لغو کام بھی ہو سکتا ہے خواہ وہ گفتگو اور بات سے تعلق رکھتا ہو یا عمل سے جیسے فحش گوئی اور بد نظری اور غیبت شنوائی وغیرہ۔

ترکیب:

مَنْ حرف شرط لَمْ یدْعُ فعل ضمیر فاعل قَوْلَ الزُّورِ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف علیہ و عاطفہ العمل بہ مَعْمُولٌ، مَعْمُولٌ مَعْمُولٌ علیہ مل کر مفعول بہ، فعل فاعل اور مفعول بہ مل کر شرط جزائیہ لَيْسَ فعل ناقص لِلَّهِ جار مجرور متعلق کایہ خبر محذوف کے کایہ اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر خبر مقدم حَاجَةٌ اسم موصوف فی جار اَنْ مصدر یہ یدْعُ فعل ضمیر فاعل طَعَامَهُ مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف علیہ و عاطفہ شَرَابَهُ مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف، مَعْمُولٌ مَعْمُولٌ علیہ سے مل کر مفعول بہ، فعل فاعل اور مفعول بہ سے مل کر بتاویل مصدر مجرور، مجرور متعلق ثابتہ صفت محذوف کے، موصوف صفت مل کر اسم مؤخر، لیس اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر جزاء شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ ہوا۔

نقشه تركيب:



تخريج حديث:

(١) بخاري، حديث نمبر ١٩٠٣، كتاب الصوم۔

۴۹ شہرت کا لباس پہننے کا انجام

مَنْ لَبَسَ ثَوْبَ شُهْرَةٍ فِي الدُّنْيَا أَلْبَسَهُ اللَّهُ ثَوْبَ مَذَلَّةٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

ترجمہ:

”جو شخص دنیا میں شہرت کا کپڑا پہنے گا اللہ رب العزت اسے قیامت کے دن ذلت کا لباس پہنائیں گے۔“

تشریح:

شہرت کا لباس پہننے سے کیا مراد ہے؟ اس میں علماء کے متعدد اقوال ہیں مثلاً وہ شخص مراد ہے جو ایسے اعمال و اخلاق ظاہر کرے جو فی الواقع اس میں نہیں ہیں۔ یا وہ شخص مراد ہے جو حرام مال کا کپڑا پہنے یا وہ شخص جو نمود و نمائش اور فخر و مباہات کے لیے کپڑے پہنے۔ یا وہ شخص جو محض اپنی شہرت یا کپڑوں کی شہرت کے لیے عمدہ سے عمدہ کپڑے پہنے تاکہ لوگوں میں اس کے لباس کے چرچے ہوں۔

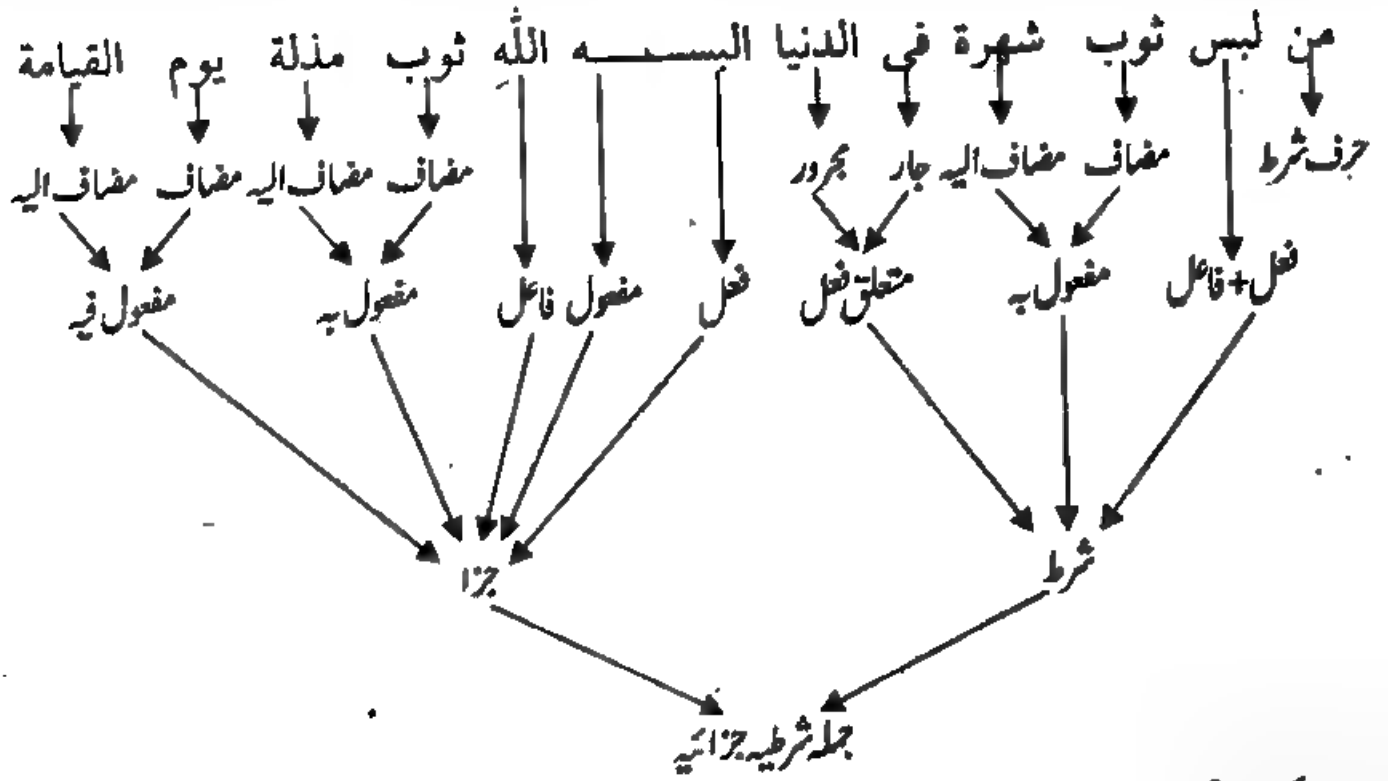
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی کو اپنی استطاعت کے لحاظ سے درمیانے درجے کے کپڑے استعمال کرنے چاہئیں تاکہ نہ غصیا ہونے کی وجہ سے اس کی شہرت ہو، کہ لوگ اسے فقیر سمجھنے لگیں اور اس کے کپڑوں کے تذکرے کرنے لگیں اور نہ اتنے عمدہ پہنے کہ لوگ اس کی باتیں کریں۔

مذکورہ حدیث کی ایک تشریح یہ بھی کی گئی ہے کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو خود نیک نہیں مگر صلحاء اور علماء کا لباس پہنتا ہے تاکہ لوگ اسے نیک سمجھیں اور اس کی شہرت ہو جائے۔

ترکیب:

من حرف شرط لبس فعل ضمیر اس کا فاعل ثوب مضاف شہرة مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول بہ فی جار الدنیا مجرور، جار مجرور متعلق فعل کے فعل اپنے فاعل، مفعول اور متعلق سے مل کر شرط لبس فعل۔ ضمیر مفعول بہ مقدم لفظ اللہ فاعل موخر ثوب مضاف مذلة مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول بہ یوم مضاف القيامة مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول فیہ، فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور مفعول فیہ سے مل کر جزا، شرط جزا سے مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ ہوا۔

نقشه تركيب:



تخريج حديث:

(أبو داود، حديث نمبر ٤٠٣١)

۳۴) غیر اللہ کے لیے علم حاصل کرنے کا وبال

مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِيُجَارِيَ بِهِ الْعُلَمَاءَ أَوْ لِيُمَارِيَ بِهِ السُّفَهَاءَ أَوْ يَصْرِفَ بِهِ وَجُوهَ النَّاسِ إِلَيْهِ أَدْخَلَهُ اللَّهُ النَّارَ

ترجمہ:

”جس شخص نے علم اس غرض سے حاصل کیا کہ اس کے ذریعے علماء سے حجت بازی کرے یا بے وقوف لوگوں سے جھگڑا کرے یا لوگوں کو علم کے ذریعے اپنی طرف متوجہ کرے تو ایسے شخص کو اللہ رب العزت آگ میں داخل فرمائیں گے۔“

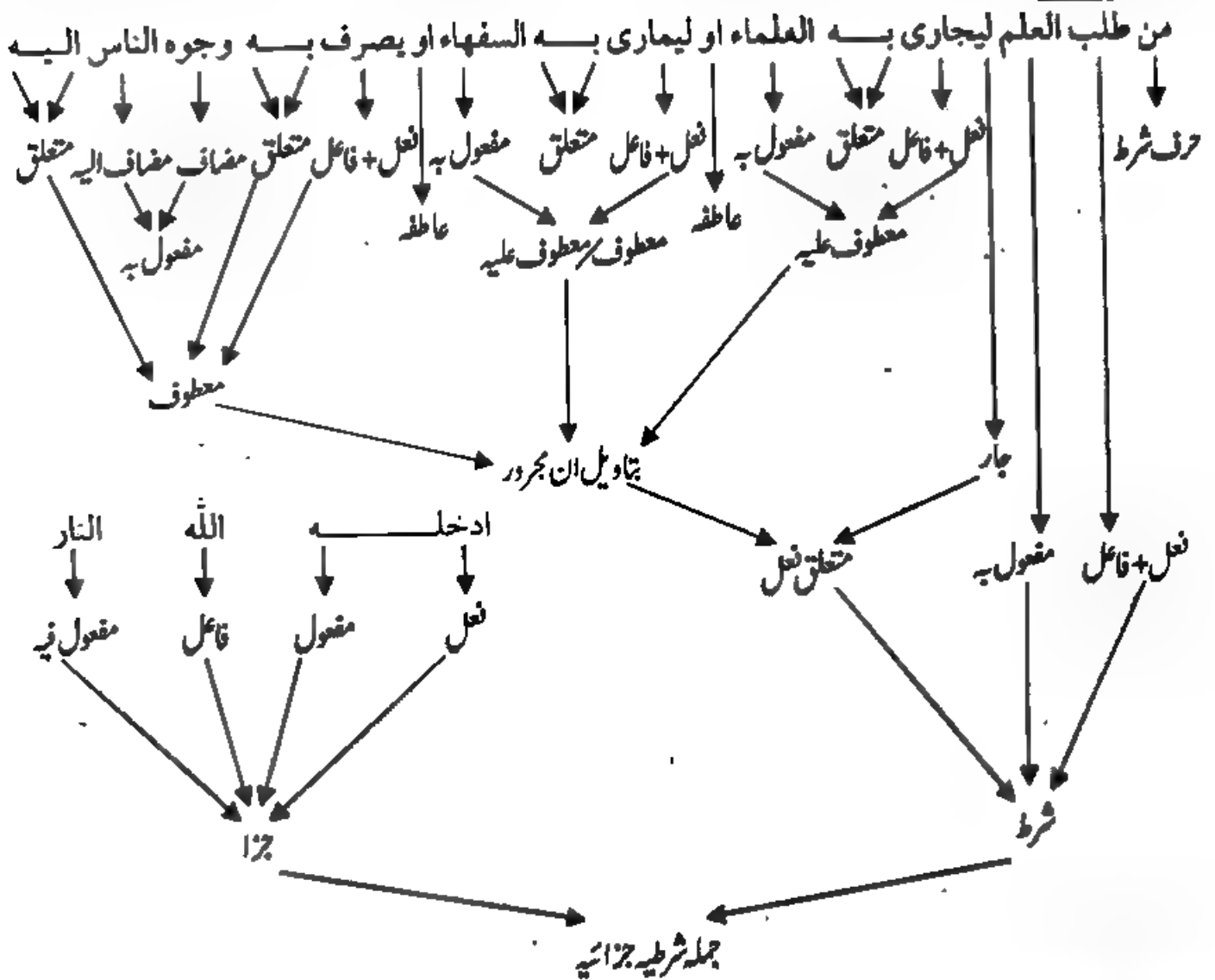
تشریح:

علم ایک مقدس فریضہ اور امانت ہے جس کی تحصیل اور اس کی تعلیم اور پھر اس کا استعمال اخلاص اور تقویت کے ساتھ ہونا چاہیے۔ اگر اس میں گڑبڑ ہوئی تو بڑی سخت وعید ہے کیونکہ ایک طرف وہی علم جو رفع درجات کا باعث ہو گا وہ اس کو جہنم میں لے کرے گا۔ اخلاص نہ ہونے کی مثال یہ ہے کہ علم کی تحصیل میں مقصود یہ ہو کہ میں بھی صاحب علم بن جاؤں گا تو علماء سے نوک جھونک کیا کروں گا جاہل لوگوں کو انو بناؤں گا یا علم کے ذریعے لوگ میری قدر و عزت کیا کریں گے اور لوگ میری طرف متوجہ ہوں گے یہ تمام اغراض فاسد ہیں جو جہنم کی وعید کا موجب ہیں۔

ترکیب:

مَنْ حرف شرط طلب فعل ضمیر فاعل العلم مفعول بہ لَ جار مجاری فعل ضمیر اس کا فاعل بہ جار مجرور متعلق فعل العلماء مفعول بہ فعل فاعل اور مفعول بہ سے مل کر معطوف علیہ او حرف عطف لیجاری بہ السفہاء اسی طرح معطوف علیہ معطوف، عاطفہ یصرف فعل ضمیر اس کا فاعل بہ جار مجرور متعلق فعل کے وجوہ مضاف الناس مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول بہ الیہ جار مجرور متعلق فعل کے، فعل فاعل اور مفعول مل کر معطوف تمام معطوفات مل کر بتاویل ان مجرور ہوئے لَ جار کے لیے، جار مجرور متعلق فعل طلب کے فعل فاعل اور متعلق سے مل کر شرط ادخل فعل ضمیر مفعول بہ لفظ اللہ فاعل النار مفعول فیہ، فعل فاعل اور مفعول فیہ سے مل کر جزا، شرط جزا جملہ شرطیہ جزائیہ۔

نقشه ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) ترمذی، حدیث نمبر ۲۶۵۴، باب ما جاء من يطلب بعلمه الدنيا، ابواب العلم۔

③ دنیا کے لیے حصول علم کا انجام

مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا مِّمَّا يُبْتَغَى بِهِ وَجْهُ اللَّهِ لَا يَتَعَلَّمُهُ إِلَّا لِيُصِيبَ بِهِ
عَرَضًا مِّنَ الدُّنْيَا لَمْ يَجِدْ عَرَفَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

ترجمہ:

”جس نے ایسا علم سیکھا جس کا حصول رضاء الہی کی غرض سے ہوتا ہے لیکن یہ اس علم کو صرف اس لیے حاصل کرتا ہے کہ اس کے ذریعے دنیا کا مال و متاع حاصل کرے، تو ایسا شخص قیامت کے دن جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھ پائے گا۔“

تشریح:

علم ایک مقدس فریضہ اور امانت الہی ہے۔ اس لیے علم میں مقصد یہ ہونا چاہیے کہ میرے سے خدا راضی ہو جائے اس کے علاوہ کوئی دوسری غرض سیکھنے والے کے سامنے نہیں ہونی چاہیے۔ یہ بات ویسے تو علوم کے بارے میں عمومی ہے کہ علم کوئی بھی ہوا سے مقدس منصب ہی رہنا چاہیے اسے دنیا کی کمائی کا ذریعہ نہیں بنانا چاہیے۔ مگر شرعی اور مذہبی علوم میں اس بات کا خاص اہتمام اور تاکید برتی گئی ہے کہ اس راہ پر چلنے والے کے سامنے کوئی بھی غرض مادی نہیں ہونی چاہیے کیونکہ علم شرعی کا مقصد اور غرض تو صرف اور صرف رضاء الہی کا حصول ہے۔ حتیٰ کہ اگر اس میں کوئی مادی غرض نہ بھی ہو لیکن یہ جذبہ ہو کہ میں لوگوں پر تفوق اور غلبہ حاصل کروں تو یہ بات بھی سخت وعید کا موجب ہے جیسا کہ گزشتہ حدیث میں گزر چکا ہے۔

علماء اسلام نے شروع روز سے نبی اکرم ﷺ کی اس ہدایت کو دل و جان سے تسلیم کیا اور اس پر عمل پیرا رہے چنانچہ تاریخ میں یہ بات واضح ہے کہ شرعی علوم ہمیشہ مقدس فریضے اور خدائی امانت کے طور پر پڑھے پڑھائے جاتے رہے، نہ شاگرد کے ذہن میں یہ ہوتا تھا کہ میں اس علم سے پیسے کمادوں گا اور نہ استاد کو یہ ہوتا تھا کہ جتنے شاگرد ہوں گے اتنے پیسے آئیں گے بلکہ یہ سارا کام اللہ فی اللہ اور بالکل مفت ہوتا تھا۔ ایک آدمی ان علماء کی آغوش میں اس وقت بھی اور آج بھی ان پڑھ بچے کی شکل میں آتا ہے اور طویل عرصے کے بعد علامہ دہر بن کر نکلتا ہے مگر اس عرصے میں اس کا ایک روپیہ بھی تحصیل علم پر خرچ نہیں ہوتا۔ آج بھی مدرسوں کے بورڈ نشین اسی روایت کو سینے سے لگائے ہوئے ہیں۔ جبکہ دنیاوی علوم والے اگرچہ دعویٰ تو یہی کرتے ہیں کہ ہم بھی انبیاء کے لائے ہوئے علوم میں سے حصہ دار ہیں مگر وہ اس بنیادی شرط اور حقیقت کو یکسر نظر انداز کر دیتے ہیں۔ کیونکہ دنیاوی علوم کی تانت آخرو دنیا، پیسے اور مادیت پر آ کر ٹوٹتی ہے۔ چنانچہ آج کے ماحول میں دنیاوی علوم کے میدان میں۔ اسی علم کی طلب ہے جس کی مانگ ہے، جس میں پیسہ ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اس مادی نظریے نے بہت سے مفاسد اور معاشرتی خرابیوں کو جنم دیا ہے جن کی تفصیل کا یہ

موقعہ نہیں۔

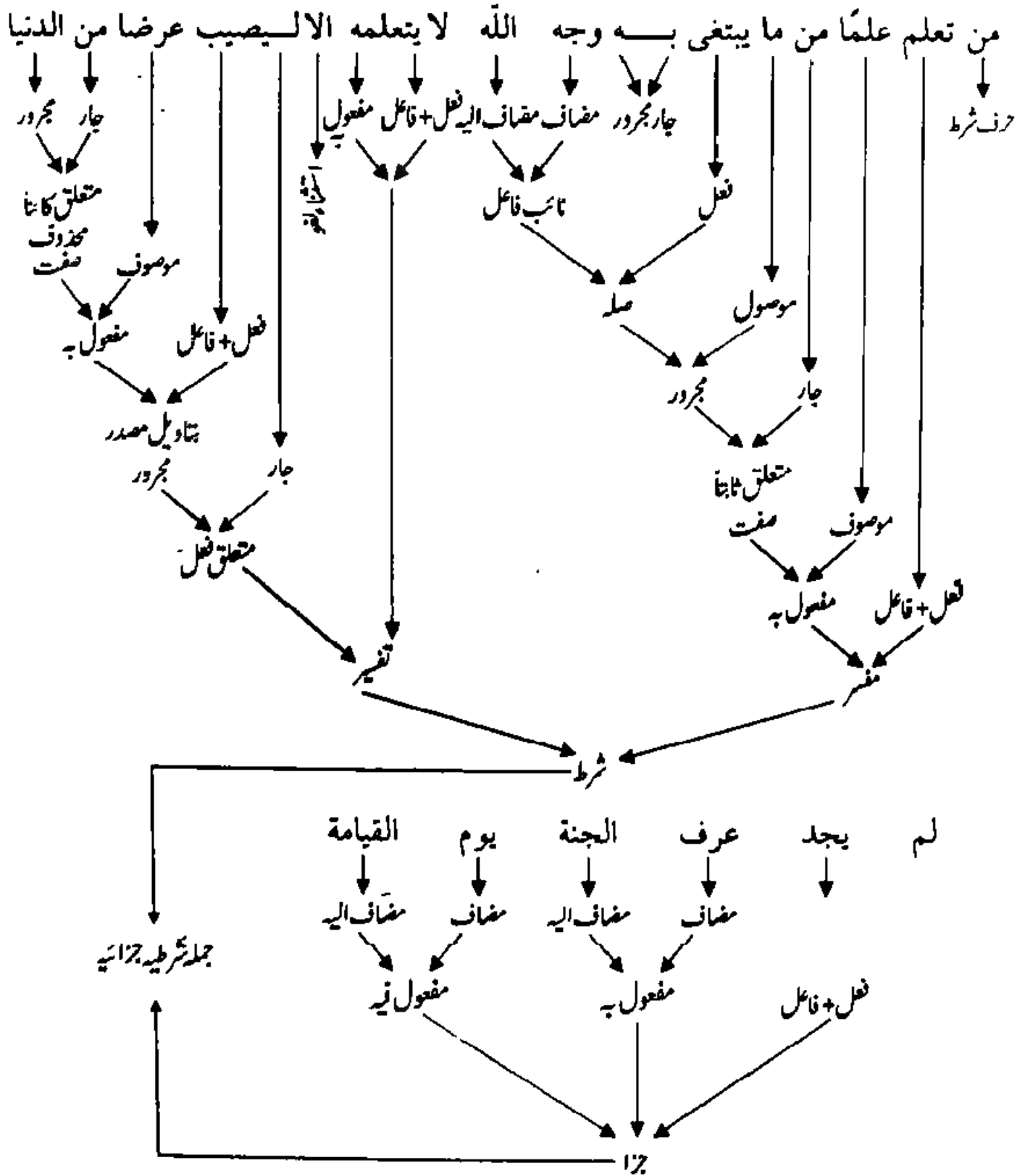
اس وجہ سے بعض حضرات دنیاوی علوم کو علم کہتے ہی نہیں بلکہ وہ انہیں مختلف مہارات اور فنون کا نام دیتے ہیں کیونکہ علم تو وہ ہے جو خدا کے لیے ہو اور خدا تک پہنچائے۔

ترکیب:

من حرف شرط تعلم فعل ضمیر فاعل علما موصوف من جار ما اسم موصول یبنغی فعل مجهول بہ جار مجرور متعلق فعل کے وجہ مضاف لفظ اللہ مضاف الیہ مضاف مضاف الیہ مل کر نائب فاعل فعل نائب فاعل اور متعلق سے مل کر صلہ موصول صلہ سے مل کر مجرور، جار مجرور متعلق ہوئے کا ناسخ حذف کے۔ کا ناسخ اسم فاعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر (علما موصوف کے لیے) صفت۔ موصول صفت مل کر مفعول یہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول یہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر مفسر لا یتعلم فعل ضمیر مفعول بہ الا حرف استثناء للول جار یصیب فعل ضمیر فاعل عرضا موصوف من الدنیا جار مجرور متعلق کا ناسخ حذف کے کا ناسخ اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر صفت، موصوف صفت مل کر مفعول یہ، فعل فاعل اور مفعول یہ سے مل کر بتاویل جملہ بتقدیر ان مصدر یہ مجرور، جار مجرور متعلق فعل لا یتعلم کے فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر تفسیر، مفسر تفسیر مل کر شرط

لم یجد فعل ضمیر فاعل عرف مضاف الجنة مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول بہ یوم مضاف القیامة مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول فیہ فعل فاعل مفعول بہ اور مفعول فیہ سے مل کر جزاء، شرط جزاء سے مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) ابو داؤد، حدیث نمبر ۹۶۶۶، باب فی طلب العلم لغير الله، کتاب العلم۔

(۲) ابن ماجہ، حدیث نمبر ۲۴۸، باب الانتفاع بالعلم والعمل به۔

۳۳) نجومی کے پاس جانے کا گناہ

مَنْ أَتَى عَرَّافًا فَسْأَلَهُ عَنْ شَيْءٍ لَمْ يَقْبَلْ لَهُ صَلَوةً أَرْبَعِينَ لَيْلَةً

ترجمہ:

”جو آدمی کسی نجومی کے پاس آئے اور اس سے کسی بات کے بارے میں پوچھے تو اس کی چالیس رات کی عبادت قبول نہیں ہوگی۔“

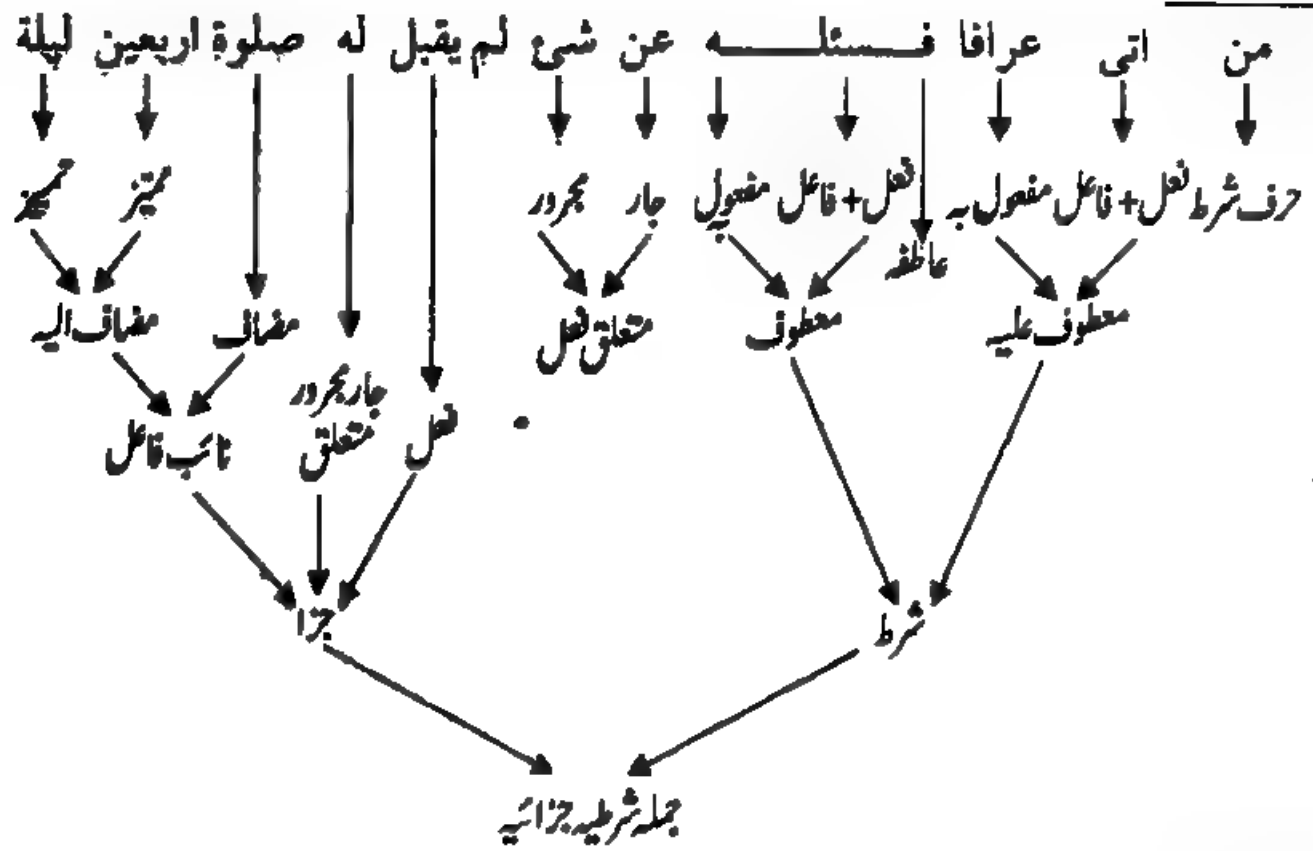
تشریح:

عراف اسم مبالغہ کا صیغہ ہے جس کا مطلب ہے کاہن اور نجومی۔ اور اس میں تمام وہ لوگ شامل ہیں جو غیب کی باتوں اور مستقبل کی پیش گوئی کے مدعی ہوتے ہیں۔ چاہے وہ پامسٹ ہوں نجومی ہوں، کاہن ہوں یا کوئی بھی دوسری صورت ہو سب کا ایک حکم ہے۔ ان لوگوں کے ذرائع معلومات اور طریقہ کار وہمیات اور خرافات بلکہ شرک و کفر کے امور پر مشتمل ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے ان کے بارے میں سخت طرز عمل کی تاکید کی گئی ہے اور کاہن کی کمائی کو خبیث اور حرام کمائی قرار دیا گیا ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ غلطی سے کاہن کی کمائی کھالی تو پھر معلوم ہونے پر فوراً تے کر دی۔ مذکورہ بالا حدیث بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو آدمی بھی کسی ایسے مدعی غیب کے پاس جائے اور اس سے کچھ پوچھے اور ایسا پوچھنے سے مقصود معلومات حاصل کرنا ہو تو ایسا شخص سخت گناہ گار ہے حتیٰ کہ اس کی چالیس دن کی عبادت قبول نہیں ہوتی۔ دوسری روایت کے مطابق اس پر چالیس دن تک توبہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔

ترکیب:

من حرف شرط اتی فعل ضمیر فاعل عرافا مفعول بہ، فعل فاعل اور مفعول بہ مل کر معطوف علیہ ف عاطفہ سنل فعل ضمیر فاعل ہ ضمیر مفعول بہ عن جار شئیء مجرور جار مجرور متعلق فعل کے فعل فاعل مفعول بہ اور متعلق سے مل کر معطوف، معطوف معطوف علیہ سے مل کر شرط لم یقبل فعل مجہول لہ جار مجرور متعلق فعل صلوة مضاف اربعین متمیز لیلۃ متمیز متمیز تیز مل کر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر نائب فاعل، فعل نائب فاعل اور متعلق سے مل کر جزا، شرط جزا سے مل کر جملہ شرطیہ جزا یہ۔

نقشه ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) مسلم، حدیث نمبر ۵۹۵۷ باب الکھانۃ و اتيان الکھانۃ۔



۳۳ مسلمان کی درخواست پورا کرنے کا اہتمام

مَنْ اسْتَعَاذَ مِنْكُمْ بِاللّٰهِ فَأَعِيذُوهُ وَ مَنْ سَأَلَ بِاللّٰهِ فَأَعْطُوهُ وَ مَنْ دَعَاكُمْ فَأَجِيبُوهُ وَ مَنْ صَنَعَ إِلَيْكُمْ مَعْرُوفًا فَكَافِئُوهُ فَإِنْ لَمْ تَجِدُوا مَا تَكَافِئُوهُ بِهِ فَادْعُوا لَهُ حَتَّى تَرَوْا أَنْ قَدْ كَافَيْتُمُوهُ

ترجمہ:

”جو تم سے اللہ کے نام کی پناہ مانگے اسے پناہ دے دو اور جو اللہ کے نام پر مانگے اسے دے دو اور جو تمہیں دعوت دے تم اسے قبول کرو اور جو تمہارے ساتھ نیکی کرے اس کو بدلہ دو اگر تمہیں ایسی چیز نہ ملے جس سے بدلہ ہو سکے تو اس کے لیے دعا کرتے رہو حتیٰ کہ تمہیں یہ لگے کہ تم نے بدلہ دے دیا ہے۔“

تشریح:

پہلی دو چیزوں میں یہ کہا گیا ہے کہ خدا کے نام کی عظمت و حرمت کا یہ تقاضا ہے کہ اگر اس کا نام لے کر کوئی چیز مانگے تو اسے دے دیا کرو۔ اور جو کوئی تمہارے ساتھ نیکی کرے تو تم بھی کوشش کرو کہ اسے بدلہ دو۔ اگر بدلے میں کوئی چیز نہیں ملتی تو کوئی بات نہیں اس کے بدلے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے محسن کے لیے اس قدر دعا کرو کہ تمہیں بدلہ دینے کا گمان ہو جائے۔ یعنی تمہارا ضمیر مطمئن ہو جائے کہ تم نے جیسا کیا بدلہ چکا دیا ہے۔

ترکیب:

من حرف شرط استعاذ فعل با فاعل منکم جار مجرور متعلق فعل باللہ جار مجرور متعلق فعل کے فعل فاعل اور متعلقین سے مل کر شرط جزائیہ اعیذوہ فعل فاعل اور مفعول پہل کر جزاء شرط جزاء ایل کر جملہ شرطیہ جزائیہ ہو کر معطوف علیہ و عاطفہ من حرف شرط سأل باللہ فعل فاعل اور متعلق مل کر شرط جزائیہ اعطوہ فعل فاعل اور مفعول مل کر جزاء شرط جزاء ایل کر جملہ شرطیہ جزائیہ ہو کر معطوف علیہ معطوف و عاطفہ من حرف شرط دعاکم فعل فاعل مل کر شرط فاجیبوہ فعل فاعل اور مفعول بہ جزاء شرط جزاء ایل کر معطوف علیہ معطوف و عاطفہ من حرف شرط صنع فعل فاعل الیکم جار مجرور متعلق معروفاً مفعول بہ فعل فاعل وغیرہ مل کر شرط فکافئوہ جزاء شرط جزاء ملکر معطوف علیہ معطوف ف عاطفہ ان حرف شرط لم تجدوا فعل فاعل ما موصولہ تکافئوا جملہ صلہ موصولہ مل کر مفعول بہ فعل فاعل اور مفعول سے مل کر شرط فادعوا فعل فاعل لہ جار مجرور متعلق حتی حرف جار تروا فعل ان تفرقہ من المثلہ قد کافئتموہ فعل مع فاعل ومفعول بہ۔ فعل فاعل مفعول بہ مل کر خبر۔ ان اپنے اسم اور خبر سے مل کر مفعول بہ تروا فعل کا فعل اپنے فاعل ومفعول سے مل کر متحد ہوا حتی کا جار مجرور مل کر متعلق ہوئے فعل کے فعل فاعل اور متعلق سے مل کر

۳۳ برائی کو ختم کرنا مذہبی فریضہ

مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ

ترجمہ:

”جو تم میں سے کوئی بری بات دیکھے تو اسے چاہیے کہ اسے اپنے ہاتھ سے روک دے اگر اس کی طاقت نہ ہو تو اپنی زبان سے پھر اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔“

تشریح:

اس حدیث میں ایمان کے تین درجات بیان کیے گئے ہیں۔ اس حدیث کے اگرچہ اولین مخاطب صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں لیکن الفاظ کے عموم کا تقاضا اور حکم یہ ہے کہ قیامت تک آنے والا ہر مسلمان اس حکم اور تقاضے کا مخاطب اور ذمہ دار ہے۔ ہاں مگر اپنی اپنی ذمہ داری کا دائرہ کار مختلف ہو سکتا ہے۔ اصولی ہدایت یہ ہے کہ ایک مسلمان کی شان سے یہ بات بعید ہے کہ وہ کوئی برائی ہوتی ہوئی دیکھے اور اس پر خاموش رہے چاہے گونا گونا گویا شیطان بن کر یا غافل انسان بن کر۔ بلکہ اس کے دل میں برائی کا احساس چاہے وہ کسی بھی درجے میں ہو ضرور ہونا چاہیے۔ چنانچہ اگر کہیں برائی ہوتے ہوئے دیکھے تو اول مرحلے میں یہ کوشش کرے کہ اسے بزور بازو ختم کرے اگر ایسا نہ ہو سکے مثلاً وہ اپنے اندر ہمت نہ پائے یا فتنے کا اندیشہ ہو تو پھر اپنی زبان سے اس کے خلاف احتجاج کرے اور اسے بند کرنے اور ختم کرنے کی کوشش کرے اگر اس میں یہ بھی استطاعت نہیں یا یہ طریقہ مفید نہیں تو اسے چاہیے کہ اپنے دل سے اس کو کم از کم برا سمجھتا رہے۔ اور کڑھتا رہے کہ میری آنکھوں کے سامنے برائی ہو رہی ہے اور میں کچھ کر نہیں سکتا۔ یہ کڑھن اور حسرت والہ بھی اس کے ایمان کے تحفظ کی ذمہ داری ہے۔ اگر یہ بھی ختم ہو گئی تو پھر ایمان کا اللہ ہی حائل ہے۔

بعض علماء نے اس حدیث کی تشریح میں یہ فرمایا ہے کہ تفسیر بالید حکام و ارباب اقتدار کا کام ہے اور باقی دونوں عوام کا کام ہیں۔ لیکن یہ اس صورت میں ہو گا جب حکام یہ کام کریں یا متوجہ کرنے سے متوجہ ہوں، لیکن اگر وہ برائی کو برائی سمجھیں ہی نہ تو پھر کیا عوام خاموش رہے ایسی صورت میں عوام یا علماء کی یہ ذمہ داری ہوگی کہ وہ قوت متصرفہ کو اپنے ہاتھ میں لے کر یا کسی بھی طرح برائی کا خاتمہ کریں اور اس کو اپنا مستقل مسئلہ بنائیں۔

ترکیب:

من حرف شرط رأی فعل ضمیر فاعل منکم جار مجرور متعلق فعل کے۔ فعل فاعل و متعلق مل کر شرط ف جزائیہ لیغیر فعل ضمیر فاعل۔ ضمیر مفعول بہ بیدہ جار مجرور متعلق فعل کے، فعل فاعل اور متعلق سے مل کر جزا، شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ ہوا۔ ف

۳۹) بلا عذر روزہ چھوڑنے کا نقصان

مَنْ أَفْطَرَ يَوْمًا مِنْ رَمَضَانَ مِنْ غَيْرِ رُخْصَةٍ وَلَا مَرَضٍ لَمْ يَقْضِ عَنْهُ صَوْمُ الدَّهْرِ كُلِّهِ وَإِنْ صَامَهُ

ترجمہ:

”جس نے رمضان کا ایک روزہ بھی کسی رخصت یا مرض کے بغیر چھوڑ دیا تو تمام عمر کے روزے اس کی جگہ نہیں لے سکتے چاہے وہ رکھ بھی لے۔“

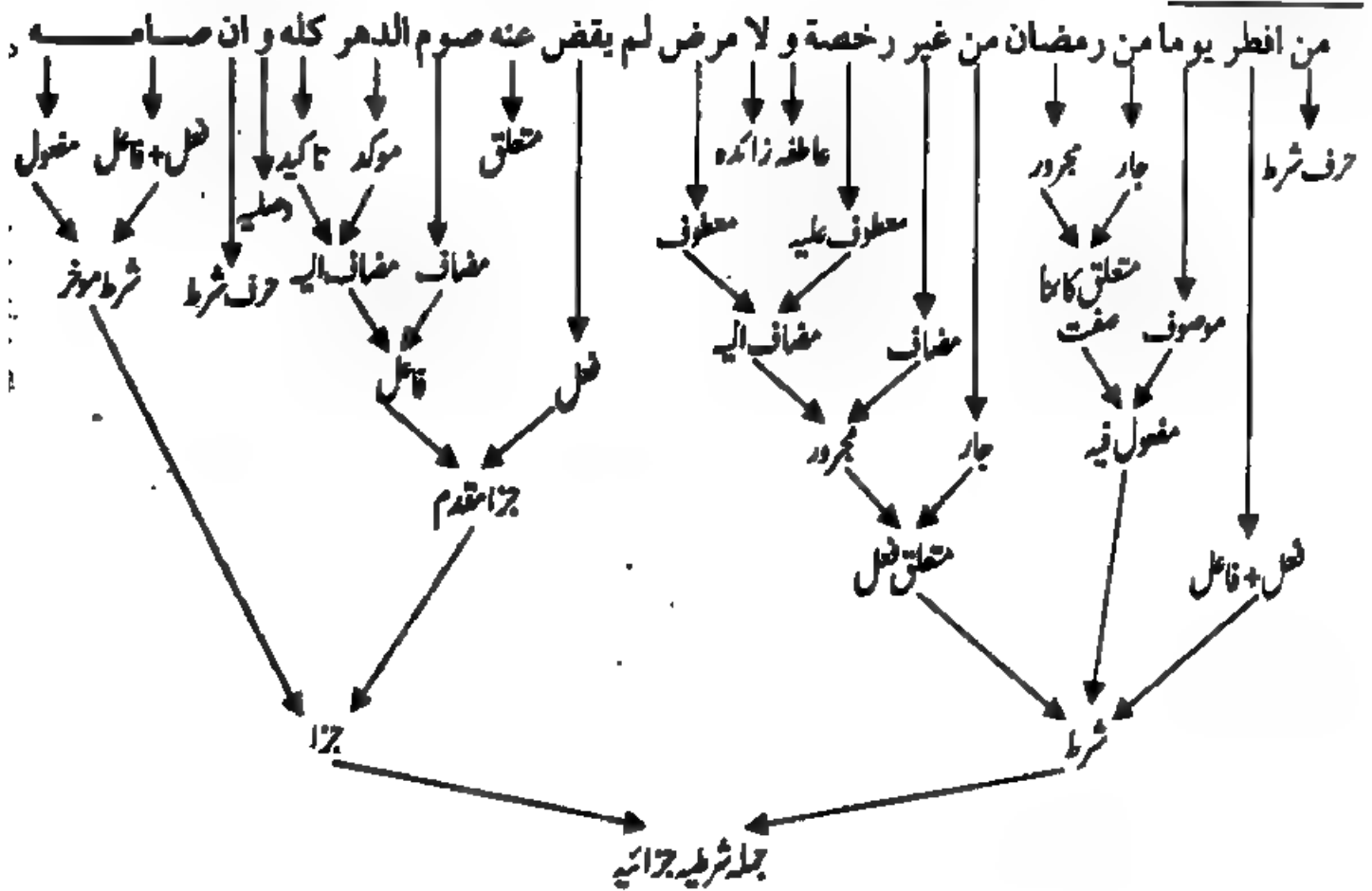
تشریح:

رمضان کا ایک روزہ بھی بغیر کسی عذر کے چھوٹ جائے تو یہ بہت بڑا نقصان ہے اتنا بڑا نقصان ہے کہ اگر آدمی ساری عمر بھی روزے رکھتا رہے تو اس ایک روزے کی تلافی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ جو خصوصی برکات، کیفیات اور ثمرات رمضان کے مہینے کے ساتھ حاصل ہیں، وہ دوسرے دنوں میں ہو ہی نہیں سکتے۔ چنانچہ روز قیامت جو ندامت و حرمان اس روزے کا ہو گا اس کا کوئی مداوا نہیں ہو سکے گا۔ کتنی بڑی خرابی ہے ان لوگوں کے لیے جو رمضان کا روزہ بلا عذر توڑ دیتے ہیں یا چھوڑ دیتے ہیں اور کتنی محرومی و بد بختی ہے ان لوگوں کی جو کھاتے پیتے محنت مند اور تندرست ہونے کے باوجود رمضان کا روزہ نہیں رکھتے۔

توکبہ:

من حرف شرط افطر فعل ضمیر فاعل یوما موصوف من جار رمضان مجرور جار مجرور متعلق کا بنا صفت محذوف کے، موصوف صفت مل کر مفعول فیہ، من جار غیر مضاف رخصۃ مضاف الیہ مضاف الیہ مل کر معطوف علیہ و عاطفہ لا زائدہ مرض معطوف معطوف معطوف علیہ مل کر مجرور جار مجرور متعلق ہوئے فعل کے فعل اپنے فاعل مفعول فیہ اور متعلقات سے مل کر شرط لم یقض فعل عنہ جار مجرور متعلق فعل کے صوم مضاف الدھر مؤکد کلمہ مضاف مضاف الیہ مل کر تاکید، مؤکد تاکید مل کر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر فاعل، فعل فاعل مل کر جزا مقدم و وصلیہ ان حرف شرط صامہ فعل فاعل اور مفعول بہ مل کر شرط، شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ جزا ایہ ہو کر جزا ہوئی، پہلی شرط کی، شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ جزا ایہ ہوا۔

نقشه ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) ترمذی، حدیث نمبر ۷۲۳، باب ما جاء فی الإفطار متعمداً

(۲) ابو داؤد، حدیث نمبر ۲۳۹۸، باب التغلیظ فیمن افطر عملاً

۳) مخلص قرضدار کی اللہ مدد کرتے ہیں

مَنْ أَخَذَ أَمْوَالَ النَّاسِ يُرِيدُ آدَاتَهَا آدَى اللَّهُ عَنْهُ وَ مَنْ أَخَذَ يُرِيدُ
إِتْلَافَهَا أَتْلَفَ اللَّهُ عَلَيْهِ

ترجمہ:

”جو آدمی لوگوں کا مال ادا کرنے کی نیت سے لے تو اللہ اس کو ادا کروا دیتے ہیں اور جو ضائع کرنے کے ارادے سے لے اللہ اس کو اس پر ضائع کرتے ہیں۔“

تشریح:

ایک آدمی دوسرے سے قرض لیتا ہے ظاہر ہے لیتے وقت تنگ دہست ہوتا ہے لیتے وقت اگر اس کی نیت اور عزم یہ ہو کہ جوں ہی اللہ توفیق دیں گے تو یہ قرض پہلی فرصت میں واپس کروں گا۔ تو ایسے شخص کی اللہ مدد فرماتے ہیں اور ایسے اسباب مہیا کرتے ہیں کہ وہ آسانی قرض چکا دیتا ہے اور اگر بالفرض دنیا میں ادا نیکی کے ارادے اور کوشش کے باوجود چکانے کی مہلت نہ ملی اور موت آ گئی تو بھی اللہ اس کی نیت کی برکت سے قیامت والے دن اس کے قرض خواہ کو اپنی طرف سے اجردے کر راضی فرما دیں گے۔ لیکن اگر قرض لیتے وقت ہی نیت میں کھوٹ ہو تو ایسے شخص کو ادا کرنے کی توفیق نہیں ہوتی۔ اول تو دنیا میں بھی ادا نہیں کرے گا۔ بلکہ قرض خواہ کا قرض ڈوبے گا دوسرے اگر آخرت کا معاملہ بھی ہوا تو وہاں بھی اللہ مدد نہیں فرمائیں گے کیونکہ اس کا ایک اچھا کام کرنے کی نیت اور عزم ہی نہیں تھا۔

ترکیب:

من حرف شرط اخذ فعل ضمیر ذوالحال اموال الناس مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول بہ یرید فعل ضمیر فاعل آداتها مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول بہ فعل فاعل اور مفعول بہ مل کر جملہ حال، حال ذوالحال مل کر فاعل، فعل فاعل و مفعول مل کر شرط ادی فعل لفظ اللہ فاعل عنہ جار مجرور متعلق فعل کے، فعل فاعل اور متعلق سے مل کر جزا، شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ جزا ایہ ہو کر معطوف علیہ و عاطفہ من حرف شرط اخذ فعل ضمیر ذوالحال یرید فعل ضمیر فاعل اتلافها مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول بہ، فعل فاعل و مفعول بہ مل کر حال، حال ذوالحال مل کر فاعل، فعل فاعل مل کر شرط اتلف فعل لفظ اللہ فاعل علیہ متعلق۔ فعل فاعل اور متعلق سے مل کر جزا، شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ جزا ایہ ہو کر معطوف۔ معطوف معطوف علیہ سے مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔

نقشه ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) بخاری، حدیث نمبر ۲۳۸۷، باب من اخذ اموال الناس الخ، کتاب الاستقراض۔



۳۴ نیکی کے کام میں اعانت پر پورا اجر

مَنْ فَطَرَ صَائِمًا أَوْ جَهَّزَ غَازِيًا فَلَهُ مِثْلُ أَجْرِهِ

ترجمہ:

”جس نے روزہ دار کا روزہ کھلوا یا کسی مجاہد کو سامان جہاد فراہم کیا اس کو ان کے برابر اجر ملے گا۔“

تشریح:

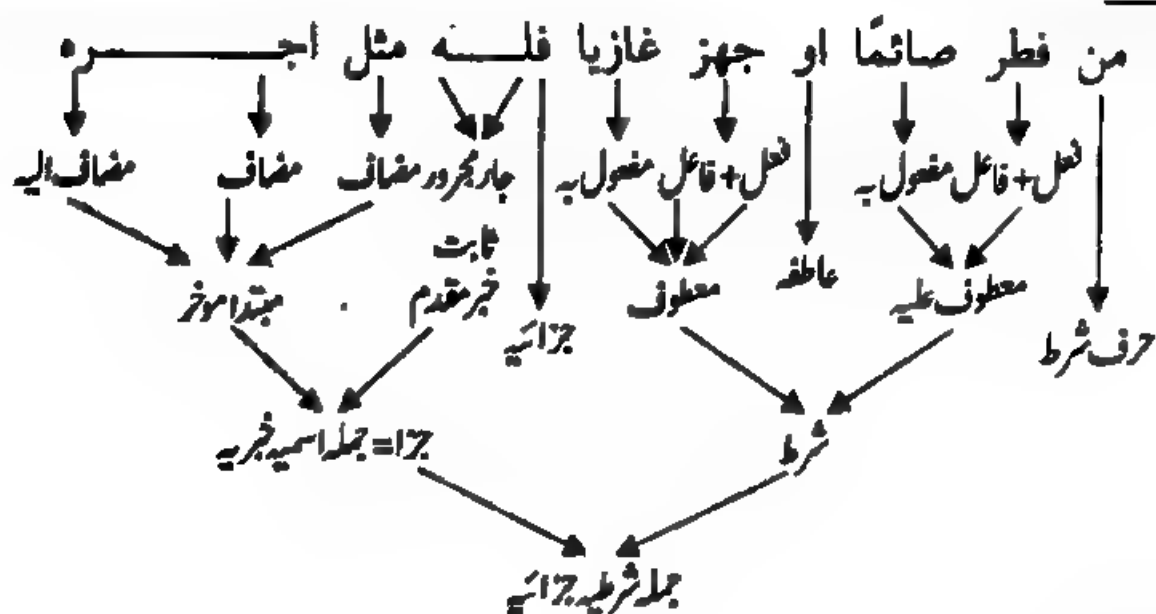
روزہ دار کا روزہ افطار کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ ضرور تکلفات والا کھانا اور چنے ہوئے دسترخوان ہی ہوں یا افطار پارٹی ہو تب ہی افطاری کھلائے گی بلکہ اپنی استطاعت کے مطابق جو بھی کھلا دے گا وہ اجر کا باعث اور موجب بن جائے گا چاہے ایک کھجور ہی ہو یا ایک گھونٹ پانی کا یا ایک گھونٹ لسی کا ہو۔ بس شرط یہ ہے کہ یہ سب کام اخلاص کے ساتھ ہو یا وہ کھلا دے کے لیے نہیں۔

اسی طرح جو آدمی جہاد پر جا رہا ہو اسے سامان جہاد فراہم کرنا اور اس کی مالی مدد کرنا یہ بھی بہت بڑا ثواب ہے اور اس تعاون کرنے والے کو بھی جہاد کرنے والے جیسا اجر ملے گا، کیونکہ جہاد سے اسلام کے نخل کی آبیاری ہوتی ہے، جہاد اسلام کی حفاظت کا ضامن ہے۔ خصوصاً آج کے دور میں جہاں پوری دنیائے کفر طرح طرح کے حیلوں بہانوں سے اسلامی ممالک کو شیر مادر (ماں کا دودھ) سمجھ کر صلیبی جنگ پھیڑے ہوئے ہے، ایسے حالات میں ان صلیبی طاغوتوں اور ان کے گماشتوں کے خلاف اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر ہزاروں خدشات و خطرات کے ساتھ میدان جہاد میں جانا یقیناً بہت ہی باعث اجر و ثواب ہے اور ایسے حالات میں جبکہ مجاہدین کی کوئی سلطنت بھی باقاعدہ پشت پناہی کو تیار نہیں، ان کے ساتھ دعاؤں، نیک تمناؤں اور مالی امداد کی شکل میں تعاون کرنا یقیناً بہت بڑی نیکی ہے۔ ”اللّٰهُمَّ وَفَّقْنَا لِمَا نَحِبُ وَتَرْضَى“

نوکیب:

من حرف شرط فطر فعل ضمیر قائل صائماً مفعول بہ، فعل لاعل اور مفعول بہ مل کر معطوف علیہ او عطفہ جہز فعل ضمیر قائل غازیاً مفعول بہ، فعل قائل اور مفعول سے مل کر معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر شرط جزائیہ لہ جار مجرور متعلق ثابت خبر مقدم کے مثل مضاف اجرہ مضاف الیہ مضاف دونوں مل کر مبتدا، مبتدا خبر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر جزاء شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) شعب الایمان بیہقی، حدیث نمبر ۳۹۵۳



۳۴) ناجائز قبضہ پر زمین میں دھنسانے کا عذاب

مَنْ أَخَذَ مِنَ الْأَرْضِ شَيْئًا بِغَيْرِ حَقِّهِ خُسِفَ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَى سَبْعِ أَرْضِينَ

ترجمہ:

”جس نے کسی کی ناحق کچھ بھی زمین لی تو اسے اس زمین کے ساتھ قیامت کے دن سات زمینوں تک دھنسا دیا جائے گا۔“

تشریح:

یعنی اگر کسی کی تھوڑی سی بھی زمین ناحق لی ہوگی تو اس کا عذاب اور وبال یہ ہوگا کہ اس آدمی کو اس تھوڑی سی زمین کے ساتھ ایسے ہی سات زمینوں تک دھنسا دیا جائے گا جیسے قارون کو دھنسا دیا گیا تھا۔ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ جس نے کسی کی ایک باشت بھر زمین بھی ناحق لی ہوگئی اسے قیامت کے دن اس بات پر مجبور کیا جائے گا کہ وہ اس زمین کی سات طباقوں تک کھدائی کرے پھر وہ زمین اس کے گلے کا طوق بنا کر ڈال دی جائے گی اور وہ حساب کتاب ختم ہونے تک اسی حال میں رہے گا۔

زمین ناحق لینے کے بارے میں یہ بہت سخت وعیدیں ہیں۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ زمین کے معاملے میں اچھے بھلے لوگوں کا ایمان اور دیانت داری ڈولنے لگتی ہے اور وہ طرح طرح کے بود بے بودے حیلے بہانے بنا کر زمین دہانے کی کوشش سے گریز نہیں کرتے۔

تنبیہ:

ہمارے ہاں یہ نہایت قبیح رواج ہے کہ بہنوں اور بیٹیوں کو میراث میں حصہ نہیں دیا جاتا، اگر کوئی لے بھی لے تو اس کے ساتھ رشتہ ناجائز ختم کر کے اسے معاشرتی دباؤ کا شکار بنایا جاتا ہے۔ حالانکہ اس طرح سے ان عورتوں کی میراث سے ان کو حصہ نہ دینا بالکل غلط اور ظلم ہے اور یہ اسی وعید میں شامل ہے۔ سوچنے کی بات ہے کہ بہن نے بھی تو اسی ماں کے پیٹ سے جنم لیا ہے جہاں سے بھائی پیدا ہوئے ہیں۔ کیا اس کو ایک عورت اور ناتواں مخلوق ہونے کی سزا دی جاتی ہے کہ بھائی تو ایک ایک پائی کا بہنوں سے حساب لیں اور بہن سے حصہ خوشی خوشی بخشو لیا جائے۔ اگر کوئی بہن اپنی مرضی سے دینا چاہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے جائیداد تقسیم کر کے اس کا حصہ علیحدہ دیا جائے وہ اپنے قبضے میں لانے کے بعد اس کو اگر دینا چاہے تو دے سکتی ہے اس کے بغیر نہیں۔ کیونکہ ہبۃ المشاع و لو لشریکہ درست نہیں۔

ترکیب:

من حرف شرط اخذ فعل با فاعل من الارض جار مجرور متعلق فعل کے شینا مفعول بہ بغیر حقہ جار مجرور متعلق فعل،

۳۱ امیر کی اطاعت کی اہمیت

مَنْ أَطَاعَنِي فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ عَصَى اللَّهَ وَمَنْ يُطِيعِ
الْأَمِيرَ فَقَدْ أَطَاعَنِي وَمَنْ يَعُصِي الْأَمِيرَ فَقَدْ عَصَانِي

ترجمہ:

”جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جو شخص امیر کی اطاعت کرتا ہے وہ میری اطاعت کرتا ہے اور جو شخص امیر کی اطاعت کرتا ہے وہ میری اطاعت کرتا ہے اور جو شخص امیر کی نافرمانی کرتا ہے وہ میری نافرمانی کرتا ہے۔“

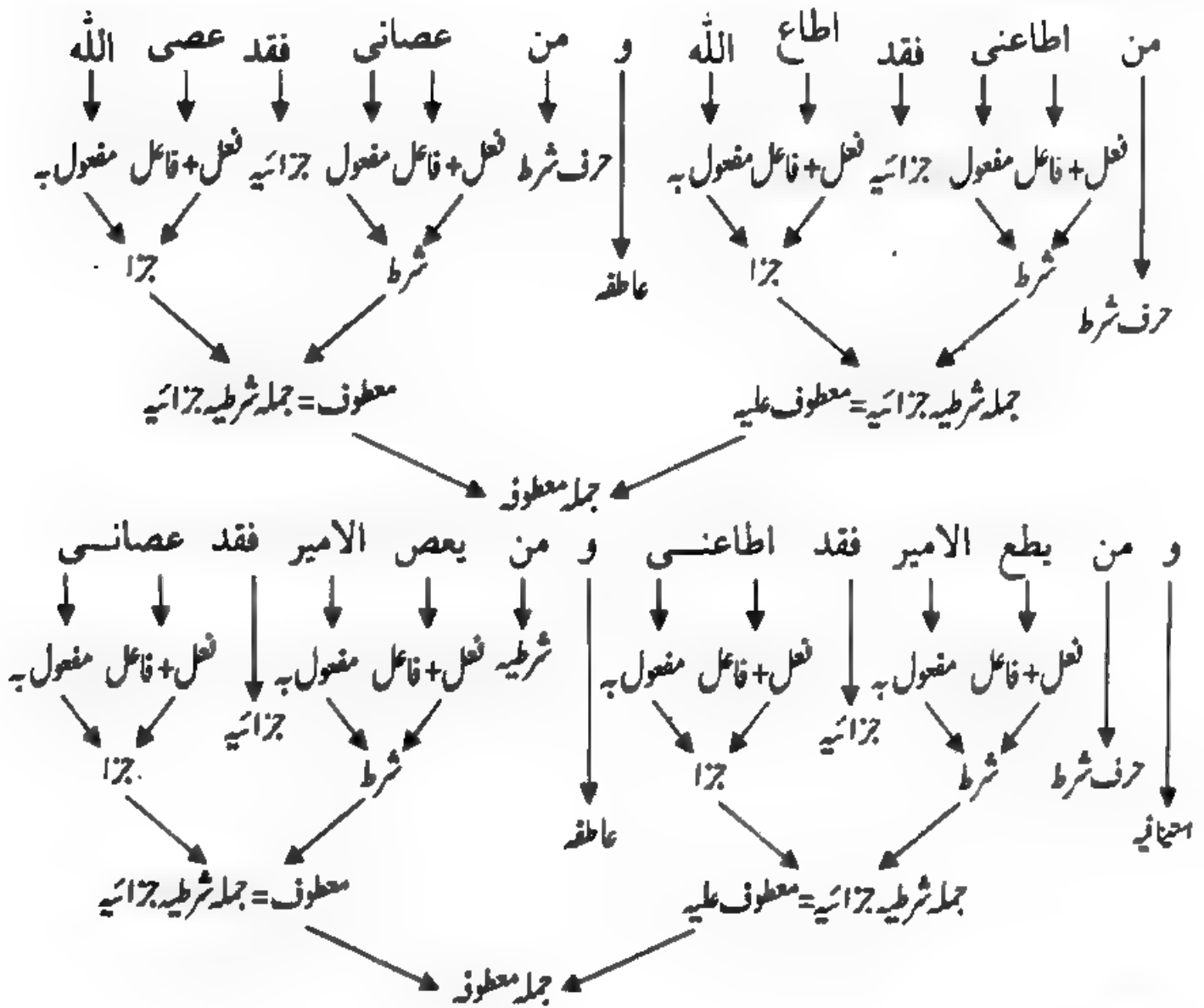
تشریح:

مذکورہ بالا حدیث میں اطاعت کے تین مراحل یا درجات بیان کیے گئے ہیں (۱) اطاعت امیر (۲) اطاعت رسول (۳) اطاعت خداوندی۔ اصل اطاعت تو اللہ رب العزت کی ہے کیونکہ اصل حاکم اور صاحب امر خدا کی ہستی ہے۔ باقی اطاعات اس کے تابع ہیں۔ پھر چونکہ اللہ رب العزت نے اپنے رسول کو ہماری طرف نمائندہ بنا کر بھیجا ہے تو اس کی اطاعت بھی لازمی ہوگی لیکن یہ اطاعت درحقیقت خدا کی اطاعت ہے کیونکہ رسول اسی کے بھیجے ہوئے ہیں۔ بالکل اسی طرح جس شخص کو رسول خدا ﷺ امیر بنا دیں تو وہ بھی آپ ﷺ کے واسطے سے گویا خدا کا مقرر کردہ ہے اس کی اطاعت رسول کی اطاعت ہی ہوگی..... اجتماعی نظم چلانے میں خاص طور سے دینی معاملات میں امیر کی اطاعت نہایت ضروری ہے ورنہ کامیابی نہیں ہو سکتی۔

ترکیب:

من حرف شرط اطاعنی فعل ضمیر فاعل ی ضمیر مفعول بہ فعل فاعل اور مفعول بہ سے مل کر شرط جزائیہ قد حرف تحقیق اطاع فعل ضمیر فاعل لفظ اللہ مفعول بہ فعل فاعل اور مفعول بہ مل کر جزاء شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ ہو کر معطوف علیہ و عاطفہ من حرف شرط عصانی فعل فاعل اور مفعول بہ مل کر جزاء شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ ہو کر معطوف علیہ و عاطفہ من حرف شرط عصانی فعل فاعل اور مفعول بہ مل کر شرط قد عصی اللہ پہلے جملے کی طرح جزاء شرط جزا مل کر جملہ ہو کر معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر جملہ معطوفہ و استینافیہ یطع فعل ضمیر فاعل الامیر مفعول بہ فعل فاعل اور مفعول بہ مل کر شرط جزائیہ قد حرف تحقیق عصانی فعل فاعل اور مفعول بہ مل کر جزاء شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر جملہ معطوف۔

نقشه ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) بخاری، حدیث نمبر ۲۹۵۷، کتاب الجہاد۔

(۲) مسلم، حدیث نمبر ۴۸۵۴، کتاب الامارۃ۔



۳۴) خواب میں آپ ﷺ کی زیارت

مَنْ رَأَى فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَأَى فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتَمَثَّلُ فِي صُورَتِي

ترجمہ:

”جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے مجھے ہی دیکھا کیونکہ شیطان میری صورت اختیار نہیں کر سکتا۔“

تشریح:

اس حدیث میں امتیوں کے لیے ایک بہت بڑی بشارت اور سامان تسلی ہے کہ جس نے خواب میں میری زیارت کی وہ یہ تسلی رکھے کہ اس نے میری ہی زیارت کی اور یہ کہ یہ خواب درست اور سچا تھا، شیطانی اثر نہیں تھا کیونکہ شیطان کو اللہ رب العزت نے یہ قدرت ہی نہیں دی کہ وہ میری شکل اپنا سکے۔ چاہے بیداری کی حالت ہو یا نیند کی ہر حال میں شیطان آپ کی شکل نہیں بنا سکتا۔ علمائے کرم نے اس حوالے سے بحث فرمائی ہے کہ آپ ﷺ کو خواب میں دیکھنے کے لیے کیا یہ ضروری ہے کہ آپ کو ایسی شکل میں دیکھے جیسا آپ ﷺ کا حلیہ واقع میں تھا یا کسی بھی شکل میں دیکھ لے تو اسے دیکھنا سمجھیں گے۔ بہت سے علماء کا رجحان اس طرف ہے کہ آپ ﷺ کے اصلی حلیہ میں دیکھنا ضروری ہے ورنہ معتبر نہیں ہوگا۔ کیونکہ آپ ﷺ کو دیکھنا تب ہی کہیں گے جب آپ کو آپ کے اصل حلیے میں دیکھے۔ ورنہ تو صرف دماغ کا ایک تصور ہے آپ کو دیکھنا تو نہیں پایا گیا۔

فائدہ:

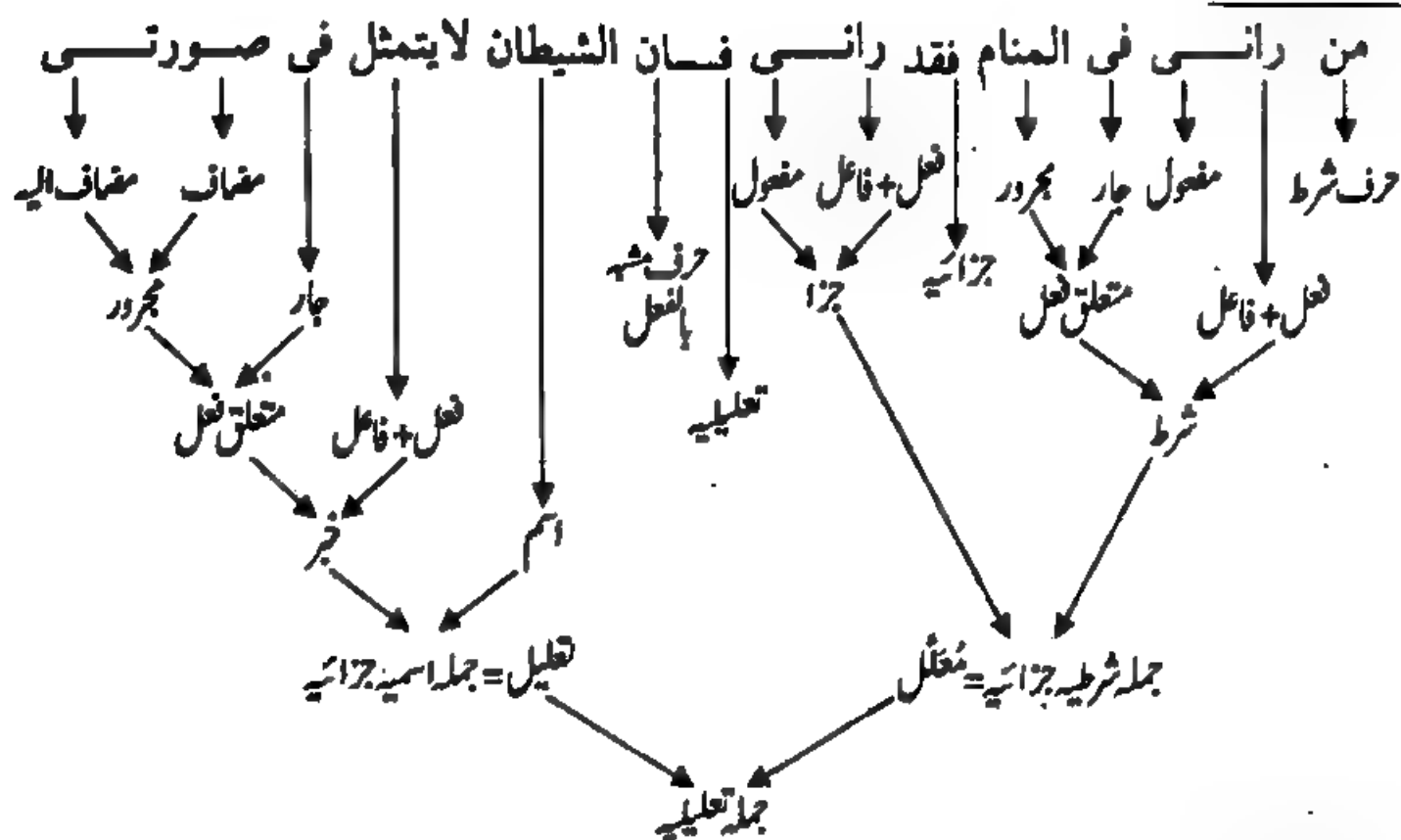
خواب سے متعلق علماء کا یہ قول اور اصول نہایت اہم ہے کہ ”الرؤیا تسرو لا تغر“ یعنی خواب آپ کی خوشی، سامان تسلی اور قلبی تقویت فراہم کرنے کا ذریعہ تو ہوتے ہیں لیکن کسی بھی خواب کی بنیاد پر دھوکے میں نہیں پڑنا چاہیے۔ یعنی عملی زندگی میں احکام کے لحاظ سے خواب کی حیثیت کچھ نہیں چنانچہ خواب اگر شریعت کے موافق ہے تو بہت اچھا لیکن اگر شریعت سے متصادم ہو تو اس کی کوئی حیثیت نہیں چنانچہ اگر آدمی کی خواب میں کوئی بڑے سے بڑا بزرگ بھی آجائے۔ ولی ہو غوث قطب حتی کہ نبی بھی ہو۔ اگر وہ کوئی ایسی بات کہے جو شریعت سے قطعاً مطابقت نہیں رکھتی تو شریعت کے مقابلے میں ایسے خواب کی کوئی حیثیت نہیں ہوگی۔ کیونکہ آپ ﷺ نے جو شریعت دی ہے وہ بیداری کے احکامات ہیں اور خواب میں تو آدمی سو رہا ہوتا ہے۔ اور نیند کی بات بھلے کتنی ہی مضبوط ہو اس کا مقابلہ بیداری کی چیزوں سے نہیں ہو سکتا۔ واللہ اعلم

ترکیب:

من حرف شرط رانی فعل فاعل اور مفعول فی جار المَنَامِ مجرور جار مجرور متعلق فعل کے فعل فاعل مفعول اور متعلق مل کر شرط ف جزا ایہ قد حرف تحقیق رانی فعل فاعل اور مفعول بہ مل کر جزا، شرط جزا مل کر معلل فاعلیہ ان حرف مشبہ بالفعل الشَّيْطَانِ

جملہ اسے خبر یہ ہو کر تعلیل معلل تعلیل سے مل کر جملہ تعلیل ہو۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) بخاری، حدیث نمبر ۶۵۹۳، کتاب التعمیر۔

(۲) مسلم، حدیث نمبر ۵۰۵۶، کتاب الزواہ۔

۳۱) ناحق دعویٰ کرنے والے کے لیے سخت وعید

مَنْ ادَّعى مَا لَيْسَ لَهُ فَلَيْسَ مِنَّا وَ لَيَتَّبِعُنَّ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ

ترجمہ:

”جو کسی ایسی چیز کا دعویٰ کرے جو اس کی نہیں تو ایسا شخص ہم میں سے نہیں اور اسے چاہیے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے۔“

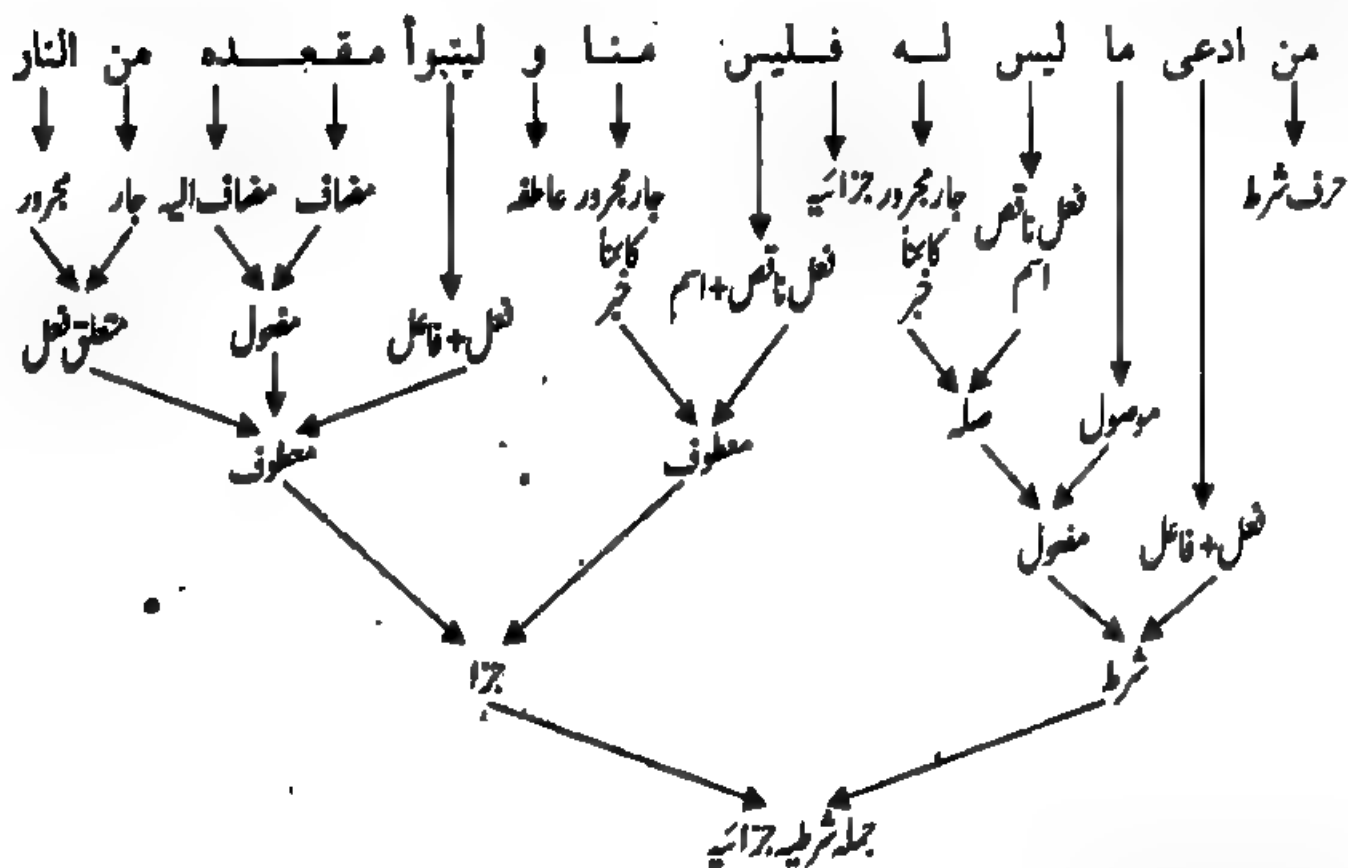
تشریح:

حدیث کا مطلب واضح ہے کہ جو آدمی یہ جانتا بھی ہے کہ فلاں چیز میری نہیں کسی اور کی ہے اس کے باوجود وہ اس چیز کے بارے میں اپنی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کا یہ فعل ہلکے درجے کا گناہ یا صرف جھوٹ کا گناہ نہیں بلکہ انتہائی سخت وعید کا مستحق ہے اور وہ وعید یہ ہے کہ دنیا میں تو اس کا ہم سے یعنی امت مسلمہ اور مسلمان معاشرے سے کوئی تعلق نہیں اور ایسا ظالم شخص مسلمان ہونے کے قابل نہیں..... اور آخرت میں ایسے شخص کی سزا یہ ہے کہ اس کا ٹھکانہ جہنم میں ہے حدیث کے الفاظ میں کمال فصاحت و بلاغت سے یہ فرمایا گیا ہے کہ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے اس کا مطلب یہ ہے کہ اب یہ اس پر منحصر ہے کہ وہ ٹھکانہ بنانا چاہتا ہے یا نہیں اور اگر بنانا چاہتا ہے تو کیسا؟ جہنم کے عام درجے کے عذاب کا یا نچلے درجے کے عذاب کا۔

ترکیب:

من حرف شرط ادعی فعل ضمیر فاعل ما اسم موصول لیس فعل ناقص ضمیر اس کا اسم لہ جار مجرور متعلق کا بنا خبر محذوف کے اسم و خبر مل کر صلہ موصول صلہ مل کر مفعول بہ فعل فاعل اور مفعول سے مل کر شرط جزائیہ لیس فعل ناقص ضمیر اس کا اسم منا جار مجرور متعلق کا بنا خبر محذوف کے اسم و خبر مل کر معطوف علیہ و عاطفہ لیتبوا فعل ضمیر فاعل مقعدہ مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول من جار الناد مجرور جار مجرور متعلق فعل کے فعل فاعل مفعول اور متعلق مل کر معطوف۔ معطوف معطوف علیہ مل کر جزاء شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ ہوا۔

نقشه ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) مسلم، حدیث نمبر ۲۲۶، باب بیان حال من قال لا یمسک المسلم یا کافر، کتاب الایمان۔



۳۳ رمضان اور لیلة القدر کی فضیلت

مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَ احْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَ احْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَ مَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ اِيْمَانًا وَ احْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ

ترجمہ:

”جو آدمی ایمان اور ثواب کی نیت سے رمضان کے روزے رکھے تو اس کے سابقہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور جو آدمی رمضان میں رات کو ایمان اور ثواب کی نیت سے عبادت کرے تو اس کے سابقہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور جو آدمی لیلة القدر کی رات ایمان اور ثواب کی نیت سے قیام کرے تو اس کے سابقہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔“

تشریح:

رمضان رحمت خداوندی کے نزول کا خاص مہینہ ہے اس میں خدا کی رحمت کے کئی مواقع ہیں کوئی ایک موقع بھی ہاتھ آ گیا تو بیڑا پار ہو جائے گا، روزوں سے بخشش ہو سکتی ہے ورنہ رات کا قیام اور تراویح کی نماز سے کام بن سکتا ہے اور اگر کسی کو لیلة القدر کی رات میسر آ جائے تو پھر کیا کہنے۔ اتنے زیادہ موقعوں سے کوئی رحمت نہ لوٹ سکے تو پھر ایسے آدمی کے لیے واقعہ ہلاکت ہے جیسا کہ خود حدیث میں ہے۔

ترکیب:

من حرف شرط صام فعل ضمیر ذوالحال رمضان مفعول فیہ ایمانا معطوف علیہ و عاطفہ احتسابا معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر حال۔ حال ذوالحال مل کر فاعل۔ فعل قاعل اور مفعول سے مل کر شرط غفر فعل لہ جار مجرور ما موصولہ تقدم فعل فاعل من جار ذنبہ مجرور جار مجرور متعلق فعل کے صلہ، موصول صلہ مل کر نائب فاعل، فعل نائب فاعل اور متعلق سے مل کر جزا۔ شرط جزا سے مل کر جملہ شرطیہ جزا یہ ہو کر معطوف علیہ و عاطفہ من قام رمضان بعینہ پچھلی ترکیب کی طرح ہو کر معطوف علیہ معطوف و عاطفہ من قام لیلة القدر بھی بعینہ پچھلی ترکیب کی طرح ہو کر معطوف تمام معطوفات مل کر جملہ معطوف ہوا۔

۳۳ بدبودار چیز اور مسجد کا احترام

مَنْ أَكَلَ مِنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ الْمُتَنَتَةِ فَلَا يَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَتَأَذَى مِمَّا يَتَأَذَى مِنْهُ الْإِنْسُ

ترجمہ:

”جو آدمی اس بدبودار پودے میں سے کچھ کھا کر آئے وہ ہماری مسجد کے قریب بھی نہ پھٹے کیونکہ ملائکہ بھی اس چیز سے تکلیف محسوس کرتے ہیں جس سے انسان تکلیف محسوس کرتے ہیں۔“

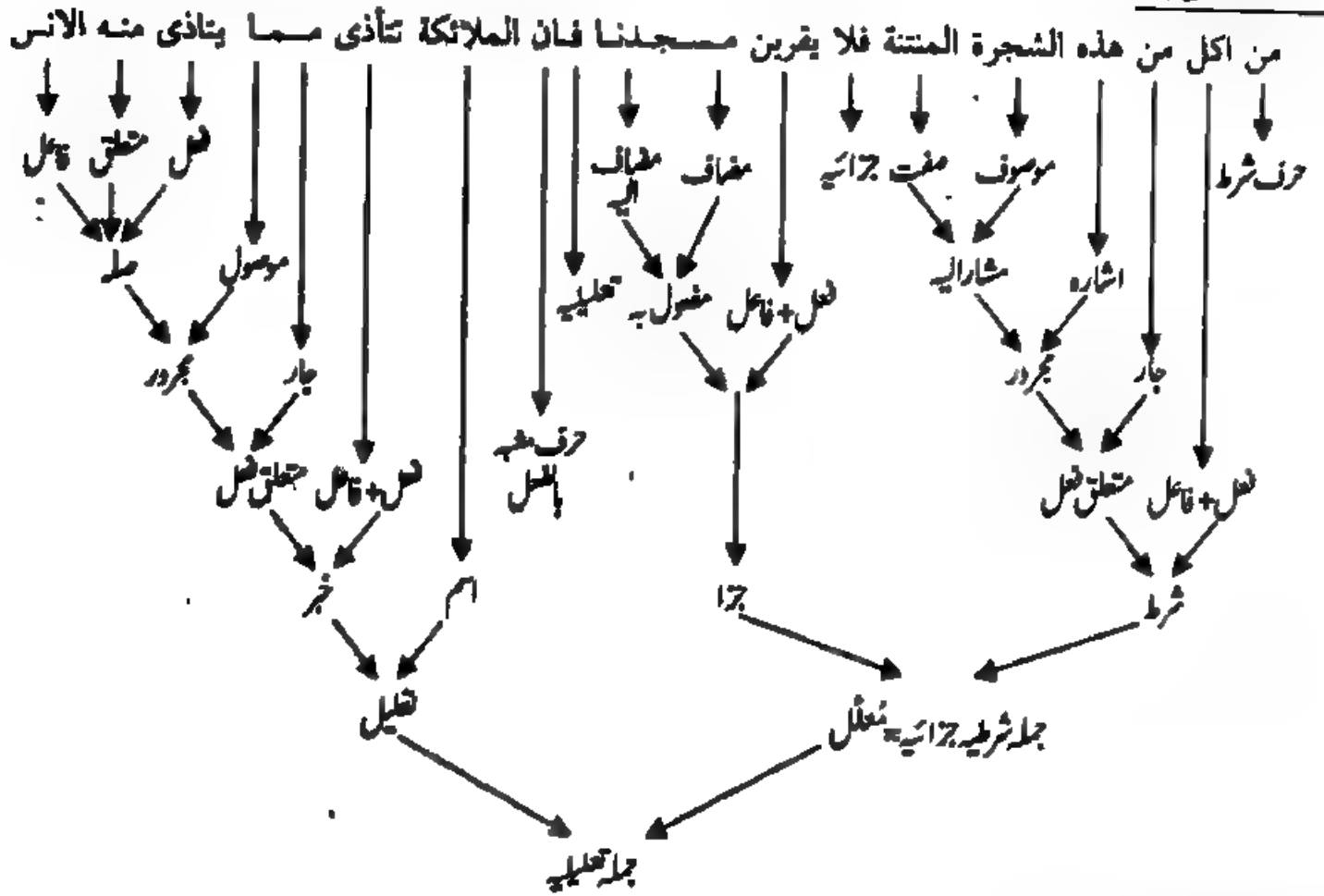
تشریح:

اس بدبودار پودے سے مراد پیاز یا لہسن کا پودا ہے کیونکہ جب آدمی کچا پیاز یا لہسن کھاتا ہے تو اس کے منہ سے بدبو آتی ہے۔ ایسی حالت میں مسجد میں آنے سے منع فرما دیا کیونکہ مسجد کا ماحول نورانی فرشتوں کا ماحول ہوتا ہے اور فرشتے اپنی نظافت و لطافت کی وجہ سے ان چیزوں سے ایسی ہی تکلیف محسوس کرتے ہیں جیسے سلیم الذوق انسان اور صاف ستھرے مزاج والے لوگ۔ علماء نے تصریح کی ہے کہ مذکورہ بالا حکم صرف ان دو چیزوں کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اصل بنیاد بدبو پر ہے۔ چنانچہ جس چیز میں بھی تکلیف و بدبو ہو اس کے ساتھ مسجد میں آنا جائز نہیں چاہے حقہ سگریٹ وغیرہ ہوں یا گندے کپڑوں اور پسینے کی بدبو ہو۔ واضح رہے کہ ایسے آدمی کے لیے یہ بدبو مسجد میں نہ جانے کا عذر نہیں بلکہ اس کے ذمے لازم ہے کہ جنبی آدمی کی طرح اس وجہ کو ختم کرے اور بدبو کو زائل کر کے مسجد میں جائے۔ دوسرے لفظوں میں اس حدیث کا مقصد لوگوں کو مسجد میں آنے سے منع کرنا نہیں بلکہ صاف ہو کر آنے کا حکم دینا ہے۔

ترکیب:

من حرف شرط اکل فعل فاعل من جار ہذہ اسم اشارہ الشجرۃ موصوف المتنتہ صفت، موصوف صفت مل کر مشار الیہ۔ اشارہ مشار الیہ مل کر مجرور۔ جار مجرور مل کر متعلق فعل کے فعل فاعل اور متعلق مل کر شرط ف جزائیہ لا یقربن فعل ضمیر فاعل مسجدنا مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول بہ۔ فعل فاعل اور مفعول بہ مل کر جزاء شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ ہو کر معلل، ف تعلیلیہ ان حرف مشبہ بالفعل الملائکہ اسم تتأذی فعل ضمیر فاعل من جار ما اسم موصول تتأذی فعل منہ جار مجرور متعلق الانس فاعل۔ فعل فاعل اور متعلق مل کر صلہ۔ موصول صلہ مل کر مجرور۔ جار مجرور متعلق فعل کے فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر خبر، اسم و خبر مل کر تعلیل۔ معلل تعلیل مل کر جملہ تعلیلیہ ہوا۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) مسند احمد، حدیث نمبر ۱۵۰۱۴

(۲) مسلم، حدیث نمبر ۱۲۸۰، باب نہی من اكل ثوما او بصلاً او کرثاء کتاب الصما حدیث



۳) عہدہ قضاء کی ذمہ داری

مَنْ جُعِلَ قَاضِيًا بَيْنَ النَّاسِ فَقَدْ ذُبِحَ بِغَيْرِ سَكِّينَ

ترجمہ:

”جس شخص کو لوگوں کے درمیان قاضی بنا دیا گیا اسے بغیر چھری کے ذبح کر دیا گیا۔“

تشریح:

مطلب یہ ہے کہ قاضی بنا کوئی ایسی نعمت نہیں جس کے لیے تافس اور خواہش کی جائے بلکہ قاضی بنا تو ایک ابتلاء آزمائش اور امتحان ہے کیونکہ جب قاضی بن گئے تو اب دوہری دوہری ذمہ داریوں اور آزمائشوں کا سامنا ہوگا، ایک طرف لوگوں، معاشرے، خاندان، دوستوں اور عزیزوں کے تعلقات، دنیا کی چمک دمک رشوت کی کشش ہے اور دوسری طرف خدا کا حکم انصاف کا تقاضا اور اخلاق کا داعیہ ہے۔ ایک امتحان تو یہی ہے اور یہ بہت بڑا امتحان ہے کیونکہ اگر حکم خدا کو پورا کرے تو دوسرے کام نہیں ہوں گے اور اگر دوسری طرف جاتا ہے تو خدا کا حکم ٹوٹتا ہے۔ گویا ایک طرف دنیا کی کمی اور خرابی ہے تو دوسری طرف آخرت کی تباہی ہے ایسی مشکل صورت حال سے جو دو چار ہو وہ واقعتاً کند چھری سے ہی ذبح ہوتا ہے۔ بلکہ یہ کام ذبح سے بھی مشکل ہے کیونکہ اس میں تھوڑی دیر کی تکلیف ہے اور یہاں تو ہر روز نفس کے تقاضوں کا ذبح ہے، ہر روز جذبات کی قربانی ہے۔ ع۔

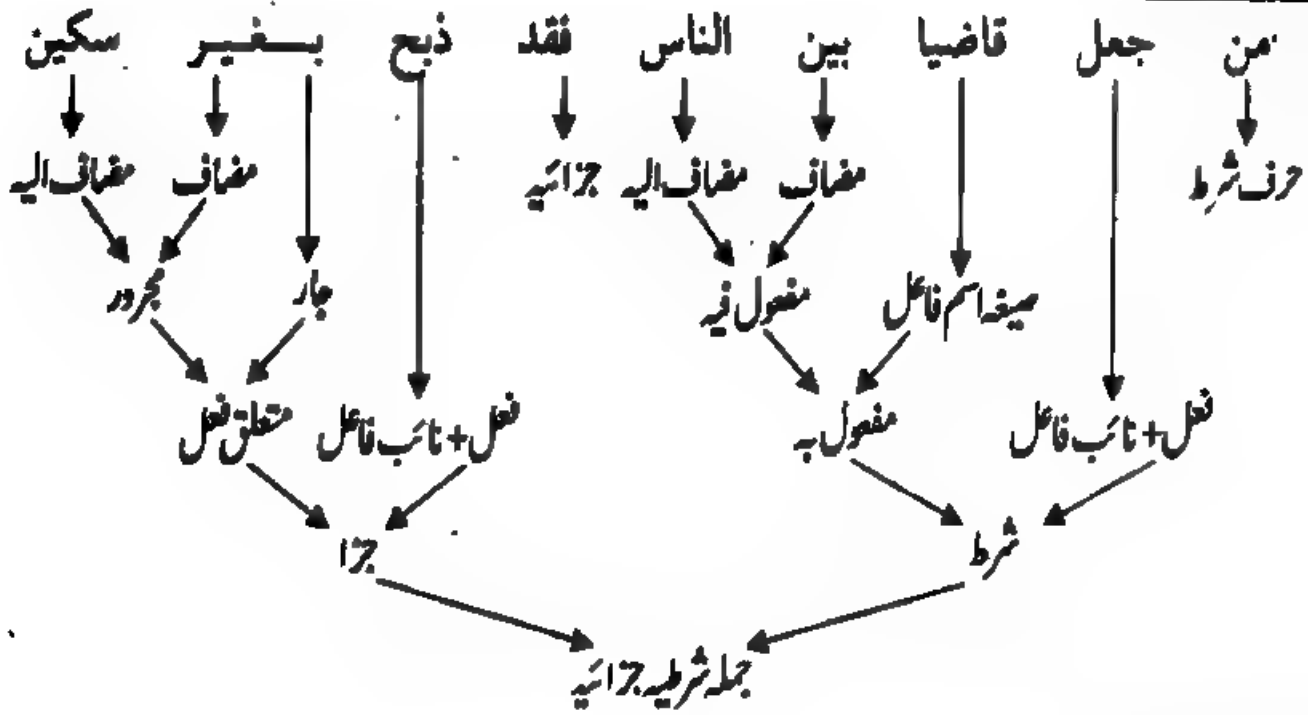
ہمیں کیا بُرا تھا مرنا اگر ایک بار ہوتا

اس وجہ سے علماء نے لکھا ہے کہ عہدہ خواہ کوئی بھی ہو اسے طلب کرنا حرام ہے۔ الا یہ کہ حقوق کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو اور اس طالب سے زیادہ یا برابر یا قریب قریب کا کوئی اہل بھی نہ ہو۔

ترکیب:

من حرف شرط جعل فعل مجہول ضمیر نائب فاعل قاضیا صیغہ اسم فاعل ضمیر فاعل بین الناس مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول فیہ۔ اسم فاعل اپنے فاعل و مفعول سے مل کر مفعول بہ ہوا فعل کا فعل مفعول سے مل کر شرط ف جزائیہ قد حرف تحقیق ذبح فعل مجہول ضمیر نائب فاعل ب جار غیر مضاف سکین مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور متعلق ہوئے فعل کے فعل نائب فاعل اور متعلق سے مل کر جزاء شرط جزا اہل کر جملہ شرطیہ جزائہ ہوا۔

نقشه ترکیب:



تخریج حدیث:

- (۱) ابو داؤد، حدیث نمبر ۳۵۷۲، باب فی طلب القضاء، کتاب القضاء۔
- (۲) ترمذی، حدیث نمبر ۱۳۲۵، باب ما جاء فی القاضی، ابواب الاحکام۔
- (۳) ابن ماجه، حدیث نمبر ۲۳۰۸، باب ذکر القضاء، کتاب الاحکام۔



۱۴) غیر اللہ کی قسم کھانے پر وعید

مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللَّهِ فَقَدْ أَشْرَكَ

ترجمہ:

”جس آدمی نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے شرک کا کام کیا۔“

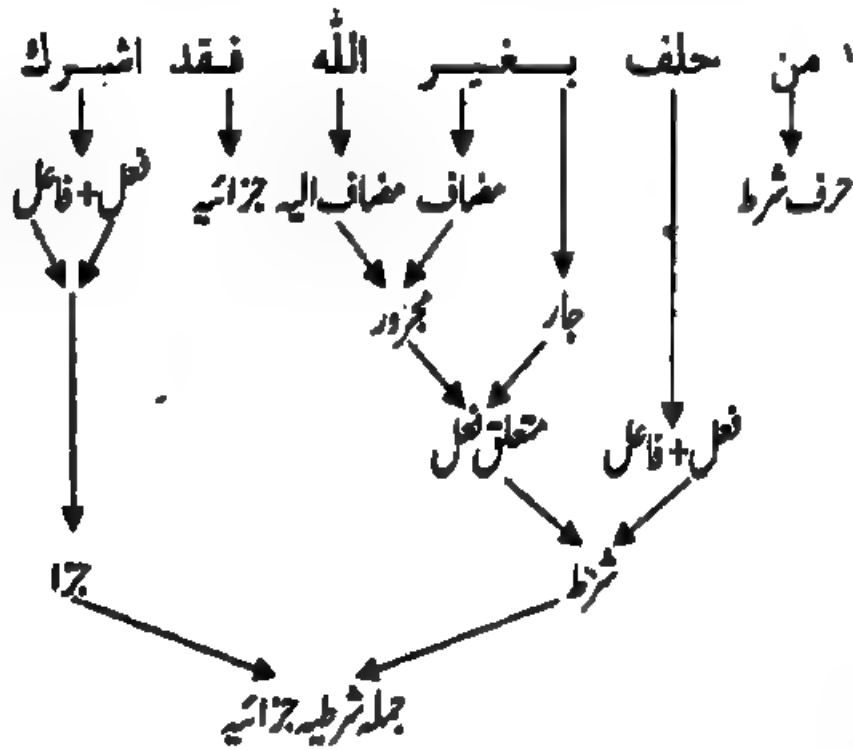
تشریح:

قسم درحقیقت کسی عام بات کو پختہ کرنے اور پکا کرنے کے لیے ہوتی ہے یعنی آدمی قسم کے ذریعے دوسرے کو یہ احساس اور یقین دلانا چاہ رہا ہوتا ہے کہ میں جو بات کہہ رہا ہوں یہ بات سچ ہے یا آئندہ آنے والے وقت میں میں یہ کام ضرور کروں گا۔ دونوں صورتوں میں قسم سے مقصود اپنی بات کی اہمیت کا احساس دلانا ہے۔ اور اس اہمیت کا احساس تب ہی ہو سکتا ہے جب بات کے ساتھ کوئی ایسی چیز یا حوالہ ذکر کیا جائے جس کے لحاظ میں آدمی غلط بات سے رک جائے۔ اس حوالے کی عظمت اور تقدس بات کرنے والے کے دل میں انتہا درجے کا ہونا چاہیے۔ اسی وجہ سے ہر ملت و معاشرے والے قسم کھانے کے لیے اپنے اپنے نظریے کے مطابق محترم اور مقدس ترین چیزوں کا ذکر کرتے ہیں۔ اسلام میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ انتہاء درجے کی تعظیم اور حد درجے کا تقدس صرف ایک ہی ذات کے لیے خاص ہے اور وہ ذات خداوندی ہے۔ اس لیے یہ حکم ہے کہ قسم جب بھی کھاؤ اللہ کی کھاؤ غیر اللہ کی نہ ہو کیونکہ غیر اللہ کی قسم کا مطلب ہوگا اسے حقیقی تعظیم اور انتہائی تقدس کا مستحق سمجھنا اور یہ یقیناً شرک کی بات ہے۔ اس لیے قسم جب بھی کھائی جائے خدا کی کھائی جائے۔

ترکیب:

من حرف شرط حلف فعل ضمیر فاعل ب جار غیر مضاف لفظ اللہ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور متعلق ہوئے فعل کے فعل فاعل اور متعلق سے مل کر شرط جزائیہ قد حرف تحقیق اشْرَک فعل ضمیر فاعل، فعل فاعل مل کر جزاء شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ ہوا۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) ترمذی، حدیث نمبر ۱۵۳۵، باب، ابواب النذور والایمان

۳۳) چند اہم اور زریں ہدایات

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ صَیْفَهُ وَ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ
بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يُؤْذِ جَارَهُ وَ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ
الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ

ترجمہ:

”جو آدمی اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ اپنے مہمان کا اکرام کرے اور جو آدمی اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ دے اور جو آدمی اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ اچھی بات کرے ورنہ خاموش رہے۔“

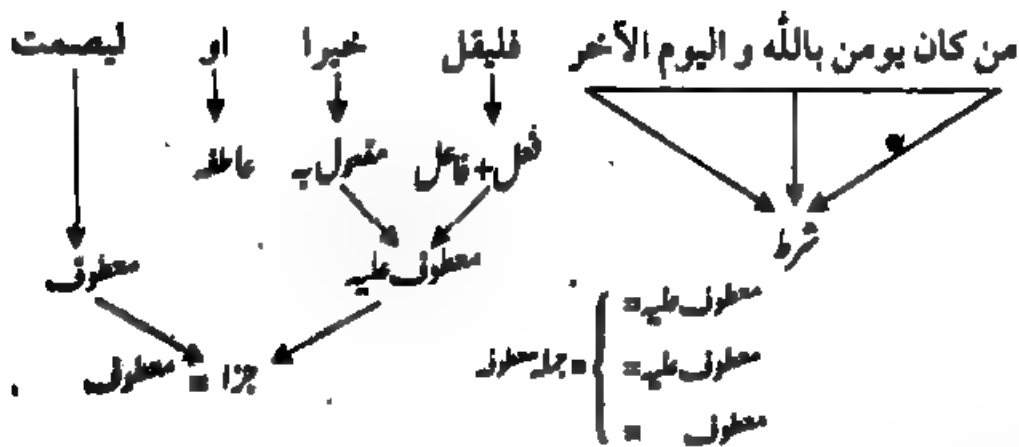
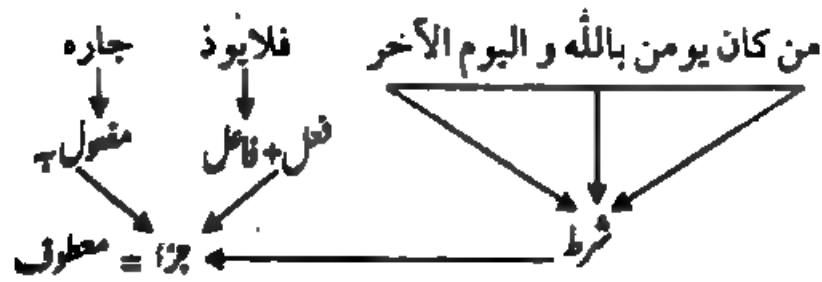
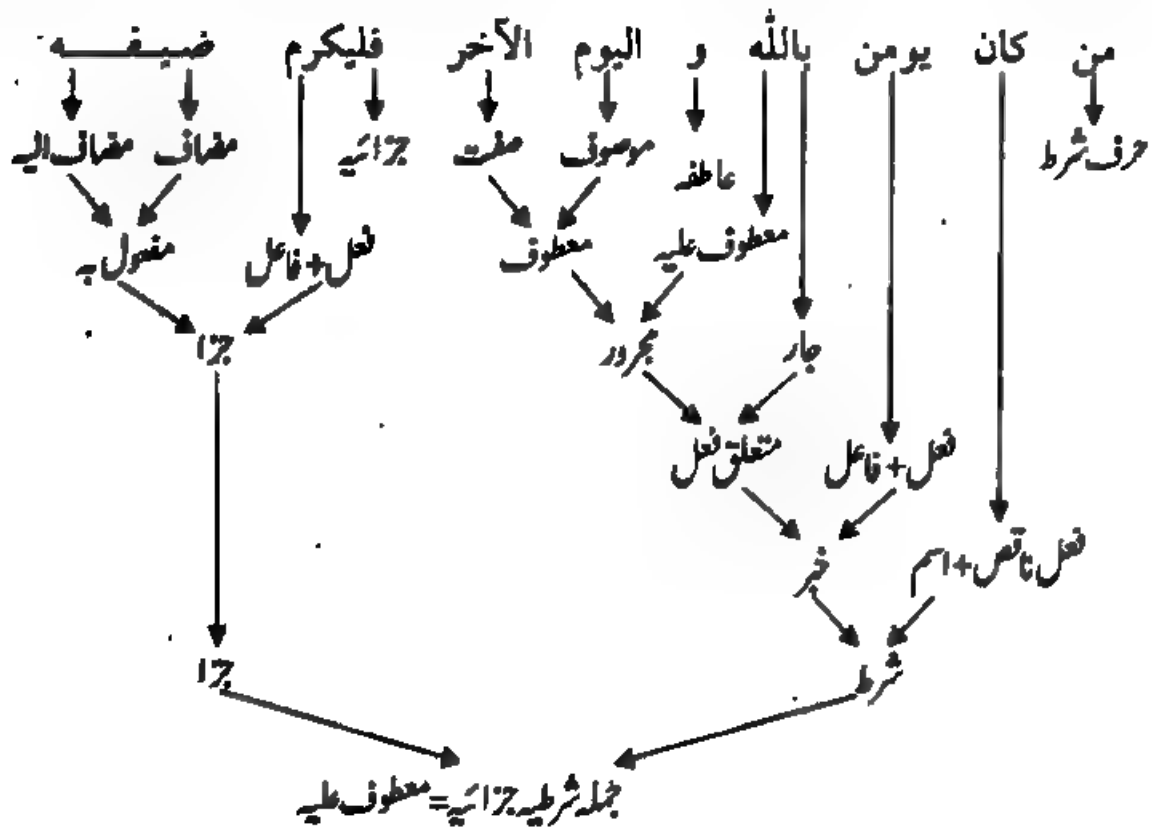
تشریح:

معلوم ہوا کہ مہمان کا اکرام ایمان کا تقاضا ہے اس لیے یہ کام بے لوث ہونا چاہیے اگر کسی غرض یا مفاد کی وابستگی کی وجہ سے مہمان کا اکرام ہو تو یہ تقاضائے ایمانی اور بلند اخلاقی کے منافی ہے۔ اسی طرح پڑوسی کو تکلیف سے بچانا بھی ایمانی تقاضا ہے۔ ذاتی مفاد یا قانون کا ڈر نہیں۔ حاصل یہ ہے کہ اسلام میں اخلاقی معاملات کی بنیاد ظاہری چالپوسی اور مفاد کے ساتھ وابستہ نہیں جیسا کہ آج کل کے مادی دور میں ہے بلکہ اسلام ان چیزوں کو دل کے سچے داعیے اور نظریے کی بنیاد پر کرواتا ہے اور ظاہر ہے سب سے مضبوط اور موثر عامل ایمان و اعتقاد ہی ہے۔ اس لیے ان چیزوں کو اسی سے نتھی کیا گیا ہے۔

ترکیب:

مَنْ حرف شرط كَانَ فعل ناقص ضمیر اسم یومَنْ فعل فاعل بَا جار لفظ اللہ معطوف علیہ والیوم الآخر موصوف مفت مل کر معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر مجرور، جار مجرور متعلق فعل۔ فعل فاعل و متعلق سے مل کر خبر کان کی۔ کان اسم و خبر سے مل کر شرط ف جزائیہ لیکرم فعل ضمیر فاعل صیغہ مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول ہے۔ فعل فاعل اور مفعول بہ مل کر جزاء، شرط جزاء مل کر معطوف علیہ و عاطفہ مَنْ کان یومَنْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ پچھلی ترکیب کی طرح شرط ف جزائیہ لا یؤذِ فعل ضمیر فاعل جارہ مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول ہے۔ فعل فاعل اور مفعول بہ مل کر جزاء، شرط جزاء مل کر معطوف علیہ و عاطفہ مَنْ کان یومَنْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ سابقہ ترکیب کی طرح شرط ف جزائیہ لیقُلْ فعل ضمیر فاعل خیرا مفعول ہے۔ فعل فاعل و مفعول بہ مل کر معطوف علیہ او عاطفہ لیصمُتْ معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر جزاء، شرط جزاء مل کر معطوف، تمام معطوقات مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔

نقشه ترکیب:



تخریج حدیث:

- (۱) بخاری، حدیث نمبر ۵۷۴۸، باب من کان یومن باللہ، کتاب الادب
- (۲) مسلم، حدیث نمبر ۱۸۳، باب الحث علی اکرام العار، کتاب الایمان

۳۴ عشا اور صبح کی نماز باجماعت کی فضیلت

مَنْ صَلَّى الْعِشَاءَ فِي جَمَاعَةٍ فَكَأَنَّمَا قَامَ نِصْفَ اللَّيْلِ وَ مَنْ صَلَّى الصُّبْحَ فِي جَمَاعَةٍ فَكَأَنَّمَا صَلَّى اللَّيْلَ كُلَّهُ

ترجمہ:

”جس شخص نے عشاء کی نماز باجماعت کے ساتھ ادا کی تو گویا اس نے آدھی رات قیام کیا اور جس نے فجر کی نماز باجماعت ادا کی اس نے گویا ساری رات قیام کیا۔“

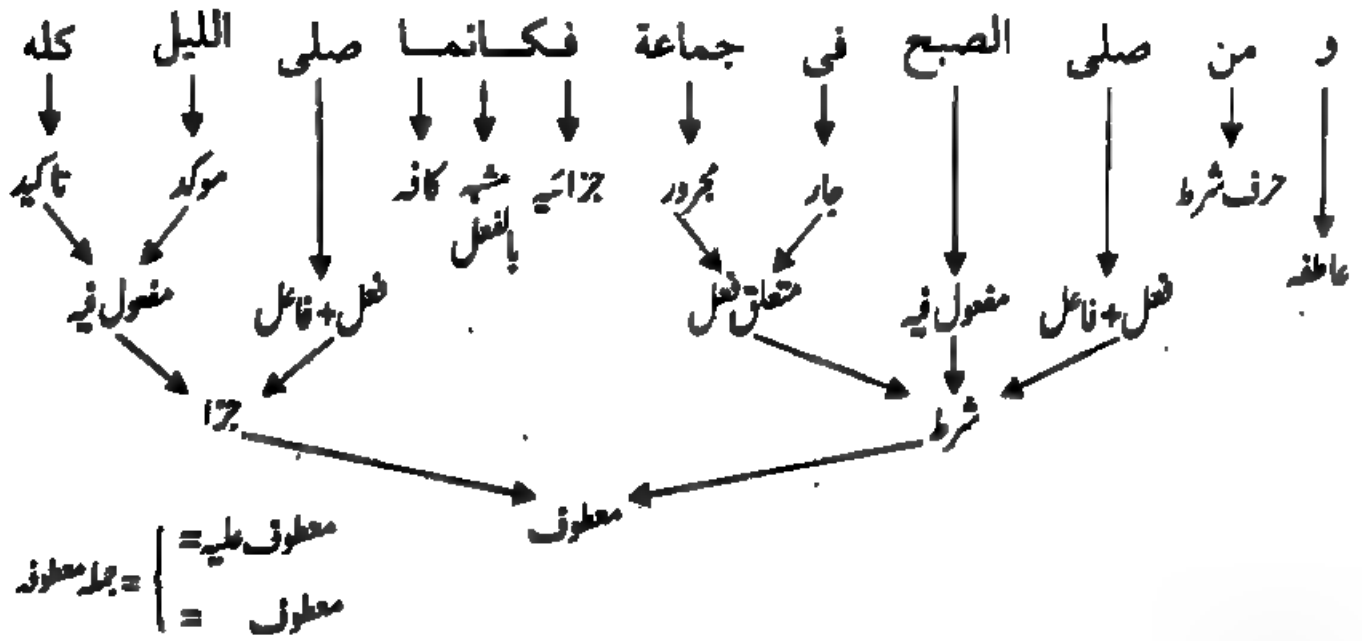
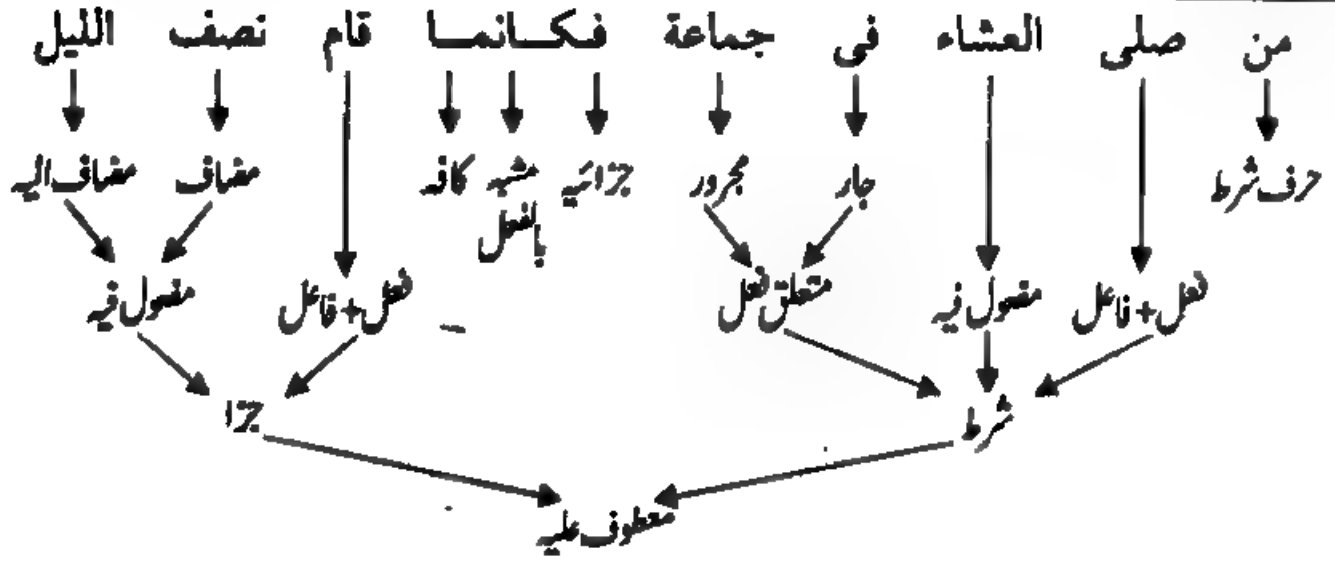
تشریح:

اس حدیث سے مقصود عشاء کی نماز اور فجر کی نماز باجماعت کی اہمیت بیان کرنا ہے۔ فرمایا اگر تم رات بھر عبادت خداوندی میں نہیں گزار سکتے تو کم از کم درجہ یہ ہے کہ عشاء کی نماز اور فجر کی نماز باجماعت ادا کر لو اس سے پوری رات قیام اور عبادت کا ثواب مل جائے گا۔ اس سے یہ بھی بیان کرنا مقصود ہے کہ ایک طرف عشاء و فجر کی فرض نماز باجماعت ہو اور دوسری طرف رات بھر کی عبادت ہو اور آدمی ہر آسانی ان میں سے ایک ہی کر سکتا ہے تو اس کو چاہیے کہ فرض نماز کو ترجیح دے۔ کیونکہ فرض بہر حال مقدم اور اہم ہیں۔ واضح رہے کہ ایسی تمام احادیث جن میں کسی عمل کا ثواب دوسرے عمل کے برابر ہونے کا کہا گیا ہوتا ہے اس میں صرف ثواب کا ذکر ہوتا ہے جو کہ کسی وجہ سے انعام خداوندی ہوتا ہے باقی رہا اصل عمل تو اس کے کرنے سے جو ثمرات و فوائد اور اضافی درجات اور اجر ملتا ہے وہ برابر نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ مل سکتا ہے۔ مثلاً یہاں عشا و فجر باجماعت ادا کرنے سے قیام اللیل اور تہجد کا ثواب تو مل جائے گا لیکن خود تہجد میں جاگنے، وضو کرنے، مشقت برداشت کرنے کے جو اثرات و نتائج ہیں وہ حاصل نہیں ہو سکتے۔ بقول بعض حضرات عمل کیے بغیر ثواب ملنے اور عمل کرنے میں وہی فرق ہے جو لے پا لک بچے اور ماں کے لیے مشقتوں کے ساتھ اپنے بنے ہوئے بچے کے درمیان ہے۔

ترکیب:

من حرف شرط صلی فعل فاعل العشاء مفعول بہ فی جماعۃ جار مجرور متعلق فعل۔ فعل فاعل مفعول اور متعلق مل کر شرط ف جزائیہ کان حرف مشبہ بالفعل ما کا نہ ملنی عن العمل قام فعل ضمیر فاعل نصف اللیل مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول فیہ۔ فعل فاعل و مفعول فیہ مل کر جزا، شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ ہو کر معطوف علیہ و عاطفہ من صلی الصبح فی جماعۃ سابقہ کی طرح شرط ف جزائیہ کان حرف مشبہ بالفعل ما کا نہ صلی فعل ضمیر فاعل اللیل موکد کلمہ تاکید، موکد تاکید مل کر مفعول فیہ۔ فعل فاعل اور مفعول فیہ مل کر جزا، شرط جزا مل کر جملہ معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔

نقشه تركيب:



تفريغ حديث:

(١) مسلم، حديث نمبر ١٥٢٣، باب فضل الجماعة، كتاب المساجد.



۳۸۸ حسب و نسب عمل کی کمی پوری نہیں کر سکتا

مَنْ بَطَّأَ بِهِ عَمَلُهُ لَمْ يُسْرِعْ بِهِ نَسَبُهُ

ترجمہ:

”جس شخص کے عمل نے اس کو پیچھے رکھا اس کا نسب اسے آگے نہیں لے جائے گا۔“

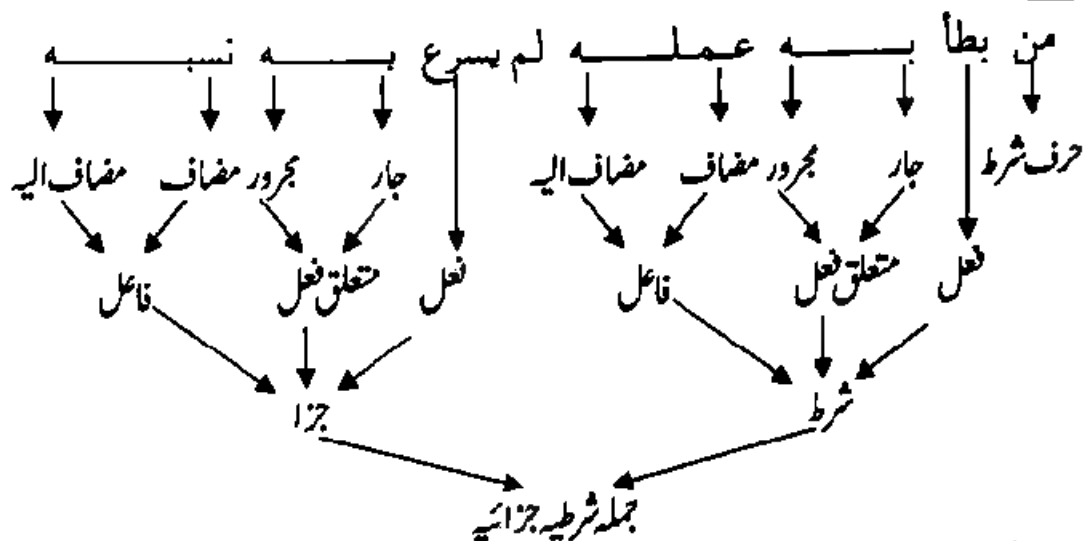
تشریح:

اسلام میں معیار فضیلت نسلی، لسانی، قومی یا علاقائی برتری اور امتیاز نہیں بلکہ یہاں عمل کا سکہ چلتا ہے جس کا عمل خدا کے ہاں محبوب ہے، اخلاص موجود ہے، وہ ادنیٰ نسب والا ہونے کے باوجود بھی اعلیٰ درجات لے اڑے گا۔ کتنے سردارانِ قریش ہیں جو قیامت کے دن اولاد اسماعیل و ابراہیم علیہ السلام میں سے ہونے کے باوجود جہنم میں اوندھے منہ گرائے جائیں گے اور بلال حبشی، صہیب رومی رضی اللہ عنہما جیسے غلام اعزاز و اکرام اور خدم و حشم کے جلو میں جنت کے دروازوں سے مرجا کر جا کہہ کر کے پکارے جائیں گے۔ نبی ﷺ نے خود اپنی چہیتی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا ”اعملی یا فاطمة فانی لا املك من الله شيئا“ اے فاطمہ! عمل کرو قیامت کے دن عمل کا سکہ چمے گا صرف میری رشتہ داری اور تعلق کام نہیں آئے گا۔

ترکیب:

من حرف شرط بطأ فعل به جار مجرور متعلق فعل عمله مضاف مضاف الیه مل کر فاعل۔ فعل فاعل اور متعلق مل کر شرط لم يسرع فعل به جار مجرور متعلق فعل نسبه مضاف مضاف الیه مل کر فاعل۔ فعل فاعل اور متعلق سے مل کر جزا، شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ جزا ایہ ہوا۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

مقبول حج کا ثواب

مَنْ حَجَّ لِلّٰهِ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمٍ وَلَدَتْهُ اُمُّهُ

ترجمہ:

”جس نے اللہ کے لیے حج کیا اور اس میں نہ صحبت کی اور نہ گناہ کا کام کیا وہ ایسے واپس آئے گا جیسے کہ اس کی ماں نے اس کو آج ہی جنا ہو۔“

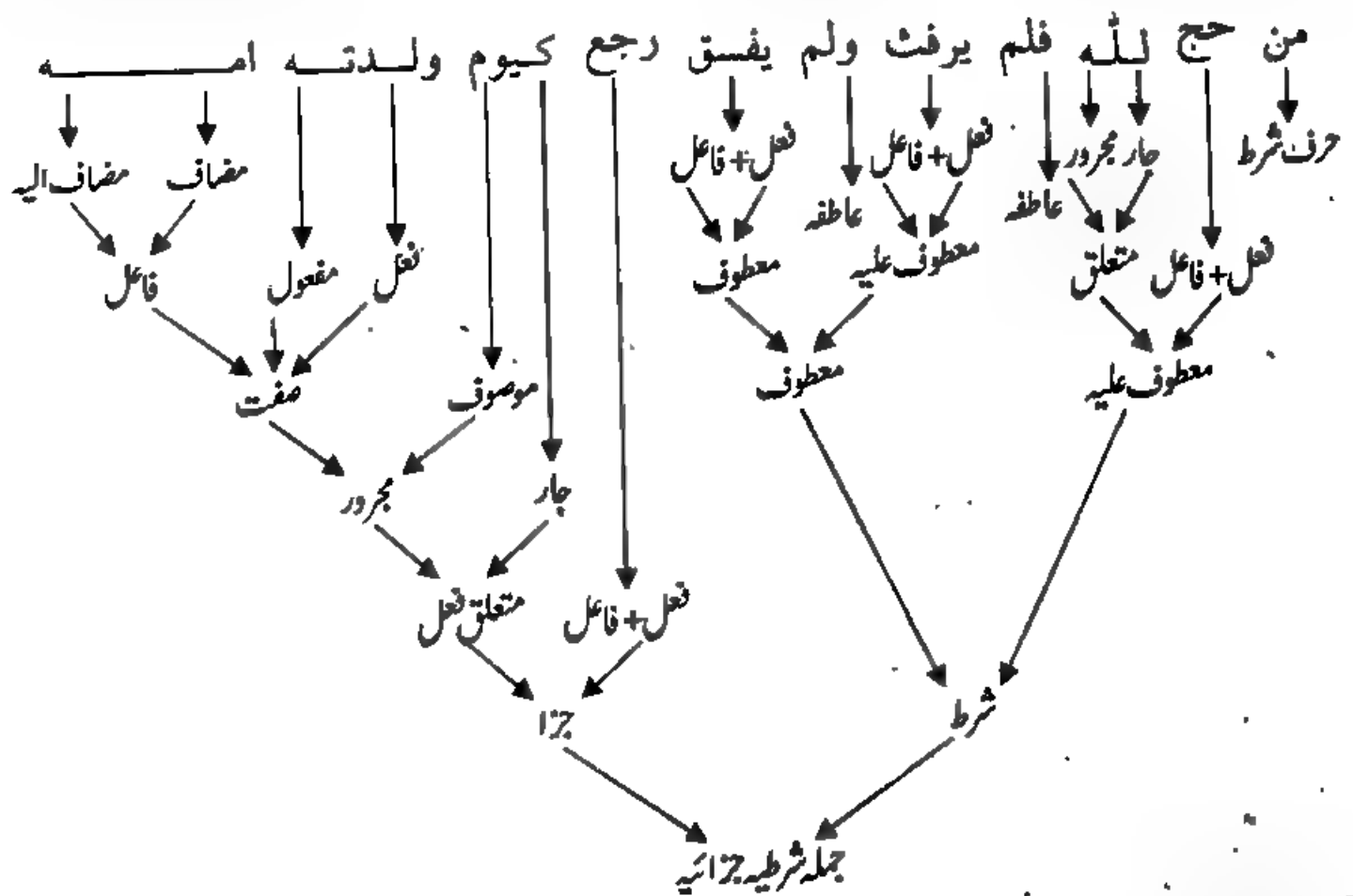
تشریح:

مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی اللہ کے لیے خلوص کے ساتھ حج کرے اور اس دوران اس نے اپنی بیوی سے صحبت بھی نہ کی ہو اور کوئی کبیرہ گناہ نہ کیا ہو۔ ایسا حج، حج مبرور ہے اور ایسے مقبول حج کا بدلہ یہ ہے کہ آدمی اپنے سابقہ گناہوں سے ایسے پاک صاف ہو جاتا ہے جیسے ابھی ابھی پیدا ہوا ہو۔ یہ حج کی فضیلت بہت بڑی فضیلت ہے دوسری طرف وسعت کے باوجود حج نہ کرنے والے کے لیے وعید بھی بہت سخت ہے چنانچہ آپ نے فرمایا جس شخص نے وسعت کے باوجود حج نہ کیا میرا اس سے کوئی لینا دینا نہیں، چاہے تو وہ یہودی ہو کر مرے اور چاہے تو عیسائی ہو کر مرے۔ (اللہ محفوظ فرمائے۔ آمین)

ترکیب:

من حرف شرط حج فعل ضمیر اس کا فاعل لله جار مجرور متعلق فعل کے فعل فاعل اور متعلق معطوف علیہ ف عاطفہ لم یرفث فعل ضمیر فاعل۔ فعل فاعل مل کر معطوف علیہ و عاطفہ لم یفسق فعل ضمیر اس کا فاعل۔ فعل فاعل مل کر معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر شرط، رجع فعل ضمیر اس کا فاعل لک حرف جار یوم موصوف ولدت فعل ضمیر مفعول بہ امہ مضاف مضاف الیہ مل کر فاعل۔ فعل فاعل اور مفعول بہ سے مل کر صفت، موصوف صفت سے مل کر مجرور، جار مجرور متعلق ہوا فعل کے فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جزا، شرط جزا سے مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ ہوا۔

نقشه تركيب:



تضريح حدیث:

- (١) بخاری، حدیث نمبر ١٤٤٩، باب فضل الحج المبرور، کتاب المناسک
(٢) مسلم، حدیث نمبر ٣٣٥٧، باب فضل الحج والعمرة، کتاب الحج

۵۸ شہادت کی تمنا کرنے کا انعام

مَنْ سَأَلَ اللَّهَ الشَّهَادَةَ بِصِدْقٍ بَلَغَهُ اللَّهُ مَنَازِلَ الشُّهَدَاءِ وَإِنْ مَاتَ عَلَى فِرَاشِهِ

ترجمہ:

”جو آدمی سچی نیت سے اللہ سے شہادت کی موت مانگا ہے اللہ اس کو شہداء کے درجے میں پہنچاتے ہیں اگرچہ اس کا انتقال اس کے بستر پر ہی ہوا ہو۔“

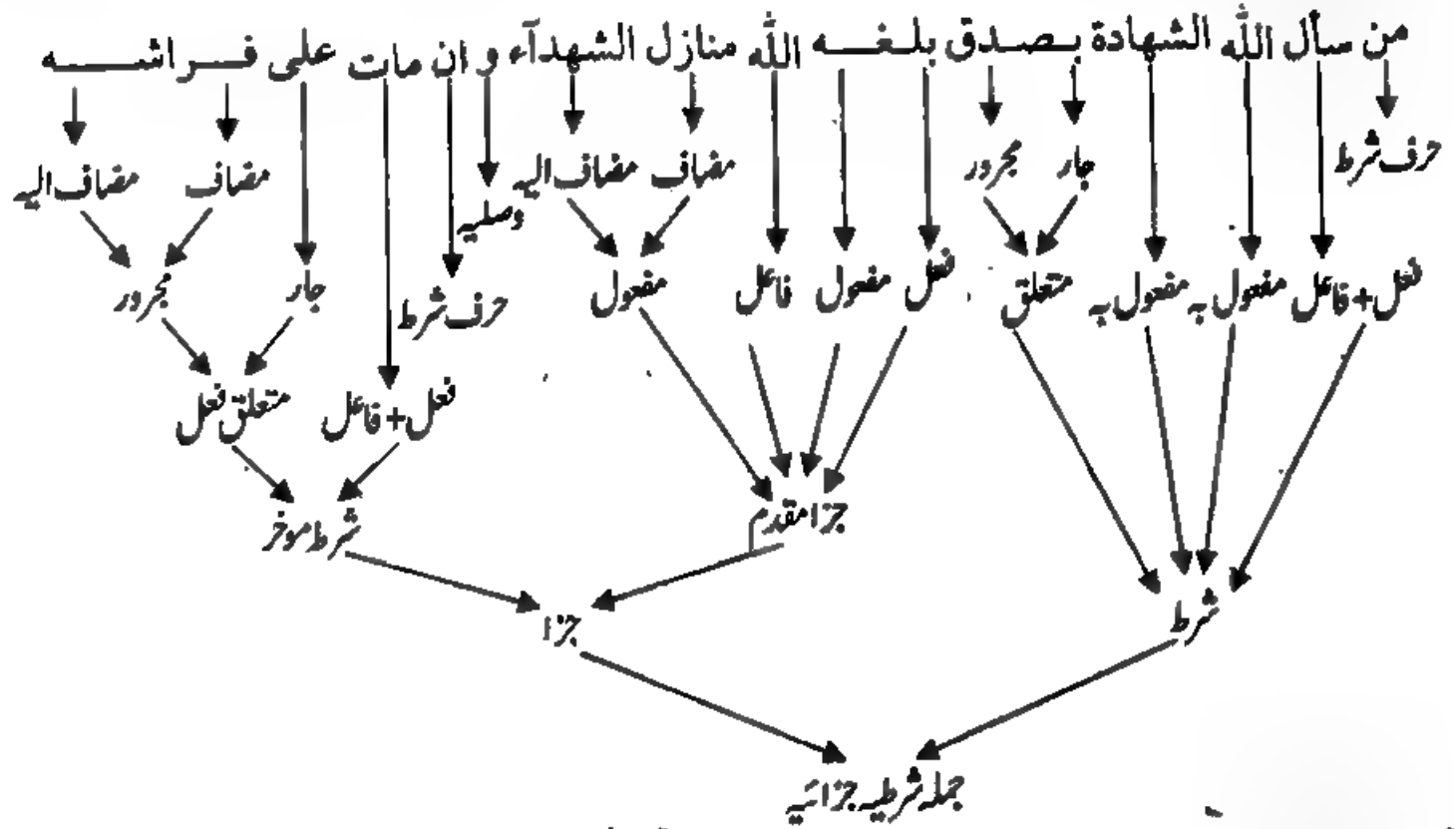
تشریح:

جو آدمی سچے دل سے شہادت کی طلب اور تڑپ رکھتا ہو اور سچی نیت کا مطلب یہ ہے کہ محض خواہش ہی خواہش نہ ہو بلکہ اگر حالات تقاضا کریں اور اس کے پاس استطاعت ہو تو وہ موت کو اس کی جگہوں میں تلاش کرنے کے لیے میدان جہاد میں کود بھی پڑے۔ اگر ایسا موقع ہی میسر نہ آئے یا موقع میسر آئے لیکن اس کے پاس استطاعت نہ ہو یا کوئی شرعی عذر ہو جس کی وجہ سے اسے عملاً جہاد میں جانے اور لڑنے مارنے کا موقع نہ ملا تو اس شخص کو مجبوری کی وجہ سے نیت پر ہی شہداء جیسا اجر مل جائے گا۔ اسی لیے حدیث میں ہے ”نية المؤمن خير من عمله“ یعنی بہت سے معاملات میں نیت سے وہ ثواب مل جاتا ہے جو عمل کرنے سے ملتا ہے۔

ترکیب:

مَنْ حرف شرط سَأَلَ فعل ضمیر قائل لفظ اللہ مفعول بہ اول الشَّهَادَةَ مفعول بہ ثانی ب جَارِ صِدْقٍ مجرور، جَارِ مجرور متعلق فعل کے فعل اپنے فاعل متعلق اور دونوں مفعولوں سے مل کر شرط بَلَّغَ فعل، ضمیر مفعول بہ مقدم لفظ اللہ فاعل مَنَازِلَ مضاف الشُّهَدَاءِ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول۔ فعل قائل اور مفعول سے مل کر جزا مقدم و وصلیہ اِنْ حرف شرط عات فعل ضمیر قائل عَلٰی جَارِ فِرَاشِهِ مجرور، جَارِ مجرور متعلق فعل کے فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط مؤخر، شرط جزا سے مل کر جملہ شرطیہ جزا یہ ہو کر جزا ہوئی پہلی شرط کی، شرط جزا مل کر جملہ پھر جملہ شرطیہ جزا یہ ہوا۔

نقشه ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) مسلم، حدیث نمبر ۵۰۳۹، باب استحباب طلب الشهادة، کتاب الأمانة

۱۵۱ جہاد کے لیے گھوڑا پالنے کا اجر

مَنْ احْتَبَسَ فَرَسًا فِي سَبِيلِ اللَّهِ اِيْمَانًا بِاللَّهِ وَ تَصَدِّقًا بِوَعْدِهِ فَاِنَّ شِبْعَةَ وَرِيَّةَ وَرَوْنَةَ وَ بَوْلَهُ فِي مِيزَانِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

ترجمہ:

”جس نے اللہ پر ایمان اور اس کے وعدے پر یقین اور اس کی تصدیق کرتے ہوئے جہاد کے لیے گھوڑا پالا تو اس گھوڑے کا کھانا پینا، لید اور پیشاب بھی قیامت والے دن اس کے نامہ اعمال میں ہوگا۔“

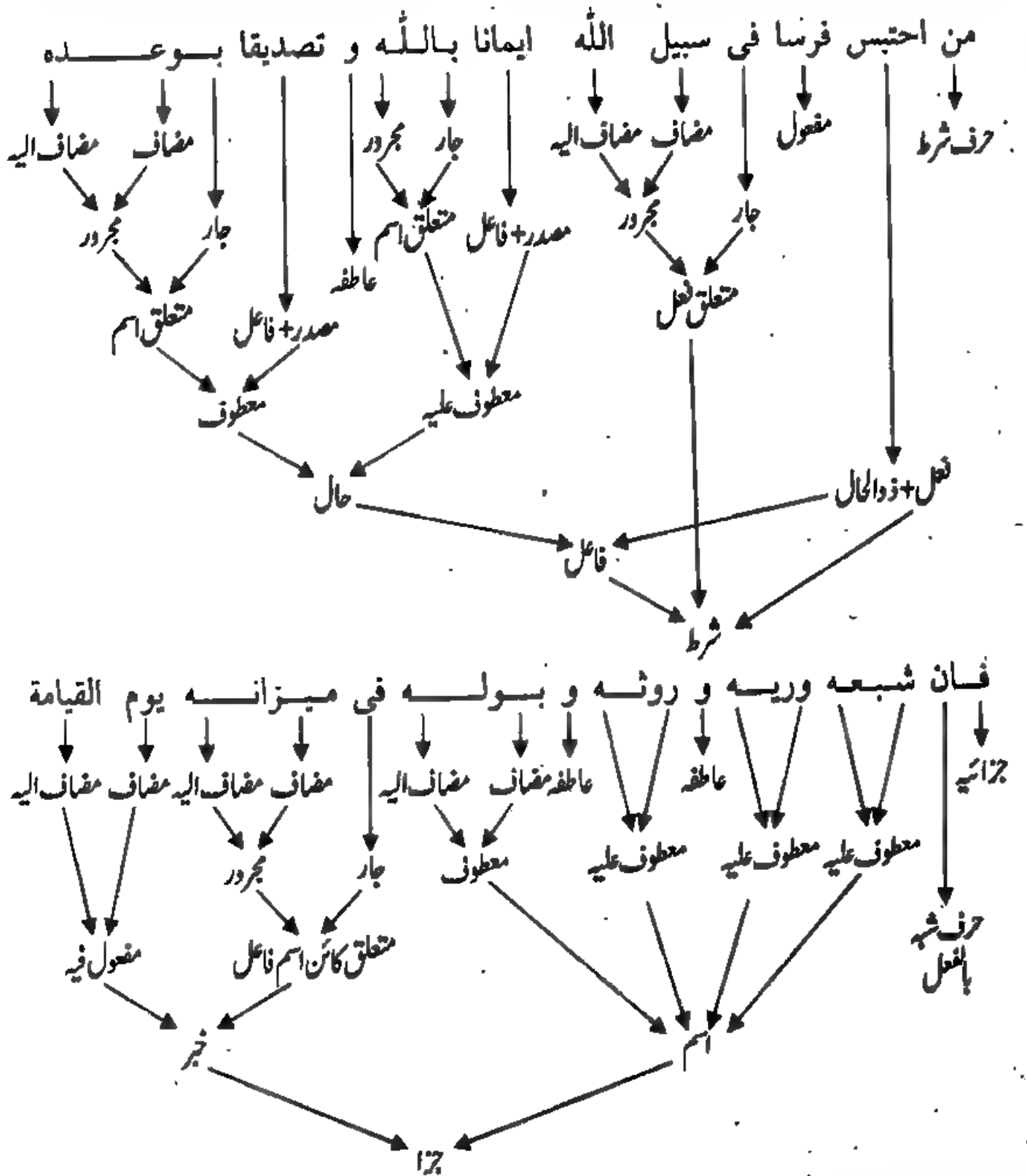
تشریح:

جہاد ایک مقدس فریضہ ہے جس سے اسلام کا غلبہ ہوتا ہے اور کفار کی شوکت ٹوٹی ہے۔ اس فریضے کا اللہ کے ہاں کیا مقام ہے اس بات کا اندازہ اس حدیث سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک آدمی ابھی عملی طور سے چاہے لڑے نہ بھی، مگر لڑنے کی نیت سے اپنے ایمانی جذبے کی بنیاد پر گھوڑا پالتا ہے تو اس گھوڑے کا چارہ، پانی، لید اور پیشاب جیسی حقیر چیز بھی قیامت کے دن نامہ اعمال میں رکھی جائے گی۔ آج کل چونکہ گھوڑے کی جگہ دیگر آلات جہاد نے لے لی ہے تو اب ان کے بارے میں یہی حکم ہوگا۔ جیسے سواری کی وعاء پہلے گھوڑے وغیرہ پر بیٹھتے ہوئے پرچی جاتی تھی اور اب گاڑی پر بیٹھتے ہوئے پرچی جاتی ہے۔ آج کل کے دور میں ٹینک بکتر بند گاڑیاں ہوئی جہاز اس حکم میں آئیں گے۔

ترکیب:

مَنْ حرف شرط احتبس فعل ضمیر ذوالحال فی جار سبیل اللہ مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور متعلق فعل کے ایمانا مصدر بمعنی اسم فاعل با جار لفظ اللہ مجرور، جار مجرور متعلق مصدر کے۔ مصدر اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر معطوف علیہ و عاقلہ تصدیقاً مصدر ب جار وعدہ مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور متعلق مصدر کے۔ مصدر اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر حال، حال ذوالحال مل کر فاعل۔ فعل فاعل اور متعلق مصدر سے مل کر شرط جزائیہ ان حرف مشبہ بالفعل شبعہ مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف علیہ و عاقلہ ریه معطوف علیہ و عاقلہ روئہ معطوف علیہ و عاقلہ بولہ معطوف تمام معطوفات مل کر اسم فی جار میزانہ مجرور، جار مجرور متعلق کائن محذوف کے کائن اسم فاعل ضمیر فاعل یوم مضاف القیامۃ مضاف الیہ مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول فیہ میخذ اسم فاعل اپنے فاعل متعلق اور مفعول فیہ سے مل کر خبر، ان اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر جزا شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ ہوا۔

نقشه ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) بخاری، حدیث نمبر ۲۶۹۸، باب من احتبس الخ، کتاب الجہاد۔

۳۴۲ بالوں کا اکرام کرو

مَنْ كَانَ لَهُ شَعْرٌ فَلْيُكْرِمْهُ

ترجمہ:

”جس کے بال ہوں اسے ان کا اکرام کرنا چاہیے۔“

تشریح:

اکرام کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کا خیال اور نگہداشت رکھے ان کو دھونے کا اہتمام کرے ان میں تیل لگائے۔ ان کو سنوار کر رکھے تاکہ وہ پراگندہ ہو کر برے نہ لگیں اور ان میں گندگی کی وجہ سے جوئیں نہ پڑیں۔

لیکن یہ بھی یاد رکھنا چاہئے۔ بالوں کا خیال رکھنے کا یہ مطلب نہیں کہ ہر وقت بس انہی میں لگا رہے.....

بہی دھن ہے رہوں سب سے اعلیٰ

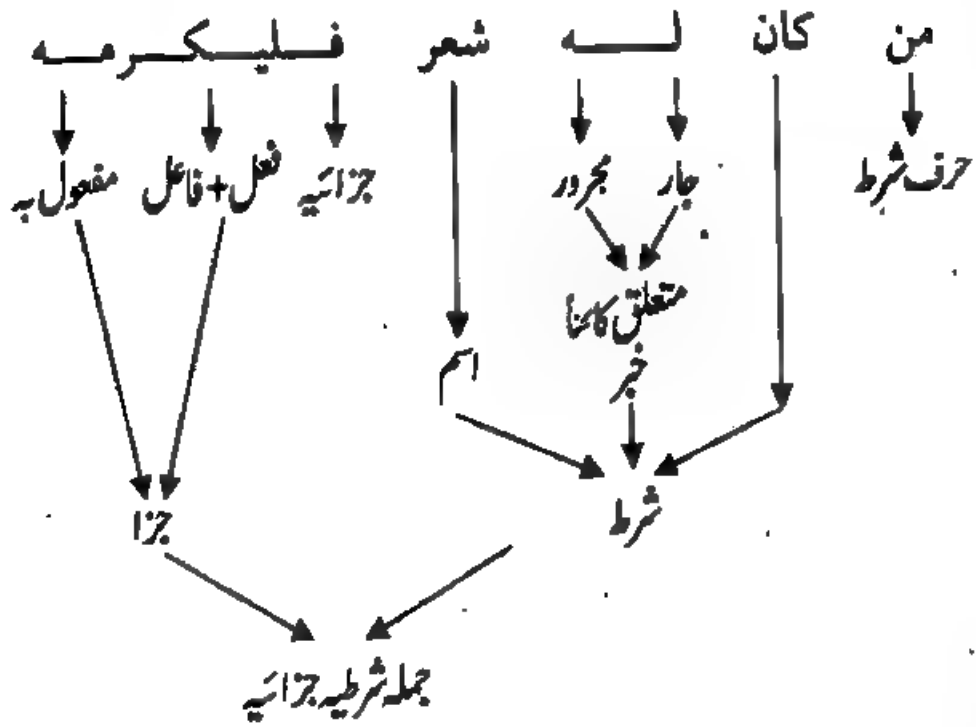
ہو زینت نرالی ہو فیشن نرالا

ہر وقت آئینہ ہی دیکھتا رہے اور بال سنوارتا رہے، کبھی کوئی کریم لگ رہی اور کبھی کوئی سے تیل کا استعمال ہو رہا ہو، کبھی جیل لگ رہی ہو تو کبھی کوئی رنگ، یہ ساری چیزیں اول تو ایسے تکلفات اور لالچیں ہیں جن میں لگنا وقت اور مال کا ضیاع ہے دوسرے یہ کام مردانگی کی شان کے خلاف ہیں کیونکہ مردوں کی اصل چیز حسن اور جمال نہیں بلکہ قوت اور کمال ہے۔ مرد کی شکل ایسی ہونی چاہیے جو باہر عباد و باوقار ہو زیب و زینت عورتوں کے لیے ہے۔ مرد کی تو ایک اپنی شان ہے اور اس کے مناسب وہی ہے۔ اسی لیے ہر روز کنگھی کرنے اور آئینہ دیکھنے سے منع فرمایا گیا ہے۔

توکیب:

مَنْ حَرَفَ شَرْطَ كَانَ فَاعِلٌ نَاقِصٌ لَهُ جَارٌ مَجْرُورٌ مُتَعَلِّقٌ كَالْمَنَّاخِرِ مَحْذُوفٌ كَالشَّعْرِ أَسْمٌ أَوْ خَبْرٌ سَلٌّ كَرَشْرَفٍ
جَزَاءُ يَكْرَمُ فَعْلٌ مُضْمِرٌ اس کا فاعل ضمیر مفعول ہے۔ فعل فاعل اور مفعول بہل کر جزاء شرط جزاء سے مل کر جملہ شرطیہ جزا یہ ہوا۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) ابو داؤد، حدیث نمبر ۴۱۶۳، باب فی اصلاح الشعر، کتاب الترجل۔



نوع آخر منہ

جملہ شرطیہ کی ایک دوسری قسم، جس میں حرف شرط "من" کی بجائے "اذا" ہے۔

۵۸ ایمان کی ایک نمایاں علامت

إِذَا سَرَّتْكَ حَسَنَتُكَ وَ سَاءَ تُكَ سَيِّئَتُكَ فَأَنْتَ مُؤْمِنٌ

ترجمہ:

”جب تمہیں تمہاری نیکی اچھی لگے اور تمہاری برائی تمہیں بری لگے تو تم مومن ہو۔“

تشریح:

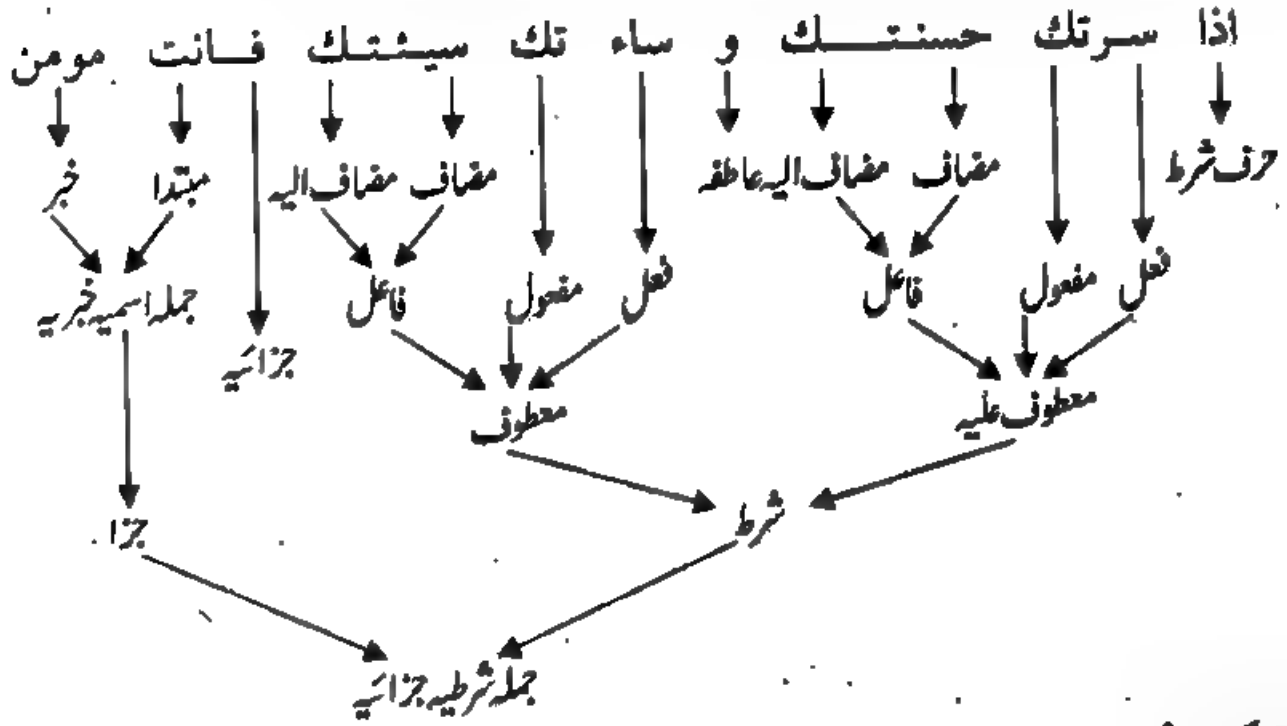
اس حدیث مبارکہ میں ایمان کا ایک درجہ اور علامت بتائی گئی ہے اور وہ علامت بہت سادہ اور عام فہم ہے جسے ہر کوئی جان سکتا ہے، سمجھ سکتا ہے اور جانچ پرکھ سکتا ہے کہ میرا ایمان کہاں کھڑا ہے اور میں کتنے ایمان کا حامل ہوں۔ مذکورہ بالا ارشاد آپ ﷺ نے ایک صحابی کے سوال کے جواب میں فرمایا تھا جس میں انہوں نے ایمان کے بارے میں سوال کیا تھا۔

مذکورہ علامت ایک ایسا وصف ہے جس کے پھر بے شمار درجات اور مراتب ہو سکتے ہیں کوئی ایسا ہی شخص ہوگا جسے نیکی کرنے سے اتنی خوشی ہوتی ہوگی جتنا کوئی دوسرا کام کر کے نہیں ہوتی اور گناہ کرنے کا خیال اس کے دل میں اتنا برا ہوگا کہ جیسے آگ میں جانا یا متعفن چیز سے کراہت، اطاعت شعاری کی زندگی گزارنے کے لیے یہ وصف بہت ضروری ہے اور اس وصف کے حاصل کرنے کے دو طریقے ہیں: (۱) کسی کامل شیخ کی راہنمائی میں کثرت ذکر الہی (۲) کامل شیخ کی ہمدوم صحبت و ہم نشینی۔

توکب:

اذا حرف شرط سرت فعل ذک ضمیر مفعول بہ حسنتک مضاف مضاف الیہ مل کر قاعِل۔ فعل قاعِل مل کر معطوف علیہ و عاطفہ ساءت فعل ذک مفعول بہ سیئتك مضاف مضاف الیہ مل کر قاعِل۔ فعل قاعِل اور مفعول مل کر معطوف، معطوف معطوف علیہ سے مل کر شرط، ف جزائیہ انت مبتدأ مو من خبر۔ مبتدأ خبر مل کر جزاء شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ ہوا۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) مسند احمد، جلد ۱، صفحہ ۲۲۱۶۶

۳۳) نا اہل لوگوں کی قیادت کے اثرات

إِذَا وَسَدَ الْأَمْرُ إِلَى غَيْرِ أَهْلِهِ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ

ترجمہ:

”جب معاملات نا اہل لوگوں کے سپرد کر دیئے جائیں تو پھر قیامت کا انتظار کرو۔“

تشریح:

معاملات سے مراد تمام وہ اہم امور اور معاملات ہیں جو اجتماعی اثرات کے حامل ہوتے ہیں جیسے حکومت، امامت، قضاء، فتویٰ، نوٹریس وغیرہ۔ ان سب میں سے بھی زیادہ اہم حکومت اور اس کے متعلقہ انتظامی امور ہیں۔ جب یہ شعبہ نا اہل لوگوں کے پاس چلا جائے تو پھر کام آئے روز خراب سے خراب تر ہی ہوتا جائے گا۔ قیامت کا انتظار کرنے سے مراد وہ باتیں ہو سکتی ہیں۔

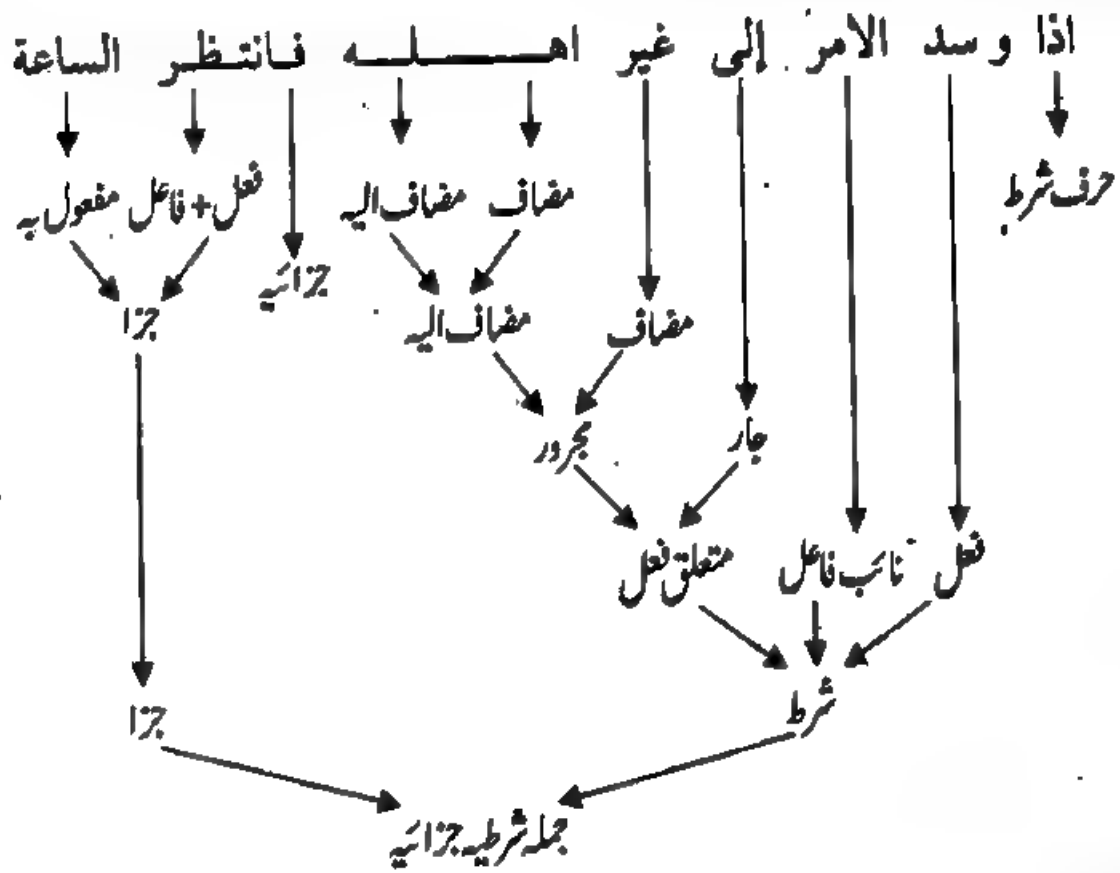
(۱) واقعہ قیامت کا قرب مراد ہو۔ اس صورت میں یہ حدیث علامات قیامت میں سے ہوگی کہ جب مسلمانوں کے حکمران اور ارباب اقتدار نا اہل قسم کے لوگ ہوں وہ زمانہ قرب قیامت کا ہوگا۔

(۲) قیامت سے مراد معاملات کی خرابی اور بد نظمی اور ٹوٹ پھوٹ ہو۔ اس صورت میں مطلب ظاہر ہے کہ چاہے قرب قیامت کا زمانہ ہو یا نہ ہو جب معاملات نا اہل لوگوں کے حوالے ہوتے ہیں تو پھر بد نظمی اور نقصان ہی نقصان کے علاوہ کچھ نہیں پہنچتا۔ پھر ہر طرف پریشانی ہی پریشانی ہوتی ہے۔ اس کی مثال ہمارے آج کل کے ارباب اقتدار ہیں کہ جن کی وجہ سے خیر اور نظم و ضبط دن بدن گھٹتے چلے جا رہے ہیں۔

ترکیب:

اذا حرف شرط و سد فعل مجہول الامر نائب فاعل الى جار غیر مضاف اہلہ مضاف الیہ مضاف، مضاف مضاف الیل
کر مجرور، جار مجرور متعلق ہوا فعل کے فعل اپنے نائب فاعل اور متعلق سے مل کر شرط جزائیہ انتظر فعل ضمیر فاعل الساعة
مفعول بہ، فعل فاعل اور مفعول بہ مل کر جزاء شرط جزا ایل کر جملہ شرطیہ جزائیہ ہوا۔

نقشه تركيب:



تخريج حديث:

(١) بخاري، حديث نمبر ٥٩، باب من سئل علماً و هو مشتغل في حديث

⑤ ایک اہم معاشرتی اصول

إِذَا كُنْتُمْ ثَلَاثَةً فَلَا يَتَنَاجَى اثْنَانِ دُونَ الْآخِرِ حَتَّى تَخْتَلِطُوا بِالنَّاسِ مِنْ أَجْلِ أَنْ يُحْزَنَهُ

ترجمہ:

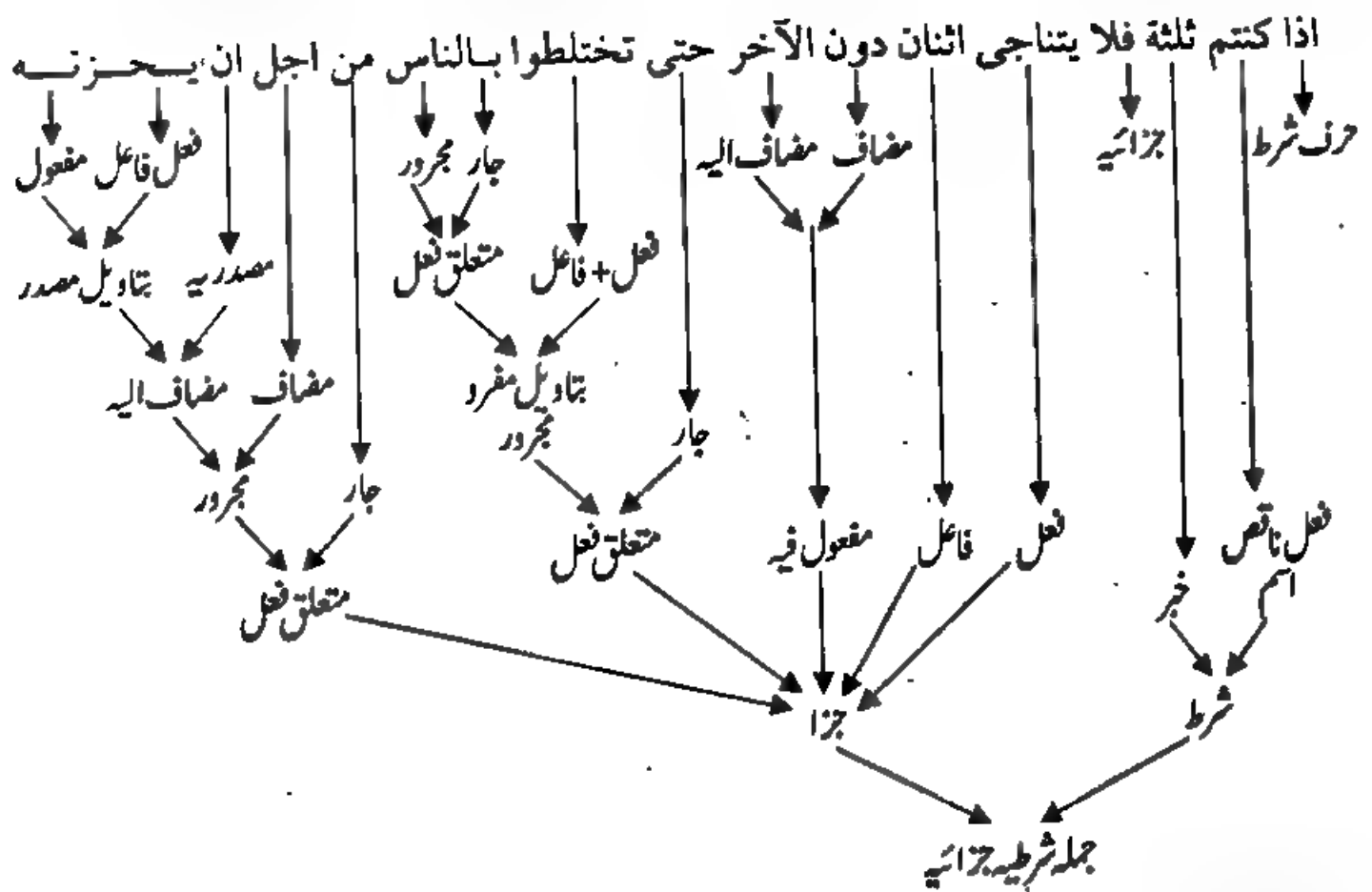
”جب تم تین آدمی علیحدہ ہو تو دوا آدمی تیسرے کو چھوڑ کر کوئی سرگوشی نہ کریں۔ یہاں تک کہ تم لوگوں میں مل جاؤ تاکہ یہ اس تیسرے کو پریشان نہ کرے۔“

تشریح:

مذکورہ حدیث میں معاشرت کا ایک نہایت اہم اصول بتایا گیا ہے۔ اصول یہ ہے کہ جب کسی جگہ تین ساتھی اکٹھے ہوں اور وہ صرف تین ہی ہوں تو ایسی صورت میں ان تین میں سے دوا آدمی علیحدہ ہو کر سرگوشی اور چپکے چپکے باتیں شروع نہ کر دیں۔ کیونکہ ایسے میں وہ تیسرا بیچارہ یہ سمجھے گا کہ پتہ نہیں کیا بات کر رہے ہیں اور ہو سکتا ہے وہ یہ سمجھے کہ یہ لامحالہ میرے خلاف بات کر رہے ہیں۔ ایسا سمجھنے سے پھر غلط فہمیاں پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ اس لیے ایسی صورت میں سرگوشی سے اجتناب ضروری ہے۔ لیکن یہ اس صورت میں ہے جب تین ساتھی علیحدہ ہوں اگر دوسرے لوگ بھی موجود ہوں اور پھر دو علیحدہ ہو کر بات شروع کر دیں تو ایسا کرنے میں حرج نہیں کیونکہ اب غلط فہمی کا اندیشہ موجود نہیں۔ کیونکہ تیسرا یہ سمجھے گا کہ یہ بات میرے سے نہیں چھپا رہے بلکہ دیگر لوگوں سے چھپا رہے ہیں۔ قربان جائے رسول خدا ﷺ پر کتنے دقیق اصول معاشرت بتائے ہیں۔ اللھم صل علی محمد الف الف مرۃ

ترکیب:

اِذَا حرف شرط کنتم فعل ناقص ضمیر اسم ثلثة خبر۔ فعل اسم اور خبر سے مل کر شرط جزائیہ لَا یَتَنَاجَى فعل اثنان فاعل دون الآخر مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول فیہ حتی جار تختلطوا فعل ضمیر فاعل بالناس جار مجرور متعلق فعل کے من جار اجل مضاف ان مصدر یہ یحزنہ فعل فاعل اور مفعول بہ مل کر جملہ فعلیہ ہو کر بتاویل مصدر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور متعلق فعل کے فعل فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر بتاویل مصدر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور متعلق فعل کے فعل فاعل مفعول فیہ اور متعلق سے مل کر جزاء شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ۔



(۱) بخاری، حدیث نمبر ۵۹۳۲، باب اذا بکاتوا اکثر من ثلاثة الخ، کتاب الاستيفان۔
(۲) مسلم، حدیث نمبر ۵۸۲۵، باب تحريم مناجاة الاثنيین، کتاب السلام۔

۵۱ موت مقررہ جگہ پر ہی آتی ہے

إِذَا قَضَى اللَّهُ لِعَبْدٍ أَنْ يَمُوتَ بِأَرْضٍ جَعَلَ لَهُ إِلَيْهَا حَاجَةً

ترجمہ:

”اللہ رب العزت جب کسی بندے کے بارے میں یہ فیصلہ کر لیتے ہیں کہ یہ فلاں جگہ مرے گا تو اس آدمی کی اس زمین میں کوئی حاجت اور ضرورت بنادیتے ہیں۔“

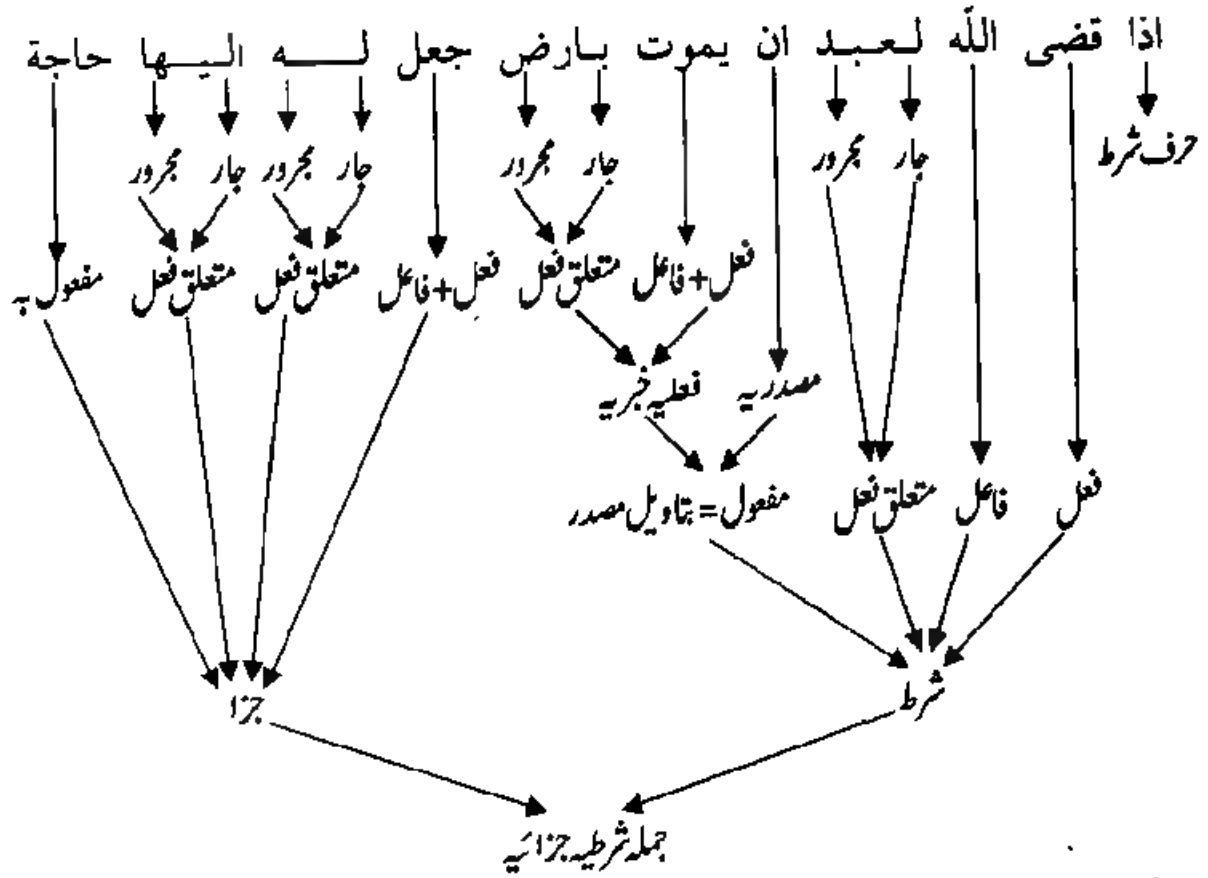
تشریح:

موت کا جیسے وقت متعین ہے اور موت اپنے وقت معین سے ایک لمحہ پہلے یا بعد میں نہیں ہو سکتی اس طرح موت کی جگہ اور مقام بھی متعین ہے اس سے ایک بالشت بھی ادھر ادھر نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ جب کسی کی موت کا وقت آتا ہے تو یہ دیکھا جاتا ہے کہ یہ اپنے مرنے کی جگہ پر ہے یا نہیں اگر ہو تو فیہا۔ عزرائیل علیہ السلام اور ان کی جماعت اس کی روح قبض کر لیتی ہے اور اگر وہ اپنی مقررہ جگہ پر نہ ہو تو اللہ ایسے اسباب پیدا فرماتے ہیں کہ وہ بندہ از خود چل کر یا کسی بھی بہانے سے اس جگہ پہنچ جاتا ہے جہاں اس کی جان نکلی ہوئی ہے۔ اس بارے میں متعدد قصے مشہور ہیں ایک قصہ یہ ہے کہ ایک آدمی حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس اپنے گھر سے بہت دور تھا۔ عزرائیل کو حکم ہوا کہ اس کی جان گھر پہ نکالنی ہے۔ اب موت کا وقت قریب آ رہا ہے مگر وہ شخص وہیں ہے عزرائیل پریشان ہوئے اور اس شخص کو گھورنے لگے وہ ڈر گیا اور سلیمان علیہ السلام سے عرض کیا کہ مجھے فوراً ہوا کے ذریعے گھر پہنچادیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا جو نبی وہ گھر پہنچا اس کی جان نکال لی گئی۔

ت ترکیب:

اذا حرف شرط قضی فعل لفظ اللہ فاعل ل جار عبید مجرور، جار مجرور متعلق فعل کے ان مصدر یہ یموت فعل فاعل بارض جار مجرور متعلق فعل کے۔ فعل فاعل و متعلق مل کر تاویل مفرد مفعول بہ تعنی فعل کا۔ فعل فاعل، متعلق اور مفعول بہ سے مل کر شرط جعل فعل ضمیر فاعل لہ جار مجرور متعلق الیہا جار مجرور متعلق حاجۃ مفعول بہ۔ فعل فاعل متعلق اور مفعول بہ مل کر جزا، شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ جزا ایہ ہوا۔

نقشه ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) ترمذی، حدیث نمبر ۲۱۴۷، باب ما جاء ان النفس تموت حيث ما كتب له، ابواب القدر۔

۵۹۸ کھانے میں بھی پڑوسیوں کا خیال

إِذَا طَبَخْتَ مِرْقَةً فَاكْثِرْ مَاءَ هَا وَتَعَاهَدْ جِيرَانَكَ

ترجمہ:

”جب تم شور بہ (سالن) پکاؤ تو اس میں پانی زیادہ ڈالا کرو اور اپنے پڑوسیوں کا بھی خیال کیا کرو۔“

تشریح:

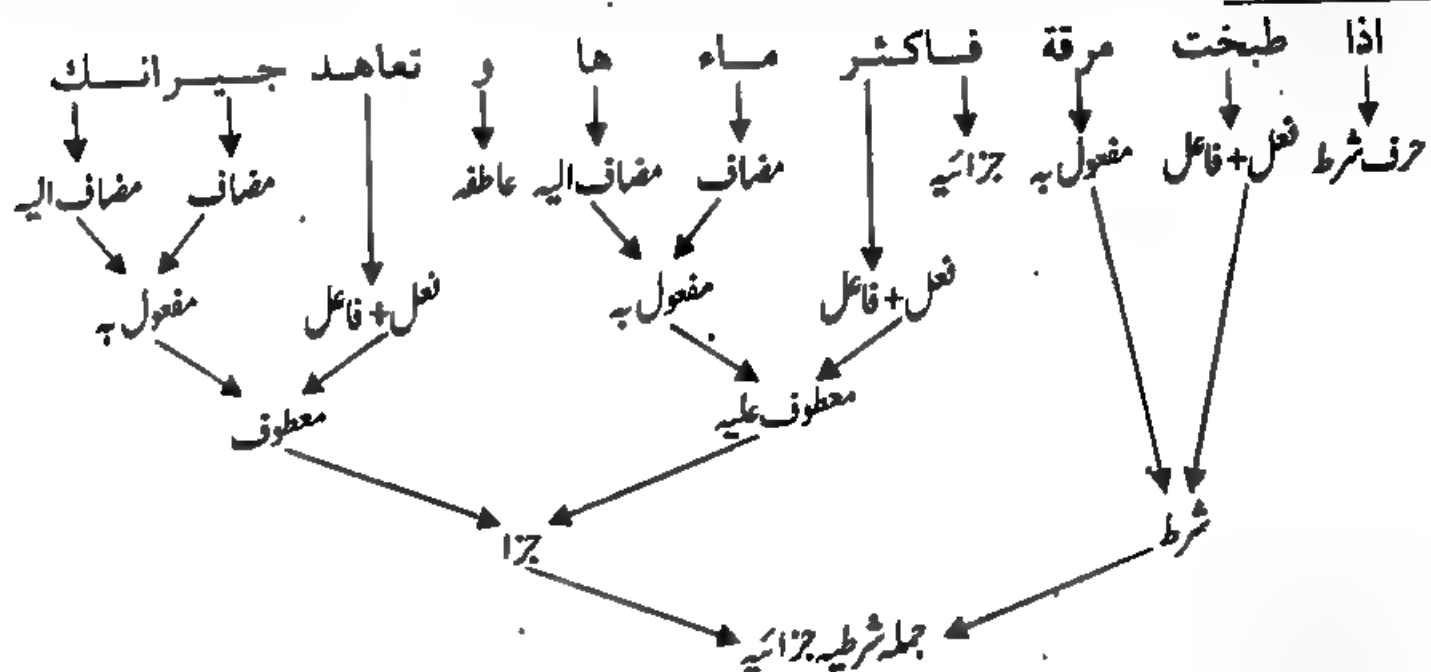
مطلب یہ ہے کہ کھانے جیسی بنیادی ضرورت اور لذت والی چیز کے بارے میں بھی آپ نے یہ ہدایت دی کہ اس وقت میں بھی تم نے اپنے مسلمان بھائیوں کو نہیں بھولنا، بلکہ کوشش کرو کہ سالن زیادہ ہو جس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ سالن میں پانی زیادہ ڈال دو تا کہ شور بہ زیادہ ہو جائے اور پھر خود بھی کھاؤ اور اپنے پڑوسیوں کو بھی کھاؤ کیونکہ ہو سکتا ہے تم بھنا ہوا سالن کھا رہے ہو اور ان بیچاروں کو پیاز بھی میسر نہ ہو لہذا اس بات کا خیال رکھو اور اس میں غفلت نہ برتو۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ زندگی میں عمدہ چیزوں سے تمتع اور فائدہ اٹھانے، خوب سے خوب تر کی تلاش کرنے اور اپنا معیار زندگی بلند کرنے سے زیادہ ضروری ہے کہ دوسرے ناداروں کا خیال رکھا جائے۔ ہاں جب تمہارے آس پاس کوئی غریب نہ بچے تو پھر علیحدہ بات ہے اور قابل غور بات یہ ہے کہ یہ حدیث جس میں عمدہ سالن کھانے پر پڑوسیوں کو ترجیح دی گئی ہے یہ زکوٰۃ وغیرہ کے علاوہ ہے۔ اچھے خاصے دیندار لوگوں میں ایک عام تصور یہ ہے کہ اگر آپ زکوٰۃ دیتے ہیں قربانی اور صدقہ فطر دیتے ہیں تو اس کے بعد آپ اپنے پیسے کو جو چاہے کرو۔ عمدہ سے عمدہ کپڑے پہنو، عالی شان مکان بناؤ، چمکتی دکتی گاڑیاں رکھو، کچھ حرج نہیں۔ لیکن یہ بات غلط ہے کیونکہ مسلمان سے صرف زکوٰۃ اور واجبات ہی مطلوب نہیں۔ اگر یہی ہو تو مسجد کون بنائے گا؟ مدرسے کی تعمیر میں کیا لگے گا اپنے کمزور دوستوں اور رشتہ داروں کی ضروریات پڑوسیوں کی ضروریات کہاں سے پوری ہوں گی۔

توکیب:

اذا حرف شرط طبخت فعل ضمیر فاعل مرقۃ مفعول۔ فعل قاعل ومفعول مل کر شرط جزائیہ اکثر فعل ضمیر فاعل ماء ہا مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول ہے۔ فعل قاعل ومفعول مل کر معطوف علیہ وعاطفہ تعاهد فعل قاعل جیرانک مفعول ہے۔ فعل قاعل مفعول مل کر معطوف، معطوف علیہ مل کر جزاء شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ ہوا۔

نقشه تركيب:



تخريج حديث:

(١) مسلم، حديث نمبر ٦٨٥٥، باب الوصية بالحار والاحسان اليه، كتاب البر والصلة.

۵۷ دائیں جانب سے ابتدا کا حکم

إِذَا لَبِسْتُمْ وَإِذَا تَوَضَّأْتُمْ فَأَبْدُوا بِمِيَامِنِكُمْ

ترجمہ:

”جب تم کوئی چیز پہنو اور جب تم وضو کرو تو اپنے دائیں جانب سے شروع کرو۔“

تشریح:

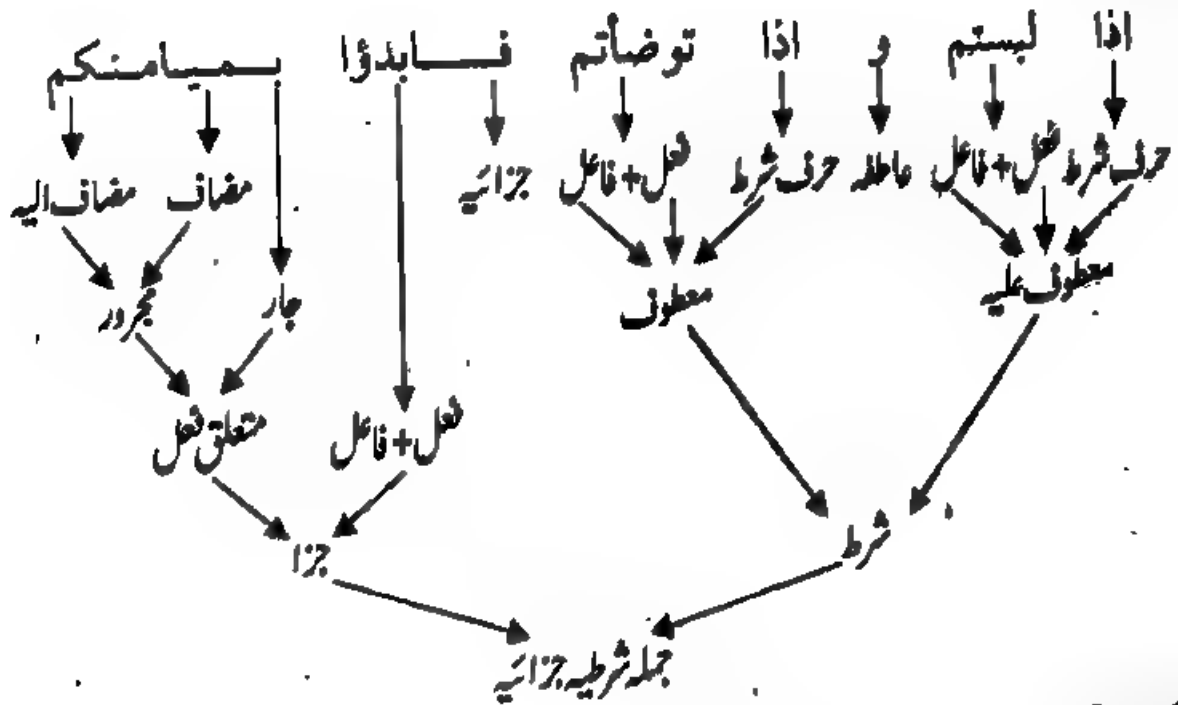
ایک حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ ہر چیز میں دائیں جانب سے ابتدا کرنے کو پسند فرمایا کرتے تھے ”كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَحِبُّ الْيَمَانَ مَا اسْتَطَاعَ فِي شَأْنِهِ كُلِّهِ فِي طَهُورِهِ وَتَوَضُّعِهِ وَتَوَضُّعِهِ.....“

مذکورہ حدیث اسی طرح آپ ﷺ کے دیگر فرمودات اور طرز عمل سے علماء نے یہ اصول بنایا ہے کہ جو چیز بھی شرافت اور فضیلت والی ہوگی اس کی ابتدا دائیں طرف سے ہوگی جیسے کپڑا پہننا، چادر اوڑھنا، وضو کرنا، کوئی چیز تقسیم کرنا، سونا، کچھ کھانا، پینا، جوتا پہننا، ناخن کاٹنا، مسواک کرنا، لکھنا، کوئی چیز پکڑنا، مصافحہ کرنا، راستے پر چلنا وغیرہ..... اور جو چیز ایسی ہو کہ اس میں شرافت و فضیلت کا پہلو نہیں اس میں ابتدا بائیں جانب سے ہوگی جیسے بیت الخلاء میں جانا، بازار میں داخل ہونا، مسجد سے نکلنا، کپڑا اتارنا، جوتا اتارنا، ناک سڑکنا، استنجا کرنا وغیرہ.....

ترکیب:

إِذَا حَرْفُ شَرْطٍ لَبَسْتُمْ فَعَلٌ ضَمِيرٌ فَاعِلٌ - فَعَلٌ فَاعِلٌ مَلَّكَ مَعْطُوفٌ عَلَيْهِ وَعَاطِفُهُ إِذَا حَرْفُ شَرْطٍ تَوَضَّأْتُمْ فَعَلٌ ضَمِيرٌ فَاعِلٌ - فَعَلٌ فَاعِلٌ مَلَّكَ مَعْطُوفٌ عَلَيْهِ مَعْطُوفٌ مَعْطُوفٌ عَلَيْهِ سَلَّكَ شَرْطٌ جَزَائِيٌّ أَبْدَوْا فَعَلٌ ضَمِيرٌ اس کا فاعِلٌ بَ جَارٌ مِيَامِنٌ مضاف کم ضمیر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور متعلق فعل کے۔ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جزاء شرط جزاء سے مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ ہوا۔

نقشہ ترکیب:



تفہیم جدید:

(۱) ابو داؤد، حدیث نمبر ۴۱۴۱، باب فی النعال، کتاب اللباس۔



۵۰ وضو میں انگلیوں کا خلال

إِذَا تَوَضَّأْتَ فَخَلَّلَ أَصَابِعَ يَدَيْكَ وَرِجْلَيْكَ

ترجمہ:

”جب تم وضو کرو تو اپنے ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کا خلال کیا کرو۔“

تشریح:

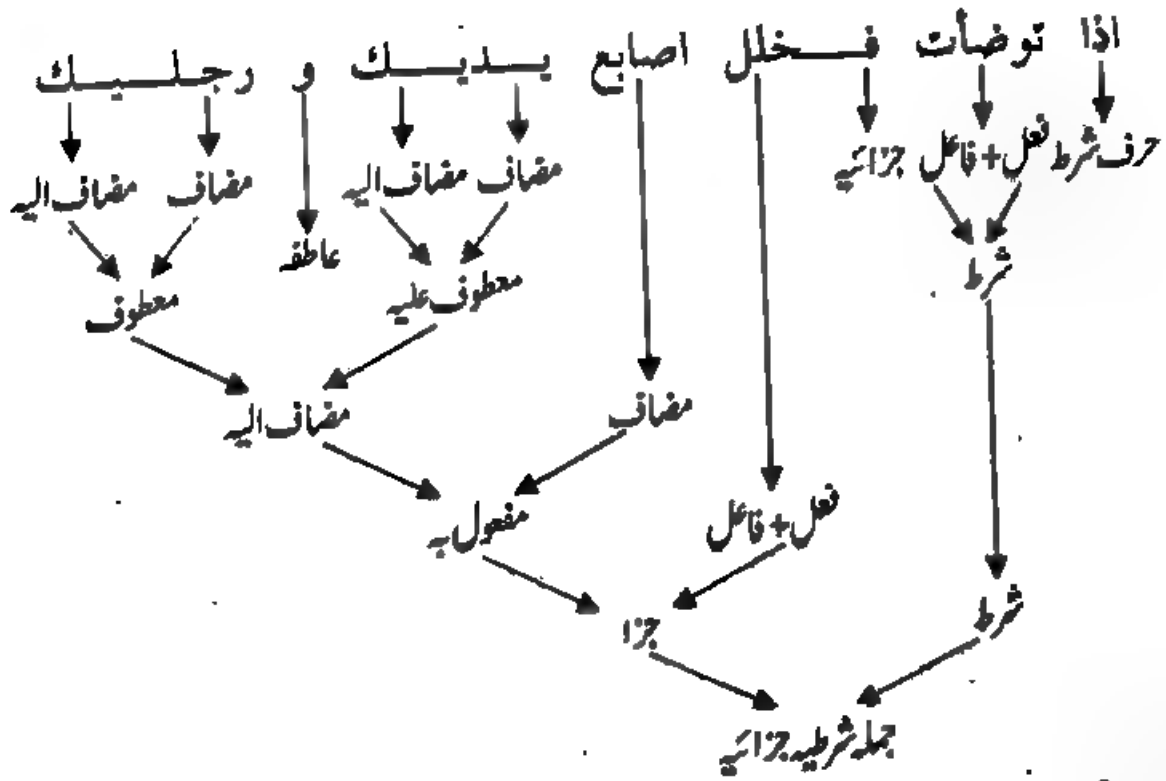
وضو میں ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں کا خلال کرنا سنت ہے اور یہ خلال ہر حال میں سنت ہے، چاہے انگلیوں کے بیچ میں پانی داخل بھی ہو جائے تب بھی دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں کی تمام انگلیوں میں خلال کرنا سنت ہے۔
ہاتھ کی انگلیوں میں خلال کے دو طریقے ہیں (۱) ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈالے جس طرح نیچے کرتے ہیں۔ (۲) ایک ہاتھ کی پھلی دوسرے ہاتھ کی پشت پر رکھے اور اوپر کے ہاتھ کی انگلیاں نیچے کے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر نیچے۔ پھر دوسرے ہاتھ کے ساتھ بھی ایسا ہی کرے۔

پاؤں کی انگلیوں کا خلال اس طرح کرے کہ بائیں ہاتھ کی چھنگلیاں (سب سے چھوٹی انگلی) سے شروع کر کے بائیں پاؤں کی چھنگلیاں پر ختم کرے۔ (دیکھئے مسائل بہشتی زیور: ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب دامت برکاتہم)

توکیب:

اذا حرف شرط تو وضأت فعل ضمیر فاعل جز ایہ خلل فعل ضمیر فاعل اصابع یدیک مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف علیہ و عطفہ ر جللیک معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول بہ۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جزا، شرط جزا سے مل کر جملہ شرطیہ جزا ہیہ ہوا۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) ترمذی: حدیث نمبر ۳۹، ابواب الطہارت، باب فی تحلیل الاصابع



۳۶ کھانے کے وقت جوتے اتارنا

إِذَا وَضِعَ الطَّعَامُ فَاخْلَعُوا نِعَالَكُمْ فَإِنَّهُ أَرَوْحُ لَا قَدَامَكُمْ

ترجمہ:

”جب تمہارے سامنے کھانا رکھا جائے تو اپنے جوتے اتار دو کیونکہ یہ تمہارے پاؤں کے لیے آرام دہ ہے۔“

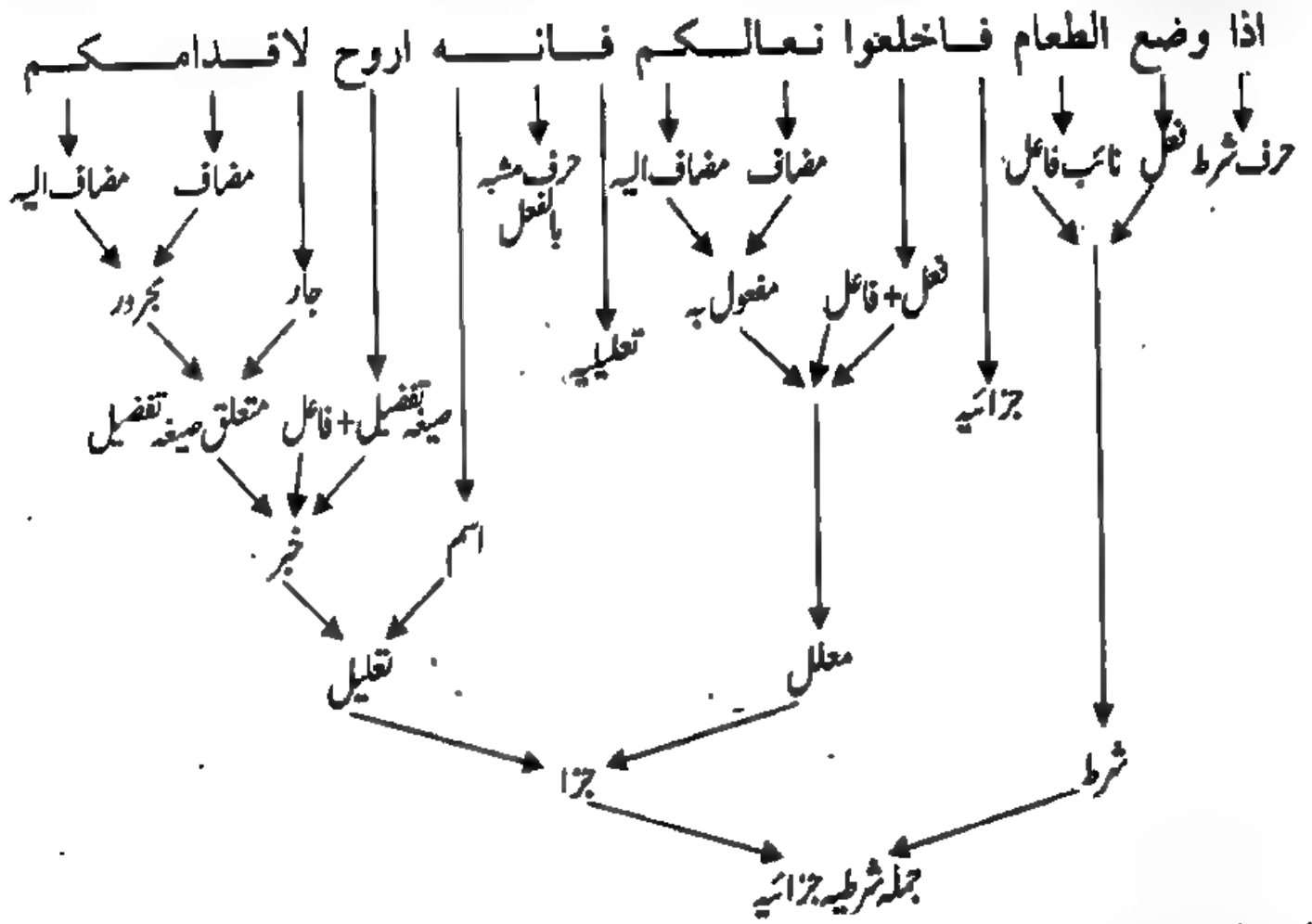
تشریح:

نبی اکرم ﷺ کو اللہ رب العزت نے ایسا دین دے کر بھیجا ہے جو ہر اعتبار سے جامع اور کامل و مکمل ہے آپ ﷺ نے زندگی کے تمام شعبوں کے حوالے سے راہنمائی عطا فرمائی ہے اور ہر شعبے کے مختلف احکام بیان فرمائے ہیں۔ آپ ﷺ کی ان تعلیمات میں سے بعض چیزیں فرض اور انتہائی ضروری درجے کی ہیں اور بعض اس سے کم درجے کی ہیں اور بعض مستحسن درجے کی ہیں اور بہت ساری اشیاء ایسی ہیں جو آپ نے ہماری راحت اور آسانی کے لیے بطور مشورہ کے فرمائی ہیں۔ ان اشیاء میں سے ایک یہ حدیث بھی ہے جس میں آپ نے یہ فرمایا کہ کھانے کی کوئی بھی چیز جب سامنے آ جائے تو اس وقت جوتے اتار دینے چاہئیں کیونکہ اس سے آدنی تسلی اور آرام سے کھاتا ہے۔

ترکیب:

اذا حرف شرط وضع فعل الطعام نائب فاعل۔ فعل اپنے نائب فاعل سے مل کر شرط جزائیہ اخلعوا فعل ضمیر فاعل نعالکم مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول ہے۔ فعل فاعل اور مفعول بدل کر معلل ف تعلیلیہ ان حرف مشبہ بالفعل ضمیر اسم اروح میغہ اسم تفصیل ل جار اقدامکم مجرور، جار مجرور متعلق میغہ تفصیل کے، میغہ تفصیل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر خبر۔ ان اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر تعلیل۔ معلل تعلیل سے مل کر جزا۔ شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ ہوا۔

نقشه تركيب:



تخريج حديث:

(١) دارمي، حديث لمبر ٢٠٨٠، باب في خلع النعال عنه الطعام، كتاب الاطعمه.



۳۱) چوں بے حیا باشی ہرچہ خواہی بکن

اِذَا لَمْ تَسْتَحْيَ فَاَصْنَعْ مَا شِئْتَ

ترجمہ:

”جب تم حیا کا وصف کھو دو تو پھر جو چاہے کرو۔“

تشریح:

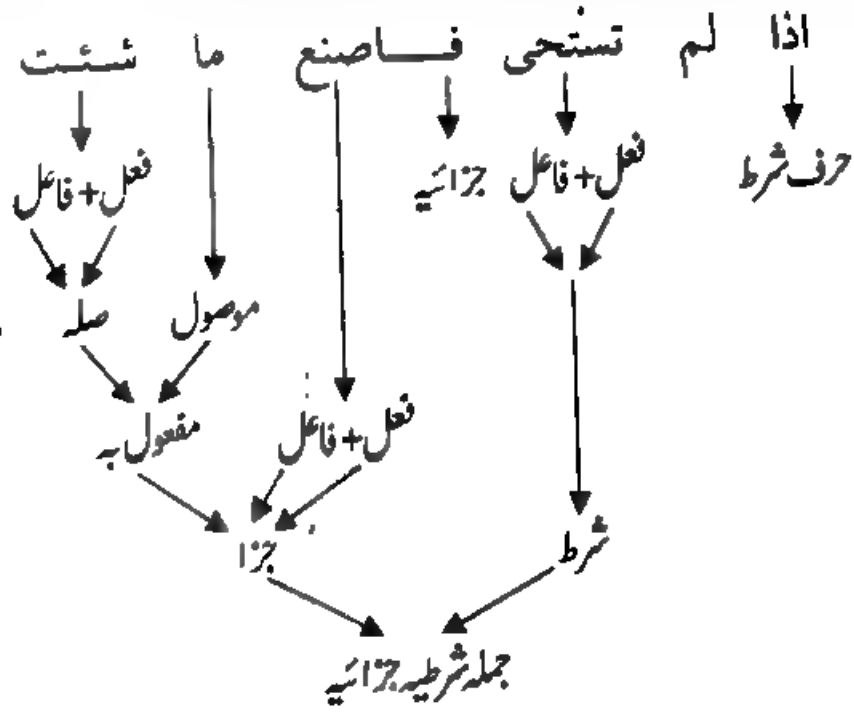
مذکورہ بالا جملہ ضرب المثل اور عام گفتگو میں روزمرہ کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے اور یہ حدیث بڑے اہم اصول پر مشتمل ہے کیونکہ انسان زندگی میں جتنے اچھے کام کرتا ہے ان میں سے بعض اعمال و افعال اور برے کاموں سے بچنے میں اس کی ایمانی کیفیت اور خوف خدا کے علاوہ ایک بہت بڑا شعوری داعیہ وہ حیا اور شرم بھی ہوتی ہے جو لوگوں کے اعتبار سے اس کے دل میں آتی ہے کہ اگر فلاں کام کروں گا تو لوگ کیا کہیں گے۔ اچھا نہیں لگے گا۔

یہ حیا لوگوں کا بھی ہو سکتا ہے اور اللہ کا بھی۔ اصل حیا تو اللہ رب العزت کا ہے کہ اس سے شرم کر کے اس کی نعمتوں کی قدر کرتے ہوئے آدمی اس کی نافرمانی سے بچے۔ جب یہ وصف ہو تو دل خیر کی باتیں کرتا ہے اور اگر یہ ختم ہو جائے تو پھر آدمی کے لیے کوئی قانونی ظاہری رکاوٹ نہیں رہتی پھر جو اس کے جی میں آئے کرتا ہے۔

ت ترکیب:

اِذَا حرف شرط لم تستحی فعل ضمیر اس کا فاعل ف جزا یہ اصنع فعل ضمیر اس کا فاعل ما موصولہ شئت فعل ضمیر فاعل۔ فعل فاعل سے مل کر موصول مصلہ سے مل کر مفعول ہے۔ فعل فاعل اور مفعول ہے مل کر جزا، شرط جزا سے مل کر جملہ شرطیہ جزا یہ ہوا۔

نقشہ ترکیب:



تخریج حدیث:

- (۱) بخاری، حدیث نمبر ۳۲۹۶، باب اذا لم تستحی الخ، کتاب الادب۔
 (۲) ابن ماجہ، حدیث نمبر ۴۱۸۳،

④ دائیں ہاتھ سے کھانے پینے کا حکم

إِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَأْكُلْ بِيَمِينِهِ وَإِذَا شَرِبَ فَلْيَشْرَبْ بِيَمِينِهِ

ترجمہ:

”جب تم کوئی چیز کھاؤ تو اپنے دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور جب پیتو بھی اپنے دائیں ہاتھ سے پیتو۔“

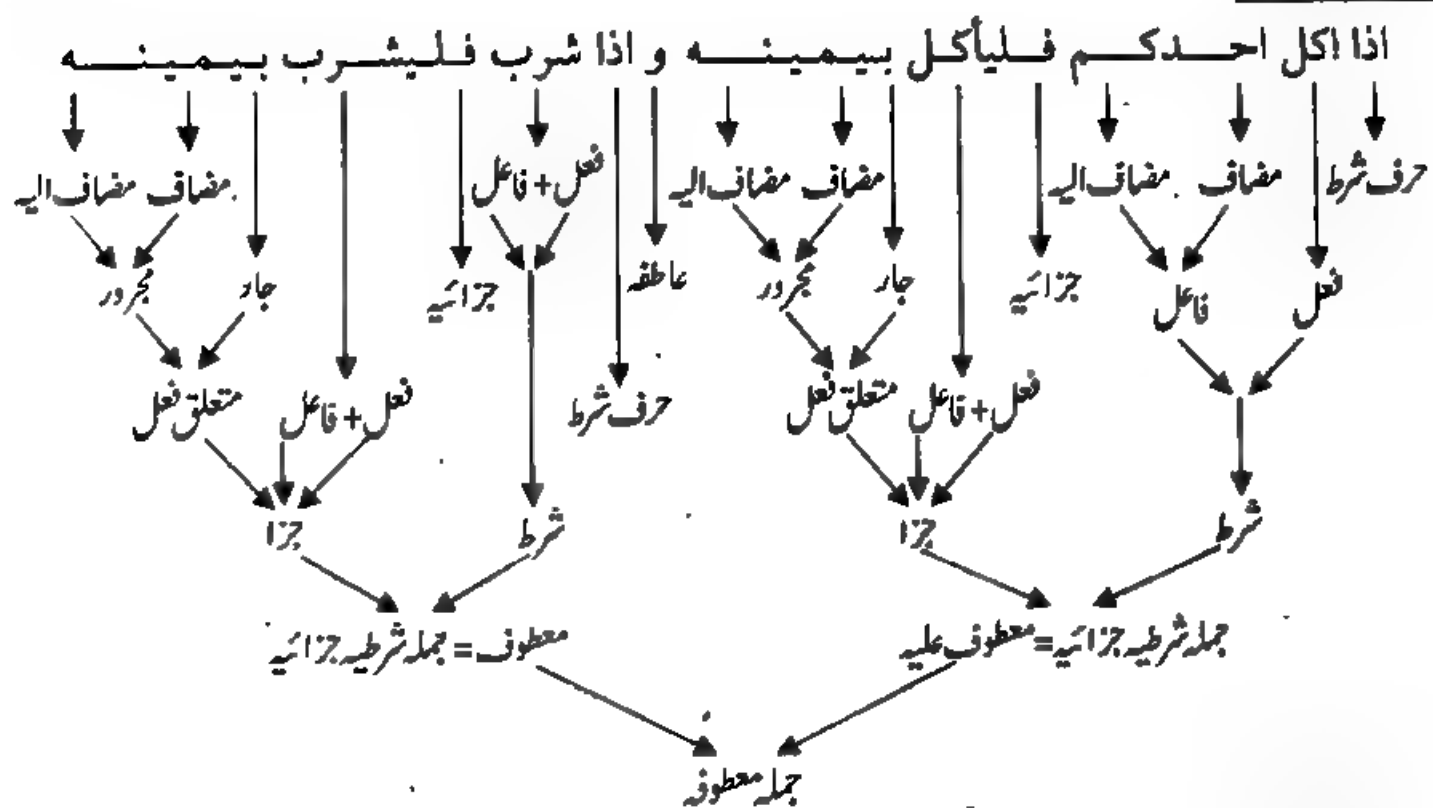
تشریح:

اس معنی اور مفہوم کی حدیث ابھی ابھی پیچھے گزر چکی ہے۔ یہاں دو چیزوں یعنی کھانے پینے کا خاص طور سے ذکر ہے، کیونکہ ان دونوں باتوں کی انسانی زندگی میں باقی امور کی نسبت اہمیت اور ضرورت زیادہ ہے۔ کھانے پینے کے بغیر انسانی زندگی محال ہے۔ کھانے پینے جیسے ضروری اور بنیادی کام، جو کہ ایک اعتبار سے اضطراری کی حد میں آتا ہے اس میں بھی جب دائیں ہاتھ کے استعمال کرنے کی تاکید ہے تو باقی امور میں اس کی اہمیت اور تاکید سانی سمجھی جاسکتی ہے۔

ترکیب:

اذا حرف شرط اکل فعل احدکم مضاف الیہ مل کر فاعل۔ فعل فاعل سے مل کر شرط جزائیہ لباکل فعل ضمیر فاعل ب جاریمینہ مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور متعلق ہوئے فعل کے۔ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جزا، شرط جزا سے مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ ہو کر معطوف علیہ و عاطفہ اذا حرف شرط شرب فعل ضمیر اس کا فاعل۔ فعل فاعل مل کر شرط جزائیہ یشرب فعل ضمیر فاعل ب جاریمینہ مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور، جار مجرور متعلق ہوئے فعل کے، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جزا شرط جزا سے مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ ہو کر معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔

نقشه ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) مسلم، حدیث نمبر ۵۳۸۴، باب آداب الطعام و الشراب و احکامهما، کتاب الاشربة۔

(۲) ابوداؤد، حدیث نمبر ۳۷۷۶

۳۳ تحیۃ المسجد کا حکم

إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيَرْكَعْ رَكَعَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يَجْلِسَ

ترجمہ:

”جب تم میں سے کوئی آدمی مسجد میں داخل ہو تو اسے چاہیے کہ بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھے۔“

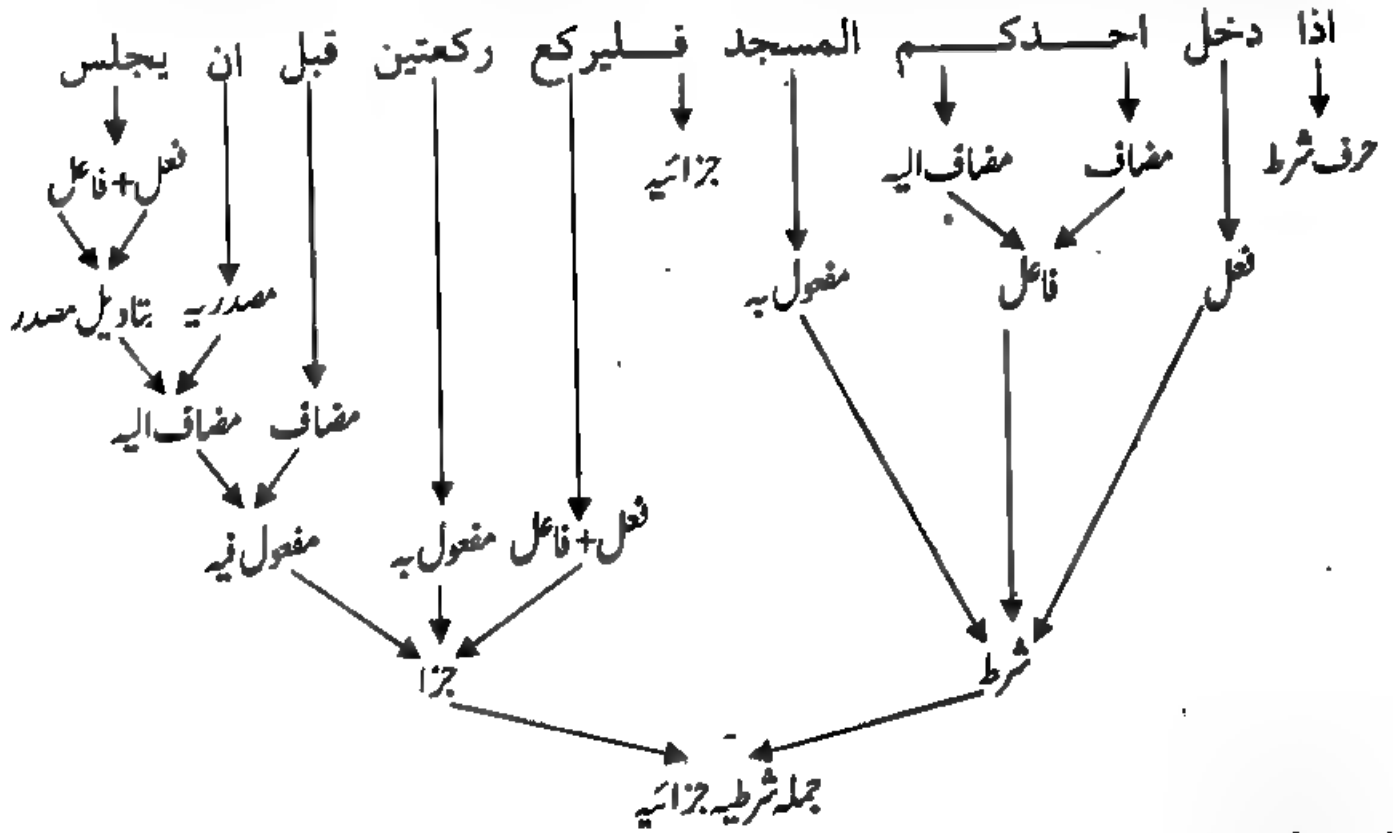
تشریح:

اس نماز کو تحیۃ المسجد کہتے ہیں آدمی جب بھی مسجد میں آئے یہ دو رکعت پڑھنا مستحب ہے اور ان کی اصل فضیلت تب ہے کہ کسی اور کام میں مشغول ہونے اور بیٹھنے سے پہلے ادا کرے۔ لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ وقت ایسا نہ ہو کہ جس میں نماز پڑھنا درست نہیں ہوتا جیسے عین سورج طلوع اور غروب ہونے کا وقت، نصف النہار کا وقت، اسی طرح فجر کی اذان کے بعد سے لے کر طلوع آفتاب تک کا وقت کیونکہ اس وقت فجر کی نماز اور سنتوں کے علاوہ دوسری کوئی نماز مستحب نہیں اور فجر کی نماز ہو جانے کے بعد تو طلوع آفتاب تک فجر کی قضاء شدہ سنتیں ادا کرنا بھی درست نہیں۔ اسی طرح عصر کے بعد بھی تحیۃ المسجد وغیرہ نوافل کی اجازت نہیں کیونکہ یہ تمام اوقات وہ ہیں جن میں یا تو نماز پڑھنا سرے سے ممنوع ہے یا اپنی مقررہ نماز کے علاوہ نوافل مکروہ ہیں۔ اسی طرح جمعہ کے دن جب خطیب صاحب آجائیں اور خطبہ ہو رہا ہو اس دوران بھی یہ نماز پڑھنا درست نہیں کیونکہ ایسے موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا ”لا صلاۃ ولا کلام“ کہ نہ نماز پڑھو اور نہ باتیں کرو۔

توکیب:

اذا حرف شرط دخل فعل احدکم مضاف الیہ مل کر فاعل المسجد مفعول بہ۔ فعل فاعل اور مفعول مل کر شرط۔ جزائیہ لیبرک فعل ضمیر فاعل رکعتین مفعول بہ قبل مضاف ان مصدر یہ یجلس فعل ضمیر فاعل۔ فعل فاعل مل کر تاویل مصدر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول فیہ۔ فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور مفعول فیہ سے مل کر جزاء، شرط جزا سے مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ ہوا۔

نقشه ترکیب:



تخریج حدیث:

- (۱) بخاری، حدیث نمبر ۲۹۲۲، باب إذا دخل أحدكم المسجد الخ، کتاب الصلوة۔
 (۲) مسلم، حدیث نمبر ۱۶۸۷، باب استحباب تحية برکعتين، کتاب صلوة المسافر و قصرها۔

۳۔ جوتا پہننے اور اتارنے کا طریقہ

إِذَا انْتَعَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَبْدَأْ بِالْيَمْنِي وَ إِذَا نَزَعَ فَلْيَبْدَأْ بِالشِّمَالِ لِتَكُنَ
الْيَمْنِي أَوَّلَهُمَا تَنْعَلُ وَ آخِرُهُمَا تُنْزَعُ

ترجمہ:

”جب تم میں سے کوئی جوتا پہنے تو دائیں پاؤں سے ابتدا کرے اور جب اتارے تو بائیں پاؤں سے ابتدا کرے تاکہ دایاں پاؤں پہننے میں پہلے اور اترنے میں بعد میں رہے۔“

تشریح:

دائیں طرف سے کام شروع کرنے کی فضیلت اور حکم کے بارے میں پیچھے تفصیل سے آچکا ہے اور یہ ضابطہ بھی کہ شرف و فضیلت والے کاموں کی ابتدا دائیں سے ہونی چاہیے۔ یہ حدیث اس اصول کی بنیاد ہے۔ یہاں یہ فرمایا کہ جب جوتا پہننے لگو تو جوتا پہننا چونکہ اچھا اور شرافت والا کام ہے اس لیے اس کی ابتدا دائیں طرف سے کرو اور جب اتارو تو پہلے بائیں جوتا اتارو پھر دایاں۔ اس طرح کرنے سے دایاں پاؤں زیادہ دیر جوتے میں رہے گا کیونکہ پہننے میں وہ پہلے تھا اور اترنے میں بعد میں ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب جوتا پہننے اور اتارنے جیسے عمل میں جس کی عام طور سے اتنی اہمیت بھی نہیں، دائیں بائیں کا اس قدر اہتمام ہے تو دیگر چیزوں میں کیا حال ہوگا۔

ترکیب:

إِذَا حرف شرط انتعل فعل أحدکم مضاف الیہ مل کر فاعل، فعل فاعل مل کر شرط جزائیہ لیبدأ فعل ضمیر فاعل بآ جار الیمنی مجرور، جار مجرور متعلق فعل کے، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جزاء شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ ہو کر معطوف علیہ و عاطفہ إذا حرف شرط نزع فعل ضمیر فاعل۔ فعل فاعل مل کر شرط جزائیہ لیبدأ فعل ضمیر فاعل بآ جار الشمال مجرور، جار مجرور متعلق فعل کے، فعل فاعل اور متعلق سے مل کر جزاء شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ ہو کر معطوف، معطوف معطوف علیہ مل کر جملہ معطوف ہو کر معلل، ل تعلیلہ تکن فعل ناقص الیمنی اس کا اسم اولہما مضاف مضاف الیہ مل کر ذوالحال تنعل حال، حال ذوالحال مل کر معطوف علیہ و عاطفہ آخرہما مضاف مضاف الیہ مل کر ذوالحال تنزع حال، حال ذوالحال مل کر معطوف، معطوف معطوف علیہ سے مل کر خبر۔ مکن اپنے اسم و خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر تعلیل۔ معلل تعلیل سے مل کر جملہ تعلیلیہ ہوا۔

۴ سفر سے واپس آتے وقت کا ایک اصول

إِذَا اطَّالَ أَحَدُكُمْ الْغَيَّةَ فَلَا يَطْرُقُ أَهْلَهُ لَيْلًا

ترجمہ:

”جب تم میں سے کوئی ذرا لمبے عرصے کے بعد گھر آئے تو رات کو گھر والوں کے پاس اچانک نہ آئے۔“

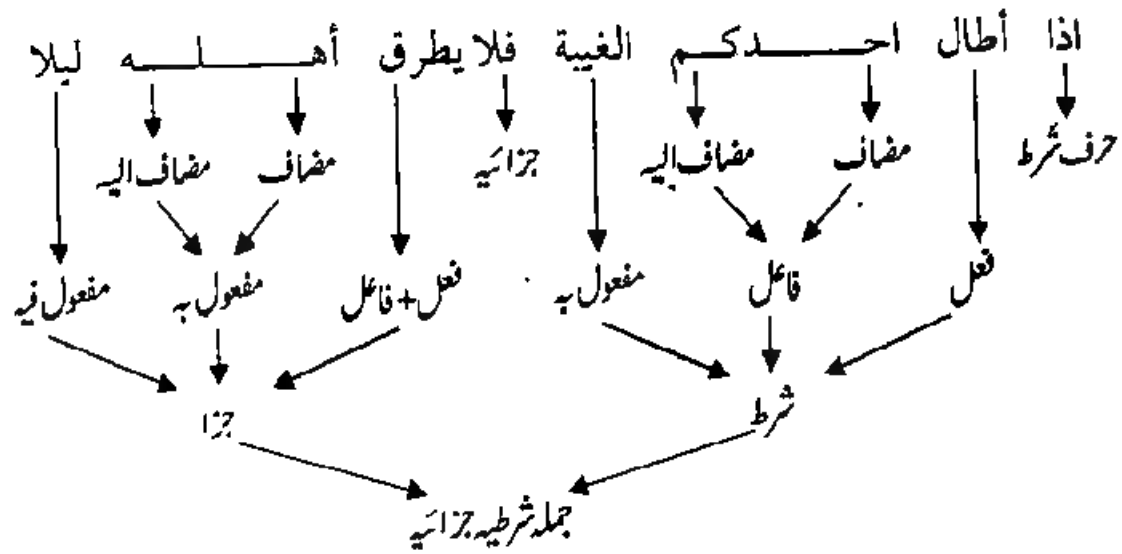
تشریح:

اس حدیث میں ویسے تو عمومی ہدایت ہے کہ ہر آدمی چاہے وہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ اس کے لیے مناسب یہ ہے کہ وہ غیر متوقع طور پر رات کو گھر نہ جائے تاکہ گھر والے لوگوں کی ایک تو نیند نہ خراب ہو اور دوسرے وہ لوگ خوفزدہ نہ ہوں کہ یہ کون آ گیا ہے؟ اور ایسا نہ ہو کہ کوئی ناخوشگوار بات پیش آ جائے۔ البتہ شادی شدہ حضرات کے لیے اس حدیث میں خصوصی اہتمام اور تاکید ہے کہ وہ لوگ اگر زیادہ دنوں کے لیے کہیں گئے ہوں تو اچانک اطلاع کیے بغیر نہ آ جائیں کیونکہ ایسی صورت میں اوپر والے مسائل تو ہیں ہی اس کے علاوہ یہ مسئلہ بھی ہے کہ بیوی کو اطلاع نہیں تو وہ بھاری پرانگندہ اور میلی کچلی حالت میں نہ ہو۔ ایسی صورت میں باہمی تعذر اور قلت رغبت کا اندیشہ ہے۔ ایک صحابی نقل فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم سفر سے واپس آئے تو آپ ﷺ نے مدینے کے پاس پڑاؤ ڈالا اور فرمایا کہ فوراً گھروں کو نہ جاؤ بلکہ پہلے اطلاع بھیج دو تاکہ بیویاں تیار ہو جائیں اور بناؤ سنگھار کر لیں اور انتظار کی وجہ سے رغبت و محبت میں بھی اضافہ ہو۔ یہ حکم تب تھا جب اطلاع کے ذرائع موجود نہیں تھے آج کل چونکہ اطلاع کرنے کے ذرائع موجود ہیں چنانچہ اگر اطلاع کر دی جائے تو اس صورت میں مذکورہ علت نہ ہونے کی وجہ سے یہ ممانعت بھی نہ ہوگی۔

ت ترکیب:

إِذَا حرف شرط اطَّالَ فعل أَحَدُكُمْ مضاف مضاف الیہ مل کر فاعل الْغَيَّةَ مفعول بہ۔ فعل فاعل ومفعول بہ مل کر شرط ف جزائیہ لَا يَطْرُقُ فعل ضمیر اس کا فاعل أَهْلَهُ مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول لَبَّاءَ مفعول فیہ، فعل اپنے فاعل اور دونوں مفعولوں سے مل کر جزاء شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ۔

نقشه ترکیب:



تخریج حدیث:

(۱) بخاری، حدیث نمبر ۴۹۴۶، باب لا یطرق أهله لیلاً الح، کتاب النکاح۔

۳۱ عیادت کا ایک ادب

إِذَا دَخَلْتُمْ عَلَى الْمَرِيضِ فَنَفْسُوا لَهُ فِي أَجَلِهِ فَإِنَّ ذَٰلِكَ لَا يَرُدُّ شَيْئًا
وَيَطِيبُ بِنَفْسِهِ

ترجمہ:

”جب تم کسی مریض کے پاس جاؤ تو اسے موت کے بارے میں تسلی کی بات کہو کیونکہ یہ چیز کسی بات کو نال تو نہیں
سکتی البتہ اس کا دل خوش ہو جائے گا۔“

تشریح:

اس حدیث میں مریض کی عیادت کے آداب کے حوالے سے ایک اخلاقی ادب سکھایا گیا ہے، اور ادب یہ ہے کہ جب کسی
مریض کے پاس جاؤ اور تمہیں آثار وغیرہ سے چاہے یہ معلوم بھی ہو رہا ہو کہ اس کی موت قریب ہے اس کے باوجود بھی تم وہاں اس
کے پاس بیٹھ کر حقیقت بیان کرنے اور بے لاگ تبصرے نہ کرنے لگو بلکہ اسے تسلی دو کہ کچھ نہیں ”لا باس“ اللہ فضل کرے گا، وہ شفاء
دینے والا ہے۔ تم ان شاء اللہ ٹھیک ہو جاؤ گے۔ ایسا کہنا اس لیے بھی ضروری ہے کہ تقدیر کا کسے کیا پتہ ممکن ہے وہ ٹھیک ہی ہو جائے
کتنے لوگ ہیں موت کے منہ سے واپس آتے ہیں۔ اور اگر اس نے مرنا ہی ہے تو کم از کم ابھی سے اس کو پریشان تو نہ کرو۔ موت تو
اپنے وقت پر آئے گی ہی۔ لیکن تمہاری اچھی بات سے اس کا دل خوش ہو گا اور مسلمان کا دل خوش کرنا یہ باعث ثواب ہے اور اسے
پریشان کرنا، ناپسندیدہ ہے۔ ہاں اگر وہ آدمی کسی گناہ میں مبتلا ہو تو ذرا طریقے سے اسے توبہ کے بارے میں کہنا مناسب ہے۔

ترکیب:

اذا حرف شرط دخلتم فعل ضمیر فاعل علی المریض جار مجرور متعلق فعل کے، فعل فاعل اور متعلق سے مل کر شرط ف
جزایہ نفسوا فعل ضمیر فاعل له جار مجرور متعلق فعل کے فی جار اجلہ مجرور، جار مجرور متعلق فعل، فعل فاعل اور متعلقات سے مل
کر جزا، شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ جزایہ ہو کر معلل، ف تعلیلیہ ان حرف مشبہ بالفعل ذلک اسم لا یرد فعل ضمیر فاعل شینا
مفعول بہ، فعل فاعل اور مفعول بہ سے مل کر معطوف علیہ و عاطفہ یطیب فعل ضمیر فاعل بنفسہ جار مجرور متعلق فعل، فعل فاعل اور
متعلق سے مل کر معطوف، معطوف معطوف علیہ سے مل کر خبر، اسم اور خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر تعلیل، معلل تعلیل مل کر جملہ تعلیلیہ

بعض پیش گوئیوں کا ذکر

ذکر بعض المغیبات الّذی أخبر النبیُّ بها و ظهرت بعد و لایہ ۱۱۱

ترجمہ:

”کچھ ایسی پیش گوئیوں کا ذکر جن کے بارے میں آپ نے اطلاع دی اور وہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد ظاہر ہوئیں۔“

ایسی پیش گوئیاں، علامت نبوت اور معجزہ کی قبیل سے ہوتی ہیں کیونکہ اتنی بر محل اور درست بات نبی کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں بتا سکتا اور یہ پیش گوئیاں آپ ﷺ کے زمانے میں بھی پوری ہوئیں بعد میں بھی ہوئیں اور قیامت تک پوری ہوتی رہیں گی اور آمنہ کے لال، عبداللہ کے درتیم، مدینے کے سردار، رحمۃ للعالمین کی نبوت و رسالت کو مزید روشن سے روشن کرتی رہیں گی۔



❶ تا قیامت حق پر قائم رہنے والی جماعت

قَالَ النَّبِيُّ ﷺ وَ هُوَ سَيِّدُ الصَّادِقِينَ، لَا يَزَالُ مِنْ أُمَّتِي طَائِفَةٌ قَائِمَةٌ بِأَمْرِ اللَّهِ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ وَلَا مَنْ خَالَفَهُمْ حَتَّى يَأْتِيَ أَمْرُ اللَّهِ وَهُمْ عَلَى ذَلِكَ

ترجمہ:

”میری امت میں سے ایک جماعت ہمیشہ اللہ کے حکم یعنی حق پر قائم رہے گی اور ان کو ذلیل کرنے والا نہیں نقصان نہ پہنچا سکے گا اور نہ ان کی مخالفت کرنے والا ان کا کچھ بگاڑ سکے گا اور یہ تب تک ہوگا کہ جب تک اللہ کا حکم یعنی قیامت نہ آجائے اور وہ اس حکم کے آنے تک اسی حق کی روش پر قائم ہوں گے۔“

تشریح:

چونکہ حضور اکرم ﷺ کی نبوت اور آپ کا لایا ہوا دین روئے زمین کے انسانوں اور قیامت تک آنے والی نسلوں کے لیے ہے اس لیے اس دین کا اصل حالت میں محفوظ رہنا ضروری ہے اور اللہ نے اس کی حفاظت کا خود ذمہ لیا ہے۔ اس حدیث میں اس ذمہ حفاظت کی عملی شکل واضح کی گئی ہے کہ اللہ رب العزت ایک حق پرست جماعت کو ہر دور میں باقی رکھیں گے جس سے دین محفوظ

بھی ہوگا اور اگلی نسلوں تک منتقل بھی۔ یہ جماعت حق پر ایسی قائم ہوگی کہ با مخالف کی تندی و تیزی انہیں نیچے گرانے کی بجائے اور اوپر لے جائے گی۔ اس جماعت سے کون لوگ مراد ہیں؟ اس بارے میں متعدد آراء ہیں کسی نے محدثین کا طبقہ مراد لیا، تو کسی نے صوفیاء کا گروہ، کسی نے علماء دین مراد لیے تو کسی نے مجاہدین اسلام، یہ سارے اقوال اور آراء درست ہیں ان میں باہم تعارض و تناقض نہیں بلکہ یہ تمام حضرات ہی مراد ہیں کیونکہ دین کی حفاظت ان سب کی مرہون منت ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہیں کہ اس جماعت سے اہل سنت والجماعت کے لوگ مراد ہیں یعنی جن کے عقائد و نظریات صحابہ و تابعین اور سلف کے مطابق و موافق ہیں۔ ان میں حنفی، مالکی، شافعی و حنبلی بھی آگئے، اسی طرح اشعری و ماتریدی بھی، اسی طرح محدثین بھی اور وہ مجاہدین بھی جو صحیح نظریات اور علماء حق کی راہنمائی میں اعلائے کلمۃ اللہ کی سر بلندی کے لیے کوشاں ہوں۔ اللہ ہمیں مرتے دم تک اسی حق پرست جماعت کے دامن سے وابستہ رکھے۔ آمین

تخریج حدیث:

(۱) بخاری، حدیث نمبر ۳۴۴۲، باب قوله لا تزال طائفة من امتی ظاہرین علی الحق، کتاب الاعتصام و المناقب۔

(۲) مسلم، حدیث نمبر ۵۰۶۴، باب قوله لا تزال الح، کتاب الامارۃ۔



۷۸ آخری زمانے کے جھوٹے دجالوں کا تذکرہ

وَقَالَ النَّبِيُّ يَكُونُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ دَجَالُونَ كَذَّابُونَ يَاتُونَكُمْ مِنَ الْأَحَادِيثِ بِمَا لَمْ تَسْمَعُوا أَنْتُمْ وَلَا آبَاؤُكُمْ فَأَيَّاكُمْ وَإِيَّاهُمْ لَا يُضِلُّونَكُمْ وَلَا يَفْتِنُونَكُمْ

ترجمہ:

”نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”آخری زمانے میں بہت سے دجل و فریب والے اور پرلے درجے کے جھوٹے ہوں گے وہ تمہارے پاس ایسی ایسی احادیث/ باتیں لائیں گے جو تم نے سنی ہوں گی اور نہ تمہارا باپ و اجداد نے، تم ان سے بچو وہ تم سے دور رہیں، وہ تمہیں گمراہ نہ کریں اور تمہیں فتنے میں مبتلا نہ کر دیں۔“

تشریح:

اس حدیث میں کس زمانے کا ذکر ہے اور ان جھوٹے لوگوں کا ظہور کب ہوگا؟ اس کے بارے میں ایک رائے یہ ہے کہ اس سے مراد وہ زمانہ ہے جب صحابہ و تابعین اور تبع تابعین کے زمانے کے بعد فتن و فساد شروع ہوئے اور لوگ جھوٹی حدیثیں گھڑ گھڑ کر دین میں داخل کرنے کے درپے ہو گئے۔ ان کی وجہ سے دین کا فساد ظاہر تھا۔ یہ پیش گوئی بعینہ پوری ہوئی اور ایسا ہوا لیکن اللہ جزائے خیر دے محدثین کو کہ انہوں نے اپنی زندگیاں کھپا کر دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دیا اور ان تحریفی کوششوں کو دین سے یوں علیحدہ کر دیا جیسے مکھن سے بال نکالا جاتا ہے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ اس سے مراد بعد کا زمانہ ہے جب قیامت کا قرب ہوگا تو لوگ دین کے بارے میں نت نئے فلسفے اور طرح طرح کی لگی لپٹی باتیں اور خوشنما دعوے لائیں گے ایسے لوگ محض فتنہ ہوں گے۔

یورپ کے مادی غلبے اور استعماری اہداف کے لیے کی جانے والی ہمہ جہت کوششوں کے نتیجے میں عالم اسلام میں دانشوروں کا ایک ایسا طبقہ وافر مقدار میں پایا جاتا ہے جو آئے روز نئے نئے مسائل اور فلسفے بکھیرتے ہیں۔ ان میں سے ہر آدمی اسلام کا ایک نیا میڈیشن تیار کر کے مارکیٹ میں بیچنے کے لیے لاتا ہے۔ مگر اللہ کا فضل ہے کہ یہ لوگ چند گا کہوں کو ساتھ لیے آہستہ آہستہ دھیرے دھیرے گوشہ گمنامی میں چلے جاتے ہیں۔ ان کا نظریہ تو کیا نام بھی صرف تاریخ کے صفحات اور دھندلے نقوش کے طور پر رہ جاتا ہے۔

تخریج حدیث:

(۱) مسلم، حدیث نمبر ۱۶

۴۹۔ بہترین زمانہ کون سا ہے؟

وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ خَيْرُ النَّاسِ قُرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ يَجِيءُ قَوْمٌ تَسْبِقُ شَهَادَةُ أَحَدِهِمْ يَمِينَهُ وَ يَمِينُهُ شَهَادَتَهُ

ترجمہ:

”نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا سب سے بہترین لوگ میرے زمانے کے ہیں پھر وہ لوگ جو ان کے متصل بعد ہوں گے پھر وہ لوگ جو ان کے بعد ہوں گے، پھر وہ لوگ جو ان کے بعد ہوں گے، پھر ایسی قوم آئے گی جن کی گواہی ان کے قسم سے اور ان کی قسم ان کی شہادت سے سبقت لے جائے گی۔ (یعنی گواہی دینا اور قسم کھانا ان کے ہاں کوئی بڑی بات نہیں ہوگی بات بات پر قسم کھاتے پھریں گے)“

تشریح:

قرن کا اطلاق سو سال، اسی سال، چالیس سال سب پر ہوتا ہے۔ مراد ہے ایک زمانے کے وہ لوگ جن کی عمریں قریب قریب ہوں جسے ”پیرہمی“ کہہ سکتے ہیں۔ جیسے دادا کا زمانہ ایک پیرہمی پھر باپ کا زمانہ ایک پیرہمی ہے اور پھر بیٹے کا زمانہ ایک پیرہمی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ سب سے بہترین زمانہ وہ ہے جس میں میں ہوں یعنی نبوت کے تیس سال اس کے بعد میرے صحابہ کا زمانہ اچھا ہوگا بعد کے زمانوں سے اور اس کے بعد تابعین و تبع تابعین کا زمانہ ہوگا۔ ان تین زمانوں میں قدر مشترک یہ ہے کہ ان میں خیر غالب ہوگی اور شر مغلوب ہوگا یعنی لوگوں کی اکثریت ایمان دار، دیانت دار اور سچ کی عادی ہوگی۔ البتہ اکاد کا فاسق و فاجر تو ان زمانوں میں بھی ہوں گے۔ جیسے حجاج بن یوسف، یزید اور ابن زیاد وغیرہ۔

یہاں ایک بات کی وضاحت مناسب ہے کہ صحابی کے لیے تو یہ ضابطہ ہے کہ صحابہ تمام کے تمام اعلیٰ کردار اور اوصاف کے اہل ہیں ان میں تو اچھائی کا معیار قائم کرنے کے لیے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ انہوں نے آپ ﷺ کی زیارت ایمان کی حالت میں کی ہو۔ آپ کی زیارت و محبت ایسی اکیسہ تھی کہ وہ لوگ کندن بن گئے تھے۔ وہاں کسی حریقہ کی ضرورت نہیں ہاں البتہ تابعین و تبع تابعین میں معیار فضیلت یا دوسرے لفظوں میں تابعی کہلانے کے لیے محض اتنا کافی نہیں کہ ایمان کی حالت میں کسی صحابی کو دیکھا ہو بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ اسے اخلاق و کردار پر پرکھا جائے کیونکہ قرآن میں جہاں تابعین کا ذکر ہے وہاں احسان کی قید ہے۔ جیسے ﴿وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ﴾ (النوبہ: ۱۰۰) اسی وجہ سے حجاج بن یوسف وغیرہ جیسے لوگ تابعی کہلانے کے مستحق نہیں کیونکہ ان کی طرف سے احسان کے ساتھ اتباع نہیں پائی گئی۔ واللہ اعلم

تخریج حدیث:

(۱) بخاری، حدیث نمبر ۶۰۶۵، باب لا یشهد علی شہادۃ حور اذا شہدہ کتاب الشہادات۔

(۲) مسلم، حدیث نمبر ۲۵۳۵

۴۵۰ سود کی کثرت کی پیش گوئی

وَقَالَ النَّبِيُّ لِبَنَاتَيْنِ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يَبْقَى أَحَدٌ إِلَّا أَكَلَ الرِّبَا لَئِنْ لَمْ يَأْكُلْهُ أَهَابُهُ
مِنْ بُخَارِهِ

ترجمہ:

”آپ ﷺ نے فرمایا: لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ کوئی آدمی بھی سود خوری سے بچ نہیں سکے گا اگر وہ براہ راست اور بعینہ سود نہ بھی کھائے تو اس کا دھواں تو اس کو پہنچ ہی جائے گا۔“

تشریح:

آپ ﷺ نے جو بھی پیش گوئیاں فرمائی ہیں ان میں بعض ایسی ہیں جو خوش آئند ہیں اور ان کی ہایت آدمی کو تحصیل کی خواہش بھی رکھنی چاہیے ورنہ اکثر و بیشتر پیش گوئیاں ایسی ہیں کہ ان میں تنبیہ کی گئی ہے اور ڈرایا گیا، اگرچہ ان کاموں نے حسب تقدیر اور خبر نبی واقع تو یقیناً ہوتا ہے تاہم ان میں آدمی کو بچنے کی دعا مانگنی چاہیے۔ اس قسم کی پیش گوئیوں میں سے ایک یہ پیش گوئی بھی ہے جو پہلے امداد میں تو پوری ہوتی رہی ہے یا نہیں آج کل سو فیصد پوری ہو رہی ہے۔ پیش گوئی یہ ہے کہ ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ ہر آدمی کو سود کا کچھ نہ کچھ حصہ ملے گا اگر آگ نہیں تو دھوئیں سے کم از کم نہیں بچ پائے گا۔

آج کل اکثر دنیا میں جو معاشی نظام چل رہا ہے چاہے غیر مسلم ممالک ہوں یا اسلامی ممالک ان کا معاشی نظام سرمایہ دارانہ ہے اور سرمایہ دارانہ نظام کی بنیاد بینکنگ پر ہے اور بینک یہودی ذہنیت کا شاخسانہ اور سود کا ایسا بڑا اور گندہ جو ہر ہے کہ اس سے نکلنے والا پانی پورے معاشرے کی رگوں تک پہنچتا ہے اور ایسے شاطرانہ طریقے سے پہنچتا ہے کہ اگر کوئی ہزار بچتا چاہے تب بھی ممکن نہیں کیونکہ آخر کار اس نے چیزیں تو اس بازار سے خریدنی ہیں وہاں مصنوعات ان کمپنیوں کی ہیں جن کا لین دین سودی ہے۔ نوٹ جتنے بھی ہیں بنک سے جاری ہوتے ہیں اسی طرح سودی اداروں مثلاً بنک، انشورنس وغیرہ کے ملازمین کے ساتھ تعلقات رکھے جائیں تو ان کی آمدن کا مسئلہ مستقل پریشانی ہے۔ اس لیے آدمی کسی نہ کسی حد تک قتلوت ہو جاتا ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم اسی معاشرے کے گرداب میں گھومنے لگیں بلکہ یہ ہماری انفرادی اور اجتماعی ذمہ داری ہے کہ سود کو معاشرے میں سے اس کی جڑوں سے اکھاڑ پھینکیں۔ ہر قدم پر مشتبہ کمائی اور سود سے بچنے کی کوشش کریں اور لوگوں کو سود کے نقصانات اور گناہوں کے بارے میں بتائیں۔

تخریج حدیث:

۶۴) دین کے اوپر اہونے کی پیش گوئی

قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: إِنَّ الدِّينَ بَدَأَ غَرِيبًا وَ سَيَعُودُ كَمَا بَدَأَ فَطُوبَى لِلْغُرَبَاءِ وَهُمْ الَّذِينَ يُصْلِحُونَ مَا أَلَسَدَ النَّاسُ مِنْ بَعْدِي مِنْ سُتَيٍّ

ترجمہ:

آپ ﷺ نے فرمایا: ”یہ دین شروع بھی اجنبی ہونے کی حالت میں ہوا ہے اور غریب اجنبی بن جائے گا۔ ایسے اجنبی دیندار لوگوں کے لیے خوشخبری ہے۔ یہ غرباء اور اجنبی لوگ وہ ہیں جو میرے بعد میری سنت اور میرے طریقے میں پیدا ہونے والے بگاڑ کو ختم کرنے والے ہیں۔“

تشریح:

غریب اس شخص کو کہتے ہیں جو دوسرے وطن اور دیس میں آیا ہوا ہو۔ پردیسی، اوپر، اجنبی جس کا کوئی خاص حمایتی نہ ہو۔ فرمایا کہ دین کی ابتدائی حالت بھی یہ تھی کہ عین مرکز توحید یعنی مکہ میں ہی اس کا کوئی نام لیوا نہ تھا اور تیرہ سال تک یہ اس کسمپرسی سے عالم میں رہا اور پھر اللہ نے دین کو ایک شوکت اور غلبہ دیا۔ اس کے بعد ایک وقت ایسا آئے گا دین پر وہ پہلے والی کسمپرسی طاری ہو جائے گی اور لوگ دین سے دور ہو جائیں گے۔ عملی سستی اور عملی نفاق عام ہو جائے گا چاہے نام کے مسلمان ہوں گے لیکن عمل میں دین سے اتنی دوری ہوگی کہ بھری بستیوں میں دین کے شعار اور سنت کے طریقے کا عالم کوئی ایک آدمی بھی مشکل سے ملے گا ایسی حالت میں دین معاشرے میں ایک اجنبی اور پردیسی مہمان ہو کر رہ جائے گا۔ لیکن ایسے حالات میں بھی کچھ اللہ کے بندے ایسے ہوں گے جو دین پر عمل پیرا ہوں گے اور دین کی وضع قطع اور شکل و صورت کو مضبوطی سے تھامے ہوں گے۔ جیسے دین غریب اور اجنبی ہو گا ویسے ہی یہ لوگ بھی اوپرے اوپرے لگیں گے کیونکہ یہ لوگ زمانے کے چلن سے ہٹ کر چلنے کی کوشش کریں گے لیکن یہ لوگ بڑے خوش قسمت ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ ایسے کٹھن حالات میں ایک ایسا کام کر رہے ہوں گے جسے کرنا سو شہیدوں کا ثواب ہے یعنی میرے طریقے اور سنت کو زندہ کر رہے ہوں گے۔

تخریج حدیث:

(۱) مسلم، حدیث نمبر ۳۰۸۹، کتاب الایمان۔

(۲) ترمذی، حدیث نمبر ۲۶۲۹۔

۴۴) دین کی حفاظت کا مضبوط نظام

قال النبی ﷺ: يَحْمِلُ هَذَا الْعِلْمَ مِنْ كُلِّ خَلْفٍ عُدُوُّهُ يَنْفُونَ عَنْهُ تَحْرِيفَ الْغَالِيْنَ
وَإِتِّحَالَ الْمُبْطِلِيْنَ وَتَأْوِيلَ الْجَاهِلِيْنَ

ترجمہ:

”اس علم کو ہر آنے والی نسل میں سے دیانت دار لوگ حاصل کریں گے جو اس علم دین میں غلو کرنے والوں کی تحریف اور اہل باطل کی اختراع پر دازی اور جاہلوں کی غلط تاویلات کو دور کریں گے۔“

تشریح:

مذکورہ بالا حدیث ویسے تو پیش گوئی کے تناظر میں ہے مگر اس میں ساتھ ساتھ ایک ذمہ داری اور تقاضا بھی ہے اور وہ یہ کہ اہل دین اور اہل علم کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ دین کے علوم کا وارث ان لوگوں کو بنائیں جو دیانت دار، اہل تقویٰ و عادل ہوں اور پھر جب یہ لوگ علوم شریعت کے حامل اور وارث بن جائیں تو پھر ان کی ذمہ داریوں میں یہ بات بھی شامل ہے کہ وہ دین پر ہونے والے تمام فکری و نظریاتی حملوں کا مقابلہ کریں۔ اور نظریاتی و فکری طور سے دین کی مکمل حفاظت کریں اور اس کی وہی شکل جو رسول خدا کے دور میں تھی اس کو بعینہ باقی رکھیں۔

نظریاتی حملے یا دین میں بگاڑ کے اسباب یا شکلیں تین بیان فرمائی گئیں ہیں۔ (۱) غالی لوگوں کی تحریف، جیسے مذہب نصاریٰ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا بنانا، یا مسلمانوں میں سے بعض نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کیا کچھ مرتبہ دے دیا، الوہیت وغیرہ کے حوالے سے۔ یہ غالی لوگوں کی تحریف ہے کیونکہ اس سے دین کی بنیادوں یعنی عقائد کا حلیہ بگڑتا ہے۔ (۲) اتحال مبطلین، اہل باطل جیسے خواہش پرست لوگ وہ دین میں اپنی خواہش پرستی کا جواز پیدا کرنے کے لیے طرح طرح کے نئے طریقے اور حیلے بہانے تلاشتے رہتے ہیں۔ ان کا مقابلہ کرنا ضروری ہے۔ (۳) تاویل جاہلین، جو لوگ دین کے نظام اور علوم سے پورے واقف نہیں و خصوص شریعت میں اپنی جہالت کی بنیاد پر ایسے ایسے معنی پیدا کرتے ہیں جو غلط ہوتے ہیں ایسے غلط معنی کو تاویل فاسد کہتے ہیں۔ اگر غور کیا جائے تو دین میں نظریاتی فتنے خواہ کیسے بھی ہوں انہی تین راہوں سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس لیے علماء کی ذمہ داری دی کہ ان چور راستوں کو بند کریں اور ان راہوں سے آنے والے فتنوں کا بھرپور تعاقب کریں۔

تخریج حدیث:

۷۴) اندھے قتل اور خانہ جنگی کا ذکر

قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا تَذْهَبُ الدُّنْيَا حَتَّى يَأْتِيَ عَلَى النَّاسِ يَوْمٌ لَا يُدْرِي الْقَاتِلُ فِيْمَ قَتَلَ وَلَا الْمَقْتُولُ فِيْمَ قُتِلَ فَيَقِيلُ كَيْفَ يَكُونُ ذَلِكَ قَالَ: الْهَرَجُ، الْقَاتِلُ وَالْمَقْتُولُ فِي النَّارِ

ترجمہ:

آپ نے ارشاد فرمایا: ”قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے اس وقت تک دنیا ختم نہیں ہوگی یہاں تک کہ لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ جس میں نہ قاتل کو پتہ ہوگا کہ اس نے کیوں قتل کیا اور نہ مقتول کو پتہ ہوگا کہ اسے کیوں موت کی آغوش میں سلایا گیا۔ عرض کیا گیا یہ کیسے ہوگا؟ آپ نے فرمایا: بڑے وسیع پیمانے پر قتل اور خانہ جنگی ہوگی اور اس حالت میں قاتل اور مقتول دونوں جہنم میں جائیں گے۔“

تشریح:

فتنے سے شریعت میں پناہ مانگی گئی ہے فرمایا ”وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ“ کہ فتنہ سیدھے سیدھے قتل سے زیادہ سخت ہے اصطلاح میں فتنے سے مراد وہ حالت اور وہ عبوری دور لیا گیا ہے کہ جس میں ایک عام آدمی بلکہ اچھے خاصے سمجھ دار آدمی کے لیے بھی حق اور باطل کے درمیان فرق کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ پھر کچھ عرصے بعد معلوم ہوتا ہے کہ فلاں سچا تھا فلاں غلط تھا۔ لیکن تب تک دونوں طرف سے لاشوں کے ڈھیر لگ چکے ہوتے ہیں اور بے پناہ انسانوں کا خون بے دریغ بہہ چکا ہوتا ہے۔ اوپر کی حدیث میں بھی اسی طرح کی صورت حال کا ذکر ہے کہ دنیا میں اور مسلمانوں کے درمیان قتل اور خانہ جنگی کا اتنا شیوع ہو جائے گا کہ آئے روز لاشیں گریں گی مگر نہ گرانے والے کو پتہ ہوگا کہ اس کو مارنے سے میرا مقصد کیا تھا؟ یعنی کوئی بڑا مقصد سامنے نہیں ہوگا اور نہ مرنے والے کو پتہ ہوگا کہ مجھے کیوں مارا گیا، میرا جرم کیا تھا۔ اس فتنے کی بابت شریعت کا حکم یہ ہے کہ تم لوگ اپنے اپنے گھروں میں ٹھہرو اور کسی ایک فریق کا بھی ساتھ نہ دو کیونکہ ایسے میں اگر کسی بھی فریق کا ساتھ دو گے تو ہلاکت ہی ہلاکت ہے کیونکہ ایسی بے مقصد کی لڑائی میں نہ مارنے والے کو ثواب ہے اور نہ مرنے والے کو بلکہ دونوں سیدھے جہنم میں جائیں گے۔ ویسے تو ہر دور کے حالات میں فتنے سخت سے سخت رہے ہیں تاہم ہمارے موجودہ دور میں اس فتنے کی جھلک صاف دکھائی دیتی ہے۔ اور سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ موجودہ دور میں انسانی خون اور انسانی جان اتنی ارزاں اور سستی ہو گئی ہے کہ انسان کا خون بہانا اتنا اہم بھی نہیں کہ کسی کے ماتھے پر حکن ہی آجائے۔ ”اعاذنا اللہ من الفتن و الشرور“

تخریج حدیث:

علم اٹھ جانے اور فتنوں کے ظہور کا ذکر

قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: يَتَقَارَبُ الزَّمَانُ وَيَقْبُضُ الْعِلْمُ وَتُظْهَرُ الْفِتَنُ وَيُلْقَى الشَّيْخُ وَيَكْتُمُ الْهَرَجُ قَالُوا: وَمَا الْهَرَجُ قَالَ: الْقَتْلُ

ترجمہ:

آپ ﷺ نے فرمایا: ”ایسا وقت آنے والا ہے کہ زمانہ باہم قریب ہو جائے گا، علم اٹھایا جائے گا اور فتنوں کا ظہور ہوگا۔ بخل مسلط کر دیا جائے گا اور ”ہرج“ واقع ہوگا۔ صحابہ نے عرض کیا ہرج کیا ہے؟ آپ نے فرمایا قتل۔“

تشریح:

یہ حدیث بھی ان پیش گوئیوں میں سے ہے جو پہلے اگر نہیں بھی ہوئیں تو آج کے زمانے میں حرف، بحرف صادق آ رہی ہیں۔ اس میں پہلی بات یہ فرمائی کہ زمانہ قریب ہو جائے گا۔ اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ ذرائع آمد و رفت اور وسائل نقل و حمل اور ذرائع مواصلات کی اتنی کثرت ہوگی کہ فاصلے سمٹ کر رہ جائیں گے اور جو کام سالوں میں ہوتے تھے وہ مہینوں، ہفتوں بلکہ دنوں میں ہونے لگیں گے۔ اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کی فضولیات اور لالچ یعنی مشغولیات اتنی ہو جائیں گی کہ وقت گزرنے کا احساس ہی کم ہو جائے گا۔ آدی کہے گا یا راتِ وقت گزر گیا ہے؟ فلاں کام تو ابھی کل کی بات ہے؟ دوسری پیش گوئی یہ فرمائی کہ علم اٹھ جائے گا مطلب یہ ہے کتابوں میں اور اوراق میں تو حروف لکھے ہوں گے، لیکن وہ علمائے ربانین اور للہیت و اخلاص والے حضرات دنیا سے ایک ایک کر کے اٹھتے جائیں جن کی صحبت قرن اول کی یاد دلا دے اور جن کو دیکھتے ہی خدا یاد آنے لگے اور جن کے نوک زبان نہیں قرآن و حدیث ان کے رگ و ریشے میں سایا ہوا ہو۔ ایسے علماء اٹھ جائیں گے اور فتنوں کا ظہور ہوگا حق و باطل کی تیز ختم ہوتی جائی گی اور لوگوں نے اپنا معیار زندگی اتنا بلند کر لیا ہوگا کہ ان کے سامنے زیادہ سے زیادہ مال بھی اپنی ضروریات سے کم ہوگا اور اس کی وجہ سے راہِ خدا میں خرچ کرنے، فقراء و مساکین کو دینے ہر شے داروں پر خرچ کرنے کا رجحان ختم ہو جائے گا اور عملاً بخل ان پر مسلط ہو جائے گا۔ اچھا بھلا کھانا پیتا آدی ہوگا لیکن کسی فقیر کو پانچ روپے بھی نہیں دے گا۔ پھر آپ ﷺ نے آخری بات دی فرمائی جو ابھی پچھلی حدیث میں ذکر ہوئی کہ قتل کا بازار گرم ہو جائے گا یہ باقاعدہ جنگ کی صورت میں نہیں ہوگا بلکہ آپس میں خانہ جنگی ہوگی۔

تخریج حدیث:

(۱) بخاری، حدیث نمبر ۶۶۵۲

(۲) مسلم، حدیث نمبر ۶۹۶۸

⑤ سخت آزمائش کا دور

قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا تَذْهَبُ الدُّنْيَا حَتَّى يَمُرَّ الرَّجُلُ بِقَبْرِ فَيَسْتَمِرَّغُ عَلَيْهِ وَيَقُولُ يَلَيْتَنِي كُنْتُ مَكَانَ صَاحِبِ هَذَا الْقَبْرِ وَلَيْسَ بِهِ الدِّينُ إِلَّا الْبَلَاءُ

ترجمہ:

آپ ﷺ نے فرمایا: ”قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضے میں میری جان ہے دنیا اس وقت تک ختم نہیں ہوگی جب تک ایسی حالت نہ ہو جائے کہ ایک آدمی کسی قبر کے پاس سے گزرے گا اور اس پر لوٹ پوٹ ہوگا اور یہ کہے گا کاش! کہ اس قبر والے کی جگہ میں ہوتا اور یہ کیفیت اس پر اس وجہ سے نہیں ہوگی کہ اسے دین کے بارے میں پریشانی ہے بلکہ یہ دنیاوی مصائب ہوں گے۔“

تشریح:

یہ حدیث بھی اس سے پہلے گزرنے والی احادیث کا ختمہ اور اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے..... جس میں قریب قیامت میں فتنوں پریشانیوں اور آزمائشوں کی کثرت شدت اور ہولناکی کا تذکرہ ہے۔ اس حدیث میں ان فتنوں کی اتنی شدت کا ذکر ہے کہ آدمی جیتے جی مرنے کی خواہش کرے گا۔ جس کی صورت یہ ہوگی کہ وہ کسی قبر کے پاس سے گزرے گا تو اس قبر والے کو اس میں پڑا دیکھ کر اسے اتنی حسرت اور خواہش ہوگی کہ کاش کہ اس قبر والے کی جگہ میں ہوتا، تا کہ مجھ پر جو مصائب آرہے ہیں ان سے آج میں دور ہوتا..... اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے آدمی جب کسی بڑی مصیبت خاص طور سے گناہ وغیرہ کی بدنامی یا کسی سختی میں مبتلا ہو جاتا ہے تو یہ سوچتا ہے کہ کاش میں آج کے دن سے پہلے مر چکا ہوتا۔

تخریج حدیث:

(۱) ابن ماجہ، حدیث نمبر ۴۰۳۷

(۲) مسلم، حدیث نمبر ۷۴۸۶، کتاب العتن۔

۷۶) علامات قیامت کا بیان

وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: يُوشِكُ أَنْ يَأْتِيَ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يَبْقَى مِنَ الْإِسْلَامِ إِلَّا اسْمُهُ وَلَا يَبْقَى مِنَ الْقُرْآنِ إِلَّا رِسْمُهُ مَسَاجِدُهُمْ غَامِرَةٌ وَهِيَ خَرَابٌ مِّنَ الْهُدَى عَلَمَاؤُهُمْ شَرٌّ مِّنْ تَحْتَ أَدِيمِ السَّمَاءِ مِنْ عِنْدِهِمْ تَخْرُجُ الْفِتْنَةُ وَلِيَهُمْ تَعَوُّدٌ

ترجمہ:

نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ”عنقریب لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ جس میں اسلام کا صرف نام باقی رہ جائے گا اور قرآن کے صرف الفاظ باقی رہ جائیں گے۔ ان کی مسجدیں آباد ہوں گی لیکن ہدایت سے ویران ہوں گی۔ ان کے علماء روئے زمین کی سب سے بری مخلوق ہوں گے، انہیں سے فتنے پیدا ہوں گے اور انہیں میں لوٹ آئیں گے۔“

تشریح:

یہ حدیث بھی ان پیش گوئیوں میں سے ہے جو آج کے زمانے میں ہی حرف بحرف صادق آ رہی ہیں کیونکہ لوگ مسلمان صرف نام کے رہ گئے ہیں۔ حقیقت اسلام اور روح اسلام سے آشنا نہیں اور قرآن پاک کے الفاظ اور حروف تو موجود ہیں مطالب نہیں۔ ع

رہ گئی رسم اذان روح بلامی ہوئی نہ رہی

لفظ رہ گیا تلقین غزالی نہ رہی

تیسری بات یہ بتائی کہ مساجد میں نمازی تو موجود ہوں گے لیکن وہی مساجد جو صدر اسلام میں رشد و ہدایت اور دین کی سمجھ کا مرکز و محور ہوتی تھیں اب اس وصف سے خالی ہو جائیں گی اور اس دور میں اہل علم اپنی ذمہ داریوں سے غافل ہو جائیں گے۔ بلکہ وہ شیطان کے ہاتھوں میں ایسے لونہیں گے کہ شیطان قوتوں کے لیے انہیں ہی استعمال کرے گا۔ اعاذنا اللہ ہم

تخریج حدیث:

۴۷ آخری زمانے میں منافقت کا دور دورہ ہوگا

وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: يَكُونُ فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ اَقْوَامٌ اِخْوَانُ الْعِلَانِيَةِ وَ اَعْدَاءُ السَّرِيْرِۃِ
لَقِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ كَيْفَ يَكُوْنُ ذٰلِكَ قَالَ ذٰلِكَ بِرَغِيْبَةٍ بَعْضِهِمْ اِلَى بَعْضٍ وَ رَهْبَةٍ
بَعْضِهِمْ مِّنْ بَعْضٍ

ترجمہ:

آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ”آخری زمانے میں ایسے لوگ ہوں گے جو ظاہر میں بھائی بھائی ہوں گے اور
اندروں سے دشمن ہوں گے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! ایسا کیوں ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا ایسا اس وجہ سے ہوگا کہ ان
کے ایک دوسرے سے مفادات بھی وابستہ ہوں گے اور وہ ایک دوسرے سے ڈرتے بھی ہوں گے۔“

تشریح:

آج کے زمانے میں جہاں اخلاص اور حسن نیت عنقاء ہو چکی ہے اور مادیت اور دنیا کی محبت کا غلبہ ہے پورے کا پورا معاشرہ ہی
تقریباً اسی صورت حال سے دوچار ہے کہ عملی نفاق لوگوں میں گھر کر چکا ہے ایک دوسرے کے ساتھ رشتہ داریاں بھی ہیں، دوستیاں
بھی ہیں مگر اندر سے ایک دوسرے پر غیظ و غضب ہے دانت پیتے رہتے ہیں۔ ہمارے موجودہ زمانے کے جمہوری نظام کے
سیاستدان اور جماعتیں اس کی واضح مثال ہیں کہ صبح کو دشمن ہوتے ہیں اور رات کو اپنے اپنے مفادات سمیٹنے کی خاطر ایک ہی میز پر
اپنے دلوں میں بغض و نفرت لیے اکٹھے ہو جاتے ہیں۔

تخریج حدیث:

(۱) مسند احمد، حدیث نمبر ۲۲۱۰۸

۵ نیک لوگ ایک ایک کر کے اٹھتے جائیں گے

وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: يَذْهَبُ الصَّالِحُونَ الْأَوَّلُ فَلَا أَوَّلُ وَتَبْقَى حُفَاةٌ كَحُفَاةِ الشَّعِيرِ
أَوْ التَّمْرِ لَا يَبَالِيهِمُ اللَّهُ بَالَةً

ترجمہ:

آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ”نیک لوگ رخصت ہوتے چلے جائیں گے ایک کے بعد ایک اس کے بعد
بھوسہ بچ جائے گا جیسے کھجور اور جو کا بھوسہ ہوتا ہے اللہ ان لوگوں کی بالکل پروا نہیں کریں گے۔“

تشریح:

مطلب یہ ہے کہ جوں جوں زمانہ نبوت اور خیر القرون سے بعد بڑھتا جائے گا اس درجے کی نیکی اور تقویٰ نہیں رہے گا اور اس
کے بعد ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ نیک لوگ ایک ایک کر کے دنیا سے رخصت ہو جائیں گے اور پیچھے سے ان کا بدل اور قائم مقام کوئی
نہیں ہوگا بلکہ پیچھے بچنے والے لوگ ایسے ہی بے کار ہوں گے جیسے کسی چیز کا فضلہ اور بھوسہ ہوتا ہے جو پینے اور چھاننے کے بعد ان کا
بھوسہ اور نغالیہ بن جاتا ہے اور اصل کام کی چیز یعنی آٹا نکالنے کے بعد باقی وہ بچ رہتا ہے اسی طرح نیک لوگوں کے جانے کے بعد جو
لوگ بچ رہیں گے وہ ایسے ہی بے کار اور فضول ہوں گے کہ نہ دنیا کے کام کے لئے نہ دین کے کام کے اور اللہ کو بھی ان کی پروا نہیں ہو
گی یعنی اللہ ان کی دعاؤں کے قبول کرنے اور مدد کرنے کے حوالے سے کچھ توجہ نہیں دیں گے۔

تخریج حدیث:

(۱) بخاری، حدیث نمبر ۳۹۲۵، باب ذهاب الصالحین، کتاب الرقاق

⑤ کہنے لوگ عزت کے مناصب پر فائز ہوں گے

وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَكُونَ أَسْعَدُ النَّاسِ بِالدُّنْيَا لُكْعَ ابْنِ لُكْعٍ

ترجمہ:

آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ”قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ سب سے معزز آدمی وہ لوگ ہوں گے جو خود بھی کہنے ہیں اور ان کے باپ بھی کہنے تھے۔“

تشریح:

شرافت اور سرداری کا ایک معیار وہ ہے جو پہلے زمانے میں ہوتا تھا اور جس کو اسلام نے تھوڑی بہت اصلاح کے ساتھ باقی رکھا تھا۔ اس میں شریف آدمی وہ ہوتا تھا جو غلط کاموں سے بچتا ہو اس کی ظاہری زندگی راست بازی کی ہو۔ اس کے اخلاق عمدہ ہوں لیکن فرمایا کہ اخیر زمانے میں اس معیار میں زمین آسمان کا تفاوت آ جائے گا اور جو لوگ پہلے زمانے میں معزز سمجھے جاتے تھے وہ ذلیل اور پہلے زمانے کے ذلیل اور بے کار لوگ معزز اور باعزت قرار پائیں گے۔ جیسے آج کل یہ بات عام دیکھنے میں آرہی ہے کہ گانے، گانے والے، بہروپے (ایکٹر) اور اس طرح کے میراثی وغیرہ اب معاشرے میں اچھے خاصے نمایاں مقام پر ہیں اور لوگ خواہش کرتے ہیں کہ ہم ان جیسے ہو جائیں۔ جبکہ اصل شرافت اور عفت و عزت والے لوگ طعنوں سے منہ چھپانے پر مجبور ہیں۔

تخریج حدیث:

(۱) ترمذی، حلیث نمبر ۲۲۰۹، باب ما جاء فی اشراط الساعة، ابواب الفتن

۳۸۰ دین پر چلنا، انگارہ پکڑنا ہوگا

وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ الصَّابِرُ فِيهِمْ عَلَى دِينِهِ كَالْقَابِضِ عَلَى الْجَمْرِ

ترجمہ و تشریح:

آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ اس میں دین پر مضبوطی اور ثابت قدمی سے قائم رہنا اتنا ہی مشکل ہوگا جتنا کہ اپنے ہاتھ میں دھکتا ہوا انگارہ تھامنا۔ یعنی اس دور میں اسلام کے مکمل احکامات اور تعلیمات پر عمل کرنے میں کہیں قانونی رکاوٹیں ہوں گی کہیں معاشرتی دباؤ ہوگا، کہیں طعنے ہوں گے کہیں لالچ ہوگا اور کہیں برائی کی ترغیبات کا بازار گرم ہوگا، ایسے حالات میں یقیناً دین پر چلنا ایک ”کارے دار“ ہوگا ایسے ہی دور میں دین پر چلنے والا سوشہیدوں کا ثواب پائے گا۔

تخریج حدیث:

(۱) مسند احمد، حدیث نمبر ۹۰۶۰۹

(۲) ترمذی، حدیث نمبر ۲۲۶۰، ابواب العتق۔

۷۸۱) کافروں کا غلبہ اور مسلمانوں کی پستی کے اسباب

وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: يُوْشِكُ الْأَمَمُ أَنْ تَدَاعَى عَلَيْكُمْ كَمَا تَدَاعَى الْأَكَلَةُ إِلَى قَصْعَتِهَا فَقَالَ قَائِلٌ وَمِنْ قِلَّةٍ نَحْنُ يَوْمَئِذٍ قَالَ بَلْ أَنْتُمْ يَوْمَئِذٍ كَثِيرٌ وَلَكِنَّكُمْ غُثَاءٌ كَغُثَاءِ السَّيْلِ وَلَيَنْزِعَنَّ اللَّهُ مِنْ صُدُورِ عَدُوِّكُمْ الْمَهَابَةَ مِنْكُمْ وَلَيَقْذِفَنَّ فِي قُلُوبِكُمُ الْوَهْنَ قَالَ قَائِلٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا الْوَهْنُ قَالَ حُبُّ الدُّنْيَا وَكَرَاهِيَةُ الْمَوْتِ

ترجمہ و تشریح:

آپ ﷺ نے فرمایا عنقریب تو ام تم پر ایسے ٹوٹ پڑیں گی جیسے کھانے والے اپنے کھانے کے برتن پر پڑتے ہیں۔ ایک سوال کرنے والے نے پوچھا کیا ایسا ہماری تعداد تھوڑی ہونے کی وجہ سے ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں بلکہ اس وقت تمہاری تعداد بہت زیادہ ہوگی۔ لیکن تمہاری حالت وہی ہوگی جو سیلاب کی جھاگ کی ہوتی ہے اور اللہ تمہارے دشمن کے دلوں سے تمہارا رعب نکال دیں گے اور تمہارے دلوں میں ”وہن“ ڈال دیا جائے گا۔ عرض کیا گیا ”وہن“ کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا ”دنیا کی محبت اور موت کا خوف“ یعنی دنیا کی محبت اور موت کے خوف کی وجہ سے جب تم میدان جہاد میں نکلنا چھوڑ دو گے تو تمہارے دشمن تمہیں ترنوالہ سمجھ کر نکلیں گے اس ذلت کی صورت حال سے نکلنے کا ایک ہی طریقہ ہوگا کہ دنیا کی محبت دل سے نکالو اور موت کو تلاش کرتے ہوئے میدان قتال کا رخ کرو۔ پھر اللہ تمہارا رعب دشمن کے دلوں میں ڈالیں گے اور فتح تمہارے قدم چومے گی۔

تخریج حدیث:

(۱) ابو داؤد، حدیث نمبر ۴۲۹۷، کتاب الملاحم۔

(۲) مسند احمد، حدیث نمبر ۲۲۴۵۰

۴۷ زبان کی کمائی کھانے والے لوگ

وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: لَا تَقْرُمُ السَّاعَةَ حَتَّى يَخْرُجَ قَوْمٌ يَأْكُلُونَ بِالْإِسْتِهَامِ كَمَا تَأْكُلُ
الْبَقَرَةُ بِالْإِسْتِهَامِ
ترجمہ و تشریح:

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ ایسے لوگ نمودار نہ ہو جائیں جو اپنی زبانوں کی بدولت ایسے کھائیں گے جیسے گائے کھاتی ہے۔

یعنی ان لوگوں کی کمائی کا ذریعہ ان کی زبان ہوگی۔ زبان سے وہ کسی کی تعریف کریں گے اور اس سے مال بنوریں گے۔ اسی طرح کسی کی مذمت کر کے یا مذمت کا ڈراو ادے کر مال حاصل کریں گے یہ پرانے دور میں شعراء کا طریقہ ہوتا تھا۔ اور آج کل کے دور میں صحافیوں کا یہ ذریعہ ہے کہ وہ لوگوں کو بلیک میل کرتے اور ان سے پیسے لیتے ہیں اور یہ لوگ وہ مال ایسے کھائیں گے جیسے گائے کھاتی ہے جیسے وہ خشک وتر کا خیال نہیں کرتی ایسے ہی یہ لوگ بھی حلال و حرام کی تمیز نہیں کریں گے۔

تخریج حدیث:

(۱) مسند احمد، حدیث نمبر ۱۵۱۷



حلال و حرام کی تمیز کا ختم ہونا

وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ زَمَانٌ لَا يَبَالِي الْمَرْءُ مَا أَخَذَ مِنْهُ أَمِنَ الْحَلَالِ أَمْ
مِنَ الْحَرَامِ
ترجمہ و تشریح:

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آ جائے گا کہ اس میں آدمی کو اس بات کی مطلق پروا نہیں ہوگی کہ اس نے جو مال کمایا اور حاصل کیا وہ
حلال ہے یا حرام ہے؟

یہ حدیث آج کل حرف بحرف صادق آرہی ہے۔ کیونکہ آج کل لوگوں نے کافروں کے دیکھا دیکھی اپنی زندگی کا معیار اتنا بلند
کر لیا ہے کہ اس کے لیے اب انہیں بہت سا مال اکٹھا کرنا پڑتا ہے۔ چاہے وہ حلال ذریعے سے ہو یا حرام سے اس سے غرض نہیں۔
بس مال آنا چاہیے تاکہ اچھا بنگلہ ہو۔ اچھی سے اچھی گاڑی ہو..... اور زرق برق لباس ہو۔ چاہے سود کا مال ہے کوئی بات نہیں،
رشوت ہے کوئی بات نہیں، جھوٹ کی کمائی ہے کوئی بات نہیں، ملاوٹ کا پیسہ ہے کوئی بات نہیں بس مال آنا چاہیے کیونکہ مال سے ہی
عزت ہے کامیابی ہے۔

تخریج حدیث:

(۱) بخاری، حدیث نمبر ۱۹۵۱، باب من لم یبال من حیث کسب الحلال، کتاب البیوع۔

۴۴) قیامت کی ایک علامت

وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: إِنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنَّ أَهْلَ الْمَسْجِدِ لَا يَجِدُونَ إِمَامًا يُصَلِّي بِهِمْ

ترجمہ و تشریح:

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

قیامت کی علامتوں سے ایک علامت یہ بھی ہے کہ مسجدوں والے لوگ ایک دوسرے کو آگے کریں گے اور انہیں نماز پڑھانے کے لیے کوئی امام میسر نہیں آئے گا۔

مطلب یہ ہے کہ جہل اور دینی احکام سے غفلت اتنی پھیل چکی ہوگی کہ مسجد نمازیوں سے بھری ہوگی اور کوئی آدمی نماز کا امام بننے کے لیے تیار نہیں ہوگا کیونکہ ہر آدمی اپنے آپ کو دیکھتے ہوئے اس بات سے بخوبی واقف ہوگا اس کے اندر نماز کی صلاحیت نہیں۔ یا دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ امام جیسا مقدس منصب لوگوں کی نظر میں قابلِ رفعت و عظمت نہیں رہے گا جس کی وجہ سے لوگ اس سے گریز کریں گے اور کوشش کریں گے کہ یہ کام مجھے نہ کرنا پڑ جائے۔

تخریج حدیث:

(۱) ابوداؤد، حدیث نمبر ۵۸۱، باب کراهیۃ التذافع عن الامامة، کتاب الصلوة

(۲) مسند احمد، حدیث نمبر ۲۷۱۸۲



۴۹ نبی علیہ السلام سے محبت کرنے والے لوگ

وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: إِنَّ مِنْ أَشَدِّ أُمَّتِي لِي حُبًّا نَاسٌ يَكُونُونَ بَعْدِي يَوَدُّ أَحَدُهُمْ لَوْ

رَأَى بِأَهْلِهِ وَمَالِهِ

تَرْجَمَهُ وَتَشْرِيعُ:

نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

”میری امت میں سے سب سے زیادہ میرے سے محبت ان لوگوں کو ہوگی جو میرے بعد آئیں گے۔ ان کی محبت کی حالت یہ ہوگی کہ ان میں سے ہر آدمی کی یہ خواہش ہوگی کہ کاش وہ اپنے اہل و عیال اور مال کے بدلے میری زیارت کر لے۔“

یعنی ان کو مجھ سے اتنی شدید محبت ہوگی کہ اگر انہیں یہ اختیار دیا جائے کہ ایک طرف تمہارا سارا مال اور دولت اور اہل و عیال ہیں اور دوسری طرف صرف رسول خدا ﷺ کی ایک جھلک اور آپ سے ملاقات ہے تم کس کو پسند کرتے ہو؟ تو وہ لوگ بلا تامل کہہ دیں گے کہ اہل و عیال کیا پوری دنیا بھی اگر اس مقصد کے لیے فدا ہو جائے تو سودا سستا ہے۔

ہر دو عالم قیمت خود گفتہ آئی
نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

تخریج حدیث:

(۱) مسلم، حدیث نمبر ۷۲۲۳، کتاب الحنہ۔

(۲) مسند احمد، حدیث نمبر ۹۳۸۸

۳۱ ایک خاص طبقے کی پیش گوئی

وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: زَانَهُ سَيَكُونُ فِيْ آخِرِ هَذِهِ الْأُمَّةِ قَوْمٌ لَهُمْ مِثْلُ أَجْرِ أَوْلِهِمْ يَأْمُرُونَ
بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقَاتِلُونَ أَهْلَ الْفِتَنِ

ترجمہ و تشریح:

آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

اس امت کے آخری زمانے میں ایسے لوگ ہوں گے جن کو ان سے پہلے والوں جتنا اجر ملے گا۔ وہ لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کریں گے اور فتنہ پردازوں سے قتال کریں گے۔

اللہ ہم سب کو اس خیر قسمت جماعت میں شامل فرمائے اس جماعت کی علامت اور شرائط تین ہیں (۱) اچھی باتوں کا حکم کرنا، (۲) بری باتوں سے روکنا (۳) فتنہ پردازوں، امن میں رخنہ ڈالنے والوں اور دین کے خلاف سازشیں کرنے والوں کے خلاف مسلح قتال کرنا۔

تخصیج حدیث:

(۱) دلائل النبوة للبيهقي، حدیث نمبر ۲۸۷۴



مال سب سے بڑی طاقت ہوگی

وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: لَيَأْتِيَنَّ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يَنْفَعُ فِيهِ إِلَّا الدِّينَارُ وَالدِّرَاهِمُ
ترجمہ و تشریح:

آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے جس میں صرف درہم و دینار ہی کام آئے گا۔ یعنی اس زمانے میں کسی کا کام اس کے حاجت مند ہونے کی بنیاد پر نہیں ہوگا بس جس کے پاس پیسہ ہے اس کا سب کچھ ہے ہر جگہ اس کی پذیرائی ہے، عزت ہے، شہرت ہے اگر وہ کسی سے بات کرتا ہے تو لوگ کان دھرتے ہیں اگر کہیں رشتہ کرنا چاہتا ہے تو لوگ فوراً ہاں کرتے ہیں اگر وہ کہیں چلا جائے تو پیسے کی وجہ سے کام فوراً ہو جاتا ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ اس حدیث میں رشوت خوری کے عام ہونے کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ آدی جس محکمے یا شعبے میں چلا جائے اگر وہ متعلقہ لوگوں کی مٹھی گرم کر دے گا تو کام ہو جائے گا ورنہ لٹکا رہے گا۔

تخریج حدیث:

(۱) مستند احمد، حدیث نمبر ۱۷۲۴۰



۳۸۸ بے پردہ عورتوں کے بارے میں سخت وعید

وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: صِنْفَانِ مِنْ أَهْلِ النَّارِ لَمْ أَرْهُمَا قَوْمٌ مَعَهُمْ سِيَاطٌ كَأَذْنَابِ الْبَقَرِ يَضْرِبُونَ بِهَا النَّاسَ وَنِسَاءٌ كَاسِيَاتٌ عَارِيَاتٌ مُمِيلَاتٌ مَائِلَاتٌ رُؤُوسُهُنَّ كَأَسْنِمَةِ الْبُخْتِ الْمَائِلَةِ لَا يَدْخُلْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يَجِدْنَ رِيحَهَا وَإِنْ رِيحَهَا لَتُوجَدُ مِنْ مَسِيرَةٍ كَذَا وَكَذَا

ترجمہ و تشریح:

آپ ﷺ نے فرمایا:

جنہیوں کی دوستیں ایسی ہیں جنہیں میں نے (معراج کی رات) نہیں دیکھا۔ ایک تو وہ لوگ ہیں جن کے پاس گائے کی دم جیسے کوڑے ہوں گے اور وہ ان سے لوگوں کو مارتے پھریں گے۔ اور دوسری قسم ان عورتوں کی ہے جو کپڑے کے باوجودنگی ہیں۔ وہ مردوں کو اپنی طرف مائل کرنے والی اور خود مردوں کی طرف مائل ہونے والی ہیں ان کے سر ایسے ہوں گے جیسے سختی اونٹوں کی کوا نہیں۔ یہ عورتیں جنت میں داخل نہیں ہوں گی اور نہ ہی جنت کی خوشبو سونگھیں گی حالانکہ جنت کی خوشبو اتنے اتنے فاصلے سے آتی ہوگی (ایک روایت میں یہ ہے کہ جنت کی خوشبو چالیس سال کی مسافت سے آنے لگتی ہے)

مراد وہ عورتیں ہیں جو ایسے کپڑے پہنیں گی جن سے جسم کی صورت اور رنگت نظر آتی ہو اور وہ ملک ملک کر چلتی ہوں گی اور سروں پر چوٹیاں ایسے بنائے ہوں گی جیسے اونٹ کی کوا نہیں ہوتی ہیں۔ پہلے زمانے میں تو یہ باتیں صرف کتابوں میں تھیں اب یہود و نصاریٰ کی تقلید میں ہماری مسلمان عورتیں بھی بے پردگی کی لعنت والے سیلاب میں بہتی جا رہی ہیں۔ اور پردہ جو شرافت و عزت کی علامت تھی ایک فرسودہ روایت بننا جا رہا ہے۔

تخریج حدیث:

(۱) مسلم، حدیث نمبر ۷۳۷۳، باب النساء الکاسیات العاریات، کتاب اللباس۔

(۲) دلائل النبوة، بیہقی، حدیث نمبر ۲۹۰۸

۴۹) علم اٹھالیا جائے گا

وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: إِنَّ اللَّهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ الْعِبَادِ وَلَكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ حَتَّى إِذَا لَمْ يَبْقَ عَالِمٌ اتَّخَذَ النَّاسُ رُؤُسًا جُهَالًا فَسُئِلُوا فَأَكْتَمُوا بَغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوا وَأَضَلُّوا

ترجمہ و تشریح:

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اللہ رب العزت اس علم کو ایسے نہیں اٹھائے گا کہ لوگوں کے دلوں سے کھینچ لے یا چھین لے البتہ اس کی صورت یہ ہوگی کہ اللہ علم اٹھائے گا علماء کی موت کی صورت میں (حتی کہ راسخ علماء ایک ایک کر کے ختم ہوتے جائیں گے اور ان کے خلفاء اہل نہیں ہوں گے)۔ اس وقت صحیح معنوں میں کوئی عالم نہیں بچے گا تو لوگ جاہل لوگوں کو اپنا پیشوا بنالیں گے۔ چنانچہ ان سے دین کے مسائل پوچھے جائیں گے اور وہ بغیر علم کے ان کا جواب اور فتویٰ دیں گے۔ اس کے نتیجے میں (ظاہر ہے) وہ خود بھی راہ راست سے ہٹیں گے اور لوگوں کو بھی گمراہی کی دلدلیوں میں دھکیل دیں گے۔ (اعاذنا اللہ من ہذہ الصورة)

تخریج حدیث:

(۱) بخاری، حدیث نمبر ۱۰۰، باب کیف یقبض العلم، کتاب العلم۔

(۲) مسلم، حدیث نمبر ۶۹۷۴، باب رفع العلم یقبضہ، کتاب العلم۔

۲۹۰ علم بچانے کی ترغیب اور ایک اندیشہ

وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: تَعَلَّمُوا الْعِلْمَ وَاعْلَمُوا النَّاسَ تَعَلَّمُوا الْفَرَائِضَ وَاعْلَمُوا النَّاسَ
تَعَلَّمُوا الْقُرْآنَ وَاعْلَمُوا النَّاسَ فَإِنِّي أَمْرٌ مَقْبُوضٌ وَالْعِلْمُ مَسْنُوقٌ وَيُظْهِرُ الْفِتْنَ
حَتَّى يَخْتَلِفَ اثْنَانِ فِي فَرِيضَةٍ لَا يَجِدَانِ أَحَدًا يَقْضِلُ بَيْنَهُمَا

ترجمہ و تشریح:

آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

خود بھی علم سیکھو اور لوگوں کو بھی علم سکھاؤ خود بھی فرائض سیکھو اور لوگوں کو بھی سکھاؤ خود بھی قرآن سیکھو اور لوگوں کو بھی قرآن سکھاؤ کیونکہ میں تو ایک ایسا شخص ہوں جس نے دنیا سے جانا ہے اور عنقریب علم بھی دنیا سے اٹھنے لگے گا اور فتنے نمودار ہونے لگیں گے۔ حتیٰ کہ (جہالت سے یہ صورت حال ہو جائے گی کہ) دواؤں کی کسی فرض مسئلے میں جھڑپیں گے لیکن انہیں کوئی ایسا آدمی نہیں ملے گا جو ان دونوں کے درمیان فیصلہ کر سکے یعنی علم کی قلت اور بے رغبتی کی وجہ سے یہ صورت حال بن جائے گی کیونکہ لوگوں کی ترجیحات بدل جائیں گی۔ لوگ! علم خاص طور سے علم دین سیکھنے کو ایک بے کار اور فضول مشغلہ سمجھ کر اس کی طرف توجہ ہی نہیں کریں گے جس کی وجہ سے عمدہ عمدہ صلاحیتوں والے لوگ دین کا علم حاصل نہیں کریں گے کم صلاحیت والے لوگ علم حاصل کریں گے اور نتیجے میں علم کا ضیاع شروع ہوگا۔

آپ ﷺ نے اس حدیث میں اس خطرناک صورتحال سے آگاہ کرنے کے ساتھ ساتھ اس سے بچاؤ کی صورت اور طریقہ بھی تجویز فرمادیا اور وہ یہ کہ علم کا فروغ ہونا چاہیے کیونکہ علم جب محدود ہاتھوں کا خزانہ بن کر رہ جاتا ہے تو وہ بالآخر جلد ہی دھنسنے میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

تخریج حدیث:

(۱) مسن دار قطنی، حدیث نمبر ۱۶

(۲) شعب الایمان، حدیث نمبر ۱۶۶۸



۱۹۱ قرآن پاک کو سنوار کر پڑھنے کا حکم

وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: اقْرَؤُوا الْقُرْآنَ بِلُحُونِ الْعَرَبِ وَاصْوَاتِهَا وَإِيَّاكُمْ وَلُحُونِ أَهْلِ الْعِشْقِ وَلُحُونِ أَهْلِ الْكِتَابِ وَسَجَى بَعْدِي قَوْمٌ يُرْجَعُونَ بِالْقُرْآنِ تَرْجِيعَ الْغِنَاءِ وَالنُّوحِ لَا يُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ مَفْتُونَةٌ قُلُوبُهُمْ وَقُلُوبُ الَّذِينَ يُعْجِبُهُمْ شَأْنُهُمْ

ترجمہ و تشریح:

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

قرآن پاک کی تلاوت عربوں کے لہجوں اور ان کی آواز میں کرو اور تم لوگ اہل عشق اور اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کے لہجوں سے بچو اور عنقریب میرے بعد ایسے لوگ آئیں گے جو قرآن میں آواز کو یوں گھمائیں گے جیسے گانے اور نوحے میں آواز گھمائی اور چڑھائی جاتی ہے قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ خود ان قاریوں کے دل اور جن کو یہ اچھے لگتے ہیں سب کے دل فتنے میں پڑے ہوئے ہیں۔

خوش الحانی اور راگ میں فرق:

متعدد احادیث میں یہ حکم بھی آیا ہے کہ قرآن پاک کو ٹھہر ٹھہر کر اور سنوار کر پڑھو اور ایک حدیث میں آتا ہے کہ جو قرآن میں خوش الحانی سے نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں۔ یہاں اس کی مزید وضاحت کر دی کہ شریعت کو قراءت قرآن میں جو خوش الحانی مطلوب ہے وہ صرف اتنی ہے جتنی سادہ اور خالص عرب رکھا کرتے تھے اور اس لہجے میں صرف حزن اور قلق ہوتا تھا۔ باقی رہے غزل خوانوں اور یہود و نصاریٰ کے لہجے اور طریقے تو ان میں قرآن کی تلاوت کی قطعاً گنجائش نہیں یعنی نہ گانے والوں کی طرح قرآن پڑھو اور نہ ایسے پڑھو جیسے اہل کتاب اپنی کتاب گاتے ہیں۔ ایک طرف یہ ہدایات دیں اور دوسری طرف یہ خبر بھی دی کہ عنقریب ایسے لوگ سامنے آئیں گے جو قرآن میں ایسے راگ لگائیں گے اور ایسے طریقے سے آواز کو گھمائیں پھر انہیں گے اور اس اس انداز سے آواز میں اتار چڑھاؤ پیدا کریں گے کہ جیسے گانوں اور مرثیوں میں ہوتا ہے۔ ان لوگوں کی علامت یہ ہوگی کہ قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا یعنی دل میں قرآن کا اثر نہیں ہوگا۔ اور عملی لحاظ سے یہ لوگ فاسق ہوں گے۔ خود یہ لوگ بھی اور ان کے چاہنے والے اور مداح سب آواز اور خوش الحانی کے فتنے میں پڑے ہوئے ہیں۔

مروجہ محافل قراءت:

آج کل ایک نئی خطرناک بات عالم عرب سے یہ سامنے آرہی ہے کہ وہاں کے معروف اور پیشہ ور قراء، تال درست کرنے کے لیے باقاعدہ موسیقی اور گانے کا فن سیکھتے ہیں اور پھر مجمع اور سامع کو لطف اندوز کرنے اور بھڑکانے کے لیے اس سے فائدہ

اٹھاتے ہیں اور اس سلسلے میں وہ الفاظ کی ادائیگی بخارج کا لحاظ، اوقاف و سکون کا خیال بالکل نہیں کرتے بس سُر ہوئی چاہیے۔ ایسے لوگ سخت گناہ گار اور واجب تعزیر ہیں۔ ایسے قراء کی تلاوتوں کو سننا اور محافل میں شرکت کرنا ثواب کی بجائے الناد بالکابا عت ہے۔
(اللہ ہمیں گمراہیوں سے محفوظ فرمائے)

تخریج حدیث:

(۱) شعب الایمان للبیہقی، حدیث نمبر ۲۶۴۹

تَمَّ الْبَابُ الْأَوَّلُ وَ يَلِيهِ الْبَابُ الثَّانِي بِحَمْدِ اللَّهِ وَ حُسْنِ تَوْفِيقِهِ فِي الْوَاقِعَاتِ وَالْقِصَصِ
وَفِيهِ أَرْبَعُونَ قِصَّةً

”اللہ کی توفیق اور شکر کے ساتھ پہلا باب پورا ہو گیا ہے۔ اب آگے دوسرا باب آ رہا ہے اور یہ باب حدیث میں بیان کردہ واقعات اور حکایات پر مشتمل ہے۔ اس باب میں بیان کردہ حکایات کی تعداد چالیس ہے۔“

الباب الثانی

②۹۲ حدیث جبرئیل علیہ السلام

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ إِذْ طَلَعَ عَلَيْنَا رَجُلٌ شَدِيدُ بَيَاضِ الثِّيَابِ شَدِيدُ سَوَادِ الشَّعْرِ لَا يُرَى عَلَيْهِ أَثَرُ السَّفَرِ وَلَا يَعْرِفُهُ مِنَّا أَحَدٌ حَتَّى جَنَسَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَأَسْنَدَ رُكْبَتَيْهِ إِلَى رُكْبَتَيْهِ وَوَضَعَ كَفَّيْهِ عَلَى فَخْذَيْهِ وَقَالَ يَا مُحَمَّدُ أَخْبِرْنِي عَنِ الْإِسْلَامِ قَالَ الْإِسْلَامُ أَنْ تَشْهَدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ وَ تَقِيمَ الصَّلَاةَ وَ تُؤْتِيَ الزَّكَاةَ وَ تَصُومَ رَمَضَانَ وَ تَحُجَّ الْبَيْتَ إِنْ اسْتَطَعْتَ إِلَيْهِ سَبِيلًا قَالَ صَدَقْتَ فَعَجَبْنَا لَهُ يَسْأَلُهُ وَ يُصَدِّقُهُ قَالَ فَأَخْبِرْنِي عَنِ الْإِيمَانِ قَالَ أَنْ تُؤْمِنَ بِاللَّهِ وَ مَلَكَيْتِهِ وَ كُتُبِهِ وَ رُسُلِهِ وَ الْيَوْمِ الْآخِرِ وَ تُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَيْرِهِ وَ شَرِّهِ قَالَ صَدَقْتَ قَالَ فَأَخْبِرْنِي عَنِ الْإِحْسَانِ قَالَ أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ قَالَ فَأَخْبِرْنِي عَنِ السَّاعَةِ قَالَ مَا الْمَسْئُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ قَالَ فَأَخْبِرْنِي عَنْ أَمَارَاتِهَا قَالَ أَنْ تَلِدَ الْأُمَّةُ رَبَّتَهَا وَ أَنْ تَرَى الْحُقَاةَ الْعُرَاةَ الْعَالَةَ رِعَاءَ الشَّاءِ يَتَطَاوَلُونَ فِي الْبُنْيَانِ قَالَ ثُمَّ انْطَلَقَ فَلَبِثْتُ مَلِيًّا ثُمَّ قَالَ لِي يَا عُمَرُ أَتَدْرِي مِنَ السَّائِلِ قُلْتُ اللَّهُ وَ رَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ فَإِنَّهُ جِبْرِيلُ أَتَاكُمْ يَعْلَمُكُمْ دِينَكُمْ

ترجمہ و تشریح:

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: ایک دن ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ اچانک ایک آدمی نمودار ہوا جس کے کپڑے بہت سفید تھے اور بال بالکل سیاہ۔ اس کی ظاہری حالت سے سفر کے کوئی آثار اس پر دکھائی نہیں دیتے تھے (جس سے معلوم ہوتا تھا کہ شاید وہ یہاں کا باشندہ ہے لیکن) ہم میں سے کوئی شخص اسے جانتا نہ تھا۔ وہ آیا اور آ کر نبی ﷺ کے پاس بیٹھ گیا اور (اتنا قریب ہو کر بیٹھا کہ) اس نے اپنے گھٹنے آپ کے گھٹنوں سے ملا دیئے اور اپنے ہاتھ دونوں رانوں پر رکھ دیئے اور پھر کہا اے محمد! (ﷺ) مجھے اسلام کے بارے میں بیان کیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اسلام یہ ہے کہ تو گواہی دے

کہ اللہ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور تو نماز قائم کرے اور زکوٰۃ ادا کرے اور رمضان کے روزے رکھے اور اگر استطاعت ہو تو حج بیت اللہ کرے۔ اس آدمی نے یہ سن کر کہا صدف (آپ نے سچ فرمایا) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اس کی یہ بات سن کر ہمیں تعجب ہوا کہ خود ہی سوال کرتا ہے اور خود ہی تصدیق کرتا ہے۔ پھر اس نے کہا مجھے ایمان کے بارے میں بتائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ایمان یہ ہے کہ تو اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھے اور یہ کہ تو اچھی بری تقدیر کو بھی مانے۔ اس آدمی نے یہ سن کر کہا صدف (آپ نے سچ فرمایا)

پھر اس نے کہا مجھے احسان کے بارے میں بتائیے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت اس احساس سے کرے کہ تو گویا اللہ کو دیکھ رہا ہے اگر (یہ احساس پیدا نہ ہو تو کم از کم درجہ یہ ہے کہ یہ سمجھے) اگر میں اسے نہیں دیکھ رہا تو وہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ پھر اس نے کہا مجھے قیامت کے (وقت کے) بارے میں بتائیے آپ نے فرمایا اس بارے میں جس سے سوال کیا جا رہا ہے (یعنی میں) اس کا علم سوال کرنے والے (یعنی تم) سے زیادہ نہیں رکھتا۔ (یعنی اس سوال کا جواب جیسے تمہارے پاس نہیں ایسے ہی میرے پاس بھی نہیں۔ کیونکہ قیامت کے وقت کا علم نہ تیرے پاس ہے نہ میرے پاس۔ وہ تو ان خاص چیزوں میں سے ایک ہے جن کا علم اللہ نے کسی کو نہیں دیا) پھر اس نے کہا مجھے قیامت کی علامات بتادیجئے تو آپ ﷺ نے فرمایا قیامت کی علامات یہ ہیں کہ باندی اپنی مالک کو جنے گی اور تو بھوکے ننگے بکریوں کے چرواہے لوگوں کو دیکھے گا کہ وہ ایک دوسرے سے عمارتیں بنانے میں مقابلہ کریں گے۔۔۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اتنی باتیں کرنے کے بعد وہ آدمی چلا گیا اور میں سوچ میں گم تھا کہ آپ نے فرمایا عمر! تمہیں معلوم ہے یہ سائل کون تھا؟ میں نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ حضرت جبرائیل علیہ السلام تھے جو تمہیں تمہارا دین سکھانے کے لیے تشریف لائے تھے۔

”باندی مالک کو جنے گی“ اس کے مختلف مطلب بیان کیے گئے ہیں ایک مطلب جو زیادہ واضح ہے یہ ہے کہ قیامت کے قریب ماؤں کی عزت و قدر باندیوں کے برابر ہوگی اور بیٹیاں آقاؤں بن بیٹئیں گی اور ان پر حکم چلائیں گی۔ ان کو بات بات پہ ڈانٹیں گی۔ اماں تجھے کیا پتہ ہے تو نہ بول ”تو خاموش رہ“ تو پرانے دور کی ہے۔ اب زمانہ بدل گیا ہے فیشن بدل گیا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ چنانچہ ماں بچاری بیٹی کے سامنے ایسے ہی ہوگی جیسے زر خرید باندی ہوتی ہے۔

”بھوکے ننگے لوگ عمارتیں بنائیں گے“ یعنی پیسہ اور مال و دولت ایسے لوگوں کے ہاتھ میں آجائے گا جو خاندانی شرافت اور سخاوت جیسے اوصاف سے محروم ہوں گے۔ اور وہ لوگ پیسے کو اس کے صحیح مصارف میں خرچ کرنے کے بجائے اس کا مصرف بھی تلاش کریں گے کہ بس اونچی اونچی عمارتیں بناؤ یہی سب کچھ ہے۔

تخریج حدیث:

③ وضو خوب اچھی طرح کیا کرو

وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ رَجَعْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ مِنْ مَكَّةَ إِلَى الْمَدِينَةِ حَتَّى إِذَا كُنَّا بِمَاءٍ بِالطَّرِيقِ تَعَجَّلَ قَوْمٌ عِنْدَ الْعَصْرِ فَتَوَضَّأُوا وَهُمْ عَجَّالُونَ فَانْتَهَيْنَا إِلَيْهِمْ وَاعْقَابَهُمْ تَلَوُّحٌ لَمْ يَمْسَسْهَا الْمَاءُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَيْلٌ لِلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ اسْبِغُوا الْوُضُوءَ.

ترجمہ و تشریح:

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ آ رہے تھے۔ یہاں تک کہ ہم راستے میں ایک جگہ پانی پر پہنچے تو کچھ لوگ جلدی جلدی عصر کے لیے آگے بڑھے اور انہوں نے جلدی جلدی وضو کیا۔ جب ہم ان کے پاس پہنچے تو ان کی ایڑیاں چمک رہی تھیں یعنی انہیں پانی بالکل نہیں لگا تھا۔ (اس موقع پر) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایڑیوں کے لیے آگ کی تباہی ہے۔ وضو اچھے طریقے سے پورا کرو۔

اس سے معلوم ہوا کہ وضو میں جلد بازی نہیں کرنی چاہیے ایسا نہ ہو کہ جلدی میں کوئی عضو خشک رہ جائے اور پھر عذاب کا باعث بن جائے۔ اسی لیے ہر عضو کو تین دفعہ دھونا مسنون ہے تاکہ ایک بال بھی خشک رہنے کا احتمال باقی نہ رہے۔

تخریج حدیث:

(۱) بخاری، حدیث نمبر ۶۰، باب غسل الرجلین ولا یمسح علی القدمین، کتاب الوضوء۔

(۲) مسلم، حدیث نمبر ۵۹۳، باب وجوب غسل الرجلین بکمالہما، کتاب الطہارۃ۔



۴۳ نماز سے گناہ جھڑتے ہیں

وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ زَمَنَ الشِّتَاءِ وَالْوَرَقُ يَتَهَافُ فَآخَذَ
بِغُصْنٍ مِنْ شَجَرَةٍ قَالَ فَجَعَلَ ذَلِكَ الْوَرَقُ يَتَهَافُ قَالَ فَقَالَ يَا أَبَا ذَرٍّ قُلْتُ لَيْكَ
يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ إِنَّ الْعَبْدَ الْمُسْلِمَ لَيَصِلِي الصَّلَاةَ يُرِيدُ بِهَا وَجْهَ اللَّهِ فَتَهَافُ عَنْهُ
ذُنُوبُهُ كَمَا تَهَافُ هَذَا الْوَرَقُ عَنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ.

ترجمہ و تشریح:

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ ایک دفعہ سردی اور جاڑے کے موسم میں باہر تشریف لائے اس موسم میں درختوں سے پتے گر رہے تھے آپ ﷺ نے ایک درخت کی دو ٹہنیاں پکڑیں تو پتے اور بھی جھڑنے لگے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے ابو ذر! میں نے عرض کیا لے لے یا رسول اللہ! حاضر ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا مسلمان آدمی جب اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لیے نماز پڑھتا ہے تو اس کے گناہ ایسے ہی جھڑ جاتے ہیں جیسے اس درخت کے پتے جھڑ رہے ہیں۔

سبحان اللہ! نماز کے عمل میں کتنی برکت ہے کہ گناہ ایسے جھڑتے ہیں جیسے درختوں کے پتے۔ پھر سردی کے موسم میں بعض درخت ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے تمام پتے جھڑ جاتے ہیں۔ ایسے ہی بعض آدمیوں کی نماز اتنی کامل اور اخلاص والی ہوتی ہے کہ اس کی برکت سے ان کے تمام گناہ جھڑ جاتے ہیں۔ قرآن پاک میں ویسے بھی اس بارے میں اصول ہے "إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ" (سورۃ: آیت) بے شک نیکیاں برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں۔

تخریج حدیث:

(۱) مسند احمد، حدیث نمبر ۲۱۵۹۶

۹۵ جنت میں رفاقت نبوی ﷺ کا نسخہ

وَعَنْ رَبِيعَةَ بْنِ كَعْبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ كُنْتُ أَبِيْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَأَتَيْتُهُ بَوْضُوءِهِ وَحَاجَّتِهِ فَقَالَ لِي سَلْ فَقُلْتُ أَسْأَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ قَالَ أَوْ غَيْرَ ذَلِكَ قُلْتُ هُوَ ذَاكَ قَالَ فَأَعِنِّي عَلَى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُودِ.

ترجمہ و تشریح:

حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں رات نبی ﷺ کی خدمت میں گزارا کرتا تھا ایک دن میں آپ کی خدمت میں وضو وغیرہ کا پانی لایا۔ تو آپ نے فرمایا مانگو کیا مانگتے ہو؟ میں نے عرض کیا میں آپ سے جنت میں آپ کی معیت اور ساتھ مانگتا ہوں..... آپ نے فرمایا اس کے علاوہ بھی کوئی خواہش ہے؟ میں نے عرض کیا بس وہی ہے۔ آپ نے فرمایا پھر بکثرت سجدے کر کے میری اس بارے میں مدد کرو۔

سبحان اللہ! صحابہ کا کیا کمال عشق تھا کہ جب مانگنے کا وقت آیا تو بھی آپ ﷺ کی معیت اور صحبت ہی ان کا مطمح نظر ہے۔ اور آپ ﷺ نے بھی اس روایت میں یہ فرمادیا کہ میری شفاعت اور دعا اثر کرے گی، ضرور کرے گی، لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ اپنی طرف سے مقدور بھر سعی کر کے نیک اعمال کا ذخیرہ ساتھ لانا اور نیک اعمال میں سب سے اہم، قیمتی اور مقدم کام نماز ہے لہذا نماز کی کثرت کرو اور بکثرت سجدے کرو۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ لمبے قیام کے مقابلے میں زیادہ رکعات بہتر ہیں۔ واللہ اعلم

تخریج حدیث:

(۱) مسلم، حدیث نمبر ۱۱۲۲، باب فضل السجود و الحث علیہ

۳۱ صفوں کی درستگی کی اہمیت

وَعَنِ النَّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لِيَسُوِّيَ صُفُوفَنَا حَتَّى
كَأَنَّمَا يُسَوِّي بِهَا الْقَدَاحَ حَتَّى رَأَى النَّاسَ قَدْ عَقَلْنَا عَنْهُ ثُمَّ خَرَجَ يَوْمًا لِقَامٍ حَتَّى كَادَ
أَنْ يَكْبَرَ لِمَرَأَى رَجُلًا بَادِيًا صَدْرُهُ مِنَ الصَّفِّ فَقَالَ عِبَادَ اللَّهِ لَتُسَوْنَ صُفُوفَكُمْ أَوْ
لَيَخَالَفَنَّ اللَّهُ بَيْنَ وُجُوْهِكُمْ.

ترجمہ و تشریح:

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ صفوں کو اس طرح درست کیا کرتے جس طرح گویا
تیر کی لکڑی سیدھی کی جارہی ہو۔ یہاں تک کہ آپ کا خیال ہوا کہ اب ہم لوگ اس بات کو سمجھ گئے ہیں۔ پھر ایک دن آپ ﷺ
نماز کے لیے باہر تشریف لائے۔ آپ کھڑے ہوئے اور بالکل بگیر کہنے ہی والے تھے کہ ایک آدمی پر نظر پڑ گئی جس کا سیدہ صف سے
ٹکلا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ کے بندو! صفوں کی درستگی کا خوب اہتمام کرو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے چہروں کے درمیان
مخالفت ڈال دیں گے۔

مطلب یہ ہے کہ اگر ظاہری اعمال میں تم اہتمام نہیں برتو گے اور لا پرواہی برتو گے تو تمہاری زندگی کے دیگر معاملات حتیٰ کہ
معاشرتی تعلقات بھی حد اعتدال سے نکل کر مخالفت کی حدود میں داخل ہو جائیں گے۔

تخریج حدیث:

(۱) مسلم، حدیث نمبر ۱۰۰۷، باب تسوية الصفوف و امامتها۔

۴۰ جنت میں جانے کا نسخہ

وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَلَامٍ رضی اللہ عنہ قَالَ لَمَّا قَدِمَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم الْمَدِينَةَ جُنْتُ فَلَمَّا تَبَيَّنَتْ وَجْهَهُ عَرَفْتُ أَنَّ وَجْهَهُ لَيْسَ بِوَجْهِ كَذَّابٍ فَكَانَ أَوَّلُ مَا قَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَفْشُوا السَّلَامَ وَأَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَصَلُّوا الْأَرْحَامَ وَصَلُّوا بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ.

ترجمہ و تشریح:

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم (ہجرت کے بعد) مدینہ منورہ تشریف لائے تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا جب میں نے غور سے آپ کا چہرہ دیکھا تو مجھے یقین ہو گیا کہ یہ چہرہ کسی جھوٹے آدمی کا نہیں ہے۔ اس موقع پر آپ نے جو سب سے پہلی بات ارشاد فرمائی وہ یہ تھی ”اے لوگو! سلام کو رواج دو اور کھانا کھلاؤ اور رشتوں کا طوق جوڑو اور رات کے اس حصے میں نماز پڑھو جب لوگ سو رہے ہوں۔ (یہ سارے کام کرو اور) جنت میں سلامتی اور سہولت سے داخل ہو جاؤ۔“ اس حدیث میں بیان کردہ تمام اشیاء اپنی جگہ اہم ہیں۔ یہاں مصنف نے بظاہر تہجد کی نماز کی اہمیت بتلانے کے لیے اس روایت کو لکھا ہے۔ تہجد کی نماز واقعتاً ایسی شاندار نماز ہے جو آدمی کے دین کی رونق اور آبیاری کے لیے انتہائی ضروری ہے۔ اہل معرفت حضرات فرماتے ہیں ”ولایت اور قرب خداوندی کی پہلی سیڑھی تہجد کی نماز ہے۔“ اور اس منزل کا کوئی راستہ ایسا نہیں جو اس سے ہٹ کر گذرنا ہو۔

تخریج حدیث:

(۱) ترمذی، حدیث نمبر ۲۴۸۵، باب، ابواب صفة القيامة۔

(۲) دارمی، حدیث نمبر ۱۴۶۰، باب فضل صلوة اللیل۔



۱۹۹ اپنا مال وہی ہے جو راہ خدا میں دے دیا

وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا إِنْهُمْ ذَبَحُوا شَاةً فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ مَا بَقِيَ مِنْهَا قَالَتْ مَا بَقِيَ مِنْهَا إِلَّا كَيْفُهَا قَالَ بَقِيَ كُلُّهَا غَيْرَ كَيْفِهَا.

ترجمہ و تشریح:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ کے اہل خانہ نے بکری ذبح کی (اور بکری کا سارا گوشت صدقہ کر دیا) آپ ﷺ نے پوچھا بکری کے گوشت میں سے کیا بچا ہے؟ حضرت عائشہ نے عرض کیا اس میں سے صرف ایک دستی بچی ہے۔ آپ نے فرمایا دستی کے علاوہ سارا بیچ گیا ہے۔

بکری کا گوشت ذبح کرنے کے بعد صدقہ کر دیا گیا تھا اور صرف ایک دستی بچی گئی تھی آپ ﷺ نے صدقے کی اہمیت اور فائدہ بتانے کے لیے یہ سوال فرمایا کہ کیا کچھ گوشت تمہارے پاس بچا ہے جسے تم یہ کہہ سکو کہ وہ ہمارا ہے اور ہم اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے معمول کے مطابق جواب دیا کہ باقی سارا تو صدقے میں چلا گیا اور ہمارے پاس تو صرف ایک ران یا دستی بچی ہے۔ یعنی صرف ایک ٹانگ باقی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا درحقیقت سارا گوشت تمہارا باقی ہے کیونکہ وہ ایک ایسے خزانے میں چلا گیا ہے جس خزانے میں کبھی کمی نہیں آتی اور جس خزانے سے بہتر کوئی خزانہ نہیں۔ اس لحاظ سے درحقیقت تمہارا اصل گوشت اور مال وہی ہے جسے تم نے راہ خدا میں خرچ کر دیا۔ باقی مال کی حقیقت کیا ہے؟ وہ تو اگر تمہاری آنکھ بند ہو جائے تو کس کا اور کس کام کا؟

تخریج حدیث:

(۱) ترمذی، حدیث نمبر ۲۴۷۰، باب، ابواب صفة يوم القيامة۔



۴۹۱ مومن اور بدکار کی موت کا فرق

وَعَنْ أَبِي قَتَادَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ كَانَ يُحَدِّثُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ مَرَّ عَنْهُ بِجَنَازَةٍ فَقَالَ مُسْتَرْيِحٌ أَوْ مُسْتَرَاحٌ مِنْهُ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا الْمُسْتَرْيِحُ وَالْمُسْتَرَاحُ مِنْهُ فَقَالَ الْعَبْدُ الْمُؤْمِنُ يَسْتَرْيِحُ مِنْ نَصَبِ الدُّنْيَا وَ إِذَاهَا إِلَى رَحْمَةِ اللَّهِ وَالْعَبْدُ الْفَاجِرُ يَسْتَرْيِحُ مِنْهُ الْعِبَادُ وَالْبِلَادُ وَالشَّجَرُ وَالذَّوَابُّ.

ترجمہ و تشریح:

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ یہ بات بیان فرماتے تھے کہ ایک دفعہ آپ ﷺ کے سامنے سے ایک جنازہ گزر رہا جسے دیکھ کر آپ نے فرمایا: یا تو راحت پانے والا ہے یا اس سے راحت پائی گئی ہے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ راحت پانے والا یا راحت پائی گئی سے کیا مراد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا موت کے ذریعے مومن آدمی تو دنیا کی مشقت اور تکلیف سے راحت پاتا ہے اور اسے رحمت خداوندی ملتی ہے اور گناہ گار آدمی کی موت سے دنیا کی ہر چیز راحت پاتی ہے۔ بندے بھی اور شہر بھی، درخت بھی اور جانور بھی۔

اس سے معلوم ہوا کہ مرنے کے بعد دو ٹھکانوں اور دو انجاموں میں سے ایک انجام لامحالہ ہونے والا ہے یا تو یہ آدمی دنیا کی مشقتوں سے راحت پا کر آخرت کی دائمی راحتوں میں گم ہو گیا پھر اس کے ناپاک وجود سے دنیا کی ہر چیز چھٹکارا پائے گی کیا چرند پرند اور کیا جن و بشر، جو سب اس کے گناہوں سے تنگ تھے۔ اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے انسان کے نیک یا برے اعمال سے دنیا کی ہر چیز متاثر ہوتی ہے اور نیک اعمال سے ہر چیز خوش اور برے اعمال سے تنگ ہوتی ہے۔

تخریج حدیث:

(۱) بخاری، حدیث نمبر ۶۱۴۷، باب سکرات الموت، کتاب الرقاق۔

(۲) مسلم، حدیث نمبر ۲۲۴۵، کتاب الجنائز۔



۳۰ روزے دار کا اجر

وَعَنْ بَرِيدَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ دَخَلَ بِلَالٌ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَهُوَ يَتَغَدَّى فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الْغَدَاءُ يَا بِلَالُ قَالَ إِنِّي صَائِمٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ نَأْكُلُ رِزْقَنَا وَفَضْلَ رِزْقِ بِلَالٍ فِي الْجَنَّةِ أَشَعَرْتُ يَا بِلَالُ إِنَّ الصَّائِمَ لَيَسْبَحُ عِظَامُهُ وَيَسْتَغْفِرُ لَهُ الْمَلَكُ مَا أَكَلَ عِنْدَهُ.

ترجمہ و تشریح:

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ ﷺ نے کھانا تناول فرما رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: بلال! کھانا کھا لو۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرا روزہ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہم اپنا رزق یہاں کھا رہے ہیں اور بلال رضی اللہ عنہ کا رزق جنت میں جمع ہو رہا ہے۔ اے بلال! کیا تمہیں معلوم ہے کہ روزہ دار کی ہڈیاں تسبیح کرتی ہیں جب تک اس کے سامنے کھانا کھایا جاتا ہے فرشتے اس کے لیے دعائے مغفرت کرتے رہتے ہیں۔

تخریج حدیث:

(۱) ابن ماجہ، حدیث نمبر ۱۷۴۹، باب فی الصائم اذا اکل عنده۔

۳۱) گھر میں داخل ہونے کا ایک ادب

وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فِي دُبْنٍ كَانَ عَلَى أَبِي فَدَقَقْتُ الْبَابَ فَقَالَ مَنْ ذَا فَقُلْتُ أَنَا فَقَالَ أَنَا أَنَا كَأَنَّهُ كَرِهَهَا.

ترجمہ و تشریح:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں اپنے والد پر قرض کے سلسلے میں نبی ﷺ کے گھر حاضر خدمت ہوا۔ میں نے دروازہ کھٹکھٹایا تو آپ نے پوچھا کون؟ میں نے عرض کیا: میں۔ آپ ﷺ نے ناپسندیدگی کا اظہار فرماتے ہوئے کہا ”میں، میں۔“ یعنی میں میں کیا ہوتا ہے سیدھے طریقے سے اپنا نام بتاؤ تا کہ گھر والوں کو معلوم ہو کہ دروازے پر کون آیا ہے۔ نبی ﷺ نے امت کو کتنے آداب زندگی سکھائے ہیں۔ ”جزی اللہ عنا محمد اما ہولہ“

تخریج حدیث:

: (۱) بخاری، حدیث نمبر ۵۸۹۶، باب کراهة قول المستاذن انا، کتاب الاستئذان۔

۳۷ نہ جانے رزق کن کن اسباب سے ملتا ہے

وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ أَخْوَانٌ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ لَكَانَ أَحَدُهُمَا يَأْتِي النَّبِيَّ ﷺ وَالْآخَرُ يَحْتَرِفُ لَشَاكَ الْمُحْتَرِفُ أَخَاهُ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ لَعَلَّكَ تُرَزَّقُ

ترجمہ و تشریح:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں دو بھائی تھے۔ جن میں سے ایک (علم دین اور تعلیمات نبوی ﷺ کے حصول کے لیے) نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا جبکہ دوسرا کام کرتا تھا۔ اس کام کرنے والے نے (ایک دن) نبی ﷺ سے (اپنے دوسرے بھائی کے کام نہ کرنے اور اپنے اوپر گویا بوجھ ہونے کی) شکایت کی۔ تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا ہو سکتا ہے تجھے جو رزق اور روزی مل رہی ہے وہ اسی کی برکت سے ہو۔ کیونکہ وہ ظاہر ہے بے کار تو نہیں بیضا وہ دین کے کام اور دین کے علم کی تحصیل میں لگا ہوا ہے اور اس کی وجہ سے اللہ رب العزت نہ جانے کتنے خوش ہوتے ہوں گے اور اس خوشی کی وجہ سے تمہارے رزق میں برکت اور اضافہ ہوتا ہوگا، اس لیے اس درویش کو نہ چھیڑو۔ تم تو اپنا کام کرے جاؤ، وہ اپنا کام کر رہا ہے۔

تخریج حدیث:

(۱) ترمذی، حدیث نمبر ۲۳۴۵، باب ما جاء فی الزہادۃ فی الدنیا، ابواب الزہد۔

③ آنے والے کے لیے مجلس میں جگہ بنانی چاہیے

وَعَنْ وَائِلَةَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ دَخَلَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ قَاعِدٌ فَتَزَحَّزَحَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ الرَّجُلُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ فِي الْمَكَانِ سَعَةً فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِنَّ لِلْمُسْلِمِ لِحَقًّا إِذَا رَأَاهُ أَخُوهُ أَنْ يَتَزَحَّزَحَ لَهُ.

ترجمہ و تشریح:

حضرت وائلہ بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا آپ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ آپ اس کی خاطر تھوڑا سا سرک گئے۔ ایک آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ! جگہ کی گنجائش تو تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا مسلمان آدمی کا یہ حق بنتا ہے کہ جب اپنے بھائی کو آتا ہو ادا کیے تو تھوڑا سا سرک جائے یعنی مجلس میں چاہے کافی وافی جگہ موجود ہو پھر بھی یہ بات آؤ بھگت کا حصہ ہے کہ کسی کے لیے جگہ بنائی جائے۔

تخریج حدیث:

(۱) شعب الایمان بیہقی، حدیث نمبر ۹۹۳۳



۴۴) کھانا کھانے کا ایک ادب

وَعَنْ عُمَرَ بْنِ أَبِي سَلَمَةَ قَالَ كُنْتُ غُلَامًا فِي حِجْرِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَكَانَتْ يَدِي تَطْبِشُ فِي الصَّحْفَةِ فَقَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ سَمِ اللَّهَ وَكُلْ بِمَعْنِكَ وَكُلْ مِمَّا يَلِيكَ.

ترجمہ و تشریح:

حضرت عمر بن سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”میں رسول اللہ ﷺ کی پرورش میں تھا بچہ تھا (ایک دفعہ کھانے کے موقع پر) میرا ہاتھ رکابی میں گھوم رہا تھا۔

آپ ﷺ نے فرمایا (بیٹا!) بسم اللہ پڑھا اور اپنے دائیں سے کھاؤ اور اپنے سامنے سے کھاؤ۔“

قربان جائیں! رسول خدا ﷺ کے انداز تربیت پر کہ کیسے موثر شفیق اور یادگار انداز میں ایک بچے کے لوح ذہن پر نصیحت نقش فرمادی۔ نہ ڈانٹانہ ڈھانڈھ مارا بس نرم لہجے میں سمجھا دیا اور دو تین جملوں میں کھانے کے تمام کے تمام آداب سمیٹ کر رکھ دیئے چاہے انفرادی کھانے کے ہوں یا اجتماعی کھانے کے ہوں۔ اللھم صل علی محمد ﷺ

تخریج حدیث:

(۱) بخاری، حدیث نمبر ۵۰۶۱، باب ما یقول علی الطعام، کتاب الاطعمۃ۔

(۲) مسلم، حدیث نمبر ۵۳۸۸، باب آداب الطعام و الشراب و احکامہما، کتاب الاشربة۔



۴۹ کھانے پر بسم اللہ کی برکت

وَعَنْ أُمِّةَ بْنِ مَخْشِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَجُلٌ يَأْكُلُ فَلَمْ يُسَمِّ حَتَّى لَمْ يَبْقَ مِنْ طَعَامِهِ إِلَّا لُقْمَةٌ فَلَمَّا رَفَعَهَا إِلَى فِيهِ قَالَ بِسْمِ اللَّهِ أَوَّلَهُ وَآخِرَهُ فَضَحِكَ النَّبِيُّ ﷺ ثُمَّ قَالَ مَا زَالَ الشَّيْطَانُ يَأْكُلُ مَعَهُ فَلَمَّا ذَكَرَ اسْمَ اللَّهِ اسْتَقَاءَ مَا فِي بَطْنِهِ.

ترجمہ و تشریح:

حضرت امیہ بن مخشی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ایک آدمی کھانا کھا رہا تھا لیکن اس نے ابتدا میں بسم اللہ نہیں پڑھی تھی۔ حتیٰ کہ اس کے کھانے کا جب ایک لقمہ رہ گیا تو وہ لقمہ منہ کی طرف لے جاتے ہوئے اس نے ”بسم اللہ اولہ و آخرہ“ پڑھ لیا (یہ دیکھ کر) نبی ﷺ مسکرا پڑے پھر آپ نے (اپنے مسکرانے کی وجہ بتاتے ہوئے) فرمایا پہلے شیطان اس کے ساتھ کھانا کھا تا رہا لیکن جب اس نے بسم اللہ پڑھ لی تو شیطان نے کھائے ہوئے کھانے کی قے کر دی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کھانے کے وقت بسم اللہ کی کیا اہمیت ہے؟ اصل تو یہ ہے کہ شروع میں ہی بسم اللہ پڑھی جائے لیکن اگر شروع میں یاد نہ رہے تو آخر میں پڑھ لینی چاہیے۔ تاکہ شیطان اور اس کے اثرات کھانے میں نہ آنے پائیں۔

تخریج حدیث:

(۱) ابو داؤد، حدیث نمبر ۳۷۶۸، باب التسمیۃ علی الطعام۔

۴۶) شان نبوت کا ایک عجیب مظہر

وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ كُنَّا يَوْمَ بَدْرٍ كُلُّ ثَلَاثَةٍ عَلَى بَعِيرٍ فَكَانَ أَبُو لُبَابَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَ عَلِيٌّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ زِمِيلَي رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَالَ فَكَانَتْ إِذَا جَاءَتْ عُقْبَةُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَالَا نَحْنُ نَمْشِي عَنْكَ قَالَ مَا أَنْتُمَا بِأَكْوَى مِنِّي وَمَا أَنَا بِأَغْنَى عَنِ الْأَجْرِ مِنْكُمَا.

ترجمہ و تشریح:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بدر والے دن (سوار یوں کی قلت کی وجہ سے) ہم لوگ ایک ایک سواری پر تین تین سوار تھے (جو باری باری سوار ہوتے تھے) حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھی تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ کے چلنے کی باری آتی تو وہ حضرات یہ عرض کرتے یا رسول اللہ آپ کی بجائے ہم چلتے ہیں۔ لیکن آپ ﷺ ان سے فرماتے تم دونوں میرے سے زیادہ قوت والے نہیں اور میں تم سے زیادہ اجر و ثواب سے بے نیاز نہیں یعنی میں جب چل سکتا ہوں تو راہ خدا میں پیدل چلوں گا کیونکہ مجھے بھی اجر کی ضرورت ہے اور اس عمل میں حق تعالیٰ شانہ غیر معمولی اجر عطا فرماتے ہیں۔ اس لیے میں اپنی باری میں ضرور پیدل چلوں گا۔

تخریج حدیث:

(۱) مسند احمد، حدیث نمبر ۳۹۶۵



نجات کی صورت کیا ہے؟

وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ لَقِيتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَقُلْتُ مَا النَّجَاةُ فَقَالَ أَمَلُكَ عَلَيْكَ لِسَانُكَ وَ لَيْسَعُكَ بَيْتُكَ وَ أَبُكَ عَلَى خَطِيئَتِكَ.

ترجمہ و تشریح:

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! نجات! (یعنی نجات حاصل کرنے اور دنیا کے فتنوں اور گناہوں سے بچنے) کا کیا طریقہ ہے؟ آپ نے فرمایا اپنی زبان قابو میں رکھو (لا یعنی اور فضول کاموں سے اسی طرح گناہ کی باتوں سے زبان کو بچاؤ) اور چاہیے کہ تمہارا گھر تمہارے لیے کشادہ ہو (یعنی تمہیں چاہیے کہ زیادہ سے زیادہ وقت اپنے اہل خانہ کے ساتھ گزارو اور اپنے گھر سے سوائے کسی دینی ضرورت مثلاً جمعہ و جماعت یا دنیاوی ضرورت مثلاً کسب معاش وغیرہ کے نہ نکلو، تاکہ باہر کے فتنوں سے محفوظ رہو) اور (اس کے ساتھ ساتھ) اپنے گناہوں پر اٹک نہ اامت بھاتے رہا کرو۔

حضور اقدس ﷺ نے یہ ہدایات اگرچہ ان کو دی ہیں لیکن درحقیقت یہ ہر طرح کے انسان کے لیے بہترین اصول زندگی ہیں۔ اگر انسان ان پر عمل کر لے تو اس کی زندگی انتہائی پرسکون ہو سکتی ہے۔

تخریج حدیث:

(۱) ترمذی، حدیث نمبر ۲۴۰۶، باب حفظ اللسان، ابواب الزہد۔

(۲) مسند احمد بن حنبل، حدیث نمبر ۲۲۲۸۹

۴۶) بچھو کے کانے کا دم

وَعَنْ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ بَيْنَمَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ذَاتَ لَيْلَةٍ يُصَلِّي فَوَضَعَ يَدَهُ عَلَى الْأَرْضِ فَلَدَغَتْهُ عَقْرَبٌ فَنَاولَهَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بَنَعْلَهُ فَقَتَلَهَا فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ لَعَنَ اللَّهُ الْعَقْرَبَ مَا تَدْعُ مُصَلِّيًا وَلَا غَيْرَهُ أَوْ قَالَ نَبِيًّا وَغَيْرَهُ ثُمَّ دَعَا بِمِلْحٍ وَمَاءٍ فَجَعَلَهُ لِيُ إِنَاءً ثُمَّ جَعَلَ يَصُبُّهُ عَلَى إصْبَعِهِ حَيْثُ لَدَغَتْهُ وَيَمْسَحُهَا وَيَعُوذُهَا بِالْمُعَوَّذَتَيْنِ.

ترجمہ و تشریح:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ایک رات نبی ﷺ نماز پڑھ رہے تھے آپ نے اپنا ہاتھ مبارک زمین پر رکھا تو آپ ﷺ کو ایک بچھو نے ڈس لیا، آپ ﷺ نے اسے پکڑ کر جوتے سے مار دیا۔ جب آپ ﷺ فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا اللہ بچھو پر لعنت کرے یہ نہ کسی نمازی کو چھوڑتا ہے اور نہ غیر نمازی کو۔ یا یہ فرمایا کہ یہ نہ کسی نبی کو چھوڑتا ہے اور نہ کسی غیر نبی کو۔ پھر آپ نے نمک اور پانی منگوایا اور اسے ایک برتن میں ڈال دیا پھر آپ اس کو اپنی انگلی پر جہاں اس نے ڈسا تھا ڈالنے لگے اور اس کو ملنے لگے اس دوران آپ معوذتین (سورۃ قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس) پڑھ رہے تھے۔

مذکورہ حدیث میں نماز کے دوران کسی موذی جانور کو مارنے کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ اسی طرح قرآنی آیات کے ذریعے سے

دم کرنے کا بھی جواز ثابت ہوتا ہے۔

تخریج حدیث:

(۱) شعب الایمان بیہقی، حدیث نمبر ۲۵۷۵

۴۹) دل کا حال اللہ ہی جانتا ہے

وَعَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ بَعَثَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِلَى أَنَاسٍ مِنْ جُھَيْنَةَ فَأَتَيْتُ عَلَى رَجُلٍ مِنْهُمْ فَذَهَبْتُ أَطْعَمُهُ فَقَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فَطَعَنْتُهُ فَقَتَلْتُهُ فَجِئْتُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَأَخْبَرْتُهُ فَقَالَ أَقْتَلْتُهُ وَقَدْ شَهِدَ أَنَّ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّمَا فَعَلْتُ ذَلِكَ تَعَوُّذًا قَالَ لَهَا لَا شَقَقْتُ عَنْ قَلْبِهِ.

ترجمہ و تشریح:

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں ہمیں رسول اللہ ﷺ نے قبیلہ جہینہ کے کچھ لوگوں سے قتال کرنے کے لیے روانہ فرمایا میں ان میں سے ایک آدمی کے قریب پہنچ گیا جب میں اسے مارنے لگا تو اس نے کہا لا الہ الا اللہ میں نے اس کو نیزہ مارا اور اسے مار ڈالا۔ پھر میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو اس واقعے کی اطلاع دی۔ آپ نے فرمایا کیا تم نے اسے لا الہ الا اللہ کی گواہی دینے کے باوجود قتل کر دیا؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس نے یہ کام جان بچانے کے لیے کیا تھا۔ آپ نے فرمایا تم نے اس کا دل کھول کر کیوں نہ دیکھ لیا؟

اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں:

- ۱۔ صحابہ کی یہ عادت اور تربیت تھی کہ وہ ہر بات نبی ﷺ کو بتایا کرتے تھے تاکہ ہر گوشے میں راہنمائی حاصل کریں۔
- ۲۔ لا الہ کا کلمہ چاہے کوئی ظاہری حالت میں اپنے آپ کو بچانے کے لیے بھی پڑھے تب بھی اس کلمے کا احترام اور تقدس اتنا ہے کہ چاہے ہمیں وجدانی طور سے 100 فیصد بھی یہ معلوم ہو کہ یہ تھوڑی اور جان بچانے کے کلمہ پڑھ رہا ہے تب بھی اس کی بات پر اعتماد کیا جائے گا۔ جیسے بعض کچے منافقین تھے جن کے بارے میں صحابہ کو اور آپ ﷺ کو 100 فیصد یقین تھا مگر پھر بھی آپ نے ان سے تعرض نہیں فرمایا۔

تخریج حدیث:

(۱) بخاری، حدیث نمبر ۶۴۷۸، باب بعث النبی ﷺ، کتاب المغازی۔

(۲) مسلم، حدیث نمبر ۲۸۸، باب تحريم قتل الکافر معه ان قال لا اله الا الله، کتاب الايمان۔

۳۰) حق دار کو بات کرنے کا حق ہے

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ إِنَّ رَجُلًا تَقَاضَى رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَأَغْلَطَ لَهُ فَهَمَّ أَصْحَابُهُ فَقَالَ دَعُوهُ فَإِنَّ لِصَاحِبِ الْحَقِّ مَقَالًا وَاشْتَرَوْا لَهُ بَعِيرًا فَأَعْطُوهُ إِيَّاهُ قَالُوا لَا نَجِدُ إِلَّا الْفَضْلَ مِنْ سِنِّهِ قَالَ اشْتَرَوْهُ فَأَعْطُوهُ إِيَّاهُ فَإِنْ خَيْرَ كُمْ أَحْسَنُكُمْ قَضَاءً.

ترجمہ و تشریح:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں ایک آدمی (جس کا آپ کے ذمے ایک اونٹ قرض تھا اس) نے آپ ﷺ سے اپنے قرض کی ادائیگی کا مطالبہ کیا اور تقاضا کرنے میں سخت الفاظ کہے۔ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسے کچھ کہنے کا ارادہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا اسے چھوڑ دو کیونکہ حق دار کو بات کرنے کا حق ہوتا ہے اور اس کے لیے ایک اونٹ خریدو اور وہ اونٹ اس کو دے دو۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! جو بھی اونٹ ملتا ہے وہ اس کے اونٹ سے عمر میں بڑا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس کے لیے وہ خرید کر اسے دے دو۔ کیونکہ تم میں سے اچھا آدمی وہ ہے جو قرض کی ادائیگی اچھے طریقے سے کرے۔

سبحان اللہ! یہ اخلاق نبوت اور معجزانہ اوصاف ہیں کہ اتنی بڑی ہستی ہونے اور ساتھ میں جاں نثار صحابہ کے ہونے کے باوجود اسے کوئی سخت کلمہ بھی نہیں کہا بلکہ اس کو اس کے حق سے بڑھ کر دے دیا۔ صلی اللہ علیہ وسلم صل علی محمد

تخریج حدیث:

(۱) بخاری، حدیث نمبر ۲۳۹۰، کتاب استقراض الابل۔

(۲) مسلم، حدیث نمبر ۴۰۶۷، باب جواز استقراض الحیوان، کتاب المساقاة و المزارعة۔

۳۱۱) اجنبی مرد کو (بلاوجہ) دیکھنے کی ممانعت

وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا كَانَتْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَ مِمْوْنَةَ إِذْ أَقْبَلَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ فَدَخَلَ عَلَيْهِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ اِحْتَجَبَا مِنْهُ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَلَيْسَ هُوَ أَعْمَى لَا يُبْصِرُنَا وَلَا يَعْرِفُنَا؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَفَعَمِيَا وَ إِنِ أَنْتُمَا أَلَسْتُمَا تُبْصِرَانِهِ.

ترجمہ و تشریح:

ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ اور ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی خدمت میں موجود تھیں اتنے میں عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ (نا بینا صحابی) آپ کے پاس آنے لگے۔ جب وہ آپ کے پاس آگئے تو آپ ﷺ نے دونوں امہات المؤمنین سے فرمایا کہ ان سے اوٹ میں ہو جاؤ اور پردہ کر لو۔

حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا وہ نا بینا نہیں؟ جو ہمیں دیکھ نہیں سکتے۔ آپ نے فرمایا کیا تم دونوں بھی نا بینا ہو اور کیا تم انہیں دیکھ نہیں رہی ہو؟

اس حدیث سے بعض علماء نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ جیسے مرد کے لیے اجنبی عورت کو دیکھنا جائز نہیں اسی طرح عورت کے لیے بھی مرد کو کسی صورت میں دیکھنا جائز نہیں۔ لیکن بعض حضرات نے اس ممانعت کو احتیاط پر محمول کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ حکم تب ہے جب عورت شہوت کی نظر سے دیکھے۔ اگر ایسی کوئی بات نہ ہو تو پھر جائز ہے۔ البتہ مرد کے لیے یہ بات بالاتفاق ہے کہ اس کے لیے عورت کا چہرہ دیکھنا درست نہیں۔ کیونکہ عورتیں اپنے حسن کی وجہ سے مردوں کی نسبت زیادہ مائل فتنہ ہیں۔ اس لیے وہاں مظنہ شہوت (شہوت کے اندیشے) کو حقیقت شہوت کے قائم مقام کر کے مطلقاً منع فرمادیا۔

تخریج حدیث:

(۱) ترمذی، حدیث نمبر ۲۷۷۸، باب ما جاء فی احتجاب النساء من الرجال، ابواب الادب۔

(۲) ابو داؤد، حدیث نمبر ۴۱۱۲، باب قوله تعالى قل للمؤمنات يعصنن الوجوه، کتاب اللباس۔

۶۶۶ ماں کی مامتا اور اس کا اظہار

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ كَانَتْ امْرَأَتَانِ مَعَهُمَا ابْنَاهُمَا جَاءَ الذُّنْبُ فَذَهَبَ بِابْنِ أَحَدِهِمَا فَقَالَتْ صَاحِبَتُهَا إِنَّمَا ذَهَبَ بِابْنِكَ وَقَالَتِ الْآخَرَى إِنَّمَا ذَهَبَ بِابْنِكَ فَتَحَاكَمَتَا إِلَى دَاوُدَ فَقَضَا بِهِ لِلْكُبْرَى فَخَرَجَتَا عَلَى سُلَيْمَانَ بْنِ دَاوُدَ فَأَخْبَرَتْاهُ فَقَالَ اتَّوَدْنِي بِالسَّيِّئِينَ أَشَقُّهُ بَيْنَكُمَا فَقَالَتِ الصُّغْرَى لَا تَفْعَلْ يَرْحَمُكَ اللَّهُ هُوَ ابْنُهَا فَقَضَى لِلصُّغْرَى.

ترجمہ و تشریح:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی ﷺ نے فرمایا دو عورتیں تھیں جن کے پاس ان کے بچے بھی تھے، بھڑیا آیا اور ان میں سے ایک کے بچے کو لے گیا۔ اس عورت نے دوسری سے کہا یہ بچہ میرا ہے بھڑیا تو تمہارا بچہ لے گیا، دوسری نے بھی اسے یہی کہا۔ وہ دونوں فیصلہ لے کر حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ داؤد علیہ السلام نے بڑی عورت کو بچہ دینے کا فیصلہ فرمادیا۔ وہ حضرت سلیمان کے پاس آئیں تو انہوں نے فرمایا میرے پاس ایک چھری لاؤ میں اسے کاٹ کر تم دونوں کو دے دوں گا۔ چھوٹی نے یہ سن کر کہا اللہ آپ پر رحم کرے ایسا نہ کیجیے یہ اسی بڑی کا بچہ ہے۔ آپ نے اس بچے کا چھوٹی عورت کے حق میں فیصلہ فرما دیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ ایک مسئلے اور ایک ہی صورت میں دو اہل علم و بصیرت کی رائے مختلف ہو سکتی ہے چاہے وہ نبی ہی کیوں نہ ہوں۔

تخریج حدیث:

(۱) بخاری، حدیث نمبر ۳۴۲۷، باب اذا ادعت المرأة ابنا، کتاب الفرائض۔

(۲) مسلم، حدیث نمبر ۴۵۹۲، باب اختلاف المجتہدین، کتاب الاقضية۔



۳) پہلی نشست پر بیٹھنا سواری والے کا حق ہے

وَعَنْ بُرَيْدَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ بَيْنَمَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَمْشِي إِذْ جَاءَهُ رَجُلٌ مَعَهُ حِمَارٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ارْكَبْ وَتَأَخَّرَ الرَّجُلُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا أَنْتَ أَحَقُّ بِصَدْرِ دَابَّتِكَ إِلَّا أَنْ تَجْعَلَ لِي قَالَ جَعَلْتُ لَكَ فَرَكَبَ.

ترجمہ و تشریح:

حضرت بريدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ پیدل چل رہے تھے کہ اتنے میں ایک آدمی آگیا جس کے پاس سواری تھی۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! سوار ہو جائیے۔ اور اتنا کہہ کر خود وہ پیچھے ہو گیا (اور آپ ﷺ کو بیٹھنے کے لیے سواری کا اگلا حصہ پیش کیا) آپ ﷺ نے فرمایا نہ! اپنی سواری کے اگلے حصے کے تم زیادہ حقدار ہو۔ ہاں! اگر تم اس کو (معلوم ہونے اور اپنا حق سمجھ لینے کے بعد) میرے لیے کر دو تو درست ہے۔ اس نے عرض کیا (یا رسول اللہ!) میں نے (یہ جاننے کے بعد بخوشی) آپ کے لیے کر دیا۔ پھر آپ سوار ہو گئے۔

تخریج حدیث:

(۱) ترمذی، حدیث نمبر ۲۷۷۳، باب ما جاء فی الرجل احق بصدر دابته، ابواب الادب۔

(۲) ابو داؤد، حدیث نمبر ۲۵۷۴، باب رب الدابة احق بصدرها، کتاب الجہاد۔



۳۳ مزاح نبوی کی ایک لطیف مثال

وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَجُلًا اسْتَحْمَلَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ إِنِّي حَامِلُكَ عَلَى وَلَدٍ نَاقَةٍ فَقَالَ مَا أَصْنَعُ بِوَلَدِ النَّاقَةِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَهَلْ تِلْدُ الْإِبِلَ إِلَّا التَّوْقُ.

ترجمہ و تشریح:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک صاحب نے آپ ﷺ سے درخواست کی کہ مجھے سواری کے لیے کوئی جانور مرحمت فرمائیں۔ آپ نے ان سے فرمایا میں تمہیں اونٹنی کے بچے پر سوار کروں گا۔ اس نے کہا میں اونٹنی کے بچے کا کیا کروں گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا (بڑا) اونٹ بھی تو اونٹنی کا ہی بچہ ہوتا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ دل لگی اور مزاح بھی فرمایا کرتے تھے، لیکن یہ مزاح ایک حقیقت اور سچ کے دائرے میں ہوتا تھا اور دوسرا یہ بہت شاذ و نادر ہے اکثر اوقات یا ہر وقت مزاح نہیں فرماتے تھے۔ ایک بامقصد انسان کی زندگی میں ایسی مزاح کی مقدار اتنی ہی ہونی چاہیے۔

تخریج حدیث:

(۱) ترمذی، حدیث نمبر ۱۹۹۱



۳۵ ایک جامع نصیحت نبوی ﷺ

وَعَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ عِظْنِي وَ
أَوْجِزْ فَقَالَ إِذَا قُمْتَ فِي صَلَاتِكَ فَصَلِّ صَلَاةَ مُوَدِّعٍ وَلَا تَكَلِّمْ بِكَلَامٍ تَعْذَرُ مِنْهُ
غَدًا وَاجْمَعْ الْإِيَّاسَ مِمَّا فِي أَيْدِي النَّاسِ.

ترجمہ و تشریح:

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں ایک آدمی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا (یا رسول اللہ!) مجھے کوئی مختصر نصیحت فرمادیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا جب تم نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہو تو ایسے نماز پڑھو جیسے یہ زندگی کی آخری نماز ہو اور کوئی بھی ایسی بات نہ کرو جس پر کل کو معذرت کرنی پڑے۔ اور لوگوں کے پاس جو کچھ (مال دنیا) ہے اس سے ناامیدی کو اپنے دل میں پختگی سے جمالو۔

تخریج حدیث:

(۱) مسند احمد، حدیث نمبر ۲۳۵۴۵



۳۱ مشفقانہ انداز ترتیب

وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ فِي الْمَسْجِدِ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ إِذْ جَاءَ أَعْرَابِي فَقَامَ يَبُولُ فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ مَهْ مَهْ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا تُزِرْمُوهُ دَعْوُهُ، فَتَرَكَوهُ حَتَّى بَالَ ثُمَّ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ دَعَاهُ فَقَالَ لَهُ إِنَّ هَذِهِ الْمَسَاجِدَ لَا تَصْلُحُ لِشَيْءٍ مِنْ هَذَا الْبَوْلِ وَالْقَذْرِ وَإِنَّمَا هِيَ لِلذِّكْرِ وَاللَّهِ وَالصَّلَاةِ وَقِرَاءَةِ الْقُرْآنِ أَوْ كَمَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ قَالَ وَ أَمَرَ رَجُلًا مِنَ الْقَوْمِ فَبَجَاءَ بِدَلْوٍ مِنْ مَاءٍ فَشَنَّهُ عَلَيْهِ.

ترجمہ و تشریح:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں ایک مرتبہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مسجد میں تھے کہ ایک دیہاتی آدمی آیا اور کھڑا ہو کر مسجد میں پیشاب کرنے لگا۔ صحابہ نے اسے کہا ابو بھائی اٹھہر دو، ٹھہرو۔ آپ نے فرمایا اس کا پیشاب نہ روکو اسے چھوڑ دو صحابہ نے اسے چھوڑ دیا یہاں تک کہ اس نے پیشاب کر لیا۔ پھر آپ ﷺ نے اسے طلب فرمایا اور اسے کہا یہ مسجدیں پیشاب اور اس جیسی گندگی کے لیے نہیں ہوتیں، یہ تو اللہ کے ذکر، نماز اور قرآن کی تلاوت کے لیے ہوتی ہیں۔ (ادکما قال) پھر آپ نے ایک آدمی کو حکم دیا۔ وہ ایک ڈول پانی کا لایا اور اس پیشاب پر بہا دیا۔ یہ حدیث جہاں اخلاق نبوی کا اعلیٰ نمونہ اور مثال ہے، وہاں ساتھ ہی ارباب دعوت کے لیے ایسے مواقع اور جگہوں میں جہاں لوگ دین سے ناواقف ہوں یا نو مسلم ہوں ان کی تربیت اور ان کے ساتھ چلنے کا اصول بھی فراہم کرتی ہے کہ ناواقف آدمی سے کیسے معاملہ کیا جائے گا۔

تخریج حدیث:

(۱) مسلم، حدیث نمبر ۶۸۷، باب وجوب غسل البول، کتاب الطہارات۔



۴۰ متبرک پانی میں دوسرا پانی ملانے کا حکم

وَعَنْ طَلْقِ بْنِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ خَرَجْنَا وَقَدَّا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَبَايَعَنَاهُ وَصَلَيْنَا مَعَهُ وَآخِرُنَاهُ إِنَّ بَارِضَنَا بَيْعَةً لَّنَا فَاسْتَوْهَبْنَاهُ مِنْ فَضْلِ طَهُورِهِ فَدَعَا بِمَاءٍ فَتَوَضَّأَ وَتَمَضَّمْ ثُمَّ صَبَّ لَنَا فِي إِدَاوَةٍ وَأَمَرَنَا فَقَالَ أَخْرُجُوا فَإِذَا آتَيْتُمْ أَرْضَكُمْ فَأَكْسِرُوا بَيْعَتَكُمْ وَانْضَحُوا مَكَانَهَا بِهَذَا الْمَاءِ وَاتَّخِذُوهَا مَسْجِدًا قُلْنَا إِنَّ الْبَلَدَ بَعِيدٌ وَالْحَرُّ شَدِيدٌ وَالْمَاءُ يَنْشِفُ فَقَالَ مَدُّوهُ فَإِنَّهُ لَا يَزِيدُهُ إِلَّا طَيِّبًا.

ترجمہ و تشریح:

حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں ہم ایک وفد کی صورت میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہم نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور آپ کے ساتھ نماز پڑھی۔ پھر ہم نے آپ ﷺ کو بتایا کہ ہماری زمین میں ایک کنیہ ہے، چنانچہ ہم نے آپ ﷺ سے (تبرک) آپ کے وضو کا بچا ہوا پانی طلب کیا۔ آپ ﷺ نے پانی منگوایا اور وضو فرمایا اور کلی فرمائی..... اور پھر ہمارے ایک چمڑے کے برتن میں ڈال دیا اور ہمیں روانہ ہونے کا حکم دیا اور فرمایا جاؤ اور جب تم اپنی زمین میں پہنچ جاؤ تو اپنا کنیہ توڑ دو اور اس کی جگہ پر اس پانی سے چھڑکاؤ کرو اور اس کو مسجد میں تہدیل کر دو۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمارا علاقہ بہت دور ہے اور گرمی بہت سخت ہے اور ظاہر ہے پانی خشک ہوتا جائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا اور بھی ملا لو کیونکہ جتنا بھی پانی ملاؤ گے اس کی خوبی میں فرق نہیں آئے گا بلکہ بڑھتا جائے گا۔ کیونکہ جتنا پانی بڑھتا جائے گا اس کی خوبی بڑھتی جائے گی۔

مذکورہ بالا روایت سے متعدد امور معلوم ہوتے ہیں مثلاً

(۱) تبرک کے لیے نیک آدمی سے کوئی چیز حاصل کرنا درست ہے۔

(۲) نصاریٰ کے کنیہ کی جگہ پر جب کسی شرعی اصول یا معاہدے کی خلاف ورزی نہ ہو تو مسجد بنانا جائز ہے۔

(۳) متبرک پانی میں مزید پانی ملانے سے برکت ختم نہیں ہوتی بلکہ جس قدر پانی بڑھتا جائے اس کے ساتھ ہی برکت بڑھتی جاتی ہے۔ اس سے بظاہر آب زمزم میں دوسرا پانی ملانے کا جواز بھی معلوم ہوتا ہے اور یہ کہ اس کی برکت پانی ملانے کے باوجود قائم رہتی ہے۔

تخریج حدیث:

(۱) نسائی، حدیث نمبر ۷۰۱، کتاب المساجد۔

۴۸) امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کا زوق عبادت

وَعَنْ جُوَيْرِيَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ مِنْ عِنْدِهَا بُكْرَةً حِينَ صَلَّى الصُّبْحَ وَهِيَ فِي مَسْجِدِهَا ثُمَّ رَجَعَ بَعْدَ أَنْ أَضْحَى وَهِيَ جَالِسَةٌ قَالَتْ مَا زِلْتُ عَلَى الْحَالِ الَّتِي فَارَقْتُكِ عَلَيْهَا؟ قَالَتْ: نَعَمْ. قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَقَدْ قُلْتُ بَعْدَكَ أَرْبَعَ كَلِمَاتٍ ثَلَاثٌ مِرَارٍ لَوْ وَزَنْتُ بِمَا قُلْتُ الْيَوْمَ لَوَزَنْتُهُنَّ. سُبْحَانَ اللَّهِ بِحَمْدِهِ عَدَدَ خَلْقِهِ وَرِضَا نَفْسِهِ وَزِينَةَ عَرْشِهِ وَمِدَادَ كَلِمَاتِهِ.

ترجمہ و تشریح:

ام المؤمنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی ﷺ ایک دن آپ کے پاس سے صبح کی نماز کے لیے مسجد تشریف لے گئے۔ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا اس وقت اپنی نماز کی جگہ میں تھیں۔ پھر جب آپ ﷺ واپس تشریف لائے تو چاشت کا وقت ہو چکا تھا۔ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا ابھی تک اسی جگہ بیٹھی تھیں۔ آپ ﷺ نے استفسار فرمایا جب سے میں گیا ہوں کیا تم یہاں ہی بیٹھی ہوئی ہو؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا میں نے تمہارے پاس سے جانے کے بعد چار کلمات تین دفعہ کہے ہیں اگر ان کلمات کا تمہارے آج کے سارے الکار سے مقابلہ کروایا جائے تو وہ کلمات ان سب سے وزن میں بڑھ جائیں گے۔ وہ کلمات یہ ہیں:

سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ عَدَدَ خَلْقِهِ وَرِضَا نَفْسِهِ وَزِينَةَ عَرْشِهِ وَمِدَادَ كَلِمَاتِهِ.

پاک ہے وہ اللہ اپنی اس تعریف کے ساتھ جو اس کی مخلوقات کی تعداد کے برابر ہے اور اس کی رضامندی اور اس کے عرش کے وزن اور اس کے کلمات کی تعداد کے برابر۔

مذکورہ حدیث سے متعدد امور معلوم ہوتے ہیں:

(۱) امہات المؤمنین کا عبادت میں اس قدر انہماک اور جذبہ تھا کہ گھنٹوں مصلے پر بیٹھی رہتیں۔

(۲) آدمی کو اپنی بیوی کو مفید چیز اور دینی تعلیم اور مسئلہ ضرور بتانا چاہیے۔

(۳) صحابیات نے رسول اللہ ﷺ کے دور میں بھی اپنے گھروں میں اپنی نماز کے لیے علیحدہ مخصوص جگہ بنا رکھی تھیں جہاں

وہ نماز پڑھا کرتی تھیں اور وہ نبی ﷺ کے پیچھے نماز کی فضیلت معلوم ہونے کے باوجود مسجد میں حاضر نہیں ہوتی تھیں۔ کیونکہ نبی ﷺ

تو نماز کے لیے تشریف لے گئے اور حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا گھر پر ہی رہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کو اگر گنجائش ہو تو

نماز کے لیے گھر میں ایک جگہ مخصوص رکھنی چاہئے

تخریج حدیث:

۳۹) شہید کا ہر گناہ معاف ہو جاتا ہے؟

وَعَنْ أَبِي قَعَادَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنْ قُتِلْتُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ صَابِرًا مُحْتَسِبًا مُقْبِلًا غَيْرَ مُدْبِرٍ يُكَفِّرُ اللَّهُ عَنِّي خَطَايَايَ لَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ نَعَمْ فَلَمَّا أَذْبَرَ نَادَاهُ فَقَالَ نَعَمْ إِلَّا الذَّنِينَ كَذَلِكَ قَالَ جَبْرِئِيلُ.

ترجمہ و تشریح:

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں ایک آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا فرماتے ہیں آپ ﷺ اگر میں اللہ کے راستے میں صبر کے ساتھ ثواب کی نیت سے آگے بڑھتے ہوئے نہ کہ پیچھے ہٹتے ہوئے شہید ہو جاؤں تو کیا اللہ میری غلطیاں اور میرے گناہ معاف فرمادیں گے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہاں! (معاف فرمادیں گے) جب وہ آدمی واپس پلٹا تو آپ ﷺ نے فرمایا ہاں معاف فرمادیں گے مگر قرض نہیں (کیونکہ) جبرائیل علیہ السلام نے یوں ہی فرمایا ہے۔

چونکہ دین اور قرض کا معاملہ حقوق العباد سے تعلق رکھتا ہے اس لیے اس کی معافی کا وعدہ نہیں ہاں اگر اللہ قرض دار کو اپنی جناب سے راضی فرمادیں تو اور بات ہے مگر وعدہ نہیں۔

تخریجِ حدیث:

(۱) نسائی، حدیث نمبر ۳۱۵۸، کتاب الجہاد۔

۳۰) چند زریں نصائح نبوی ﷺ

وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَذَكَرَ الْحَدِيثَ بِطَوِيلٍ إِلَى أَنْ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَوْصِنِي قَالَ أَوْصِيكَ بِتَقْوَى اللَّهِ فَإِنَّهُ أَزِينُ لَأَمْرِكَ كُفْلُهُ قُلْتُ زِدْنِي قَالَ عَلَيْكَ بِتِلَاوَةِ الْقُرْآنِ وَذِكْرِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ فَإِنَّهُ ذِكْرُكَ لَكَ فِي السَّمَاءِ وَنُورٌ لَكَ فِي الْأَرْضِ قُلْتُ زِدْنِي قَالَ عَلَيْكَ بِطَوِيلِ الصَّمْتِ فَإِنَّهُ مَطْرَدَةٌ لِلشَّيْطَانِ وَعَوْنٌ لَكَ عَلَى أَمْرِ دِينِكَ قُلْتُ زِدْنِي قَالَ إِيَّاكَ وَكَثْرَةَ الضَّحِكِ فَإِنَّهُ يُمِيتُ الْقَلْبَ وَ يُذْهِبُ بِنُورِ الْوَجْهِ قُلْتُ زِدْنِي قَالَ قُلِ الْحَقَّ وَإِنْ كَانَ مَرَأً قُلْتُ زِدْنِي قَالَ لَا تَخَفْ فِي اللَّهِ لَوْمَةً لَأَنَّهُ قُلْتُ زِدْنِي قَالَ لِيُحِيزَكَ عَنِ النَّاسِ مَا تَعْلَمُ مِنْ نَفْسِكَ.

ترجمہ و تشریح:

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس کے بعد انہوں نے طویل گفتگو ذکر کی۔ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے وصیت فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں تمہیں اللہ سے ڈرنے یعنی تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ یہ تمہارے تمام معاملات کی زینت اور رونق ہے۔

میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کچھ اضافہ فرمادیجیے آپ ﷺ نے فرمایا تم تلاوت قرآن اور ذکر خداوندی کا اہتمام کرو۔ کیونکہ یہ چیزیں تمہاری یاد اور ذکر ہیں آسمانوں میں اور زمین میں تمہارے لیے نور ہیں۔

میں نے عرض کیا مزید ارشاد فرمادیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم لمبی خاموشی کو لازم پکڑو (یعنی اکثر خاموش رہنے کی عادت بناؤ) کیونکہ خاموشی شیطان کو دفع کرنے والی اور تمہارے دینی کاموں میں تمہاری معاون ہے۔

میں نے عرض کیا مزید ارشاد فرمادیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا زیادہ ہنسنے سے بچو کیونکہ زیادہ ہنسی دل کو مردہ کر دیتی ہے۔ اور اس سے چہرے کا نور جاتا رہتا ہے۔

میں نے عرض کیا مزید ارشاد فرمادیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا حق بات کہو چاہے کسی کو کڑی لگے۔

میں نے عرض کیا مزید ارشاد فرمادیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہ کرو۔

میں نے عرض کیا مزید ارشاد فرمادیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تمہیں اپنی جو کیاں اور برائیاں معلوم ہیں ان کی وجہ سے دوسرے لوگوں کے ہارے میں کچھ کہنے سے باز رہو۔

یعنی جب تم کسی کی کوئی ذاتی برائی دیکھو اور اس کی بابت تمہارے دل میں خیال آئے تو اس پر کچھ سوچنے یا کہنے سے پہلے اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھ لو کہ اس دامن میں کتنے چمید اور داغ و بے ہیں اور کیا ان کی موجودگی میں میں کسی پر انگلی اٹھا سکتا ہوں؟

تخریج حدیث:

(۱) شعب الایمان بیہقی، حدیث نمبر ۴۹۴۶

۳۱ غیبت اور بہتان میں فرق

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ اتَّذَرُونَ مَا الْغَيْبَةُ قَالُوا اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ ذِكْرُكَ أَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ قَبْلَ أَقْرَابَتِكَ إِنْ كَانَ فِيهِ أَحْيَىٰ مَا أَقُولُ قَالَ إِنْ كَانَ فِيهِ مَا تَقُولُ فَقَدْ اغْتَبْتَهُ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِيهِ مَا تَقُولُ فَقَدْ بَهْتَهُ.

ترجمہ و تشریح:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے ایک دفعہ فرمایا تمہیں معلوم ہے غیبت کسے کہتے ہیں؟ صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں (صحابہ کا یہ کمال ادب ہے کہ اگر کسی چیز کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے واضح کوئی بات نہیں سنی تو اپنی رائے سے کچھ نہیں کہتے تھے) آپ ﷺ نے فرمایا غیبت یہ ہے کہ تم اپنے بھائی کا ذکر اس انداز سے کرو جو اسے اچھا نہ لگے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر ہمارے بھائی میں وہ بات ہو تو پھر؟ فرمایا اگر اس میں وہ بات ہو تبھی تو غیبت ہے اگر اس میں وہ بات نہ ہو تو پھر تو (سیدھا سیدھا) بہتان اور الزام ہے۔

غیبت ایک سنگین گناہ اور اخلاقی جرم ہے جو بہت سی دیگر اخلاقی کمزوریوں حسد، کینہ، وغیرہ کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ غیبت کے بارے میں تفصیلی بات شروع کتاب میں ”الغیبة اشد من الزنا“ کے تحت گزر چکی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اللہ ہمیں ان سب باتوں کو جاننے سے زیادہ ماننے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ کیونکہ عمل ہی سب علموں کی جان ہے، اور عمل کے بغیر علم کی ایک پھولی کوڑی برابر بھی قدر نہیں۔

تخریج حدیث:

(۱) ابوداؤد، حدیث نمبر ۴۸۷۶

(۲) ترمذی، حدیث نمبر ۱۹۳۴



۳ محض عبادت سے نجات ممکن نہیں

وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَوْحَى اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ إِلَى جِبْرِئِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنْ أَقْلِبُ مَدِينَةَ كَذَا وَكَذَا بِأَهْلِهَا فَقَالَ يَا رَبِّ إِنَّ فِيهِمْ عَبْدَكَ فَلَانًا لَمْ يَعْصِكَ طَرَفَةً عَيْنٍ قَالَ أَقْلِبْهَا عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمْ فَإِنَّ وَجْهَهُ لَمْ يَتَمَعَّرْ فِي سَاعَةٍ قَطُّ.

ترجمہ و تشریح:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک دفعہ اللہ رب العزت نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ فلاں فلاں بستی کو مکیںوں سمیت پلٹا دیں۔ (یعنی اس کا اوپر کا حصہ نیچے اور نیچے کا حصہ اوپر کر دیں) انہوں نے عرض کیا باری تعالیٰ! اس بستی میں تیرا ملاں آدمی بھی رہتا ہے جس نے پلک جھپکنے کے برابر بھی کبھی تیری نافرمانی نہیں کی۔ اللہ رب العزت نے فرمایا پوری بستی کو اٹھا کر اس کے اوپر پلٹو کیونکہ (بستی میں گناہ و جرم اور صبح و شام میری نافرمانیاں ہوتی رہیں اور یہ عابد و زاہد شخص اپنی عبادت میں ہی مشغول رہا۔ اس نے کبھی یہ نہ سوچا کہ ان کو نافرمانی سے روکوں اور ان کو اچھائی کی دعوت دوں بلکہ یہ کرنا تو دور کی بات ہے) اس کے چہرے پر میری خاطر کبھی پریشانی کے آثار بھی نہیں آئے۔ یعنی اسے اپنی عبادت و زہد کی فکر تو ہے لیکن میرے دین کی اور میرے احکامات کے ٹوٹنے اور میری نافرمانی کی کوئی فکر نہیں ہے۔

تخریج حدیث:

(۱) شعب الایمان بیہقی، حدیث نمبر ۷۵۹۵

۳۳ مجھے دنیا سے کیا لینا

وَعَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ نَامَ عَلَى حَصِيرٍ فَقَامَ وَقَدْ التَّرَفَّى
جَسَدِهِ فَقَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ يَا رَسُولَ اللَّهِ لَوْ أَمَرْتَنَا أَنْ نَبْسُطَ لَكَ وَنَعْمَلَ فَقَالَ مَالِي وَ
لِلدُّنْيَا وَمَا أَنَا وَالِدُنْيَا إِلَّا كَرَائِبٍ اسْتَظَلَّ تَحْتَ شَجَرَةٍ ثُمَّ رَاحَ وَتَرَكَهَا.

ترجمہ و تشریح:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے، جب آپ اٹھے تو چٹائی کے نشانات آپ کے جسم پر موجود تھے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر آپ ہمیں حکم فرمائیں تو ہم آپ کے لیے اچھا سا بچھونا اور بستر تیار کریں اور آپ کے لیے مال و دولت کمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا مجھے دنیا سے کیا لینا.....؟ میری اور دنیا کی مثال ایسے ہی ہے جیسے ایک سوار اور راہ مسافر کسی درخت کے نیچے سایہ کے لیے آئے اور پھر اسے چھوڑ کر آگے کو رواں دواں ہو جائے۔

مطلب یہ ہے کہ دنیا گزارے اور بقدر ضرورت استعمال کرنے کے لیے ہے۔ قییش اور آسائش اور آرام کے لیے نہیں کیونکہ یہ اصلی ٹھکانہ اور گھر نہیں کہ جس کی زیب و زینت سے دل لگایا جائے۔ یہاں صرف ضروریات پوری کرنے پر دھیان رکھو۔ اور اس کے ساتھ زیادہ سے زیادہ اتنا ہی انس اور تعلق رکھو جتنا ایک مسافر کو راہ چلتے کسی درخت یا کسی سرائے وغیرہ کی عمارت سے ہوتا ہے۔

تخریج حدیث:

(۱) ترمذی، حدیث نمبر ۲۳۷۷

(۲) ابن ماجہ، حدیث نمبر ۸۱۰۹، باب مثل الدنيا۔ کتاب الزہد۔



۳۳ غلاموں کے حقوق

وَعَنْ أَبِي مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ كُنْتُ أَضْرِبُ غُلَامًا لِي فَسَمِعْتُ مِنْ خَلْفِي صَوْتًا أَعْلَمُ
أَبَا مَسْعُودٍ لِلَّهِ أَقْدَرُ عَلَيْكَ مِنْكَ فَانْتَفَتُ فَإِذَا هُوَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ
اللَّهِ هُوَ حُرٌّ لَوْ جِهَ اللَّهُ فَقَالَ أَمَا إِنَّكَ لَوْ لَمْ تَفْعَلْ لَلْفَحْتُكَ النَّارَ أَوْ قَالَ لَمَسْتُكَ النَّارَ.

ترجمہ و تشریح:

حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں ایک دن اپنے ایک غلام کو مار رہا تھا۔ اچانک میں نے اپنے پیچھے سے یہ
آواز سنی اے ابو مسعود! جتنا تمہیں اس غلام پر اختیار ہے اللہ کو تم پر اس سے کہیں زیادہ اختیار ہے۔ میں پیچھے مڑا تو رسول اللہ ﷺ
موجود تھے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ آج سے اللہ کی رضا کی خاطر آزاد ہے۔ آپ نے فرمایا اگر تم یہ کام نہ کرتے تو تمہیں
جہنم کی آگ جھلسا کر رکھ دیتی یا فرمایا تمہیں جہنم کی آگ پہنچ جاتی۔

اسلام نے غلاموں کے ساتھ ہونے والے ناروا سلوک کو بالکل ختم فرما دیا اور غلاموں کو معاشرے کا ایک حصہ بنا دیا۔ یہی وجہ
ہے کہ مسلمان معاشرے کی گود میں پلنے والے غلاموں نے جہاں ایک طرف علم و ہنر میں امامت کے درجے پائے وہیں حکومت و
فوجی قیادت کے بھی اعلیٰ مناصب سنبھالے یہ سارا اثر تھا نبی ﷺ کی غلاموں کے بارے میں نصائح کا۔ آپ ﷺ نے اپنے
مرض الوفا میں بھی دو وصیتیں کیں، ایک نماز کا اہتمام اور دوسرے غلاموں سے حسن سلوک۔

تخریج حدیث:

(۱) مسلم، حدیث نمبر ۴۳۹۸، باب صحبة المعاليك

(۲) ابو داؤد، حدیث نمبر ۵۱۶۱، باب فی حق المملوك، کتاب الادب۔

۴۶ نفع و نقصان کا مالک صرف اللہ ہے

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ كُنْتُ خَلْفَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ يَوْمًا فَقَالَ يَا غُلَامُ احْفَظِ اللَّهَ يَحْفَظْكَ احْفَظِ اللَّهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ وَإِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللَّهَ وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللَّهِ وَاعْلَمْ أَنَّ الْأُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلَى أَنْ يَنْفَعُوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَنْفَعُوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللَّهُ لَكَ وَلَوْ اجْتَمَعُوا عَلَى أَنْ يَضُرُّوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَضُرُّوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَ اللَّهُ عَلَيْكَ رُفِعَتِ الْأَقْلَامُ وَجَفَّتِ الصُّحُفُ.

ترجمہ و تشریح:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں میں ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کے پیچھے سواوی پر سوار تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے بچے! اللہ (کے احکامات و حدود) کی حفاظت کرو اللہ تمہاری حفاظت کرے گا اللہ کی حفاظت و رعایت کرو تم اللہ کو اپنے سامنے پاؤ گے اور جب تم کوئی چیز مانگو تو اللہ سے مانگو، جب مدد طلب کرو تو اللہ سے مدد طلب کرو۔ اور یہ بات یاد رکھو کہ اگر پوری کائنات بھی تمہیں کسی بات میں نفع پہنچانے پر جمع ہو جائے تو وہ تمہیں صرف اسی بات کا نفع پہنچا سکتے ہیں جو تمہارے لیے اللہ نے لکھ دی ہے اور اگر یہ لوگ تمہیں کچھ بھی نقصان پہنچانے پر اکٹھ کر لیں تو وہ تمہیں صرف اتنا ہی نقصان پہنچا سکتے ہیں جتنا تمہارے لیے خدا نے لکھ دیا ہے۔ (تقدیر کو لکھنے والی) قلمیں اٹھالی گئی ہیں اور (تقدیر کے) نوشتے خشک ہو چکے ہیں۔

اللہ کی حفاظت کرنے سے مراد یہ ہے کہ اللہ کے تمام احکامات اور حدود و قوانین پر عمل کرو اور اس کی رعایت کرو، فرمایا کہ اللہ رب العزت کے ہاں عدل کا قانون ہے اور اللہ کسی کی نیکی ضائع نہیں فرماتے اگر تم اللہ کی رعایت کرو گے تو اللہ تمہیں اس کا بدلہ ضرور دیں گے اور تمہیں اپنا اتنا قرب بخشیں گے کہ تم کو یا اللہ کے آسنے سامنے کھڑے ہو۔ مگر اس کے لیے شرط یہ ہے کہ تمہارا ایمان اور اعتقاد اللہ پر اتنا پختہ ہو کہ اس میں شرک کی ذرا بھی بو اور ضعیف الاعتقادی کی تھوڑی سی بھی جھول نہ ہو۔

تخریج حدیث:

(۱) نرمذی، حدیث نمبر ۲۵۱۶، باب، ابواب صفة القيامة۔

(۲) مسند احمد، حدیث نمبر ۲۷۶۳



۳۱ جانوروں کے حقوق کی رعایت

وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِي سَفَرٍ فَأَنْطَلَقَ لِحَاجَتِهِ فَرَأَيْنَا حُمْرَةً مَعَهَا فَرَحَانٌ فَأَخَذْنَا فَرَحِيهَا فَجَاءَتْ بِالْحُمْرَةِ فَجَعَلَتْ تَفْرَشُ فَجَاءَ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ مَنْ فَجَعَ هَذِهِ بَوْلِدَهَا رُدُّوْا وَلَدَهَا إِلَيْهَا وَرَأَى قَرْيَةً نَمْلٌ قَدْ حَرَقْنَاهَا قَالَ مَنْ حَرَقَ هَذِهِ فَقُلْنَا نَحْنُ قَالَ إِنَّهُ لَا يَنْبَغِي أَنْ يُعَذَّبَ بِالنَّارِ إِلَّا رَبُّ النَّارِ.

ترجمہ و تشریح:

حضرت عبدالرحمن بن عبداللہ بن ابیہ سے روایت کرتے ہیں فرماتے ہیں ہم ایک دفعہ ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔ آپ ﷺ کسی ضرورت سے باہر گئے ہم نے وہاں ایک چڑیا دیکھی جس کے دو بچے بھی تھے ہم نے اس کے بچے پکڑ لیے۔ جب چڑیا آئی تو وہ پھر پھڑانے لگی جب نبی ﷺ واپس تشریف لائے تو آپ ﷺ نے فرمایا اس چڑیا کو بچوں کی وجہ سے کس نے تکلیف دی ہے؟ اس کے بچے واپس کر دو۔ اس کے علاوہ آپ ﷺ نے چیونٹیوں کی ایک بل دیکھی جسے ہم نے جلادیا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اسے کس نے جلایا ہے؟ ہم نے عرض کیا ہم نے۔ آپ ﷺ نے فرمایا آگ کا عذاب دینا آگ کے خالق یعنی اللہ ہی کے لیے مناسب ہے۔

مذکورہ بالا حدیث آپ ﷺ کی رحمت و شفقت کا ایک نمونہ ہے کہ آپ ﷺ کی رحمت صرف انسانوں یا مسلمانوں تک ہی محدود نہیں تھی بلکہ آپ ﷺ دنیا کی تمام چیزوں اور مخلوقات کے لیے رحمت بن کر آئے تھے۔ اس حدیث سے علماء نے یہ مسئلہ بھی نکالا ہے کہ کسی موذی جانور کو مارنے کے لیے بھی آگ سے جلانا درست نہیں کوئی اور ذریعہ اختیار کرنا چاہیے۔

تخریج حدیث:

(۱) ابو داؤد، حدیث نمبر ۲۶۷۷، باب فی کراهیۃ احراق العدو بالنار، کتاب الجہاد۔

علم کی اہمیت اور فضیلت

وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ مَرَّ بِمَجْلِسَيْنِ فِي مَسْجِدِهِ فَقَالَ كِلَاهُمَا عَلَى خَيْرٍ وَأَحَدُهُمَا أَفْضَلُ مِنْ صَاحِبِهِ أَمَّا هَؤُلَاءِ فَيَدْعُونَ اللَّهَ وَيَرْغَبُونَ إِلَيْهِ فَإِنْ شَاءَ أَعْطَاهُمْ وَإِنْ شَاءَ مَنَعَهُمْ وَأَمَّا هَؤُلَاءِ فَيَتَعَلَّمُونَ الْفِقْهَ أَوْ قَالَ الْعِلْمَ وَيُعَلِّمُونَ الْجَاهِلَ فَهُمْ أَفْضَلُ وَإِنَّمَا يُعْشَى مُعَلِّمًا ثُمَّ جَلَسَ فِيهِمْ.

ترجمہ و تشریح:

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ مسجد نبوی میں دو طرح کی مجالس کے پاس سے گزرے اور ان کو دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا یہ دونوں ہی بھلائی اور خیر پر کار بند ہیں البتہ ان میں سے ایک دوسرے سے بہتر ہے۔ (پھر ایک مجلس کی طرف اشارہ کر کے فرمایا) یہ لوگ اللہ سے مانگتے ہیں اور اس کی طلب و شوق رکھتے ہیں پس اگر اللہ چاہیں گے تو انہیں عطا فرمادیں گے اور اگر چاہیں گے تو نہیں کریں گے۔ باقی رہے یہ (دوسری جماعت والے) لوگ تو یہ فقہ یا فرمایا علم حاصل کر رہے ہیں اور علم سے ناواقف لوگوں کو علم سکھا رہے ہیں اس لیے یہ دوسروں سے افضل اور بہتر ہیں اور مجھے بھی اللہ نے معلم بنا کر بھیجا ہے۔ پھر آپ ﷺ اس جماعت میں بیٹھ گئے ...

مذکورہ بالا حدیث علم کی فضیلت میں ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ علم سکھانے اور تعلیم و تدریس کا عمل یہ مقدس عمل ہے جس کے لیے سید المرسلین کی بعثت ہوئی اس لیے اس منصب میں دنیا کی آمیزش نہیں ہونی چاہیے۔ تاکہ یہ منصب اپنے اس تقدس پر رہے جو اس کو اللہ نے بخشا ہے۔ تاریخ عالم میں ہمیشہ علم سکھانے کو ایک مقدس فرض کے طور پر ہی دیکھا اور لیا جاتا رہا ہے۔ البتہ موجودہ دور میں مادیت اور دنیا کی طلب اس کام سے ایسی جڑی ہے کہ اب تعلیم ایک وسیع کاروبار و بزنس کی شکل اختیار کر گئی ہے۔

(اللہ چاہے۔ آمین)

تخریج حدیث:

(۱) سنن دارمی، حدیث نمبر ۲۴۹۹، باب فضل العلم و العالم

۳۷ غلاموں سے عدل و انصاف یا عفو و درگزر؟

وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ جَاءَ رَجُلٌ فَقَعَدَ بَيْنَ يَدَيِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ لِي مَمْلُوكَيْنِ يَكْذِبُونِي وَيَخُونُونِي وَيَعْصُونَنِي وَاسْتَمْتُهُمْ وَاضْرَبْتُهُمْ فَكَيْفَ آتَا مِنْهُمْ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَمَةِ يُحْسَبُ مَا خَانُوكَ وَعَصَوْكَ وَكَذَّبُوكَ وَعِقَابُكَ إِيَّاهُمْ فَإِنْ كَانَ عِقَابُكَ إِيَّاهُمْ بِقَدْرِ ذُنُوبِهِمْ كَانَ كِفَافًا لَا لَكَ وَلَا عَلَيْكَ وَإِنْ كَانَ عِقَابُكَ إِيَّاهُمْ دُونَ ذُنُوبِهِمْ كَانَ فَضْلًا لَكَ وَإِنْ كَانَ عِقَابُكَ إِيَّاهُمْ فَوْقَ ذُنُوبِهِمْ اقْتَصَّ لَهُمْ مِنْكَ الْفَضْلُ فَتَنَحَّى الرَّجُلُ وَجَعَلَ يَهْتَفُ وَيَبْكِي فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَمَا تَقْرَأُ قَوْلَ اللَّهِ تَعَالَى "وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَإِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا وَكَفَى بِنَا حَاسِبِينَ" فَقَالَ الرَّجُلُ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا أَجِدُ لِي وَلِهَؤُلَاءِ شَيْئًا خَيْرًا مِنْ مَفَارِقَتِهِمْ أَشْهَدُكَ أَنَّهُمْ كُلُّهُمْ أَحْرَارٌ.

ترجمہ و تشریح:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں ایک صاحب آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کے سامنے بیٹھ گئے اور عرض کرنے لگے یا رسول اللہ! میرے غلام ہیں جو میرے سے جھوٹ بولتے ہیں خیانت کرتے ہیں میری نافرمانی کرتے ہیں اور میں انہیں برا بھلا بھی کہتا ہوں اور مارتا بھی ہوں۔ میرا ان کے ساتھ یہ سلوک کیسا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا جب قیامت کا دن ہوگا تو ان کی خیانتیں جھوٹ اور تمہاری سرزنش اور مار پیٹ کا باہم موازنہ کیا جائے گا۔ اگر تمہاری سرزنش ان کی غلطیوں کے برابر ہوئی تو تمہاری برابر سراسر جھوٹ ہو جائے گی۔ نہ تمہیں کچھ ملے گا اور نہ کچھ دینا پڑے گا۔ اور اگر تمہارا عتاب ان کی خطاؤں سے کم ہوا تو یہ تمہارے لیے فائدہ مند ہوگا اور اگر تمہاری مار پیٹ ان کے گناہوں سے زیادہ ہوگئی تو پھر تم سے اضافہ لے کر ان کو بطور بدلہ دے دیا جائے گا۔ (حضرت عائشہ فرماتی ہیں آپ ﷺ کی یہ باتیں سن کر) وہ آدمی ایک طرف ہو کر اونچی اونچی آواز سے رونے لگا۔ آپ ﷺ نے اس سے فرمایا کیا تم نے یہ ارشاد خداوندی نہیں پڑھا "کہ قیامت کے دن ہم انصاف کے ترازو رکھیں گے، چنانچہ کسی شخص پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا اگر ایک رائی کے دانے کے برابر بھی ہوگا تو ہم اسے لے آئیں گے۔ ہم کافی ہیں حساب کرنے والے۔"

آپ ﷺ کی یہ بات سن کر اس آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے اپنے اور ان کے لیے اس سے بہتر کوئی صورت نظر نہیں آتی کہ میں ان کو اپنے سے جدا کر دوں۔ چنانچہ میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ وہ سب کے سب آزاد ہیں۔

تخریج حدیث:

(۱) ترمذی، حدیث نمبر ۳۱۶۵، باب تفسیر سورة الانبیاء، کتاب التفسیر۔

③ دین ہر معاملے میں اعتدال کا نام ہے

وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ جَاءَ ثَلَاثَةٌ رَهْطٌ إِلَى أَزْوَاجِ النَّبِيِّ ﷺ يَسْأَلُونَ عَنْ عِبَادَةِ النَّبِيِّ ﷺ فَلَمَّا أُخْبِرُوا بِهَا كَانَهُمْ يَقَالُوهَا فَقَالُوا آيْنَ نَحْنُ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ وَ قَدْ غَفَرَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَ مَا تَأَخَّرَ فَقَالَ أَحَدُهُمْ أَمَا أَنَا فَأَصَلِّيَ اللَّيْلَ أَبَدًا وَقَالَ الْآخَرُ أَمَا أَنَا فَاصُومُ النَّهَارَ أَبَدًا وَ لَا أَفْطِرُ وَقَالَ الْآخَرُ أَنَا أَعْتَزِلُ النِّسَاءَ فَلَا أَتَزَوَّجُ أَبَدًا فَجَاءَ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ أَنْتُمْ الَّذِينَ قُلْتُمْ كَذًا وَ كَذًا أَمَا وَاللَّهِ إِنِّي لَا خُشَاكُمُ لِلَّهِ وَ اتَّقَاكُمْ لَهُ لِكِبْنِيْ أَصُومُ وَ أَفْطِرُ وَ أَصَلِّي وَ أَرْقُدُ وَ أَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ.

ترجمہ و تشریح:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تین صاحب آپ ﷺ کی ازواج کی خدمت میں حاضر ہوئے تاکہ آپ ﷺ کی (رات کی) عبادت کے بارے میں سوال کریں جب انہیں اس کی اطلاع دی گئی تو انہوں نے اپنے خیال میں اسے کم سمجھتے ہوئے کہا ہماری نبی ﷺ سے کیا نسبت؟ کیونکہ آپ کے تو اگلے پچھلے گناہ اللہ نے معاف کر دیئے ہیں۔ چنانچہ ان حضرات میں سے ایک نے اپنا یہ عزم ظاہر کیا کہ میں تو ساری رات عبادت کروں گا اور دوسرے نے کہا میں تو ہمیشہ دن کو روزہ رکھوں گا اور کبھی بے روزہ نہ رہوں گا اور تیسرے نے یہ کہا کہ میں عورتوں سے کنارہ کش رہوں گا اور کبھی شادی نہ کروں گا۔ (ان کی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ اتنے میں) نبی ﷺ تشریف لے آئے اور فرمایا کیا تم لوگوں نے ایسی ایسی باتیں کی ہیں۔ دیکھو خدا کی قسم! میں تمہاری نسبت سب سے زیادہ خوف خدا اور تقویٰ والا ہوں۔ لیکن (میرا معمول یہ ہے) میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور روزہ ترک بھی کرتا ہوں۔ رات کو نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور میں شادی بھی کرتا ہوں۔ پس جو میرے طریقے سے اعراض کرے وہ مجھ سے نہیں۔

یہ حدیث بھی ان احادیث میں سے ہے جن میں یہ کہا گیا ہے کہ حقوق اللہ یعنی عبادت میں اعتدال سے کام لینا چاہیے اپنے اوپر بے جا سختی کرنا اور بلاوجہ اپنے کو مشقت میں ڈالنا درست نہیں۔ بس اعتدال سے چلو۔ روزانہ کا ایسا معمول بناؤ جو تم مرتے دم تک یا کم از کم بڑھاپے میں بھی نبھاسکو۔ ایسا نہ ہو کہ شروع شروع میں شوق اور طلب میں اپنے اوپر زیادہ عبادت کا التزام کر لو اور بعد میں پھر مشقت کی وجہ سے بالکل ہی چھوڑ دے۔ کچھ عرصہ سو رکعات نفل پڑھنے سے کہیں بہتر ہے کہ آدی دور رکعت پڑھے لیکن ساری عمر پڑھے۔ اللہ رب العزت کو بھی وہ عمل پسند ہے جو پابندی کے ساتھ کیا جائے بھلے تھوڑا ہی کیوں نہ ہو۔

تخریج حدیث:

③ بدعات سے بچنے کی تاکید

وَعَنِ الْعُرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهِ فَوَعظَنَا مَوْعِظَةً يَلِغَةُ ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُونُ وَوَجَلَّتْ مِنْهَا الْقُلُوبُ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ كَانَ هَذِهِ مَوْعِظَةُ مَوْدِعٍ فَأَوْصِنَا فَقَالَ أَوْصِيكُمْ بِتَقْوَى اللَّهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَإِنْ كَانَ عَبْدًا حَبِشِيًّا فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِي لَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمُهْدِيِّينَ تَمَسَّكُوا بِهَا وَاعْصُوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِدِ وَإِيَّاكُمْ وَمُحَدَّثَاتِ الْأُمُورِ فَإِنَّ كُلَّ مُحَدَّثَةٍ بَدْعَةٌ وَكُلُّ بَدْعَةٍ ضَلَالَةٌ.

ترجمہ و تشریح:

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ایک دفعہ ہمیں نماز پڑھائی اور پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے اور ایسی پراثر اور بلیغ نصیحت فرمائی کہ آنکھیں چمک پڑیں اور دل کانپ اٹھے۔ ایک صحابی نے (موقع کی نزاکت بھانپتے ہوئے) عرض کیا یا رسول اللہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے یہ الوداعی اور آخری نصیحت ہے۔ ہمیں کچھ وصیت فرما دیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں تمہیں اللہ کے تقویٰ کی نصیحت کرتا ہوں اور فرمانبرداری اور اطاعت کا حکم کرتا ہوں چاہے تمہارا امیر کوئی حبشی غلام ہی ہو..... جو لوگ میرے بعد زندہ رہیں گے وہ بہت زیادہ اختلاف دیکھیں گے (ایسے موقع پر) تم میری اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت اور طریقے کو لازم جاننا، اس کو مضبوطی سے تھام لینا اور راستوں سے اس کو پکڑ لینا اور خبردار تم لوگ نئی نئی باتوں سے بچنا کیونکہ (دین کے معاملے میں) ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔“

مذکورہ حدیث میں صرف زمانہ رسالت کے فوراً بعد تک ہی نہیں بلکہ قیامت تک کے زمانے اور اس میں رہنے والے لوگوں کے لیے نہایت بیش قیمت اور بنیادی اصول کو نصیحت بلکہ وصیت کی شکل میں رسول اللہ ﷺ نے بیان فرما دیا ہے۔ اصول یہ ہے کہ دین کامل ہو چکا ہے۔ اب دین کے معاملے میں کوئی بھی بات ہو اس کے دین ہونے نہ ہونے کا ایک ہی معیار ہے کہ وہ میرے اور میرے خلفاء راشدین کے زمانے میں موجود تھی یا نہیں تھی۔ اگر اس دور میں اس بات کو بطور دین لیا گیا ہو تو ٹھیک ورنہ ہر ایسی نئی بات نئی قید، اور التزام دین نہیں بلکہ بدعت ہے جو کہ ایک سنگین گناہ ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ خلفاء راشدین کا طریقہ اور ان کی سنت و حقیقت نبی ﷺ کی سنت ہی کی تشریح اور تفصیل ہے

اسی وجہ سے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ نے خلافت راشدہ کے دور کو دور نبوت کا ترجمہ کیا ہے۔

تخریج حدیث:

③ ہر حقیقت کا اظہار ضروری اور مفید نہیں

وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ كُنْتُ رَدَفَ النَّبِيِّ ﷺ عَلَى حِمَارٍ لَيْسَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ إِلَّا مُوْخَرَةٌ الرَّحْلِ فَقَالَ يَا مُعَاذُ هَلْ تَذَرِي مَا حَقَّ اللَّهُ عَلَى عِبَادِهِ وَمَا حَقَّ الْعِبَادُ عَلَى اللَّهِ قُلْتُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ فَإِنَّ حَقَّ اللَّهِ عَلَى الْعِبَادِ أَنْ يَعْبُدُوهُ وَلَا يُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَحَقَّ الْعِبَادُ عَلَى اللَّهِ أَنْ لَا يُعَذِّبَ مَنْ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَفَلَا أُبَشِّرُ بِهِ النَّاسَ قَالَ لَا تُبَشِّرُهُمْ فَيَتَكَلَّبُوا.

ترجمہ و تشریح:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں سواری پر آپ ﷺ کے پیچھے سوار تھا (اور میں آپ کے اتنا قریب تھا کہ) ہمارے دونوں کے درمیان صرف کجاوے کی لکڑی حامل تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے معاذ! کیا تمہیں معلوم ہے کہ اللہ کا بندوں پر کیا حق ہے؟ اور بندوں کا اللہ پر کیا حق ہے؟ میں نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ کا بندوں پر حق یہ ہے کہ بندے اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں اور بندوں کا اللہ پر حق یہ ہے کہ جو اس کے ساتھ شرک نہ کرے اس کو معاف فرمائیں۔ (حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں) میں نے عرض کیا، کیا میں اس بات کی لوگوں کو خوشخبری نہ دے دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ایسی خوشخبری نہ دو۔ ایسا نہ ہو کہ وہ بھروسہ اور تکیہ کر کے بیٹھ جائیں۔

مذکورہ حدیث میں بندوں پر خدا تعالیٰ کے حق کی نسبت تو بلاشبہ درست ہے البتہ اللہ پر بندوں کا حق ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ کام کرنا اللہ کے ذمے لازم ہو جاتا ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ اللہ نے اپنے فضل اور عدل سے یہ قانون بنا رکھا ہے کہ جو یہ کام کرے گا اس کا یہ بدلہ دیا جائے گا۔ ایسا نہیں کہ خدا کوئی معاذ اللہ مجبور ہو جائے..... اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض اوقات ایک حق اور صحیح بات بھی عام لوگوں کے سامنے کسی معقول اندیشے کی وجہ سے نہ لائی جائے تو حرج نہیں۔ کیونکہ جب کسی بات کے غلط استعمال ہونے اور غلط مطلب لیے جانے کا خوف ہو تو ایسی صورت میں اس بات کو عوام کے سامنے نہ لانا ہی مقاصد شریعت کے مطابق ہوگا۔ البتہ یہ کہ کون سی بات کرنے کی ہے اور کون سی نہیں؟ اس بات کا فیصلہ کرنے کے لیے عوام کے مزاج، حالات کی نزاکت کے ساتھ ساتھ دین کی گہری سمجھ اور فقاہت کی ضرورت ہے۔

تخریج حدیث:

(۱) بخاری، حدیث نمبر ۲۸۵۶، باب اسم الفرس و الحمار، کتاب الجہاد۔

(۲) مسلم، حدیث نمبر ۱۵۳، باب اللیل علی ابن من مات علی التوحید دخل الجنة، کتاب الایمان۔

و هذا اخر الاحادیث من هذا الباب و بتمامه تم الكتاب و الحمد لله رب العلمین
و الصلوة علی سید رسلہ محمد و آلہ و صحبہ اجمعین قال المؤلف عفا الله عنه
و شكر سعيه فرغت من تسويد هذا الكتاب بحمد الله و حسن توفيقه فی شهر
رمضان المبارك سنة اربع و سبعین بعد الف و ثلثمائة (۱۳۷۴ هـ) من الهجرة
النویة علی صاحبها الصلوة و التحية.

مولای صل و سلم دائما ابدا
هو الحبيب الذی ترجی شفاعته
علی حبیبک خیر الخلق کلهم
لکل هول من الاحوال مقتحم

تاریخ تکمیل تالیف:

اللہ رب العزت کے فضل و کرم اور شکر کے ساتھ ۱۳۷۴ھ رمضان المبارک کے مہینے میں مذکورہ کتاب کی تسوید سے
مصنف رحمہ اللہ کو فراغت حاصل ہوئی۔

تاریخ تکمیل ترجمہ و تشریح:

آج بروز جمعہ بعد از عشاء مورخہ جمادی الثانیہ ۱۴۳۲ھ

بمقام دارالافتاء و تحقیق لاہور زیر نظر شرح کی تسوید سے فراغت حاصل ہوئی۔

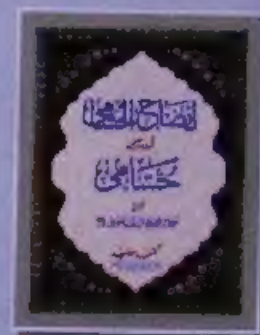
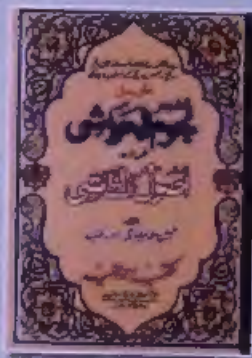
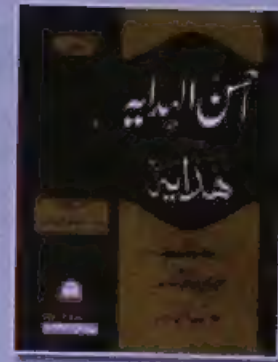
و قد شرعت فی التالیف یوم الثلاثاء ۲۳ ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ فہکذا قد قضیت فی التسوید
زهاء شهر و نصف و لله الحمد و له المنۃ، و بنعمته تتم الصالحات

کتبہ

شعیب احمد

جامعہ دارالتقویٰ چوہدری پارک

لاہور



مكتبة رحمانية



اقرأ تسليحاً على نفسك الله وبارك لأقرب
فون: 042-37224228-3735743